ابو مسلم خراسانی

جس کے لشکر نے سلطنتِ اُمیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی، دمشق کی گلیوں میں خون بہا اور
محلوں میں آگ لگادی گئی اس طرح بنُو اُمیہ کا خاتمہ اور سلطنتِ عباسیہ کا آغاز ہوا۔

ایچ اقبال

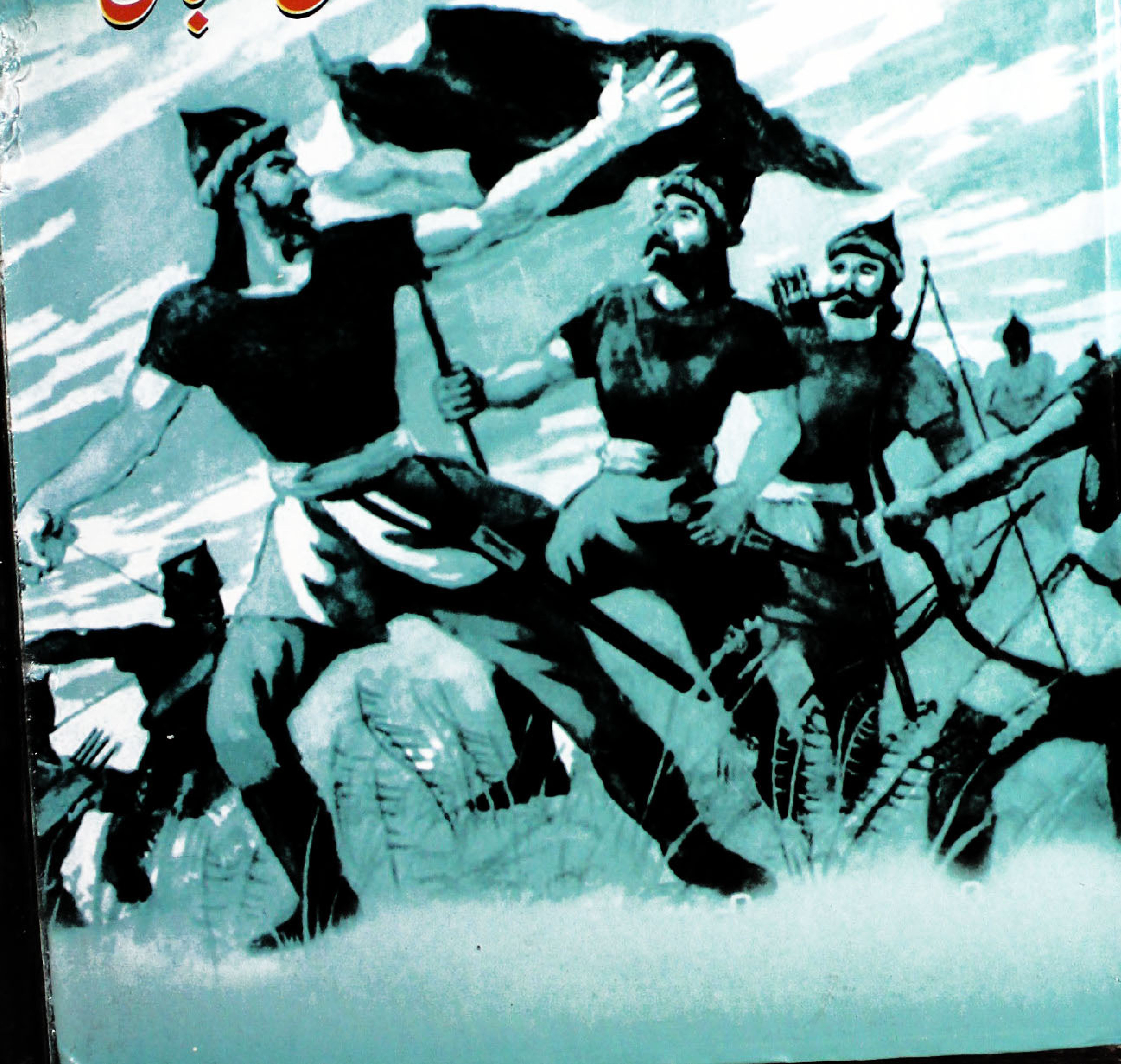

Marfat.com

ابو مسلم خراسانی

جس کے لشکر نے سلطنتِ اُمیّہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، دمشق کی گلیوں میں خون بہا اور محلوں میں آگ لگا دی گئی اس طرح بنو اُمیّہ کا خاتمہ اور سلطنتِ عباسیہ کا آغاز ہوا۔

ایچ۔ اقبال

الحمد پبلی کیشنز

رانا چیمبرز۔ سیکنڈ فلور۔ (چوک پرانی انارکلی)۔ لیک روڈ۔ لاہور

☎ 37231490 - 37310944

Marfat.com

ھماری کتابیں .....
خُوبصورت ، معیاری اور
کم قیمت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

صفدر حسین

297.9924
127410

alhamd_publication@yahoo.com

باقاعدہ قانونی معاہدے کے تحت جملہ حقوق ناشر الحمد پبلی کیشنز لاہور محفوظ ہیں۔ اس کتاب کے کسی بھی حصے کی کسی شکل میں نقل و اشاعت کی اجازت نہیں ہے۔ بصورت دیگر قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

ضابطہ:-

اشاعت : 2015ء
مطبع : حاجی حنیف پرنٹرز لاہور
سرورق : زاکر
قیمت : 800 روپے

Marfat.com

انتساب

تاریخ کے اُن تلخ حقائق کے نام
جو ہم تک نہیں پہنچ سکے
ماضی ہی میں دفن کر دیئے گئے

ایچ-اقبال

Marfat.com

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

فہرست

-1	ابومسلم خراسانی	۱۱
-2	خاتونِ قصر	۱۲۸
-3	عہدِ ہارون	۲۴۵
-4	مامون اور امین	۳۳۵
-5	بابک خرمی	۴۲۳
-6	عجیب المعتصم	۵۰۹
-7	سعیِ رائگاں	۶۰۹

Marfat.com

حرفے چند

خصوصاً یہ پیش لفظ لکھنے کا مقصد تو اِس سوال کا جواب دینا ہے کہ یہ تاریخی کہانیاں آپ کے سامنے ایچ اقبال کے نام سے کیوں آ رہی ہیں؟ اِس کا ایک جواب تو بہت سادہ ہے لیکن اُس کے بعد ایک اور ''کیوں؟'' سامنے آ جائے گا لہٰذا مناسب ہوگا کہ میں وضاحت ہی سے سب کچھ عرض کروں۔

اِس وضاحت کے لیے مجھے ماضی میں نصف صدی کا سفر کرنا پڑے گا۔ نثر نگار کی حیثیت سے میری عمر ۵۵ سال سے زیادہ ہو چکی ہے اور پیشہ ور نثر نگار کی حیثیت سے ۵۳ سال سے زاید!...... جاسوسی ناول نگار کی حیثیت سے میں ۱۹۶۰ء میں سامنے آیا تھا۔ پھر جب اُس صدی کا آٹھواں عشرہ شروع ہوا تو ناول پڑھنے والوں کا رجحان ڈائجسٹوں کی طرف بڑھ گیا۔ تب میں نے ناول نگاری چھوڑی اور ''الف لیلہ ڈائجسٹ'' نکالنا شروع کیا۔

طبع زاد مصنّفین کی تعداد، جو خصوصاً کراچی سے شائع ہونے والے ڈائجسٹوں کا مزاج پیشِ نظر رکھتے ہیں، اب تو بہت کم ہو چکی ہے مگر اُس زمانے میں بھی اطمینان بخش نہیں تھی۔ اِسی باعث مجھے ''الف لیلہ'' ڈائجسٹ میں خود ہی مختلف موضوعات پر لکھنا پڑا۔ ''ایچ اقبال'' کا نام چوں کہ ''جاسوسیت'' سے جڑا ہوا تھا لہٰذا اِس نام کے ساتھ شائع ہونے والی تاریخی کہانیاں، شاید لوگوں کا ذہن قبول نہیں کرتا۔ ممکن ہے، میرا یہ خیال غلط ہو لیکن اُس وقت میں نے یہی سوچا تھا۔ اِسی وجہ سے تاریخی کہانیوں پر ''ایچ اقبال'' شائع نہیں کیا۔ تصوّف کے مضامین بھی تیسرے نام سے شائع ہوئے۔ میرا پورا نام

Marfat.com

ہمایوں اقبال ہے اور میں بلگرام کا رہنے والا ہوں، چناں چہ میں تاریخی کہانیاں ''ہمایوں بلگرامی'' کے نام سے لکھتا رہا۔ تصوّف کے مضامین میں نے اپنے والد کے نام کی رعایت سے لکھے۔ یعنی اُن کے نام کے ساتھ ''اِبن'' کا لاحقہ لگا دیا، البتہ معاشرتی کہانیاں، نہ جانے کیوں ایچ اقبال ہی کے نام سے لکھتا رہا۔ دیگر ناموں کے بارے میں وضاحت غیر ضروری محسوس ہوتی ہے۔

یہ جو سطریں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں، یہ وہی سب کچھ ہے جو میری تاریخی کہانیوں کے پہلے مجموعے میں شایع ہو چکا ہے۔ وہ سب کچھ اب دوبارہ یوں شایع کیا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے پہلا مجموعہ نہیں پڑھا، وہ بھی ان حقایق سے آگاہ ہو جائیں جن کا اظہار میں پہلے مجموعے میں کر چکا ہوں۔

میرا وہ مجموعہ ''عہدِ مغلیہ'' پر تھا۔ اب آپ ''عہدِ عبّاسیہ'' کی کہانیاں پڑھیں گے۔ عباسی عہد 750ء سے 1258ء تک پھیلا ہوا ہے۔ یعنی پانچ سو سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہے۔ ممکن نہیں تھا کہ کہانیوں کے ایک مجموعے میں اس طویل مدّت کا احاطہ کر لیا جاتا، تاہم ان کہانیوں میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، وہ بھی سو سال سے زیادہ عرصے کے واقعات ہیں۔ ان کو حقیقت سے قریب تر رکھنے کے لیے میں نے ایک درجن سے زاید کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

ایچ۔اقبال

''نامعقول اضافہ''

تاریخی کہانیوں کے مجموعے میں ''اُردو قواعد'' پر بات کرنا کیونکہ مضحکہ خیز ہے، اس لیے میں نے ان سطور کو ''نامعقول اضافہ'' کا عنوان دیا ہے۔ میں اس بارے میں کچھ بات کرنا اس لیے ضروری سمجھ رہا ہوں کہ شاید اس طرح ''زندہ دلانِ لاہور'' کی کچھ تشفّی ہو جائے۔ مجھے اپنے پبلشر صاحب ہی سے معلوم ہوا کہ میں بہت سے الفاظ اس طرح لکھتا ہوں جن میں لوگوں کے لیے ''اجنبیت'' ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ بات مجموعوں کی اشاعت سے قبل ہی میرے علم میں آئی تھی لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ

Marfat.com

''اجنبیت'' کا احساس ان مجموعوں کے کمپوزر اور پروف ریڈر حضرات کو ہوا ہوگا۔ میں اس ضمن میں ان حضرات کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبے سے عاری ہوں۔ یہ بچّے قدرتی طور پر اسی کو درست سمجھیں گے جس طرح انھیں پڑھایا گیا ہے، یا جس طرح یہ اخبارات میں پڑھتے یا ٹی وی چینلز پر دیکھتے ہیں جہاں اُردو سے نابلد افراد کو ذمّے داریاں سونپی گئی ہیں۔

اگر ذرا سی توجہ دی جائے تو میری بات سب کی سمجھ میں آجائے گی۔ میں ''حکم راں'' لکھتا ہوں ''حکمراں'' نہیں لکھتا کیونکہ ''حکمراں'' لکھنے ہی سے لوگوں کا تلفظ بگڑا ہے۔ عام طور پر ''حُک مَراں'' بولا جانے لگا ہے۔ کوئی مجھے بتائے کہ ''حُک'' کا کیا مطلب ہے اور ''مَر اں'' سے کیا مراد ہے۔ یقیناً کوئی نہیں بتا سکے گا کیوں کہ اصل لفظ ''حکم راں'' ہے جس کا مطلب ہے ''حکم چلانے والا''...... جیسے ''کشتی راں''...... ''جہاز راں''...... وغیرہ وغیرہ!...... اب اگر میرے قلم کی ذرا سی مختلف حرکت سے بیس فی صد لوگوں کا بھی تلفظ درست ہو جائے تو یہ میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا (شاید میری ان چند سطور کو ''بے وقت کی راگنی چھیڑنے کے مترادف سمجھا جائے لہٰذا معذرت خواہ ہوں)۔

Marfat.com

ابو مسلم خراسانی

دمش جل رہا تھا!

وہ دمشق جو دور دراز کے تاجروں کے لیے ایک اہم تجارتی شہر تھا۔ وہ دمشق جو اہرامِ مصر کا ہم عصر تھا اور جسے عربوں نے دارالسلطنت بنایا تھا۔ جہاں خانوادۂ بنو اُمیہ کے خلفا نے اپنے عشرت کدے اور محل تعمیر کرائے تھے۔ ان محلوں میں آگ لگائی جا رہی تھی۔ اُموی خاندان کے شہزادوں اور عمائدین کو اُن کے محلوں سے گھسیٹ کر باہر لایا جا رہا تھا اور اُن کی گردنیں اُڑائی جا رہی تھیں گلی کوچوں میں اُن کا خون بہہ رہا تھا اور عباسیوں کی انقلابی سپاہ کی تلواریں اس خون سے رنگین ہو رہی تھیں اور شہر کی فصیل تباہ کی جا رہی تھی۔

جبلِ قاسیون کے دامن میں آباد دمشق کے گلی کوچے فرشتۂ اجل کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے گونج رہے تھے۔ چیخوں اور آہ و بکا نے جو خوف وہراس پھیلا رکھا تھا، اُس کے اثرات انقلابیوں پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو رہے تھے۔ اُن کے سینوں میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی، وہ اُس آگ سے زیادہ شدید تھی جس کے شعلوں کی لپکتی ہوئی آنچ محلاتِ دمشق کے در و دیوار چاٹ رہی تھی۔

لوگوں نے اپنی جان بچانے کے لیے دریائے فرات کی طرف بھاگنا چاہا تو انقلابی سپاہ نے اُن کا تعاقب کیا اور شہر کے مشرق و شمال مشرق میں دریائے فرات تک پھیلا ہوا نیم صحرائی میدان بھاگنے کی کوشش کرنے والوں کا قبرستان بن گیا۔

اگرچہ دمشق کی تباہی خلافتِ بنو اُمیہ کے اقتدار کے تابوت میں آخری کیل

Marfat.com

ثابت ہوئی تھی لیکن اس خانوادے کا چودھواں اور آخری خلیفہ مروان بن محمد اس قیامت سے پہلے ہی دمشق سے نکل کر خراسان پہنچنے میں کام یاب ہوگیا تھا۔ اُس نے خراسان کو اپنا پایۂ تخت قرار دے دیا۔

دمشق میں اُس کا محل بُری طرح اُجاڑا اور لوٹا گیا۔ وہاں موجود مرد وزن کی گردنیں اُڑائی گئیں۔ محل کا فرش تو کیا' در و دیوار تک خون سے رنگین ہوگئے۔ محل کے منصب داروں کے علاوہ خلفیہ مروان بن محمد کے غلام اور کنیزیں بھی ہلاک کر دی گئیں۔ صرف ایک خوش قسمت ایرانی کنیز روشنک اس ہول ناک خوں ریزی سے بچ نکلنے میں کام یاب ہوئی تھی۔

عباسیوں کی اس انقلابی تحریک کے سپاہیوں نے خانوادۂ بنواُمیہ کے افراد کھوج کھوج کر اور گن گن کر ہلاک کیے تھے مگر پھر بھی اُن میں سے ایک شہزادے کو اپنے محل سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ بنواُمیہ کے دسویں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا عبدالرحمٰن بن معاویہ تھا۔ اسی شہزادے نے اُندلس پہنچ کر وہاں اُموی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی جو کئی سو سال تک قائم رہی۔ وہ اپنے ایک وفادار غلام کے ساتھ فرار ہو رہا تھا کہ بھاگی ہوئی دہشت زدہ روشنک اُس سے آٹکرائی۔ شہزادہ عبدالرحمٰن اُسے خلیفہ مروان بن محمد کی کنیز کی حیثیت سے پہچانتا تھا اور اُسے وہ خوب صورت کنیز اچھی بھی لگتی تھی۔ اُس نے بڑی پھرتی سے اُسے اپنے گھوڑے پر اپنے آگے بٹھالیا۔ دوسرے گھوڑے پر اُس کا غلام تھا۔

فی الحال اُن کی کوئی منزل نہیں تھی۔ فوری طور پر انھیں صرف موت کے چنگل سے نکل جانے کی کوشش کرنی تھی۔ جب اُن کے گھوڑے دریائے یرموک کے کنارے کنارے دوڑتے ہوئے پسینے میں شرابور ہوگئے اور خود اُن کی حالت بھی غیر ہوگئی تو وہ گھوڑوں سے بہ مشکل اُتر کر دریا کے کنارے ڈھیر ہوگئے۔ تھکاوٹ اور گرمی کی وجہ سے اُن پر غشی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر بعد جب وہ غشی کے اندھیروں سے نکلے تو شہزادہ عبدالرحمٰن حیرت زدہ رہ گیا کیوں کہ روشنک کا دور دور تک کہیں پتا نہ تھا۔

روشنک جب شہزادہ عبدالرحمٰن اور اُس کے غلام کے ساتھ دریائے یرموک کے کنارے نم آلود زمین پر گری تھی تو اُس نے بہ تدریج گہری ہوتی ہوئی غشی کے باوجود

Marfat.com

کچھ فاصلے پر جواں سال شخص کو ایک ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہوا دیکھ لیا تھا۔ اس اجنبی شخص کے ہاتھ میں پانی کی بڑی سی چھاگل تھی جسے خاک دھول سے اٹھا کر اس پر شاید پانی سے بھیگی ہوئی انگلی سے ''ابو مسلم خراسانی'' کا نام لکھا گیا تھا۔

ابو مسلم! ابو مسلم!

روشنک کے دل ودماغ دیوانہ وار یہ نام دہرانے لگے۔ اس نام میں ایسا نہ جانے کیا جادو تھا کہ اُس کے اثر نے روشنک کو غشی کے اندھیرے میں ڈوبنے سے بچالیا۔ اُس نے بے تحاشا اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اپنی بے جان سی ہوجانے والی ٹانگوں کی وجہ سے پھر ڈھیر ہوگئی۔

ابو مسلم! ابو مسلم!

روشنک پر اس نام کے جادو نے پھر اثر کیا۔ اُس نے اپنی قوت مجتمع کرتے ہوئے دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کی اور گرتی پڑتی، اجنبی کے قریب پہنچ ہی گئی۔

اجنبی نے اُسے جلدی سے ٹیلے کی آڑ میں کرلیا جہاں ایک گھوڑا بھی تھا۔ اجنبی نے روشنک سے کہا۔ ''مجھے ابو مسلم نے تمھیں لینے کے لیے بھیجا ہے۔''

''کہاں ہیں وہ؟'' روشنک نے بے تابی سے پوچھا۔

''وہ یہاں سے بہت دور ہیں۔ انھوں نے مجھے خراسان سے بھیجا ہے۔ میں تمھیں لے جانے کے لیے آیا ہوں۔''

روشنک کی بے تابی کم نہ ہوئی۔ اُس نے کہا۔ ''بس مجھے لے چلو اُن کے پاس!''

روشنک کے لیے ابو مسلم کے نام میں کچھ ایسا طلسم تھا کہ اُس نے اجنبی پر اعتماد کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا اور اجنبی کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ گئی، پھر وہ مشرق کی طرف روانہ ہوگئے۔

ابو مسلم کا نام روشنک کے لیے تحفظ کی ضمانت تھا۔ تحفظ کے احساس کے باعث اُس پر تکان طاری ہونے لگی۔ گھوڑے پر اپنا توازن قائم رکھنے میں اُسے کچھ دشواری ہوئی لیکن اجنبی کے دونوں بازو اس کے دائیں بائیں تھے' اس لیے گھوڑے سے اُس کے گر جانے کا احتمال نہیں تھا۔

Marfat.com

تکان کے باعث وہ خواب کی سی حالت میں اجنبی کی آواز سنتی رہی۔ وہ اُسے بہت کچھ بتا رہا تھا۔ اُس کا نام شاہ رخ تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو ابو مسلم خراسانی کے معتمد تھے، جب عباسی لشکر نے دمشق کا رخ کیا تو ابو مسلم نے شاہ رخ کو ہدایت کی تھی کہ وہ لشکر سے پہلے دمشق پہنچ جائے اور کسی طرح بھی خلیفہ مروان کے محل سے روشنک کو نکال لائے۔ شاہ رخ یہ ہدایت لے کر خراسان سے روانہ ہوا لیکن عباسی لشکر سے پہلے دمشق نہ پہنچ سکا۔ اثنائے سفر میں اُس کے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لگ بھگ نصف فرسخ کا فاصلہ پاپیادہ طے کر کے وہ ہمدان پہنچا۔ وہاں سے اُس نے ایک گھوڑا خریدا اور دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ اپنی منزل کے قریب پہنچ کر اُسے شدید مایوسی ہوئی کیوں کہ اس وقت تک دمشق میں آگ اور خون کا کھیل شروع ہو گیا تھا۔

شاہ رخ وہاں سے پلٹ رہا تھا کہ تھکاوٹ کے باعث دمشق سے کچھ دور ایک ویران جگہ پر لیٹ کر ستانے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اُسے گھوڑوں کی ٹاپوں نے چونکا دیا۔ اُس نے چھپ کر اس طرف آنے والے گھڑ سواروں کو دیکھا۔ وہ کچھ فاصلے پر تھے کہ شاہ رخ نے شہزادہ عبدالرحمٰن کو پہچان لیا اور یہ دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی کہ عبدالرحمٰن کے گھوڑے پر خلیفہ مروان کے محل کی ایک ایرانی کنیز بھی ہے۔

خلیفہ کی ایرانی کنیزیں ایسا حریری لباس پہننے کی پابند تھیں کہ اُن کے دونوں بازو عریاں رہیں۔ خلیفہ نے اُن کے بائیں بازوؤں پر ستارے کے نشان گدوا دیے تھے تا کہ انھیں دوسری کنیزوں سے الگ پہچانا جا سکے۔ شاہ رخ کو ابو مسلم خراسانی نے یہ بات بتا دی تھی اور شاہ رخ کو اسی ایک علامت کے سہارے روشنک کو شناخت کرنا تھا اور اُسے خلیفہ کے محل سے صحیح سلامت نکالنا تھا۔

شاہ رخ کی سمجھ میں یہ بات تو آ گئی کہ شہزادہ عبدالرحمٰن کسی طرح بچ نکلا تھا اور اب فرار ہو رہا تھا لیکن یہ بات نا قابلِ فہم تھی کہ وہ خلیفہ کے محل کی ایک ایرانی کنیز کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

کاش یہ روشنک ہی ہو! شاہ رخ کے دل سے ایک ہوک سی اُٹھی اور اس وقت اُس کے سارے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جب گھوڑے اُس کے قریب سے گزر رہے تھے

Marfat.com

اور شہزادہ عبدالرحمٰن نے کوئی بات کہنے کے لیے روشنک کا نام لے کر اُسے مخاطب کیا تھا۔

اس کے بعد شاہ رخ ان گھڑ سواروں کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ کسی نہ کسی موقع پر روشنک سے رابطہ کرنے میں کام یاب ہو جائے گا۔ اس کی یہ توقع اس وقت پوری ہوئی جب شہزادہ عبدالرحمٰن، اُس کا غلام اور روشنک دریائے یرموک کے کنارے اپنے گھوڑوں سے اتر کر زمین پر ڈھیر ہوئے۔ روشنک کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے شاہ رخ کو بروقت ایک تدبیر سوجھ گئی اور وہ خوش ہوا کہ اُسے ابومسلم خراسانی کے سامنے جاتے ہوئے شرمندگی نہیں ہوگی۔

گھوڑا دوڑتا رہا۔ شام سے رات ہوئی اور وہ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب گھوڑے کی رفتار میں نمایاں کمی محسوس کر کے روشنک نے اپنی نندوسی آنکھیں کھولیں۔

چاند مدھم پڑ چکا تھا اُس کی خفیف سی روشنی میں اِرد گرد کا ماحول دھندلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ روشنک کو اندازہ ہوا کہ اب چاروں طرف کھیت تھے اور گھوڑا کھیتوں کے درمیان بنے ہوئے ایک کٹیا جیسے مکان کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

''یہ بابا تبریزی کے کھیت ہیں۔'' شاہ رخ بولا۔ ''بستی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ بابا اپنے کھیتوں ہی میں رہتے ہیں۔ یہ انھی کا گھر ہے۔ ہم بقیہ رات اور کل کا دن یہیں گزارنے کے بعد دوبارہ اپنا سفر کل رات کو شروع کریں گے۔''

''بقیہ رات؟''

''ہاں۔'' شاہ رخ نے جواب دیا۔ ''یہ رات کا چوتھائی پہر ہے۔ صبح ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں ہے۔''

روشنک کو حیرت ہوئی۔ ''ہم نے مسلسل سفر کیا ہے؟''

روشنک کو اپنے سوال کا جواب نہیں مل سکا کیوں کہ شاہ رخ نے کٹیا جیسے مکان کے قریب پہنچ کر گھوڑا روک دیا اور گھوڑے سے اُتر کر اب وہ روشنک کو گھوڑے سے اُترنے میں مدد دے رہا تھا۔

گھوڑے کی ٹاپیں سن کر بابا تبریزی کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں مشعل تھی۔

Marfat.com

’’شاہ رخ!‘‘ وہ حیرت سے بولا۔

’’ہاں بابا!‘‘ شاہ رخ نے جواب دیا۔’’آج بہت دن بعد اِدھر سے گزر ہوا ہے لیکن آج میں آپ کے لیے بہت بڑی خوش خبری لے کر آیا ہوں۔‘‘

بابا تبریزی نے مشعل کی روشنی روشنک کے چہرے پر ڈالی۔ شاید وہ روشنک کے بارے میں کوئی سوال بھی کرتا لیکن شاہ رخ نے ایسی بات کہہ دی تھی کہ بابا مستفسرانہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

شاہ رخ بولا۔’’میں آپ کو یہ خبر سنانا چاہتا ہوں کہ مروان بن محمد اگر چہ فی الحال بچ گیا ہے لیکن بنو اُمیہ کی خلافت کے تابوت میں آج آخری کیل ٹھونک دی گئی ہے۔ انقلاب آچکا ہے۔ مروان کو اب کہیں جائے پناہ نہیں ملے گی۔‘‘

’’شاہ رخ!‘‘ بابا تبریزی کی آواز مسرت سے کانپ گئی۔’’یہ خبر سننے کے بعد تو میرے کان کئی عشروں سے بے قرار تھے۔‘‘

’’ہاں بابا!‘‘ شاہ رخ نے کہا۔’’یہ انقلاب آنے میں کئی عشرے لگ گئے۔ میں تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا جب اس تحریک کی ابتدا ہوئی تھی۔‘‘

☆☆☆

خلافتِ بنو اُمیہ کو آغاز ہی سے مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس میں شدّت اس وقت آئی تھی جب خلافت کا منصب موروثی ہو گیا تھا۔ بہت سے عرب زعما کو ملوکیت کی ابتدا سخت ناگوار گزری تھی۔ بنو اُمیہ کے خلاف بہت تحریکیں اُٹھیں جن میں بیشتر طاقت کے زور سے دبادی گئیں۔ انھی میں سے دو تین ایسی بھی تھیں جو ہمیشہ بنو اُمیہ کے لیے دردِ سر بنی رہیں لیکن ایک تحریک بہت خاموشی سے خود کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرتی رہی۔ اُسے کسی ایسے مناسب وقت کا انتظار رہا جب اُمویوں پر ایک بھرپور اور کاری ضرب لگائی جاسکے۔

وہ تحریک عباسیوں کی تھی جو لوگوں کو بہت احتیاط سے اور نہایت خفیہ طور پر اُمویوں کے خلاف رزم آرا ہونے کی دعوت دے رہی تھی، اس تحریک کے داعی خود کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ اُموی خلفا اس سے تو باخبر رہے کہ ایک مخالف تحریک خفیہ طور پر سرگرم

Marfat.com

ہے لیکن اس تحریک کے انتظام و انصرام، نیز اُسے متحرک رکھنے والی شخصیات کا پتا لگانے میں انھیں کام یابی نہیں ہو سکی۔ بنو اُمیہ کے ساتویں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے دور میں اس تحریک کی سیادت عبداللہ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تحریک حسنِ تدبیر اور دور اندیشی سے پروان چڑھی۔

ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک کو عبداللہ کا اندازِ گفت گو سننے کا اتفاق ہوا تو اس کے بارے میں سوچتے سوچتے وہ یک بارگی چیخ اُٹھا۔

''مجھے آج تک اس جیسا ذہین اور مدلّل گفت گو کرنے والا شخص نہیں ملا۔ ہو نہ ہو، یہ وہی ہے جو ہمارے خاندان کے خلاف خفیہ تحریک چلا رہا ہے۔''

یہ نتیجہ اخذ کرتے وقت سلیمان بن عبدالملک کے دماغ میں کسی کی یہ روایت بھی ضرور ہوگی کہ بنو اُمیہ سے خلافت کا منصب چھیننے والا شخص بنو عباس میں سے ہوگا۔

کیوں کہ عبداللہ کا تعلق بنو عباس ہی سے تھا لہٰذا سلیمان بن عبدالملک نے ایک سازش کی اور فلسطین کی طرف جاتے ہوئے عبداللہ کو راہ میں زہریلے دودھ کا پیالہ پلا کر ہلاک کر دیا گیا۔

سلیمان بن عبدالملک کا خیال تھا کہ سیادت کرنے والے کی موت کے بعد تحریک بھی اپنی موت آپ مر جائے گی لیکن درحقیقت ایسا نہ ہوا۔ عباسی تحریک کے بانی نے اس تحریک کو ہر قیمت پر زندہ رکھنے کے جو اُصول وضع کیے تھے، تحریک انھی اُصولوں کے مطابق چل رہی تھی۔ انھی میں سے ایک اُصول کے مطابق تحریک کے کسی سربراہ کی اچانک موت تحریک کے خاتمے کا سبب نہیں بن سکتی تھی۔ اسی لیے سلیمان بن عبدالملک کی اس سازش کے نتیجے میں تحریک کی سیادت عبداللہ کے پوتے محمد بن علی کے ہاتھ میں چلی گئی۔

تحریک چلانے کے اختیارات کے ساتھ ہی محمد بن علی کو اپنے دادا کی وصیت اور کچھ خطوط بھی ملے۔ وصیت میں دیگر باتوں کے علاوہ اُن تدابیر پر بھی زور دیا گیا تھا جو اس تحریک کو چلانے اور کام یاب بنانے کے لیے بہت ضروری تھیں۔ خطوط اُن حامیوں اور مددگاروں کے نام تھے جن کی اکثریت ایران اور عراق میں تھی۔ خطوط میں لکھا گیا تھا کہ وہ محمد بن علی کے احکام کی دل و جان سے تعمیل کریں اور اپنے فرائض سے کسی لمحہ غافل نہ رہیں۔

Marfat.com

سلیمان بن عبدالملک کی موت کے بعد جب ساتویں اُموی خلیفہ کا دور آیا تو عوام کے حالات خاصے بہتر ہو گئے۔ ان پر جور و ستم کا سلسلہ بند ہوا۔ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے محمد بن علی نے عباسی تحریک کو اور زیادہ منظّم کیا۔ نہایت معتمد لوگوں میں سے ستّر افراد کو سربراہِ کار بنایا گیا۔ ان پر بارہ نقیب مقرر کیے گئے اور انھیں غیر معمولی اختیارات سے سرفراز کیا۔

جور و استبداد کے اس خاتمے سے محمد بن علی نے ایک بڑا فائدہ یہ اُٹھایا کہ نرم مزاج خلیفہ سے اجازت لے کر بنی حارث کی ایک لڑکی رابطہ بنت عبیداللہ الحارث سے شادی کر لی۔ اُس لڑکی سے جو فرزند پیدا ہوا اُس کا نام عبداللہ رکھا۔ یہی نام محمد بن علی کے دادا کا بھی تھا۔ مستقبل میں اس عبداللہ ابوالعباس کو خراسانی نقیبوں کے حوالے کیا اور انھیں تاکید کی کہ اُس کی سخت حفاظت کریں۔

نقیبوں سے کہا گیا۔ ''یہ ایک حارثیہ خاتون کے بطن سے ہے۔ کیا عجب کہ بنو اُمیہ ہی کی کتابوں میں لکھی ہوئی پیش گوئی درست ثابت ہو اور مستقبل میں میرا یہ بیٹا ہی تمھارا امیر بنے۔''

اس کے بعد محمد ایک طویل عرصے تک عباسی تحریک کو پروان چڑھانے میں مصروف رہا۔

جب بنو اُمیہ کا دسواں خلیفہ ہشام بن عبدالملک برسرِ اقتدار آیا تو اُس نے اُمویوں کی مخالف اس خفیہ تحریک کے استیصال کا تہیہ کر لیا۔ ہر طرف جاسوسوں اور مخبروں کا جال پھیلا دیا گیا۔ جس شخص پر ذرا بھی شک ہوا، اس پر حد درجہ سختیاں کی گئیں۔ عباسیوں کی دعوت کے حامیوں پر زندگی تنگ کر دی گئی۔ کوئی عباسی داعی جب بھی ہاتھ لگا، موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا لیکن تحریک کے قائد کا سراغ کہیں نہ مل سکا۔ ہشام بن عبدالملک نے بھی ہمت نہیں ہاری اور کاوشوں کا مستقل سلسلہ جاری رکھا۔

☆☆☆

ان دنوں ابومسلم خراسانی کوفے میں بنو عجل کے ایک نہایت متمول شخص ابوسفیان باہلی کے پاس ملازم تھا۔ کچھ ایسے کام اُس کے سپرد کیے گئے تھے کہ وہ ہمہ وقت

Marfat.com

ابوسفیان باہلی کے محل نما گھر ہی میں رہا کرتا تھا۔ ایک عرب کے پاس ملازمت اُس نے بہ حالتِ مجبوری کی تھی ورنہ وہ بھی عربوں کے نسلی تعصب سے نالاں تھا۔ اُموی خلافت سے تو اُسے حددرجہ نفرت تھی۔ وہ خواہاں تھا کہ اُمویوں کے خلاف کوئی کام یاب بغاوت ہو یا کوئی تحریک بنواُمیہ کا تختہ اُلٹ دے۔ اسی لیے حالات پر اُس کی کڑی نظر رہتی تھی۔ اُسے یہ بھی علم تھا کہ بنواُمیہ کے خلاف ایک خفیہ تحریک بہت عرصے سے کام کررہی ہے اور گزشتہ ایک عشرے میں تو اس نے اپنی جڑیں بہت مضبوط کرلی ہیں۔

ان حالات پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے فرائض سے بھی کبھی غافل نہ رہا۔ اُس کی کوشش رہی کہ اس سے کبھی کوئی کوتاہی نہ ہو۔ اسی لیے اُس نے ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا۔ ابوسفیان باہلی کے گھر میں وہ کام کرنے والے دوسرے لوگوں سے رسمی بات چیت کرتا تھا مگر اُن لوگوں کی باتیں اس کی سماعت سے گزرتی رہتی تھیں۔ انھی باتوں کو سن کر اُس نے جانا تھا کہ ابوسفیان کا ہلی کی بیویاں کتنی ہیں یا اس کے گھر کے حالت کیا ہیں۔ خدّام ہونے کے باوجود ابوسفیان باہلی کی تین کنیزیں بھی تھیں جن میں ایک ایرانی تھی۔ اُس کا نام روشنک تھا۔ اُس کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ ابوسفیان باہلی نے اُسے تیرہ سال کی عمر میں خریدا تھا۔

ابومسلم نے بہت جلد محسوس کرلیا کہ روشنک اس کی طرف ملتفت تھی۔ اس صورتِ حال سے ابومسلم خاصا پریشان ہوا۔ خود اس نے روشنک میں قطعاً دلچسپی نہیں لی۔ یہ اُس کا مزاج ہی نہیں تھا لیکن اُس کی طرف روشنک' کا جھکاؤ اگر ابوسفیان کے علم میں آجاتا یا اُسے صرف شبہ ہوجاتا تو یہ بات کسی طرح بھی ابومسلم کے حق میں نہ جاتی اور خود روشنک اپنے آقا کی جس بیدادگری کا ہدف بنتی، وہ ایک الگ قصہ ہوتا۔

روشنک سے گریزاں رہنے کے لیے ابومسلم ہر وہ کوشش کرتا رہا جو اُس کے لیے ممکن تھی۔ اُس کے تیور دیکھ کر روشنک کبھی کبھی عجیب سے انداز میں مسکرادیتی تھی۔

اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ اس عرصے میں روشنک کو صرف ایک مرتبہ ابومسلم سے بات کرنے کا موقع ملا۔ اس موقع پر اُس نے کہا تھا۔

''بے شک! میں ایک کنیز ہوں لیکن میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ

Marfat.com

میں ایک عرب کی کنیز ہوں۔ ان عربوں کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر میں کسی ایرانی کی کنیز ہوتی تو یہ میرے لیے اتنا زیادہ اذیت ناک نہیں ہوتا لیکن کسی بھی کنیز کے اس قسم کے جذبات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ کنیز اپنی ساری زندگی اپنے لیے تو ایک پل بھی نہیں جیتی۔ آپ کے بارے میں مجھے خوب اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ ملازمت آپ کی مجبوری ہے۔ آپ بھی عربوں کو پسند نہیں کرتے تو پھر ایک ایرانی کنیز سے آپ کا اتنا گریز کیا بے جواز نہیں ہے؟"

ابومسلم روشنک کے اس جملے سے بہت متاثر ہوا تھا کہ کنیز اپنی ساری زندگی اپنے لیے تو ایک پل بھی نہیں جیتی۔

اس جملے میں روشنک کا کرب بھی کسی انگارے کی طرح دہک رہا تھا لیکن ابومسلم نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اُس کے دل میں اس مقولے کی گونج پھیلی رہی کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔

اس کے بعد روشنک کو ابومسلم سے اتنی بات کرنے کا موقع کبھی حاصل نہیں ہوا۔ سال بھر بعد ابومسلم ایک مختصر سی محفل میں کچھ لوگوں سے ملا۔ وہ خراسانی نقیب تھے جو کوفے میں لوگوں کو عباسی خلافت کی دعوت دے رہے تھے۔ اس دن ابومسلم نے پہلی بار جانا کہ وہ جس خفیہ تحریک کے بارے میں سوچتا رہتا تھا، وہ تحریک، عباسی خلافت کا قیام چاہتی ہے۔

عباسی بھی عرب تھے۔ ابومسلم کو تعجب ہوا کہ اُس کے ہم وطن اس تحریک کی کام یابی کے لیے سرگرم تھے۔ اُسے باور کرایا گیا کہ عباسی عرب اُن عربوں سے مختلف ہوں گے جن کا ربط ضبط اُموی خلافت سے تھا۔ ابومسلم اس تحریک کی عملی حمایت کے بارے میں سوچنے لگا۔

خراسانی نقیبوں نے ابومسلم میں کچھ خاص باتیں محسوس کیں۔ جب وہ کوفے سے مکہ مکرمہ گئے اور محمد بن علی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابومسلم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

محمد بن علی نے بلا تامل کہا۔ "اگر وہ آزاد ہے تو اُسے لے آؤ۔ اگر غلام ہے تو خرید لو۔"

Marfat.com

خراسانی نقیب دوبارہ کوفے گئے۔ انھوں نے ابومسلم کو کسی جگہ بلایا اور اُس سے بہت واضح گفت گو کی۔ یہ امر ابومسلم کے لیے نہایت خوش کن تھا کہ عباسی تحریک اُسے اپنا جزو بنانا چاہتی ہے۔ اُس نے فوراً اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا اور خراسانی نقیب اُسے محمد بن علی کے پاس لے گئے۔

محمد بن علی نے اُسے سر سے پیر تک غور سے دیکھا۔ تجربہ کار نگاہوں نے ابومسلم کی پیشانی پر اقبال مندی کی چمک فوراً محسوس کر لی۔

ابومسلم خراسانی کا قد چھوٹا اور رنگت گندمی تھی۔ اُس کے جسم کا بالائی حصّہ لمبا اور پنڈلیاں چھوٹی تھیں، پھر بھی وہ دیکھنے میں اچھا معلوم ہوتا تھا۔

محمد بن علی نے فیصلہ کیا کہ اس نوجوان کو کچھ عرصے ساتھ رکھ کر اُس کی فطرت و استعداد کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگایا جائے۔

جن دنوں ابومسلم خراسانی محمد بن علی کے ساتھ رہا' انھی دنوں میں اُسے عباسی عقائد و نظریات سے بھی آگاہی ہوئی۔ عباسیوں اور اُمویوں کا فرق بھی اس پر واضح ہوا۔ محمد بن علی کی شخصیت کے طلسم نے بھی اُسے مسحور کیا اور اُس نے یہ سوچ کر بڑا اطمینان محسوس کیا کہ اب اُس کی زندگی اس صحیح راستے پر گام زن ہو جائے گی جس کا وہ لاشعوری طور پر متلاشی تھا۔

جب ابومسلم کی عسکری تربیت شروع کی گئی تو جلد ہی یہ اندازہ بھی ہوا کہ وہ ''پیدائشی سپاہی'' تھا۔ اُس نے بہت کم وقت میں بہت تیزی سے بہت کچھ سیکھ لیا۔

پھر جس روز ابومسلم کی عسکری تربیت مکمل ہونے کی بات کی گئی، اسی دن عباسی تحریک ایک سانحے سے دوچار ہوئی۔

ہشام بن عبدالملک کے جاسوس اور مخبر جو دس برس سے سرگرم کار تھے اور جنھوں نے بہت سے عباسی داعیوں کو گرفتار کر کے موت کے اندھیروں میں پہنچایا تھا، انھیں ایک دوافروش کے بارے میں کچھ اہم معلومات حاصل ہوئیں۔ ان معلومات کے باعث یہ شبہ کیا گیا کہ وہ دوافروش اس خفیہ تحریک سے وابستہ ہے جو خلافتِ بنواُمیہ کی دشمن ہے۔ دوافروش کی کڑی نگرانی کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس دوافروش کا محمد بن علی کے

Marfat.com

پاس بہت زیادہ آنا جانا ہے۔

یہ اطلاع ہشام بن عبدالملک کو دی گئی تو اُس کا چہرہ طیش سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے کہا ''تو پھر طے ہے کہ وہ خفیہ تحریک فرزندانِ عباسی ہی چلا رہے ہیں اور عبداللہ کے بعد اُس کا یہ پوتا اب اس تحریک کا سرغنہ ہے۔''

فوراً ہی محمد بن علی کی گرفتاری عمل میں آئی اور زنداں میں اُسے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔

اس افسوس ناک خبر پر ابو مسلم خراسانی کا چہرہ تاثرات سے عاری رہا۔ اُس نے صرف اتنا سوچا کہ اب یہ تحریک کس طرح جاری رہ سکے گی لیکن جلد ہی اُسے علم ہو گیا کہ اس تحریک کے تانے بانے بڑے غور وخوض کے ساتھ بُنے گئے تھے۔ تحریک کے کسی ''بڑے'' کے اچانک مر جانے کا مطلب تحریک کی موت ہرگز نہیں تھا۔

تحریک کی قیادت اب محمد بن علی کے بیٹے ابراہیم کے ہاتھ میں آگئی اور اُس نے ''امام'' کا لقب اختیار کیا۔

کیوں کہ اب یہ بات راز نہیں رہی تھی کہ تحریک فرزندانِ عباس چلا رہے تھے' اس لیے ضروری ہو گیا کہ اس خاندان کا ہر فرد روپوش ہو جائے ورنہ اُن میں سے کوئی بھی ہشام بن عبدالملک کے قہر وغضب سے نہ بچتا۔

فیصلہ ہوا کہ ابراہیم الامام کو بھی روپوش رہ کر اپنے نقیبوں اور کارپردازوں کے ذریعے اس تحریک کو جاری رکھنا ہوگا۔

ابو مسلم خراسانی کو ایک خفیہ مقام پر ابراہیم الامام کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نوجوان کے بارے میں ساری تفصیل ابراہیم الامام کو پہلے ہی بتا دی گئی تھی۔ اس ملاقات میں ہمہ صفت ابو مسلم خراسانی پہلی ہی نظر میں ابراہیم الامام کو بھا گیا اور ابو مسلم خراسانی نے بھی تحریک سے اپنی د'' ہانہ وابستگی اور جذبۂ فدائیت کے اظہار میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔

ہشام بن عبدالملک کے جاسوس، کتوں کی طرح فرزندانِ عباس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے کہ اُن کے آقا کو زمین نگل گئی۔

بنو اُمیہ کے اس دسویں خلیفہ کی موت کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک

۱۴۷۶۱۱۵

Marfat.com

سریر آرائے سلطنت ہوا۔ وہ نہایت کم عمری ہی میں حد درجہ بدکار اور شرابی تھا۔ اس فاسق و فاجر خلیفہ کے عہد میں دولتِ بنو اُمیہ کی چولیں ڈھیلی پڑ گئیں اور حکومت ضعف و اضمحلال کا شکار ہوگئی۔ اگرچہ ولید بہ مشکل سال بھر برسرِ اقتدار رہا اور بالآخر بپھرے ہوئے عوام کے ہاتھوں قتل ہوا لیکن اُس کے بعد جو دو خلفا تخت پر متمکن ہوئے، وہ بھی ایک سال چار ماہ سے زیادہ عرصہ نہ گزار سکے۔

اُس عہد میں ایسی بدامنی اور انتشار پھیلا جس سے ابراہیم الامام نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ لوگ بہت گھبرائے ہوئے تھے اور کوئی بڑی تبدیلی چاہتے تھے، چنانچہ عباسی تحریک کے کارپرداز اور نقیب ہر شہر میں پھیل گئے اور دعوتِ عباسیہ کو بہ کثرت پذیرائی ملنے لگی۔

اسی دور میں ابراہیم الامام نے اپنے ایک اہم نقیب ابونجم کی بیٹی سے ابومسلم خراسانی کا عقد کرادیا تھا۔ اسی عرصے میں ابومسلم کے جوہر اتنا کھل کر سامنے آگئے تھے کہ اُسے اس اعلان کے ساتھ خراسان روانہ کردیا گیا کہ وہاں اب تحریک کی قیادت عملی طور پر اُسی کے ہاتھ میں ہوگی اور تحریک کے تمام نقیب اُس کے احکام کی تعمیل کریں گے۔ اس طرح اُسے گویا ''نقیبِ اعلیٰ'' کی حیثیت سے مامور کردیا گیا۔

ابومسلم ابھی خراسان کے راستے ہی میں تھا کہ اُسے اس وقت کے اُموی خلیفہ ابراہیم بن ولید کے خلاف مروان بن محمد کی بغاوت کا علم ہوا۔ جلد ہی خبر رسانوں نے بھی اُس کی تصدیق کی کہ مروان بن محمد تختِ خلافت پر متمکن ہوچکا ہے اور ولید بن عبدالملک نے شاید اپنی جان بچانے کے لیے اُس سے بیعت کرلی ہے۔

اس خبر سے ابومسلم خراسانی کے ساتھیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اُن کی اس خوشی کا سبب بنو اُمیہ کی کتابوں میں کی جانے والی یہ پیش گوئی تھی کہ وہ شخص بنو اُمیہ کا آخری خلیفہ ہوگا جس کی ماں کوئی کنیز ہوگی۔

مروان بن محمد کی ماں ایک کُرد کنیز تھی۔

ابومسلم کو اپنے ساتھ خراسان جانے والے ساتھیوں سے اس کا علم بھی ہوا کہ مروان بن محمد کو لوگوں نے مروان الحمار کہنا شروع کردیا تھا۔ اس کی وجہ عرب کا یہ دستور تھا کہ ایک ہی خاندان کی حکومت کے سو سال پورے ہونے پر اُس خاندان کا جو شخص

Marfat.com

فرماں روا بنتا تھا اُسے ''حمار'' کہا جاتا تھا۔

ابو مسلم خراسانی نے اپنے ساتھیوں کی ان باتوں پر کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا۔ اُس کا چہرہ ہی کچھ ایسا تھا کہ ہمیشہ تاثرات سے عاری رہتا تھا۔ کبھی کسی نے اُسے ہنستے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ کبھی اُس نے کسی سے مذاق نہیں کیا۔ کوئی اچھی خبر سن کر اُس کے چہرے پر شادمانی کے تاثرات اُبھرتے تھے، نہ کسی بری خبر پر وہ رنجیدہ نظر آتا تھا۔ یہ سب چیزیں اس بات کی دلیل تھی کہ وہ بہت سخت دل تھا۔

صوبۂ خراسان کی حدود میں داخل ہو کر ابو مسلم خراسانی دیگر شہروں سے ہوتا ہوا سیدھا نیشاپور پہنچا۔ ابراہیم الامام نے اُسے یہی ہدایت کی تھی کیوں کہ تحریکِ عباسیہ کے نقیبوں نے اسی شہر کو اپنا مرکز بنایا تھا۔

وہاں قحطبہ بن شبیب اور سلیمان ابنِ کثیر کے ساتھ تین اور افراد محمد بن علی کے ابتدائی زمانے سے نقیب کے عہدوں پر فائز تھے۔ انھیں تیں پینتیس سالہ ابو مسلم کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ ابراہیم الامام نے ان جیسے عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں پر ایک جوان شخص کو ''حاکم'' بنا کر کیوں بھیج دیا لیکن جب آپس میں گفت گو ہوئی اور ابو مسلم نے انھیں اپنے منصوبوں سے آگاہ کیا تو وہ اس کی ذہانت اور استعداد کے قائل ہو گئے۔ انھوں نے ابراہیم الامام کے فیصلے کو نہایت انسب جانا۔ صرف سلیمان بن کثیر نے ابو مسلم کو دل سے تسلیم نہیں کیا لیکن تحریک کے قائد ابراہیم الامام کی ہدایت کے مطابق ابو مسلم خراسانی کے احکام کی تعمیل کرنا اُس کا فرض تھا۔

اُن دنوں اُمویوں کی مرکزی حکومت ہی میں نہیں بلکہ دیگر صوبوں میں بھی انتشار پھیلا ہوا تھا۔ خراسان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد سے صوبۂ خراسان کا حاکم نصیر بن سیار تھا جو اس وقت کئی بغاوتیں فرو کرنے میں کوشاں تھا۔ ابو مسلم خراسانی نے اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور اُس کی ہدایت پر نقیبوں اور کار پردازوں نے کھلے عام خلافتِ عباسیہ کی دعوت دینا شروع کر دی۔ اس طرح یہ بات جلد شہرت پا گئی کہ خراسان میں عباسی تحریک کی قیادت ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ میں تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

دہکتے ہوئے لوہے کی مہر سے گداز بازو پر ستارے کا نشان بنایا گیا تو ناقابلِ برداشت اذیت کے باعث روشنک بے ہوش ہوگئی۔ پھر جب اُسے ہوش آیا تو وہ ایک آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ عبا پہنے ہوئے ایک دراز ریش بوڑھا اُس کے بازو پر پٹی باندھ رہا تھا۔ روشنک کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر وہ مشفقانہ انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''مجھے یقین ہے کہ میرے مرہم نے تمھارے جلتے ہوئے بازو کو ٹھنڈک پہنچائی ہوگی۔''

روشنک نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا اور غور سے بوڑھے کی طرف دیکھتی رہی۔

''میں خلیفہ مروان الحمار کا طبیب ہوں۔'' بوڑھے نے بتایا۔ ''میرا نام تو خاصا بڑا ہے۔ لوگ مجھے طبیب کرمانی کے نام سے جانتے ہیں۔ میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے سے بنواُمیہ کا خدمت گزار ہوں۔''

وہ اہلِ ایران کی طرح بڑی شفاف فارسی بول رہا تھا جبکہ روشنک نے اُسے عرب سمجھا تھا۔ لفظ ''کرمانی'' سے بھی یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ ایران کا رہنے والا ہے۔

''آپ ایرانی ہیں؟'' روشنک نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں بیٹی!'' طبیب کرمانی نے جواب دیا۔ ''میرا گھر نیشاپور میں ہے۔''

''بیٹی!'' روشنک کے منہ سے نکلا۔ ''آپ نے مجھے بیٹی کہا؟''

''کیوں؟'' طبیب کرمانی نے اُسے غور سے دیکھا۔ ''کیا تمھیں اس پر کوئی اعتراض ہے؟''

''میں ایک کنیز ہوں بابا!'' روشنک کی آواز بھرا گئی۔

''تو کیا ہوا؟'' طبیب کرمانی نے کہا۔ ''میں تو ہر لڑکی کو اپنی بیٹی ہی سمجھتا ہوں۔ پھر تم تو ایرانی بھی ہو! میرے وطن ہی کی ایک بیٹی ہو۔''

اب طبیب کرمانی کی طرف دیکھتے ہوئے روشنک کی آنکھوں میں جو نمی آئی، اُس کا سبب احساسِ تشکر تھا۔

''میں تین دن بعد آؤں گا۔'' طبیب کرمانی پٹی باندھ چکا تھا۔ ''یہ پٹی تبدیل کردوں گا۔ چار دن بعد تم خود وہ پٹی کھول کر اپنا بازو دھو لینا۔ زخم بالکل ٹھیک ہو چکا ہوگا۔ ہاں اس ستارے کا نشان تو بہرحال باقی رہ جائے گا۔''

Marfat.com

''کیا آپ جانتے ہیں بابا کہ میرے بازو پر نشان کیوں بنایا گیا ہے؟''

''ہاں بیٹی! جانتا ہوں۔'' طبیب کرمانی نے کہا۔ ''تم تیسری ایرانی کنیز ہو جس کے بازو پر نشان لگایا گیا ہے۔ یہ خلیفہ مروان الحمار کی اختراع ہے۔'' طبیب کرمانی کی آواز بہت دھیمی ہوگئی۔ ''شاید اس کا مقصد ایذا رسانی کے علاوہ کچھ نہ ہو۔ خلفائے بنواُمیہ کے دلوں میں ایرانیوں کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔''

''اس کے باوجود آپ کو یہاں پندرہ بیس سال تو ہوگئے ہوں گے۔''

''اُموی خلفا ان ایرانیوں کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں جن کے بغیر اُن کا کام نہ چل سکے۔ گزشتہ پندرہ برسوں میں مجھ سے اچھا کوئی عرب طبیب خلفائے بنواُمیہ کی نظر میں نہیں آیا ورنہ آج میں یہاں نہ ہوتا'' طبیب کرمانی اچانک کھڑا ہوگیا۔ ''اب مجھے جانا چاہیے بیٹی! کمرے کے باہر پہرے دار موجود ہیں۔ مجھے زیادہ دیر لگے گی تو انھیں شبہ ہونے لگے گا۔ ہم دونوں ایرانی ہیں نا!'' بوڑھے طبیب کے ہونٹوں پر بڑی تلخ سی مسکراہٹ اُبھری تھی۔ جب وہ چلا گیا تو روشنک بستر پر لیٹی کچھ دیر تک اس شفیق و ہمدرد طبیب کے بارے میں سوچتی رہی پھر اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے لگی جسے اُس نے کبھی اپنی زندگی نہیں سمجھا تھا۔

یہ علم اُسے بہ خوبی تھا کہ وہ قصرِ خلافت میں کیسے پہنچی تھی۔ اُسے ابوسفیان باہلی نے خلیفہ مروان الحمار کی خوشنودی کے لیے اُس کی نذر کر دیا تھا۔ وہ اس سے دکھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ کنیزوں اور غلاموں کے آقا بدل جانا کوئی غیر معمولی امر تھا ہی نہیں۔

برسوں پہلے روشنک نے اپنی زندگی میں بس ایک مرتبہ بہاروں کی آہٹ اس وقت سنی تھی جب اُس نے ابوسفیان باہلی کے گھر میں ابومسلم خراسانی کو دیکھا تھا۔ اس نوجوان نے چپکے چپکے اُس کے دل میں جو جگہ بنائی تھی، اس جگہ کا خلا برسوں بعد بھی نہیں بھرا تھا۔ ابومسلم کے اچانک غائب ہوجانے کے بعد وہ افسردہ رہنے لگی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اُس نے جاگتے میں کوئی خواب دیکھا تھا۔

مگر کچھ دن سے اُس کے دل میں پھر کھلبلی مچنے لگی تھی۔ ابومسلم خراسانی کا نام اُس کے کانوں میں گونجنے لگا تھا۔ لوگ بتا رہے تھے کہ وہ عباسی تحریک میں شامل ہوگیا

Marfat.com

ہے اور خراسان میں اس تحریک کی قیادت اُسے سونپ دی گئی ہے۔

روشنک نے ابومسلم میں کوئی ایسی بات محسوس بھی کی تھی کہ وہ کبھی نہ کبھی کسی بڑے منصب تک پہنچے گا۔ اب برسوں بعد یہ قیاس درست ثابت ہونے پر روشنک کو خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے خیال کے مطابق یہ بہت بڑا منصب تھا کہ ابومسلم کو خراسان میں عباسی تحریک کی قیادت مل گئی ہے۔

فرزندانِ عباس کے بارے میں اُس نے پہلے ہی بہت کچھ سن رکھا تھا اور اُمویوں کے اُن پر مظالم کے باعث وہ اُن سے ہم دردی بھی محسوس کرنے لگی تھی۔ اسی وجہ سے یہ بات بھی اُس کے لیے باعثِ مسرت تھی کہ فرزندانِ عباسی ہی تحریک چلا رہے تھے۔ یہ علم ہو جانے کے بعد روشنک خواہش مند ہوگئی کہ عباسی تحریک کام یابی کی منزل سے ہم کنار ہو اور لوگوں کو اُموی خلافت کی چیرہ دستیوں سے نجات مل سکے۔

اس خیال سے روشنک کو بڑی اذیت ہونے لگی تھی کہ ایک کنیز ہونے کے باعث وہ عباسی تحریک کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن قصرِ خلافت میں آجانے کے بعد اُسے گمان ہونے لگا کہ اب وہ عباسی تحریک کے لیے شاید کچھ کر سکے۔ قصرِ خلافت میں رہ کر اُسے اُموی خلیفہ کی ان منصوبہ بندیوں کا علم ہو سکتا تھا جو عباسی تحریک کو کچلنے کے لیے کی جاتی تھیں، لیکن اس کے لیے ضروری تھا کہ عباسی تحریک سے اُس کا کوئی خفیہ رابطہ ہو جاتا اور یہی مرحلہ اُسے بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔ صرف ابومسلم کا نام جان کر اُسے کچھ تقویت ملی تھی لیکن یہ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ابومسلم سے اُس کے رابطے کی کیا صورت بنے گی۔

روشنک کو ایک گمان یہ بھی تھا کہ اب عباسی تحریک کی جڑیں بہت مضبوط ہو چکی ہیں اور اس کا پھیلاؤ اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ اُموی خلافت کے لیے اب اس تحریک کو کچلنا محال ہو چکا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں تو بہت ہی محال کہ مروان الحمار نے اقتدار کی صورت میں پھول نہیں، بے شمار کانٹے پائے تھے۔ اُس نے ایسی سلطنت پائی تھی جس کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ اقتدار میں آتے ہی اُسے شورشوں اور ہنگاموں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اہلِ حمص تو فوراً ہی اُس کی اطاعت سے آزاد ہو گئے تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے

Marfat.com

فرزند...... ابان اور سلیمان بھی اُس کی مخالفت میں کمر بستہ ہو گئے تھے۔ انھیں اس معاملے میں خاندانِ بنواُمیہ کے بہت سے لوگوں کی حمایت حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ فلسطین اور کئی دیگر صوبے بھی اعلانِ بغاوت کر چکے تھے۔ ان حالات سے نبرد آزما رہتے ہوئے مروان الحمار کے لیے بہت مشکل تھا کہ وہ اپنی ساری توجہ عباسی تحریک پر مرکوز کرتا۔

روشنک انھی سب خیالات سے اُلجھتی رہی اور وہ تیسرا دن آ گیا جب طبیب کرمانی نے آخر شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا، اور اُس کی طبیعت پوچھی اور پھر اُس کے بازو کی پٹی کھولی۔

بازو پر نئی پٹی کرتے ہوئے طبیب کرمانی نے کہا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ چوتھے دن تم خود ہی یہ پٹی کھول سکتی ہو لیکن اگر وہ پٹی کھولنے کے لیے بھی طبیب کا ہونا ضروری ہوتا تو اس دن تم میری بجائے کسی اور طبیب کو دیکھتیں۔''

''کیوں بابا؟'' روشنک نے پوچھا۔

''میں کل شام یا پرسوں صبح یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' طبیب کرمانی نے جواب دیا۔ ''دراصل خلیفہ مروان الحمار کو ایک اچھے عرب طبیب کا پتا چلا ہے جو کسی دور دراز کے شہر میں رہتا ہے۔ خلیفہ نے اُسے طلب کیا ہے۔ وہ کل کسی وقت بھی یہاں پہنچ سکتا ہے۔ مجھے اجازت مل چکی ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اُموی خلیفہ کو اب میری خدمات کی ضرورت نہیں کیوں کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔'' طبیب کرمانی نے مسکرایا۔ ''میرے بڑھاپے کو جواز بنایا گیا ہے۔ مقصود دراصل یہ ہے کہ ایک ایرانی طبیب کو قصرِ خلافت سے رخصت کر دیا جائے لیکن میرے لیے تو یہ بڑی خوشی کی بات ثابت ہوئی ہے۔ آج ہی مجھے اطلاع ملی ہے کہ میری نوجوان نواسی شدید علیل ہے۔ مجھے اب اُسی کے پاس ہونا چاہیے۔''

''آپ کی نواسی کہاں ہے بابا؟''

''شاید تم بھول گئیں۔ اس روز میں نے تمھیں بتایا تھا کہ میرا گھر نیشاپور میں ہے۔'' طبیب کرمانی نے پٹی باندھنا جاری رکھتے ہوئے جواب دیا۔

Marfat.com

''تو آپ خراسان جائیں گے؟'' روشنک کی آواز خوشی سے کانپ گئی۔

طبیب کرمانی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ''تم اتنی خوش کیوں ہو گئیں؟''

روشنک کے دماغ میں کچھ خیالات چکرانے لگے تھے۔

''بابا!'' وہ بولی۔ ''عباسی تحریک کے بارے میں آپ کے خیالات و جذبات کیا ہیں؟''

''آج کل تو شاید ہر ایرانی کے دل میں خواہش ہو گی کہ عباسی تحریک کو اُس کی منزل مل جائے۔ میری تو یہ تمنا ہے کہ میں اس تحریک کی کچھ خدمت کر سکوں۔''

''آپ کر سکتے ہیں بابا!'' روشنک مسکرائی۔

''وہ کیسے بیٹی! میں تو ان میں سے کسی کو جانتا ہی نہیں!''

''میں جانتی ہوں بابا! یہ تو آپ کے علم میں ہو گا کہ خراسان میں اس تحریک کی قیادت اب ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ میں ہے!''

''ہاں یہ بات اب خاصی شہرت پا چکی ہے۔''

''میں ابو مسلم کو جانتی ہوں۔ بہت برس گزر چکے ہیں مگر جانے کیوں، مجھے گمان ہے کہ میرے نام سے انھیں بہت کچھ یاد آ جائے گا۔'' روشنک کے دل کی دھڑکنیں کچھ تیز ہو گئیں۔

طبیب کرمانی نے کچھ تعجب سے اُس کی طرف دیکھا۔

روشنک کھوئے ہوئے سے انداز میں بولی۔ ''وہ ابوسفیان باہلی کے پاس ملازم تھے۔ ایک روز اچانک غائب ہو گئے۔ اب میں نے برسوں بعد اُن کا نام سنا ہے۔''

''تم بہت گم صم سی ہو گئیں!'' طبیب کرمانی نے غور سے اُس کی طرف دیکھا۔

روشنک کچھ چونکی پھر خفیف سی مسکرا دی۔

طبیب کرمانی نے پوچھا۔ ''کیا تم اُسے پسند کرتی تھیں بیٹی؟''

روشنک کی نظریں جھک گئیں۔

''خوب!'' طبیب کرمانی شفقت سے مسکرایا۔ ''کوئی جواب نہ دو تم! میں نے سمجھ لیا ہے۔''

روشنک کی نظریں جھکی رہیں۔ ایک کنیز ہوتے ہوئے بھی اُس میں شرم و حیا باقی

Marfat.com

تھی۔ اچانک وہ کچھ افسردہ نظر آنے لگی۔ اُس نے نظریں اُٹھائے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مگر انھوں نے مجھے کبھی اپنے التفات کے قابل نہیں سمجھا۔''

طبیب کرمانی کے چہرے پر سوچ بچار کا تاثر اُبھرا۔ وہ کچھ توقف سے بولا ''ابومسلم یقیناً اس وقت بھی مختلف دل ودماغ کا نوجوان ہوگا۔ جو لوگ اپنی زندگی میں کسی بڑے منصب تک پہنچتے ہیں، وہ عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ میں تم سے ایک بات کہتا لیکن جھجک محسوس کر رہا ہوں۔''

''کیوں بابا؟'' روشنک نے نظریں اُٹھائیں۔

''تم مجھ سے بہت چھوٹی ہو۔ میں تمھیں بیٹی بھی کہتا ہوں۔ اسی لیے تم سے وہ بات کہنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔''

''کہہ دیجیے بابا!'' روشنک نے اصرار کیا۔ ''ورنہ دل میں خلش رہ جائے گی۔''

طبیب کرمانی نے کچھ توقف کیا پھر اپنی نظریں دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

''روشنک! میری بیٹی! میری بچی! تم بہت خوب صورت ہو۔ برسوں پہلے تو اور زیادہ پُرکشش ہوگی۔ ممکن نہیں کہ تمھیں ملتفت پا کر کوئی نوجوان تمھیں نظرانداز کر دیتا۔ ابومسلم نے تمھیں نظرانداز کیا تو اس کا سبب یہی ہوگا جو میں تمھیں ابھی بتا چکا ہوں۔ وہ ایک مختلف انسان ہے اور اسی لیے آج اس مقام تک پہنچا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ وہ خراسان میں ایک ایسی تحریک کی قیادت کر رہا ہے جو کئی عشروں تک نہایت خفیہ رہی ہے۔''

''تو پھر۔'' روشنک مسکرائی۔ ''کیا میں اس پر فخر کر سکتی ہوں بابا کہ میں نے جسے پسند کیا، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ ایک بڑا آدمی ہے؟''

''بے شک! وہ ایک بڑا آدمی ہے اور تم اُس پر فخر کر سکتی ہو۔''

''آپ کی ان باتوں کے بعد میں خود کو بہت بدلا ہوا محسوس کر رہی ہوں۔ اب یہ احساس میرے لیے کوئی روگ نہیں بنے گا کہ جسے میں نے پسند کیا، اُس نے مجھے کسی قابل نہیں سمجھا اور نہ کبھی سمجھے گا۔''

''یہ نہ کہو بیٹی! مستقبل کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اپنی منزل پا لینے کے بعد بڑے لوگ بھی کچھ تبدیل ہو جاتے ہیں۔''

Marfat.com

''اب آپ میری اُمید جگا رہے ہیں۔''

''اُمید ہی اس دنیا کی جاودانی کا محور ہے۔''

پٹی باندھنے کا کام مکمل ہو چکا تھا۔

روشنک جلدی سے بولی۔''میں ابو مسلم کے نام آپ کو ایک خط دوں گی۔ اگرچہ وہ مجھ سے ہمیشہ گریزاں رہے لیکن میرا دل کہتا ہے کہ جب وہ میرا خط پڑھیں گے تو میں انھیں یاد آجاؤں گی۔ میں اسی خط میں انھیں یہ بھی لکھوں گی کہ وہ آپ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''لیکن بیٹی!'' طبیب کرمانی نے کچھ پریشانی سے کہا۔''میں سارے خراسان میں ابو مسلم کو کہاں تلاش کرتا پھروں گا؟ مجھے تو نیشاپور جانا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ تھوڑی سی کوشش کریں گے تو اُن تک پہنچ جائیں گے۔ عباسی تحریک وہاں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ شاید لوگ بتا دیں گے کہ ابو مسلم سے آپ کہاں مل سکتے ہیں۔''

''تمھاری یہ بات کچھ غلط معلوم نہیں ہوتی۔ تم آج کسی وقت خط لکھ لینا۔ کل میں تمھارا بازو دیکھنے کے بہانے آؤں گا تو خط لے لوں گا۔ ابھی تو یہ مناسب نہیں ہوگا کہ میں زیادہ دیر رکوں!''

''بہتر۔''

روشنک جو برسوں سے خوشی کے معنی ہی بھول گئی تھی، اُس کا چہرہ اُمید جاگتے ہی خوشی سے دمکنے لگا تھا۔

☆☆☆

خراسان میں عباسیوں کی تحریک کے بارے میں روشنک نے غلط اندازہ لگایا تھا کہ وہاں لوگوں کو ابو مسلم خراسانی کے بارے میں علم ہوگا۔ صورتِ حال کچھ یوں تو تھی کہ تحریک کے کار پرداز کھلے عام خلافتِ عباسیہ کے قیام کا پرچار کر رہے تھے اور نقیب نجی محفلوں میں عباسیوں اور اُمویوں کے عقائد کا موازنہ کر کے لوگوں کو تحریکِ عباسیہ کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ نیز وہاں کے ایرانیوں کو یہ بھی بتایا جا رہا تھا کہ خراسان میں اس تحریک کی قیادت ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ میں ہے لیکن یہ صرف

Marfat.com

نقیب اور چند کارپرداز ہی جانتے تھے کہ ابومسلم خراسانی کہاں مقیم تھا۔

لوگوں کو کھلی دعوت دینے کے باوجود ابومسلم خراسانی نے فی الحال خود کو مکمل طور پر پوشیدہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

عام لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ ابومسلم خراسانی نیشاپور ہی میں ہوگا لیکن اُس نے اپنا ٹھکانا نیشاپور کے جنوب میں کوئی ایک فرسخ کے فاصلے پر ایک نقیب شیدمان کے گھر میں بنایا تھا۔

شیدمان گھوڑوں کا تاجر تھا۔ اُس نے اپنے گھوڑوں کے طویلے شہر سے دور اس مقام پر بنائے تھے، جہاں دشتِ کبیر اتنی دور تک پھیلا ہوا تھا کہ دشتِ لوط سے جاملا تھا عمان، نجد اور حضرموت سے آنے والے تاجروں کے قافلے خلیج فارس عبور کر کے دشتِ لوط اور دشتِ کبیر سے گزر کر ہی خراسان کے شہروں تک پہنچتے تھے۔ ان قافلوں کو اپنے تھکے ماندے گھوڑوں کی جگہ تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت پڑتی تھی، شیدمان کے کاروبار کا زیادہ تر انحصار تاجروں کے انھی قافلوں پر تھا۔ دشتِ لوط اور دشتِ کبیر کے تھکا دینے والے سفر کے باعث تاجروں کے لیے وہاں ستانا بھی ضروری ہوتا تھا لہٰذا وہاں کئی سرائے بن گئی تھیں۔ اشیائے ضرورت کی دکانیں بھی کھلنا شروع ہوئیں تو ایک چھوٹا سا بازار بن گیا تھا۔ ان دکان داروں نے اپنے گھر بھی وہیں بنالیے تھے، اس لیے اچھی خاصی ایک بستی بن گئی تھی۔ اس بستی کا سب سے بڑا مکان شیدمان ہی کا تھا۔

ابومسلم خراسانی وہیں رہتے ہوئے تحریک کے نقیبوں اور کارپردازوں کے لیے احکام جاری کرتا تھا۔ خراسان کے شہروں کا احوال اور تحریک کے تدریجی مراحل کی تفصیل بھی وہاں آنے والے چند نقیبوں ہی کے ذریعے ابومسلم خراسانی کے علم میں آتی تھی اور انھی کی روشنی میں وہ طریقۂ کار میں ضروری تبدیلیاں بھی کرتا رہتا تھا۔

مکان کے جس حصے میں ابومسلم خراسانی کی سکونت تھی، اس طرف شیدمان کے ملازمین کا رخ بھی نہیں ہوتا تھا۔ ابومسلم کو اپنے تمام کام خود کرنے کی عادت تھی، تاہم اپنی مدد کے لیے اُس نے ایک نہایت معتمد کارپرداز شاہ رخ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ جو نقیب وہاں آتے تھے، انھیں شاہ رخ سے پہلے ملنا پڑتا تھا۔ اس طرح شاہ رخ کی حیثیت

Marfat.com

ابو مسلم خراسانی کے دیوان کی بن گئی تھی۔ نقیبوں کی مہیا کردہ معلومات اور ابو مسلم کے احکام کی نقول ترتیب وار رکھنا بھی اس کی ذمے داری تھی۔

ایک شام ابو مسلم خراسانی کو اطلاع ملی کہ نصر بن سیار کو مروان الحمار کی سند مل گئی ہے کہ وہ اب بھی خراسان میں اُموی حکومت کا عامل رہے گا۔

''یہ تو ہونا ہی تھا۔'' ابو مسلم خراسانی نے کہا۔

نقیب بولا۔ ''میرے پاس آپ کے لیے دو اور اہم اطلاعات ہیں امیر! اُن میں سے ایک اطلاع خاصی معنی خیز ہے۔''

ابو مسلم کو اب ''امیر'' ہی کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔

نقیب نے اپنی بات کے جواب میں استفسار کا انتظار نہیں کیا۔ اُس نے بتایا۔ ''دس بارہ دن پہلے ایک بوڑھا طبیب دمشق سے یہاں آیا ہے۔ ستر اسّی سال سے اُس کا خاندان نیشاپور ہی میں آباد ہے۔ طبیب نے غالباً دو عشرے قصرِ خلافت میں گزارے ہیں۔ وہ خلفائے بنو اُمیہ کا طبیبِ خاص تھا۔ سال دو سال میں کبھی چند روز کے لیے یہاں آیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ مستقل طور پر آ گیا ہے۔ مروان الحمار نے کسی عرب طبیب کا بندوبست کر کے اُسے سبک دوش کر دیا ہے۔ تحریک میں کیونکہ اطبّا کی قلت ہے، اس لیے کل ہمارے دو کارپردازوں نے اُس سے ملاقات کر کے خلافتِ عباسیہ کے قیام کے بارے میں اُس کے تاثرات جاننے کی کوشش کی تھی۔ طبیب نے سمجھ لیا کہ اس معاملے میں اُس کے خیالات جاننے کے خواہاں تحریک ہی کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اُس نے کھل کر جواب دیا کہ وہ تہہ دل سے خلافتِ عباسیہ کا حامی ہے اور تحریک کے لیے اپنی خدمات پیش کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے چونکا دینے والی بات یہ کہی کہ اُس کے پاس آپ کے نام کسی روشنک نامی لڑکی کا خط ہے جو وہ آپ کو پہنچانا چاہتا ہے۔''

ابو مسلم خراسانی کی پیشانی پر سلوٹ پڑ گئی۔

نقیب نے بات جاری رکھی۔ ''اُس سے کہا گیا کہ وہ خط دے دے تو وہ آپ تک پہنچا دیا جائے گا لیکن وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوا۔ اس کا اصرار ہے کہ خط وہ اپنے ہاتھ سے صرف آپ کو دے گا۔''

Marfat.com

ابومسلم خراسانی کے دماغ میں ماضی کے دھندلے دھندلے سے خاکے اُبھرنے لگے تھے۔ اُن میں ایک خاکہ ابوسفیان باہلی کی ایک کنیز روشنک کا بھی تھا۔ اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آسکا کہ خط اگر اسی روشنک کا ہے تو وہ قصرِ خلافت کے طبیبِ خاص تک کیسے پہنچ گیا؟

''طبیب کا نام؟'' ابومسلم خراسانی نے پوچھا۔

نقیب نے ایک لمبا چوڑا نام بتانے کے بعد کہا۔ ''لیکن اُسے سبھی لوگ صرف طبیب کرمانی کہتے ہیں۔''

''کرمانی؟'' ابومسلم خراسانی کی پیشانی پر دوسری سلوٹ پڑی۔

نقیب نے کہا۔ ''ہمارے کار پرداز اُس کا نام جاننے کے بعد اور اُس سے ملنے سے پہلے تحقیق کر چکے ہیں کہ جدیع بن علی الکرمانی سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔

جدیع بن علی الکرمانی ان سپاہیوں کا سرغنہ تھا جن کی خاصی بڑی تعداد عاملِ خراسان نصر بن سیار سے بغاوت کر چکی تھی۔ پہلے وہ سب نصر بن سیار ہی کے لشکر میں تھے لیکن نصر بن سیار کے کچھ اقدام اُن کے اتنے ناپسندیدہ ثابت ہوئے کہ اب وہ جدیع بن علی الکرمانی کی سربراہی میں نصر بن سیار کی سپاہ سے آئے دن برسرِ پیکار ہوتے رہتے تھے۔

نقیب نے پوچھا۔ 'کیا آپ اُس سے ملنا پسند کریں گے امیر؟''

ابومسلم خراسانی نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''پہلے تم اس سے دو ایک ملاقاتیں کرلو۔ اگر اُس کی نیک نیتی تمھیں باور آگئی تو میں اس سے ملاقات کرنے کے بارے میں سوچوں گا۔ اس طبیب سے یہ ضرور معلوم کرنا کہ آٹھ دس سال پہلے یہ لڑکی روشنک کہاں تھی اور اب کہاں ہے؟'' ابومسلم خراسانی کی پیشانی سے سلوٹیں ختم ہو چکی تھیں۔

نقیب نے پوچھا۔ ''کیا آٹھ دس سال پہلے آپ اس نام کی کسی لڑکی سے مل چکے ہیں؟''

ابومسلم نے سوال نظر انداز کر دیا اور کہا۔ ''تم نے دو اطلاعات کا ذکر کیا تھا۔ ایک اطلاع تم مجھے دے چکے ہو۔ دوسری اطلاع کیا ہے؟''

نقیب نے اپنا سوال نظرانداز کیے جانے پر کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا اور بولا۔

Marfat.com

''دوسری اطلاع بھی کچھ اسی قسم کی ہے۔ ایک اور شخص بھی آپ سے ملنے کا متمنی ہے۔ اُس کا نام خالد برمکی ہے۔''

''برمکی؟'' ابو مسلم کی پیشانی پر پھر ایک سلوٹ اُبھری۔

''جی ہاں۔'' نقیب نے کہا۔ ''دراصل اُس کے اجداد آتش کدۂ نوبہار......''

''یہ سب کچھ میں جانتا ہوں۔'' ابو مسلم خراسانی نے بات کاٹ دی۔

وہ اس بات سے اپنے لڑکپن ہی میں واقف ہوگیا تھا کہ صدیوں پہلے بلخ کے نزدیک بہت بڑے رقبے پر ایک پرستش گاہ بنائی گئی تھی جس کا نام ''نوبہار'' رکھا گیا تھا۔ وہاں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ وہاں کے بڑے پجاری کا اعزازی لقب ''برمک'' تھا اور اُس کا منصب موروثی تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ بدھوں کا ایک اسٹوپا تھا جو بعد کے کسی عہد میں زرتشت کے ماننے والے آتش پرستوں کا آتش کدہ بن گیا۔ ''برمک'' کا منصب اُس کے بعد بھی برقرار رہا۔ اُموی خلیفہ کے زمانے میں بلخ پر حملہ کیا گیا تو اس آتش کدے کو بہت زیادہ نقصان پہنچا تھا۔ برمکی خاندان کے آخری نمائندے نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس خاندان کے لوگ ''برامکہ'' کہلائے جاتے تھے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ ''برمکی'' کا اضافہ کرلیتے تھے۔

ابو مسلم خراسانی نے کہا۔ ''مجھے تعجب اس پر ہوا ہے کہ اس خاندان کا کوئی فرد نیشاپور میں کیسے ہے۔ میرے علم کے مطابق آخری برمکی کے تین بیٹوں نے بصرے میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ یہ سب کچھ مجھے بیس سال پہلے معلوم ہوا تھا۔''

''آپ کو غلط معلوم نہیں ہوا تھا امیر!'' نقیب نے کہا۔ ''اُس کے دو بیٹے حسن برمکی اور سلیمان برمکی اب بھی بصرے ہی میں رہتے ہیں لیکن خالد برمکی بصرے میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اپنے بال بچوں کے ساتھ نیشاپور آگیا تھا۔ آتش کدے کی زمین اسی کی ملکیت تھی جو اُس نے اپنے بیٹے یحییٰ کو دے دی ہے۔ اس زمین کو لوگ اب موضع روان کے نام سے جانتے ہیں۔''

''خالد یہاں کیا کرتا ہے؟'' ابو مسلم خراسانی نے پوچھا۔

''پہلے وہ تجارت کیا کرتا تھا مگر اب چند سال سے کچھ نہیں کر رہا ہے۔ موضع روان

Marfat.com

کی زمین سے حاصل ہونے والی آمدنی کا معتدبہ حصّہ یحیٰ اپنے باپ کو بھیجتا رہتا ہے۔''

ابومسلم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''اُسے تحریک میں شمولیت کی دعوت عمومی طور پر دی گئی تھی یا اُس کا کوئی خاص سبب ہے؟''

''اگر اُسے خاص سبب کہا جاسکے تو بات صرف اتنی ہے کہ وہ نیشاپور کی چند نمایاں شخصیات میں سے ایک ہے۔''

''کیا تحریک میں اپنی شمولیت کو اُس نے مجھ سے ملاقات سے مشروط کردیا ہے؟''

''جی نہیں امیر!'' نقیب نے جواب دیا۔ ''مشروط طور پر تو کسی کو تحریک میں شامل کیا ہی نہیں جاتا۔ یہ بس ایک خواہش ہے خالد برمکی کی اور کیوں کہ نمایاں شخصیات کی شمولیت تحریک کے لیے سودمند ثابت ہوسکتی ہے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اُس کی خواہش سے آپ کو آگاہ کردوں۔ اس سے پہلے بھی خراسان کے جو ہزاروں افراد ہماری تحریک میں شامل ہوچکے ہیں، اُن میں سے بھی بیشتر کی یہ تمنا ہے کہ وہ آپ سے کم از کم ایک بار ضرور ملیں اور آپ کو قریب سے دیکھیں۔'' نقیب مسکرایا۔ ''خراسان کی فضا پر آپ کی شخصیت کا طلسم چھا چکا ہے امیر!''

''ابھی میں خالد سے نہیں مل سکوں گا۔'' ابومسلم خراسانی نے کہا۔ ''فی الحال اُسے قحطبہ بن شبیب کے زیرِ تربیت کردو۔ طبیب کرمانی سے تم کل ہی مل لینا۔''

''بہتر۔'' نقیب نے کہا۔ ''کیا اب مجھے اجازت ہے؟''

ابومسلم نے سر ہلانے پر اکتفا کی۔

پھر نقیب کی رخصت کے بعد وہ دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا۔ طبیب کرمانی، روشنک یا خالد برمکی کے بارے میں اُس نے زیادہ نہیں سوچا۔ اُسے روشنک کے حوالے سے کچھ اُلجھن ضرور ہوئی تھی لیکن وقت کے بڑے حصّے میں اُس کی فکر کا دھارا اپنی تحریک کی کارکردگی کی طرف بہتا رہا۔ اُس کے وقت کا بیشتر حصّہ تحریک کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے گزرتا تھا۔ اس وقت نصر بن سیار کی شخصیت بھی اس کی سوچ کا ایک حصّہ رہی۔

خلیفہ مروان الحمار کی طرح نصر بن سیار کو بھی خراسان میں چومکھی لڑنا پڑ رہی تھی۔

Marfat.com

کئی عرب قبائل اُس کے خلاف تھے لیکن دو طاقت ور حریفوں نے اُسے بری طرح پریشان کر رکھا تھا۔ اُن میں سے ایک جدیع بن علی الکرمانی اور دوسرا شیبان بن سلمہ تھا جس کے عقائد اُمویوں اور عباسیوں دونوں ہی سے متصادم تھے۔

نصر بن سیار کو احساس ہو چکا تھا کہ مستقبل قریب میں عباسی تحریک اُس کے لیے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوگی، اس لیے اُس نے بدیع بن علی الکرمانی سے صلح کرنا چاہی تھی لیکن ابو مسلم خراسانی نے اُس کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ اُس کی جیت اسی میں تھی کہ وہ لوگ ایک دوسرے سے لڑ کر اپنی طاقت ضائع کرتے رہیں۔

نصر بن سیار نے کمک حاصل کرنے کے لیے عراق کے اُموی حاکم ابنِ ہبیرہ کو خط لکھا تو اُس کی اطلاع بھی ابو مسلم کو مل گئی۔ اُس کی ہدایت پر اُس کے کارپردازوں نے وہ خط راستے ہی سے غائب کر دیا۔

بعد میں ابو مسلم کو معلوم ہوا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو بھی نصر بن سیار کو عراق سے مدد نہیں ملتی۔ ایک تو ابنِ ہبیرہ نصر بن سیار کا مخالف تھا، دوسرے یہ کہ ابنِ ہبیرہ ان دنوں اُمویوں کے مخالف ایک بڑے باغی عبداللہ الطالبی سے جنگ آزما تھا۔

ابو مسلم خراسانی کی خواہش بھی یہی تھی کہ سلطنتِ بنو اُمیہ میں ہر جگہ انتشار پھیلا رہے۔ یہاں تک کہ جب عباسی تحریک باقاعدہ میدانِ عمل میں آئے تو حالات اُس کے حق میں ہوں۔

دوسرے دن رات کو وہ نقیب پھر آیا جس نے طبیب کرمانی کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اب وہ یہ خبر لے کر آیا کہ طبیب کرمانی نے روشنک کے بارے میں کسی بھی وضاحت سے انکار کر دیا تھا اور صرف ایک نام بتایا تھا، ابو سفیان باہلی! اُس نے کہا کہ یہ نام ہی سن کر ساری بات ابو مسلم خراسانی کی سمجھ میں آ جائے گی۔

ابو مسلم نے یہ تو جان لیا کہ اُسے خط لکھنے والی وہی روشنک ہے جس کا خیال اُسے آیا تھا لیکن یہ بات اس کے لیے معما بنی رہی کہ اس روشنک سے قصرِ خلافت کے ایک طبیب کا ربط وضبط اتنا کیسے بڑھ گیا کہ روشنک نے اُسی کے ذریعے خط روانہ کیا۔

یہ صورتِ حال ابو مسلم کے لیے اطمینان بخش نہیں ہوتی لیکن نقیب نے طبیب

Marfat.com

کرمانی کی طرف سے مکمل اطمینان کا اظہار کیا تو ابومسلم نے اُس سے کہا۔ ''کل پھر اُس سے ایک ملاقات کرو اور اگر مزید اطمینان ہو جائے تو کل ہی اُسے یہاں لے آؤ۔''

چنانچہ دوسرے دن شام کو شاہ رخ نے اُسے اطلاع دی کہ نقیب اس بوڑھے طبیب کو لے آیا ہے۔

ابومسلم خراسانی نے نقیب سے چند مختصر جملوں کے تبادلے کے بعد طبیب کرمانی سے تنہائی میں ملاقات کی۔

''میں آپ کو...... ایک جوان مجاہد کو سلام پیش کرتا ہوں۔'' طبیب کرمانی نے بڑی عقیدت سے کہا۔

''روشنک کے بارے میں آپ نے وضاحت سے گریز کیوں کیا؟'' ابومسلم نے پوچھا۔

''آپ تو جانتے ہیں کہ وہ ایک کنیز ہے۔'' طبیب کرمانی نے جواب دیا۔ ''میں نہیں چاہتا تھا کہ تحریک کے دوسرے لوگوں کو اس کا علم ہو اور وہ ایک کنیز کے حوالے سے آپ کے بارے میں نہ جانے کیا سوچنے لگیں۔''

''میرے بارے میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکتا...... لیکن خیر! آپ کا جواب میرے لیے غیر تسلی بخش نہیں۔'' ابومسلم نے کہا پھر سوالیہ لہجے میں بولا۔ ''ابوسفیان باہلی کی کنیز؟ اور آپ؟''

سوال اگرچہ مکمل نہیں تھا لیکن بوڑھے طبیب نے سمجھ لیا اور ایک خط ابومسلم کو دیتے ہوئے کہا۔ ''کسی کا خط پڑھنا غیر اخلاقی بات ہے، اس لیے میں نے یہ نہیں پڑھا لیکن میرا خیال ہے کہ روشنک نے سب کچھ لکھ دیا ہوگا۔''

ابومسلم نے خط لے کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

''میری سمجھ میں بہت دیر تک نہیں آسکا کہ میں آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کروں۔ اسی الجھن کے ساتھ میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ آپ نے مجھے کسی قابل تو کبھی نہیں سمجھا پھر بھی جانے کیوں مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے بھولے نہیں ہوں گے۔ بہت برس گزر جانے کے بعد جب میں نے آپ کا نام سنا تو میری جو کیفیت ہوئی، اس کا اظہار میں ضرور کرتی اگر مجھے یہ اندازہ نہ ہوتا کہ آپ کو اُن باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہوگی۔

Marfat.com

میں اب ابوسفیان باہلی کی نہیں، خلیفہ مروان الحمار کی کنیز ہوں۔ ابوسفیان نے مجھے خلیفہ کی نذر کر دیا ہے۔ یہ اکثر کنیزوں اور غلاموں کا مقسوم ہوتا ہے کہ اُن کے آقا بدلتے رہتے ہیں۔ میری جگہ کوئی اور کنیز ہوتی تو شاید اس پر فخر کرتی کہ وہ اب خلیفۂ وقت کی کنیز ہے لیکن میرے لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہاں اب جبکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خراسان میں عباسی تحریک کی قیادت کر رہے ہیں تو مجھے خیال آرہا ہے کہ قصرِ خلافت میں رہ کر میں شاید آپ کے لیے سودمند ثابت ہوسکوں۔ یہاں رہ کر مجھے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں جن سے آپ کو شاید کوئی فائدہ پہنچے لیکن اس کا کچھ انتظام آپ ہی کو سوچنا یا کرنا ہوگا کہ کس ذریعے سے میری فراہم کردہ اطلاعات آپ تک پہنچ سکیں گی۔ مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ آپ مجھے ناقابلِ بھروسا نہیں سمجھیں گے۔

جس دن میں قصرِ خلافت میں آئی، اسی دن میرے بائیں بازو پر ستارے کا نشان داغ دیا گیا تھا۔ یہ ریت نئے خلیفہ نے ڈالی ہے کہ قصرِ خلافت کی ایرانی کنیزوں کے بازو پر یہ نشان ہونا چاہیے۔ اُس کی تفصیل اور قصرِ خلافت کی دوسری باتیں اگر آپ جاننا چاہیں تو وہ آپ کو طبیب صاحب سے معلوم ہوسکتی ہیں۔

جب میرے بازو پر ستارے کا نشان داغا گیا تو دہکتے ہوئے لوہے نے میری جان تو نکال ہی لی تھی۔ میرے اس زخم کا علاج طبیب صاحب نے کیا تھا۔ یہ میرے لیے بہت شفیق بزرگ ثابت ہوئے ہیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ یہ تحریکِ عباسیہ کو اپنی خدمات پیش کریں۔ انھیں آج قصرِ خلافت سے رخصت کیا جا رہا ہے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ نیشاپور جائیں گے جہاں اُن کا گھر ہے تو میرے دل میں خیال آیا کہ انھی کے ذریعے میں آپ کو اپنا خط بھجوادوں۔ میں یا طبیب صاحب نہیں جانتے کہ خراسان میں آپ کہاں ہوں گے اور یہ آپ سے کس طرح مل سکیں گے لیکن میں بڑی دعاؤں اور اُمیدوں کے ساتھ آپ کو یہ خط لکھ رہی ہوں۔

آپ طبیب صاحب پر اعتماد کر سکتے ہیں لیکن میرے دل میں شدید خواہش مچل رہی ہے کہ آپ سے اپنے دل کی کچھ بات کہہ دوں! اگرچہ آپ اس بات سے خوب واقف ہیں لیکن طبیب صاحب کی باتوں سے میرے اندر جو تبدیلی آئی ہے، میں آپ کو

Marfat.com

اس سے باخبر کر دینا چاہتی ہوں۔ کبھی میں یقیناً اپنے جذبات کی پذیرائی کی خواہش مند رہی تھی لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ میں زیادہ وضاحت کے بجائے صرف ایک جملہ لکھوں گی کہ جذبات کسی جبر کے تابع نہیں ہوتے۔ بے شک! آپ مجھے کبھی اپنے پیروں کی خاک بھی نہ سمجھیں لیکن میں تصور میں آپ کو اپنے سر کا تاج بنائے رکھوں گی۔ اگر کبھی کوئی وقت آیا اور آپ کے پسینے کی جگہ میں نے اپنا خون بہایا تو وہ میرے لیے حد درجہ مسرت کا مقام ہوگا اور میں سمجھوں گی کہ میری زندگی رایگاں نہیں گئی۔ میں نے خط کے آغاز میں آپ کو مخاطب نہیں کیا تو اب آخر میں اپنا نام بھی کیوں لکھوں۔ طبیب صاحب سے آپ کو معلوم ہو ہی جائے گا کہ تحریکِ عباسیہ کی ایک عظیم المرتبت شخصیت کو خط لکھنے والی یہ حقیر لڑکی کون ہے، کون ہے..... کیا آپ کبھی محسوس کر سکیں گے؟

''پاگل ہے یہ لڑکی۔'' ابو مسلم خراسانی نے دل ہی دل میں کہا۔

خط تہہ کر کے اُس نے اپنے ہاتھ ہی میں رکھا اور طبیب کرمانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ تحریک کے لیے خدمات سرانجام دینا چاہتے ہیں؟''

طبیب کرمانی کے دل میں جو کچھ تھا، وہ اس کی زبان پر آ گیا۔

ابو مسلم نے سر ہلایا پھر پوچھا۔ ''مروان الحمار کے لیے دمشق کے قصرِ خلافت کی کیا اہمیت رہ گئی ہے جبکہ اُس نے اپنا دارالخلافہ حران میں بنالیا ہے؟''

''جب اُس کی طبیعت کچھ ناساز ہوتی ہے یا وہ آرام کرنا چاہتا ہے، تبھی دمشق کے قصر میں آتا ہے۔ اُس کا حرم بھی دمشق ہی کے قصرِ خلافت میں رہتا ہے۔ اُس کا حاجب مقلاب بھی قصرِ خلافت ہی میں رہتا ہے۔ اراکین و منصب دارانِ سلطنت کی نصف تعداد بھی دمشق ہی میں ہے۔ اُس کے خاندان کے لوگ بھی وہیں ہیں۔ میری سمجھ میں کبھی نہیں آسکا کہ اُس نے حران کو دارالخلافہ کیوں قرار دیا ہے لیکن شاید یہ اُس کی خبط الحواسی ہو! جب سے وہ خلافت کے منصب پر بیٹھا ہے، نامساعد حالات نے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔''

ابو مسلم ذرا دیر خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''طبیب صاحب! روشنک نے آپ کی سفارش کی ہے۔ میں اس پاگل لڑکی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کم از کم مجھے

Marfat.com

دھوکا نہیں دے سکتی لیکن وہ خود تو کسی سے دھوکا کھا سکتی ہے! کسی کو پرکھنے میں اُس سے غلطی ہو سکتی ہے۔''

طبیب کرمانی پریشان ہو گیا۔ اُس نے کہا۔ ''میں حلف اُٹھا سکتا ہوں کہ......''

''اُس کی ضرورت نہیں ہے طبیب صاحب!'' ابو مسلم نے ہاتھ اُٹھا کر بوڑھے طبیب کو بولنے سے روک دیا اور کہا۔

''یہ میرا وہ خیال ہے جو وقتی طور پر میرے دماغ میں آیا تھا، بعد میں اس خیال کو میں نے اپنے ذہن سے اس لیے جھٹک دیا کہ ہماری تحریک کے کارپردازوں اور نقیبوں میں سے کوئی بھی اتنا غیر ذمے دار نہیں کہ کسی کے بارے میں مکمل اطمینان کیے بغیر اُس کی یہ خواہش مجھ تک پہنچائے کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ ابھی تحریک کا جو نقیب آپ کو لے کر آیا ہے، اُس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ پر اعتماد کر سکتا ہوں۔''

''یہ میری خوش نصیبی ہے۔'' بوڑھا طبیب مسکرا دیا۔

ابو مسلم کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شاہ رخ کی آواز سنائی دی۔ وہ کمرے میں آنے کی اجازت کا خواست گار تھا۔ ابو مسلم نے اُسے بلا لیا۔

شاہ رخ بولا۔ ''ابو عون کو آپ نے کسی کام سے جرجان بھیجا تھا اور مجھے ہدایت کی تھی کہ اُس کی واپسی کی اطلاع آپ کو فوراً دی جائے۔''

''کیا وہ آ گیا؟'' ابو مسلم نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''اسے ابھی میرے پاس بھیج دو۔''

شاہ رخ مؤدبانہ انداز میں سر ہلا کر چلا گیا۔

ابو مسلم نے طبیب کرمانی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اب میں آپ سے دو ایک سوال کروں گا۔ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہوا تو ابو عون کی اس وقت آمد بڑی مبارک ثابت ہو گی۔''

طبیب کرمانی نے سوالیہ نظروں سے ابو مسلم خراسانی کی طرف دیکھا۔

ابو عون تحریکِ عباسیہ کے عسکری بازو کے چند اچھے سپہ سالاروں میں سے ایک

Marfat.com

تھا جسے ابو مسلم نے چند روز پہلے کچھ عسکری معاملات ہی کے سلسلے میں جرجان بھیجا تھا۔

ابو مسلم کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اب کسی وقت بھی ابراہیم الامام کی طرف سے عسکری اقدامات کے آغاز کی ہدایات مل سکتی ہیں کیوں کہ عباسی داعی اپنا کام تقریباً مکمل کر چکے تھے۔ خلافتِ بنواُمیہ کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لینے کے لیے وقت اب نہایت سازگار تھا۔

☆☆☆

دمشق کے قصرِ خلافت میں روشنک اب الجھی الجھی سی رہنے لگی تھی۔ طبیب کرمانی کو وہاں سے رخصت ہوئے خاصے دن گزر چکے تھے۔ روشنک سوچتی تھی کہ خدا جانے اُس کا خط ابو مسلم تک پہنچ سکا ہوگا یا نہیں۔

خلیفہ کے حاجب مقلاب نے دو غلاموں کے ذریعے اُس کے ملبوسات اُس کے کمرے میں پہنچوا دیے تھے۔ ہر لباس کی تراش خراش نئی، رنگ مختلف لیکن کپڑا ہر ایک کا حریری تھا اور کسی بھی لباس کی آستینیں نہیں تھیں۔ ایسا اس لیے تھا کہ اُسے بازو پر بنے ہوئے ستارے کی وجہ سے ایرانی کنیز کی حیثیت سے شناخت کیا جا سکے۔

حریری لباس صرف ایرانی کنیزوں کے لیے مخصوص تھا کیوں کہ خلیفہ مروان الحمار کے خیال کے مطابق ایرانی کنیزوں کے جسم دوسری کنیزوں سے زیادہ خوب صورت ہوتے تھے اور خوب صورت چیزیں چھپا کر نہیں رکھی جاتیں، اُن کی نمائش کی جاتی ہے۔

اس لباس میں روشنک قیامت خیز نظر آتی تھی۔ پچیس سال کی عمر میں اور دس سال تک کنیز کی حیثیت سے زندگی گزارنے کے باوجود اُس کا پُرشباب جسم بڑا سرکش نظر آتا تھا۔

مروان الحمار نے جب اُسے پہلی مرتبہ اپنی خواب گاہ میں طلب کیا تو اُسے دیکھتا رہ گیا اور پھر اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”تم تو کوہ قاف کی پریوں کی شہزادی معلوم ہوتی ہو۔ ہمیں اگر پہلے معلوم ہوتا کہ ابوسفیان نے ہمیں حُسن کا شاہ کار نذر کیا ہے تو ہم حران میں اپنی ساری مصروفیات بلائے طاق رکھ کر تم سے ملنے کو ترجیح دیتے۔ تم نے تو ہماری خواب گاہ منور کر دی ہے شعلہ صفت پری رو حسینہ!“

Marfat.com

مروان الحمار کی اس ریشہ خطمی کے مقابل روشنک سہمی سہمی سی رہی۔ مروان الحمار کو دیکھتے ہی اُس کی رگ رگ میں خوف اُترتا چلا گیا تھا۔

مروان الحمار کی رنگت سرخ و سفید تھی لیکن جسم بہت اکڑا ہوا تھا۔ سر بہت بھاری اور شانے نہایت چوڑے تھے۔ آنکھوں میں بلا کی سرخی تھی جو شاید بنتِ عنب کی مرہونِ منت ہو کیوں کہ صراحی اور جام اُس کے قریب موجود تھے۔

مروان الحمار نے روشنک کو اِس طرح اپنی بانہوں میں بھرا جیسے کسی وحشی باز نے خوب صورت چڑیا کو اپنے پنجوں میں دبوچ لیا ہو۔ وہ شراب پیتا اور روشنک کو جھنجھوڑتا رہا۔ اُسے صرف جسمانی آسودگی ہی مقصود نہیں تھی، وہ جبلی طور پر ایذا رساں بھی تھا۔

روشنک اس اذیت کے باوجود مسکرانے کی کوشش کرتی رہی۔ اُس نے مروان الحمار کی تشنگی دور کرنے میں اپنی طرف سے ذرا بھی کسر نہیں رہنے دی۔ وہ جانتی تھی کہ کنیزوں کی زندگی میں ایسے مواقع بار بار نہیں آتے جب آقا سے بہت زیادہ مراعات حاصل کی جاسکیں۔ وہ مروان الحمار سے یہ اجازت لینے میں کام یاب رہی تھی کہ وہ جب بھی چاہے، گھومنے کے لیے نکل جایا کرے۔ مروان الحمار نے اسے بڑی فراخ دلی سے اجازت دے دی تھی۔

''بس مقلاب کو بتا کر جایا کرنا۔'' اُس نے کہا۔

روشنک نے اٹھلا کر شکایتی انداز میں کہا۔ ''گویا اجازت لے کر!''

''نہیں۔'' مروان الحمار حُسن کے جام میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''صرف بتا کر! ہماری آج کی رات کی مہمان گل بدن و گل احمر کو کسی بھی معاملے میں مقلاب سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔''

''اس کے لیے آپ کا تحریری اجازت نامہ ضروری ہے امیر!''

روشنک جانتی تھی کہ صبح طلوع ہونے کے بعد آوارگانِ شب کو اپنے وعدے یاد نہیں رہتے۔

''اجازت نامہ ہم ابھی دے دیں گے۔'' مروان الحمار کنارِ آسودگی پر تھا۔ جب اُس نے نڈھال ہو کر آنکھیں بند کیں تو بڑبڑایا۔ ''ہم اب بھی آسودہ نہیں ہوئے ہیں تم سے،

Marfat.com

اے شعلہ بدن!"

"تو چشمہ امیر بھی شعلہ بدن سے دور کب ہوا ہے!" روشنک نے برجستہ کہا۔

اس جواب نے مروان الحمار کو بہت خوش کیا اور اسی وقت روشنک اُس سے اجازت نامہ لینے میں کام یاب ہوگئی۔

تحریری اجازت نامہ دیتے ہوئے مروان الحمار نے کہا۔ "مقلاب کو بس بتادیا کرنا۔"

روشنک خوش ہوئی کہ اجازت نامے میں "بتانے" کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ روشنک ضرورت پڑے تو اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھا سکتی تھی۔

"لیکن۔" مروان الحمار نے کہا۔ "جب بھی محل سے باہر نکلنا، پوری شان وشوکت کے ساتھ نکلنا۔ ہم مقلاب سے کہہ دیں گے کہ سپاہیوں کا ایک دستہ تمھارے لیے مختص کردیا جائے گا۔"

روشنک جلدی سے بولی۔ "اس کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے امیر!"

"ضرورت ہے۔" مروان الحمار نے زور دے کر کہا۔ "ضرورت تو اس کی ہے میری زُہرہ جبیں! جب تمھاری سواری محل سے نکلے تو دمشق کی دوشیزائیں رشک کریں کہ یہ ہے اُن کے خلیفہ وقت کی کنیز!"

روشنک محسوس کررہی تھی کہ یہ سب کچھ ہونا اس کے حق میں ٹھیک نہیں رہے گا لیکن مروان الحمار کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ اپنی اس بات پر اڑا رہے گا۔ اُس کی خواہش تھی کہ دمشق کی دوشیزائیں اُس کی کنیز پر رشک کریں۔

روشنک نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کرلینی مناسب سمجھی ورنہ اندیشہ تھا کہ مروان الحمار کے دماغ میں کوئی شک وشبہ سر سرانے لگتا۔

نیند کے معاملے میں اس رات کا حساب برابر کرنے کے لیے روشنک دوسرے دن سہ پہر تک سوتی رہی۔ جب بے دار ہوئی تو اُس کا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ غسل کرنے کے بعد اُس نے خود کو کچھ بہتر پایا۔ وہ ٹہلنے کے لیے قصر کے باغ میں نکل گئی۔ وہ یہ بھی جاننا چاہتی تھی کہ پہرے دار اُسے باہر نکلنے دیں گے یا نہیں! پہلے تو اس پر یہ پابندی تھی کہ وہ محل کے کسی بیرونی دروازے کے قریب بھی نہیں جائے گی۔ اُسے خوشی ہوئی کہ

Marfat.com

پہرے داروں نے اُسے باہر نکلنے سے نہیں روکا۔

جلد ہی اُس کی ملاقات مقلاب سے ہوگئی۔

''سپاہیوں کا ایک دستہ آپ کے لیے مخصوص کردیا گیا ہے۔'' وہ بولا۔ ''جب بھی آپ کو محل سے نکلنا ہو، مجھے بتادیجیے گا۔ سپاہیوں کا دستہ آپ کی سواری کی جلو میں رہے گا۔''

روشنک سمجھ گئی۔ مروان الحمار اُن آوارگانِ شب میں سے نہیں تھا جن کے لیے گزری ہوئی رات ایک بھولی ہوئی بات بن جاتی ہے۔ گویا وہ مروان کے اعصاب پر چھا چکی تھی۔

مقلاب کے چہرے پر روشنک کو کھنچاؤ نظر آیا تھا۔ خلیفۂ وقت کے حاجب کو یقیناً یہ بات گراں گزری تھی کہ اُسے ایک کنیز سے اپنے اندازِ تخاطب میں تبدیلی لانا پڑی تھی۔

روشنک بے پروا انداز میں مقلاب پر ایک نظر ڈال کر اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ گئی۔

رات کو مروان الحمار نے اسے پھر اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔

''تم نے ہمیں اپنا دیوانہ بنالیا ہے گل چہرہ!'' وہ بولا۔

رات سے اب تک وہ روشنک کو اس قسم کے بہت سے نام دے چکا تھا۔ اس وقت روشنک نے خود ہی والہانہ انداز میں اپنی بانہیں مروان الحمار کی گردن میں ڈال دیں اور کہا۔ ''میں خوش نصیب ہوں کہ خلیفۂ بنواُمیہ نے مجھے کسی قابل سمجھا۔''

''سلطنت کے حالات بڑے ابتر ہیں پری رُو!'' مروان نے کہا۔ ''ان حالات سے گزرنے کے بعد ہم تمھیں اپنے نکاح میں لے لیں گے۔''

روشنک کو اندازہ تھا کہ اس کی نوبت کبھی نہ آتی۔ تحریکِ عباسیہ کو ختم کرنا اب مروان الحمار کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ ابوسفیان باہلی کے گھر میں رہتے ہوئے روشنک نے بہت کچھ سنا اور جانا تھا۔ تحریکِ عباسیہ کی عوام میں بڑھتی ہوئی مقبولیت اور کارکنانِ تحریک کی بڑھتی ہوئی جارحیت کسی وقت بھی اُموی سلطنت کے پائے اکھاڑ دیتی۔

روشنک نے صراحی سے ایک جام بنا کر مروان الحمار کو دیا اور بولی۔ ''ان عباسیوں سے مجھے شدید نفرت ہے جو سلطنتِ بنواُمیہ کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔''

''واقعی؟'' مروان الحمار نے تعجب سے کہا۔ ''تم تو ایرانی ہو اور ایرانی بڑی تیزی

Marfat.com

سے اس تحریک کے گرویدہ ہوتے جارہے ہیں۔"

"اکثریت کا جھکاؤ کسی طرف ہوتو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہی سچا راستہ ہے۔ میں تو عباسیوں کے عقائد کو شرم ناک سمجھتی ہوں۔" روشنک نے کہا۔ "مجھے اس کی ضرورت بھی کیا ہے امیر کہ میں غلط بیانی سے کام لوں اور اب جبکہ آپ مجھ سے مناکحت کا وعدہ بھی کر چکے ہیں تو میری وفاداری آپ سے زیادہ کس کا حق ہوسکتی ہے۔"

مروان الحمار نے خوش ہوکر جام ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور روشنک نے خالی جام پھر لبریز کر دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس رات وہ مروان الحمار کو زیادہ سے زیادہ پلاکر اُس سے کچھ معلومات حاصل کرے۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ مروان الحمار نے تحریکِ عباسی کو کچلنے کے لیے کیا سوچا ہے۔

اس وقت روشنک کو ذرا بھی گمان نہ تھا کہ وہ ایک بہت اہم بات سے آگاہ ہونے والی ہے۔

عباسیوں کے خلاف زہر اُگلتے ہوئے اُس نے مروان الحمار کو چار پانچ جام پلا دیے۔

اسی وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی جسے سن کر مروان الحمار غضب ناک ہوگیا۔

"کون ہے؟" وہ گرج کر بولا۔ "کس نے ہمارے تخلیۂ سُرور میں حاضر ہونے کی جسارت کی ہے۔"

باہر سے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا گیا۔ "میں مقلاب ہوں امیر المومنین!"

روشنک نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے مروان کی طرف دیکھا جو شراب کے کئی جام چڑھا چکا تھا۔

"چلے جاؤ مقلاب! ہمارے قہر کو دعوت نہ دو۔" مروان الحمار نے غصّے سے کہا۔ "تم کو علم ہونا چاہیے کہ ہم اس وقت تخلیے میں ہیں۔"

"بات بہت اہم ہے امیر المومنین!" باہر سے مقلاب کی آواز آئی۔ "خراسان سے کچھ لوگ بڑی اہم اطلاع لے کر آئے ہیں۔"

مروان الحمار چونکا۔ "کیا عباسیوں کے بارے میں؟"

"جی۔" مقلاب نے اتنے تذبذب کے ساتھ کہا جیسے وہ روشنک کی وجہ سے

Marfat.com

مروان الحمار کے سوال کا اثباتی جواب نہ دینا چاہتا ہو۔

"معاملہ واقعی اہم ہوگا۔" مروان الحمار بڑبڑایا اور اُس نے بستر سے اُٹھ کر دروازے کی طرف جانا چاہا لیکن کھڑے ہوتے ہی اُس کے قدم ڈگمگائے۔

"میں ہوں نا آپ کا سہارا امیر!" روشنک جلدی سے اُٹھ کر مروان الحمار کے قریب گئی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے شانے پر رکھ لیا۔

مروان الحمار کا بھاری بھرکم بوجھ سنبھالنا روشنک کے لیے آسان نہیں تھا مگر اس وقت اُسے ہمت کرنی پڑی۔ مروان الحمار کے ساتھ رہ کر ہی وہ اس اطلاع سے باخبر ہوسکتی تھی جو خراسان سے خلفیۂ بنواُمیہ کے لیے آئی تھی۔

"نہیں۔" مروان الحمار نے کہا اور قدم آگے بڑھانے کے بجائے بستر پر بیٹھ گیا اور بلند آواز سے بولا۔ "اندر آجاؤ مقلاب!"

روشنک اُس کے پہلو میں بیٹھی تھی اور مروان الحمار کا ہاتھ اُس کے شانوں پر پھیلا ہوا تھا۔

مقلاب دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اُس نے روشنک سے نظریں چرائیں اور کچھ فاصلے پر مؤدب کھڑا ہوگیا۔

"کیا اطلاع لائے ہیں وہ لوگ؟" مروان الحمار نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"یہ انھوں نے مجھے نہیں بتایا۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ اطلاع صرف آپ ہی کو پہنچائی جاسکتی ہے۔"

"وہ لوگ ہیں کون؟" مروان الحمار نے پوچھا۔ "ہم نے بہت سے لوگوں کو خراسان بھیجا تھا۔"

"یہ وہی تینوں آدمی ہیں امیر المومنین! جنھیں آپ نے عباسی تحریک کے سرغنہ کا پتا لگانے کے لیے بھیجا تھا۔"

"کیا انھیں پتا چل گیا؟" مروان الحمار نے جلدی سے پوچھا۔

"یہ انھوں نے مجھے نہیں بتایا امیر المومنین!" مقلاب نے کہا۔ "میں نے انھیں دیوانِ خاص میں بٹھا دیا ہے۔ وہ آپ کے منتظر ہیں۔"

Marfat.com

''انھیں یہیں بھیج دو!''

''یہیں؟'' مقلاب نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور روشنک پر ایک نظر ڈالی۔

''ہاں! یہیں!'' مروان الحمار جھنجھلا کر کہا۔ ''کیا تم بہرے ہوگئے ہو کہ ہمیں اپنی بات دہرانا پڑ رہی ہے؟''

مقلاب نے مؤدبانہ انداز میں سر ہلایا، اُلٹے قدموں چلتا ہوا دروازے تک گیا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

مروان الحمار اتنی شراب پی چکا تھا کہ اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہوگئی تھی۔ وہ احتیاط کے معنی ہی بھول گیا تھا۔

روشنک کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوچکی تھیں۔ وہ کسی اہم بات سے باخبر ہونے والی تھی۔ اُس نے اس موقع پر تھوڑی سی عیاری ضروری سمجھی اور کہا۔ ''شاید کوئی بہت اہم اطلاع ہے امیر، جس کے لیے رازداری برتی جارہی ہے۔ آپ میرا سہارا لے کر چلیے! میں آپ کو دیوانِ خاص میں پہنچا کر واپس آجاؤں گی۔''

''نہیں نازنین!'' مروان الحمار نے اپنا گال روشنک کے عریاں شانے پر رکھ دیا اور بولا۔ ''عباسیوں سے نفرت تمھیں بھی ہے۔ شاید اس اطلاع سے تمھیں خوشی ہونے کا موقع ملے۔''

روشنک خود بھی یہی چاہتی تھی۔ جلد ہی تین آدمی کمرے میں آئے اور کچھ فاصلے پر مقلاب ہی کی طرح مؤدب کھڑے ہوگئے۔

''کیا اطلاع لائے ہو؟'' مروان الحمار نے پوچھا۔

''امیر المومنین!'' اُن میں سے ایک بولا۔ ''یہ تو ہم آپ کے علم میں لاچکے ہیں کہ محمد بن علی کے بعد اُس کے بیٹے ابراہیم نے قیادت سنبھال لی ہے اور وہ روپوش رہ کر کام کررہا ہے لیکن اب یہ معلوم ہوگیا ہے کہ وہ کس شہر میں ہے۔''

''کس شہر میں ہے؟'' مروان الحمار نے بے چینی سے پوچھا۔

جواب میں کسی دور دراز کے گاؤں کی ایک مسجد کا نام بتا کر کہا گیا۔ ''رمضان کے آخری جمعے کی نماز پڑھنے وہ وہیں آتا ہے۔''

Marfat.com

''احمقو!'' مروان الحمار نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بہتر یہ ہوتا کہ تم اُسے گرفتار کروا کے ہمیں مکمل خوش خبری سناتے۔''

''ہمارے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ اس لیے ہم چاہتے تھے کہ اس بارے میں آپ کی رائے معلوم کرلی جائے! اب تک تحریک کے قائدین کو گرفتار کر کے یا مار کر تحریک کو ختم نہیں کیا جاسکا ہے، لہٰذا اب کیا بہتر نہ ہوگا کہ ہم ابراہیم کی کڑی نگرانی کر کے اس کے اہم لوگوں کا پتا چلالیں اور اس کے بعد اُن سب کی گرفتاری بہ یک وقت عمل میں آئے۔''

''بے وقوفو!'' مروان الحمار نے غصّے سے کہا۔ ''اتنی لمبی منصوبہ بندیاں کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بس اُسے پکڑ کر اُس کی گردن ماردی جائے۔ اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ ایک کے بعد اُس کا بیٹا اور اُس کے بعد اُس کا بیٹا تحریک کی قیادت سنبھالتا رہا لیکن ابراہیم کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اُسے ختم کردو۔ تحریک خود بہ خود ختم ہوجائے گی۔ دفع ہوجاؤ۔''

روشنک کے دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہوچکی تھیں۔ فوراً اس کے دماغ میں یہ سوال چکرانے لگا کہ ابراہیم یا ابومسلم خراسانی کو یہ اطلاع کیسے پہنچائی جائے؟

تینوں آدمی رخصت ہوگئے تو مروان الحمار نے روشنک کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''یقیناً یہ تمھارے لیے پُرمسرت اطلاع ہوگی۔''

''یقیناً۔'' روشنک مسکرائی۔

مروان الحمار نے کہا۔ ''اب سمجھ لو، وہ وقت قریب آچکا ہے جب ہم تم سے نکاح کرلیں گے۔ ہمارے لیے سب سے بڑا دردِ سر، یہ فرزندانِ عباس ہی ہیں۔''

روشنک صراحی سے اُس کے لیے جام بھرنے لگی۔ اس رات وہ مروان الحمار کو اتنا پلا دینا چاہتی تھی کہ وہ گزشتہ رات کی طرح ''درندہ'' نہ بن سکے۔ وہ اپنے اُس مقصد میں کام یاب بھی رہی۔ مروان الحمار اُسے زیادہ نہیں جھنجھوڑ سکا اور اُس کی مدہوشی نے اُسے نیند کے اندھیرے میں دھکیل دیا۔

دوسرے روز روشنک کو دن بھر نہیں سونا پڑا لیکن وہ پریشانی کے عالم میں رہی۔

Marfat.com

اُسے ایک ایسی بات معلوم ہوگئی تھی جو ابراہیم الامام یا ابو مسلم خراسانی کے علم میں لانی انتہائی ضروری تھی۔ ابراہیم الامام کے بارے میں تو وہ کچھ جانتی ہی نہیں تھی لیکن ابو مسلم خراسانی کو وہ جانتی بھی تھی اور اُسے یہ علم بھی تھا کہ وہ خراسان میں کسی جگہ ہوگا۔

طبیب کرمانی کے ذریعے خط بھیجتے وقت اُسے یقین تھا کہ وہ ابو مسلم خراسانی تک ضرور پہنچے گا اور اُسے قصرِ خلافت سے رابطے کی کوئی راہ ضرور سوجھ جائے گی، اور قصرِ خلافت کے بارے میں کوئی بھی اہم اطلاع وہ ابو مسلم خراسانی تک پہنچا سکے گی لیکن اب تک ایسا کوئی بندوبست نہیں ہوسکا تھا۔

روشنک کو طبیب کرمانی نے بتادیا تھا کہ اُسے خراسان پہنچنے میں کتنے دن لگیں گے۔ اس حساب سے روشنک کے اندازے کے مطابق طبیب کرمانی کو ہفتہ بھر پہلے خراسان پہنچ جانا چاہیے تھا۔ پھر ابو مسلم خراسانی تک پہنچنے میں بھی اُسے دو ایک دن سے زیادہ نہ لگتے۔ کم از کم روشنک نے یہی سوچا تھا۔

وہ دمشق میں تھی۔ اس کے جنوب میں اردن تھا۔ ابراہیم الامام کی سکونت وہیں کہیں ہوسکتی تھی۔ عمان یا کسی اور شہر میں لیکن رمضان کے آخری جمعے کی نماز وہ بلقا نامی کسی علاقے کے گاؤں الحمیمہ میں پڑھا کرتا تھا۔

خلیفہ مروان الحمار کو اس کے آدمیوں نے یہی اطلاع دی تھی۔ روشنک کو صرف یہ شبہ تھا کہ گاؤں کا نام حمیمہ بتایا گیا تھا یا کرار الحمیمہ، لیکن اس فرق سے اطلاع کی اہمیت کم نہیں ہوئی تھی۔

خراسان دمشق کے مشرق میں خاصی دور تھا۔ وہاں تک اطلاع پہنچنے میں کئی دن لگتے اور پھر ابو مسلم یا اس کے کسی کارندے کو بھی بلقا نامی علاقے تک پہنچ کر ابراہیم الامام کو ہوشیار کرنے میں بہت وقت لگتا لیکن روشنک کے سامنے تو ابھی یہ بہت بڑی دشواری تھی کہ اطلاع خراسان میں ابو مسلم تک کیسے پہنچائی جائے۔

اسی عالم میں چار دن گزر گئے۔ وہ گزرتے ہوئے دن رمضان ہی کے تھے۔ خلیفہ مروان الحمار حران جاچکا تھا۔ روشنک اس کی عدم موجودگی میں قصر میں ہر طرف بڑے طنطنے سے گھوم سکتی تھی کیوں کہ اُس کے پاس تحریری اجازت نامہ تھا جس پر خلیفہ

Marfat.com

وقت کی مہر لگی ہوئی تھی لیکن وہ اجازت نامہ روشنک کے لیے قطعی غیر ضروری ہو چکا تھا۔ مقلاب کو اس کے بارے میں ہدایات خلفیہ مروان الحمار خود دے چکا تھا۔

ایک دن تو روشنک صبح سے شام تک قصر کے ایک مشرقی دریچے میں خراسان کی طرف سے آنے والے راستے پر نظر جمائے کھڑی رہی۔

طبیب کرمانی نے جاتے وقت کہا تھا کہ اگر ابو مسلم نے خط کا کوئی جواب بھیجنا چاہا تو اس کے لیے ایک ہی صورت ہوگی۔ وہ طبیب کرمانی ہی کو ذریعہ بنائے گا کیوں کہ اُس کا اپنا کوئی آدمی قصرِ خلافت میں داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ سہولت صرف طبیب کرمانی ہی کو حاصل تھی۔ وہ قصر میں اپنی واپسی کے جواز کا بندوبست بھی کر گیا تھا۔ اُس نے دواؤں کی چند شیشیاں اپنے کمرے کی الماری میں چھوڑ دی تھیں۔ وہ مقلاب سے کہہ سکتا تھا کہ وہ دوائیں بہت اہمیت رکھتی ہیں جنھیں لینے کے لیے وہ واپس قصرِ خلافت آسکتا ہے۔

لیکن کچھ بھی نہ ہوا اور رمضان کا آخری جمعہ اتنا نزدیک آگیا کہ اب اگر روشنک کسی ذریعے سے پیغام بھیجنے میں کامیاب بھی ہو جاتی تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

☆☆☆

رمضان کا مہینہ ختم ہونے میں کچھ دن باقی تھے جب ابراہیم الامام کا فرستادہ ایک نقیب خراسان پہنچا۔ اُس کا نام ابنِ حبیب تھا۔ وہ مقامی نقیبوں سے رابطہ کر کے ایک نقیب کے ساتھ ابو مسلم خراسانی تک پہنچا۔

"یہ چیزیں آپ کے حوالے کر کے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔" ابن حبیب نے کہا۔

جو چیزیں ابراہیم الامام نے ابو مسلم خراسانی کو بھجوائی تھیں، وہ سیاہ رنگ کے دو پرچم اور ایک خط تھا۔ خط میں ابراہیم الامام نے لکھا تھا۔

"ابو مسلم! اب مناسب نہ ہوگا کہ عسکری اقدامات میں کوئی غیر ضروری تاخیر کی جائے۔ اس خط کے ساتھ میں دو پرچم بھیج رہا ہوں۔ اس میں سے ایک پرچم کا نام "ظِل" اس لیے رکھا ہے کہ زمین بغیر سائے کے کبھی نہیں رہتی۔ اب یہ سایہ دنیا پر ہمیشہ

Marfat.com

قائم رہے گا۔ یہ سایہ بنی عباس کی خلافت کا ہوگا۔ یہ پرچم تم اپنے لشکر کے ساتھ رکھنا۔ اُسے زمین سے چودہ گز بلند رکھا جائے۔

دوسرے پرچم کا نام ''سحاب'' یعنی بادل اس لیے رکھا ہے کہ یہ زمین پر چھا جاتا ہے۔ اسی طرح بنی عباس کی حکومت ہر جگہ چھا جائے گی۔ اُسے تیرہ گز کی بلندی پر رکھا جائے۔ یہ پرچم تم اپنے کسی دوسرے سپہ سالار کو دینا۔ دونوں پرچموں کی بلندی کا ایک خاص مطلب ہے جو ہم اس وقت بتائیں گے جب خلافتِ عباس قائم ہو جائے گی۔

خراسان میں موجود تمام نقیبوں کو بلا کر مشاورت کر لو اور مکمل تیاری کے ساتھ خلافتِ بنواُمیہ کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دو۔ اس مہم کی تمام ذمے داریاں ہم تمھارے کندھوں پر ڈال رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ فتح مندی و کامرانی ہر قدم پر تمھارا استقبال کرے گی۔''

خط کے آخر میں ابراہیم الامام کی مخصوص مہر تھی۔

ابومسلم نے دوسری مرتبہ وہ خط بلند آواز سے پڑھا تاکہ موجود افراد بھی واقف ہو جائیں کہ ابراہیم الامام نے کیا لکھا ہے۔

اعلانِ بغاوت کی اجازت ان سب کے لیے ایک پُرمسرت پیغام تھی۔ اُن سب کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔ صرف ابومسلم کا چہرہ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی سپاٹ رہا۔

جو لوگ موجود تھے، انھوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔

کسی نے کہا۔ ''کاش امام یہ اجازت کچھ اور پہلے دے دیتے۔''

جب اس بارے میں استفسار ہوا تو کہا گیا۔ ''اس صورت میں عین ممکن تھا کہ آنے والی عید کی نماز ہم خلیفۂ بنوعباس کی امامت میں پڑھتے۔''

ابومسلم خراسانی نے ان باتوں میں کوئی حصّہ نہیں لیا اور بے تاثر سی آواز میں کہا۔

''اب رات خاصی گزر چکی ہے کل صبح تمام نقیبوں کو پیغام بھیج دیا جائے کہ اندھیرا پھیلتے ہی وہ یہاں جمع ہو جائیں۔''

صبح ہوتے ہی ابومسلم خراسانی کے حکم تعمیل ہوئی اور رات کو تمام نقیب ابومسلم کے سامنے بیٹھے تھے۔

Marfat.com

ابو مسلم نے اُن سب کو بھی ابراہیم الامام کا خط سنایا اور پھر کہا۔ ''میں نے امام کی ہدایت کے مطابق آپ سب کو یہاں آنے کی دعوت بھجوائی تھی لیکن مشاورت سے پہلے میں آپ سب کو اپنے منصوبے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں جو میں نے کچھ ہی عرصہ پہلے تیار کیا ہے۔ اس میں ترمیم و اضافے کے لیے مشاورت کر لی جائے گی اور اگر آپ لوگوں میں سے کسی کے دماغ میں اس سے بہتر منصوبہ ہوگا تو اس پر بھی مشاورت کر لی جائے گی۔''

''آپ فرمایئے امیر!'' قحطبہ بن شبیب نے کہا۔

ابو مسلم خراسانی نے بڑی وضاحت اور جزئیات کے ساتھ اپنے منصوبے سے اُن لوگوں کو آگاہ کیا۔

''واہ!'' ابن حبیب نے بے ساختہ کہا۔ ''اس سے اچھا منصوبہ اور کیا ہو سکتا ہے!''

''بہتر ہوگا کہ عجلت سے کام لینے کے بجائے آپ لوگ اس پر غور کریں۔'' ابو مسلم خراسانی نے کہا۔

کچھ دیر تک اس مختصر محفل پر سکوت چھایا رہا۔ سب غور و فکر میں غلطاں تھے۔ آخر ابو سلمہ نے کہا۔ ''مجھے تو اس منصوبے میں کہیں کوئی خطا دکھائی نہیں دے رہی ہے۔''

فوراً قحطبہ بن شبیب اور دیگر نقیبوں نے بھی اس کی تائید کی۔ صرف سلیمان ابنِ کثیر نے خاموشی اختیار کی، تاہم اختلاف اس نے بھی نہیں کیا۔ اُس نے کبھی بھی ابو مسلم خراسانی کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا۔

ابو سلمہ نے کہا۔ ''اعلانِ بغاوت سے پہلے ہمیں اپنی صف بندی کرنے میں چار دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔''

''اور وہ اعلانِ بغاوت کے لیے ایک مبارک دن ہوگا۔'' ابن حبیب نے پُر مسرت لہجے میں کہا۔

چار دن بعد رمضان کا آخری جمعہ تھا۔

☆☆☆

روشنک اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ اُسے باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں، وہ ان آوازوں پر دھیان دینے لگی۔

Marfat.com

''میں دراصل روشنک کو ایک ایسی دوا دینا چاہتا ہوں جو اُس کی رنگت میں بلا کا نکھار لائے گی۔'' یہ ذرا بلند آواز میں غالباً اسی لیے کہا گیا کہ روشنک کو سنائی دے جائے۔

یہ آواز طبیب کرمانی کی تھی۔

روشنک بستر پر سے اتر کر ہوا کے تیز جھونکے کی طرح دروازے پر گئی اور جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

مقلاب طبیب کرمانی کا راستہ روکے کھڑا کہہ رہا تھا۔ ''یہاں اب آپ سے اچھا طبیب موجود ہے۔'' مقلاب کا انداز حقارت آمیز تھا۔

''سنیے حاجب محترم!'' روشنک تیز لہجے میں بولی۔ ''کیا امیر المومنین نے آپ کو یہ اختیار تفویض کر دیا ہے کہ میری کسی بھی قسم کی بہتری چاہنے والے کی رسائی آپ مجھ تک ہونے دیں؟''

''لیکن......'' مقلاب گڑبڑا گیا۔

''آپ جا سکتے ہیں۔'' روشنک نے اُس کی بات کاٹی اور مسکرا کر طبیب کرمانی کی طرف دیکھا۔ ''آپ تشریف لائیے طبیب صاحب!''

مقلاب کا چہرہ کچھ عجیب سا ہو گیا۔ یقیناً اُس نے بڑی اہانت محسوس کی ہوگی۔ خلیفۂ وقت کا حاجب ہوتے ہوئے بھی روشنک کے سامنے اُس کی حیثیت کسی چوب دار کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

جب وہ بے بسی کے عالم میں جانے کے لیے مڑا تو روشنک اُس سے مخاطب ہوئی۔ ''سنیے! طبیب صاحب میرے معالج ہی نہیں، میرے شفیق بزرگ بھی ہیں۔ آپ نے انھیں روکنا چاہا تھا لہٰذا اب میں انھیں کچھ زیادہ دیر تک اپنے پاس روکوں گی۔ آپ جب چاہیں، میری اور اُن کی تخلیے کی ملاقات کو شکایت کا رنگ دے کر امیر المومنین کے گوش گزار کر دیں۔ مجھے اس کی پروا نہیں۔ اور ہاں! ایک بات کا خیال رہے۔ جب تک طبیب صاحب یہاں ہیں، کسی بھی شخص کا سایہ بھی میرے کمرے کے آس پاس نظر نہیں آنا چاہیے۔''

مقلاب تیزی سے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

Marfat.com

مسکراتی ہوئی روشنک نے طبیب کرمانی کو اپنے کمرے میں بلا کر دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

طبیب کرمانی بہت متحیر دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ تم نے قصرِ خلافت میں کیا جادو چلا دیا ہے؟'' وہ بولا۔

روشنک مسکراتی رہی۔ ''طبیب صاحب! کنیز اگر خوب صورت ہو تو اپنے آقا کے بڑے بڑے منصب دار کو اپنے پیر چاٹنے پر مجبور کرسکتی ہے لیکن یہ مرتبہ، اگر اُسے مرتبہ کہا جاسکے تو اس کے حصول کے لیے کنیز کو اپنے آقا کے لیے خود کو بہت لہولہان کرنا پڑتا ہے۔'' آخر روشنک کا لہجہ کچھ تلخ ہو گیا۔

طبیب کرمانی کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

''خیر چھوڑیے!'' روشنک پھر مسکرادی۔ ''بیٹھیے! مجھے یقین ہے کہ آپ ابو مسلم سے مل کر آئے ہوں گے۔ انھوں نے میرے خط کا تحریری جواب تو غالباً نہیں دیا ہوگا لیکن آپ کی زبانی کچھ کہلوایا ضرور ہوگا۔ آپ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے لیکن افسوس اس کا ہے کہ بہت دیر ہو چکی ہے۔''

''دیر؟'' طبیب کرمانی حیرت سے بولا۔ ''میں سمجھا نہیں بیٹی! دیر تو مجھے نہیں ہوئی۔ ابو مسلم سے ملاقات کے بعد میں صبح ہوتے ہی وہاں سے چل پڑا تھا۔ ہاں البتہ ابو مسلم تک پہنچنے میں مجھے دس بارہ دن لگ گئے تھے۔''

روشنک نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''انھی دس بارہ دنوں کا ازالہ اب ممکن نہیں رہا۔''

''آخر بات کیا ہے؟''

''عباسیوں کے قائد کی زندگی خطرے میں ہے۔''

''وہ کیسے؟''

روشنک نے سب کچھ وضاحت سے بیان کردیا۔ طبیب کرمانی نے سب کچھ سن کر تشویش سے کہا۔ ''یہ تو عباسیوں کے لیے شاید ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔''

''اور اب اس نقصان سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔'' روشنک نے مایوسی سے کہا۔ ''ابو مسلم کو یہ سب کچھ بتانے کے لیے آپ کو خراسان پہنچنے میں وقت لگے گا اور

Marfat.com

ابومسلم کو اپنے قائد کی زندگی بچانے کے لیے اقدام کرنے ہوں گے، اس میں اتنی تاخیر ہو جائے گی کہ اس دوران میں کھیل ختم ہو چکا ہوگا۔''

''وقت واقعی بہت کم ہے لیکن شاید کچھ ہو ہی جائے۔''

''کیا ہوسکتا ہے طبیب صاحب؟''

''باب الجابیہ دیکھا ہے تم نے؟''

''جی ہاں، وہ تو دیکھا ہے۔'' روشنک کی آنکھوں میں اُلجھن نظر آئی۔

''وہاں سقوں کی بستی ہے۔''

''وہاں سے بھی دو ایک بار گزری ہوں۔ ابوسفیان باہلی نے مجھ پر کوئی ایسی پابندی نہیں لگائی تھی کہ میں گھر سے باہر نہ نکلوں۔''

''وہ سقے سرکاری ملازم ہیں۔ اُن کے نگراں کا نام جالب الزاری ہے۔ اُس کا گھر بھی وہیں ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ نے یہ باتیں کیوں چھیڑ دی ہیں طبیب صاحب!'' روشنک پریشان نظر آنے لگی تھی۔

''تمھیں یہ سب کچھ بتانا ضروری ہے، آئندہ کام آئے گا۔'' طبیب کرمانی نے کہا۔ ''ورنہ وقت اتنا کم ہے کہ میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر یہاں سے روانہ ہو جاتا اور تمھاری حاصل کردہ اہم معلومات جالب الزاری کو پہنچا دیتا۔''

''جالب الزاری کو؟'' روشنک کی حیرت میں اضافہ ہوا۔

''ہاں۔'' طبیب کرمانی نے کہا۔ ''اگرچہ سقے بنواُمیہ کی سرکار کے ملازم ہیں لیکن بہت سے ملازمین اب عباسی خلافت کے حامی ہیں۔ اُن میں جالب الزاری تو ابومسلم کا خاص آدمی ہے۔ وہ تحریک کا کارپرداز ہے۔ اس نے اپنے گھر میں بہت سے کبوتر پال رکھے ہیں۔ صبح شام کسی وقت بھی اس بستی سے گزرو تو جالب الزاری کے گھر کے اوپر کچھ نہ کچھ کبوتر اُڑتے ضرور دکھائی دیتے ہیں۔''

''عرب کے گھر میں کبوتر؟ یہ لوگ تو صرف باز پالنے کے شوقین ہوتے ہیں طبیب صاحب!''

Marfat.com

''یہ میں بھی جانتا ہوں۔'' طبیب صاحب کرمانی نے کہا۔ ''جالب الزاری کو بھی کبوتر پالنے کا کوئی شوق نہیں۔ اس کی کبوتر بازی ایک مقصد کے تحت ہے۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی کا یہ نظام ابومسلم ہی نے قائم کیا ہے۔ دمشق میں اس کے جو مخبر کام کررہے ہیں، ان کے پیغامات جالب الزاری کا ایک عسکری کارپرداز ابوعون ہے جو اپنے پیغام رساں کبوتر جالب الزاری کو پہنچاتا رہتا ہے۔ دمشق سے پیغامات انھی کبوتروں کے ذریعے ابوعون کے گھر پہنچتے ہیں اور ابوعون اُنھیں ابومسلم کو پہنچاتا ہے۔ دمشق کی طرح کئی اور بڑے شہروں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو جالب الزاری ہی کی طرح یہ فرض سرانجام دیتے ہیں۔ ابوعون کے صبارفتار پیغام رساں کبوتر ان سب کے پاس ہیں۔ ابومسلم کے احکامات انھی کبوتروں کے ذریعے مختلف شہروں تک پہنچتے ہیں۔''

روشنک کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ ''تو کیا یہ پیغام ابومسلم کو کل تک مل جائے گا؟''

''مجھے نہیں معلوم کہ ان کبوتروں کو کس شہر سے خراسان پہنچنے میں کتنا وقت لگتا ہے لیکن یہ بات بہرحال یقینی ہے کہ پیغام جلد از جلد پہنچے گا۔ کل نہیں تو پرسوں تک پہنچ ہی جانا چاہیے۔''

روشنک کا چہرہ فق پڑ گیا۔ ''پھر تو دیر ہو جائے گی طبیب صاحب! جمعے میں صرف ایک دن رہ جائے گا۔''

''میں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے بیٹی! خدا کرے کہ یہ غلط ہو اور کبوتر کل شام تک ابوعون کے گھر پہنچ جائے۔''

اسی صورت میں یہ ممکن ہے کہ ابومسلم کے احکام کبوتر کے ذریعے بلقا کے علاقے میں موجود تحریک کے کارکن تک بروقت پہنچ جائیں اور وہاں کے تحریکی کارکن ابراہیم الامام کو خطرے سے بچالیں۔''

''میں بس اب روانہ ہوتا ہوں۔ ابھی جاکر یہ ساری بات جالب الزاری کو بتادوں گا۔ میرے اور تمھارے بارے میں ابومسلم کی ہدایات تو ابوعون نے جالب الزاری کو فوراً بھیج دی تھیں۔ وہ اس وقت تک پہنچ چکی ہوں گی۔ اب آئندہ اگر تمھیں کوئی خاص بات ابومسلم تک پہنچانا ہو تو تمھیں.....'' طبیب کرمانی رکا اور پھر اُس نے

Marfat.com

تیزی سے پوچھا۔ ''محل کی کنیزوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے لیکن تم نے بڑے یقین کے ساتھ مجھ سے کہا تھا کہ تم مروان الحمار سے اس بات کی اجازت لینے میں کام یاب ہوجاؤ گی۔ میرا خیال ہے کہ شاید کام یاب ہوچکی ہو۔ مقلاب جیسی شخصیت تمھارے سامنے بھیگی بلی بن گئی ہے۔''

''جی ہاں طبیب صاحب! میں محل سے نکل سکتی ہوں۔ باب الجابیہ کی اس بستی تک پہنچ سکتی ہوں لیکن جالب الزاری سے ملنا میرے لیے مشکل ہوگا۔ میں جب بھی محل سے نکلوں گی، سپاہیوں کا ایک دستہ میرے جلو میں رہے گا۔ مروان الحمار کی خواہش ہے کہ اُس کی کنیز جب محل سے نکلے تو پوری شان و شوکت کے ساتھ نکلے۔''

طبیب کرمانی کے چہرے پر سوچ بچار کا تاثر اُبھر آیا۔

''فی الحال تو آپ جلدی کریں طبیب صاحب! روشنک نے بے چینی سے کہا۔ ''ابراہیم الامام کی زندگی بچانے سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہوگا۔''

''ایک آدھ گھڑی کی تاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' طبیب کرمانی نے کہا۔ ''ابھی میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ میں جالب الزاری سے ملوں گا تو اُسے بھی بتادوں گا۔ جب بھی اس بستی کی طرف سے تمھارا گزر ہو، تو وہ تمھارے جلوس کے پیچھے لگا رہے۔ تمھیں جو پیغام ابومسلم خراسانی کو بھیجنا ہو، وہ لکھ کر اپنے ساتھ رکھنا اور کسی جگہ گرادینا۔ جالب الزاری وہ اُٹھالے گا۔ یہ کام کتنے سلیقے سے کیا جانا چاہیے، اس بارے میں تم خود سوچ لینا۔ میں اب روانہ ہوتا ہوں۔''

طبیب کرمانی کے جانے کے بعد روشنک کے چہرے سے وہ شدید مایوسی ختم ہوگئی جو اس پر کئی دن سے طاری تھی لیکن یہ خیال اُس کے لیے پریشان کن ہی رہا کہ پیغام رساں کبوتر کو خراسان پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔

جالب الزاری کا نام اس نے کئی مرتبہ اپنے دماغ میں دہرایا تاکہ بھول نہ جائے۔

جالب الزاری! ان سقّوں کا نگراں تھا جو ''الخضر!'' میں پانی پہنچایا کرتے تھے۔ الخضر کے چھوٹے چھوٹے محل قصرِ خلافت کے جنوبی احاطے میں بنائے گئے تھے۔ دیگر ممالک کے اور خصوصاً بوزنطینی سفارت کاروں کا قیام وہیں ہوتا تھا۔ قصرِ خلافت کے

Marfat.com

بالکل قریب بنا ہوا ایک محل ''دارالخیل'' کہلاتا تھا۔ وہاں غیر ملکی والیوں کی سکونت ہوتی تھی۔

☆☆☆

جہاں جہاں سے عباسی لشکر کو جنگ کا آغاز کرنا تھا، ان شہروں کے مخصوص ویران علاقوں میں نصف رات سے پہلے الاؤ دہک اُٹھے۔ یہ پہلے ہی طے پاچکا تھا کہ دُور سے اس الاؤ کو دیکھنے کے بعد ہی لشکر وہاں جمع ہوگا۔ اس الاؤ کے دہکنے سے پہلے تمام سپاہیوں کو منتشر اور ایک دوسرے سے بے تعلق رہنا تھا۔ یہ بات بھی طے پاچکی تھی کہ چھوٹے چھوٹے لشکر کس طرف رخ کریں گے اور ایک بڑے لشکر میں تبدیل ہونے کے بعد اُن کا سپہ سالار اُموی سلطنت کے کس شہر یا کس فوجی چھاؤنی کو ہدف بنائے گا۔

نیشاپور میں موجود سپاہیوں کے لیے الاؤ دشتِ کبیر میں دہکایا گیا تھا۔ ابومسلم خراسانی جس گھر میں مقیم تھا، اس کے ایک دریچے سے وہ الاؤ بہت قریب نظر آ رہا تھا۔ اس دریچے میں کھڑے ہوئے ابومسلم خراسانی اور شاہ رخ کی نظریں اس الاؤ پر جمی ہوئی تھیں۔ ابومسلم کا چہرہ حسبِ معمول سپاٹ تھا جس پر شاہ رخ کو حیرت تھی۔ اُس کی دانست میں صورتِ حال ایسی تھی کہ ابومسلم کے چہرے پر اس وقت تو کچھ پریشانی نظر آنی چاہیے تھی۔

اس صورتِ حال کا علم ابومسلم خراسانی کے علاوہ صرف شاہ رخ اور ابوعون کو تھا۔ ان دونوں کو ابومسلم نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ کسی اور پر کچھ نہ ظاہر ہونے دیں۔

شاہ رخ کا دن پریشانی ہی میں گزرا تھا کیوں کہ صبح ابوعون وہ پیغام لے کر ابومسلم کے پاس آیا تھا جو دمشق سے جالب الزاری نے بھیجا تھا۔ شاہ رخ کو اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی تھی کیوں کہ اگلے دن جمعہ تھا اور جمعے کی نماز کے بعد ابومسلم کو مسجد میں خلافتِ بنواُمیہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کرنا تھا۔

ابراہیم الامام کا خفیہ مستقر حمیمہ میں تھا۔ اُسے جمعے کی نماز حمیمہ کی ایک مسجد میں پڑھنا تھی جس کا علم مروان الحمار کو ہو چکا تھا۔

اُدھر نیشاپور میں ابومسلم خراسانی جمعے کی نماز کے بعد بغاوت کا اعلان کرتا اور دوسری طرف حمیمہ میں جمعے کی نماز سے پہلے یا بعد میں ابراہیم الامام کی گرفتاری عمل میں آجاتی۔ اس خبر کا ہر طرف پھیل جانا بھی یقینی امر تھا جس سے تحریکی سپاہیوں پر منفی اثرات پڑ سکتے تھے۔

Marfat.com

''اعلانِ بغاوت ملتوی کر دیجیے!'' شاہ رخ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''یہ ممکن نہیں۔'' ابو مسلم کی آواز اس وقت پُرسکون تھی۔ ''تمام جگہوں پر احکام بھیجے جا چکے ہیں۔ آج رات ہر جگہ الاؤ دہکیں گے، لشکر جمع ہوں گے اور تمام سپہ سالار ہدایات کے مطابق اپنے ہدف کی طرف پیش قدمی شروع کر دیں گے۔ اب اتنا وقت نہیں ہے کہ جو احکامات بھیجے جا چکے ہیں، ان پر عمل درآمد رکوایا جا سکے۔ قاصد کبوتر شام سے پہلے پہلے ہر جگہ نہیں پہنچ سکتے۔ بعض جگہ پہنچ بھی جائیں گے لیکن یہ بہت غیر مناسب ہوگا کہ جنگ کے احکام پر کسی جگہ عمل درآمد ہو اور کسی جگہ نہ ہو۔''

شاہ رخ نے بے چینی سے کہا تھا۔ ''تو ایک قاصد کبوتر حمیمہ بھیج دیا جائے!'' شاہ رخ کو کچھ یاد آیا۔

''کوئی امکان؟ ابوعون؟'' ابو مسلم نے پوچھا۔

ابوعون نے مایوسی سے سر کو منفی جنبش دی اور کہا ''اتفاق سے اس وقت ایک قاصد کبوتر ایسا ہے تو سہی جو یہاں سے پرواز کرے گا تو سیدھا حمیمہ ہی جائے گا لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ وہ کل جمعے کی نماز سے پہلے حمیمہ پہنچ جائے۔''

''میرا بھی یہی خیال تھا۔'' ابو مسلم نے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ ''اب ہمیں صرف جالب الزاری ہی پر انحصار کرنا پڑے گا۔''

جالب الزاری نے پیغام میں اس اندیشے کا اظہار کیا تھا کہ خراسان سے روانہ ہونے والا کبوتر بروقت حمیمہ شاید ہی پہنچ سکے لہٰذا وہ خود حمیمہ روانہ ہو رہا ہے، نیز اس کی کوشش ہوگی کہ مسلسل سفر کر کے جمعے کی نماز سے پہلے حمیمہ پہنچ جائے اور تحریکی کارپردازوں کو صورتِ حال سے آگاہ کر دے۔

''تو اب خدا سے دعا ہی کی جا سکتی ہے۔'' شاہ رخ کے لہجے میں جذباتیت تھی۔

''شاید امام اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ملتوی کر دیں یا جالب الزاری ہی صبح وقت پر وہاں پہنچ جائے۔'' پھر اُس نے چونک کر ابو مسلم سے کہا ''امیر! قاصد کبوتر حمیمہ بھیجنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے! اگر امام نے اس مسجد میں نماز پڑھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تو انھیں بعد میں آپ کا پیغام مل جائے گا۔ اس صورت میں وہ احتیاط کے طور پر حمیمہ سے

Marfat.com

کسی اور جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔"

"تم جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو شاہ رخ! جالب الزاری تو حمیمہ کے لیے روانہ ہو ہی چکا ہوگا۔ اسی کا وہاں پہنچنا کافی ہے۔ بس یہ دعا کرو کہ وہ نماز سے پہلے پہنچنے میں کام یاب ہو جائے۔"

اور اب رات تھی۔ دشتِ کبیر میں الاؤ دہک رہا تھا۔

ابومسلم خراسانی دریچے سے ہٹ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ شاہ رخ بھی دریچے سے ہٹ آیا اور خاموشی سے اپنے امیر کی طرف دیکھتا رہا۔

"شاہ رخ!" ابومسلم نے کچھ توقف سے کہا۔

"جی امیر!"

"پرچمِ ظل تم نے بانس پر باندھ دیا ہے؟"

"جی امیر!" شاہ رخ نے جواب دیا۔ "امام کی ہدایت کے مطابق بانس پورے چودہ گز کا ہے۔" پھر اُس نے پوچھا۔ "پرچمِ سحاب حاصل کرنے کا اعزاز کسے حاصل ہوا ہے امیر!"

"وہ میں نے قحطبہ بن شبیب کو دیا ہے۔ اُسے عراق کی طرف پیش قدمی کرنی ہے۔" ابومسلم نے جواب دیا۔ "فجر کی نماز تم یہیں پڑھ لینا اور میرا انتظار کرنا۔ میں مسجد نیشاپور میں نماز جمعہ کی ادائیگی اور اعلانِ بغاوت کے بعد سیدھا یہیں آؤں گا۔ تم پرچمِ ظل کے ساتھ باہر ہی میرا انتظار کرنا۔"

"بہت بہتر۔"

"میں اب کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

شاہ رخ حیرت سے سوچتا رہ گیا کہ آہنی اعصاب کا مالک یہ شخص اتنے اعصاب شکن حالات میں بھی آرام کر سکتا ہے۔

خود شاہ رخ کی یہ حالت تھی کہ نیند اُس کی آنکھوں سے کہیں دور چلی گئی تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ شاید کئی دن تک یا کم از کم اس وقت تک نہ سو سکے جب تک حمیمہ سے کوئی خبر نہ آ جائے۔ اُس کی رات نہایت بے چینی کے عالم میں گزری تھی۔

Marfat.com

ابو مسلم آرام کرنے کے بعد تیار ہو کر شہر روانہ ہو گیا۔ ابھی اتنا وقت تھا کہ وہ نماز سے پہلے نیشا پور پہنچ جاتا۔

اس روز تاریخ کے ایک اہم ترین دن کا آغاز ہونے والا تھا۔

نیشا پور کی ایک مسجد میں جمعے کی نماز کے بعد ابو مسلم نے برسرِ منبر جا کر بہ آواز بلند خلافتِ بنو اُمیہ کے خلاف تحریکِ عباسیہ کی بغاوت کا اعلان کر دیا۔

مسجد میں ہلچل مچ گئی۔ یقینی امر تھا کہ خبر بہت تیزی سے سارے شہر میں پھیلتی۔

مسجد کے باہر ایک تحریک کا رکن گھوڑے کی راسیں پکڑے ابو مسلم کا منتظر تھا۔

اُس نے مسجد سے لوگوں کے نعروں کی آواز آتی سنی اور سمجھ گیا کہ اعلانِ بغاوت کر دیا گیا۔ کارکن کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا اور جوش و خروش کی لہریں اُس کی رگ رگ میں طوفان کی طرح اُمڈنے لگیں۔

ابو مسلم مسجد سے باہر آیا۔ جست لگانے کے سے انداز میں گھوڑے پر بیٹھا اور اُسے سرپٹ دوڑا دیا۔

پرچم ظِل اپنے ہاتھ میں لیے شاہ رخ اُس کا منتظر تھا اور دشتِ کبیر کی طرف سے آگے بڑھتی ہوئی سپاہ کافی قریب آچکی تھی۔ ابو مسلم اس لشکر میں اپنے نائب کو گزشتہ رات ہی یہ حکم دے چکا تھا کہ اُسے لشکر کے ساتھ اس مکان کے قریب آنا ہے۔

پرچم ظِل اپنے ہاتھ میں لے کر ابو مسلم نے گھوڑے کا رخ دوبارہ نیشا پور کی طرف کر دیا۔ اب دوسری مرتبہ وہ ایک لشکر کی قیادت کرتا ہوا نیشا پور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

لشکر کے تمام سپاہی سیاہ لباس میں تھے اور خود ابو مسلم نے بھی سیاہ لباس زیبِ تن کیا تھا۔

سیاہ رنگ عباسیوں کا خاص نشان تھا!

نیشا پور میں موجود اُموی سپاہ کچھ ہی دیر تک پرچم ظِل کے وارثوں کی مزاحمت کر سکی۔ اُس کے بعد عباسی لشکر تیزی سے مرو کی طرف بڑھنے لگا۔

مرو کو خراسان کے اُموی حاکم نصر بن سیار نے اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اُسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ دوسرے دشمنوں سے لڑ لڑ کر وہ بہت ناتواں ہو چکا ہے۔ عباسیوں سے مقابلہ کرنا اُس کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ وہ بہت پہلے مستقبل کے اس خطرے کو

Marfat.com

بھانپ چکا تھا۔ کوفے کے حاکم ابن ہبیرہ سے اُسے کمک کی بالکل توقع نہیں تھی لہٰذا اس مرتبہ اُس نے خلیفہ مروان الحمار کو اپنا پیغام ایک نظم کی صورت میں ارسال کیا تھا۔

میں خاکستر میں سلگتی ہوئی چنگاریاں دیکھ رہا ہوں
قریب ہے کہ یہ بھڑک اُٹھیں!
اگر قوم کے دانش وَروں نے یہ آگ نہ بجھائی
تو کھوپڑیاں اور جسم اس کا ایندھن بن جائیں گے!
میں حیرت سے چیخ اٹھتا ہوں
بنواُمیہ بے دار ہے یا خوابِ خرگوش میں مبتلا ہے؟
اگر وہ اس وقت بھی مستِ خواب ہے
تو اُس سے کہہ دو کہ قیام کا وقت آ گیا!

اس پیغام سے خلفیہ مروان الحمار اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے پیغام میں ابنِ ہبیرہ کو بری طرح پھٹکار دیا۔ پیغام کی آخری سطروں میں لکھا گیا۔

''اگر اب بھی تم نے عاملِ خراسان نصر بن سیار کو کمک نہ بھیجی تو سمجھ لو کہ ایک دردناک انجام تمھارا منتظر ہے۔''

اس حکم نامے کے بعد ابنِ ہبیرہ کے لیے تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اُس کی کمک نصر بن سیار کو اس وقت پہنچی جب اُسے عباسی لشکر سے لڑتے ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔ اس کے قدم اُکھڑنے ہی والے تھے کہ اس کمک سے پھر جم گئے۔

ابو مسلم اپنی سپاہ کے ساتھ خود بھی لڑ رہا تھا۔ اُس کی تلوار بھی اُمویوں کے سر کاٹ رہی تھی اور سینے چاک کر رہی تھی۔

''ابو عون کوئی پیغام لایا ہے امیر!'' ایک آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔

ابو مسلم اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا لشکر کے عقب میں لے آیا جہاں ابو عون اُس کا منتظر تھا۔ اُس کے چہرے کی رنگت اُڑی ہوئی تھی۔

''حمیمہ سے پیغام آ گیا ہے امیر!'' ابو عون کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''اِنا للہ و اِنا الیہ راجعون!''

Marfat.com

ابوعون نے جلدی سے کہا۔ ''ابھی اُن کی گرفتاری کی خبر آئی ہے!''

''تمھارا فق چہرہ دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ کیا پیغام آیا ہوگا اور جمعہ دو دن پہلے تھا ابوعون! میں مروان الحمار کی سفاک فطرت سے خوب واقف ہوں۔ دو دن بہت ہوتے ہیں۔ امام کے گلوئے مبارک پر اُموی تلوار چل چکی ہوگی۔''

ابوعون کی پلکیں بھیگ گئیں۔

ابومسلم نے کہا۔ ''میں نے تمھیں ایک چھوٹا سا پرچہ دیا تھا کہ اگر ایسا کوئی پیغام ملے تو وہ ایک خاص قاصد کبوتر کے پنجے میں باندھ کر اُسے اُس کی منزل کی طرف روانہ کر دینا۔''

''جی...... جی......'' ابوعون کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''میں روانہ کر چکا ہوں۔''

''اب تمھیں اپنے گھر تک محدود رہنے کی ضرورت نہیں۔'' ابومسلم نے کہا۔ ''آئندہ تمھارے نائب کام کرتے رہیں گے۔ تمھیں میں نے صرف اس خاص وقت کے لیے روکا تھا۔ اب تم قحطبہ بن شبیب کے لشکر سے جا ملو۔''

ابومسلم نے جواب کا انتظار نہیں کیا اور ابوعون کی آنکھوں کے سامنے ہی میدانِ کارزار میں گم ہو گیا۔

☆☆☆

ابوعون کا چھوڑا ہوا کبوتر تیزی سے محوِ پرواز تھا۔ اُس کی منزل ایران کا جنوب مغربی مقام تھا جہاں خوزستان میں دریائے کارون ریتلے پتھر کی ایک چٹان کو کاٹتے ہوئے اپنا راستہ بناتا ہے۔

تحریکِ عباسیہ کے ایک نقیب عزیز الابراہیم کو اس علاقے میں رہتے ہوئے اٹھارہ سال گزر چکے تھے۔ اُموی بن علی نے اپنے بیٹے ابوالعباس کو جن نقیبوں کے حوالے کیا تھا، اُن میں عزیز الابراہیم پر خصوصاً یہ ذمے داری ڈالی تھی کہ وہ ابوالعباس کی حفاظت اور تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھے گا۔

محمد بن علی نے اُس سے ایسی باتیں کی تھیں جیسے ابوالعباس ہی مستقبل کا خلیفہ ہو اِسی لیے عزیز الابراہیم نے ابوالعباس کی تربیت اس طرح کی تھی جیسے کسی فرماں روا کے ولی عہد کی کی جاتی ہے۔ ابوالعباس کو علمی اور عسکری تربیت کے ساتھ سیاسی اُتار چڑھاؤ

Marfat.com

اور دیگر حکومتوں کے والیوں اور سفارت کاروں سے ملاقات کے آداب بھی سکھائے گئے تھے۔عباسی تحریک کے مرکز سے آنے والے پیغامات سے اُن لوگوں کو تمام حالات کا علم بھی ہوتا رہتا تھا۔

سال میں ایک آدھ بار ابوالعباس کا بھائی ابو جعفر اور اُن کا چچا عبداللہ بن علی بڑی رازداری کے ساتھ اُس سے ملنے آجایا کرتے تھے مگر اس علاقے میں آنے کے بعد ابوالعباس نے باپ کی شکل دوبارہ نہیں دیکھی تھی۔

محمد بن علی اپنے اس چھوٹے بیٹے کے معاملے میں حد درجہ محتاط رہا تھا۔ اُسے جیسے یقین تھا کہ اُس کا بیٹا ابوالعباس ہی اُموی سلطنت کے خاتمے پر سلطنتِ عباسیہ کے تخت پر بیٹھے گا کیوں کہ اُس کی ماں رابطہ بنتِ عبداللہ...... بنی حارث تھی۔

محمد بن علی کی وصیت کے مطابق اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا ابراہیم تحریکِ عباسیہ کا قائد بنا تھا کیوں کہ اس وقت کم عمر ابوالعباس کو تحریک کی قیادت سونپنا مناسب نہیں ہوتا۔

لیکن اب ابوالعباس اس قابل ہو چکا تھا کہ تحریک کی قیادت سنبھال سکے۔ اسی لیے ابراہیم الامام کی وصیّت بھی اُسی کے حق میں تھی۔

لہٰذا اب امیر ابوالعباس کو میدانِ عمل میں آجانا چاہیے۔'' ابومسلم نے اپنے اس پیغام میں لکھا تھا جو قاصد کبوتر کے ذریعے عزیز الابراہیم کو ملا۔''جب تمھیں یہ پیغام ملے گا، اس وقت تک نہ صرف اعلانِ بغاوت ہو چکا ہوگا بلکہ سلطنت کے طول وعرض میں بنو اُمیہ کے لشکروں سے ہماری جنگ بھی شروع ہو چکی ہوگی۔''

عزیز الابراہیم کو یہ پیغام سرِ شام ملا تھا اور اسی رات وہ ابوالعباس اور چند کارپردازوں کے ساتھ طیار گھوڑوں پر ہمدان کی طرف روانہ ہو گیا۔

ابومسلم خراسانی کے پیغام میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہمدان میں تحریکی سپاہ کا ایک لشکر موجود ہے جس کی قیادت ابوالعباس کو کرنی ہے۔

ہمدان سے ابوالعباس نے اس لشکر کی قیادت کرتے ہوئے ابومسلم کے مشورے کے مطابق کوفے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

بارہ نقیب اس وقت سپہ سالاروں کی حیثیت سے سلطنت کے طول وعرض میں

Marfat.com

اُموی سپاہ سے نبرد آزما تھے۔

نصر بن سیار نے ابن ہبیرہ کی کمک ملنے کے باوجود شکست کھائی اور میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔

دوسری طرف قحطبہ بن شبیب اپنے لشکر کے ساتھ حدودِ عراق کو پھلانگتا ہوا کوفے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے اُس نے ''طوس'' کے مقام پر نصر بن سیار کے بیٹے تمیم بن نصر کو شکست دی تھی۔ تمیم بن نصر کو اس جنگ میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ عراق کی حدود میں ابن ہبیرہ نے قحطبہ بن شبیب کا راستہ روکنے کے لیے ایک فوج الکلابی کی قیادت میں روانہ کی تھی جو ساری کی ساری تہ تیغ ہوئی۔

کوفے کی طرف بڑھتے ہوئے ابن شبیب کو روکنے کے لیے ابن ہبیرہ خود آگے بڑھا۔ دریائے فرات کے کنارے دونوں فوجیں مدِ مقابل ہوئیں۔ شدید جنگ کے بعد ابنِ ہبیرہ نے بھی شکست کھائی اور واسط کی طرف بھاگا۔ اس جنگ میں قحطبہ بن شبیب کہیں غائب ہوگیا تھا۔ صرف ایک سپاہی بتاسکا کہ اُس نے ابن شبیب کو گھوڑے سمیت دریائے فرات میں غرق ہوتے دیکھا تھا۔

اب اس لشکر کی قیادت قحطبہ بن شبیب کے بیٹے حسن بن شبیب نے سنبھالی اور ابنِ ہبیرہ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ جب اُس نے واسط کا محاصرہ کیا تو ابوجعفر بھی ایک لشکر کے ساتھ اُس کی مدد کے لیے پہنچ گیا۔ ابن ہبیرہ نے اطاعت قبول کرنے ہی میں اپنی بہتری سمجھی لیکن اُسے قتل کردیا گیا۔

فلسطین کی طرف عبداللہ بن علی کا لشکر بنواُمیہ کے ایک لشکر جرار سے ٹکرایا۔ ایک خوں ریز جنگ کے بعد اُموی سپاہ اپنے بے شمار ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی' اور اُن کے اَسّی افراد گرفتار ہوئے۔ ان میں شیوخ واُمرا بھی تھے۔

نابلس کے پہاڑوں سے نکل کر یافہ کے قریب سمندر میں گرنے والے دریا ''نہرابی فُطرس'' کے کنارے ان اَسّی افراد کو قتل کرکے لاشیں کتوں کے آگے ڈال دی گئیں۔

نصر بن سیار کے فرار کے بعد ابومسلم خراسانی نیشاپور واپس لوٹا تھا تاکہ قاصدوں کے ذریعے جنگ کے کوائف اس تک پہنچتے رہیں اور وہ ضرورت کے مطابق ہدایات بھی

Marfat.com

بھیجتا رہے۔ اس کے علاوہ اُسے مفتوح علاقوں میں عباسی والی بھی مقرر کرنا تھے۔ اُس نے پرچم ظِل ابوالعباس کو بھجوادیا تھا۔

طبیب کرمانی دمشق سے واپسی پر اس لشکر میں شامل ہو گیا تھا جس کی پیش قدمی کوفے کی طرف جاری تھی۔ لشکر میں موجود دیگر طبیب، طبیب کرمانی سے بہ صد احترام پیش آتے تھے اور اُس کی نگرانی میں زخمیوں کی دیکھ بھال کا کام جاری تھا۔

ساری سلطنتِ بنواُمیہ کئی ماہ تک خون میں ڈوبی رہی۔ تحریکِ عباسیہ کے ہر فرد کو ابراہیم الامام کی ہلاکت اور ابوالعباس کی قیادت کا علم ہو چکا تھا۔ طبیب کرمانی کو جب یہ خبر ملی تو اُسے بہت رنج ہوا تھا لیکن روشنک اس واقعے کی وجہ سے ابومسلم خراسانی کے لیے سوفی صد معتبر ہو گئی تھی۔ جب اُسے اندازہ ہوا کہ عباسی فوجیں دمشق کی طرف پیش قدمی شروع کریں گی تو اُس نے شاہ رخ کو ہدایت کی تھی کہ وہ برق رفتاری سے دمشق پہنچے اور روشنک کو قصرِ خلافت سے نکال لائے۔

ابومسلم کو اندیشہ تھا کہ دمشق کی فتح کے بعد قصرِ خلافت میں جو خوں ریزی ہو گی، اس سے روشنک نہیں بچ سکے گی۔ عباسی سپاہ کو علم نہیں تھا کہ روشنک اُن کی تحریک کی کتنی بڑی خیر خواہ ہے۔

لشکرِ عباسیہ جب عراق میں داخل ہوا تو خالد برمکی کو کچھ ایسی ذمے داریاں سونپ دی گئیں جن سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

عبداللہ بن علی نے نہرِ ابی فُطرس میں قیامت ڈھانے کے بعد پیش قدمی جاری رکھی تھی تو خلیفہ مروان الحمار کو خود اُس کے مقابلے پر آنا تھا۔ اُن کا تصادم ''زابِ اعلیٰ'' کے مقام پر ہوا۔

اربل اور موصل کے درمیان بہنے والے دریائے زاب سے دو شاخیں پھوٹتی تھیں۔ اُن میں سے ایک کا نام ''اسفل'' اور دوسری کا ''زابِ اعلیٰ'' تھا۔

وہاں ایسا زبردست رن پڑا جو اس سے پہلے اُمویوں اور عباسیوں کے تصادم میں نظر نہیں آیا تھا۔ ابتدا ہی میں اُموی لشکر فتح یاب ہوتا نظر آیا تو عباسیوں نے یہ خبر اُڑا دی کہ مروان الحمار قتل ہو گیا۔ یہ خبر کچھ اس ڈھب سے پھیلائی گئی کہ ساری

Marfat.com

اُموی سپاہ کو اس کا یقین آ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لشکرِ بنو اُمیہ میں بھگدڑ مچ گئی۔ جس کا جدھر سینگ سمایا، وہ اُدھر بھاگ نکلا۔ مروان الحمار نے بہت چاہا کہ سپاہ اس افواہ کا مقصد سمجھ لے مگر اُس کی کوئی کوشش کام یاب نہیں ہو سکی۔ اس کے بعد ممکن نہ ہوا کہ وہ میدانِ کارزار میں جما رہتا۔ وہ اپنے محافظ دستے کے ساتھ دمشق کی طرف بھاگا۔

دوسری طرف کوفہ فتح کیا جا چکا تھا۔ شہر کے انتظام و انصرام کے بعد کچھ فوج اپنے امیر کی منتظر رہی اور باقی فوج کئی لشکروں میں تبدیل ہو کر سلطنت کے دیگر شہر فتح کرنے کے لیے پیش قدمی کرنے لگی۔

کسی نے بصرے کا تو کسی نے مدائن کی طرف رخ کیا۔

کوفے میں موجود زیادہ تر سالاروں نے اس معاملے میں ابوسلمہ کی مخالفت کی اور ابوالعباس کی بیعت کر لی۔ ابوسلمہ کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ جس روز اعلانِ بغاوت کیا گیا، اس دن جمعہ تھا اور جمعے کو ہی ابوالعباس نے کوفے میں اپنا دربار لگایا اور ''السفاح'' کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ خاندانِ عباسیہ کے علاوہ دوسرے سپہ سالاروں اور اُمرا نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس طرح تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ ایک ہی سلطنت میں اس وقت دو خلیفہ موجود تھے۔ تاریخ کا پہلا باب بنو اُمیہ کی کام یابی سے عبارت ہوا تھا۔

ابوالعباس السفاح...... خاندانِ عباسیہ کا پہلا خلیفہ کوفے کی مسجد میں داخل ہوا۔ اُس نے جو خطبہ دیا، اس میں اُمویوں کے مظالم بیان کیے اور مستقبل کے لیے خلافتِ بنو عباس کے طریقۂ کار پر روشنی ڈالی۔ اُس نے یہ اعلان بھی کیا کہ بنو اُمیہ کے عقائد پر چلنے والوں کو قطعی معاف نہیں کیا جائے گا لیکن دیگر فقہی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ خطبے کے بعد اُس نے نماز پڑھائی اور پھر کوفے کے عام لوگوں سے بیعت لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس وقت نسلی تعصب کے چند علم بردار سوچ رہے تھے کہ ابھی اُن کے سامنے ایک دشوار کام باقی ہے۔ یعنی کسی طرح خلافتِ عباسیہ کو عجمیوں یعنی ایرانی اکابرین کے غلبے سے نجات دلانی تھی۔ اس وقت ابو مسلم خراسانی ان متعصب عربوں کے عزائم سے

Marfat.com

بے خبر تھا۔ اُسے مستقبل میں اپنی زندگی کے لیے کسی قسم کے خطرات محسوس نہیں ہوئے تھے۔ اسی لیے وہ یہ گمان نہیں کرسکتا تھا۔

خلیفہ ابوالعباس السفاح کو مسجد ہی میں اطلاع ملی کہ عباسی لشکر اب مروان کے تعاقب میں دمشق کی طرف بڑھ رہا ہے۔ السفاح نے فوری طور پر ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے عباسی لشکر کے سالار کو یہ پیغام بھیجا کہ دمشق کو بری طرح تباہ و برباد کردیا جائے۔

خلیفہ السفاح کی یہ خواہش رونگٹے کھڑے کردینے والے انداز میں پوری ہوئی۔ دمشق کو جلادیا گیا اور ایسی بھیانک خوں ریزی ہوئی کہ خاندانِ بنواُمیہ کے لوگ بے اختیار چیخ اُٹھے۔

"السفاح اسم بامسمی ہے۔"

ان لوگوں کے نزدیک "السفاح" کا مطلب "خوں خوار" تھا جبکہ عباسیوں نے اس نام سے "فیاض" کا مطلب لیا تھا۔

☆☆☆

دمشق کی تباہی و بربادی کی اس رات کا آخری پہر شاہ رخ اور روشنک نے ایک دہقان، بابا تبریزی کے مکان میں گزارا تھا۔

دن ہوا تو روشنک نے شاہ رخ سے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہاں سے روانگی کے لیے رات کا انتظار کیوں ضروری ہے؟"

"تمھیں اندازہ نہیں کہ اس وقت ہر طرف آگ اور خون کا کھیل کھیلا جارہا ہے۔"

شاہ رخ نے جواب دیا۔ "میں تمھیں ایک ایسے راستے سے یہاں لایا ہوں جہاں ابھی شورِ محشر برپا نہیں ہوا ہے۔ رات کے وقت بھی ہمیں چھپتے چھپاتے اپنا سفر جاری رکھنا ہوگا۔ جب تک مروان الحمار قتل نہیں کردیا جاتا، عباسی سپاہی بڑے اضطراب میں اُسے جگہ جگہ ڈھونڈتے پھریں گے۔ سنا تو یہی گیا ہے کہ وہ حران کی طرف بھاگا ہے لیکن یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے کدھر کا رخ کیا ہوگا۔ اسی لیے اُس کی تلاش ہر طرف جاری رہے گی۔"

"لیکن مجھے یا تمھیں عباسی سپاہ سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

Marfat.com

"مجھے تو زیادہ خوف نہیں ہے لیکن تمھاری وجہ سے میں بھی مشتبہ ہو جاؤں گا روشنک!" شاہ رخ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ "تمھارے بازو پر ستارے کا یہ نشان بہت بڑا خطرہ ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"میں ساری عباسی سپاہ کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتا لیکن بہت سے سپاہی اس بات سے واقف ہو سکتے ہیں کہ مروان الحمار نے اپنی ایرانی کنیزوں کے بازوؤں پر یہ نشان بنوایا ہے۔ سپاہی اس الجھن کا شکار ہو سکتے ہیں کہ میں مروان الحمار کی ایک کنیز کے ساتھ کیوں ہوں۔ یہی بات مجھے بھی مشتبہ کر دے گی۔ عین ممکن ہے کہ ہمیں گرفتار کر لیا جائے۔"

"لیکن آخر کار ہمیں رہائی مل جائے گی۔" روشنک نے کہا۔ "آخر ابو مسلم۔"

شاہ رخ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "جب تک یہ معاملہ امیر کے علم میں آئے گا، اس وقت تک ہم نہ جانے کس انجام سے دوچار ہو چکے ہوں گے۔ دراصل تمھیں حالات کا اندازہ نہیں ہے۔ اگر عباسی سپاہی ہمیں گرفتار کر کے لے جا رہے ہوں گے تو بھی ہم خود کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ اُموی سپاہ ہر جگہ سے بھاگ رہی ہو گی لیکن اس بھاگتی ہوئی سپاہ کے کسی دستے سے عباسیوں کے تصادم ہو سکتا ہے۔ اس وقت وہ ہماری حفاظت نہیں کر سکیں گے۔ کسی طرف سے چلایا ہوا کوئی تیر مجھے یا تمھیں بھی لگ سکتا ہے اور اگر ہم کسی بھاگتے ہوئے اُموی دستے کے ہاتھ لگے تو سمجھ لو کہ میں عباسی لشکر کا سپاہی ہوں۔ تمھارے ساتھ وہ کیا سلوک کریں گے، اس کا اندازہ تم خود لگاؤ۔"

یہ سب کچھ سنتے ہوئے روشنک کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "بستی یہاں سے بہت دور نہیں ہے۔ کیا بابا وہاں سے ہم دونوں کے لیے دوسرے لباس نہیں لا سکتے؟"

"جب ہم یہاں آئے تھے، بابا نے اسی وقت بستی کا احوال ہمیں بتا دیا تھا۔"

روشنک فوراً کچھ نہیں بول سکی۔

بابا تبریزی نے انھیں بتایا تھا کہ کچھ عرصے پہلے عباسی داعی اس بستی تک پہنچے

Marfat.com

تھے اور اُن کی وجہ سے بستی کی نصف آبادی عباسیوں کی حامی بن گئی تھی۔ باقی نصف لوگ اُمویوں کے حق میں تھے، اس لیے اب بستی کے ماحول میں تناؤ آ گیا تھا۔ اس طرح بات کچھ یوں ہو گئی تھی کہ ایک بستی میں دو دشمن رہ رہے تھے جو اب تک آپس میں اس لیے دست و گریباں نہیں ہوئے تھے کہ دونوں طرف مساوی طاقت تھی۔ ان حالات میں اگر کوئی عباسی لشکر یا اُس کا ایک آدھ دستہ ہی اس طرف نکل آتا تو بستی میں موجود اُن کے حمایتی شیر بن جاتے اور اُمویوں کے فرماں برداروں پر حملہ کر دیتے۔ اسی طرح اگر بھاگتی ہوئی اُموی سپاہ اس طرف نکل آتی تو بستی کے طرف دارانِ بنو اُمیہ کو شہ مل جاتی اور عباسیوں کے طرف دار اپنی جان بچاتے پھر رہے ہوتے۔

"سمجھ رہی ہو نا!" شاہ رخ بولا۔ "ان حالات میں اگر بابا بستی میں جا کر ہم دونوں کے لیے لباس لائے تو کچھ لوگوں کے دلوں میں ضرور شکوک و شبہات جنم لیں گے جن کی وجہ سے ہمیں کسی خطرے سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے۔"

یکایک روشنک کی آنکھوں میں ایک چمک آئی۔ اس نے چاروں طرف نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ایک تدبیر آئی ہے ذہن میں! تم بابا کا کوئی لباس پہن لو۔ تم دہقان نظر آؤ گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور میں کوئی چادر اپنے شانوں پر ڈال لوں گی جس سے ستارے کا یہ منحوس نشان چھپ جائے گا۔"

شاہ رخ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "بالکل بچوں کی طرح سوچا ہے تم نے! میں تو خیر اس طرح دہقان نظر آ سکتا ہوں لیکن تمھارا یہ قیمتی لباس اور اس پر ایک میلی کچیلی اور پرانی سی چادر! دیکھنے والے آخر کیا سوچیں گے؟"

روشنک کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی چمک ماند پڑ گئی اور وہ پھر پریشان نظر آنے لگی۔

اس وقت مکان میں وہ دونوں اکیلے تھے۔ بابا تبریزی کھیتوں میں کام کرنے کے لیے نکل چکا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھاری پریشانی بڑھتی جا رہی ہے۔" شاہ رخ نے غور سے روشنک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''میرے دماغ میں اب کچھ دوسرے خیالات آ رہے ہیں۔'' روشنک نے کہا۔

''دوسرے خیالات؟''

''ہاں!'' روشنک بولی۔ ''تمھیں عباسی سپاہ کے ساتھ ساتھ اُموی سپاہ سے بھی خطرہ ہے۔ تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ تم مجھے ایک ایسے راستے سے یہاں لائے ہو جہاں ابھی شورِ محشر بپا نہیں ہوا۔ تم یہ بھی کہہ چکے ہو کہ رات کے اندھیرے میں بھی ہمیں چھپتے چھپاتے سفر جاری رکھنا ہوگا۔ کیا ان باتوں کا یہ مطلب نہیں کہ ہم رات کے وقت بھی کسی خطرے سے دوچار ہو سکتے ہیں!''

شاہ رخ نے ایک طویل سانس لی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''تم نے وہ بات کہہ دی جو میں اپنی زبان پر لانے سے گریز کر رہا تھا۔

روشنک بولی۔ ''یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ابھی سفر نہ کریں؟''

شاہ رخ نے جواب دیا۔ ''میرے دماغ میں تو یہی خیال جاگزیں ہے۔''

روشنک نے تیزی سے پوچھا۔ ''ہم یہاں کب تک رہ سکتے ہیں؟''

''شاید چند دن!' شاہ رخ نے جواب دیا۔ ''مروان الحمار اگرچہ دمشق سے بھاگ نکلا ہے لیکن اب اُسے سلطنت کے کسی گوشے میں پناہ نہیں مل سکتی۔ ہاں اگر وہ سلطنت کی حدود سے نکل بھاگے تو دوسری بات ہے لیکن دونوں صورتوں میں حالات چند دن کے اندر اندر پُرسکون ہو جائیں گے۔''

''چند دن!'' روشنک نے اس طرح کہا جیسے چند دن اُس کے لیے چند صدیاں ہوں۔

شاہ رُخ بولا۔ ''تم امیر تک پہنچنے کے لیے بہت بے چین ہو!''

''ہاں۔'' روشنک نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''تم نہیں جان سکتے کہ وہ میرے لیے کیا ہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔'' شاہ رخ نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''طبیب کرمانی جب نیشاپور آئے تھے تو مجھے امیر کی عدم موجودگی میں اُن سے کچھ باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ وہ مجھے بتا چکے ہیں کہ امیر کے لیے تمھارے جذبات کیا ہیں!''

''تب تمھیں خود ہی میری بے چینی کا اندازہ لگا لینا چاہیے۔''

Marfat.com

''اندازہ تو ہے مجھے۔'' شاہ رخ نے کہا۔ ''بلکہ میں جان چکا ہوں کہ امیر تمھارے لیے کیا ہیں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تم امیر کے لیے کیا ہو ۔ زیادہ سے زیادہ تحریکِ عباسیہ کی ایک خیر خواہ، ایک ہم درد، تحریک کی ایک طرف دار!...... یا اس سے بھی زیادہ یہ کہ تم نے مرحوم ابراہیم الامام کی زندگی بچانا چاہی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ تمھیں میری باتیں کڑوی لگیں گی لیکن میں اُسے مناسب سمجھ رہا ہوں کہ تمھیں امیر کے بارے میں سب کچھ بتادوں۔ امیر شادی شدہ ہیں۔ ان کی تین بیویاں ہیں لیکن انھیں اپنے حرم کی طرف جاتے ہوئے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔''

''مجھے تمھاری کوئی بات کڑوی نہیں لگی شاہ رخ!'' روشنک نے پہلی مرتبہ اُس کا نام لیا۔ ''میں انھیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں جس گھر میں رہتی تھی، وہاں انھوں نے بھی ایک سال سے کچھ زیادہ وقت گزارا تھا۔ اُن کا مزاج میں خوب سمجھ چکی ہوں۔'' روشنک کی آواز میں درد گھل گیا۔ ''میں اُن سے اپنے جذبات کا صلہ...... اپنے جذبات کی پذیرائی نہیں چاہتی۔ بس ایک ہی آرزو ہے۔'' روشنک کی آواز بھرا گئی۔ ''زندگی میں کوئی ایسا موقع آئے کہ وہ اپنی زندگی اُن پر نثار کردوں۔'' وہ یکا یک اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اُس کے چہرے پر اضطراب کی کیفیت تھی۔

شاہ رخ نے نظریں جھکالیں۔ اُس کے دل میں روشنک کے لیے ہم دردی کے جذبات تھے۔ ان جذبات کے علاوہ دل میں دبی دبی سی یہ خواہش اُبھر رہی تھی کہ اس خوب صورت لڑکی کی زندگی صحرازدگی کا شکار نہ ہو اور وہ دمِ آخر تک ایسی سانسیں نہ لیتی رہے جیسے اُس کے وجود میں کوئی ریگستان تپ رہا ہو۔

''روشنک!'' شاہ رخ نے بھی پہلی مرتبہ اُسے نام لے کر مخاطب کیا۔

روشنک نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

شاہ رخ نے پوچھا۔ ''کیا تم اپنی ساری زندگی اسی اُمید میں گزار دوگی؟ کبھی کسی سے شادی نہیں کروگی۔''

''شادی!'' روشنک پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔ ''میں شادی کروں یا نہ کروں، اُس سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ویسے بھی شادی کا محرک کچھ جسمانی

Marfat.com

تقاضے ہوتے ہیں اور میرا جسم کھوکھلا ہو چکا ہے۔''

''کبھی کبھی ان سب چیزوں کی اہمیت حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔''

''نہیں شاہ رخ! میں تو بس ایک کنیز ہوں۔ میری زندگی کے دس سال ایک کنیز کی حیثیت سے گزر چکے ہیں اور کنیز کی زندگی کس طرح گزرتی ہے، یہ تم خوب جانتے ہوگے۔ اس کھوکھلے جسم سے کون شادی کرنا چاہے گا؟''

''جس کے لیے جسم کی حیثیت ثانوی ہوگی۔''

''تم نہ جانے کس دنیا کی باتیں کر رہے ہو۔ ایسے لوگ کہاں ہوں گے؟''

''دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوتی۔''

روشنک نے کچھ چونک کر شاہ رخ کی طرف دیکھا۔ شاہ رخ نے نظریں جھکا لیں۔ روشنک کے ہونٹوں پر ایک مضمحل سی مسکراہٹ آ گئی۔

اس کے بعد بہت دیر تک ان میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

دوپہر کو بابا تبریزی تھکا ہارا آیا۔ کھانا کھانے کے دوران شاہ رخ سے بولا۔

''کھانا میں صبح اس لیے تیار کر جاتا ہوں کہ اس وقت تھکن کی وجہ سے پکانا مشکل ہوتا ہے۔''

وہ شاہ رخ سے حالات کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ روشنک سے وہ نظریں چراتا تھا جس کی وجہ روشنک کا حریری لباس تھا۔

کھانے کے بعد روشنک ایک کونے میں جا کر لیٹ گئی تو بابا تبریزی نے شاہ رخ سے دھیمی آواز میں کہا۔ ''اُسے کوئی چادر اُوڑھا دو...... کوئی چادر اُس کے لباس سے مطابقت تو نہیں رکھتی لیکن ستر پوشی کر سکتی ہے۔''

شاہ رخ نے بابا تبریزی سے ایک چادر لے کر روشنک پر ڈال دی۔ روشنک نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف کروٹ لے لی۔

کچھ دیر سستا کر بابا تبریزی کھیتوں میں چلا گیا۔

شاہ رخ سوچتا رہا۔ روشنک کے لیے اُس کے جذبات کی ابتدا ہمدردی سے ہوئی تھی لیکن پھر اُس کے جذبات نے ایک اور ہی روپ دھارنا شروع کر دیا تھا۔

شام قریب آ گئی لیکن روشنک سوتی رہی۔ بابا تبریزی آیا تو روشنک پر ایک نظر

Marfat.com

ڈال کر بولا۔ ''یہ ابھی تک سو رہی ہے؟''

''ہم دونوں کی نیند پوری کہاں ہوسکی ہے بابا!''

''لیکن تم تو جاگ رہے ہو۔'' بابا تبریزی نے کہا۔ ''تو آج رات تم دونوں چلے جاؤ گے؟''

''نہیں بابا! ہمیں ابھی رکنا پڑے گا۔ جب تک حالات معمول پر نہ آجائیں، باہر نکلنا ہمارے لیے مناسب نہیں ہوگا۔ روشنک نے مجھ سے اتفاق کیا ہے۔''

''تب تو اُسے جگادو ورنہ رات کو خواہ مخواہ دیر تک جاگتی رہے گی۔''

شاہ رخ اُٹھ کر روشنک کے قریب گیا اور دھیمی آواز میں اُسے پکارا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ روشنک اس وقت سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ شاہ رخ نے اُسے دوبارہ پکارا تو اُس نے آنکھیں کھولیں۔ شاہ رخ نے اُس کی آنکھوں میں سرخی دیکھی۔

''کیا سوئیں نہیں؟'' شاہ رخ نے پوچھا۔ ''تمھاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔''

''میرا سارا جسم دکھ رہا ہے شاہ رخ!'' روشنک بھرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ ''شاید میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

شاہ رخ نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور جلدی سے ہٹالیا۔ ''تمھیں تو خاصا تیز بخار ہے۔'' اُس نے کہا۔

بابا تبریزی نے اُس کی آواز سن لی۔ وہ تیزی سے قریب آیا۔ ''بخار؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہاں بابا!'' شاہ رخ نے جواب دیا اور تیزی سے پوچھا۔ ''کوئی دوا ہے آپ کے پاس؟''

''نہیں بیٹا!'' بابا تبریزی پُرتشویش نظروں سے روشنک کی طرف دیکھنے لگا۔ ''دوا تھی تو سہی لیکن پرسوں میری طبیعت کچھ خراب ہوئی تو میں نے چاروں پڑیاں کھالی تھیں۔''

''کہاں سے لائے تھے آپ وہ پڑیاں؟''

''طبیب باسط ہریری سے۔'' بابا تبریزی نے جواب دیا۔ ''بستی میں بس وہی ایک طبیب ہے۔''

Marfat.com

شاہ رخ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ ''دوا کی وجہ سے تو بستی میں جانے کا خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔''

اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ بابا نے کونوں میں رکھے ہوئے دو چراغ جلا دیے تھے۔

''میں جا کر لے آتا ہوں دوا۔'' بابا تبریزی نے کہا۔

شاہ رخ نے دوبارہ روشنک کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور اُس کے چہرے پر تشویش کا تاثر بڑھ گیا۔ ''بخار کی حدّت بڑھ رہی ہے۔ مجھے خود جانا چاہیے۔ آپ بہت آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ میں جلدی سے جا کر لے آؤں گا۔ آپ مجھے بتائیں کہ بستی میں اُن کا گھر کہاں ہے!''

''بستی میں سب سے بڑا مکان انھی کا ہے۔ وہ آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے لیکن تمھارا جانا مناسب نہیں ہوگا بیٹا! تم سیاہ لباس میں ہو۔ تم تو سبھی کی نظر میں آ جاؤ گے۔''

''آپ مجھے اپنا کوئی لباس دے دیجیے!''

روشنک جلدی سے آنکھیں کھول کر بولی۔ ''نہیں شاہ رخ! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ۔''

''بابا یہاں ہیں روشنک! تم اکیلی نہیں ہو۔''

''نہیں، تم میرے پاس رکو۔''

''میں دوا لے کر جلدی واپس آ سکتا ہوں روشنک!'' شاہ رخ نے کہا۔ ''تمھارا بخار تیز ہوتا جا رہا ہے۔''

شاہ رخ اُس سے بہ مشکل اپنی بات منوا سکا پھر اُس نے اپنا سیاہ لباس بابا تبریزی کے لباس سے تبدیل کیا۔

''یہ لباس......'' بابا تبریزی نے کہا۔ ''طبیب ہریری کا جانا پہچانا ہے۔ وہ فوراً سمجھ لے گا کہ تمھیں میں نے بھیجا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ وہ تمھیں شک کی نظروں سے نہیں دیکھے گا۔ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہے جو خلافتِ عباسیہ کے حامی ہیں۔''

جب شاہ رخ جانے لگا تو روشنک کچھ اداسی سے اُس کی طرف دیکھتی ہوئی مضمحل لہجے میں بولی۔ ''جلدی آنا شاہ رخ!''

''مجھے تم سے زیادہ جلدی ہے روشنک!'' شاہ رخ نے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

Marfat.com

شاہ رخ گھر سے نکل کر تیزی سے بستی کی طرف روانہ ہوا۔ روشنک کی ناسازی طبع نے اُس کی بے چینی بہت بڑھا دی تھی۔

بستی کے قریب پہنچنے پر اس نے گھوڑوں کی ٹاپیں سنیں اور چونک کر رک گیا۔ وہ اب بستی سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے بستی میں چیخ پکار مچ گئی۔ چند گھڑ سوار اُسے اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ وہ جلدی سے لیٹ کر تیزی سے لڑھکتا ہوا اُن کے راستے سے ہٹ گیا۔ گھڑ سوار گزر گئے۔ اُن کا رخ بابا تبریزی کے کھیتوں کی طرف تھا۔ گھوڑے اور اُن کے سوار اندھیرے میں سایوں کی طرح نظر آئے تھے لیکن شاہ رخ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ لشکرِ عباسیہ کے سپاہی ہیں۔

ایک لمحے کے لیے تو شاہ رخ کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ عباسی لشکر کے ایک دستے نے نہتے لوگوں کی ایک بستی پر حملہ کیوں کیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے قیاس کیا۔ صرف یہی ممکن تھا کہ کسی نے اُس بستی میں اُمویوں کے طرف داروں کی مخبری کردی ہو اور سپاہیوں کا دستہ انھیں ختم کرنے آگیا ہو۔

ان خیالات کے ساتھ شاہ رخ نے واپس بابا تبریزی کے مکان کی طرف دوڑنا شروع کردیا تھا۔ اُسے روشنک اور بابا تبریزی...... دونوں ہی کی زندگی خطرے میں نظر آرہی تھی لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ان دونوں کو کیسے بچا سکے گا۔ وہ سیاہ لباس میں ہوتا تو عباسی سپاہی اُسے اپنا ساتھی سمجھ لیتے لیکن وہ بابا تبریزی کے لباس میں ایک دہقان نظر آرہا تھا۔

روشنک! روشنک! اُس کے دل و دماغ میں ایک پکار تھی۔

شاہ رخ جب مکان کے قریب پہنچا تو گھوڑوں کی ٹاپیں دور ہوگئی تھیں۔ سپاہیوں کو جو کچھ کرنا تھا، وہ اس سے فارغ ہو کر وہاں سے جا چکے تھے۔

شاہ رخ پاگلوں کی طرح مکان میں داخل ہوا اور پھر وہاں کا منظر دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔

بابا تبریزی کی سر کٹی لاش ایک طرف پڑی تھی۔

''روشنک!'' شاہ رخ چیخا۔

Marfat.com

روشنک اب مکان میں نہیں تھی کہ جواب دیتی۔

شاہ رخ دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ گھوڑوں کی ٹاپیں معدوم ہوتی چلی جارہی تھیں۔

''روشنک!'' شاہ رخ وحشت میں حلق پھاڑ کر چیخ اُٹھا لیکن اُس کی پکار صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔

شاہ رخ دیر تک سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا۔ اس کے دل و دماغ پر بھی سناٹا سا چھا گیا تھا۔

''لے گئے وہ روشنک کو!'' وہ بڑبڑایا۔

کافی دیر بعد شاہ رخ بے جان سے قدموں سے مکان میں لوٹا۔ وہ بابا تبریزی کی لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے قریب جا بیٹھا۔ اُس نے بابا تبریزی کا کٹا ہوا سر اُٹھا کر لاش کے شانوں پر گردن کے مقام سے لگا کر رکھ دیا۔

''مجھے معاف کر دینا بابا!'' شاہ رخ آب دیدہ ہو گیا۔ ''ہم نے اگر تمھارے گھر میں پناہ نہ لی ہوتی تو شاید تمھیں یہ دنیا اس طرح نہ چھوڑنی پڑتی۔''

دھیرے دھیرے شاہ رخ کے حواس بحال ہوئے۔ اُس نے اُٹھ کر بند صندوق سے اپنا سیاہ لباس نکالا۔ بابا تبریزی کے کپڑے اُتار کر اُس نے اپنا لباس پہنا۔

بستی کی طرف سے آنے والی مدھم آوازیں اب پہلے سے مختلف تھیں۔ شور و شین ختم ہو چکا تھا۔ اب خلافتِ عباسیہ کے حق میں نعرے لگائے جا رہے تھے۔ گویا اُمویوں کے طرف داروں کی لاشیں بکھیر کر عباسی لشکر کا دستہ وہاں سے جا چکا تھا۔

شاہ رخ نے ایک گوشے میں پڑا بیلچہ اُٹھایا۔ وہ بابا تبریزی کی لاش دفن کرنے کے لیے قبر کھودنا چاہتا تھا لیکن اس کے دل و دماغ میں اس وقت بھی روشنک بسی ہوئی تھی۔

کبھی کبھی اُس کے دماغ میں یہ سوال بھی چکراتا کہ اگر کسی نے بستی کے طرف دارانِ بنو اُمیہ کے بارے میں مخبری کی تھی تو کیا عباسی سپاہیوں کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ بابا تبریزی عباسیوں کا طرف دار ہے؟

☆☆☆

Marfat.com

خلیفہ ابوالعباس السفاح بیعت لینے سے پہلے ہی یہ حکم جاری کر چکا تھا کہ عباسی فوج میں سے نہایت تند خو سپاہیوں کے دستے تشکیل دیے جائیں جو سلطنت کے گوشے گوشے سے اُمویوں اور اُن کی حمایت کرنے والوں کا صفایا کر دیں۔ ان دستوں سے تشکیل پانے والے لشکر کو اُس نے ''سپاہِ تطہیر'' کا نام دیا تھا۔

اس لشکر کی تشکیل نہایت عجلت میں کی گئی اور اس کے دستوں کو حکم دیا گیا کہ وہ برق سرعت سے ساری سلطنت میں پھیل جائیں اور اپنا فرض انجام دیں۔ اس کے نتیجے میں ایک خوف ناک خوں ریزی پھیلی۔ چھپے ہوئے اُمویوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا اور قتل کیا گیا۔ اُن کی حامی عرب شخصیات بھی موت کے گھاٹ اُتاری گئیں۔

بیعت لینے کے دوسرے دن خلیفہ السفاح نے دربار لگایا تو اس میں انتظامی احکام جاری کیے۔ ابومسلم کو سارے خراسان کا عامل مقرر کیا گیا۔ اپنے بڑے بھائی ابوجعفر کو اس نے آذربائی جان، آرمینیا اور بین النہرین کی ولایت سونپی۔ اپنے چچا عبداللہ بن علی کو شام کا علاقہ دیا۔ دوسرے چچا سلیمان بن علی کو بصرہ اور اُس کے ملحقہ علاقوں کا والی بنایا گیا۔ اسی طرح دیگر علاقوں پر بھی اس نے اپنے عزیزوں کی حاکمیت ضروری سمجھی۔ ابوسلمہ کو وزیرِ مملکت کے منصبِ جلیلہ پر فائز کیا گیا اور خالد برمکی دیوانِ مالیات کا منتظم بنا۔ سلیمان ابنِ کثیر کو مجلس مشاورت کا امیر...... یعنی خلیفہ کا مشیرِ خاص بنایا گیا۔

دربار ختم کرنے کے بعد ابوالعباس السفاح نے آرام کرنے کے لیے اپنی خواب گاہ کا رخ کیا تو سپاہِ تطہیر کے ایک سالار نے باریابی کی اجازت چاہی۔ السفاح نے اُسے اپنی خواب گاہ میں ہی طلب کر لیا۔

''کیا کوئی خاص اطلاع لائے ہو جو فوری باریابی کی اجازت کے خواہاں ہوئے؟'' السفاح نے پوچھا۔

''امیر المومنین!'' سالار نے ادب سے کہا۔ ''میرے دستے نے ایک بستی کے پانچ ہزار افراد جہنم رسید کیے جو اُمویوں کے طرف دار تھے۔ آپ کے حکم کے مطابق اس معاملے میں بوڑھوں، بچوں یا مرد وزن میں کوئی تمیز نہیں کی گئی۔ تیس جوان العمر دوشیزاؤں کو گرفتار کر کے لایا گیا ہے۔ ان کے علاوہ وہاں سے بدبخت مروان الحمار کی

Marfat.com

ایک کنیز بھی گرفتار کی گئی ہے۔"

السفاح حیرت سے بولا۔"مروان الحمار کی کنیز وہاں کیسے پہنچ گئی؟"

"وہ دمشق کے قصرِ خلافت سے بھاگ نکلنے میں کام یاب ہوگئی تھی۔" سالار نے جواب دیا۔"اسی بستی کے قریب ایک دہقان نے اُسے اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا۔ اس بستی میں رہنے والے ہمارے طرف دار تو بتا رہے تھے کہ وہ دہقان بھی بنواُمیہ کے خلاف ہے لیکن اگر یہ حقیقت ہوتی تو وہ مروان الحمار کی کنیز کو اپنے گھر میں پناہ نہیں دیتا۔ اُس کی گردن میں نے اسی وقت اُڑادی تھی۔ کنیز کا نام روشنک ہے۔ وہ گرفتاری کے وقت تپ میں مبتلا تھی۔ میں تین دن علاج کروانے کے بعد اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ تاکہ آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں۔ وہ ایک دُرِ نایاب ہے امیر المومنین!"

السفاح اس وقت تک عیش و عشرت کی زندگی سے آشنا نہیں ہوا تھا لیکن سالار روشنک کے حُسن وشباب کے بارے میں ایسا رطب اللسان ہوا کہ السفاح کے دل میں روشنک کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوگئی۔

السفاح نے اپنے تجسس کو سالار پر آشکارا ہونے سے بچانے کی کوشش کی اور سرسری انداز میں پوچھا۔"کہاں ہے وہ؟"

سالار نے آواز دے کر کسی سے کہا کہ روشنک کو اندر لایا جائے۔

السفاح کی نظریں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ اس نے روشنک کو دو سپاہیوں کے جلو میں آہستہ خرامی سے اندر آتے دیکھا۔ وہ اس وقت بھی اپنے حریری لباس میں تھی جو اب اگرچہ میلا ہو چکا تھا لیکن اُس کے پُرشباب جسم کی تاب ناکی اس میلے لباس سے اِس طرح عیاں ہو رہی تھی جیسے بادلوں کی باریک تہہ کے پیچھے چاند جھلکتا ہے!

ایرانی نقیبوں نے السفاح کو عورتوں سے اس حد تک الگ تھلگ رکھا تھا کہ ایک توبہ شکن نسوانی جسم کو دیکھ کر اُس کی نظریں جھجک گئیں۔

وہ سالار پر بگڑا۔"اُسے کوئی ڈھنگ کا لباس نہیں دیا تم نے؟"

"امیر المومنین!" سالار نے سر جھکا کر کہا۔"یہ اسی لباس میں ہے جس میں اُسے گرفتار کیا گیا تھا۔ مروان الحمار اپنی ایرانی کنیزوں کو ایسے ہی لباس میں دیکھنا پسند

Marfat.com

کرتا تھا۔ میں نے کسی سے اُس کی یہ بات سنی ہے کہ خوب صورت چیزیں چھپانے کے لیے نہیں ہوتیں۔ ایرانی کنیزوں کے بازوؤں پر وہ ستارے کا نشان بنواتا تھا جو اس کنیز کے بازو پر بھی ہے۔''

ان باتوں کے دوران میں روشنک نے غور سے السفاح کو دیکھا۔ وہ پہلا مرد تھا جس نے اُس کے شباب سے نظریں چرائی تھیں۔ حالانکہ وہ عمر کی اس منزل پر تھا جہاں شباب وحُسن کے سامنے مردانہ قدموں کی ڈگمگاہٹ کو فطری اور یقینی امر قرار دیا جاتا ہے۔ وہ اٹھائیس سال سے زیادہ کا نہیں تھا۔ اس دراز قد شخص کی رنگت بہت صاف تھی۔ تنگ نتھنوں والی ناک، ابھری ہوئی تھی۔ گھونگریالے بال زلفوں کی صورت میں تھے۔

سالار کا جواب سن کر السفاح نے روشنک کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''اس کے لیے ڈھنگ کا کوئی لباس مہیا کرواور اُسے محل کا کوئی کمرا دے دو۔''

وہ اس وقت شہر ''انبار'' میں تھا جسے اُس نے خلافتِ عباسیہ کا دارالخلافہ قرار دیا تھا۔

''کمرے پر پہرا رہنا چاہیے۔'' السفاح نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ابھی ہم آرام کرنا چاہتے ہیں۔ بعد میں کسی وقت اس سے مروان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔''

السفاح کی اس بے پروائی سے سالار کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ شاید اُسے توقع تھی کہ ایک دُرِّ بے بہا لانے کے صلے میں اُسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ جانتا نہیں تھا کہ السفاح کی تربیت کس طرح ہوئی تھی۔

''امیر المومنین!'' روشنک نے کہا۔ ''میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتی ہوں۔'' وہ السفاح کو بتانا چاہتی تھی کہ اُس نے تحریکِ عباسیہ کے لیے ایک بہت بڑا کام کرنا چاہا تھا جو ہو بھی جاتا اگر قدرت کو منظور ہوتا۔ وہ ابومسلم خراسانی کا حوالہ بھی دینا چاہتی تھی لیکن السفاح نے اُس کی کوئی بات نہیں سنی۔

''لے جاؤ اس لڑکی کو۔'' السفاح نے نہایت سخت لہجے میں سالار کو حکم دیا۔

دونوں سپاہیوں نے سالار کا اشارہ پاتے ہی روشنک کے بازو پکڑ کر اُسے کمرے سے لے جانا چاہا لیکن روشنک نے جھٹکے سے اپنے بازو چھڑائے اور پُروقار

Marfat.com

انداز میں دروازے کی طرف قدم آگے بڑھایا۔ اس وقت اُس کے دماغ میں اس خیال کی گونج پھیل رہی تھی کہ اس جوان خلیفہ پر حاوی ہونے میں اُسے شاید زیادہ مشکل نہ ہو لیکن اس کے لیے تحمل سے کام لینا بہت ضروری تھی۔

سالار نے اُسے ایک کمرے میں پہنچایا اور خشک لہجے میں بولا۔ ''صبح تمھارے لیے ایسے لباس مہیا کردیے جائیں گے کہ تم صحیح معنوں میں ستر پوش ہوسکو۔''

روشنک اُسے نظرانداز کرتی ہوئی اس آراستہ کمرے کے بستر کی طرف بڑھ گئی۔

گزشتہ تین دن تک سالار نے اُسے جس گھر میں زیرِ علاج رکھا تھا، وہاں وہ بہت زیادہ بے چین رہی تھی۔ اُسے علم نہیں تھا کہ آئندہ اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا لیکن اب وہ کچھ مطمئن تھی۔ بستر پر لیٹ کر وہ شاہ رخ کے بارے میں سوچنے لگی، کہ واپسی پر شاہ رخ نے بابا تبریزی کی لاش دیکھی ہوگی اور اُسے غائب پایا ہوگا تو اس پر کیا گزری ہوگی۔

شاہ رخ کے بارے میں اس کے دو نظریے تھے۔ ایک تو یہ کہ وہ واقعی اُسے چاہنے لگا تھا یا پھر ایک پُرشباب جسم دیکھ کر اُس کے جذبات وقتی طور پر برانگیختہ ہوگئے تھے لیکن اس نے اپنے امیر کے خوف سے اس سے دست درازی کی کوشش نہیں کی تھی۔ اگر وہ کرتا بھی تو روشنک کوئی مزاحمت نہیں کرتی۔ اُس کی زندگی اسی طرح گزری تھی۔ اُس کے لیے اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اُسے کب، کون روند ڈالے گا۔

بستر پر لیٹ کر وہ ابومسلم کے بارے میں سوچنے لگی۔ اُسے خود بھی اندازہ تھا کہ وہ ایک پتھر دل انسان سے محبت کرنے لگی ہے اور شاہ رخ بھی اس کے خیال کی تصدیق کرچکا تھا۔ اُسے اس بات سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے خود بھی سوچ لیا تھا کہ وہ ایک روندی اور کچلی ہوئی لڑکی ابومسلم خراسانی جیسے شخص کے قربِ خاص کے لائق نہیں۔ اُس کی خواہش اب بس اتنی تھی کہ وہ ابومسلم کے پیروں کی خاک بن کر زندگی گزار دے۔ اس کے وہ جذبات سرد پڑ چکے تھے جو ابومسلم خراسانی کو ابوسفیان باہلی کے گھر میں دیکھ کر بھڑک اُٹھے تھے۔

دوسری طرف ابوالعباس السفاح اپنے بستر پر لیٹا روشنک ہی کے بارے میں

Marfat.com

سوچ رہا تھا جس سے گریز کا سبب اُس کی مخصوص تربیت تھی لیکن اب وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا تو یہ ایک مردانہ جبلت کا تقاضا تھا۔ اُس نے روشنک کو اپنے تصور میں لانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ اُس نے اُسے نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے تصور میں ایک پُر شباب جسم کی بس ایک چمک رہ گئی تھی۔

وہ مروان الحمار جیسے قابلِ نفرت شخص کی کنیز بھی تو رہ چکی ہے، السفاح کی مخصوص تربیت نے اُسے روشنک کے خلاف سوچنے پر آمادہ کیا۔ اس لڑکی کو تو قابلِ تعزیر ٹھہرایا جانا چاہیے۔

لیکن اس میں روشنک کا تو کوئی قصور نہیں کہ وہ مروان الحمار کی کنیز تھی۔ السفاح کی مردانہ جبلت نے اُس کی سوچ کے دھارے کو دوسرے رخ پر ڈالا۔

اسی کشمکش میں کسی وقت السفاح کو نیند آ گئی۔

دوسرے دن اُس سے ملنے والا پہلا شخص عزیز الابراہیم تھا۔ وہ ایرانی نقیب جس کی زیرِ نگرانی السفاح کی تربیت ہوئی تھی۔

"آپ نے اس وقت کیسے تکلیف کی مدرّسِ محترم؟" السفاح نے پوچھا۔

"امیر المومنین!" عزیز الابراہیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے، کہ کل آپ کی خدمت میں ایک بہت خوب صورت لڑکی پیش کی گئی ہے جو مروان الحمار کی کنیز تھی۔"

"جی...... جی ہاں" السفاح نے عزیز الابراہیم سے نظریں چرائیں۔ وہ اپنے اتالیق کا بے حد احترام کرتا تھا۔

"امیر المومنین!" عزیز الابراہیم نے کہا۔ "بے شک قصرِ خلافت کو خدام اور کنیزوں سے بھرا ہوا ہونا چاہیے لیکن شاید یہ بھی لازم ہے کہ آپ پر خلفائے بنواُمیہ کے طرزِ زندگی کا سایہ بھی نہ پڑے۔"

"ہم نے اُس کنیز کو نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے مدرّسِ محترم!"

"مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا، عرض کر چکا۔ اہم ترین بات جو مجھے آپ سے کہنا ہے، وہ سلطنت کے بارے میں ہے۔ ابھی مکمل امن و امان قائم نہیں ہوا ہے۔ اُمور آپ

Marfat.com

کی مکمل توجہ چاہتے ہیں۔ ابھی مروان الحمار بھی زندہ ہے۔"

"نہیں رہے گا۔" السفاح نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

اور وہ نہیں رہا۔ حران میں کوئی منصوبہ بندی کرنا چاہتا تھا کہ عباسی لشکر وہاں پہنچ گیا اور مروان الحمار کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اُس نے شام کے بعد مصر کا رُخ کیا لیکن موت اُس کے تعاقب میں لگی رہی۔ مصر کے ضلع اشمونین میں وہ بومیرے کے مقام پر عبداللہ بن علی کے بھائی صالح کے ہاتھوں قتل ہوا۔

شام میں عبداللہ بن علی کو اطلاع ملی کہ مروان الحمار کا سر خلیفہ ابوالعباس کے پاس لے جایا جا رہا ہے۔ عبداللہ بن علی نے حکم دیا کہ سر پہلے اُس کے پاس لایا جائے۔

جب سر اُس کے پاس لایا گیا تو اُس نے بالوں سے پکڑ کر اُس کا چہرہ اپنے سامنے کیا اور نفرت سے اُس پر تھوک دیا۔

"تم لوگ بھی دیکھ لو۔" اُس نے حاضرین سے کہا۔ "یہ بنو اُمیہ کے آخری منحوس خلیفہ کا سر ہے۔"

بعد میں وہ سر "انبار" میں ابوالعباس السفاح کے سامنے پیش کیا گیا۔ السفاح نے حیرت سے دیکھا کہ مروان الحمار کے مردہ چہرے کا منہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا اور اُس کی زبان غائب تھی۔

السفاح کے چہرے پر حیرت کا تاثر دیکھ کر "سر" لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"یہ بڑا عجیب و غریب واقعہ ہے امیر المومنین! آپ کے چچا عبداللہ بن علی نے اس کے چہرے پر تھوک کر اِس کا سر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ اسی وقت کہیں سے ایک بلی آئی۔ اُس نے اپنے پنجوں سے اس کا منہ کھولا اور اُس کی زبان کھا گئی۔"

السفاح اس معاملے کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن اسی وقت عباسی وزیر ابوسلمہ نے آ کر اطلاع دی کہ موصل میں ہونے والی بغاوت کچل دی گئی تھی۔ اُس نے اس بارے میں تفصیل بھی بیان کی۔

موصل کے لوگ اس وقت بپھر گئے جب انھیں مروان الحمار کے مارے جانے کی اطلاع ملی۔ وہ در پردہ اُموی خلافت کے طرف دار تھے لیکن مروان کے قتل کی

Marfat.com

اطلاع نے اُن کے دبے ہوئے جذبات بھڑکا دیے۔

السفاح نے بغاوت کچلنے کے لیے اپنے ایک چچا یحییٰ بن علی کو ایک لشکر کے ساتھ موصل روانہ کیا۔ یحییٰ نے وہاں پہنچ کر قصرِ امارت میں قیام کیا اور اہلِ موصل کے بارہ سربرآواردہ افراد کو گفت وشنید کے بہانے بلا کر قتل کروادیا۔ اُن کی لاشیں شہر کے چوراہوں پر لٹکائی گئیں تو کچھ خوف وہراس پھیلا اور کچھ اشتعال بھی۔ اس وقت یحییٰ نے منادی کرائی کہ جو شخص ظہر کی نماز پڑھنے جامع مسجد کی طرف آئے گا، اُسے امان دے دی جائے گی۔

یہ منادی ہوتے ہی لوگوں کی ایک کثیر تعداد جامع مسجد کی طرف دوڑ پڑی۔ یحییٰ نے مسجد کے اندر دروازوں کے قریب اپنے سپاہیوں کو کھڑا کردیا تھا جو مسجد میں داخل ہونے والوں کی گردنیں اُڑاتے رہے۔ اس طرح گیارہ ہزار کے قریب افراد قتل ہوئے اور مسجد کے صحن کا فرش خون سے رنگین ہوگیا۔

اس کے بعد یحییٰ نے شہر میں قتلِ عام کا حکم دے دیا اور اندھیرا پھیلنے تک گلی کوچوں میں لوگوں کا خون بہتا رہا۔ گندے پانی کی نالیوں میں پانی کے بجائے خون بہتا نظر آنے لگا۔

رات کو یحییٰ نے اُن عورتوں کو بَین کرتے سنا جن کے باپ بیٹے، شوہر یا بھائی قتل کیے گئے تھے۔ صبح ہوتے ہی یحییٰ نے ان عورتوں اور اُن کے چھوٹے بچوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیتے ہوئے تین روز کے لیے اپنی سپاہ کو اہلِ شہر کا خون مباح کردیا۔ اس طرح جو بھیانک خوں ریزی ہوئی اس کی داستانیں سن سن کر کافی عرصے تک لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے رہے۔

یحییٰ کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے۔ انھوں نے قتل عام کے ساتھ ساتھ عورتوں کی عصمت دری میں بھی کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ بہت سی عورتوں اور لڑکیوں کو وہ اُٹھا لے گئے۔

سفاک لوگوں کا مزاج بہت عجیب ہوتا ہے۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اُن کا مزاج کب کیا ہوجائے۔ یحییٰ کو زنگیوں کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ اُس نے سب زنگیوں کو

Marfat.com

ایک میدان میں جمع کروایا اور اُن کی گردنیں اُڑوادیں۔

موصل کی طرح کئی دوسرے مقامات پر بھی بغاوتیں ہوئی جنھیں بہ زور شمشیر کچل دیا گیا تھا۔

☆☆☆

''کیا فرق رہ گیا۔'' ابو مسلم خراسانی ٹہلتا ہوا بڑبڑایا۔ ''کیا فرق رہ گیا بنواُمیہ کی بربریت اور فرزندانِ عباس کے اقدامات میں!''

وہ اس وقت ''مرو'' کے اس محل میں تھا جہاں کبھی نصر بن سیار رہا کرتا تھا۔

سلطنت میں ہونے والے تمام واقعات پر ابو مسلم کی کڑی نظر تھی۔ اس نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے کئی ائمہ سے رابطہ کیا اور انھیں حکومت کی تبدیلی کے لیے رضامند کرنا چاہا۔ وہ خود کو اتنا طاقت ور سمجھ رہا تھا کہ بنوعباس کا تختہ اُلٹ سکے لیکن ائمہ نے سیاست میں پڑنے سے انکار کرتے ہوئے اس کی پیشکش مسترد کر دی۔

ابو مسلم کو خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ وہ بنوعباس کو دیگر عقائد رکھنے والی ان طاقتوں سے بہر حال بہتر سمجھتا تھا جو اس وقت سلطنت میں تھیں۔

ابو مسلم اس پر تو نازاں تھا کہ اس کی کاوشوں سے دولتِ بنواُمیہ کا چراغ گل ہو گیا تھا لیکن اب وہ اپنے آقائے ولی نعمت سے بھی بدظن ہونے لگا تھا۔ اسی لیے اُس نے خراسان میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تھے اور خراسان کو اپنی اقلیم سمجھتے ہوئے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔ اُسے صرف اُمید ہی نہیں، بلکہ یقین تھا کہ اب وہ ساری زندگی خراسان پر حکومت کرتا رہے گا۔ وہ بعض لوگوں سے کہہ بھی دیتا تھا کہ اگر کوئی خلیفہ کی طرف سے اس کا منصب چھیننے آیا تو اپنی جان سلامت لے کر نہ جا سکے گا۔ یہ باتیں وہ ایسے لوگوں سے کہتا تھا جن کے بارے میں اُسے یقین ہوتا کہ وہ خلیفہ کو اس کے طنطنے سے آگاہ کر دیں گے۔ وہ چاہتا بھی یہی تھا کہ خلیفہ اس کی طاقت کو محسوس کر لے اور اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ کرنے سے پہلے دس بار سوچنے پر مجبور ہو۔

لیکن بہ ظاہر وہ خلیفہ کا حمایتی بھی تھا۔

موصل کے واقعات سن کر اُس نے بڑا کرب محسوس کیا تھا۔ خصوصاً عورتوں کے

Marfat.com

ساتھ زیادتی اُسے بہت گراں گزری تھی۔ وہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ یکا یک اُس نے وہاں کسی کی موجودگی محسوس کی۔ اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں شاہ رخ سر جھکائے کھڑا تھا۔

چونکنے کے بعد ابو مسلم کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔ جب وہ بولا تو اس کا لہجہ بھی سپاٹ تھا۔

''تم زندہ ہو شاہ رخ!''

''اور اس پر نہایت خجل بھی ہوں۔'' شاہ رخ نے نظریں جھکائے رکھیں۔

ابو مسلم نے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ تم بھی اس دنیا سے گزر گئے اور وہ لڑکی روشنک بھی زندہ نہ بچی ہوگی۔''

''وہ شاید زندہ ہوگی امیر!''

''شاید؟''

''جی ہاں۔'' شاہ رخ نے جواب دیا۔ ''میری چھان بین کے مطابق وہ خلیفہ ابوالعباس السفاح کے محل میں پہنچائی جا چکی ہے۔ یہ میں نہیں معلوم کر سکا کہ وہاں اس پر کیا گزری ہے۔''

''کیا دمشق کے قتلِ عام میں اُس کی زندگی کا چراغ گل نہیں ہو گیا تھا؟''

''جی نہیں۔ وہ وہاں سے فرار ہونے میں کام یاب ہو گئی تھی۔ میں وہاں بروقت پہنچ نہیں سکا تھا۔ وہ مجھے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے ساتھ نظر آئی تھی۔''

''کیا مطلب؟ تفصیل سے بتاؤ شاہ رخ!''

شاہ رخ نے رک رک کر کھوئے کھوئے سے انداز میں سارا ماجرا سنا دیا۔

ابو مسلم خراسانی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا پھر بولا۔ ''اگر اُسے مروان الحمار کی کنیز کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا ہوگا تو محل میں السفاح نے اُس کے ٹکڑے اُڑا دیے ہوں گے۔''

شاہ رخ نے ایک دم سر اُٹھا کر ابو مسلم کی طرف دیکھا۔ روشنک کی موت کے بارے میں ابو مسلم کا انداز ایسا سرسری تھا جیسے روشنک کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو۔ شاہ رخ کو اپنے امیر کے اس انداز سے دکھ ہوا تھا جس کی علامات اُس کے چہرے سے بھی ظاہر ہو گئی تھیں۔

Marfat.com

''ہوں۔'' ابومسلم نے غور سے اُس کی طرف دیکھا۔ ''تو یہ بات ہے!'' اُس نے سر ہلایا۔ ''ہاں! وہ بہت خوب صورت ہے اور کسی کو بھی متاثر کر سکتی ہے۔''

شاہ رخ کو یوں محسوس ہوا جیسے ابومسلم نے اُس کے دل میں جھانک لیا ہو۔

''کل میں خلیفہ سے ملنے انبار جا رہا ہوں۔'' ابومسلم نے کہا۔ ''تم بھی میرے ساتھ چلنا۔ اگر روشنک زندہ ہوئی اور یہ معلوم ہوا کہ السفاح نے اُسے اپنی کنیزوں میں شامل کر لیا ہے تو میں خلیفہ سے محل میں تمھاری ملازمت کی بات کروں گا۔ کچھ دن سے ایسی باتیں سننے میں آ رہی ہیں کہ محل میں میرے کچھ آدمیوں کو موجود رہنا چاہیے۔ اگر روشنک وہاں ہے تو وہ میرے لیے کار آمد ثابت ہو سکے گی۔ مروان الحمار کے محل میں رہتے ہوئے بھی اُس نے ہمارے کام آنے کی کوشش کی تھی اور اب بھی کام آ سکتی ہے۔ تم بھی اگر وہاں ہوئے تو اور زیادہ بہتر ہوگا۔ روشنک بھی تمھارے قریب ہو جائے گی لیکن شاید وہ تمھیں......'' ابومسلم نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور ٹہلنے لگا۔

شاہ رخ سمجھ گیا کہ ابومسلم کیا کہنا چاہتا تھا۔

''ایک بات اور!'' ابومسلم نے رک کر شاہ رخ کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''تم نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کو زندہ کیوں نکل جانے دیا؟''

''اُس وقت میری ساری توجہ روشنک پر تھی۔ دوسرے میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ عباسی فوجیں ہر طرف پھیل چکی ہیں۔ عبدالرحمٰن نکل نہیں سکے گا۔''

''وہ نکل گیا۔'' ابومسلم نے کہا۔ ''اب اُس کا ہاتھ لگنا مجھے مشکل نظر آ رہا ہے۔''

''پھر تو یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی!''

''غلطیوں کو بھول جانا چاہیے اگر اُن سے کوئی سبق حاصل کر لیا جائے!''

شاہ رخ کچھ نہیں بولا۔ ابومسلم پھر ٹہلنے لگا۔ اُس کی کیفیت کسی بے چینی کی غماز تھی لیکن اُس کے چہرے سے فکر مندی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

''ابوعون کہاں ہے امیر؟'' شاہ رخ نے پوچھا۔

ابومسلم نے جواب دیا۔ ''وہ ابتدا میں تو میری ہدایت کے مطابق قحطبہ بن شبیب کا ہم رکاب تھا۔ بعد میں وہ کئی جنگوں میں بڑی بہادری سے لڑتا رہا ہے۔ اُس نے

Marfat.com

عبداللہ بن علی کی قیادت میں زابِ اکبر کی جنگ بھی لڑی تھی۔ آخر میں وہ صالح بن علی اور دیگر سردارانِ لشکر کے ساتھ مروان الحمار کے تعاقب میں مصر گیا تھا۔ وہاں مروان کا سر تو صالح بن علی نے قلم کیا تھا لیکن مصر کا والی ابوعون بنایا گیا ہے۔ وہ اب وہیں ہے۔''

''یہ سن کر مجھے خوشی ہوئی امیر کہ میرا دوست ایک بڑے منصب پر پہنچ گیا ہے۔''

''ایرانیوں کو شاید مناصب راس نہ آئیں۔''

''جی!'' شاہ رخ چونکا۔

''اب تم جا کر آرام کرو، بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے ہو۔'' ابومسلم نے کہا۔ ''کل کسی وقت ہم انبار کی طرف روانہ ہوں گے۔''

شاہ رُخ کو بعد میں معلوم ہوا کہ طبیب کرمانی نے اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیے تھے۔ بعدازاں طبیعت کی ناسازی باعث اُسے نیشاپور واپس بھیج دیا گیا تھا جہاں کچھ دن کی علالت کے بعد وہ وفات پا گیا تھا۔

دوسرے دن ابومسلم خراسانی شاہ رخ اور ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ ابنار روانہ ہوا۔ اس لشکر کا ایک ایک سپاہی اتنا تجربہ کار، جری اور دلیر تھا کہ دس پر بھاری پڑسکتا تھا۔ ابومسلم کے لیے اُن کی جاں نثاری ہر شبے سے بالاتر تھیں۔

☆☆☆

خلیفہ ابوالعباس السفاح کے محل میں روشنک کی زندگی ایک انقلاب سے دوچار ہو چکی تھی۔ اُس نے ایک کمرے تک محدود رہتے ہوئے بڑے تحمل سے اچھے خاصے دن گزار دیے تھے۔ آخر کار ایک دن اُسے خلیفہ کی خدمت میں حاضری کا حکم مل ہی گیا تھا جس کی وہ منتظر بھی تھی۔

''خوب!'' السفاح نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ ''اب تم معقول لباس میں ہو۔''

''لباس کی اہمیت تو عورتوں کے لیے ہوتی ہے امیر المومنین! میں تو ایک کنیز ہوں۔''

السفاح نے اُسے تعجب سے دیکھا۔ ''کنیز عورت نہیں ہوتی؟''

''امیر المومنین!'' روشنک نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔ ''کنیز تو ایک بے روح مجسمہ ہوتی ہے جس کی حرکت پذیری اُس کے آقا کے اشارۂ ابرو کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔''

Marfat.com

''معلوم ہوتا ہے، تم کبھی خوش نہیں رہیں۔'' السفاح نے کہا۔ ''مروان الحمار سے کسی کو کوئی خوشی مل ہی نہیں سکتی تھی۔''

روشنک بولی۔ ''آپ نے مجھے یاد فرمایا! میرے لیے کوئی حکم؟''

السفاح اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ معقول لباس میں وہ حسینہ پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ توقف سے بولا۔

''جب پہلی بار تمھیں ہمارے سامنے پیش کیا گیا تھا تو تم ہم سے کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ اس وقت ہم تھکے ہوئے تھے، آرام کرنا چاہتے تھے۔ اُس کے بعد اُمورِ سلطنت میں اُلجھے رہے۔ اب کہو، تم کیا کہنا چاہتی تھیں؟''

''صرف یہ امیرالمومنین کہ میں مروان الحمار کی کنیز ہوتے ہوئے بھی تحریکِ عباسیہ کی رکن تھی۔''

السفاح نے اُلجھ کر کہا۔ ''مطلب؟''

''میں اپنے دماغ کی ساری وسعت اور دل کی حددرجہ گہرائی کے ساتھ تحریکِ عباسیہ سے عقیدت رکھتی ہوں۔ میں نے تحریک کے قائد ابراہیم الامام کی زندگی بچانا چاہی تھی لیکن بدقسمتی سے تحریک کے کارپردازوں کو میرا پیغام کچھ زیادہ صحیح وقت پر نہیں ملا۔''

یہ سنتے ہی السفاح کچھ حیران نظر آ رہا تھا۔ وہ روشنک کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ''اس کا کوئی گواہ پیش کر سکتی ہو؟''

''مروان الحمار کے دور میں الخضر کے لیے پانی کا بندوبست کرنے والے سقّوں کا نگراں جالب الزاری جو تحریک عباسیہ کا کارپرداز تھا، وہ اس کی گواہی دے سکتا ہے۔ طبیب کرمانی کا نام اگر آپ نے سنا ہو تو وہ بھی اس کے گواہ ہیں۔ جالب الزاری ہی نے ایک قاصد کبوتر کے ذریعے میرا پیغام ابومسلم خراسانی کو پہنچایا تھا۔''

السفاح چونکا۔ ''تم ابومسلم کو بھی جانتی ہو؟''

''بے شک۔'' روشنک نے جواب دیا۔ ''مروان الحمار سے پہلے میں ابوسفیان باہلی کی کنیز تھی اور ابومسلم اپنی ابتدائی زندگی میں ابوسفیان باہلی کے ملازم تھے۔''

Marfat.com

السفاح نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''یہ کب کی بات ہے؟''

''دس بارہ سال گزر چکے ہیں۔''

''اس کے بعد تم ابومسلم سے کب ملی تھیں؟'' یہ سوال کرتے ہوئے السفاح بڑی گہری نظروں سے روشنک کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

روشنک نے جواب دیا۔ ''اس کے بعد میں اُن سے آج تک نہیں ملی۔ جب میں ابوسفیان باہلی کے پاس تھی، اسی وقت مجھے علم ہوگیا تھا کہ ابومسلم خراسانی تحریکِ عباسیہ کے ایک اہم رکن بن چکے ہیں۔ اسی لیے جب مجھے مروان الحمار کے محل میں یہ بات معلوم ہوئی کہ ابراہیم الامام کو حمیمہ کی ایک مسجد سے گرفتار کیا جانے والا ہے تو میں نے ابومسلم خراسانی ہی کو اس کی اطلاع دی۔ مجھے تحریکِ عباسیہ کے کسی اور فرد کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ طبیب کرمانی نے میرا پیغام جالب الزاری کو پہنچایا تھا تاکہ وہ قاصد کبوتر کے ذریعے ابومسلم خراسانی تک پہنچ جائے۔''

''تمھارے لہجے میں سچائی محسوس ہو رہی ہے تاہم اس کی تصدیق بھی ابھی ہو جائے گی۔ جالب الزاری اس وقت انبار ہی میں ہے۔ ہم اُسے ابھی طلب کرتے ہیں۔''

ایک آدمی کو اسی وقت جالب الزاری کے گھر کی طرف دوڑا دیا گیا۔ اس کے آنے تک السفاح نے روشنک سے گفت گو جاری رکھی۔ اُسے اس حسینہ کا اندازِ گفت گو اچھا لگ رہا تھا۔

''کنیز اپنی ساری زندگی میں اپنے لیے تو ایک پل بھی نہیں جیتی۔'' روشنک کے اس جملے نے ایک بار ابومسلم خراسانی کو متاثر کیا تھا۔ وہ اس وقت بھی اسی قسم کے فقرے بولتی رہی اور خلیفہ ابوالعباس السفاح اُس کے حسن و جمال کے ساتھ اُس کی ذہانت و فطانت اور اُس کے برجستہ جوابوں سے بھی متاثر ہوا۔ روشنک نے وہ واقعہ بھی تمام جزئیات کے ساتھ بیان کر ڈالا جب اُس نے ابراہیم الامام کو گرفتاری سے بچانا چاہا تھا۔

السفاح کی طرف سے ایک استفسار یہ بھی ہوا کہ وہ ایک دہقان کے گھر میں کیوں چھپی ہوئی تھی۔

اس معاملے میں بھی اس نے اطمینان بخش جواب دیا کہ ابومسلم نے تحریکِ عباسیہ

Marfat.com

کی ہم درد سمجھتے ہوئے اُسے بچانے کے لیے اپنے ایک خاص آدمی کو دمشق بھیجا تھا۔

وہ سارا واقعہ روشنک نے بڑی وضاحت سے بیان کیا لیکن نہ جانے کیوں اُس کی زبان پر شاہ رخ کا نام نہیں آیا۔ اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ واقعہ ہی کچھ اس طرح بیان ہوا تھا کہ نام بتانے کا کوئی مرحلہ ہی نہیں آیا تھا۔

پھر جب جالب الزاری آیا تو اُس نے خلیفہ کے استفسار پر کہا۔ ''بے شک امیر المومنین! وہ طبیب کرمانی ہی تھے جنھوں نے مجھے اس بارے میں بتایا اور مروان الحمار کی کسی کنیز روشنک کا حوالہ دیا تھا لیکن......'' اُس نے خاموش ہو کر روشنک کی طرف دیکھا پھر بولا۔ ''میں اُن کا چہرہ شناس نہیں ہوں۔ ممکن ہے وہ روشنک یہی ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور روشنک ہو جس نے طبیب کرمانی کو اس صورتِ حال کی نزاکت سے آگاہ کیا ہو۔''

خلیفہ السفاح نے جالب الزاری کو فوراً رخصت کر دیا۔

روشنک ہلکی سے مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''میں یہ ثابت کر دوں گی امیر المومنین کہ میں وہی روشنک ہوں۔ طبیب کرمانی اور ابو مسلم خراسانی اس کی گواہی دیں گے۔''

روشنک اس وقت تک اس بات سے بے خبر تھی کہ طبیب کرمانی کا انتقال ہو چکا ہے۔

''ہمیں اب کسی گواہی کی ضرورت نہیں۔'' السفاح نے کہا۔ ''ہاں اگر کبھی بات آئی تو ابو مسلم خراسانی سے تمھارا ذکر ضرور کریں گے۔''

''میرے مستقبل کے بارے میں اب آپ کا فیصلہ کیا ہے؟'' روشنک کے اندازِ گفت گو میں کچھ بے باکی آ گئی۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ خلیفہ اُس کے حسن و جمال سے پوری طرح مسحور ہو چکا ہے۔

وہ مسکرا کر بولا۔ ''تحریکِ عباسیہ کے حامیوں کو خدام اور کنیزوں میں داخل کیا گیا تو یہ کسی طرح بھی ایک مستحسن قدم نہیں ہوگا۔ ہم تمھیں اپنے محل میں باعزت مقام دیں گے۔ آج سے تم خود کو محل کے اندرونی انتظام و انصرام کی نگراں سمجھو۔''

روشنک کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زندگی بھر روندے اور کچلے جانے کے بعد اُسے کوئی باعزت منصب مل جائے گا لیکن اُسے یہ احساس بھی تھا کہ یہ اعزاز ملنے کا سبب اُس کا حُسن و شباب اور السفاح کی مخصوص تربیت تھی، جس کے

Marfat.com

باعث وہ روشنک پر عقاب کی طرح نہیں جھپٹ سکتا تھا۔ روشنک کو یہ توقع بھی تھی کہ اُس پر خلیفہ السفاح کی مہربانیاں بہ تدریج بڑھتی رہیں گی۔

دوسرے دن محل میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ مروان الحمار کی کنیز کو محل کی منتظم بنا دیا گیا ہے۔ محل میں کام کرنے والے تمام افراد اب اُس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اُن میں سے بہت سے لوگوں اور کنیزوں نے اس تقرر کو بادلِ نخواستہ برداشت کر لیا لیکن کچھ کنیزوں کی نظر میں وہ قابلِ رشک بھی بنی۔

محل میں اب اُس کی نقل و حرکت بالکل آزاد نہ ہو گئی تھی۔ وہ صبح سے شام اور کبھی رات گئے تک متحرک رہنے لگی تھی۔ کبھی مطبخ کی طرف جا کر کھانے کی تیاریوں کا جائزہ لیتی تو کبھی محل کے درودیوار اور فرش صاف رکھنے والوں کے کام کا جائزہ لیتی۔ کبھی شمع دانوں کو روشن رکھنے والی کنیزوں کو ہدایات دیتی تو کبھی ان لوگوں کو احکام دیتی جو محل کے سازوسامان کی بروقت تبدیلی اور محل کی آرائش و زیبائش کے کام کرتے تھے۔ کبھی وہ محل کے اس حصے کی طرف بھی نکل جاتی جہاں اُمورِ سلطنت کے دفاتر تھے۔ اُسے دربار میں جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن دربار کے آس پاس کے حصوں میں نقل و حرکت کے لیے وہ پوری طرح آزاد تھی۔ اسی لیے دربار میں آنے جانے والوں کے چہرے بھی اُس کے ذہن میں محفوظ ہوتے چلے گئے اور کسی پوچھ گچھ کے بغیر اُسے یہ بھی معلوم ہوتا رہا کہ دفاتر میں کون کس منصب پر فائز ہے۔

ان گزرتے ہوئے دنوں میں اس پر ایک تشویش ناک انکشاف ہوا۔ نسلی تعصب کا شکار رہنے والے عرب اکابرین اب بھی دربارِ خلافت سے وابستہ تھے اور انھیں یہ بہت گراں گزرا تھا کہ بڑے بڑے مناصب پر فائز ہونے والوں میں ایرانیوں کی کمی اب بھی نہیں تھی۔ وہ خواہاں تھے کہ ایرانیوں کو ان مناصب سے ہٹایا جائے لیکن خلیفہ السفاح سے کھل کر بات کرنے کی ہمت ان میں نہیں تھی۔ وہ سازشیں کر کے ایرانیوں کا غلبہ ختم کرنا چاہتے تھے۔

سازش کنندگان کی سرگوشیاں روشنک کے کانوں میں پڑتی رہیں اور اُس کی تشویش میں اضافہ خصوصاً اس لیے ہوا کہ ابومسلم بھی ایرانی تھا۔

Marfat.com

یہ عرب کبھی نہیں بدلیں گے، وہ اکثر تنہائی میں سوچنے لگتی۔ ان کے دلوں میں اپنے محسنوں کے لیے کوئی جگہ نہیں حالانکہ بنو اُمیہ سے انھیں نجات دلانے میں سب سے اہم کردار ایرانیوں کا ہی تھا۔

روشنک جب ابوسفیان باہلی کے پاس تھی تو اس نے ایک عرب کو اُموی خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک کی یہ بات دہراتے ہوئے سنا تھا۔

''عجیب بات ہے کہ ایرانیوں نے ہزاروں سال حکومت کی مگر پل بھر کے لیے بھی انھیں عربوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن ہم نے ابھی ایک صدی بھی حکومت نہیں کی لیکن گھڑی بھر بھی ایرانیوں کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکے۔''

روشنک سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ عرب بنواُمیہ کے دور کے ہوں یا بنوعباس کے دور کے......اُن کا نسلی تعصب کبھی ختم نہیں ہوگا۔

اسی تعصب کے باعث ایران میں ''تحریکِ شعوبیہ'' کے نام سے ایک وطن پرست تحریک نے جنم لیا تھا۔ اس تحریک کے لوگ اہلِ ایران کو اُن کے وطن کی عظمت کا احساس دلاتے تھے۔ جب عرب اپنی نسلی برتری کی بات کرتے تو ایرانیوں کا حسب نسب بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا۔ عرب اگر اپنے علم وفضل کی بات کرتے تو شعوبی جواب دیتے کہ اس میدان میں بھی عربوں نے ایرانیوں ہی سے استفادہ کیا تھا۔

روشنک سوچنے لگی کہ بنواُمیہ نے تو ایرانیوں کو اپنی طرف سے متنفر کر کے اس کا خمیازہ بھگت لیا۔ اب شاید دورِ عباسیہ کے عربوں کو بھی اپنے نسلی تعصب کے نتائج بھگتنا پڑیں گے۔

روشنک کو ان حالات کا علم غیر ارادی طور پر ہوتا رہا تھا مگر اب اُس نے پوری طرح باخبر رہنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ وہ چھپ چھپ کر عرب اکابرینِ سلطنت اور دفاتر میں کام کرنے والوں کی باتیں سننے لگی۔

کچھ ہی دن بعد اُس نے ایک ایسی خبر سنی کہ اُس کے رگ وپے میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔

خراسان سے ابومسلم خلیفہ السفاح سے ملنے آرہا تھا۔ وہ ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوگی۔

Marfat.com

''ابومسلم کو باغِ ارم میں ٹھہرایا جائے۔'' السفاح نے حکم صادر کیا۔

محل کے ایک حصّے میں چند مہمان خانے تھے۔ ان میں ایک خاص مہمان خانے کو ''باغِ ارم'' کا نام دیا گیا تھا۔ اس کی آرائش کسی باغ ہی کی طرح کی گئی تھی۔ مختلف پھولوں کے بے شمار گملے جابہ جا سجائے گئے تھے۔ وہ مہمان خانہ غیر ملکی سفارت کاروں کے لیے تھا لیکن اس وقت تک کوئی غیر ملکی دولتِ عباسیہ کا مہمان نہیں بنا تھا۔

''باغِ ارم؟'' مشیرِ خاص سلیمان ابن کثیر نے معنی خیز نظروں سے خلیفہ السفاح کی طرف دیکھا۔ ''یہ اعزاز ابومسلم کے لیے جو ائمہ کو دولتِ عباسیہ کے خلاف کرنے کی سعیِ ناکام کا مجرم ہے؟''

''ابنِ کثیر!'' خلیفہ السفاح نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بے شک تم مجھ سے زیادہ، تجربہ کار ہو لیکن سیاست کے بعض نکات جو مجھے تعلیم کیے جا چکے ہیں، اُن تک تمھاری عقل شاید ابھی رسائی نہیں پا سکی ہے لیکن یہ تو بہت سامنے کی بات ہے۔ یہ تو تمھیں سمجھ لینا چاہیے تھا۔ ابومسلم نے خود کو بہت مستحکم کر لیا ہے۔ اپنے دبدبے کا اظہار کرنے کے لیے وہ ایک ہزار سپاہ کا لشکر ساتھ لا رہا ہے۔ اُسے ولایتِ خراسان سے ہٹانے کے لیے کوئی بے داغ منصوبہ بندی کرنا پڑے گی۔ فی الحال اُسے یہی باور کرانا بہتر ہے کہ ہم اُس کی طرف سے بالکل مطمئن ہیں لہٰذا اُسے وہی عزت دی جا رہی ہے جس کا مستحق وہ خود کو سمجھنے لگا ہے۔''

یہ باتیں روشنک نے بھی سن لیں اور اُسے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ گویا سازش ابومسلم کے خلاف بھی شروع ہو چکی تھی۔

وہ کئی کام بھول کر اپنے کمرے میں جا لیٹی اور خاصی دیر تک سوچتی رہی۔ یہ اُس کے خیال میں بڑی خطرناک بات تھی کہ سلیمان ابنِ کثیر جیسا شخص ابومسلم کے خلاف ہے۔ مشیرِ خاص کی حیثیت سے وہ خلیفہ السفاح کے بہت قریب تھا۔ ابومسلم کو جلد از جلد خطرے سے آگاہ کر دینا چاہیے۔ یہ خیال اُس کے دماغ میں آیا تھا۔

ایک اطلاع کے مطابق ابومسلم کو دوسرے دن دوپہر سے پہلے انبار پہنچ جانا تھا۔ باغِ ارم کی آرائش کا کام رات سے ہی شروع کر دیا گیا۔ روشنک وقفے وقفے سے اس

Marfat.com

طرف جا کر کاموں کا جائزہ لیتی اور ہدایات دیتی رہی۔

مہمانِ خصوصی کی آرام گاہ کی آرائش پر کنیزوں نے بڑی محنت سے کام کیا۔ آدھی رات کے وقت انھوں نے روشنک سے کہا۔

''کام مکمل ہوگیا ہے۔ آپ ایک نظر ڈال لیجیے۔ اب بس اتنا اور کرنا ہے کہ کل صبح باغ سے تازہ پھول توڑ کر کمرے کے گل دانوں میں سجانے ہیں۔''

اس کمرے کا سارا کام روشنک نے اپنی ہدایات کے مطابق کروایا تھا اور وہ اس کی مرضی کے مطابق ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' اُس نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔ ''کل صبح باغ سے پھول لاتے وقت مجھے بھی ساتھ لے لینا۔''

پھر وہ تھکی ہوئی اپنی خواب گاہ میں آلیٹی۔ دماغ پھر ابنِ کثیر کی سازش میں اُلجھنے لگا۔ یہ بات اُس کے لیے بڑی عجیب تھی کہ ابومسلم نے خلافتِ عباسیہ کے خلاف ائمہ سے رابطہ کیا تھا۔ اُس نے سوچا کہ یہ صرف الزام ہی ہوسکتا ہے۔ حالات سے بے خبر ہونے کے باعث وہ اس کے علاوہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

دوسری صبح وہ چند کنیزوں کے ساتھ محل کے باغ میں گئی۔ اور اُس نے کنیزوں کو صرف ایک ہی قسم کے پھول توڑنے کی ہدایت دی۔

''ایک سے پھول؟'' ایک کنیز حیرت سے بولی۔ ''سارے گل دانوں میں؟''

''ہاں۔''

کنیزوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔ روشنک کے سامنے لب کشائی کی انھیں اجازت نہیں تھی۔ انھوں نے وہی پھول توڑے جن کی طرف روشنک نے اشارہ کیا تھا۔

وہ سب پھول مہمانِ خصوصی کی آرام گاہ کے ایرانی گل دانوں میں سجا دیے گئے۔ اس وقت روشنک نے سوچا کہ عرب گل دانوں کے معاملے میں ایران ہی کے مرہونِ منت ہیں۔

پھولوں کی آرائش کے بعد کمرا بند کردیا گیا۔

Marfat.com

دو پہر سے کچھ دیر پہلے وزیر مملکت نے چند اکابرینِ سلطنت کے ساتھ محل سے نکل کر ابو مسلم خراسانی کا استقبال کیا۔

محل کی اُوپر کی منزل کے ایک دریچے سے روشنک نے ابو مسلم کو دیکھا تو اُس کی آنکھیں نم ہوگئیں...... دل بڑی شدّت سے دھڑکنے لگا۔ وہ دس بارہ سال کے بعد اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس نے اُس کے دل کو ایک نئے انداز میں دھڑکنا سکھایا تھا۔

ایک اُچٹتی سی نظر سے اُس نے ابو مسلم کے ساتھ شاہ رخ کو بھی دیکھ لیا تھا لیکن پوری طرح صرف ابو مسلم خراسانی کی طرف متوجہ رہی۔

ابوسلمہ نے بڑی گرم جوشی سے ابو مسلم کا استقبال کیا۔ معانقہ کرنے کے بعد اُس نے کہا۔ ''کافی عرصے کے بعد آپ کو دیکھا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی۔''

''کبھی خراسان کے دورے پر تشریف لایئے!'' ابو مسلم نے کہا۔

''بہت جلد تمام صوبوں کے دورے کا ارادہ ہے۔''

''مجھے بھی وہاں آپ کا استقبال کر کے بہت خوشی ہوگی۔''

ابوسلمہ ہنسا۔ ''تشریف لایئے! آپ کے لشکر کا بندوبست چھاؤنی میں کر دیا گیا ہے۔''

''میرے ساتھ یہ بھی ہے۔'' ابو مسلم نے شاہ رخ کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ، ہاں! شاہ رخ! کیسے ہو؟'' ابوسلمہ نے شاہ رخ کا شانہ تھپکا۔

''ٹھیک ہوں۔'' شاہ رخ نے بھنچی ہوئی مٹھیاں پشت پر کر لیں۔ ابوسلمہ کا اندازِ بے اعتنائی اُسے شدّت سے کھٹکا تھا۔

وزیر مملکت بن کر آپے سے باہر ہوگیا ہے یہ! شاہ رخ سوچنے لگا۔ وہ وقت بہت جلدی بھول گیا جب مجھ سے ملے بغیر یہ ابو مسلم خراسانی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ابوسلمہ انھیں محل میں اور پھر باغِ ارم میں لے گیا۔

''یہ کمرا آپ کی خواب گاہ ہے۔'' ابوسلمہ نے کہا۔

اُس کے نائبین میں سے ایک نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ابوسلمہ اور ابو مسلم کمرے میں داخل ہوئے۔ ابو مسلم کے اشارے پر شاہ رخ بھی ان کے ساتھ رہا۔

''یہ کیا!'' ابو مسلم کے لہجے میں حیرت تھی، پھر اُس نے جھنجلائے ہوئے انداز

Marfat.com

میں کہا۔ ’’یہ کنیزیں کیا پاگل ہوگئی ہیں۔ سارے گل دانوں میں ایک سے پھول!‘‘
شاہ رخ بھی گل دانوں کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی حیرت کا سبب کچھ اور تھا۔

’’میں ابھی پھول بدلواتا ہوں۔‘‘ ابوسلمہ نے کہا اور پھر اُس نے شاید اپنے کسی نائب کو آواز دے کر کمرے میں بلانا چاہا لیکن ابومسلم نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے روک دیا۔
’’رہنے دیجیے!‘‘ ابومسلم نے کہا۔ ’’یہ پھول بھی کچھ ایسے برے نہیں ہیں۔‘‘
’’لیکن......‘‘
’’کوئی بات نہیں۔‘‘ ابومسلم نے اُس کی بات کاٹی۔ ’’آیئے، بیٹھیں، کچھ باتیں کریں۔ امیر المومنین سے میری ملاقات کب ہوگی؟‘‘
’’بس تھوڑی ہی دیر بعد...... ظہرانے پر!‘‘
وہ دونوں ہی بیٹھ گئے۔ شاہ رخ نے اُن سے کچھ فاصلے پر رکھی ہوئی مسند سنبھالی۔
’’صوبے کے حالات کیسے جا رہے ہیں ابومسلم!‘‘ ابوسلمہ نے پوچھا۔
شاہ رخ نے چونک کر ابوسلمہ کی طرف دیکھا۔ بہت زیادہ پرانی بات نہیں تھی۔ جب وہ ابومسلم کو ’’امیر‘‘ کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔
اس بدلے ہوئے اندازِ تخاطب پر ابومسلم نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا اور بولا۔ ’’ابھی تک حالات بالکل ٹھیک چل رہے ہیں۔ میں ہر جگہ امن و امان قائم کر چکا ہوں۔‘‘
’’دراصل آپ کا مثبت پہلو یہ ہے کہ آپ خود خراسانی ہیں۔‘‘
ابومسلم نے اُس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔ ’’افسوس مجھے صرف اس کا ہے کہ دارالخلافے کی طرف سے میرے صوبے پر بالکل دھیان نہیں دیا گیا۔ میں اسی سلسلے میں امیر المومنین سے ملنے آیا ہوں۔ خط بھی لکھ سکتا تھا لیکن سوچا کہ ملاقات کر لی جائے۔ مجھے ابھی تک اُن سے ملنے کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔‘‘
’’ابومسلم!‘‘ ابوسلمہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ’’اگر آپ اپنے صوبے کے لیے دارالخلافے سے کچھ مالی امداد چاہتے ہیں تو یہ ابھی ممکن نہیں ہوگا۔ عسکری معاملات پر بہت زیادہ اخراجات ہو رہے ہیں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ بعض صوبوں میں ابھی تک

Marfat.com

امن وامان بحال نہیں ہوسکا ہے۔"

"وہ کچھ مجھے معلوم ہے لیکن...... اچھا خیر چھوڑیے! میں امیرالمومنین ہی سے بات کروں گا۔"

ابوسلمہ کے چہرے سے ایسا لگا جیسے ابومسلم کا جواب اُسے گراں گزرا ہو۔ اُسے یہ زعم تھا کہ وہ سلطنتِ عباسیہ کا وزیرِ مملکت ہے اور ابومسلم نے اُسے نظرانداز کرکے امیرالمومنین سے بات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

"اچھا تو اب میں چلتا ہوں۔" ابوسلمہ کھڑا ہوگیا۔ "ظہرانے پر میں آپ کو لینے آؤں گا۔ یہ امیرالمومنین کا حکم ہے۔"

اُس نے گویا جتایا کہ وہ ابومسلم کی پذیرائی صرف امیرالمومنین کے حکم کی وجہ سے کررہا ہے۔

اُس کے جاتے ہی شاہ رخ بولا۔ "یہ شخص آپے سے باہر ہوگیا ہے۔"

ابومسلم نے کچھ نہیں کہا۔ اُس کی نظریں گل دانوں پر پھسلنے لگی تھیں۔

"یہ میرے لیے بھی حیران کن ہے امیر!"

اس وقت روشنک دروازے سے کان لگائے اُن کی آوازیں سن رہی تھی۔ اُس نے جن دو کنیزوں کو "مہمانوں" کی خدمت پر مامور کیا تھا، انھیں کچھ اشیا لانے کے لیے بھیج دیا تھا اور وہ جلدی واپس نہیں آسکتی تھیں۔

روشنک ابوسلمہ وغیرہ کے جاتے ہی دروازے سے آلگی تھی۔

ابومسلم بولا۔ "کیا میں تمھیں مبارک باد دوں شاہ رخ!"

"جی!" شاہ رخ چونکا۔

"روشنک کو یہاں لاکر ہلاک نہیں کیا گیا، وہ زندہ ہے اور غالباً اُسے کنیزوں میں شامل کرلیا گیا ہے۔ یہاں میری کسی بھی پسند سے کوئی اور واقف نہیں ہوسکتا۔ مجھے ہمیشہ سے صرف یہی پھول پسند ہیں۔ روشنک جانتی ہے یہ بات!"

"مجھے بھی یہی خیال آرہا تھا امیر!" شاہ رخ کی آواز خوشی سے کانپنے لگی۔ "یہاں تو آپ کی پسند سے کسی کو واقف نہیں ہونا چاہیے۔"

Marfat.com

''سوائے روشنک کے۔'' ابو مسلم نے کہا۔

روشنک اس سے زیادہ کچھ نہیں سن سکی۔ کنیزیں اُس کی توقع سے پہلے واپس آ گئیں۔ روشنک نے اُن کی آہٹ سن لی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

ظہرانے پر خلیفہ السفاح اور ابوسلمہ کے علاوہ کچھ اور اکابرینِ سلطنت بھی تھے۔ شاہ رخ اس ظہرانے میں شامل نہیں تھا۔

''ابوسلمہ نے تم سے بالکل ٹھیک کہا ہے ابو مسلم!'' خلیفہ السفاح کہہ رہا تھا۔ ''خزانے پر آج کل بہت بوجھ پڑا ہوا ہے۔ بہر حال تم ابوسلمہ سے رابطہ کیے رکھنا۔ حالات استوار ہوتے ہی تمھارے صوبے کے لیے وہ سب کچھ کیا جائے گا جو تم چاہتے ہو۔''

''بہت بہتر۔'' ابوسلمہ نے بات ذرا بھی آگے بڑھانے کی کوشش نہیں کی اور سلطنت کے عمومی حالات پر گفت گو چھیڑ دی۔

ظہرانہ اختتام کے قریب تھا تب خلیفہ السفاح نے پوچھا۔ ''یہاں کب تک ٹھہرنا چاہتے ہو ابو مسلم!''

''بس پرسوں صبح چلا جاؤں گا۔'' ابو مسلم نے جواب دیا۔ ''صوبے سے زیادہ دن غیر حاضر رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ آج تو آرام کروں گا۔ یہ شہر میرے لیے بالکل نیا ہے۔ کل ذرا گھومنے کے لیے نکلوں گا۔ آپ یقیناً عدیم الفرصت ہوں گے۔ قطعی ضروری نہیں کہ آپ میرے لیے دوبارہ وقت نکالیں۔''

''نہیں نہیں ابو مسلم!'' السفاح نے کہا۔ ''ہمیں واقعی بہت خوشی ہوئی ہے تم سے مل کر! تحریکِ عباسیہ کے لیے قابلِ احترام ہو تم! قیادت کی ہے تم نے تحریک کی! ایسا بھی کیا کہ ہم تمھارے لیے وقت نہ نکال سکیں۔ جب تک یہاں ہو، ظہرانہ اور عشائیہ ہمارے ساتھ کرو گے۔ کل ظہرانے کے بعد شہر دیکھنے کے لیے نکلنا۔''

''جو آپ کا حکم امیر المومنین!'' ابو مسلم نے کہا۔ ''میں آپ کی شفقت و محبت کا متمنی ہوں۔''

''شفقت و محبت تحریکِ عباسیہ کی قیادت کرنے والے کو ہمیشہ حاصل رہے گی۔''

Marfat.com

''شکریہ امیر المومنین!'' ابومسلم نے کہا۔ ''آخر میں مجھے آپ سے ایک ذاتی درخواست کرنی ہے۔''

''ہاں ہاں، کہو!''

''ایک نوجوان ہے۔ میرے ساتھ ہی آیا ہے۔ شاہ رخ نام ہے اُس کا! وہ خراسان میں ابتدا ہی سے میرا دیوان رہا ہے۔ اُسے فرزندانِ عباس سے دلی عقیدت ہے اور بلا کا فرزانہ ہے۔ اُس کی خواہش ہے کہ آپ کے قریب رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اُسے محل میں کوئی منصب عطا فرمادیں۔''

ابوسلمہ نے اس وقت کچھ عجیب سی نظروں سے ابومسلم کی طرف دیکھا۔

السفاح بولا۔ ''ہاں ہاں، ضرور! کیا منصب دے دیا جائے اُسے؟''

''محل کا داروغہ بنادیں۔ انتظام و انصرام کی بڑی صلاحیت ہے اُس میں لیکن......'' ابومسلم نے ذرا سا رُک کر کہا۔ ''وہ منصب شاید خالی نہ ہوگا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ خالی کروالیا جائے گا۔ تحریکِ عباسیہ کے قائد نے پہلی مرتبہ ہم سے ایک ذاتی درخواست کی ہے۔ ہم کیسے نظر انداز کردیں!''

''اس نوازش کے لیے ہمیشہ ممنون رہوں گا۔''

''اُسے کل کسی وقت ابوسلمہ سے ملوادینا۔ اُس کی تقرری کردی جائے گی۔ کیوں ابوسلمہ؟''

''جی امیر المومنین!'' ابوسلمہ نے جلدی سے کہا۔ ''یقیناً ابومسلم کی درخواست کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔''

''آپ تو اُسے جانتے بھی ہیں ابوسلمہ!'' ابومسلم نے کہا۔ ''میں اُسے نہایت صالح اور نہایت چاق و چوبند نوجوان سمجھتا ہوں۔''

''درست کہہ رہے ہیں آپ ابومسلم! بے شک وہ اس منصب کے لائق ہے۔'' ابوسلمہ نے جواب دیا۔

لیکن اسی روز شام کو ابوسلمہ اپنے ایک کارندے سے بڑے رازدارانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''تم جانتے ہو کہ تم میرے سب سے معتمد آدمی ہو۔ اسی لیے یہ فرض میں

Marfat.com

تمھیں سونپ رہا ہوں۔ اس نوجوان پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ اُسے داروغۂ محل بنوانے میں مجھے ابومسلم کا کوئی خاص مقصد محسوس ہو رہا ہے۔"

کارندے نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہے تو آپ اُس کی تقرری کا پروانہ جاری نہ کریں۔ کوئی بہانہ کر دیں، کوئی جواز تراش لیں۔ امیرالمومنین سے بھی کچھ کہہ دیں۔ ان پر آپ کا خاصا اثر ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔" ابوسلمہ نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں امیرالمومنین کو اس شک میں نہیں ڈالنا چاہتا کہ ابومسلم سے مجھے کوئی پرخاش ہے اور صحیح معنوں میں بات...... پرخاش کی ہے بھی نہیں۔ بس وہ میرے آئندہ کے منصوبے کے لیے ایک مخدوش شخص ہے۔ وہ کسی حد تک عباسیوں سے بدظن ہو چکا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ عباسیوں کے مقابلے پر ہماری تحریک کا ساتھ دے۔"

اسی طرح ظہرانے سے واپس جا کر ابومسلم نے شاہ رخ کو سمجھایا۔ "ابوسلمہ سے ہوشیار رہنا۔ وہ تمھیں میرے مخبر کے علاوہ کچھ نہیں سمجھے گا۔"

"تو وہ میری تقرری ٹال بھی سکتا ہے۔"

"بعض وجوہ سے میرا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔"

"لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس شخص میں ظرف نہیں ہے۔ بڑا منصب ملتے ہی اُس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" شاہ رخ نے ناگواری سے کہا۔ "جیسا کہ ابھی آپ بتا چکے ہیں، آپ نے اپنے صوبے کے معاملے میں امیرالمومنین کو قائل کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ اگر آپ......"

"نہیں شاہ رخ!" ابومسلم نے اُس کی بات کاٹی۔ "کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ابوسلمہ خاصا چھایا ہوا ہے۔ مجھے خراسان میں اس بارے میں اطلاعات مل چکی تھیں۔ اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی اُس کے تیور دیکھ لیے ہیں۔"

"پھر تو یہ صوبے کے معاملات میں آپ کے لیے مشکلات کھڑی کر سکتا ہے!"

ابومسلم نے اس بات پر دھیان نہیں دیا اور بولا۔ "کل میں ذرا سا شہر دیکھنے کے لیے نکلوں گا۔ تم خود ہی جا کر محکمۂ وزارت میں ابوسلمہ سے مل لینا۔"

Marfat.com

''شہر دیکھنے کے لیے میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟''

''نہیں، میں تنہا جاؤں گا۔''

دفعتاً شاہ رخ چونکا۔ اُس کی نظر دروازے کی طرف گئی جو تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ شاہ رخ جلدی سے اُٹھا۔

''وہ میں نے جان بوجھ کر کھلا چھوڑا ہے شاہ رخ!'' ابومسلم بولا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ دروازے سے کان لگا کر ابوسلمہ کا کوئی آدمی ہماری باتیں سنے۔''

''کوئی دیوار سے چپک کر بھی ہماری باتیں سن سکتا ہے۔''

''نہیں، میں اندازہ لگا چکا ہوں۔'' ابومسلم نے کہا۔ ''شمع دانوں کے رخ ایسے ہیں کہ کوئی اس طرف آیا تو اس کا گہرا یا مدھم سایہ دکھائی دے جائے گا۔ میں اس طرف نظر رکھے ہوئے ہوں۔ خیر اب کوئی خاص بات نہیں کرنی ہے۔ بند کر دو۔''

شاہ رخ دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فرش پر کسی کا سایہ دکھائی دیا۔ شاہ رخ تیزی سے آگے بڑھ کر کمرے سے نکلا اور پھر ٹھٹک گیا۔ روشنک بھی اُسے دیکھ کر ٹھٹکی تھی لیکن اُس نے سنبھلنے میں ذرا دیر نہیں کی اور ایک خط شاہ رخ کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''یہ اپنے امیر کو دے دینا۔''

خط شاہ رخ کے ہاتھ میں دے کر وہ بڑی تیزی سے چلی گئی۔ شاہ رخ اُسے حسرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اُسے روشنک سے ایک لفظ بھی کہنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اُس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کمرے میں آ گیا۔

''یہ شاید روشنک کی آواز تھی!'' ابومسلم بولا۔ ''دس بارہ سال میں بھی اُس کی آواز نہیں بدلی۔''

''یہ دے گئی ہے وہ آپ کے لیے!'' شاہ رخ کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

خط لیتے ہوئے ابومسلم نے بڑے غور سے اُس کی طرف دیکھا پھر اُس نے خط کھولا۔ یہ اُس کے نام روشنک کا دوسرا خط تھا اور اس میں مخاطب کیے بغیر بات شروع کر دی گئی تھی۔

''آپ کا خیال درست ہے۔ بدنصیب ابھی زندہ ہے۔''

پہلے فقرے کا مطلب یہ تھا کہ ابوسلمہ کے جانے کے بعد ابومسلم اور شاہ رخ نے

Marfat.com

جو باتیں کیں تھیں، وہ روشنک نے سن لی تھیں۔

خط میں تفصیل سے لکھا گیا تھا کہ دمشق کے قصرِ خلافت سے فرار کے بعد اُس پر کیا گزرتی رہی اور پھر وہ ابوالعباس السفاح کے محل میں کس طرح پہنچی تھی۔ اُس نے خط میں یہ بھی بتایا تھا کہ السفاح سے اُس نے مراعات کس طرح حاصل کی تھیں اور اب محل میں اُس کا منصب کیا تھا۔ اُس نے السفاح سے اجازت لے کر عسکری تربیت بھی حاصل کرنی شرع کر دی تھی اور اس کا جواز یہ دیا تھا کہ مستقبل میں ضرورت پڑنے پر وہ لشکرِ عباسیہ کے لیے اپنی خدمات پیش کرے گی لیکن دراصل اُس کے ذہن میں کچھ اور تھا۔ آخر میں اُس نے یہ ''انکشافات'' کیے تھے کہ متعصب اراکینِ دربار بڑے مناصب سے ایرانیوں کو ہٹانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ اُس نے سلیمان ابنِ کثیر اور السفاح کی ان باتوں کا ذکر بڑے پُرتشویش الفاظ میں کیا تھا جو ابومسلم کے بارے میں کی گئی تھیں۔

ابومسلم کے لیے اس خط میں کوئی خاص بات تھی تو صرف یہ کہ روشنک نے اپنے جذبات کے حوالے سے کوئی ہلکا پھلکا فقرہ بھی نہیں لکھا تھا۔

''لو، تم بھی پڑھ لو۔'' ابومسلم نے خط شاہ رخ کی طرف بڑھا دیا۔

شاہ رخ نے خط پڑھا اور پھر حیرت سے بولا۔ ''ابنِ کثیر بھی آپ کا مخالف ہو گیا؟''

''کب نہیں تھا۔'' ابومسلم نے جواب دیا۔ ''میں نے خراسان میں جب اپنا پہلا دن گزارا تھا، تبھی اس شخص کا مزاج اور فطرت میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ اُس نے ابتدا ہی سے مجھے تسلیم نہیں کیا۔''

''مگر کیوں؟ آپ سے اس کی کیا دشمنی؟''

''کوئی نہیں۔ اِسے تم للّٰہی بغض کہہ سکتے ہو۔ اب تم جا کے اپنے کمرے میں آرام کرو۔ دروازہ بند کرتے جانا۔''

شاہ رخ کچھ سوچتا ہوا چلا گیا۔

عشائیہ اور پھر دوسرے دن دوپہر کو ظہرانہ ابومسلم نے خلیفہ السفاح کے ساتھ کیا۔

شاہ رخ کو ابوسلمہ سے تقرری کا پروانہ ظہرانے سے پہلے ہی مل چکا تھا۔

دوپہر سے شام تک ابومسلم شہر میں کہاں کہاں گھوما، اس کا علم شاہ رخ کو نہیں

Marfat.com

ہوسکا۔ ابومسلم نے اُسے بتایا بھی نہیں۔

اگلی صبح وہ اپنے لشکر کے ساتھ خراسان روانہ ہوگیا اور اسی روز دوپہر کو ایک خبر سے ہلچل مچ گئی۔

سلیمان ابنِ کثیر کو اُس کے گھر میں قتل کردیا گیا تھا۔ وہ دو آدمی تھے جو ابنِ کثیر کو قتل کرنے کے بعد فرار ہونے میں کام یاب ہوگئے تھے۔

ایک برق رفتار گھڑسوار نے یہ خبر ابومسلم کو اس وقت دی جب وہ خراسان سے صرف ایک منزل کے فاصلے پر تھا۔

خبر سن کر ابومسلم کے ہونٹوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ اُبھری۔ جو لوگ اس وقت اُس کے قریب تھے، وہ اتنے حیران ہوئے جیسے انھوں نے سورج کو مغرب سے طلوع ہوتے ہوئے دیکھا ہو۔ انھوں نے ابومسلم خراسانی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

خراسان پہنچ کر ابومسلم نے شاہ رخ کی جگہ ابوجہم کو اپنا نائب مقرر کیا۔ وہ بھی ایک ایرانی تھا۔

اس دور سے پہلے ایرانیوں میں کنیت کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ اُمویوں کے زمانے سے انھوں نے اس عرب روایت کو غالباً اس لیے اپنایا تھا کہ خود کو عربوں میں مدغم کرسکیں۔ بعد میں یہ استحقاق دورِ عباسیہ کی سیاست کا ایک جزو بن گیا۔

☆☆☆

اپنے بڑے بھائی ابوجعفر کو خلیفہ السفاح نے بڑی عجلت میں انبار طلب کیا۔ ابوجعفر خلافتِ عباسیہ کے آغاز ہی سے آذربائیجان، بین النہرین اور آرمینیا کا عامل تھا۔

"ہمیں بڑی حد تک یقین ہے کہ ابنِ کثیر کو ابومسلم نے قتل کروایا ہے۔ جن دو گواہوں کے بیان کے مطابق انھوں نے قاتلوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا اور انھیں پہچان لیا تھا۔ وہ انبار میں موجود اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنھیں ابومسلم کا گرویدہ سمجھا جاتا ہے۔"

گواہوں نے یہ بیان بھی دیا تھا کہ قاتلوں کا تعلق اس تحریک سے تھا جو اب بھی خفیہ طور پر کام کررہی تھی اور عباسیوں کا اقتدار انھیں قبول نہیں تھا۔ وہ لوگ عقائد کے اعتبار سے اُمویوں کے پیروکار بھی نہیں تھے۔

Marfat.com

''ہمیں ان گواہوں کی کسی بات پر بھی یقین نہیں ہے۔'' السفاح نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم اپنے یقین کا دوسرا سبب بھی تمھیں بتا دیتے ہیں۔ جب ابومسلم یہاں آیا تھا تو دوسرے روز شہر گھومنے کے لیے اکیلا ہی محل سے نکل گیا تھا۔ ہم نے ظہرانے پر اُسے تجویز دی تھی کہ وہ اگر ہمارے سپاہیوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تو چھاؤنی سے اپنے لشکر کے محافظ دستے کو بلا لے لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ اُسے کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور انبار میں شاید دو ایک افراد ایسے ہوں جو اُسے جانتے ہوں۔ بہرحال جب یہ محل سے گیا تھا تو اُس کی نگرانی کی گئی تھی۔ نگرانی کرنے والے ابوسلمہ کے خاص آدمی تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک موقع پر ابومسلم انھیں جل دے کر غائب ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اُسے اپنی نگرانی کا احساس ہو گیا تھا۔ اُسے غائب ہونے کی ضرورت صرف اسی لیے پیش آسکتی ہے کہ اُس نے خفیہ طور پر کچھ لوگوں سے ملاقات کی اور انھیں کسی طرح ابنِ کثیر کے قتل پر آمادہ کیا۔''

''ابنِ کثیر کا قتل!'' ابوجعفر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''کوئی جواز بھی تو ہونا چاہیے اُس کا!''

''جواز تو بہت اہم ہے۔ ابنِ کثیر نے ہمیں بتایا تھا اور اس کا ثبوت فراہم کیا تھا کہ ابومسلم خراسانی نے ہمارا اقتدار ختم کرنے کے لیے کچھ ائمہ سے رابطہ کیا تھا مگر اُن لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔''

''ابنِ کثیر نے اس کا راز فاش کیا! اس کا علم اُسے کیسے ہو گیا؟ کیا ایسا تو نہیں کہ محل میں اُس کا کوئی جاسوس موجود ہو؟''

''اب اس امکان پر غور کرنا پڑے گا۔''

''اور آپ نے اسی کے ایک آدمی کو محل کا داروغہ بنا دیا ہے!''

''فی الحال اُسے مطمئن رکھنا ہم ضروری سمجھ رہے ہیں۔ وہ ہمارا سب سے زیادہ طاقت ور حریف ثابت ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے کچھ اور لوگوں کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ ہم نے اسی بارے میں مشورہ کرنے کے لیے تمھیں بلایا ہے۔''

''پہلے آپ کسے دولتِ عباسیہ کی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔''

Marfat.com

''ابوسلمہ کو!''

ابوجعفر بالکل نہیں چونکا۔ اُس نے کہا۔ ''مجھے بھی دو ایک دن پہلے ہی اس کے بارے میں کچھ باتوں کا علم ہوا ہے۔ بنوعباس کے اقتدار میں آنے سے پہلے ہی وہ یکایک بدل گیا تھا۔ اس کے رابطے ہمارے کچھ مخالفین سے ہوگئے تھے۔ وہ بنوعباس کے بجائے ان لوگوں کو اقتدار میں دیکھنا چاہتا تھا۔''

''ہاں ابوجعفر!'' خلیفہ السفاح نے کہا۔ ''ہمیں بھی ان باتوں کا علم کچھ تاخیر سے ہوا۔ جب کوفہ فتح ہوا تھا تو اُس نے ہمیں بیعت لینے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا سبب ہم اب سمجھے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے دیگر وفاداروں کے کہنے پر فوراً ہی اقتدار اپنے ہاتھ میں نہ لیا ہوتا تو ابوسلمہ کے دوسرے سرپرست کچھ تیاریاں کر چکے تھے۔ کچھ کسر شاید رہ گئی تھی جس کے لیے انھیں دو چار دن کی مہلت درکار تھی۔ انھیں مہلت دلوانے کے لیے ابوسلمہ نے ہمیں بیعت لینے سے روکنا چاہا تھا۔''

''بنیادی غلطی آپ ہی نے کی ہے۔'' ابوجعفر نے بڑے بھائی کی حیثیت سے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ ''آپ نے بیشتر بڑے منصب ایرانیوں کو سونپ دیے تھے۔''

''اس وقت حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے یہ اقدام ضروری تھا۔'' السفاح نے کہا۔ ''ہماری تحریک کی کام یابی کا انحصار بڑی حد تک ایرانیوں ہی پر تھا۔''

''ابوسلمہ بھی ایرانی ہے، ہمدان کا رہنے والا ہے۔'' ابوجعفر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''وہ ابومسلم کا مخالف کیسے ہوگیا؟ خراسان کے صوبے کی امداد بھی اُسی نے روکی تھی۔''

''ہاں۔'' السفاح نے جواب دیا۔ ''اس کا جواز اُس نے یہ پیش کیا تھا کہ اس طرح ابومسلم خود کو اور زیادہ مستحکم کر لے گا۔ دراصل ابوسلمہ چاہتا ہے کہ ہم اُس پر زیادہ سے زیادہ اعتماد کرنے لگیں۔ ہم بھی اُسے یہ باور کراتے رہے ہیں کہ وہ ہمارا نہایت معتمد آدمی ہے۔ اسی لیے یہ تاثر بھی بڑھا ہے کہ ہم پر اُس کا بہت اثر ہے۔''

''میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ اب آپ چاہتے کیا ہیں! آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے!''

''ابومسلم اب اس حد تک پَر پُرزے نکالنے لگا ہے کہ اس نے ہمارے مشیرِ خاص

Marfat.com

کو قتل کروادیا۔ اب ضروری ہوگیا ہے کہ اس فتنے کا سر جلد از جلد کچلا جائے لیکن ہم وہی بات دہرائیں گے کہ اس بڑے فتنے سے پہلے چھوٹے فتنوں کا سر کچلا جائے۔ ان فتنوں میں سرِ فہرست ابوسلمہ ہے۔ ہم اسی بارے میں تمھارا مشورہ چاہتے ہیں۔ ہمیں اب اپنی مجلس مشاورت پر بھی اعتماد نہیں رہا۔ ان میں سے نہ جانے کس کس کو ابوسلمہ نے اپنے ساتھ ملالیا ہوگا۔''

ابوجعفر نے پوچھا۔''ابوسلمہ کو برطرف کرنے میں کیا مضائقہ ہے، کیا رکاوٹ ہے؟''

''ہمارے اس اقدام سے ابومسلم چوکنا ہوسکتا ہے۔ شاید وہ سوچے کہ اب ہم اس کی طرف توجہ دیں گے۔ ابوسلمہ کو برطرف کرنے میں بس یہی ہچکچاہٹ ہے۔''

ابوجعفر کچھ سوچتا رہا پھر بڑی عیاری سے مسکرایا اور بولا۔''تو پھر اب یہ سارا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے!''

''تم کیا کرو گے ابوجعفر؟''

ابوجعفر اُسے اپنے اس منصوبے سے آگاہ کرنے لگا جو اس نے چند لمحوں میں سوچ لیا تھا۔

ان کی یہ گفت گو روشنک نہیں سُن سکی۔ خلیفہ السفاح نے اس گفت گو کے لیے ابوجعفر کو اپنی خواب گاہ میں بلالیا تھا اور اس دوران میں اس کی خواب گاہ پر سخت پہرا تھا۔

روشنک اسی وقت بے چین ہوگئی تھی جب اُسے علم ہوا تھا کہ خلیفہ السفاح نے ابوجعفر کو بلایا ہے۔

وہ اس وقت چونکی جب اس نے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی پھر وہ بوکھلا کر بستر سے اُٹھ بھی گئی کیوں کہ اس کے کمرے میں داخل ہونے والا شاہ رخ تھا۔

شاہ رخ جلدی سے دروازہ بند کرکے روشنک کی طرف آیا اور دھیمی آواز میں بولا۔

''یہ بہت اچھا ہوا کہ مجھے تمھارے کمرے کا دروازہ کھلا مل گیا۔''

''ابھی ایک کنیز گئی ہے میرے پاس سے۔ میں اب اُٹھ کر دروازہ بند کرنے ہی والی تھی۔ تمھیں میرے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا شاہ رخ!''

''میں نے بڑی احتیاط برتی ہے۔ میں محل کا داروغہ بن چکا ہوں لیکن مجھ پر کڑی

Marfat.com

نظر رکھی جارہی ہے، اس سے میں خوب واقف ہوں۔ مجھ پر نظر رکھنے والے سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اس وقت اپنی خواب گاہ میں ہوں اور اگر انھیں میری تلاش ہوئی بھی تو وہ کم از کم تمھاری خواب گاہ کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ سب جانتے ہیں کہ خلیفہ تم پر بہت مہربان ہو چکا ہے۔"

"تمھیں اس وقت یہاں آنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ابومسلم نے تمھیں یہاں کا داروغہ کیوں بنوایا ہے، یہ میں جانتی ہوں، لیکن اگر مجھے کوئی اہم بات معلوم ہوئی تو میں خود کسی طرح تم سے رابطہ کرلوں گی۔"

"روشنک! امیر نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت تمھارے لیے ایک زبانی پیغام دیا تھا۔ وہی پیغام میں تم تک پہنچانے آیا ہوں۔"

"ابومسلم کا پیغام!" روشنک کھل اُٹھی۔ "میرے لیے اُن کا پیغام؟"

"ہاں۔"

"کیا پیغام ہے شاہ رخ؟" روشنک نے بے چینی سے پوچھا۔

"انھوں نے کہا تھا۔" شاہ رخ نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ "انسان کو اپنے جذبات کے ہاتھوں کھلونا نہیں بننا چاہیے۔ تمھاری خواہش...... تمھارے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوں گے۔"

روشنک کے چہرے کی چمک ماند پڑ گئی۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں تو اب اس خواب کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ چکی ہوں شاہ رخ! وہ سب کچھ تو میں نے بھلادیا ہے۔"

"اس خاک میں کچھ چنگاریاں اب بھی موجود ہیں ورنہ امیر کے پیغام کی بات سن کر تم یوں بے قرار نہ ہوتیں۔"

"یہ ردِعمل غیر ارادی تھا۔"

"ردِعمل غیر ارادی ہی ہوتا ہے روشنک اور بے سبب نہیں ہوتا۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔"

"اپنی زندگی کو ویرانیوں کی طرف مت دھکیلو!" شاہ رخ نے کہا۔ "یہ الفاظ امیر ہی کے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم نے اپنی زندگی کے لیے کوئی ساتھی

Marfat.com

چن لیا تو انھیں خوشی ہوگی۔''

روشنک افسردگی سے مسکرائی ''اگر...... اگر کہا تھا نا انھوں نے؟''

''ہاں۔''

''تو یقین کرلو شاہ رخ! میں تم سے بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ اگر میں نے کبھی ضروری سمجھا اور اپنی زندگی کے لیے کوئی ساتھی چنا تو وہ تم ہی ہوگے۔''

لفظ ''اگر'' کی شمولیت نے اس جواب کو شاہ رخ کے لیے خوش کن نہیں بننے دیا۔ اس کے ہونٹوں پر آنے والی مسکراہٹ میں اضمحلال تھا۔

روشنک بولی۔ ''یہی سننے کے خواہش مند تھے نا تم؟''

شاہ رخ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''یہ انتظار کتنا طویل ہوسکتا ہے؟''

''یقین کرو کہ یہ میں بھی نہیں جانتی۔''

شاہ رخ کے چہرے پر پھیل جانے والی افسردگی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

☆☆☆

ابو جعفر منزلوں پر منزلیں سر کرتا ہوا خراسان پہنچ گیا۔ اُس نے اطلاع ابو مسلم کو بھجوادی تھی، اس لیے ابو مسلم نے صوبے کے پایہ تخت ''مرو'' کے دروازے پر اس کا استقبال کیا۔ ایک صوبے کے عامل کی حیثیت سے ابو جعفر اُس کا ہم مرتبہ تھا لیکن خلیفۂ وقت کے بڑے بھائی کی حیثیت سے اس کا احترام ابو مسلم پر لازم تھا، خواہ وہ احترام بادلِ نخواستہ ہو۔

ابو مسلم خراسانی اُسے اپنے محل میں لے گیا۔ ابو جعفر نے کچھ رسمی باتیں کیں اور پھر اپنی آمد کے اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

''تمھیں کچھ اندازہ ہے ابو مسلم کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟''

''مجھے بالکل اندازہ نہیں۔'' ابو مسلم نے سچائی سے جواب دیا لیکن اُسے یہ یقین ضرور تھا کہ بات غیر اہم نہیں ہوسکتی ورنہ خلیفۂ وقت کا بھائی خود اُس کے پاس نہ آتا۔

ابو جعفر نے کہا۔ ''میں تم سے ابو سلمہ کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔''

''اوہ!'' ابو مسلم اس کا منہ دیکھنے لگا۔

Marfat.com

''وہ کیسا آدمی ہے؟'' ابوجعفر نے پوچھا۔

''اچھا ہی ہوگا۔'' ابومسلم نے سرسری لہجے میں جواب دیا۔ ''ورنہ امیرالمومنین اُسے وزارت کے منصب پر فائز نہیں کرتے۔''

''امیرالمومنین سے سہو ہوا تھا۔'' ابوجعفر نے کہا۔ ''ابوسلمہ شیطان ہے۔ وہ بنو عباس کا اقتدار اپنے سرپرستوں کے قدموں میں ڈال دینا چاہتا ہے۔''

''اس کے سرپرست کون ہیں؟'' ابومسلم نے حیرت سے پوچھا۔

جواب میں ابوجعفر نے ایک خاص عقیدے کے پیروکاروں کا نام لیا۔ ابومسلم اس سے بے خبر نہیں تھا لیکن اس نے حیرت کا اظہار کیا اور بولا۔ ''ان قابلِ نفرت لوگوں سے مل گیا ہے وہ؟''

''ہاں۔'' ابوجعفر نے کہا۔ ''اور تمھیں اپنے لیے ایک خطرہ سمجھتا ہے۔ اُسے اندازہ ہے کہ جب بھی تصادم کی نوبت آئی، تم بنوعباس کے شانہ بہ شانہ ہوگے۔ اسی لیے اُس کے دل میں تمھارے لیے بغض ہے۔ اُس نے صوبۂ خراسان کی امداد اسی لیے روکی تھی کہ تم یہاں کے عامل ہو۔''

ابومسلم نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ اس کا چہرہ تاثرات سے آشنا کبھی بھی نہیں ہوا تھا لیکن بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

ابوجعفر ہی کو پھر بولنا پڑا۔ ''اب بتاؤ! امیرالمومنین کو کیا کرنا چاہیے؟''

ابومسلم نے حیرت سے کہا۔ ''ایک صوبے کا عامل امیرالمومنین کو مشورہ دے؟''

''یہ خود امیرالمومنین کی خواہش ہے۔ اس وقت تم مجھے ان کا قاصد سمجھو! تم ابوسلمہ کے ہم وطن ہو!''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیا ایران کی سرزمین نے کبھی کوئی بے ضمیر پیدا نہیں کیا۔''

''تم امیرالمومنین کو بہت عزیز ہو۔''

''خوب جانتا ہوں۔'' ابومسلم کا لہجہ سپاٹ ہی رہا۔

ابوجعفر بولا۔ ''امیرالمومنین نہیں چاہتے کہ اُس کی برطرفی سے تمھارے دل

Marfat.com

میں کوئی میل آئے۔"

"صرف برطرفی؟" ابومسلم کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا مطلب؟"

"سازشی دماغ رکھنے والے اس سانپ کی طرح ہوتے ہیں جو چوٹ کھانے کے بعد اور مشتعل ہو کر ڈس لیتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ابومسلم؟"

"امیر المومنین کو سمجھ لینا چاہیے کہ ابوسلمہ اب اس زمین پر بوجھ بن چکا ہے۔"

ابوجعفر کے چہرے سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اُس نے اطمینان کی سانس لی تھی، لیکن دوسری طرف ابومسلم بھی سمجھ چکا تھا کہ ابوسلمہ کے معاملے میں خلیفۂ وقت نے اُسے اعتماد میں لینا کیوں ضروری سمجھا تھا۔

"میں تمھاری بات سمجھ گیا۔" ابوجعفر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اُسے راستے سے کس طرح ہٹایا جائے۔ وزارت کے منصب پر اتنا عرصہ گزار کر اُس نے اپنی اہمیت خاصی بڑھا لی ہے۔ اپنے طرف داروں میں خاصا اضافہ کر لیا ہے۔ اندیشہ ہے اگر راز کھل گیا تو لوگ بھڑک جائیں گے۔"

"کام سلیقے سے کیا جائے تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

"تم کوئی مشورہ دو!"

"ابنِ کثیر کو کس نے قتل کیا؟"

اِس سوال نے ابوجعفر کو نہ صرف چونکایا بلکہ مضطرب بھی کر دیا۔

ابومسلم نے سکون سے کہا۔ "اس کے قتل میں جن لوگوں کا نام لیا جا رہا ہے، ابوسلمہ کا قتل بھی انھی کے سر تھوپ دو۔ اس بات کو شہرت بھی دی جائے کہ وہ لوگ اب بنوعباس کی اہم شخصیات کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ان کے خلاف اگر کوئی کارروائی کی جائے تو لوگ مطمئن ہو جائیں گے۔"

ابوجعفر کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ "تم بہت ذہین ہو ابومسلم!"

اور اس طرح ابومسلم کی راہ کا دوسرا کانٹا بھی نکل گیا۔ ابوسلمہ کا قتل ایک ایسے

Marfat.com

شخص نے کیا جو اُجرت پر سب کچھ کر گزرنے پر ہمیشہ آمادہ رہتا تھا۔ بنو امیہ کے خلفیہ ہشام بن عبدالملک کے دور سے اس وقت تک وہ قاضی القضاۃ کے حکم پر دو مرتبہ طویل سزائیں بھگت چکا تھا لیکن اس مرتبہ اُسے بہت زیادہ اُجرت دینے کے ساتھ یہ کیا گیا تھا کہ وہ سلطنت کی حدود سے نکل کر کہیں دور چلا جائے۔

ابوسلمہ کے بعد وزارت کا منصب خالد برمکی جیسے ذہین شخص کو ملنا چاہیے تھا لیکن اُسے نظر انداز کیا گیا کیوں کہ وہ ایرانی تھا۔ بس اس حد تک اعزاز حاصل ہوا کہ...... خلیفہ نے اُسے اپنے عملۂ خاص میں شامل کر لیا۔

بڑے مناصب پر فائز ایرانیوں کے خلاف خلیفہ السفاح کی مہم جس حد تک ضروری سمجھا گیا، جاری رکھی گئی اور پھر وہ وقت آ گیا جب السفاح اور ابوجعفر متفق ہو گئے کہ اب آخری اہم کانٹا بھی نکال دیا جائے۔

آخری کانٹا!......ابومسلم خراسانی!

"یہ کام خراسان میں نہیں ہو سکے گا۔" ابوجعفر نے کہا۔ "لیکن اب اس کا خاتمہ بہت ضروری ہے۔ اُس کی سرکشی بہت بڑھ چکی ہے۔ اس ایک شخص کی سرکشی کو سارے خراسان کی سرکشی سمجھیے امیرالمومنین! اُس نے خود کو زندگی بھر کے لیے خراسان کا حکم راں سمجھ لیا ہے۔ وہ اس زعم میں بھی ہے کہ اُس نے جس طرح دولتِ بنواُمیہ کا چراغ گل کیا ہے، اسی طرح کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اُس نے خراسان میں بے پناہ اسلحہ جمع کر لیا ہے۔ وہاں مردانِ جنگ آزما کا بھی ہجوم ہے۔ وہ لشکر بھی وہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں جنھوں نے بنواُمیہ کے خلاف ہر محاذ پر کام یابی حاصل کی تھی۔"

"تو پھر؟"

"ضروری ہے کہ اُسے خراسان سے باہر لایا جائے۔"

ابوجعفر نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ بہت عرصے سے ابومسلم نے خراسان کی حدود سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ زیادہ سے زیادہ احتیاط اس کی زندگی کا لازمی حصّہ بن چکی تھی۔

"اس کی سرکشی واقعی بہت بڑھ چکی ہے۔" السفاح نے متفکر لہجے میں کہا۔ "کچھ ہی دن پہلے ہم نے اُسے پیغام بھیجا تھا کہ وہ دربار میں حاضر ہو لیکن وہ نہیں آیا۔ اگر ہم

Marfat.com

نے سختی سے کوئی حکم صادر کیا تو ڈر ہے کہ وہ کھل کر اعلانِ بغاوت کر دے گا۔"

"اسی لیے عرض کر رہا ہوں کہ اُسے کسی طرح خراسان سے باہر نکلنے پر مجبور کیا جائے۔"

"مگر کیسے ابوجعفر؟ کیسے؟" السفاح شدید مضطرب تھا۔

"میں اس بارے میں سوچتا ہوں۔ کل تک آپ کو ضرور کوئی تدبیر بتاؤں گا۔"

"ہم بے چینی سے منتظر رہیں گے۔"

السفاح نے اس دن کا باقی حصہ اور رات بے چینی سے گزاری۔ مشتعل تو وہ اس دن سے تھا جب ابومسلم نے خلیفۂ وقت کے اس پیغام کو نظر انداز کیا تھا کہ دربار میں حاضر ہو۔

دوسری صبح السفاح محل کے باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ ابوجعفر وہاں پہنچ گیا۔

"کیا رات بھر جاگتے رہے ہو؟" السفاح نے ابوجعفر کی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر کہا۔ پھر یکایک پُرجوش ہو گیا۔ "تو پھر ضرور تم نے کوئی تدبیر سوچ لی ہو گی۔"

"بے شک امیر المومنین!" ابوجعفر مسکرایا۔ "اور مجھے خوشی ہے کہ آج یہ گفت گو ہم کھلی فضا میں کر رہے ہیں۔ محل کی دیواروں کے کانوں نے تو کئی باتیں ابومسلم تک پہنچائی ہیں۔"

"اچھا کہا تم نے ابوجعفر!" السفاح خوش ہو کر بولا۔ "رازدارانہ گفت گو کے لیے بے شک کھلی فضا بہتر ہوتی ہے۔"

لیکن اس وقت وہ کھلی فضا ان دونوں کے لیے بہتر نہیں تھی۔ ایک کنج میں روشنک پھول توڑنے کے لیے بیٹھی تھی تو خلیفہ السفاح چہل قدمی کرتا ہوا اس طرف آ گیا تھا اور روشنک نے دم سادھ لیا تھا پھر اس نے خلیفہ اور ابوجعفر کی باتیں سنیں تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

"امیر المومنین!" ابوجعفر کہہ رہا تھا۔ "قیاس تو یہی ہے کہ ابومسلم نے اپنے کچھ مخبر ہمارے اردگرد پھیلا دیے ہیں۔ مجھے اسی قیاس نے بے چین کیا تھا۔ ابوسلمہ کے قتل کے بعد میں نے کوششیں شروع کیں کہ ابومسلم کے اردگرد بھی ہمارے کچھ مخبر پہنچ جائیں، سو میں یہ مقصد حاصل کرنے میں کام یاب ہو چکا ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ ابومسلم گزشتہ دو سال سے حج کرنے کا شدید خواہش مند ہے لیکن وہ خراسان سے نہیں نکلنا چاہتا۔ وہاں سے نکلنے کے لیے کسی طرح اُسے اُکسانا پڑے گا۔ میں نے اس کی تدبیر

Marfat.com

بھی سوچ لی ہے۔ میں اُسے ایک خط لکھوں گا کہ اس سال میں حج کا ارادہ کر رہا ہوں اور میری خواہش ہے کہ وہ بھی میرے ساتھ ہو۔''

''کیا وہ مان جائے گا؟''

''خط ایک خاص ڈھنگ سے لکھنا پڑے گا۔''

''بالفرض......'' السفاح نے کہا۔''وہ خراسان سے نکل آتا ہے تو اس کے بعد؟''

ابوجعفر مسکرایا۔''ابوسلمہ کے قتل کے وقت اسی نے یہ خیال میرے دماغ میں ڈالا تھا کہ اس قسم کے کام اُجرت دے کر بھی کرائے جاسکتے ہیں۔''

''تو پھر؟'' السفاح کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

''دو حبشی میری نظر میں ہیں۔ اُن سے یہ کام کروایا جاسکتا ہے۔''

''کیسے؟''

''طوافِ کعبہ کے وقت وہاں ہر رنگ و نسل کے لوگوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے۔ طواف کے دوران میں وہ حبشی ابومسلم کے دائیں بائیں پہلو میں زہریلی سوئیاں اُتار دیں گے۔ ہجوم میں غائب ہو جانا ان کے لیے مشکل نہیں ہوگا۔''

یہ سن کر کنج میں چھپی روشنک کا دل بڑی زور سے اُچھلا۔

☆☆☆

کچھ عرصے بعد ابوجہم نے ابومسلم خراسانی کو ایک خط دیا اور بولا۔''ابوجعفر کا خط ہے امیر!''

ابومسلم نے ابوجہم سے کچھ کہے بغیر خط کھولا۔ اُسے پہلی ہی سطر بڑی عجیب سی لگی۔ لکھا تھا۔

''میرے بھائی، ابومسلم!''

پہلے کبھی بنوعباس کے کسی بھی شخص نے اُسے ''میرے بھائی'' کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا۔ بعد از سلام لکھا تھا۔

''یوں تو بنوعباس کا کوئی فرد بھی اپنی خلافت کے قیام کے سلسلے میں تمھاری اعلیٰ خدمات کو فراموش نہیں کرسکتا لیکن میرے دل میں تمھاری قدر و منزلت اس دن سے

Marfat.com

دوچند ہوئی ہے جب تمھارے مشورے کے مطابق ایک کانٹا خلافتِ عباسیہ کی راہ سے ہٹا تھا۔ اگرچہ اس کے بعد تم سے میری ملاقات نہیں ہو سکی لیکن میں تمھیں بھولا نہیں ہوں۔ اس سال میں نے حج کی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو معاً مجھے خیال آیا کہ اگر تم بھی میرے ساتھ ہو تو کتنا اچھا ہو۔ وہاں سلطنت کے دور دراز گوشوں سے لوگ آئیں گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی جب وہ تحریکِ عباسیہ کے مجاہدِ اعظم کو میرے ساتھ دیکھنے کا شرف حاصل کریں گے۔ کون بد نصیب ہوگا جو تمھارے نام سے واقف نہ ہوگا لیکن تمھارے چہرے سے آشنا ہونے کی سعادت انھیں اس موقع پر حاصل ہوگی۔ وہ تمھی تو ہو جس نے خلافتِ بنو اُمیہ کا نام و نشان اجاڑ دیا اور خلافتِ عباسیہ کی بنیاد رکھی۔ کوئی بھی مورخ جب سلطنتِ عباسیہ کی تاریخ لکھے گا تو اس میں سب سے زیادہ جگمگاتا ہوا نام تمھارا ہی ہوگا۔ تو کیوں نہ اس نام کے حامل چہرے کو بھی بہت سے لوگ دیکھیں اور بڑے فخر سے اپنی اولادوں کو بتائیں کہ انھوں نے ابو مسلم خراسانی کو قریب سے دیکھا تھا۔ کیا میں اُمید کروں کہ تم آؤ گے؟ میں مدائن میں تمھارا بے چینی سے انتظار کروں گا۔‘‘

آخر میں ’’تمھارا بھائی، ابو جعفر‘‘ بھی لکھا تھا۔

خط کے الفاظ ایسے تھے جو کسی کو بھی بہت زیادہ خوش کر سکتے تھے لیکن ابو مسلم کو اس خط کا ہر لفظ زہر میں ڈوبا ہوا نظر آیا کیوں کہ وہ اپنے خلاف تیار کیے جانے والے منصوبے سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اُس کی خبر روشنک نے شاہ رخ کو دی تھی اور شاہ رخ نے ایک مختصر خط محل کے ایک پہرے دار کے حوالے کیا تھا جو نہ صرف خود بلکہ اس کا ایک بھائی بھی ابو مسلم کے ایک معتمد ایرانی امیر کے غلاموں میں سے تھا۔

پہرے دار نے وہ خط اپنے بھائی کو دیا تھا۔ بھائی نے وہ خط خراسان پہنچ کر اپنے آقا کے حوالے کیا تھا، اس طرح وہ خط ابو مسلم کو مل گیا تھا۔

’’ابو جہم!‘‘ ابو مسلم نے خط پڑھ کر کہا۔ ’’ہم حج کرنے ضرور جائیں گے۔‘‘

ابو جہم حیرت سے بولا۔ ’’آپ کو سازش کی اطلاع مل چکی ہے امیر!‘‘

’’اور ہم نے جبھی سوچ لیا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائیں گے۔‘‘ ابو مسلم نے کہا۔ ’’ہمارا محافظ دستہ ایک مرتبہ ہمارے ساتھ انبار جا چکا ہے۔ اس دستے کے

Marfat.com

سپاہیوں کو پہچان لیا جائے گا۔ ہمارے لیے کچھ نئے محافظوں کا انتخاب کرو جنھیں وہاں کوئی نہ پہچان سکے۔ وہ ہم سے پہلے حج کرنے پہنچ جائیں اور ظاہر کریں کہ وہ سلطنت کے مختلف حصوں سے آئے ہیں۔ ایک دوسرے سے ان کا تعلق کسی پر ظاہر نہ ہو۔ طواف کے دوران وہ ہمارے قریب رہیں۔ ہمارے آس پاس جتنے بھی لوگ ہوں، ان میں سے ہر شخص کے ساتھ ہمارا ایک محافظ لگا رہے۔ خصوصاً ان لوگوں پر نظر رکھی جائے جو حبش سے آئے ہوں یا اُن کا حبش سے تعلق ہو۔ جب مامور کیے ہوئے خونی ہمیں ہلاک کرنا چاہیں تو انھیں نہ صرف پکڑا جائے بلکہ اُن کا اغوا بھی ضروری ہے۔ تشدد سے یا کسی طرح بھی اُن کی زبان سے اعتراف کرانا ہوگا کہ انھیں ہمیں ہلاک کرنے پر کس نے مامور کیا تھا۔ اس طرح جب ابوجعفر کا نام سامنے آجائے گا تو ہمیں اعلانِ بغاوت کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ ہمیں اب تک اس کے لیے کوئی جواز نہیں ملا ہے۔ یہ اوچھی سازش ہمارا راستہ ہموار کر دے گی۔ وہ ہمیں ختم کرنے کے لیے کوئی ایسی اوچھی سازش ہی کر سکتے ہیں۔ ہم کو خلیفہ کے حکم سے تو قتل کرنے کی ہمت اُن لوگوں میں ہے نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس صورت میں سارا خراسان اُن پر اُمڈ پڑے گا۔“

ابومسلم کے اس اندازِ گویائی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ گزرے ہوئے وقت نے اُس میں طنطنہ پیدا کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے لیے ”میں“ کے بجائے ”ہم“ کا لفظ استعمال کرنے لگا تھا۔

”جواز تو آپ نے خوب سوچا ہے امیر!“ ابوجہم نے کہا۔ ”تو کیا یہاں بغاوت کی تیاری مکمل کر لی جائے؟“

”ہاں۔ بالکل۔“

”مدائن جاتے ہوئے آپ کے ساتھ کون ہوگا؟“

’ہمارا وہی پرانا محافظ دستہ ہمارے ساتھ رہے گا۔“

”مناسب!“

پھر چند دن بعد ابومسلم خراسان سے روانہ ہو گیا۔ محافظ دستے کے علاوہ اُس کے ساتھ ایک ہزار سپاہ بھی تھی۔ مدائن تک سفر وہ کروفر سے کرنا چاہتا تھا۔

مدائن پہنچنے سے پہلے اُس نے ایک خط بھی لکھ دیا تھا‘ اس لیے ابوجعفر نے اُس کا

Marfat.com

پُرتپاک استقبال کیا۔ ابو مسلم نے وہ سفر اس طرح کیا تھا کہ حج کے دن قریب آچکے ہوں اور اُسے مدائن میں رکنا پڑے۔ ابو جعفر بھی تیاریاں مکمل کر چکا تھا لہٰذا فوراً وہ دونوں مدائن سے روانہ ہو گئے۔

وقت قریب آتا جا رہا تھا اور ابو جعفر کے اعصاب تناؤ کا شکار ہوتے چلے جا رہے تھے جس کا اظہار کبھی کبھی اُس کے چہرے سے بھی ہو جاتا تھا لیکن ابو مسلم کے اعصاب میں کوئی تناؤ نہ آیا۔ اس کا چہرہ تو سپاٹ رہتا تھا۔

حج کے دنوں میں آئے ہوئے دور دراز کے معززین نے بڑی عقیدت سے ابو مسلم سے ملاقاتیں کیں اور خلافتِ عباسیہ کے قیام کے سلسلے میں اُس کی کوششوں کو شان دار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔

پھر طوافِ کعبہ کا دن آیا۔ ابو مسلم کو اس کا قلق رہا کہ خونی کھیل کھیلنے کے لیے ان لوگوں نے مقدس جگہ کا انتخاب کیا ہے۔

طواف شروع ہوا تو ابو مسلم کی آنکھیں آس پاس نظر آنے والے ہر شخص کے چہرے کا تاثر بھانپ رہی تھیں۔ اپنے محافظوں کی طرف سے وہ بالکل مطمئن تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ابو جہم نے اُن کا انتخاب بڑی ذہانت اور چھان پھٹک کے ساتھ کیا ہوگا۔

ابو مسلم نے طواف کے دوران میں جب بھی کسی حبشی کو قریب دیکھا تو اُس کے دماغ میں ایک گونج پیدا ہوئی۔

اب کچھ ہوگا!

بس اب کچھ ہوگا!

لیکن کچھ نہیں ہوا۔ طواف مکمل ہو گیا۔ کسی نے بھی ابو مسلم کو ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ابو مسلم کے لیے یہ حد درجہ حیران کن بات تھی کیوں کہ وہ کچھ پس پردہ حقائق سے بے خبر تھا۔

طواف سے کچھ ہی دیر پہلے ابو جعفر کو اطلاع ملی تھی کہ خلیفہ ابو العباس السفاح شدید علیل ہو گیا ہے اور اطبّا کو اس کے بچنے کی ذرا بھی اُمید نہیں ہے۔

السفاح کی وصیّت کے مطابق اُس کا جانشین ابو جعفر کو ہونا تھا لیکن اُس کا چچا

Marfat.com

عبداللہ بن علی اس وصیت کے بارے میں جان کر برافروختہ ہوگیا تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ اس وصیت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغاوت کر دے گا۔

ان اطلاعات کے باعث ابوجعفر نے عین وقت پر فیصلہ کیا کہ ابھی ابومسلم کو ہلاک نہ کیا جائے۔ عبداللہ بن علی سے اپنا تصادم یقینی سمجھ لینے کے بعد اُس نے سوچا کہ وہ اپنے چچا کے مقابلے پر ابومسلم ہی کو بھیجے گا۔ ابومسلم کے انتخاب میں ابوجعفر کے شاطرانہ دماغ کی مصلحت یہ تھی کہ دو دشمن جب آپس میں لڑیں گے تو ان میں سے ایک ختم ہو جائے گا اور جو دوسرا باقی بچے گا، اس سے بعد میں نپٹ لیا جائے گا۔

واپسی کا سفر بہت تیزی سے ہوا۔ اسی سفر کے دوران میں ابوجعفر نے ابومسلم سے کہا۔ ”میرے بھائی! خلافتِ عباسیہ کو ایک بار پھر آپ کے زورِ بازو کی اعانت درکار ہے۔“

”کیا ہو گیا ابوجعفر؟“ ابومسلم نے پوچھا۔

ابوجعفر نے اُسے سب کچھ بتا دیا جس کی اطلاع اُسے ملی تھی۔

ابومسلم کو اس وقت روشنک پر غصہ آیا تھا جس نے اُسے ایک غلط اطلاع بھجوائی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ متاثر کر کے اُس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ لڑکی اب بے تکی حرکتوں پر اُتر آئی ہے۔ جبکہ وہ تو کیا...... دنیا کی کوئی بھی عورت اُسے متاثر کر کے اُس کا قرب حاصل نہیں کر سکتی ہے۔

ابومسلم بہت سخت مزاج سہی لیکن ابوجعفر کے ملتجیانہ لہجے سے متاثر ہو گیا۔ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ ابوجعفر شاید اپنے چھوٹے بھائی کی طرح تباہی و بربادی پھیلانے کا خوگر نہ ہو اور خلافتِ عباسیہ اب راہِ راست پر چل پڑے۔

”ہم تمہارے ساتھ ہیں ابوجعفر!“ ابومسلم نے بڑے خلوص سے کہا۔

پھر مدائن پہنچتے ہی ابوجعفر کو اطلاع ملی کہ خلیفہ السفاح دارِ فانی سے کوچ کر گیا اور شام میں عبداللہ بن علی نے لشکر کشی کی تیاری شروع کر دی ہے۔

”مجھے تو فوراً انبار پہنچنا ہے ابومسلم، میرے بھائی!“ ابوجعفر نے کہا۔ ”میں اپنا لشکر تمہاری کمان میں دیتا ہوں۔ تم میرے چچا کو شام ہی میں روکنے کی کوشش کرنا۔“

”مطمئن ہو جاؤ ابوجعفر!“ ابومسلم نے کہا۔ ”میرے ساتھ جو ایک ہزار سپاہی

Marfat.com

ہیں، دس ہزار پر تو وہی بھاری پڑیں گے۔''

''میں تمھاری فتح کی خبر سننے کے لیے بے چین رہوں گا۔''

ابوجعفر نے ابومسلم سے معانقہ کیا اور بہ سرعت انبار کی طرف روانہ ہوگیا۔

خلیفہ ابوالعباس نے اقتدار میں آنے کے چند دن بعد ہی اپنے لیے ایک محل بنوانا شروع کردیا تھا جو چند ماہ قبل مکمل ہوا تھا۔ السفاح فوری طور پر تمام متعلقہ افراد کے ساتھ اس محل میں منتقل ہوگیا تھا۔ اس محل کا نام اُس نے ''ہاشمیہ'' رکھا تھا۔ اسی محل میں اُس نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ وہ چیچک کا شکار ہوگیا تھا۔

ابوجعفر کے پہنچنے کے بعد السفاح کی تدفین عمل میں آئی۔ تین دن سوگ منایا گیا جس کے بعد ابوجعفر ''المنصور'' کے لقب کے ساتھ تخت نشیں ہوا۔

خانوادۂ عباسیہ کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر المنصور! جس کے بے مثل استقلال اور شان دار اصلاحات کی وجہ سے سلطنتِ عباسیہ ساڑھے تین سو سال تک قائم و دائم رہی۔

دس دن بعد اُسے اطلاع ملی کہ عبداللہ بن علی اپنے لشکر کے ساتھ شام سے نکلا ہی تھا کہ ابومسلم نے اُسے جالیا اور اب وہاں گھمسان کی جنگ چھڑ چکی ہے۔

مزید تین ہفتے بعد یہ خوش خبری آئی کہ عبداللہ بن علی اس معرکے میں شکست کھا گیا ہے۔ اس خوش خبری کے ساتھ دو متضاد اطلاعات آئیں۔ ابومسلم نے عبداللہ بن علی کا سر اپنے ہاتھوں سے اُڑایا اور اس سر کو اپنے پاس محفوظ کرلیا ہے۔

دوسری اطلاع یہ تھی کہ شکست کھانے کے بعد عبداللہ بن علی فرار ہوکر بصرہ چلا گیا ہے جہاں کا والی اُس کا بھائی سلیمان بن علی تھا۔

ابومسلم فتح حاصل کرنے کے بعد میدانِ جنگ کے قریب ہی خیمہ زن رہا تاکہ اپنے ڈھائی سو زخمی سپاہیوں کی خبر گیری کے معاملے میں اطبّا کو پوری طرح چاق چوبند رکھ سکے۔ اس معرکے میں اُس کے اپنے ڈیڑھ سو سپاہی ہلاک ہوئے تھے۔ ابوجعفر نے اپنا جو لشکر اس کے ساتھ بھیجا تھا، اس لشکر کے سپاہی زیادہ تعداد میں مرے تھے۔

ابوجعفر المنصور نے فوراً ابومسلم کو خط لکھا۔

''میرے باغی چچا کا سر لے کر فوراً آؤ میرے بھائی! میں اُسے دیکھنا چاہتا

Marfat.com

ہوں۔ دراصل مجھے ایک خبر یہ بھی ملی ہے کہ میرا باغی چچا مارا نہیں گیا بلکہ فرار ہو گیا ہے۔''

خط کی روانگی کے دن خلیفہ ابوجعفر المنصور محل کے ایک برآمدے میں بے چینی سے ٹہلتا ہوا سوچوں میں غرق تھا۔

برآمدے ہی میں ایک جگہ روشنک بھی موجود تھی اور پریشان تھی کہ ابوجعفر کی سازش سے بچ نکلنے کے بعد ابومسلم اس شخص کا ساتھ دینے پر کیونکر آمادہ ہوا؟

یکایک محل کے کسی دور دراز حصّے میں کچھ شور ہوا۔

''کیسا شوروغل ہے یہ؟'' ابوجعفر المنصور گرجا۔

جلد ہی اُسے اطلاع دی گئی کہ کوئی فریادی ہے اور بہ ضد ہے کہ اُسے فوری طور پر خلیفہ کے حضور میں باریاب کرایا جائے۔

''وہ ایک کُرد ہے۔'' اطلاع دینے والے نے بتایا۔ ''اور زخمی حالت میں ہے۔ اس کے جسم پر کوڑوں کے نشان ہیں۔ وہ خود کو آپ کے باغی چچا کا غلام بتا رہا ہے۔''

باغی چچا کے حوالے نے ابوجعفر المنصور کو چونکا دیا اور اُس نے کہا۔ ''لے آؤ اُسے! یہیں لے آؤ۔''

روشنک نے برآمدے میں خود کو ایک محفوظ سی جگہ پوشیدہ کر لیا۔ جب بھی کوئی غیر معمولی معاملہ ہوتا اور وہ وہاں موجود ہوتی تھی تو عموماً آخر تک اس توقع پر موجود رہتی کہ شاید کوئی اہم بات علم میں آجائے لیکن زیادہ تر مواقع پر اُسے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔

کچھ ہی دیر میں کُرد غلام کو وہاں لایا گیا۔ وہ خاصی زخمی حالت میں تھا۔ آتے ہی وہ ابوجعفر المنصور کے قدموں میں گر گیا۔

''پناہ امیر المومنین! پناہ!'' وہ ملتجیانہ انداز میں گڑگڑایا۔

''سمجھ لو کہ تمھیں پناہ مل گئی۔'' ابوجعفر المنصور نے کہا۔ ''ہمیں بتاؤ کہ تمھاری یہ حالت کس نے کی ہے؟''

کُرد غلام نے تفصیل بتائی۔ شکست کھانے کے بعد فرار ہونے سے پہلے عبداللہ بن علی نے اُس پر کوڑے برسائے تھے۔ وہ بہت غصّے میں تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اُس

Marfat.com

کی شکست اس غلام کی نحوست کے باعث ہوئی تھی۔ اس روز عبداللہ بن علی نے صبح سب سے پہلے اسی کا چہرہ دیکھا تھا اور اپنی ساری جھنجھلاہٹ اپنے اس غلام پر اُتارنا چاہی تھی، لیکن اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ صرف کوڑے ہی مار مار کر اُسے ہلاک کر دیتا۔ اس نے فرار ہونے سے پہلے اپنے دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر اس وقت تک کوڑے برسائیں جب تک وہ آخری سانس نہ لے لے۔

عبداللہ بن علی کے جاتے ہی سپاہی اس پر پل پڑے لیکن کسی طرح کُرد غلام کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ اُسے ایک مقتول سپاہی کا گھوڑا ملا تو وہ اسی پر بیٹھ کر بھاگ نکلا اور بھاگتا ہی رہا۔ اُسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ "ہاشمیہ" پہنچنے میں اُسے کتنا وقت لگا تھا۔

اُس کی داستان سن کر ابو جعفر المنصور کسی سوچ میں پڑ گیا پھر مسکرا کر بولا۔ "آج سے تم ہمارے غلام ہو!"

"میری خوش نصیبی امیر المومنین!"

"شمشیر زنی جانتے ہو؟"

"جانتا ہوں لیکن ماہر نہیں ہوں۔" غلام کو بولنے میں دقت ہو رہی تھی۔

"کام چل جائے گا۔" ابو جعفر المنصور کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ "ہم تمھیں اپنے دربار کے سپاہیوں میں شامل کرلیں گے۔ تین چار دن بعد ایک شخص کسی کا سر لے کر دربار میں آئے گا۔ جب ہم اشارہ کریں تو تم اُس کا سر اُڑا دینا۔"

"تعمیل ہو گی امیر المومنین"

"اسے لے جاؤ۔" ابو جعفر المنصور نے حکم صادر کیا۔ "طبیبوں سے کہنا کہ اس کے زخم جلد از جلد ٹھیک ہو جائیں۔ تین دن سے زیادہ وقت ہرگز نہ لگے۔"

اس کے بعد ابو جعفر المنصور کچھ سوچتا اور مسکراتا تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

روشنک کے جسم میں سنسناہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ المنصور کا شیطانی منصوبہ پوری طرح اُس کی سمجھ میں آچکا تھا۔ وہ اس غلام کے ہاتھوں ابو مسلم خراسانی کو قتل کرا دیتا اور شہرت یہ دی جاتی کہ اس کُرد غلام نے اپنے آقا کا بدلہ لینے کے لیے ابو مسلم خراسانی کو

Marfat.com

قتل کیا ہے۔ اس طرح المنصور پر یہ الزام نہ آتا کہ قتل اُس نے کروایا۔

روشنک کے سامنے اب ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ وہ اس پہرے دار کو نہیں جانتی تھی جس کے ذریعے ابومسلم تک پیغامات پہنچائے جاتے تھے اور شاہ رخ محل کے کام سے کسی دوسرے شہر گیا ہوا تھا۔ اس کی واپسی میں ایک دن لگ جاتا۔ ایک دن کی تاخیر بھی ابومسلم کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔

روشنک کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ خود ہی محل سے روانہ ہوجائے۔ اس کے اچانک غائب ہونے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ وہ پھر اس محل میں واپس نہیں لوٹ سکتی تھی اور اگر لوٹتی تو اس کے لیے جواب دہی مشکل ہوجاتی۔ اُسے ہمیشہ کے لیے یہ محل چھوڑنا تھا اور اُسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ابومسلم خراسانی کی جان بچانا تھا۔

☆☆☆

گھوڑے کی رفتار ایسی تھی جیسے وہ ہوا کی رفتار کو شکست دیتا چلا جارہا ہو۔ وہ شام کی طرف جانے والے راستے پر تھا اور اس کی سوار روشنک تھی۔

ابومسلم!

اس کے دل ودماغ میں یہ پکار ایک گونج بنی ہوئی تھی۔ ہوش وحواس پراگندہ سے تھے۔ بھوک پیاس اُڑ چکی تھی۔ اُسے بالکل اندازہ نہیں رہا کہ وہ شام کی سرحد کے قریب اس جگہ کتنے دن میں پہنچی تھی جہاں ابومسلم کے سپاہیوں اور ابوجعفر المنصور کے لشکر کا پڑاؤ تھا۔

پہنچ کر اُس نے سکون کا سانس لیا۔

لیکن اس وقت اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی جب اُسے معلوم ہوا کہ ابومسلم خراسانی چند سپاہیوں کے ساتھ ایک دن پہلے وہاں سے روانہ ہوچکا ہے۔

روشنک کے منہ سے ایک چیخ سی نکلی اور وہ دوبارہ گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ اب اُسے ابومسلم خراسانی سے پہلے محل تک پہنچنے کی کوشش کرنی تھی۔ ابومسلم کو محل کے دروازے پر بھی روکا جاسکتا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

ابو مسلم خراسانی نے انبار پہنچنے کے لیے وہ راستہ اختیار نہیں کیا تھا جس سے روشنک آئی تھی ورنہ اُن کا آمنا سامنا راہ میں ہی کسی جگہ ہو جاتا۔

ابو مسلم کو یہ بہت گراں گزرا کہ ابو جعفر نے اُس کے بیان کو غلط اور دوسری اطلاع کو درست سمجھا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنے باغی چچا کا سر دیکھنا چاہتا تھا۔

ابو مسلم نے اپنے ہاتھوں سے وہ سر قلم کیا تھا اور ابو جعفر ہی کے چند سپاہیوں نے اُس کی تصدیق کی تھی کہ وہ عبداللہ بن علی تھا۔

انبار کی طرف جاتے ہوئے ابو مسلم خراسانی کو اپنی زندگی کے لیے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کا یہی خیال تھا کہ اگر ابو جعفر کے دل میں کوئی کھوٹ ہوا تو بھی وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ اُسے خوب احساس ہوگا کہ سب کے سامنے خراسان کے حاکم کو ہلاک کرنا اُسے بہت مہنگا پڑے گا۔

مسلسل سفر کے بعد وہ انبار پہنچ گیا۔ وہاں سے اُسے اطلاع دی گئی کہ ابو جعفر المنصور اس وقت دربار میں ہے۔ ابو مسلم نے دربار کا رخ کیا۔ کسی نے اُسے اندر داخل ہونے سے نہیں روکا۔ غالباً ابو جعفر المنصور اس بارے میں ہدایات جاری کر چکا ہوگا۔

''آؤ ابو مسلم! میرے بھائی!'' ابو جعفر المنصور نے بہ آواز بلند کہا۔

ابو مسلم اس کے تخت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ایک سپاہی تشت لے کر چل رہا تھا۔ اس تشت میں رکھے ہوئے سر پر کپڑا ڈھکا ہوا تھا۔

''آپ نے ہمیں جھوٹا سمجھا!'' ابو مسلم نے تخت کے قریب پہنچ کر کہا۔

''یہ بات نہیں ابو مسلم، میرے بھائی!'' ابو جعفر المنصور نے نرمی سے کہا۔ ''دراصل ہمیں متضاد اطلاعات ملیں، اس لیے ہمیں خواہش ہوئی کہ اپنی آنکھوں سے باغی چچا کا سر دیکھ لیں۔''

''دیکھیے!'' ابو مسلم نے تشت پر پڑا ہوا کپڑا ایک جھٹکے سے ہٹا دیا۔

ابو جعفر المنصور نے کٹے ہوئے سر پر ایک گہری نظر ڈالی اور پھر ابو مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''آپ ہی کو دھوکا ہوا ہے میرے دوست، میرے بھائی! یہ چہرہ میرے چچا سے خاصا مشابہ تو ہے لیکن یہ میرے باغی چچا کا سر نہیں ہے۔''

Marfat.com

ابو مسلم کی پیشانی پر ایک شکن پڑ گئی۔ ''ہم نے خود بھی پہلے کبھی آپ کے چچا کو نہیں دیکھا لیکن اُس کی تصدیق آپ کے سپاہیوں نے کی تھی کہ یہ آپ کے چچا ہیں۔''

''ہمارے سپاہیوں کو بھی دھوکا ہوا ہوگا۔'' ابو جعفر المنصور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ قائم رہی۔ ''بہر حال، ہمارے لیے یہی بات بڑی خوشی کی ہے کہ ہمارے باغی چچا کو آپ نے شکست دے دی۔''

اس وقت دربار میں شاہ رخ بھی موجود تھا۔ اس کی نظریں کبھی ابو مسلم کے چہرے پر جاتی تھیں اور کبھی کٹے ہوئے سر پر! باقی درباری بھی خاموش تھے۔ صرف ابو مسلم خراسانی اور ابو جعفر المنصور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

ابو مسلم بولا۔ ''آپ کو خوشی ہوئی ہے لیکن ہمیں آپ کے سپاہیوں کی وجہ سے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہم آپ کے ان سپاہیوں کو سزا ضرور دیں گے اور آپ ہمیں اس سے نہیں روکیں گے۔''

''بے شک نہیں روکیں گے۔'' ابو جعفر المنصور سنجیدہ ہوگیا۔ ''انھیں یقیناً سزا ملنی چاہیے جنھوں نے مکمل اطمینان اور تصدیق کیے بغیر آپ سے اتنی اہم بات کہہ دی۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔''

ابو مسلم مزید کچھ کہے بغیر مڑا اور تیزی سے چلتا دربار سے جانے لگا۔

اس وقت ابو جعفر المنصور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی...... سفاک مسکراہٹ!

ابو مسلم دروازے کے قریب پہنچا۔ وہاں عبداللہ بن علی کا غلام، سپاہی کے لباس میں مستعد کھڑا تھا اور اُس کی نظریں ابو جعفر المنصور پر تھیں۔

ابو جعفر المنصور کی آنکھوں نے کچھ اشارہ کیا۔

ابو مسلم دروازے سے قدم باہر نکالنے ہی والا تھا کہ اُس نے اپنے سر کے قریب چمک محسوس کی اور اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ یہ چمک کسی تلوار کی ہے۔

☆☆☆

پسینے میں شرابور گھوڑا شہر انبار کی حدود میں داخل ہوگیا۔ خود روشنک بھی پسینے میں نہائی ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر وحشت سی تھی۔ اس کے دل

Marfat.com

میں یہ خوف سرسرانے لگا تھا کہ شاید اُسے دیر ہو چکی ہے۔

محل کے دروازے پر اُسے معلوم ہوا کہ ابو مسلم خراسانی وہاں پہنچ چکا ہے اور اس وقت دربار میں ہے۔

روشنک دوڑتی ہوئی دربار کی طرف بڑھی۔ اگرچہ وہ کئی دن محل سے غائب رہی تھی لیکن کوئی بھی اُسے روکنے یا ٹوکنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ اس سے کوئی باز پرس صرف ابو جعفر المنصور ہی کرسکتا تھا۔

وہ دیوانگی کی سی حالت میں داخلِ دربار ہوئی اور پھر اُسے یوں لگا جیسے اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے۔ ابو مسلم کی گردن اُس کے دھڑ سے الگ ہو کر روشنک کے قدموں میں آ کر گری تھی۔

''ابو مسلم!'' روشنک کے منہ سے جیسے چیخ نکلی۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانے کے باوجود اس نے جھک کر ابو مسلم کا سر تلاش کرلیا۔ وہ ابو مسلم کا خون آلودہ سر اپنے ہاتھ میں لے کر وحشت میں اُسے چومنے لگی۔ ابو مسلم کے خون سے اُس کا چہرہ بھی جگہ جگہ سے سرخ ہو گیا۔

جو سپاہی ابو مسلم کے ساتھ آئے تھے، انھیں دربار کے باہر ہی رکنا پڑا تھا اور وہ اس سے بے خبر تھے کہ دربار میں اُن کے امیر کی زندگی ختم کی جا چکی ہے۔

شاہ رخ اپنی جگہ پر سکتے کی سی حالت میں کھڑا تھا۔ ایک قیامت اس کے دل پر گزر گئی تھی۔ اُسے ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ پل بھر میں یہ سب ہو جائے گا۔

اس وقت صرف دربار ہی نہیں، ابو جعفر المنصور بھی حیرت سے روشنک کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ ابو مسلم کے چہرے پر اپنے بوسے ثبت کیے جا رہی تھی۔

ابو جعفر المنصور کے چہرے پر غصّے کی سرخی اُبھری اور وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔

''تو یہ ہے ابو مسلم کی مخبر!''

درباریوں نے اُس کی طرف دیکھا مگر وہ اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھے۔

''داروغہ شاہ رخ!'' ابو جعفر المنصور گرجا۔

Marfat.com

شاہ رخ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ اتنا بے حواس ہو گیا تھا کہ ''جی امیر المومنین'' بھی نہیں کہہ سکا۔

ابوجعفر المنصور نے بھی اُس کی بے دھیانی محسوس نہیں کی اور نہایت غصّے میں حکم صادر کیا۔ ''لے جاؤ اس لڑکی کو اور دار الخیل کے زنداں میں ڈال دو۔''

دمشق کی عمارت ''دار الخیل'' جو اُموی خلیفہ نے غیر ملکی سفارتکاروں یا والیوں کے لیے بنوائی تھی، اُسے السفاح نے قید خانے میں تبدیل کروادیا تھا جہاں اس کے بدترین مخالفین سسک سسک کر زندگی گزار رہے تھے۔

ابوجعفر المنصور نے اپنی بات پوری کی۔ ''وہاں کے داروغۂ زنداں سے کہنا کہ اس لڑکی کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار ڈالا جائے۔''

ابوجعفر المنصور غصّے میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ جسے اُس نے حکم دیا تھا، وہ ابومسلم خراسانی ہی کا آدمی ہے۔ اس کی وہ بھول یوں بھی ممکن تھی کہ شاہ رخ کی تقرری کو طویل عرصہ گزر چکا تھا اور اس دورانیے میں شاہ رخ کی شخصیت شک وشبے سے بالاتر رہی تھی۔

ابوجعفر المنصور کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ شاہ رخ کے ساتھ دربار کے دو سپاہی بھی تھے جو روشنک کو کھینچتے ہوئے لے گئے تھے۔ ابومسلم کا سر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دربار کے فرش پر گر گیا تھا۔

پھر اسی دن ابوجعفر المنصور کو یہ چونکا دینے والی خبر ملی کہ جو سپاہی روشنک کو گھسیٹ کر لے گئے تھے، ایک جگہ اُن کی لاشیں پڑی پائی گئی تھیں۔ روشنک اور شاہ رخ غائب ہو چکے تھے۔

ساری سلطنت میں انھیں تلاش کرایا گیا لیکن کچھ سراغ نہیں ملا۔ وہ دونوں کہاں گئے؟ یہ کبھی کوئی نہ جان سکا۔

☆☆☆

Marfat.com

خاتونِ قصر

سپاہیوں کے گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ آگے آگے شہزادہ محمد کا گھوڑا تھا۔ گھوڑے کی اُیال سرخی مائل اور باقی سارا جسم بے داغ سفید تھا۔ شہزادہ محمد نے کچھ عرصہ پہلے گھوڑوں کے ایک سوداگر کو اس گھوڑے کی منہ مانگی قیمت ادا کی تھی کیوں کہ وہ خوب صورت گھوڑا اُسے بے حد پسند آگیا تھا اور ہر خوب صورت چیز شہزادہ محمد کی کم زوری تھی۔

دود مانِ عباسیہ کا یہ چشم و چراغ پہلے عباسی خلیفہ السفاح کا بھتیجا اور دوسرے خلیفہ المنصور کا لاڈلا بیٹا تھا جس نے صرف پندرہ سال کی عمر میں تیس ہزار کے اس لشکر کی قیادت کی تھی جسے خراسان کی ایک بغاوت کچلنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

اگر چہ وہ بغاوت لشکر کے نہایت تجربہ کار و جہاں دیدہ سالار خازم بن خزیمہ نے کچلی تھی اور شہزادہ محمد کے منصوبوں کے مطابق اس نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے مزید شہر اور قلعے بھی فتح کیے تھے مگر ان ساری کامیابیوں کا سہرا شہزادہ محمد کے سر باندھا گیا تھا۔

وہ خلیفہ المنصور کی ایک سیاسی چال تھی۔ وہ اپنے اس لاڈلے بیٹے کو اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا جس میں اس کے لیے کچھ مشکلات تھیں۔ انھی مشکلات کو ختم کرنے کے لیے وہ شہزادہ محمد کو لوگوں کی نظر میں حد درجہ باصلاحیت اور نمایاں کرنا چاہتا تھا۔ خراسان کی اس مہم میں شہزادہ محمد کی قسمت نے بھی خوب یاوری کی۔ شہر ”رے“ میں اس کے پاس ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی جو مفتوحہ اقالیم کا نظم و نسق بہ طریقِ احسن سنبھال سکتے تھے۔ اُن کی وجہ سے صوبۂ خراسان کے حالات مائل بہ رفعت ہو گئے۔ بدامنی، طوائف الملوکی اور جبر و تشدد کا جو سلسلہ خلافتِ بنواُمیہ کے دور سے چلا آرہا تھا، یک لخت ختم ہو گیا۔

Marfat.com

شہزادہ محمد کو اس مہم میں تین سال لگے۔ جب وہ عراق واپس پہنچا تو اُس کا استقبال اس طرح کیا گیا جیسے وہ ایک عظیم فاتح و کشور کشا ہو۔ اس وقت اُس کی عمر اٹھارہ سال سے کچھ ہی زیادہ تھی۔

شہر بغداد تعمیر شروع کروائے ہوئے خلیفہ المنصور کو چند ہی سال گزرے تھے۔ کیوں کہ وہ شہر ابھی تکمیل کے مراحل سے گزر رہا تھا اس لیے دارالخلافہ ''ہاشمیہ'' ہی میں تھا۔ وہ جگہ اب شہزادہ محمد کو بالکل نہ بھائی اور اُس نے باپ سے واپس ''رے'' جانے کی اجازت چاہی۔ خلیفہ المنصور نے اُسے اجازت تو دے دی لیکن اُس کی روانگی سے پہلے اُس کی شادی اپنے مرحوم بھائی ابوالعباس السفاح کی بیٹی ریطہ سے کردی۔ وہ اپنی اس بھتیجی کو بہت چاہتا تھا اور اس کے ساتھ اُس نے بہت شفقت برتی تھی تا کہ وہ اپنے باپ کا غم بھول جائے۔

شہزادہ محمد کا مزاج جمالیات کے خمیر سے گندھا تھا اس لیے اُسے اپنی بے ڈول اور بے ہنگم عم زاد کبھی بھی پسند نہیں رہی تھی لیکن اُسے اپنے باپ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

''رے'' واپس آنے کے بعد شہزادہ محمد نے اس شہر کی قسمت بدلنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کی وجوہ تھیں۔ اس کا باپ المنصور بغداد کو نہایت خوب صورت اور ایک مثالی شہر بنانا چاہتا تھا لہٰذا شہزادہ محمد اپنی نگرانی میں ایک دوسرا خوب صورت شہر بنوانا چاہتا تھا۔ اس طرح اُس نے اپنے لیے ایک مصروفیت پیدا کرلی تھی۔ وہ ریطہ کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ ریطہ میں ایسی کوئی بات ہی نہیں تھی جو اس کی دل بستگی کا سبب بن سکتی۔

رعنائی و دل کشی سے عاری ریطہ کا جسم خاصا بھاری تھا۔ اُس کے پٹھے دبیز اور قوی تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ایک بھائی کے ساتھ بچپن ہی سے شدید ورزش کرتی چلی آئی تھی۔ اس جیسی مردنما، پہلوان جیسی لڑکی نازک مزاج شہزادہ کی حسِ جمالیات کے لیے ایک ''چرکے'' سے کم نہیں تھی۔

''رے'' جس پہاڑی کے دامن میں تھا، اس کی چوٹی پر قدیم شاہانِ فارس میں سے کسی کا ایک قلعہ نما محل بنا ہوا تھا۔ وہ شہزادہ محمد کو بہت پسند آیا۔ اُس کے حکم سے اس محل کی از سرِ نو تعمیر ہوئی۔ اُس کی ضروری توسیع کے بعد اُسے اس طرح آراستہ کیا گیا

Marfat.com

کہ وہ شہزادہ محمد کے شایانِ شان ہو۔اس کی تکمیل کے بعد شہزادہ محمد وہیں منتقل ہو گیا۔

اسی دوران میں ریطہ ایک بیٹے کی ماں بنی۔ بیٹے کا نام علی رکھا گیا۔ ریطہ کا خیال تھا کہ ماں بننے کے بعد وہ اپنے شوہر کی توجہ حاصل کر لے گی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔

شہزادہ محمد نے محل میں حسین و پری پیکر کنیزیں جمع کرنا شروع کر دیں اور ریطہ کا دل جل کر خاک ہونے لگا۔شہزادہ محمد نے ان کنیزوں سے ریطہ کا ہتک آمیز رویہ دیکھا تو اُس کو جیسے اور ضد ہو گئی۔ وہ محل میں کنیزیں جمع کرنے لگا۔ اس وقت بھی وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اس شہر کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں کنیزوں اور غلاموں کا بازار لگتا تھا۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد شہزادہ محمد نے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ اب وہ اس سے الگ تھلگ اور کچھ فاصلے پر رہیں تاکہ حسیناؤں کے بازار میں عام لوگ اور کنیزوں کے سوداگر اُسے خانوادۂ عباسیہ کی کوئی اہم شخصیت نہ سمجھیں۔

بازار ایک وسیع میدان میں اس طرح لگایا گیا تھا جس کے دو حصّے کیے گئے تھے۔ ایک حصے میں غلام بیچے جا رہے تھے اور دوسرے میں حُسن و جمال کا چمن مہکایا گیا تھا۔

شہزادہ محمد نے اسی حصّے کا رخ کیا جو حسیناؤں کی دل رُبایانہ اداؤں سے معنبر و معطر تھا۔

خاصے خاصے فاصلے پر قدِ آدم نقارے لگائے گئے تھے۔ ہر نقارے پر ایک کنیز کھڑی اپنی اداؤں سے خریداروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کوشاں تھی۔ ہر نقارے کے گرد، سوداگر کے حبشی نژاد ملازم اس طرح کوڑے لہرا رہے تھے جیسے وہ کنیز کے محافظ ہوں۔ دف بجا کر اور رباب پر موسیقی کی تانیں چھیڑ کر ماحول کو رومان انگیز بنانے کی کوشش بھی کی جا رہی تھی۔ ہر نقارے کے قریب چھوٹا سا سفید خیمہ اس لیے لگایا گیا تھا کہ اگر کوئی خریدار اپنے مزید اطمینان کے لیے کنیز سے چند لمحے باتیں کرنا چاہے تو کنیز کے ساتھ اس خیمے میں چلا جائے۔خریدار کو اس تخلیے کی بھی کچھ قیمت دینا پڑتی تھی تاکہ اگر وہ مطمئن نہ ہو اور کنیز کو نہ خریدے تو سوداگر کو مفت میں ہی کچھ ہاتھ آ جائے، لیکن اکثریت یہ ''فضول خرچی'' نہیں کرتی تھی۔

Marfat.com

شہزادہ محمد اس طرف متوجہ ہوا جہاں ذرا دیر قبل اُسے خاصی بھیڑ نظر آئی تھی لیکن اب اچانک زیادہ تر لوگ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس کا سبب شہزادہ محمد کی سمجھ میں اس وقت آیا جب وہ اس نقارے کے قریب پہنچا جہاں اب صرف دو افراد ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بولی لگا رہے تھے۔ پیچھے ہٹ جانے والوں کی وہ استعداد نہ تھی کہ اتنی زیادہ بولی لگا سکتے۔

شہزادہ محمد نے اس کنیز کو اتنے قریب سے دیکھا تو اُسے اندازہ ہوا کہ ''بولی'' اتنی زیادہ کیوں ہو چکی تھی۔ وہ کنیز تھی ہی ایسی ماہ پارہ کہ اُس کی چشم غزالاں سے گھائل ہو جانے والے اپنا دل بھی نکال کر اس کے قدموں میں رکھ سکتے تھے۔

اس کے چہرے پر آنکھوں سے نیچے ایک حریری نقاب تھا لیکن اُس کے حُسن کی عالم تابی ایسی تھی کہ نقاب اپنی اہمیت کھو بیٹھا تھا۔ اُس کے شباب میں شوریدہ سر موجوں کی سی سرکشی تھی۔ اُس کا متناسب جسم کسی گل یار ڈالی کی طرح لچک دار تھا۔ رنگت ایسی سرخ و سفید تھی جیسے وہی شفق کا منبع ہو۔ اُس کی غلافی آنکھیں جنگل کی کسی بھی ہرنی کو شرما سکتی تھیں۔ اس پر شہزادہ محمد کی نظر کیا پڑی کہ اُس کا دل برما گیا۔ اُس کے محل میں اتنی خوب صورت کنیز کوئی نہیں تھی۔

شہزادہ محمد سوداگر سے مخاطب ہوا۔ ''تم اس حُسن بے بہا کی تذلیل کر رہے ہو سوداگر! یہ تو ایک ان مول ہیرا ہے۔ اُس کی تو تمھیں منہ مانگی قیمت ملنا چاہیے۔''

سوداگر نے اُسے سر سے پیر تک دیکھا، پھر مسکرا کر بولا۔ ''آپ کسی شہرِ خوباں کے مالک معلوم ہوتے ہیں امیر زادے!''

''ہم اس مَعبد کے پجاری ہیں جہاں حُسن کی دیویوں کی پرستش کی جاتی ہے۔'' شہزادہ محمد نے کہا۔ ''ہم اس مَعبد میں حُسن کی ایک اور دیوی کا اضافہ چاہتے ہیں۔ خواہ تم اس کے لیے کچھ بھی طلب کرو۔''

جو دو گاہک بولی لگانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، وہ شہزادہ محمد کو تیز نگاہوں سے گھورنے لگے۔ شہزادہ محمد نے سوداگر کے جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔ ''بلکہ سمجھ لو کہ جو تم نے مانگا، وہ ہم نے تمھیں دے دیا لیکن اس

Marfat.com

جواہر پارے کو اپنے ساتھ لے جانے سے پہلے ہم اس سے ذرا دیر باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

''اس کے لیے تو آپ کو پانچ سو دینار الگ۔۔ دینا ہوں گے امیر زادے!''

شہزادہ محمد نے اپنے لباس کے کسی حصے سے ایک ریشمی تھیلی نکال کر سوداگر کے ہاتھ پر رکھ دی۔ ''اس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ یہ تمھارے ہوئے۔''

سوداگر نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا، پھر ہنس کر بولا۔ ''جب حضور نے اُسے ہر قیمت پر خریدنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یہ اضافی خرچ کیوں کر رہے ہیں؟''

''اسے ہماری قیام گاہ تک پہنچنے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔ ہم اس قتالۂ عالم سے ابھی بات کرنا چاہتے ہیں، ابھی اس کی آواز سننا چاہتے ہیں۔''

''آپ تو جیسے اُس کے حُسن کی طلسماتی زنجیر کے اسیر ہو گئے ہیں!'' سوداگر پھر ہنسا۔

''ہمیں کوئی کبھی اتنا بھی مسحور کر لے گا، یہ واقعی ہم نے کبھی نہیں سوچا تھا۔''

ان دونوں کی باتیں کنیز بھی بڑی دل چسپی اور توجہ سے سننے لگی تھی۔ جو دو گاہک اُس کی بولی لگا رہے تھے، انھوں نے وہاں سے کھسک جانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

پہلے شہزادہ محمد کو خیمے میں پہنچایا گیا جس کے فرش پر ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ ایک گوشے میں غالیچے پر گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ شہزادہ محمد ایک گاؤ تکیے کا سہارا لے کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ کنیز بھی خیمے میں داخل ہوئی۔ وہ یوں مست خرام تھی جیسے گلگشت میں ہو۔

''واہ!'' شہزادہ محمد نے بے اختیار کہا۔ ''تم تو ہوا کے دوش پر بھی تیر سکتی ہو۔''

کنیز نے قریب آ کر ادب سے سلام کیا۔

شہزادہ محمد بولا۔ ''اگرچہ بادلوں کی مہین سی تہ جیسا یہ نقاب تمھاری جلوہ نمائی میں حارج تو نہیں، تاہم ایک احساس سا ہے کہ نگاہ در خسار کے درمیان میں کچھ حائل ہے۔''

کنیز اپنا نقاب ہٹاتے ہوئے دھیرے سے ہنسی۔ ایک کھنکتی ہوئی ہنسی جیسے کانوں میں جلترنگ بج اُٹھے۔ اس کے موتیوں جیسے آب دار دانت یوں چمکے جیسے اُس کے تراشے ہوئے گلابی ہونٹوں کی شفق میں کہکشاں اُتر آئی ہو۔

''واہ!'' شہزادہ محمد نے پھر بے اختیار داد دی۔ ''ہنسی بھی ایسی ہے جیسے رباب کے تاروں کو گدگدا دیا گیا ہو!''

Marfat.com

''آپ شاعر بھی ہیں!'' وہ یوں بولی جیسے کوئل کوکی ہو۔

''اب تک تو نہیں تھے، اب ہو جائیں گے۔ تمھارا نام کیا ہے دلآرام!''

''کنیز بس کنیز ہوتی ہے۔ نام کچھ بھی رکھ دیجیے۔ ابھی جو نام آپ کی زبان سے ادا ہوا، کچھ برا نہیں۔ آپ ہمیں دلآرام کہا کیجیے گا۔''

''ہم تمھیں بے شمار ایسے نام دے سکتے ہیں لیکن تمھارا اصل نام جاننے کی خواہش اپنی جگہ۔''

''کنیز کو خیزران کہتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''خیزران۔'' شہزادہ محمد نے دہرایا۔ ''اس نام میں بھی ایک کاٹ تو ہے، ایک تمکنت تو ہے!''

''یہ آپ کا حُسنِ نظر ہے کہ میری ذات سے وابستہ ہر پہلو قابلِ ستائش قرار پا رہا ہے۔'' خیزران نے کہا۔ ''میری اتنی تعریف نہ کیجیے کہ میرے پیر زمین پر نہ رہیں۔''

☆☆☆

شہزادہ محمد کے پاس اس وقت جو کچھ تھا، وہ اُس نے سوداگر کی جھولی میں ڈال دیا، اور وہ اتنا کچھ تھا کہ سوداگر پر سکتے کی سی کیفیت چھا گئی۔ وہ خود اتنا زیادہ مطالبہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

خیزران شہزادہ محمد کے محل میں آئی تو وہ یوں محسوس کرنے لگا جیسے ساری دنیا کی بہاروں کا رخ اس کے محل کی طرف ہو گیا ہو۔ وہ سب کچھ بھول کر صرف خیزران کا ہو کر رہ گیا۔ خیزران کے ساتھ گزرنے والے شب و روز کی وہ قربت اس کی دارفتگی و شیفتگی میں کمی لانے کے بجائے اضافہ ہی کرتی رہی۔ اگر اس وقت تک شہر ''رے'' کی تعمیر مکمل نہ ہو چکی ہوتی تو ادھوری ہی رہ جاتی۔

دوسری طرف خیزران کے لیے یہ ایک سنسنی خیز مسرت ثابت ہوئی تھی کہ اس کے طالعِ بے دار نے اُسے خلیفۂ وقت کے بیٹے شہزادہ محمد کی کنیز بنایا تھا اور کنیز بھی ایسی جس کا جاہ و حشم کسی شہزادی سے کم نہ تھا۔ نہایت قیمتی ملبوسات اور زیورات و جواہر کی اس کے پاس ایسی فراوانی ہو گئی تھی جس کا تصور بھی کسی کنیز کے لیے ممکن نہیں تھا، لیکن اُس

Marfat.com

کے ظرف میں ایسی گہرائی و گیرائی تھی کہ غرور اُس کے انداز و اطوار کے قریب بھی نہ پھٹک سکا۔ کنیز، غلام اور خدام کے لیے وہ محل میں ایک خلیق اضافہ تھی۔

ریطہ کا انداز اس سے یکسر مختلف تھا۔ وہ اس زعم میں رہتی تھی کہ وہ شہزادہ محمد کی بیوی ہونے کے علاوہ خلیفۂ وقت کی بھتیجی اور مرحوم عباسی خلیفہ کی بیٹی تھی۔ یہ اُس نے اپنے لیے کبھی ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہ محل کی کنیزوں، غلاموں اور خدّام کے لیے خوش اطوار ہو۔ وہ خیزران سے تو شدید نفرت کرنے لگی تھی اور اس سے پہلے اُس نے ان کنیزوں کو کبھی منہ نہیں لگایا تھا جو شہزادہ محمد کی بارگاہِ خلوت سے سرفراز ہوتی رہتی تھی۔

اس وقت تک ''رے'' میں شہزادہ محمد کے سات سال گزر چکے تھے۔ وہ گزرے ہوئے سال اور وہ زمانہ اُس کے باپ خلیفہ المنصور کے لیے ایک پُر آشوب دور تھا۔ سلطنت کے لیے کھڑی ہونے والی مشکلات اس کے لیے ایک امتحان بنی رہی تھیں۔ حجاز و عراق کی شورشیں کچلنے میں بھی اُسے خاصا وقت لگا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ مرنے سے پہلے اپنے بیٹے، اپنے جانشیں کے لیے سلطنت کو مستحکم کر جائے اور اس کا خزانہ بھرپور ہو۔

تمام مشکلات پر قابو پانے کے بعد اُس نے اپنے بیٹے کی عدم موجودگی ہی میں اُس کی ولی عہدی کا اعلان کیا، اس کے حق میں بیعت لے لی اور اُسے ''مہدی'' کا لقب دیا۔

''رے'' پہنچنے والی اس خبر نے شہزادہ محمد کی خوشیاں دو چند کردیں کیوں کہ انھی دنوں میں خیزران اُس کے ایک بیٹے کی ماں بنی تھی جس کا نام اُس نے ''موسیٰ'' رکھا تھا۔ پھر اُس نے خیزران کو قیدِ غلامی سے آزاد کر کے اُس سے باقاعدہ شادی کرلی۔

اگرچہ اس سے پہلے بھی محل میں خیزران کا مرتبہ کچھ کم نہ تھا لیکن اب اُسے شرعی و اخلاقی جواز بھی مل گیا اور وہ شہزادہ محمد کی خاندانی بیوی ریطہ کی ہم مرتبہ قرار پا گئی۔ محل میں اس کا رعب و دبدبہ بڑھ گیا۔ اب محل کی کنیزیں واقعی اس کی کنیزیں تھیں کیوں کہ وہ اب ولی عہدِ سلطنت کی بیوی اور اُس کے بیٹے موسیٰ کی ماں تھی۔

اب ریطہ کو بھی شدّت سے احساس ہوا کہ خیزران اس کی سوکن بن چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے مزاج کی کڑواہٹ اور بڑھ گئی۔ اس کے برعکس خیزران کے طور

Marfat.com

طریق میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ فخر وانبساط سے آشنا ہو کر بھی محل میں اُس کا وجود شاخِ ثمر بار ہی بنا رہا۔ وہ سب کی دل دہی کرتی اور کسی پر اپنی فوقیت نہ جتاتی۔ اسی لیے وہ محل میں سبھی کو محبوب ہو گئی۔

ریطہ وہ سب کچھ دیکھتی اور کڑھتی رہی لیکن یہ اُس کی فطرت اور مزاج کے خلاف تھا کہ وہ خیزران کے نقشِ قدم پر چلتی۔ اس قسم کے انداز اپنانا وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی۔

یہ اب طے پا چکا تھا کہ المنصور کے بعد شہزادہ محمد المہدی ہی خلافت کے منصب پر جلوہ افروز ہوتا۔

محمد المہدی کا ولی عہد کون بنے گا؟ اس سوال نے ریطہ کو بہت زیادہ پریشان کر ڈالا۔ اگرچہ وہ علی کی ماں تھی جو شہزادہ محمد المہدی کا بڑا بیٹا تھا اور خاندانی بیوی سے تھا لیکن ریطہ کے دل میں یہ خوف جاگزیں ہو چکا تھا کہ شہزادہ محمد المہدی اپنے بڑے بیٹے کے بجائے موسیٰ کو اپنا ولی عہد بنائے گا کیوں کہ وہ اُس کی چہیتی خیزران کے بطن سے تھا۔

خیزران، جس کے بعد ریطہ، شہزادہ محمد المہدی کو کبھی مطلوب نہیں رہی تھی اور خیزران سے پہلے بھی وہ جو تھوڑی بہت قابلِ قبول رہی تھی تو اُسے محمد المہدی نے اپنی تقدیر کا جبر سمجھا تھا۔

☆☆☆

شہر ''رے'' دولتِ عباسیہ کا دوسرا پایہ تخت بن چکا تھا کیوں کہ ولی عہدِ سلطنت آٹھ سال سے وہیں مقیم تھا۔ اس عرصے میں تمدنی اعتبار سے بھی اس شہر کی حیثیت اور وقار بڑھتا جا رہا تھا۔ اسی لیے عرب وفارس کے بہت سے خاندان وہاں آ بسے۔ اُن میں بہت نمایاں خاندان آلِ برمک کا تھا۔

آلِ برمک کو ''برامکہ'' بھی کہا جاتا رہا ہے۔ دور بنو عباسیہ سے پہلے وہ لوگ آتش پرست تھے۔ ''برمک'' اس شخص کا لقب ہوتا تھا جو بلخ کے قریب بنے ہوئے ''آتش کدۂ نوبہار'' کے پجاریوں میں خاص فضیلت رکھتا تھا۔ اس آتش کدے کے آخری ''برمک'' نے اُموی سلطنت کے عبرت ناک زوال سے ذرا پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے اپنا

Marfat.com

نام خالد رکھا تھا لیکن اُسے شہرت خالد برمکی کے نام سے ملی۔

خالد برمکی نے تحریکِ عباسیہ میں نمایاں کارنامے سرانجام دیے تھے۔ اسی لیے اُموی سلطنت کے خاتمے کے بعد ابوالعباس السفاح عباسیوں کا پہلا خلیفہ بنا تو اُس نے خالد برمکی کو عسکری معاملات دیکھنے کی وزارت سونپنے کے علاوہ محکمۂ خراج کا مہتمم اعلیٰ بھی مقرر کیا۔

بغداد کی تعمیر کا مشورہ بھی خالد برمکی ہی نے خلیفہ المنصور کو دیا تھا اور جگہ بھی ایسی منتخب کی تھی کہ وہاں دارالخلافہ عسکری اعتبار سے بہت محفوظ رہتا۔ بیس سال سے خالد برمکی اور اُس کا بیٹا یحییٰ برمکی مختلف منصبوں پر فائز رہتے ہوئے سلطنتِ عباسیہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے تھے۔ ان باپ بیٹے نے عزت، شہرت، دولت، سبھی کچھ حاصل کیا۔ وہ دونوں اس وقت بھی مختلف مناصب پر فائز تھے جب شہزادہ محمد کو ولی عہد نام زد کرتے ہوئے ''مہدی'' کا لقب دیا گیا۔

''رے'' کی از سرِ نو تعمیر مکمل ہونے سے دو سال پہلے یحییٰ برمکی نے بھی وہاں اپنے خاندان کے لیے ایک محل بنوانا شروع کر دیا تھا۔ محل تعمیر ہوتے ہی اُس کے گھر والے ''رے'' منتقل ہو گئے۔

باپ کی طرح یحییٰ برمکی بھی بہت دور اندیش تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ مستقبل میں خلافت کا منصب شہزادہ محمد ہی کو ملے گا لہٰذا یہ شاید اس کی خواہش ہو کہ اُس کے خاندان والوں کو مستقبل کے خلیفہ کی قربت حاصل ہو جائے۔

یحییٰ برمکی کی تین بیویاں تھیں اور تینوں جوان تھیں۔ ایک کا نام زینب، دوسری کا نام عتابہ اور تیسری کا نام فاطمہ تھا۔ وہ قحطبہ بن شبیب کی پوتی تھی جو تحریکِ عباسیہ کا نہایت اہم سپہ سالار تھا۔

اُن تینوں خواتین نے کسی نہ کسی طرح خیزران سے اپنے تعلقات استوار کر لیے اور خیزران ان پر مہربان و ملتفت ہوتی رہی۔ وہ فطری طور پر ہی ملنسار تھی اور اُسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ آلِ برمک کا خلافتِ عباسیہ سے گہرا تعلق استوار ہو چکا ہے۔

محل کا جو حصہ خیزران کے لیے مخصوص تھا، وہاں وہ تینوں خواتین اکثر موجود

Marfat.com

رہتی تھیں اور اگر تینوں نہیں تو ایک تو ہوتی ہی تھی۔ وہ تینوں ہی ننھے موسیٰ سے پیار کرتی تھیں اور اُسے اس طرح کھلاتی تھیں جیسے وہ اس کی آیا ہوں۔ خیزران نے یہ حق صرف انھی کو دیا تھا۔ محل کو کسی کنیز کی مجال نہیں تھی کہ موسیٰ کو گود ہی میں لے لیتی۔

خیزران کو اپنے ننھے بیٹے سے والہانہ محبت تھی اور وہ اُس کی پرورش ایک عام ماں کی طرح کر رہی تھی۔ وہ خود اُسے دودھ پلاتی، اُس کے کپڑے تبدیل کراتی اور اُسے شاداں و فرحاں رکھنے کے لیے اپنے شب و روز کا ایک ایک لمحہ اسی کے لیے وقف رکھتی۔

موسیٰ اس وقت ایک سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ خیزران نے اپنے بطن میں ایک اور روح کلبلاتی محسوس کی۔ اور موسمِ سرما کی ایک رات اُس نے خود کو پھر ماں بنتے ہوئے دیکھا۔ اس بار بھی وہ ایک بیٹے ہی کی ماں بنی تھی۔ وہ موسیٰ سے زیادہ صحت مند پیدا ہوا تھا اُس کی خوب روئی اُس کی پیدائش کے وقت بھی محسوس کی جاسکتی تھی۔ اُس کا نام ہارون رکھا گیا۔ اُس کی پیدائش پر خیزران کی فراوانیِ مسرت دیدنی تھی۔

نومولود کے نام پر محل میں جشن منایا گیا جس سے ریطہ نے خود کو قطعی بے تعلق رکھا۔ اس موقع پر تو اس کے دل کی آگ اور بھڑک اُٹھی تھی۔ اُس کی سوچ کے مطابق اب اُس کے بیٹے کا ایک اور ”رقیب“ پیدا ہوگیا تھا۔ وہ سوچ ایسی تھی جیسے ریطہ کے دماغ میں زہریلے ناگ کلبلانے لگے ہوں۔ وہ ناگ جو علی بن ریطہ کے رقیبوں کو ڈس لینا چاہتے تھے۔

خلیفہ المنصور کو اپنے ایک اور پوتے کی نویدِ مسرت اس وقت ملی جب وہ ہاشمیہ سے اپنے نئے پایۂ تخت بغداد منتقل ہو رہا تھا جس کی تعمیر کے مراحل اختتام کو پہنچ چکے تھے۔ المنصور نے ہارون کی ولادت کو نیک فال قرار دیا۔

”خالد برمکی!“ وہ پُر مسرت لہجے میں بولا۔ ”ہمارا یہ نیا دارالخلافہ بہت پھلے پھولے گا کیوں کہ ہارون کی تاریخِ ولادت اور بغداد کی تاریخ تکمیل ایک ہی ہے۔“

”خدا آپ کی زبان مبارک کرے امیر المومنین!“ خالد برمکی نے کہا۔ ”سلطنت میں جو سب سے اچھا زائچہ نکالنے والا ہو، اسی سے ننھے شہزادے کا زائچہ بنوایئے!“

المنصور نے مسکرا کر کہا۔ ”چھ ماہ قبل ہم نے بھی تمھیں ایک پوتے کی پیدائش پر مبارک باد دی تھی۔“

Marfat.com

''جی امیر المومنین!''

چھ ماہ قبل یحییٰ برمکی کی بیوی زینب ایک بیٹے کی ماں بنی تھی۔ اُس کا نام ''فضل'' رکھا گیا تھا۔

ہارون کی پیدائش نے خیزران کو بہت درماندہ وخستہ کر دیا تھا۔ اُس نے موسیٰ کے لیے تو اپنے شب وروز ایک کر دیے تھے لیکن ہارون کی دیکھ بھال وہ اس طرح نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ اس کی چھاتیوں میں اتنا دودھ بھی نہیں اُتر رہا تھا کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کو پلا سکے۔ اس موقع پر زینب اُس کے کام آئی۔ اُس نے اپنے بیٹے فضل کے ساتھ ہارون کو بھی دودھ پلایا۔

پھر چند ماہ بعد یحییٰ کی دوسری بیوی عتابہ نے بھی ایک بچے کو جنم دیا جس کا نام جعفر رکھا گیا۔ اس وقت کسی کے سان گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ نومولود تاریخِ عباسیہ کا ایک اہم کردار بن جائے گا۔

عتابہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا معاملہ ہوا کہ وہ اپنے بیٹے جعفر کو دودھ نہیں پلا سکی لہٰذا یہ فرض یحییٰ برمکی کی تیسری بیوی فاطمہ نے سرانجام دیا۔ کبھی کبھی وہ ہارون کو بھی دودھ پلا دیتی تھی۔ اس طرح جعفر اور فضل، دونوں ہی ہارون کے رضاعی بھائی بن گئے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ خیزران نے ہی ہارون کو دودھ پلایا اور اُس کے ساتھ جعفر کو بھی! اُس سے خیزران کا مقصد صرف یہ تھا کہ جعفر کی ماں عتابہ اسے اپنی عزت افزائی سمجھے۔

ان سب باتوں کو دیکھ کر بھی ریطہ کی جلن اور حسد میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ ان تینوں کو محل میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی لیکن اُسے اندازہ تھا کہ اس معاملے میں دخل اندازی کر کے اُسے خیزران کے باعث سبکی اُٹھانا پڑے گی۔ وہ اگر اُن تینوں کو اپنا ہم سر نہ سمجھتی تو وہ درست بھی ہوتا وہ بہر حال اس خاندان کی عورتیں تھیں جو اس کے چچا کی سلطنت کا ملازم تھا لیکن وہ اُنھیں حقیر و ذلیل گردانتی تھی اور اُس کی سوچ کے مطابق ایک ''کنیز'' ہی انھیں سر آنکھوں پر بٹھا سکتی تھی۔ ریطہ کے دماغ سے یہ کسی طرح نکل ہی نہیں سکتا تھا کہ خیزران اب کنیز نہیں رہی تھی۔

Marfat.com

ریطہ کو یہ بھی گراں گزرتا تھا کہ خیزران مجسم ''جود وسخا'' بن گئی تھی۔ وقت کے ستائے ہوئے لوگوں کے ساتھ اُس کا رویہ نہایت رحیمانہ و شفقت آمیز ہوتا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے وہ درہم و دینار کی تھیلیوں کے منہ کھولے رکھتی تھی۔ اُس کی عالی حوصلگی کے چرچے ''رے'' کے گوشے گوشے میں کیے جانے لگے تھے۔

یحییٰ برمکی کی تینوں بیویوں نے ایک روز خیزران کی عالی حوصلگی اور رحم دلی کا ایک ایسا مظاہرہ دیکھا کہ خوف سے اُن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس وقت موسیٰ خیزران کی گود میں تھا۔

ایک کنیز نے خیزران کو اطلاع دی۔ ''ایک خستہ حال عورت محل کے دروازے پر کھڑی زاروقطار رو رہی ہے۔ اس کی حالت بالکل فقیروں جیسی ہے اس لیے سپاہیوں نے اُسے محل سے دور دھکیلنا چاہا تھا۔ اس پر اُس نے ایک نوکیلا پتھر اُٹھالیا ہے اور چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ اگر اُسے خاتون خیزران کی خدمت میں حاضر نہ ہونے دیا گیا تو وہ پتھر سے اپنا سر پھاڑ لے گی۔''

''سپاہی کیوں روک رہے ہیں اُسے؟'' خیزران برہم ہوگئی۔ ''وہ ضرور کوئی حاجت مند ہوگی۔ کیا سپاہیوں نے اتنے عرصے میں بھی نہیں جانا کہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کو میں نے اپنی عبادت بنالیا ہے؟ جاؤ! اس عورت کو اپنے ساتھ لاؤ۔ سپاہیوں کو بتادینا کہ یہ میرا حکم ہے۔ اگر آئندہ انھوں نے کسی غریب کو مجھ تک پہنچنے سے روکا تو انھیں اُس کی بہت کڑی سزا ملے گی۔''

کنیز ادب سے سر ہلا کر جلدی سے چلی گئی۔

''کیسی شرم کی بات ہے یہ!'' خیزران یحییٰ کی بیویوں سے کہنے لگی۔ ''کم از کم ولی عہدِ سلطنت عباسیہ کے محل میں ایسے سپاہی نہیں ہونا چاہئیں جو غریبوں کے لیے فرعون بن جائیں۔''

عتابہ جس کی گود میں اس وقت ہارون تھا، آہستہ سے بولی۔ ''یہ تو سپاہیوں کا فرض ہے خاتون خیزران! اگر وہ روک تھام نہ کریں تو فقیروں کی قطار کی قطار محل میں گھستی چلی آئے۔''

Marfat.com

''اگر شہر میں اتنے فقیر ہیں تو میں ہی جلد ولی عہد سلطنت سے یہ حکم جاری کرواؤں گی کہ آج کے بعد اس شہر میں کوئی فقیر نہ رہے۔ ان سب کو اتنا دے دیا جائے کہ وہ اپنی روزی خود کما سکیں، انھیں کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔''

''بے شک یہ آپ کا نیک اقدام ہوگا۔'' زینب نے خیزران سے اتفاق کیا۔

اس وقت عتابہ کا بیٹا جعفر اُس کی گود میں تھا۔ خود اُس کے بیٹے فضل کو فاطمہ اپنی گود میں لیے ہوئے تھی۔ یحیٰی کی ان تینوں بیویوں نے یہ خیزران ہی سے سیکھا تھا کہ اپنے بچوں کو کلی طور پر کنیزوں اور خدام پر نہیں چھوڑنا چاہیے، جیسا کہ ریطہ نے کیا تھا۔ اپنے بیٹے علی کو اُس نے کنیزوں پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ خود اُس کی طرف سے بڑی حد تک غافل رہنے لگی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد کنیز واپس آئی تو اُس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک رنگ جا رہا تھا۔

''کیوں؟'' خیزران کی پیشانی شکن آلود ہوگئی۔ ''اُسے لے کر نہیں آئیں؟''

''لائی ہوں خاتون!'' کنیز نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اُسے قریب کے ایک کمرے میں چھوڑ آئی ہوں۔ اس سے کہا ہے کہ آپ کو اطلاع دینے جا رہی ہوں۔''

خیزران بگڑ کر بولی۔ ''اس کے بارے میں اطلاع تُو نے مجھے پہلے ہی دے دی تھی۔''

''جی خاتون!'' کنیز نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''دراصل ابھی میری ماں نے اُسے دیکھا تو پہچان لیا۔ اس نے مجھے چپکے سے بتایا کہ وہ کون ہے اور کہا کہ اُسے آپ کے پاس لانے سے پہلے آپ کو بتا دوں کہ وہ کون ہے۔''

اس کنیز کی ماں بھی کنیز تھی جسے بڑھاپے کے باعث مطبخ تک محدود کر دیا گیا تھا۔

''کون ہے وہ؟'' خیزران نے تعجب سے پوچھا۔

زینب، عتابہ اور فاطمہ بھی متجسس نظروں سے کنیز کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

کنیز بولی۔ ''وہ خلیفہ مروان بن محمد کی بیوہ ہے۔''

بنواُمیہ کے آخری خلیفہ کا نام سن کر خیزران اور یحیٰی کی بیویاں چونک پڑیں۔ ان تینوں کے تو چہروں کا رنگ ہی بدل گیا، لیکن خیزران چونکنے کے بعد سوچ میں ڈوبی ہوئی

Marfat.com

نظروں سے کنیز کی طرف دیکھنے لگی جو سر جھکائے کھڑی تھی۔

''اُسے لے آؤ!'' خیزران نے کچھ توقف کے بعد آہستہ سے کہا۔ کنیز چلی گئی۔

''یہ آپ کیا کر رہی ہیں!'' فاطمہ جلدی سے بولی۔ ''وہ خانوادۂ عباسیہ کے دشمنوں سے تعلق رکھتی ہے۔ آپ اُسے دیکھنا ہی چاہتی ہیں تو دو ایک سپاہی ضرور طلب کر لیں۔

خیزران مسکرائی۔ ''یہ میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔'' اُس نے اپنی کمر سے بندھے پٹّے میں اڑسے ہوئے خنجر کے قبضے پر ہاتھ رکھا۔

عتابہ بولی۔ ''زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے خاتون خیزران!''

خیزران نے اُس کی گود میں موجود اپنے بیٹے ہارون کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اُس کی پیدائش کے وقت میں بے شک بہت کم زور ہو گئی تھی لیکن اب میری صحت بالکل ٹھیک ہے۔ اگر وہ عورت کسی برے ارادے سے آئی ہے تو اُس کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹنے کا سبب میرا خنجر ہی بنے گا۔''

یحیٰی کی تینوں بیویاں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

کنیز کے ساتھ ایک بوسیدہ چادر میں خود کو لپیٹے جو عورت وہاں آئی، اس کی عمر شاید چالیس سال سے بھی زیادہ ہو لیکن اُس کے چہرے پر چھائی ہوئی درماندگی نے اُسے بڑھاپے کی طرف دھکیل دیا تھا۔

''خاتون!'' عورت نحیف آواز میں بولی۔ ''میں زمانے کے ہاتھوں سے مار کھائی ہوئی ایک بدنصیب عورت ہوں۔ میں نے آپ کے بارے میں لوگوں سے سنا تو آپ کے پاس چلی آئی۔ میں تیرہ چودہ سال سے دربدر کی ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہوں۔ کسی نے مجھے پناہ نہیں دی۔ آپ اپنے پیارے بیٹوں کی زندگی کی خیرات میں میری باقی زندگی کو کچھ سہارا دے دیں۔ میری اس بدبخت زندگی نے مجھے اتنا تھکا دیا ہے کہ دل میں موت کا خوف بھی نہیں رہا، اس کی بھی پروا نہیں رہی کہ آپ مجھے سہارا دینے کی بجائے مجھے قتل کروا سکتی ہیں۔''

''کیوں؟'' خیزران نے بے ساختہ پوچھا۔ ''میں تمھیں قتل کیوں کرواؤں گی؟ اس کے لیے کیا جواز ہے میرے پاس؟''

Marfat.com

''جواز تو بہت مضبوط ہے۔'' وہ آب دیدہ ہوکر بھرآئی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھ بدنصیب کا نام مزنہ ہے۔ میں خلیفہ مروان بن محمد کی بیوہ ہوں۔''

خیزران اور یحییٰ کی بیویاں چونک پڑیں۔ اُنھیں یقیناً یہ قیاس کرنے میں دشواری رہی ہوگی کہ وہ عورت خود ایک ایسا اعتراف کرلے گی جسے دورِ عباسیہ میں ایک سنگین اعتراف کہا جاسکتا تھا۔

خیزران گہری نظروں سے مزنہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اُس نے مزنہ کی درماندگی اُس کے لہجے میں بھی محسوس کی تھی۔ اُس کی بھیگی ہوئی آنکھوں میں بھی تصنع کا عکس نظر نہیں آیا تھا۔

''ایک بات میں اور کہوں گی۔'' مزنہ کچھ توقف سے بولی۔ ''میں مروان بن محمد کی بیوہ تو ہوں لیکن بنواُمیہ کے خاندان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں ایک مصری کنیز تھی جس سے مروان بن محمد نے نکاح کرلیا تھا۔''

''اوہ!'' خیزران کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''پھر تو مروان کی بیوہ ہونا بنوعباس کی نظر میں تمھارا جرم ہونا ہی نہیں چاہیے۔ کنیز تو کنیز ہوتی ہے جسے اپنے آقا کی خوشنودی کے لیے ہر موقع پر سر جھکانا پڑتا ہے۔'' پھر اُس نے پوچھا۔ ''تم دمشق سے بچ کر کیسے نکلی تھیں؟ وہاں تو بڑی خونریزی ہوئی تھی۔ بنواُمیہ سے تعلق رکھنے والے بھی قتلِ عام سے نہیں بچ سکے تھے۔ صرف ایک شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام ہی وہاں سے نکل کر فرار ہونے میں کامیاب ہوسکا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اُندلس پہنچ گیا ہے اور وہاں اس نے اپنی حکومت قائم کرلی ہے۔ تم اس کے پاس کیوں نہیں چلی گئیں مزنہ؟''

''مجھے یہ سب کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔'' مزنہ نے جواب دیا۔ ''سال بھر سے زیادہ تو میں کونوں کھدروں میں نہ جانے کیسے چھپتی پھری تھی۔ پھر اُس کے بعد بھی میں نے کسی سے بنواُمیہ کا ذکر نہیں کیا۔ اس خاندان کی بات بھی کرنے سے لوگ ڈرتے تھے اور آج بھی ڈرتے ہیں۔ آپ سے پہلے میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ میں کون ہوں۔ آپ کو بھی اس لیے بتادیا کہ آپ کے رحم و کرم کا چرچا اس شہر میں ہر جگہ ہے، اور سب سے اہم بات یہ کہ میں اب زندگی سے بہت تھک گئی ہوں۔ موت کو گلے لگالینا اب میرے لیے

Marfat.com

کچھ مشکل نہیں رہا۔"

یحییٰ کی بیویاں یہ سب کچھ خاموشی سے سن رہی تھیں۔

خیزران نے پوچھا۔ "کیا کچھ ایسا بندوبست کر دیا جائے کہ تم اندلس پہنچ جاؤ؟"

"آپ میرے لیے جو کچھ بھی کریں گی، وہ مجھ پر احسان ہوگا۔"

"اس بارے میں کچھ سوچ کر ہی قدم اُٹھایا جا سکتا ہے۔ فی الحال تم محل کے اس حصے میں رہو جہاں کنیزیں رہتی ہیں۔ اگرچہ تمھیں کچھ عزت سے رکھا جانا چاہیے لیکن اس صورت میں لوگ تمھارے بارے میں بہت زیادہ استفسار کرنے لگیں گے اور جواب دینا میرے لیے بہت مشکل ہو جائے گا۔"

"آپ مجھے کسی بھی قسم کی خدمت گزاری پر لگا دیجیے!" مزنہ کچھ روہانسی آواز میں بولی۔ "میں دس بارہ سالوں میں وہ زندگی بھول چکی ہوں جو میں نے ایک خلیفہ کی بیوی کی حیثیت سے گزاری تھی۔ میرا اس وقت کا طنطنہ بے کسی کی خاک میں مل چکا ہے۔ دماغ کے سارے کس بل نکل چکے ہیں۔"

"تم اب اپنی باقی زندگی سکون سے گزار سکو گی۔"

"میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔" مزنہ تیزی سے آگے بڑھ کر خیزران کے قدموں میں گر گئی۔

خیزران اُسے اپنی طرف لپکتے دیکھ کر چوکنّا ہو گئی تھی اور اُس کا ہاتھ خنجر کے قبضے پر پہنچ گیا تھا۔ پھر اُس نے قبضے سے اپنا ہاتھ اس وقت ہٹایا جب اُس کے پیر مزنہ کے آنسوؤں سے بھیگنے لگے۔

"اُٹھو مزنہ!" خیزران نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "مجھے گناہ گار نہ کرو۔ جاؤ، جا کے غسل کرو اور کوئی مناسب لباس پہن لو۔ شاید تم بھوکی بھی ہو گی۔"

مزنہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی اُس کے قدموں سے اُٹھی۔ خیزران نے اس کنیز کی طرف دیکھا جو مزنہ کو اپنے ساتھ لائی تھی۔

"میں سمجھ گئی خاتون!" کنیز بول پڑی۔ "سب بندوبست کر دیا جائے گا۔" پھر اُس نے مزنہ سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔

Marfat.com

''سنو!'' خیزران نے کنیز کو گھورتے ہوئے نہایت سخت لہجے میں کہا۔ ''مزنہ کے بارے میں کوئی بات اس کمرے کی دیواروں کے باہر کسی کے کانوں میں نہ پہنچے۔ یہ تم اپنی ماں سے بھی کہہ دینا۔ اگر اس کے خلاف ہوا تو یہ زمین تم ماں بیٹی کا بوجھ صرف اس صورت میں اُٹھائے گی کہ تم دونوں کو خاک کر کے اس زمین کی مٹی میں ملا دیا جائے۔''

''آپ کا حکم فراموش نہیں کیا جائے گا خاتون!'' کنیز نے قدرے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''بس اب جاؤ۔''

کنیز مزنہ کو لے کر چلی گئی۔

خیزران نے ٹھنڈی سانس لے کر یحییٰ کی بیویوں سے کہا۔ ''وقت کے تھپیڑے کھائی ہوئی بڑی بدنصیب عورت ہے یہ۔'' پھر وہ کچھ اجنبی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''دنیا کی ہر کنیز خیزران کی طرح کا مقدر لے کر دنیا میں نہیں آتی۔''

یحییٰ کی بیویوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ایک بولی۔ ''آپ کے اس اقدام نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے خاتون خیزران!''

زینب بولی۔ ''یہی حالت میری بھی ہے۔''

فاطمہ نے کہا۔ ''میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔''

''کیوں!'' خیزران مسکرائی۔ ''کیا میں نے کوئی غلط قدم اُٹھایا ہے؟''

زینب نے کہا۔ ''آپ کے مزاج میں جو رحم دلی ہے، یہ فیصلہ اس کے مطابق بھی ہے لیکن شہزادہ ولی عہد سے یہ بات شاید چھپی نہ رہ سکے گی کہ آپ نے بنواُمیہ سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کو پناہ دی ہے۔''

''وہ واپس آ جائیں تو میں انھیں سمجھا لوں گی۔'' خیزران نے بڑے اطمینان و اعتماد سے کہا۔

شہزادہ محمد المہدی ان دنوں ''رے'' میں نہیں تھا۔ وہ اپنے والد کی طرف سے ملنے والے حکم کی تعمیل میں سپہ سالار خازم بن خزیمہ کے لشکر کے ساتھ استاذسیس کی سرکوبی کے لیے گیا ہوا تھا۔

Marfat.com

استاذ سیس کا تعلق خراسان ہی سے تھا۔ اس نے نبوّت کا دعویٰ کر کے بہت سے کم زور عقیدہ لوگ اپنے گرد جمع کر لیے تھے۔ جب اُس نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا تو خلافتِ عباسیہ کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ اُس نے کئی شہر فتح کر لیے تھے۔ جس کثیر تعداد نے اُس کی نبوّت تسلیم نہیں کی تھی، انھیں بڑی سفاکی سے قتل کر دیا گیا تھا۔ ان حالات کی اطلاع سب سے پہلے شہزادہ محمد المہدی ہی نے منصور کو بھیجی تھی اور منصور نے حکم صادر کیا تھا کہ اس ''لشکرِ کفار'' کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

شہزادہ محمد المہدی نے پیش قدمی کر کے نیشاپور میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ اُس نے خازم بن خزیمہ کو ایک لشکر کے ساتھ استاذ سیس کی جولان گاہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ خازم بن خزیمہ کی کمک کے لیے تابڑ توڑ لشکر بھیجے گئے اور آخر کار استاذ سیس کو اس کے پیروکاروں سمیت جہنم رسید کر دیا گیا۔

خود شہزادہ محمد المہدی کو بھی ملحدوں اور زندیقوں سے سخت نفرت تھی۔

☆☆☆

مزنہ کو محل میں چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک شام وہ خیزران کی خدمت میں باریاب ہوئی اور بولی۔

''کمرے میں پڑے پڑے میرا دل گھبرانے لگتا ہے، خاتون!''

''تو محل میں اِدھر اُدھر، کہیں بھی گھوم لیا کرو!'' خیزران نے کہا۔

''کتنا گھوموں گی!'' مزنہ نے کہا۔ ''میری خواہش ہے کہ آپ مجھے ننھے شہزادوں کی دیکھ بھال کا اعزاز عطا فرمائیں!''

''اُن کی دیکھ بھال کرنے والوں کی کمی نہیں ہے مزنہ!'' خیزران نے محبت سے ہارون اور موسیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی دیکھنا، زینب، فاطمہ اور عتابہ ان میں سے کوئی آجائے گی، اور میں خود بھی تو ہوں۔''

''وہ ابھی شام ہی کو تو گئی ہیں! مجھے ایک کنیز سے معلوم ہوا تھا۔ ماشاء اللہ وہ بھی بچوں کی مائیں ہیں اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ میں کچھ مصروفیت چاہتی ہوں۔ مجھے اور کچھ نہیں تو ننھے شہزادوں کی پوشاکیں تبدیل کرنے پر مامور کر دیں...... ! یہ میرے

Marfat.com

لیے ایک اعزاز بھی ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری درخواست رد نہیں کریں گی۔"

مزنہ کے لہجے میں ایسی پُر خلوص التجا تھی کہ خیزران اُسے ٹال نہ سکی اور ہنس کر بولی۔"اچھا کل سے تم یہ کام سنبھال لینا۔ لو، عتابہ تو آ گئی۔"

عتابہ کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اُسے اور یحییٰ کی دوسری بیویوں کو خیزران کے کمرے میں آنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

مزنہ نے عتابہ کو بھی تعظیم پیش کی اور پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ وہ بہت خوش تھی کہ اُسے آسانی سے اجازت مل گئی تھی۔ دوسری صبح سے اُس نے اپنی ذمے داری پوری کرنا شروع کر دی۔

"اب میرے شہزادے بیٹے کچھ بڑے ہو گئے ہیں۔" خیزران نے اُس سے کہا۔"ورنہ میں نے کبھی کسی بھی کنیز کو اُن کے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔"

ہارون اب قالین پر گھٹنوں گھٹنوں چلنے لگا تھا اور موسیٰ جب اپنے قدموں پر چلتا تھا تو اُس کی ڈگمگاہٹ دیکھ کر خیزران محبت سے ہنسنے لگتی تھی۔

مزنہ نے جو ذمے داری لی تھی، اُسے وہ بڑی خوش اسلوبی سے پوری کرتی رہی۔ چند دن بعد وہ اس رات چونکی جب ریطہ نے اُس کے کمرے میں قدم رکھا۔ مزنہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اُسے محل میں اتنے دن گزر چکے تھے کہ وہ ریطہ سمیت محل کے بہت سے لوگوں کے چہروں سے آشنا ہو گئی تھی۔

"آپ نے کیوں تکلیف فرمائی ریطہ خاتون!" مزنہ نے جلدی سے کہا۔"مجھے طلب کروالیا ہوتا!"

"بات دوسروں کے علم میں بھی آ جاتی۔" ریطہ نے سنجیدگی سے کہا۔"میں چاہتی ہوں کہ تم سے میرے ملنے کا علم کسی کو نہ ہو!"

مزنہ ٹکر ٹکر ریطہ کی طرف دیکھنے لگی۔

ریطہ بولی۔"یہ میرے علم میں ہے کہ تمھارا تعلق خاندانِ بنو اُمیہ سے رہا ہے۔"

مزنہ چونکی۔ ریطہ نے بات جاری رکھی۔"تمھارے دل میں خاندانِ عباسیہ کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کی وجہ سے تمھارا عیش و آرام سب چھن گیا۔

Marfat.com

برسوں سے تم انتہائی غربت کی زندگی گزارتی رہی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمھارے دل میں انتقام کے شعلے بھی بھڑک رہے ہوں گے مگر ان شعلوں کو بجھانے کے استعداد تم میں نہیں ہے۔ وہ تم کو میں دینا چاہتی ہوں۔''

مزنہ کا چہرہ سپاٹ نظر آنے لگا۔

ریطہ ٹہلتی ہوئی کہنے لگی۔ ''کام خطرناک ضرور ہے لیکن تم کر سکتی ہو۔ میں جانتی ہوں کہ خیزران تم پر بہت مہربان ہے۔ تمھیں محل سے کہیں جانے اور آنے کے لیے کسی کی اجازت درکار نہیں ہوتی۔ تم اپنا کام کرنے کے بعد محل سے ہی نہیں، اس سلطنت ہی سے کہیں دور نکل جانا۔ میں تمھیں اتنا کچھ دوں گی کہ تم اپنی باقی زندگی بڑے عیش و آرام سے گزار سکتی ہو۔ کیا تم ایک اچھی زندگی گزارنے کی خواہاں نہیں ہو؟'' ریطہ اُس کے سامنے رک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''ایسا کون ہوسکتا ہے ریطہ خاتون جو اچھی زندگی گزارنے کا خواہاں نہ ہو!'' مزنہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔

ریطہ کے ہونٹوں پر آنے والی شیطانی مسکراہٹ زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ وہ بولی۔ ''جو کام تمھیں کرنا ہے، وہ چند دن بعد بتایا جائے گا۔ ابھی تم یہ ایک تھیلی تو رکھ لو۔'' اُس نے ایک ریشمی تھیلی مزنہ کی طرف بڑھائی۔ ''اس میں دس ہزار دینار ہیں لیکن یہ اس کا پاسنگ بھی نہیں جو اس محل سے رخصت ہوتے وقت تمھارے پاس ہوگا۔''

تھیلی لیتے ہوئے مزنہ مسکرائی۔

ریطہ اُس کے کمرے سے چلی آئی۔ وہ فوری طور سے مزنہ پر مکمل اعتماد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اُسے آئندہ چند روز تک خیزران کا رویہ دیکھنا تھا۔ اس کی نگاہیں بہت تیز تھیں۔ وہ خیزران کے تاثرات سے اندازہ لگا لیتی کہ مزنہ نے اُسے کچھ بتا تو نہیں دیا!

اگر وہ بتا دیتی اور ریطہ پر الزام عائد کیا جاتا تو وہ نہ صرف یہ کہ مزنہ کو جھوٹا قرار دے دیتی بلکہ اُس پر برس بھی پڑتی اور شہزادہ محمد المہدی کی واپسی پر اس سے بھی کہتی کہ بنو اُمیہ کی وہ عورت بنو عباس کی رشتے داریوں میں دراڑ ڈالنا چاہتی ہے لہٰذا اُسے اس جرم کی سخت ترین سزا دی جائے۔ ریطہ اس سے بھی مکر جاتی کہ اُس نے مزنہ کو دس ہزار دینار دیے تھے۔

Marfat.com

ان دنوں میں ریطہ نے خیزران سے اپنا رویہ بھی تبدیل کیا اور گھما پھرا کر ایسی باتیں کیں جیسے اپنے سابقہ رویے پر نادم ہو۔ اس طرح اُس نے کبھی کبھی خیزران سے ملتے رہنے کا جواز پیدا کرلیا۔

ریطہ میں آنے والی یہ تبدیلی یحیٰ کی بیویوں کو بہت کھٹکی۔ ان دنوں یحیٰ اپنے ''رے'' کے محل ہی میں مقیم تھا لیکن دو ایک دن بعد بغداد جانے والا تھا۔ اُس نے جو رات عتابہ کے ساتھ گزاری، اسی رات عتابہ نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا امیر المومنین کو اپنے پوتوں کی پیدائش سے کوئی خوشی نہیں ہوئی؟''

''وہ بہت خوش ہیں عتابہ!'' یحیٰ نے کہا۔

''اگر انھیں خواہش ہوتی تو اپنے پوتوں کو چند دن ہی کے لیے بغداد بلوا لیتے!''

''دراصل وہ سلطنت میں مکمل امن و امان قائم کرنے سے پہلے اپنے ولی عہد کو بغداد نہیں بلوانا چاہتے۔ اس موضوع پر اُن سے میری باتیں ہو چکی ہیں۔ وہ ایک بڑی رکاوٹ دور کرنے اور شہزادہ محمد کو اپنا ولی عہد نامزد کرنے کے بعد ہی انھیں بغداد طلب کرنا چاہتے تھے کہ آرمینیا سے کچھ نامناسب خبریں ملیں اور اِدھر استاذ سیس کا قضیہ کھڑا ہو گیا۔''

''وہ انھیں جلد از جلد بلوا لیں تو اچھا ہے۔'' عتابہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

یحیٰ نے اُسے غور سے دیکھا۔ ''تم اس معاملے میں اتنی فکر مند کیوں ہو؟''

''خاتون ریطہ سے پہلے ہی ڈر لگا رہتا تھا، اب اور لگنے لگا ہے۔ وہ خاتون خیزران سے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگی ہیں۔ ان کی اس کوشش سے میں نہیں، زینب اور فاطمہ بھی کھٹک گئی ہیں۔ ہمیں کچھ گڑ بڑ محسوس ہو رہی ہے۔ خاتون ریطہ میں آنے والی اس تبدیلی پر کل تو خاتون خیزران نے بھی تعجب کا اظہار کیا تھا۔''

یحیٰ بہ دستور غور سے عتابہ کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ وہ بولا۔ ''کیا تم لوگوں کو خاتون ریطہ سے کوئی خاص اندیشہ لاحق ہے؟''

''درست سمجھا آپ نے!'' عتابہ نے کہا۔ ''کم سن شہزادے ہارون اور موسیٰ خاتون ریطہ کو شروع ہی سے کھٹکتے رہے ہیں۔ اُس کی آنکھوں میں ان دونوں کے لیے شدید نفرت دیکھی گئی ہے۔ یقین کریں، وہ اس خوف میں مبتلا ہے کہ شہزادہ محمد المہدی

Marfat.com

جب بھی خلافت کے منصب پر بیٹھیں گے، وہ انھی دونوں میں کسی کو اپنا ولی عہد نام زد کریں گے، خاتون ریطہ کے بیٹے شہزادہ علی کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔"

یحییٰ نے سوچتے ہوئے کہا۔ "غالباً تم تینوں کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ وہ ان دونوں شہزادوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔"

"آپ نے درست سمجھا۔ ہمیں یہی اندیشہ ہے۔ خاتون خیزران نے ہم سے کچھ نہیں کہا لیکن اس قسم کا خیال شاید اُن کے دماغ میں بھی ہے۔"

یحییٰ برمکی خاموشی سے کچھ سوچنے لگا۔

عتابہ پھر بولی۔ "اچھا ہوتا اگر امیر المومنین ان سب کو بغداد بلا لیتے۔ میں نے سنا ہے کہ قصرِ خلافت بہت وسیع رقبے پر بنایا گیا ہے۔ وہاں خاتون ریطہ کو ایسی ویسی کوئی حرکت کرنے کا موقع آسانی سے نہیں مل سکے گا۔"

المنصور نے بغداد میں اپنا جو محل بنوایا تھا، اُس کی تعمیر پونے دو لاکھ مربع گز پر ہوئی تھی۔ محل کا نام اُس نے "قصر الذہب" یعنی "سونے کا محل" رکھا تھا۔

یحییٰ نے کہا۔ "مجھے تو یہ تم لوگوں کا محض وہم معلوم ہوتا ہے۔ خاتون ریطہ کم سن شہزادوں کے خلاف کوئی سنگین قدم اُٹھا کر یہاں بھی نہیں بچ سکتیں۔"

"وہ خود کچھ کرنے کے بجائے کسی کو آلۂ کار بنا سکتی ہیں۔"

"کچھ عرصہ پہلے فاطمہ نے مجھے بتایا تھا کہ محل میں ہر فرد خاتون خیزران کا شیدائی ہے۔ اُن میں سے کوئی خاتون ریطہ کا آلۂ کار کیسے بن سکتا ہے؟"

عتابہ چپ رہ گئی۔ خاتون خیزران نے اُسے اور فاطمہ و زینب کو بھی قسم دی تھی کہ وہ مزنہ کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گی۔

عتابہ کا خیال تھا کہ بنو اُمیہ کی اس عورت کو محل میں رکھ کر خاتون خیزران نے اچھا نہیں کیا تھا۔ وہ عورت کسی لالچ میں آ کر خاتون ریطہ کی آلۂ کار بن سکتی تھی۔ اس کا تعلق خاندانِ بنو اُمیہ سے نہ بھی سہی لیکن وہ اس خاندان کے ایک خلیفہ کی بیوی بہر حال رہی تھی اور اُسے بیوہ بنانے والے خانوادۂ عباسیہ کے لوگ تھے۔

"خیر!" یحییٰ برمکی نے کہا۔ "میں پرسوں بغداد جا رہا ہوں۔ امیر المومنین سے

Marfat.com

بات کروں گا۔ وہ شہزادہ ولی عہد اور اُن کے حرم کو بغداد بلالیں تو اب کوئی حرج نہیں۔ سلطنت کے حالات بڑی حد تک قابو میں آچکے ہیں۔''

''شہزادہ ولی عہد کی واپسی کب تک متوقع ہے؟'' عتابہ نے پوچھا۔

''مجھے ملنے والی اطلاعات کے مطابق وہ ''رے'' واپس آچکے ہیں۔ اس وقت انھیں محل میں ہونا چاہیے۔''

یحییٰ برمکی کا خیال غلط نہیں تھا۔ شہزادہ محمد المہدی اس وقت محل میں تھا اور خیزران اُسے مزنہ کے بارے میں بتا چکی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ شہزادہ محمد المہدی اس اطلاع پر برافروختہ نہیں ہوگا۔ وہ اس کی طبعی رحم دلی اور نرم مزاجی سے خوب واقف ہوچکی تھی۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا خیزران!'' شہزادہ محمد المہدی نے خیزران کی توقع کے مطابق جواب دیا۔ ''اگر تم اُس کے برخلاف کوئی قدم اُٹھاتیں تو مجھے بہت افسوس ہوتا۔''

خیزران نے خوش ہوکر کہا۔ ''آپ سمجھتے ہیں نا کہ وہ ایک ستم رسیدہ عورت ہے!''

''ہاں خیزران!'' شہزادہ محمد المہدی نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں یہ تو مانتا ہوں کہ سلطنتِ اُمیہ کا انجام عبرت ناک ہی ہونا چاہیے تھا لیکن کم از کم عورتوں اور بچوں کے ساتھ وہ سفا کی مناسب نہیں تھی۔ خیر چھوڑو۔ تم نے میرے آتے ہی ایسی بات چھیڑ دی کہ میں تمھیں ایک خوش خبری دینا بھول گیا۔ میں آج ہی لوٹا ہوں اور آج ہی والد محترم کا محبت نامہ آیا ہے۔ انھوں نے ہمیں بغداد طلب کیا ہے۔ بہت عرصے بعد بے قرار ہوئے ہیں وہ اپنے پوتوں اور اپنی دوسری بہو کو دیکھنے کے لیے۔''

''آپ نے واقعی خوش خبری دی ہے مجھے!'' خیزران مسکرائی۔ ''میں نے سنا ہے کہ انھوں نے ایک مثالی شہر بنایا ہے!''

شہزادہ محمد المہدی نے کہا۔ ''جو لوگ بغداد ہو آئے ہیں، انھیں میں نے رطب اللسان ہی پایا ہے۔''

یکا یک خیزران کسی سوچ میں پڑ گئی اور بہت سنجیدہ نظر آنے لگی۔

شہزادہ محمد المہدی نے تعجب کا اظہار کیا تو وہ بولی۔ ''ایک بات کہنا چاہتی ہوں آپ سے!''

Marfat.com

''اتنی سنجیدہ ہوکر کیا کہنا چاہتی ہو؟'' محمد المہدی کا استعجاب برقرار رہا۔

''خاتون ریطہ کو یہیں چھوڑ جایئے۔آج کل میں اچانک ہی اپنی سوکن سے خوف زدہ رہنے لگی ہوں۔''

''کیوں؟'' محمد المہدی کے استعجاب میں اضافہ ہوا۔

خیزران نے وہی سب کچھ کہہ ڈالا جو ذرا ہی دیر پہلے عتابہ اپنے محل میں یحییٰ برمکی سے کہہ چکی تھی۔

محمد المہدی ہنس پڑا۔''نہیں خیزران! ریطہ اتنی بڑی حماقت نہیں کرسکتی۔''

''اور اگر کر گزری!'' خیزران برہمی سے بولی۔''کہے دیتی ہوں میں آپ سے! اُس کے سینے پر چڑھ کر اُس کا خون پی جاؤں گی۔''

''اُس کے سینے ہی پر چڑھنا تمھارے لیے بہت مشکل ہوگا۔'' محمد المہدی نے ہنستے ہوئے کہا۔''اچھی خاصی پہلوان ہے وہ!''

''میری حددرجہ سنجیدگی کو آپ مذاق میں اُڑا رہے ہیں!'' خیزران روہانسی ہوگئی۔

''خیزران!'' محمد المہدی سنجیدہ ہوکر محبت آمیز لہجے میں بولا۔''تمھیں دراصل اندازہ نہیں ہے کہ والد محترم اپنی بھتیجی کو بہت چاہتے ہیں۔ وہ بہت ناراض ہوں گے اگر ہم ریطہ کو ساتھ نہ لے گئے!''

''لیکن......'' خیزران نے کہنا چاہا۔

محمد المہدی نے اُس کی بات کاٹی۔''میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو خیزران!''

خیزران اُس کی طرف اس طرح دیکھنے لگی جیسے خود کو بڑا بے بس محسوس کررہی ہو۔

محمد المہدی نے اُسے اپنے سینے سے لگالیا اور بولا۔''یہ اوہام اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔ایسا کوئی وقوعہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

خیزران کچھ نہیں بولی۔

''ہم مزنہ کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔'' محمد المہدی پھر بولا۔''مجھے یقین ہے کہ بنواُمیہ کے خلاف جو شدید اشتعال والد محترم کو بھی تھا، وہ اب اس حد تک ضرور ختم ہوچکا ہوگا کہ وہ ایک عورت کو قابلِ تعزیر نہیں ٹھہرائیں گے۔مزنہ پر اُن کا عتاب نازل

Marfat.com

نہیں ہوگا۔ وہ اُموی خاندان کی ہے بھی نہیں۔ تم بتا چکی ہو کہ وہ ایک مصری ہے۔"

خیزران اب بھی کچھ نہیں بولی۔ بس کسی سوچ میں پڑی رہی۔

ٹھیک اسی وقت ریطہ بھی اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتی ہوئی ایک فکر میں غلطاں و پیچاں تھی۔ ذرا دیر پہلے اُسے کسی ذریعے سے معلوم ہوا تھا کہ محمد المہدی کو اُس کے حرم کے ساتھ بغداد طلب کرلیا گیا ہے۔

روانگی کی تیاری میں دو تین روز سے زیادہ نہیں لگیں گے، ریطہ سوچ رہی تھی، اور بغداد پہنچنے کے بعد وہ سب کچھ ہونا بہت مشکل ہوجائے گا جو وہ چاہتی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ محمد المہدی کو خیزران نے مزنہ کے بارے میں سب کچھ بتادیا ہوگا۔ یہ تو ممکن تھا کہ خیزران کی محبت میں وہ مزنہ کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھاتا لیکن مزنہ کو اپنے ساتھ بغداد لے جانے میں اُسے تامل ہوتا۔ خیزران اُسے مجبور کرسکتی تھی لیکن اس صورت میں موت، مزنہ کا مقدر بن جاتی۔ ریطہ کو یقین تھا کہ مروان بن محمد کی بیوہ کو خلیفہ المنصور سے معافی ہرگز نہیں ملتی۔ بغداد میں اُس کی گردن اُڑایا جانا یقینی امر تھا۔

مزنہ ہی ایک ایسی عورت تھی جسے ریطہ نے بہت سوچ سمجھ کر آلۂ کار بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور اب بغداد میں طلبی، ریطہ سے عجلت کی طالب ہوگئی تھی۔ اب ذرا بھی تاخیر کرنے سے سارا کھیل ہاتھ سے نکل جاتا۔

ریطہ کو یہ خیال تھا کہ بغداد میں جب مزنہ کی گردن اُڑائی جائے گی تو خیزران پر بھی خلیفۂ وقت کا کچھ نہ کچھ عتاب ضرور نازل ہوگا لیکن اُس کے بچے تو بہرحال محفوظ ہی رہتے۔

"وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔" ریطہ ٹہلتے ہوئے بڑبڑائی۔ "میں انھیں محفوظ نہیں رہنے دوں گی۔"

ریطہ کی وہ رات بے چینی میں سوتے جاگتے گزری۔ دن میں بھی اُس کی بے قراری کو قرار نہیں آیا۔ سہ پہر کے بعد وہ مزنہ کے کمرے میں اس وقت پہنچی جب مزنہ کم سن شہزادوں کا لباس تبدیل کرکے لوٹی تھی۔ صبح سے رات تک اُسے یہ فرض چار مرتبہ ادا کرنا پڑتا تھا۔

Marfat.com

"اب تم رات کو جاؤ گی!" ریطہ نے اُس سے کہا۔

"جی۔" مزنہ اُس کی طرف تجسس سے دیکھتی رہی۔

"میں تم سے بہت خوش ہوں مزنہ!" ریطہ نے کہا۔ "تم میری وفادار رہی ہو۔ اگر تم نے خیزران کو کچھ بتا دیا ہوتا تو میں اُس کے چہرے کے تاثرات سے سمجھ جاتی۔ میں خوب جانتی ہوں کہ اُسے اپنے جذبات دبانے یا چھپانے کا فن نہیں آتا۔ اسی لیے میں نے یہ بھی جان لیا کہ وہ مجھ سے ملتی تو رہی لیکن اُس نے مجھے خوش دلی سے قبول نہیں کیا تھا۔" ریطہ ہنسی۔ "نہ کرے!...... مجھے اُس سے کیا لینا۔ اس سے ملتے جلتے رہنے سے میرا مقصد پورا ہو گیا۔ میں اُس کی خواب گاہ کے گوشے گوشے سے اور دیگر بہت سی باتوں سے پوری واقفیت حاصل کر چکی ہوں۔ ایک بار میری موجودگی میں تم بھی وہاں آئی تھیں۔"

"جی۔" مزنہ نے دھیمی آواز میں کہا۔ "آپ نے فرمایا تھا کہ جو کام مجھے کرنا ہے وہ چند دن بعد بتایا جائے گا۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے وہ چند دن، بہت دنوں میں گزرے ہیں۔ آپ نے درست فرمایا تھا کہ میرے دل میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے ہیں لیکن مجھ میں ان شعلوں کو بجھانے کی استعداد نہیں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ استعداد مجھے عطا فرمائیں گی۔ میں بڑی بے چینی سے اس کی منتظر رہی ہوں۔"

"آج تمھاری بے چینی ختم کرنے ہی کے لیے آئی ہوں۔" ریطہ نے عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "زیادہ دن مجھے یوں لگ گئے کہ جب پہلی بار تم ملی تھی، اس وقت تک میں نے خیزران کی خواب گاہ کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اب کر چکی ہوں۔ اس کے دونوں بچوں کے سنہری پالنے اُس کے بستر کے دائیں بائیں رہتے ہیں۔ اس کے سرہانے پانی کی ایک چاندی جیسی چمکتی ہوئی صراحی رہتی ہے۔ اپنے تختِ خواب کے نیچے اُس نے ایک سیلپچی رکھنا بھی ضروری سمجھا ہے۔"

"جی۔"

ریطہ نے اپنے لباس میں پوشیدہ ایک ننھی سی شیشی نکالی۔ مزنہ نے شیشی کی طرف دیکھا۔

"اس میں پانی ہے۔" ریطہ بولی۔ "تمھیں یہ ننھی سی شیشی چھپا کر لے جانے

Marfat.com

میں کچھ مشکل نہیں ہوگی۔ جب تک شہزادگان کے لباس تبدیل کرنے جاؤ گی۔'' لفظ ''شہزادگان'' کی ادائی کے وقت ریطہ کی آواز میں کسی ٹوٹے ہوئے نوکیلے شیشے کی چبھن تھی۔ تمھیں خیزران کی آنکھ بچا کر اس شیشی کو صراحی میں اُلٹ دینا ہے۔''

مزنہ کے چہرے کی رنگت میں فرق آ گیا۔

''خوب!'' ریطہ نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بہت ذہین ہو تم! کچھ سمجھ لیا ہے تم نے؟''

''یہ...... یہ پانی۔'' مزنہ نے شیشی کی طرف دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔ ''زہریلا ہے!''

''بہت زہریلا!'' ریطہ بولی۔ ''ایک عجیب وغریب زہر! اس کے بارے میں مجھے محمد المہدی کی ماں نے بتایا تھا جن کا تعلق قدیم ایران کے حمیری بادشاہوں کے خاندان سے تھا۔ اُسے پینے والا آرام سے سوتا رہتا ہے۔ سوتے ہی میں روح اُس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اُسے مرتے وقت اگر تکلیف ہوتی بھی ہوگی تو اتنی قلیل مدت کے لیے کہ اُسے تڑپنے یا کراہنے کی مہلت نہیں ملتی۔ اسی طرح وہ شہزادگان مر جائیں گے اور خیزران انھیں سوتا ہوا سمجھتی رہے گی۔''

''لیکن میں تو اسی وقت پکڑی جاؤں گی۔'' مزنہ نے پریشانی سے کہا۔ ''میں صراحی سے ان بچوں کے منہ میں پانی ٹپکاؤں گی تو میرا یہ عمل خاتون خیزران سے پوشیدہ تو نہیں رہ سکے گا!''

''اس بات سے تمھاری ذہانت مشکوک ہو جاتی ہے۔'' ریطہ نے کسی قدر خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میرا منصوبہ اتنا احمقانہ ہوگا۔''

مزنہ سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

''سنو!'' ریطہ کچھ توقف سے بولی۔ ''رات کو تم جس وقت اُن کے کپڑے تبدیل کرتی ہو، وہ اس وقت غنودگی میں ہوتے ہیں۔ جب تم اُن کے کپڑے تبدیل کر کے انھیں پالنوں میں لٹا دیتی ہو تو خیزران انھیں تھوڑا تھوڑا سا شہد چٹاتی ہے۔ شہد کا سنہری پیالہ پانی کی صراحی کے پاس رکھا رہتا ہے۔ وہیں ایک بند تشتری میں سونے کا بنا

Marfat.com

ہوا کفگیر جیسا چھوٹا سا چمچہ بھی رکھا رہتا ہے جو اپنے شہزادگان کو شہد چٹانے کے لیے خیزران نے خاص طور سے بنوایا ہے۔"

مزنہ خاموشی سے ریطہ کی طرف دیکھتی رہی۔

ریطہ کہہ رہی تھی۔ "جب خیزران انھیں شہد چٹانے کے لیے اُٹھے تو تم اس سے درخواست کرنا کہ تم ایک بار یہ فرض ادا کرنے کا اعزاز بھی حاصل کرنا چاہتی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ خیزران مسکرا کر تمھاری درخواست قبول کرلے گی۔ میں دیکھ چکی ہوں کہ وہ تم پر بہت مہربان رہنے لگی ہے۔ وہ تمھاری درخواست قبول کرلے گی نا؟"

"امید تو ہے۔" مزنہ نے کہا۔

"مجھے یقین ہے۔" ریطہ بولی۔ "اس کے بعد جب تم چمچہ نکالو تو وہ تمھارے ہاتھ سے گر جانا چاہیے۔ اس پر تم بہت گڑگڑا کر خیزران سے معافی مانگتے ہوئے سلپچی میں صراحی کے زہریلے پانی سے چمچہ دھولوگی۔ شہد چٹانے سے پہلے چمچہ خشک کرنا ضروری ہوگا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ خشک ہونے کے بعد بھی زہر کے اثرات چمچے کی سطح پر باقی رہیں گے۔"

مزنہ بول پڑی۔ "چمچہ گرنے سے خاتون خیزران مجھ پر جھنجلا بھی سکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میرا گڑگڑا کر معافی مانگنا ضائع جائے اور وہ مجھ پر بگڑ کر چمچہ مجھ سے لے لیں۔"

ریطہ مسکرائی۔ "میں نے جو کچھ سوچا ہے، وہ اس صورت میں بھی ہوکر رہے گا۔ چمچہ وہ خود دھوئے گی اور قریب ترین ذریعہ پانی کی وہ صراحی اور وہ سلپچی ہی ہوگی۔ میرے منصوبے کا کام یاب ہونا تو اسی وقت یقینی ہوجائے گا جب تم یہ زہریلا پانی اس صراحی میں ڈال دوگی۔"

"یہ بھی تو یقینی نہیں کہ وہ مجھے شہد چٹانے کی اجازت دے دیں!"

"وہ تم پر اتنی مہربان ہوچکی ہے کہ مجھے اس کا یقین ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو۔" ریطہ کو لہجہ بہت کھردرا ہوگیا۔ "تم میری اس بے پایاں کرم نوازی سے محروم رہ جاؤ گی جو میں تم پر کرنا چاہتی ہوں۔"

مزنہ سوچتی ہوئی بولی۔ "میں پوری کوشش کروں گی۔ درخواست کرتے ہوئے ایسے

Marfat.com

الفاظ استعمال کروں گی جس سے میری جذباتیت ظاہر ہو اور وہ الفاظ متاثر کن بھی ہوں۔‘‘

’’یہ سب کچھ تمھاری ذہانت پر منحصر ہے۔‘‘

’’اپنی آتشِ انتقام بجھانے کے لیے میں اپنی سی پوری کوشش کر گزروں گی خاتون ریطہ!...... ایسا موقع مجھے پھر کبھی نہیں مل سکتا۔‘‘

’’بے شک۔‘‘ ریطہ نے کہا۔ ’’اگر یہ موقع تمھاری گرفت میں نہ آسکا تو تمھاری باقی زندگی ایک کنیز ہی کی حیثیت سے گزرتی رہے گی۔ ہر چند تمھیں باقاعدہ کنیز نہیں بنایا گیا لیکن تمھاری حیثیت وہی ہے۔‘‘

’’کام کرنے کے بعد مجھے آپ کے کمرے میں آنا ہے؟‘‘ مزنہ نے پوچھا۔

’’نہیں۔‘‘ ریطہ نہایت سخت لہجے میں بولی۔ ’’میں ہی تمھارے پاس، اسی کمرے میں آؤں گی۔ تمھیں وہ سب کچھ اسی وقت مل جائے گا جس کے بل پر تم اپنی باقی زندگی عیش و آرام سے گزار سکو۔ فوری طور پر تمھیں اس محل سے بھی نکل جانا ہے اور جلد از جلد اس شہر سے اور پھر سلطنتِ عباسیہ سے بھی!...... انحصار اس کا بھی تم پر ہی ہے کہ تم کتنی جلدی عباسیوں کی دست رس سے نکل سکتی ہو۔‘‘

’’یہ میں سوچ چکی ہوں کہ فرار کے لیے مجھے کیا کرنا ہے۔‘‘

’’بس تو اب میں جاتی ہوں۔ اگر کوئی بات نہ سمجھ سکی ہو تو بولو۔‘‘

’’میں نے سب کچھ سمجھ لیا ہے خاتون ریطہ! آپ مطمئن رہیں۔‘‘

ریطہ کچھ سوچتی ہوئی چند لمحے مزنہ کی طرف دیکھتی رہی، پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ اُس نے آنے میں جس احتیاط سے کام لیا تھا، وہی احتیاط اُس نے واپسی میں بھی برتی۔

رات ہونے میں ابھی دیر تھی اور ریطہ کو احساس ہو رہا تھا کہ وقت گزارنا بھی اُس کے لیے ایک صبر آزما کام ہوگا! اس نے وہ سارا وقت بے چینی سے ٹہلتے ہوئے گزارا۔ اس کی ٹانگیں تھکنے لگیں۔ جب اُسے اندازہ ہوا کہ مزنہ اب خیزران کے کمرے میں پہنچ چکی ہوگی تو اُس کا اضطراب اور بڑھ گیا۔

اسی اضطراب کے عالم میں اُسے اچانک ایک خیال آیا اور وہ ٹہلتے ٹہلتے یکا یک رک گئی۔ چند لمحوں کے لیے اُسے سکتہ سا ہو گیا۔

Marfat.com

دھوکا، وہ سوچنے لگی، مزنہ اُسے دھوکا بھی دے سکتی ہے۔ اُس کی کام یابی بڑی حد تک یقینی تھی لیکن کچھ شائبہ اس کی ناکامی کا بھی تھا۔ وہ اس صورت میں بھی واپس آ کر اپنی کام یابی کا مژدہ سناتی اور اس سے انعام واکرام لے کر محل سے فرار ہو جاتی۔ اس کے پاس اس کی کام یابی کا کوئی ثبوت تو ہوگا نہیں جو اس سے طلب کیا جا سکتا۔

مزنہ کو محل سے فرار کرا دینے کی خواہش ریطہ کو اس لیے تھی کہ پھر شہزادوں کو زہر دینے کا الزام اسی کے سر پر چلا جاتا۔ اس کے فرار کی وجہ سے یہ بات سمجھ لی جاتی کہ وہ اس محل میں آئی ہی اس لیے تھی کہ اپنی بربادی کا انتقام لے سکے لیکن اب جو خیال ریطہ کے دماغ میں آیا تو اُسے اپنی سوچی سمجھی ساری منصوبہ بندی احمقانہ معلوم ہونے لگی تھی۔

شدید اضطراب کے عالم میں وہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اس نے ان کنیزوں کو اپنے ساتھ نہیں آنے دیا جو اس کی خواب گاہ کے آس پاس موجود رہتی تھیں۔ اس کے قدم بہت تیزی سے خیزران کی خواب گاہ کی طرف اُٹھتے چلے جا رہے تھے۔ مزنہ کی کام یابی یا ناکامی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔ ہیجان کے باعث اُسے یہ خیال بھی نہیں آیا کہ وہ خیزران کی خواب گاہ میں بروقت نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ کوئی عام سا مکان تو تھا نہیں جس کے کسی بھی حصے میں جلد ہی پہنچا جا سکتا ہو۔ وہ ایک عالی شان محل تھا۔ اُسے خیزران کی خواب گاہ تک پہنچنے میں خاصا وقت لگتا۔

افتاں و خیزاں جب وہ خیزران کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچی تو اُس کی سانس بے تحاشا پھولی ہوئی تھی۔ راہ میں اُسے بہت سی کنیزیں، خدام اور غلام ملے تھے جنھوں نے اُس کی وحشت انگیز رفتار کو حیرت سے دیکھا تھا مگر انھیں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس سے اُس کی بے حواسی کی وجہ پوچھ سکتے۔

خیزران کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ کر اُسے وقت کا احساس بھی ہوا اور یہ خیال بھی آیا کہ اب تک مزنہ وہاں سے جا چکی ہوگی۔ دوسرا خیال اُسے یہ بھی آیا کہ اس وقت خواب گاہ میں شہزادہ محمد المہدی بھی ہوگا۔

کوئی بہانہ، اس نے دروازے پر رک کر سوچا، وہ محمد المہدی کو اس وقت اپنے وہاں آنے کی کیا وجہ بتائے گی؟ بغداد روانگی کے بارے میں استفسار کیا جا سکتا ہے، اس

Marfat.com

کے غیر فعال دماغ میں خیال آیا۔ اس بہانے وہ کمرے میں داخل ہوتی تو کم سن شہزادوں کے پالنوں کے قریب بھی چلی جاتی۔ کسی شہزادے کو چھوکر بھی اُسے اندازہ ہوسکتا تھا کہ وہ زندہ تھا یا مردہ؟

محمد المہدی کی موجودگی کے خیال سے اُس نے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے تیز آواز میں پوچھا گیا۔ آواز محمد المہدی ہی کی تھی۔

''ریطہ۔'' کوشش کے باوجود وہ اپنی آواز کی کھرکھراہٹ پر پوری طرح قابو نہیں پاسکی تھی۔

اندر چند لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔ پھر محمد المہدی کی طنزیہ سی آواز سنائی دی۔

''تشریف لائیے خاتون ریطہ!''

ریطہ کا اُلجھا ہوا دماغ قطعی اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس وقت محمد المہدی کی آواز طنزیہ کیوں تھی۔ وہ فوراً دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں کیا گیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ کمرے کا منظر ہی ایسا تھا۔ محمد المہدی اور خیزران کے ساتھ مزنہ وہاں اب بھی موجود تھی لیکن ریطہ کے ٹھٹکنے کا سبب وہ خرگوش تھا جو قالین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

بے حس و حرکت خرگوش پر ریطہ کی نظریں جمیں تو وہ یہ بھی نہ دیکھ سکی کہ خیزران اُسے شدید غصے سے دیکھ رہی تھی۔

''بہت خوب خاتون ریطہ! بہت خوب!'' محمد المہدی کی آواز میں بلا کی تیزی تھی۔

ریطہ نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کی اُچٹتی سی نظر مزنہ پر بھی پڑی لیکن پھر وہ چونک کر مزنہ ہی کو دیکھنے لگی جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ ریطہ سے نظریں ملتے ہی بولی۔ ''میں نے آپ سے کہا تھا نا، خاتون ریطہ! ایسا موقع مجھے پھر کبھی نہیں مل سکتا، اور واقعی نہیں ملتا کہ میں ایسے موقع پر اپنی محسن کے کام آتی۔''

ریطہ کا دماغ گھوم گیا۔ مزنہ کی بات سے صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ اُس نے ریطہ سے غدّاری کی تھی۔ فرش پر پڑا ہوا مردہ خرگوش اس بات کی دلیل تھی کہ زہریلا شہد اسی کو کھلایا گیا تھا۔ خیزران اور محمد المہدی نے وہ شہد خرگوش کو کھلا کر ان باتوں کی تصدیق کرلی

Marfat.com

تھی جو مزنہ نے انھیں بتائی ہوں گی۔

اب محمد المہدی بولا تو اس کی آواز میں غصے کی لہریں تھیں۔ ''تم عورت ذات کی پیشانی پر ایک شرم ناک داغ ہو!'' ریطہ نے اپنے چکراتے ہوئے دماغ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ سارا معاملہ اُس کی سمجھ میں آچکا تھا۔ اُس نے اداکاری کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

''آخر کیا ہے یہ سب کچھ؟ یہ خرگوش......''

''ہاں یہ مر چکا ہے۔'' محمد المہدی نے اُس کی بات کاٹی۔ ''اس کی جگہ تم میرے بچوں کی لاشیں دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ شہزادے؟''

''اب مکر و فریب سے کام لینے کی کوشش لاحاصل ہوگی ریطہ!'' محمد المہدی نے کہا۔ ''مزنہ نے وہ سب کچھ تو اسی طرح کیا تھا جیسا تم اُسے سمجھا چکی تھیں لیکن چمچے میں شہد نکالنے کے بعد اُس نے تمھارے زہریلے منصوبے کی ساری جزئیات بیان کر دی تھیں جس کی تصدیق اس طرح ہوئی کہ یہ معصوم خرگوش اپنی جان سے گیا۔''

''کیا یہاں میرے خلاف کوئی سازش کی جا رہی ہے!'' ریطہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''یہ خرگوش۔'' محمد المہدی نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ''تڑپے بغیر مر گیا۔ اس قسم کا زہر کہاں پایا جاتا ہے یا کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے، یہ صرف قدیم ایران کے حمیری بادشاہ جانتے تھے یا اُن کے خاندان کے بچے کھچے لوگ جانتے ہیں۔ میری والدہ کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔ میں اس کا ذکر بچپن میں اُن سے سن چکا ہوں۔ اس زہر کے بارے میں اب صرف عباسی جانتے ہیں۔''

''میرے خلاف یہ سازش تم ہی نے کی ہوگی۔'' ریطہ نے بڑے غصے سے خیزران کی طرف اُنگلی اُٹھائی۔ ''تم مجھے محمد المہدی سے بالکل دور کر دینا چاہتی ہو۔ اس سازش میں تم بنو اُمیہ کی اس ڈائن کو گواہ بنا رہی ہو۔''

خیزران چونک گئی۔ اس کا خیال تھا کہ مزنہ کے بارے میں یہ بات ریطہ کے علم میں نہیں ہونا چاہیے تھی۔ خیزران کو فوراً اس کنیز کا خیال آیا جس کی ماں نے مزنہ کو پہچانا تھا۔

Marfat.com

''اچھا!'' محمد المہدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''اگر یہ جھوٹ ہے تو تمھیں اپنا غصہ ٹھنڈا کر لینا چاہیے۔ اس کے لیے پانی پینا بہت مفید ہوتا ہے۔'' اس نے مزنہ کی طرف دیکھا۔ ''خاتون ریطہ کو پانی پلاؤ۔''

مزنہ نے لپک کر پانی کی صراحی اور پیالہ اُٹھایا۔ ریطہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس صراحی کا پانی زہریلا ہوگا۔ محمد المہدی بتا چکا تھا کہ مزنہ نے چمچے میں شہد نکالنے کے بعد ہی ان دونوں کو اس کے منصوبے سے آگاہ کیا تھا۔

مزنہ صراحی اور پیالہ لے ریطہ کے قریب گئی۔ پھر جب اس نے صراحی سے پیالے میں پانی نکالنا چاہا تو ریطہ نے اس پر ہاتھ مارا۔ صراحی مزنہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر کچھ دور جا گری اور اس سے بہتا ہوا پانی قالین میں جذب ہونے لگا۔

''خوب!'' محمد المہدی بولا۔ ''تم جانتی تھیں ریطہ کہ اس صراحی کا پانی زہر آلود ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ سب باتیں بکواس ہیں۔''

''تو پھر تم نے صراحی کیوں گرادی؟''

''میں پانی پی کر مذاق نہیں بننا چاہتی تھی۔''

''تم سے مزنہ کو کیا دشمنی ہے ریطہ؟''

''اس کو تو ہے۔'' ریطہ نے پھر خیزران کی طرف اشارہ کیا۔ ''میری سوکن کو!''

خیزران اُسے غصے اور نفرت سے دیکھتی رہی۔ محمد المہدی نے اُسے اشارہ کیا تھا کہ وہ خاموش رہے۔

ریطہ نے اپنی بات مکمل کر لی۔ ''اسی نے مزنہ سے یہ بیان دلوایا ہوگا!''

محمد المہدی نے کہا۔ ''خیزران کو اس خاص قسم کے زہر کے بارے میں کچھ نہیں معلوم! اس کا تعلق خاندانِ عباسیہ سے نہیں ہے۔''

''آپ کا تعلق تو ہے شہزادہ ولی عہد!'' ریطہ اب اس خیال سے شیرنی ہوتی جارہی تھی کہ اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں تھا۔

''ریطہ!'' محمد المہدی کا لہجہ پھر تیز ہوگیا۔

''اس سازش میں آپ بھی شامل ہوسکتے ہیں۔'' ریطہ نے کہا۔ ''آپ نے مجھے

Marfat.com

کبھی محبت نہیں دی جو ایک بیوی کی حیثیت سے میرا حق تھا۔ آپ صرف ایک رسم پوری کرتے رہے ہیں، اور علی کی پیدائش کے بعد آپ وہ رسم پوری کرنا بھی بھول گئے۔ آپ عمِ محترم کو صرف یہ دکھانا چاہتے تھے کہ آپ نے مجھے پسند نہیں کیا۔ علی کی صورت میں آپ کے پاس اس کا ثبوت ہے۔''

''ثبوت تو میرے پاس اس کا بھی ہے کہ تم نے مزنہ کو دس ہزار دینار کی تھیلی دی تھی۔ سبز مخمل کی تھیلیاں صرف تم ہی استعمال کرتی ہو!''

''لیکن یہ میرا کوئی قانونی حق نہیں ہے۔'' ریطہ نے کہا۔ ''سبز مخمل کی تھیلیاں کوئی بھی تیار کروا سکتا ہے۔ آپ مجھ سے صاف صاف بات کریں شہزادے! اگر آپ مجھ سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہیں تو سبز مخمل کی تھیلی کا ثبوت عمِ محترم کی خدمت میں پیش کر دیجیے گا۔ وہ میرے بارے میں فیصلہ سنا دیں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ دو تین روز میں بغداد تو جانا ہی ہے۔''

''لیکن اب تم نہیں جاؤ گی ہمارے ساتھ!'' محمد المہدی نے تیزی سے کہا۔ ''اب میں اپنے بچوں پر تمھارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔''

''میں خود بغداد جا کر انصاف کے لیے عمِ محترم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گی۔''

''تم اب اس محل سے باہر بھی نہیں نکلو گی۔'' محمد المہدی نے تلخی سے کہا۔ ''میں داروغہ محل کو یہ حکم دے کر ہی بغداد جاؤں گا۔ رہی تمھارے اس مقدمے کی بات، تو وہ میں خود والدِ محترم کی خدمت میں پیش کر دوں گا جب وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم میرے ساتھ کیوں نہیں ہو!''

''کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکیں گے آپ!'' ریطہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''میرے خلاف یہ سازش آپ لوگوں نے کچھ زیادہ سوچ سمجھ کر نہیں کی۔''

''چلی جاؤ اب میری نظروں کے سامنے سے۔'' محمد المہدی نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

ریطہ مڑی اور بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اُسے یہ زعم بہرحال تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کی بھتیجی تھی۔

Marfat.com

خیزران کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اس کے لیے آپ نے صرف یہی سزا کافی سمجھی ہے کہ وہ اس محل تک محدود رہے!''

''اُسے کوئی بڑی سزا دینے کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے خیزران!'' محمد المہدی نے سنجیدگی اور کچھ افسردگی سے کہا۔

خیزران کے ہونٹ کانپنے لگے۔ وہ مڑ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی موسیٰ کے پالنے کی طرف گئی۔ سوئے ہوئے موسیٰ کو اس نے اپنی گود میں اُٹھالیا۔ پھر ہارون کے پالنے کی طرف گئی۔ اُسے اپنے دوسرے ہاتھ میں گود لے لیا۔ وہ آب دیدہ نظر آنے لگی تھی۔

مزنہ جلدی سے اُس کے قریب گئی اور بولی۔ ''اب آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں خاتون خیزران؟ ہمارے شہزادگان کو کچھ بھی تو نہیں ہوا!''

''اگر کچھ ہوجاتا تو کیا ہوتا!'' خیزران بولی۔ ''بس اسی خیال سے آنسو آگئے ہیں۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے مزنہ! میں یہ بھول نہیں سکتی۔''

''احسان مند تو میں ہوں آپ کی۔'' مزنہ نے کہا۔ ''اس احسان کا بوجھ تو شاید کبھی اس طرح اتر سکتا ہے کہ میں آپ پر اپنی زندگی نثار کردوں۔''

شہزادہ محمد المہدی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

☆☆☆

تیاریوں کے بعد چوتھی صبح بغداد کی طرف روانگی ہوئی۔ ''رے'' چھوڑتے وقت خیزران کو آلِ برمک سے جدا ہونے کا بے حد افسوس تھا۔ زینب، عتابہ اور فاطمہ اس سے بہت گھل مل گئی تھیں۔ انھوں نے ایک دوسرے کی اولادوں کو دودھ بھی پلایا تھا۔

''میں یہاں بہت سی خوش گوار یادیں چھوڑ کر جارہی ہوں۔'' خیزران نے ان الفاظ کے ساتھ اُن تینوں کو الوداع کہا تھا۔ اس سے پہلے وہ فضل اور جعفر کو اپنی گود میں لے کر پیار بھی کرچکی تھی۔ یحییٰ برمکی کی تینوں بیویوں نے بھی موسیٰ اور ہارون کو پیار کیا تھا۔

شہزادہ محمد المہدی اپنے لاؤلشکر کے ساتھ بغداد روانہ ہوا۔ برسوں پہلے ''رے'' آتے وقت اس کے لشکر میں سپاہ کے علاوہ جو لوگ تھے، ان میں سب سے نمایاں شخص ابوعبیداللہ بن یسار تھا جس کی حیثیت شہزادے کے ندیم و مصاحب کی بھی تھی اور

Marfat.com

اتالیق و وزیر کی بھی، اور اب ''رے'' سے بغداد جاتے ہوئے بھی وہ شہزادے کے ساتھ تھا۔ اس طویل رفاقت میں سال بھر پہلے کچھ دن کے لیے وہ اس وقت جدا ہوئے تھے جب خلیفہ المنصور نے کچھ دن کے لیے ابوعبیداللہ کو بغداد بلایا تھا اور کچھ ہدایات دی تھیں۔

اب اثنائے سفر میں محمد المہدی نے ابوعبیداللہ سے کہا۔ ''بغداد کے بارے میں کچھ بتایئے ابن یسار!'' محمد المہدی اُسے عموماً ''ابن یسار'' ہی کے نام سے مخاطب کرتا تھا۔

''کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں آپ؟'' ابوعبیداللہ نے پوچھا۔

''بڑے افسانوی سے قصے سنے ہیں اس شہر کے بارے میں۔'' محمد المہدی نے کہا۔ ''کوئی بتا رہا تھا کہ اس کی تعمیر پر اٹھارا کروڑ دینار خرچ ہوئے ہیں۔ مجھے اس میں کچھ مبالغہ محسوس ہوتا ہے۔ آج کل تو ایک دینار میں بیس مینڈھے خریدے جاسکتے ہیں۔ یعنی ایک مینڈھے کی قیمت ایک درہم ہے۔ اسی لیے اٹھارہ کروڑ کی بات کچھ مبالغہ آمیز لگتی ہے۔''

''دراصل۔'' ابو عبیداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جس نے بھی وہ خوب صورت شہر دیکھا ہے، اس نے اپنے طور پر کچھ تخمینہ لگالیا ہے۔ صحیح بات تو آپ کو امیرالمومنین ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ ہاں اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ اس کی تعمیر کے لیے غیر معمولی تیاریاں کی گئی تھیں۔ بڑے ماہر مہندسین نے اس کا نقشہ بنایا تھا۔ تعمیر کے لیے دنیا کے مختلف حصوں سے معمار، نقاش، سنگ تراش، بڑھئی، غرضیکہ ہر صنف کے صنّاع و کاری گر جمع کیے گئے تھے۔ تعمیر کا سامان بھی مختلف ممالک سے منگایا گیا تھا۔''

''خوب!'' محمد المہدی نے کہا۔ ''پھر تو واقعی یہ بہت خوب صورت شہر ہوگا۔ میں نے بھی ''رے'' کی تعمیر پر بھرپور توجہ دی تھی لیکن اتنے جتن نہیں کیے تھے۔

''بغداد واقعی بہت خوب صورت شہر ہے شہزادہ ولی عہد!'' ابوعبیداللہ نے کہا۔ ''مجھ سے اس کے بارے میں تفصیل سے نہ پوچھیے۔ دیکھنے کا لطف جاتا رہے گا۔ ہاں اس کے بارے میں کسی کی یہ دل چسپ بات آپ کو سنا دیتا ہوں کہ ایک ساحر نے جادو کے زور سے دریائے دجلہ کی گہرائیوں سے ایک شہرِ جمال نکالا اور دجلہ کے کنارے پر رکھ دیا۔''

''آپ میرا شوق فرواں کررہے ہیں۔ خیر، چھوڑیے! آپ کے کہنے کے مطابق میں اُسے دیکھنے کا لطف غارت نہیں کروں گا۔ مجھے آپ سے ایک اہم بات بھی

Marfat.com

پوچھنا ہے۔ جب سے آپ بغداد سے لوٹے ہیں، ہمیشہ کچھ فوری نوعیت کے اہم معاملات آپ سے زیرِ بحث رہے ہیں۔ جو دو ایک باتیں میں آپ سے پوچھنا چاہتا تھا، وہ میرے ذہن میں ہی چکراتی رہ گئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مجھے ولی عہد نام زد کرنے میں والد بزرگوار کو ایک خاصی بڑی مشکل کا سامنا تھا جو سلطنت کے امن و امان سے بالکل علیحدہ بات ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہ بات یہ ہوسکتی ہے کہ میرے مرحوم عم نے اپنے بھائی موسیٰ کے بیٹے عیسیٰ کو ولی عہدِ دوم نام زد کیا تھا۔ یعنی میرے والد محترم کے بعد میرے عم زاد عیسیٰ بن موسیٰ کو تختِ خلافت پر بیٹھنا تھا لیکن والد محترم کی خواہش تھی کہ اُن کے بعد خلافت میرے حصے میں آئے۔ کیا اُن کی یہی مشکل تھی؟"

"بلاشبہ۔" ابوعبیداللہ نے جواب دیا۔ "آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا ہے۔ اسی کے لیے امیر المومنین کو بہت کوششیں کرنا پڑیں۔ میں آپ کے ساتھ "رے" میں تھا اس لیے مجھے ذاتی طور پر امیر المومنین کی کوششوں کا علم نہیں ہوسکا۔ میں نے بغداد میں لوگوں سے جو کچھ سنا تھا، وہ آپ کی خدمت میں عرض کیے دیتا ہوں۔ امیر المومنین نے سب سے پہلے تو خود ہی عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا تھا کہ وہ آپ کے حق میں ولی عہدی سے دست بردار ہو جائیں مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ سنا ہے، انھوں نے کہا تھا کہ ولی عہدی ایک امانت ہے جس کا بوجھ مسلمانوں نے اُن پر ڈالا ہے جس میں وہ خیانت نہیں کرسکتے۔ عباسیوں اور اُمویوں کے قضیے میں انھوں نے جو کارنامے سرانجام دیے تھے، وہ روزِ روشن کی طرح سب پر عیاں ہیں۔"

محمد المہدی توجہ سے سنتا رہا۔

ابوعبیداللہ نے کچھ توقف سے اپنی بات جاری رکھی۔ "کسی نے مجھے بتایا ہے کہ خالد برمکی کو بھی انھیں سمجھانے کے لیے ان کے پاس بھیجا گیا تھا لیکن بات نہیں بن سکی تھی۔ اسی طرح اور بھی کئی باتیں میرے سننے میں آئی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اپنی کوششوں کی مسلسل ناکامیوں کے بعد امیر المومنین مشتعل ہو گئے تھے۔ انھوں نے عیسیٰ سے کہا تھا کہ وہ دوسرے نمبر پر، یعنی آپ کے ولی عہد بننا منظور کرلیں ورنہ کچھ بھی

Marfat.com

ہوسکتا ہے۔ یہ گویا ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکی تھی کہ اگر اب بھی بات نہ مانی گئی تو امیر المومنین عیسیٰ کو قتل کروادیں گے۔''

محمد المہدی نے سر ہلایا۔''گویا والد محترم کو میرے لیے واقعی بہت جتن کرنا پڑے!''

ابوعبیداللہ نے کہا۔''ایک بات یہ بھی سننے میں آئی ہے کہ امیر المومنین نے اپنی بات منوانے کے لیے عیسیٰ بن موسیٰ کو ایک کروڑ دینار اور ایک بہت بڑی جائداد کی پیشکش کی تھی جسے اس شرط کے ساتھ قبول کیا گیا کہ آپ کے بعد یعنی ولی عہد دوم انھی کو نامزد کیا جائے گا۔ امیر المومنین نے اُن کی شرط مان لی اور فوری طور پر آپ کو ولی عہد اوّل نامزد کردیا۔''

''یہ تو میں سمجھ گیا تھا کہ والد محترم کو یہ قدم کسی وجہ سے بڑی عجلت میں اُٹھانا پڑا ہوگا ورنہ وہ مجھے ''رے'' سے واپس بلا کر میرے سامنے میری ولی عہدی کا اعلان کرتے۔''

''آپ نے درست سمجھا تھا۔'' ابوعبیداللہ نے کہا۔''امیر المومنین کو اندیشہ تھا کہ عیسیٰ پھر نہ بدل جائیں۔ کچھ لوگوں کو فساد کا بیج بونا بہت اچھا لگتا ہے۔ کوئی بھی عیسیٰ کو پھر بھڑکا سکتا تھا۔''

محمد المہدی خفیف سا مسکرایا۔''تو اس معاملے میں اتنی روایات سنی ہیں آپ نے؟''

''اس سے بھی زیادہ سنی ہیں۔ آپ کو چند سنائی ہیں۔ یہ میں بہرحال نہیں جانتا کہ درست واقعہ کیا ہے لیکن ایک بات مجھے مستند طور پر معلوم ہوئی ہے۔ ولی عہدِ دوم کے طور پر عیسیٰ بن موسیٰ ہی نامزد کیے گئے ہیں۔''

''یعنی میرے بعد خلافت کا حق میرے عم زاد کا ہوگا!''

''جی۔''

محمد المہدی نے اپنے چہرے کے تاثرات سے ابوعبیداللہ کو اپنی فکرمندی کا احساس نہیں ہونے دیا لیکن فکرمند وہ بہت ہوگیا تھا۔ اُسے خیزران سے اتنی محبت تھی کہ وہ اُسے افسردہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خیزران نے اپنے خوابوں میں ہمیشہ اپنے بیٹوں ہی کو ولی عہد بنتے ہوئے دیکھا تھا۔

بڑا بیٹا ہونے کے ناتے ریطہ کے بیٹے علی کو موسیٰ اور ہارون پر فوقیت حاصل تھی

Marfat.com

لیکن خیزران کو یقین تھا کہ وہ محمد المہدی سے اپنے بیٹوں کے حق میں فیصلہ کروالے گی۔

محمد المہدی نے سوچا کہ وہ راستے ہی میں خیزران کو اس بات سے آگاہ کر دے ورنہ بغداد پہنچ کر اُسے اس کا علم کسی اور ذریعے سے ہوتا، لیکن محمد المہدی کو اس معاملے میں خیزران کا سامنا کرتے ہوئے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

''رے'' سے بغداد تک کا سفر بڑا جاں گسل تھا۔ راہ میں بڑے بڑے پہاڑ حائل تھے اس لیے راستہ بے حد دشوار گزار تھا۔

اس سفر کی ایک منزل پر محمد المہدی نے کسی نہ کسی طرح ہمّت کر کے خیزران کو ان باتوں سے آگاہ کر دیا جو اُسے ابو عبداللہ سے معلوم ہوئی تھیں۔

خیزران کا چہرہ فق پڑ گیا۔ ''میرے بیٹوں کا کیا ہوگا؟'' اُس کے منہ سے اس طرح نکلا جیسے اس پر قیامت گزر گئی ہو۔

محمد المہدی نے سر جھکا لیا اور بولا۔ ''عیسیٰ بن موسیٰ کی نام زدگی خود والد محترم نے کی ہے۔''

خیزران اچانک بگڑ گئی۔ ''یہ سب کچھ میں نہیں جانتی۔ ولی عہد اوّل و دوم میرے ہی بیٹوں کو ہونا چاہیے۔''

''جذبات پر قابو رکھو خیزران!'' محمد المہدی نے اُسے سمجھایا۔ ''اگر تمھارے یہ جذبات والد محترم پر عیاں ہو گئے تو اُن کی خفگی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔''

خیزران نے خاموشی اختیار کر لی اور بغداد پہنچنے تک اس معاملے میں خاموشی ہی اختیار کیے رہی لیکن جو ایک خیال اُس کے دماغ میں آیا تھا، وہ دماغ میں جما ہی رہا۔ جس طرح خلیفہ ابو العباس السفاح کے نام زد کردہ شخص کو خلیفہ المنصور نے اپنے بیٹے کی خاطر راہ سے ہٹا دیا تھا، اسی طرح ''خلیفہ المہدی'' کے دور میں یہ تاریخ دہرائی جا سکتی تھی۔

راہ میں محمد المہدی نے ایک بار پھر یہ بات چھیڑی تھی۔

''تمھیں اندازہ نہیں ہوگا خیزران کہ پہلے میں تمھاری خواہش اور علی کی موجودگی کی وجہ سے پریشان رہا کرتا تھا۔ علی کو تمھارے بیٹوں پر اس لیے فوقیت حاصل ہے کہ وہ ریطہ کے بطن سے ہے اور ریطہ کا تعلق نہ صرف بنی عباس سے ہے بلکہ وہ خلیفہ السفاح

Marfat.com

کی بیٹی بھی ہے۔ خاندان کے بہت سے لوگ اس کی طرف سے کھڑے ہو جاتے لیکن اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ ریطہ نے جو گھناؤنی اور سفاکانہ حرکت کرنا چاہی تھی، اس کی وجہ سے وہ والدِ محترم کی نظروں سے گر جائے گی اور میں اُسے خاندان میں بھی اس واقعے کے حوالے سے بدنام کردوں گا۔ سمجھ لو کہ علی کا کانٹا تو اب تمھارے بیٹوں کی راہ سے نکل چکا ہے۔''

یہ سب کچھ سن کر بھی خیزران خاموشی اختیار کیے رہی تھی۔

آخر ان کا قافلہ دجلہ کا پُل عبور کر کے ''بابِ خراسان'' کی طرف سے بغداد میں داخل ہوا۔ اس روز بغداد اس طرح سجا ہوا تھا جیسے وہاں کوئی قومی میلہ لگا ہوا ہو۔ شہر کی شان و شوکت دیکھ کر سبھی مبہوت رہ گئے۔ وہ بلند و بالا محلات اور حویلیاں، وہ شان دار گنبد اور کشادہ راستے انھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ سرسبزی اتنی تھی جیسے ہر طرف سبز باغات کی چادریں بچھی ہوئی ہوں۔

المنصور نے بہ نفسِ نفیس اپنے بیٹے اور ولی عہد کا استقبال کیا۔ اس کے ساتھ وزرائے سلطنت اور اُمرائے دربار کے علاوہ عباسی خاندان کی تمام نمایاں شخصیات بھی تھیں۔

برسوں بعد منصور نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا اور پھر اُسے لیے ہوئے ''قصر الذہب'' کی طرف بڑھا۔ اس قصر کی شان و شوکت دیکھ کر محمد المہدی ششدر رہ گیا۔

کنیزیں اور غلام وہاں قطاروں میں کھڑے ہوئے تھے۔ کنیزوں نے خیزران، اس کے بیٹوں اور اُس کے ساتھ آئی ہوئی کنیزوں کو حرم سرا میں پہنچا دیا۔ انھی کے ساتھ مزنہ بھی تھی جس کے چہرے پر فکرمندی کے تاثرات تھے۔ اُسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ خلیفہ المنصور کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہوگا۔

محل میں داخل ہونے کے بعد منصور نے محمد المہدی سے کہا۔ ''ہم نے تمھارے لیے دوسرا محل بنوایا ہے لیکن ابھی تم یہیں آرام کرو۔ اس سفر نے تم سبھی کو بہت تھکا دیا ہوگا۔ آرام کرنے کے بعد تم اپنے فرزندوں کو لے کر ہمارے پاس آنا تاکہ ہم انھیں بھی اپنے کلیجے سے لگا سکیں۔ تمھاری زوجہ خیزران سے ہم حرم سرا میں جا کر مل لیں گے۔''

محمد المہدی اس پر چونک گیا کہ منصور کی زبان پر ریطہ کا نام نہیں آیا تھا۔

Marfat.com

منصور کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری۔ ''تم کیا سمجھتے ہو محمد! کیا ہم کسی لمحہ تمھاری طرف سے بے خبر رہے ہوں گے؟ ہمیں علم ہے کہ تم ریطہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے۔ وہ لائقِ تعزیر تو اپنے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ اس نے جو حرکت کرنا چاہی تھی، اس کے بعد اُسے ہم سے بھی عفو و درگزر کی توقع نہیں رکھنا چاہیے۔ مزنہ کے تو ہم شکر گزار ہیں۔ مروان کی اس مصری بیوی کے دل میں اگر عباسیوں کے لیے کدورت ہوتی تو اس نے ہمارے پوتوں کو یقیناً ہلاک کر دیا ہوتا۔ اب وہ بغداد میں آرام و سکون سے اپنی باقی زندگی گزار سکتی ہے۔ ہم خیزران سے بھی بہت خوش ہیں محمد! بہت وسیع القلب شریکِ حیات ملی ہے تمھیں۔ اُس نے یہ جاننے کے باوجود مزنہ کو پناہ دی کہ وہ مروان الحمار کی بیوہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خیزران چہرہ شناس بھی ہے۔ اُس نے مزنہ کی صاف دلی اور اُس کی ستم زدگی اُس کے چہرے ہی سے پڑھی ہوگی۔ قابلِ ستائش ہے تمھاری شریکِ حیات!''

ان باتوں سے محمد المہدی کے سر سے یہ بوجھ تو اتر گیا کہ وہ اپنے باپ کو ریطہ کے بارے میں کس طرح سب کچھ بتائے گا لیکن وہ ہکا بکا بھی رہ گیا۔ وہ قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اُس کے باپ کو ان سب باتوں کا علم کیسے ہو گیا۔ منصور زیادہ کشادگی سے مسکرایا اور بولا۔ ''جاؤ۔ اب آرام کرو۔''

''جی۔'' محمد المہدی نے ادب سے نظریں جھکا دیں۔ اس میں یہ پوچھنے کی جرأت نہیں تھی کہ اُس کے باپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہو گیا۔ منصور وہاں سے محل کے جس حصے میں گیا، وہاں یحییٰ برمکی اُس کا منتظر تھا۔ وہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

''یحییٰ!'' منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اپنے بیٹے کا استقبال کرنے والوں میں ہم نے تمھیں اس لیے شامل نہیں کیا تھا کہ وہ تمھیں دیکھ کر شاید بہت کچھ سمجھ لیتا، اور ہم اُسے اتنا حیران نہیں دیکھ پاتے جتنا حیران وہ شاید اپنی ساری زندگی میں نہیں ہوا ہوگا۔ ہم آج اتنے ہی خوش ہیں کہ اُسے حیران کرنے کے لیے ہم نے بچگانہ سا انداز اختیار کیا۔ ''رَے'' کے شہری حالات تو ہمیں اپنے مخبروں سے معلوم ہوتے رہتے تھے لیکن یہ تو بہت اندر کی بات تھی جو ہمیں تم سے ہی معلوم ہو سکتی تھی۔''

Marfat.com

یحییٰ بہت خفیف سا مسکرا دیا۔ وہ خلیفہ المنصور کو یہ بھی بتا چکا تھا کہ اُس کی بیویوں میں سے فاطمہ پیٹ کی بہت ہلکی ہے ورنہ ریطہ اور مزنہ کے بارے میں خیزران نے فاطمہ ہی کو نہیں، زینب اور عتابہ کو بھی سب کچھ بتا دیا تھا۔

''تمھارے والد کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' خلیفہ المنصور نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''دراصل آج بختیشوع سے ہماری ملاقات نہیں ہو سکی ورنہ ہمیں معلوم ہوتا۔''

بختیشوع خلیفہ المنصور کا طبیب خاص تھا جسے اُس نے خالد برمکی کے معالجے کے لیے بھیجا تھا۔

''وہ آجکل بالکل ٹھیک ہیں امیر المومنین!'' یحییٰ برمکی نے جواب دیا۔ ''دراصل انھوں نے ہی مجھے تاکید کی تھی کہ یہ سب باتیں آپ کے علم میں لے آؤں۔ انھوں نے یہ ہدایت بھی کی تھی کہ اگر آپ مروان الحمار کے حوالے کے باعث اور مزنہ کے ایک اچھے کام کے باوجود اس سے خفا ہوں تو میں آپ کو اُن کے اس موقف سے آگاہ کر دوں کہ اب بہت وقت گزر چکا ہے۔ سلطنت کرنے کے لیے اشتعال و انتقام کے جذبات کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا حکم رانی کے اہم اُصولوں میں سے ایک ہے۔''

''خالد بہت ذہین ہیں۔ ہمیں اس کا اعتراف ہے۔'' خلیفہ المنصور نے کہا۔ ''بعض اوقات انسان بڑے عجیب لمحات سے گزرتا ہے۔ اسی قسم کے کسی لمحے میں ہم نے تمھارے والد کو وزارتِ اعلیٰ سے الگ کر کے اُن کی جگہ ابوایوب کو دے دی تھی۔ ہمیں اس کا افسوس ہے لیکن اگر ایک بار کوئی قدم اُٹھ جائے تو اس کا واپس لیا جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔''

''والد ماجد کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے امیر المومنین!'' یحییٰ نے کہا۔ ''آپ نے انھیں بہر حال اب بھی ایک اچھے منصب پر رکھا ہے۔ وہ تو مجھ سے ابوایوب موریانی کی ذہانت کی تعریف بھی کر رہے تھے۔''

حالانکہ ابوایوب موریانی ایک نہایت سازشی شخص تھا۔ اُس نے خالد برمکی کے خلاف بھی سازشیں کر کے ہی وزارت کا منصب حاصل کیا تھا لیکن خود خالد برمکی کے لیے وزارت کا وہ منصب کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا کیوں کہ المنصور نہایت خود بیں و خود آرا حکم راں تھا۔ سب سے مشورہ کرنے کے باوجود اس کے فیصلے اُس کی سوچ اور اُس کی

Marfat.com

مرضی کے مطابق ہوتے تھے جن سے بعض اوقات خالد برمکی کو بڑی کوفت ہوتی تھی۔

''اچھا ہاں!'' المنصور بولا۔ ''ان باتوں میں ہم بھول ہی گئے کہ تم سلطنت کے کسی کام کے سلسلے میں ہمارے پاس آئے تھے۔''

''وہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے امیر المومنین جو آپ کی فوری توجہ کا طالب ہو۔ میں پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ خاصے تھکے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''یحیٰ!'' المنصور نے کہا۔ ''ہم اب آرام تو کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد ہمیں اپنے پوتوں سے ملنا ہے۔ اس وقت ہمیں پوری طرح ہشاش بشاش ہونا چاہیے۔'' المنصور کے چہرے اور آنکھوں سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''بے شک امیر المومنین!'' یحیٰ نے کہا۔ ''دو ڈھائی برس بعد پہلی مرتبہ پوتوں کو دیکھنا، وہ یقیناً آپ کے لیے بڑے پُر مسرت لمحات ہوں گے۔''

''اس کے علاوہ ہمیں محمد کو کچھ سمجھانا ہوگا۔'' منصور نے کہا۔ ''ریطہ انسانیت کی سطح سے اس حد تک گر چکی ہے تو اب اُٹھ نہیں سکے گی۔ اگر وہ ہماری بھتیجی نہ ہوتی تو ہم اب تک اُس کی گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کر چکے ہوتے۔ بہر حال اب محمد اور خیزران کو اس کی طرف سے ہمیشہ محتاط رہنا ہوگا۔ وہ آئندہ بھی، وہ سب کچھ کر گزرنا چاہے گی جو اُس کے اختیار میں ہوگا۔''

یحیٰ برمکی نے اس بات پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اجازت لے کر قصرِ الذہب سے رخصت ہوا۔

خلیفہ المنصور اپنے پوتوں کو دیکھنے کے لیے اتنا ہی بے قرار تھا کہ وہ بسترِ استراحت پر زیادہ وقت نہ گزار سکا اور اُٹھ کر جلد ہی تیار بھی ہو گیا۔ پھر اُس نے ایک غلام کو یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ شہزادہ محمد المہدی اُٹھ گیا یا ابھی آرام کر رہا ہے۔

غلام نے واپس آکر اطلاع دی۔ ''وہ جلدی ہی باریاب ہوا چاہتے ہیں۔''

حقیقت یہ تھی کہ خود محمد المہدی بھی اپنے بیٹوں کو اپنے باپ سے ملانے کے لیے بے چین تھا۔ وہ ہارون اور موسیٰ کو سینے سے لگائے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

Marfat.com

''یہ ہارون ہے نا!'' خلیفہ المنصور نے خود ایک قدم آگے بڑھا کر ہارون کو اپنی گود میں لے لیا۔

''جی۔'' محمد المہدی مسکرایا۔ ''یہ چھوٹا ہے اس لیے آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔''

''یہ بات اپنی جگہ لیکن ہمارے درباری منجم ابراہیم فزاری نے ہمیں بتایا تھا کہ ہمارا چھوٹا پوتا بہت خوب صورت ہوگا۔'' خلیفہ المنصور نے کہا۔ ''پھر ہمارے دوسرے درباری منجم نوبخت نے بھی ابراہیم فزاری کی تائید کی تھی۔''

ہارون اپنی موٹی موٹی سیاہ آنکھوں سے دادا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خلیفہ المنصور نے اُسے کئی مرتبہ پیار کیا۔ اُس نے موسیٰ کو اپنی گود میں نہیں لیا۔ بس اُس کی پیشانی چومی اور ہارون ہی کو اپنی گود میں لیے رہا۔

محمد المہدی نے پوچھا۔ ''نجومیوں نے ہمارے بیٹوں کے بارے میں کچھ اور بھی تو بتایا ہوگا امیر المومنین!''

''یقیناً! یقیناً۔'' منصور نے کہا۔ ''ہارون کی پیدائش اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو بغداد کی تعمیر مکمل ہوئی تھی۔ خالد برمکی نے ہم سے کہا تھا کہ ہم ہارون اور بغداد کا زائچہ بنوائیں، لیکن اگر خالد نے یہ تجویز نہ پیش کی ہوتی تو بھی ہم یہ ضرور کرتے۔ دیکھو محمد، دیکھو! اپنے بیٹے کی آنکھیں دیکھو۔ ایسا لگتا ہے جیسے انھیں قوتِ گویائی حاصل ہو۔''

محمد المہدی ''بے شک'' کہتے ہوئے مسکرا دیا۔ اُسے خوشی ہو رہی تھی کہ دادا اپنے پوتے کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوا جا رہا تھا۔

''محمد!'' منصور سنجیدگی سے اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی امیر المومنین!''

''یہ تو تمھیں معلوم ہو چکا ہوگا کہ تمھارے بعد بنو عباس کے تخت کا وارث عیسیٰ ہوگا۔''

''جی امیر المومنین!''

''تمھیں اپنا ولی عہد اوّل نامزد کرنے میں ہمیں خاصی مشکلات ہوئی تھیں۔''

''مجھے اس کا بھی علم ہے امیر المومنین!''

''اب یہ حق تمھارا ہے کہ تم اپنا ولی عہدِ دوم کسے نامزد کرو گے لیکن ہماری

Marfat.com

خواہش ہے کہ دوسرے ولی عہد کے نام کا اعلان ہم کریں۔"

"ضرور کیجیے امیر المومنین! میں اعتراض کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں! یہ مجھے گوارا نہیں ہوگا کہ دولتِ عباسیہ کا مؤرّخ مجھے آپ کا نافرماں بردار بیٹا لکھے۔"

"جیتے رہو۔" منصور نے خوش ہو کر کہا۔ "کل ہم دربارِ عام میں اعلان کریں گے کہ تمھارا ولی عہد دوم تمھارا بیٹا ہارون ہوگا۔"

محمد چپ رہ گیا۔ اُس کے خیال کے مطابق یہ حق اس کے بڑے بیٹے موسیٰ کا تھا۔

خلیفہ المنصور نے محبت سے ہارون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے لیے ہم الرشید کا لقب پسند کریں گے۔ کل کے بعد اُسے شہزادہ ہارون الرشید کہا جائے گا۔ ہمیں نجومیوں نے اُس کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے محمد! ہمارے اس پوتے کا دورِ اقتدار طویل اور بڑی حد تک پُرامن ہوگا۔ رعایا اس سے بہت خوش رہے گی۔"

محمد المہدی نے پوچھا۔ "آپ نے موسیٰ کا زائچہ نہیں بنوایا؟"

"وہ بھی بنوایا ہے۔" منصور کے چہرے پر کچھ فکرمندی نظر آئی۔ "موسیٰ کے بارے میں ہمارے دونوں درباری منجم تشویش کا شکار ہوئے ہیں محمد!"

"تشویش!" محمد المہدی بے چین ہوا۔ "کیسی تشویش امیر المومنین؟"

"انھوں نے ہمیں اپنی تشویش کے اسباب سے آگاہ نہیں کیا۔" منصور نے جواب دیا۔ "بس اتنا کہا کہ موسیٰ کی وجہ سے جو نامناسب حالات سامنے آئیں گے، اُن کا نتیجہ بہرحال اچھا نکلے گا اس لیے ہمیں مستقبل سے خوف زدہ یا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔"

محمد المہدی جانتا تھا کہ منجم حضرات نامناسب باتوں کا اظہار نہ کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں لیکن یہ اُسے باور نہ آیا کہ خلیفہ المنصور کے رعب و دبدبے کے سامنے وہ اپنی زبان بند رکھنے کی جرأت کر سکے ہوں۔ محمد المہدی کو اپنے باپ کے جواب پر یقین نہیں آیا اور اُس نے سمجھا کہ اس سے کوئی بات چھپانا ضروری سمجھا گیا تھا۔

"نہیں محمد!" خلیفہ المنصور نے بیٹے کے چہرے سے کچھ بھانپ لیا۔ "جو خیال تمھارے دماغ میں آیا ہے، وہ غلط ہے۔ ہم نے منجموں کی تشویش کا سبب جاننے کے لیے ان پر کوئی دباؤ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تختِ عباسیہ کا رعب اُن سے سچائی نہیں

Marfat.com

اُگلوا سکتا تھا۔ وہ ہمیں کوئی فرضی کہانی گڑھ کر سنا دیتے اور خواہ مخواہ ہمارا دماغ ان بے بنیاد باتوں میں اُلجھ کر رہ جاتا۔ دوسری بات ہم نے یہ بھی سوچی تھی کہ مستقبل کی کچھ نامناسب باتوں سے بے خبر رہنا ہی انسان کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ یہ ہمارا رعب وجلال ہی تھا کہ چند الفاظ اُن کے منہ سے نکل گئے ورنہ مناسب تو یہ ہوتا کہ وہ ہمیں اتنا بھی نہ بتاتے، اور اب وہی غلطی ہم سے ہوئی ہے کہ تمھیں ایک اُلجھن میں ڈال بیٹھے۔ خالد برمکی کا خیال بالکل درست ہے کہ ہم بعض اوقات غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ہم نے خالد برمکی کی اس صاف گوئی سے ناراض ہو کر ہی اُسے وزارت کے منصب سے الگ کیا تھا لیکن ہمیں یہ احساس بہرحال رہا کہ اُس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اسی لیے وہ ہمارے عتاب کا شکار نہیں ہوا اور ہم نے نہ صرف اُسے ایک بڑا منصب دیا بلکہ اس کے بیٹے یحیٰ کو بھی بصرے سے بلا کر سلطنت کے ایک باعزت منصب پر بٹھایا۔'' منصور دھیرے سے ہنسا۔ ''بات کہیں سے کہیں نکل گئی۔ ہم تو یہ کہہ رہے تھے کہ ہماری غلطی سے جو تھوڑا بہت تمھارے علم میں آیا ہے، اُسے بھلانے کی کوشش کرنا۔ کل ہم دربار میں ولی عہد دوم کی حیثیت سے ہارون کے نام اور اُس کے لقب کا اعلان کریں گے۔'' پھر ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن منصب دارانِ سلطنت اور اُمرائے دربار کے سامنے منصور نے ہارون کو ولی عہدِ دوم کی حیثیت سے نامزد کیا اور شہزادہ ہارون، ہارون الرشید بن گیا۔

''میں بالکل خوش نہیں ہوں شہزادہ ولی عہد!'' خیزران نے اسی دن محمد المہدی سے کہا۔ ''میرا بڑا بیٹا ولی عہد اوّل ہونا چاہیے۔''

''تحمل سے کام لو خیزران!'' محمد المہدی نے کہا۔ ''ابھی وہ وقت بہت دور ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو جو مناسب ہوگا، قدرت کا فیصلہ اسی کے حق میں ہوگا۔ انسان تو لاچار محض ہے۔''

محمد المہدی کو خلیفہ المنصور نے جس انجانی تشویش سے بے اختیاری میں آگاہ کر دیا تھا، وہ تشویش محمد المہدی نے اپنی ذات تک محدود رکھی، خیزران کے دماغ میں منتقل نہیں کی۔

☆☆☆

Marfat.com

خلیفہ المنصور نے بغداد کے بہت قریب ایک شہر ''رصافہ'' بھی بنوایا تھا اور وہیں ولی عہدِ سلطنت کے لیے ایک محل کی تعمیر ہوئی تھی۔ شہزادہ محمد المہدی اپنے حرم کے ساتھ قصر الذہب سے اسی محل میں منتقل ہوگیا۔

''رصافہ کو بس نام کا شہر کہا جاسکتا ہے۔'' محمد المہدی نے اپنے نئے محل میں منتقل ہونے کے بعد خیزران سے کہا تھا۔ ''یہ دراصل سلطنتِ عباسیہ کا ایک فوجی مستقر ہے۔''

محمد المہدی کی بات قطعی غلط نہیں تھی۔ اس کے محل کے علاوہ وہاں جو بلند و بالا اور عظیم الشان عمارات تعمیر کی گئی تھیں، وہ سالارانِ لشکر کی قیام گاہیں تھیں یا وہاں عسکری معاملات کی دیکھ بھال کے محکمے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گھروں پر مشتمل آبادی ان لوگوں کی تھی جو وہاں ملازمت کرتے تھے۔ رصافہ ہی میں فوجی چھاؤنی بھی تھی۔ بغداد سے اس کا فاصلہ بھی برائے نام ہی تھا۔

وقت کا پرند سوئے مغرب پرواز کناں رہا اور محمد المہدی کے دونوں بیٹے زمانہ طفولیت سے گزر کر لڑکپن کی حدود میں داخل ہوگئے۔ دس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ہارون الرشید کی صورت و سیرت بڑی حد تک نمایاں ہوئیں اور دیکھنے والوں کو محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک خوب رو جوان اور نہایت نیک سیرت انسان بنے گا۔

موسیٰ اپنے چھوٹے بھائی کے بالکل برعکس نظر آنے لگا تھا۔ اُسے تفریحی یا علمی، دونوں ہی قسم کی مجلس آرائیاں ناپسند تھیں۔ وہ دل میں کپٹ رکھنے والا ایک درشت مزاج لڑکا تھا۔ اُس کی شکل و صورت بس قابلِ قبول کہی جاسکتی تھی۔ اُس کے ہونٹ موٹے اور بھدے تھے اور جب وہ تنہائی میں بیٹھا کچھ سوچ رہا ہوتا تو اُس کے ہونٹ کھلے رہ جاتے تھے۔ اسی لیے خیزران نے خادموں کو تاکید کی تھی کہ وہ جب بھی موسیٰ کے ہونٹ کھلے ہوئے دیکھیں، اُسے ٹوک دیا کریں۔ اس پر موسیٰ بہت تلملاتا تھا لیکن خدام پر اپنی برہمی کا اظہار اسی لیے نہیں کرپاتا تھا کہ خدام کو اس روک ٹوک کا حکم اُس کی ماں سے ملا تھا۔

دونوں بھائیوں میں جو نمایاں فرق تھے، انھی کی وجہ سے ہارون الرشید نہ صرف ماں باپ کو بلکہ خاندان بھر میں سبھی کو موسیٰ سے کہیں زیادہ پیارا اور محبوب تھا۔ اسی لیے موسیٰ کے دل میں گرہ پڑگئی۔ اُس کی درشت مزاجی میں اضافہ ہوتا رہا۔ اُس کی آنکھیں

Marfat.com

یہ ظاہر کرنے لگی تھیں کہ ہارون الرشید کو چاہنے والوں کے خلاف اُس کے دل میں غیظ و غضب کی آندھیاں چلتی رہتی تھیں۔ کم عمر ہونے کے باعث وہ کیوں کہ بڑوں کے خلاف کچھ کہہ نہیں پاتا تھا اس لیے وہ قلبی اور ذہنی گھٹن کا بھی شکار ہوتا رہا۔

ریطہ بہ دستور ''رے'' میں مقیم رہی تھی اور اب اُس نے اپنے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا کہ وہ کسی سازش سے اپنے بیٹے کو تختِ خلافت تک پہنچانے کا راستہ ہموار کرے۔ بیٹے نے کم عمری کے باوجود غلط راہوں میں پڑ کر اپنی صحت غارت کر لی تھی اور حصولِ علم کا تو اس کے دل میں نام ونشان تک نہ تھا۔ ریطہ اس خیال سے بہت تڑپتی تھی کہ خیزران سے انتقام لینے کے لیے وہ اپنے بیٹے کو کسی طور پر بھی ہتھیار کے طور پر استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ ابتدا میں تو اُس نے سوچا تھا کہ وہ چاپلوسانہ ہتھکنڈوں سے عباسی خاندان کے کچھ ''بڑوں'' کو اپنا ہم درد بنا کر علی کو آگے بڑھانے کی کوشش کرے گی لیکن اب اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ عباسی خاندان کے ایک شخص کو بھی اپنے بیٹے کے حق میں بولنے کے لیے تیار نہیں کر سکے گی۔

ریطہ نے وہ سارا عرصہ یوں بھی تلملاتے ہوئے گزارا تھا کہ وہ کسی شمار قطار ہی میں نہیں رہی تھی۔ اُسے کسی تادیب کے قابل بھی نہیں سمجھا گیا تھا۔ اُس کے خلاف جو تادیبی کاروائی ہوئی تھی، وہ بس اتنی ہی تھی کہ محمد المہدی اُسے ''رے'' ہی میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ ایک مرتبہ گڑگڑاتے ہوئے لہجے میں بذریعہ خط المنصور سے بغداد آنے کی اجازت طلب کر چکی تھی لیکن منصور نے خود جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ بس اپنے وزیر ابوایوب موریانی سے لکھوا دیا تھا کہ امیر المومنین کی خواہش کے مطابق اب ریطہ کو اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی باقی زندگی ''رے'' ہی میں گزارنا ہے۔

ان سب باتوں نے ریطہ کی صحت پر گہرے اثرات ڈالے تھے لیکن یہ شاید اس اعتبار سے اُس کے حق میں اچھا ہوا تھا کہ وہ اب ''پہلوان نما'' کے بجائے ایک ڈھنگ کی عورت نظر آنے لگی تھی۔

علی کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد اب وہ یہ سوچنے لگی تھی کہ خیزران سے انتقام لینے کے لیے کوئی اور تدبیر کرے۔ خیزران کے علاوہ مزنہ کا خیال بھی اُس کے

Marfat.com

دل و دماغ میں آگ دہکا دیتا تھا جو گزرے ہوئے سالوں میں ذرا بھی ٹھنڈی نہیں پڑی تھی۔

اس عرصے میں محمد المہدی نے چند اور شادیاں بھی کی تھیں لیکن خیزران نے اپنی جو اہمیت بنالی تھی، وہ اہمیت اس کی سوکنیں حاصل نہیں کرسکیں۔ ان شادیوں کے باوجود محمد المہدی کے دل میں خیزران کے لیے جو چاہت اور اُلفت تھی، اس میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

ان بیویوں سے محمد المہدی کی کئی اولادیں ہوئی تھیں جن میں ایک لڑکے کے علاوہ دو لڑکیاں عباسہ اور بانوقہ تھیں۔ عباسہ اپنی چھوٹی بہن سے زیادہ خوب صورت تھی اس لیے ہارون الرشید اپنی اس بہن کو بہت چاہنے لگا تھا۔ خود محمد المہدی کو اپنی نٹ کھٹ اور شریر بیٹی بانوقہ سے زیادہ محبت تھی۔

ہارون الرشید کی تعلیم و تربیت محمد المہدی نے اپنے وزیر، اپنے ندیم اور اپنے دم ساز ابو عبیداللہ کو سونپی تھی جس کی فہم و بصیرت نے ہارون الرشید پر گہرے اثرات چھوڑے لیکن دادا کا یہ لاڈلا تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ تفریحات میں بھی بہت دل چسپی لیتا تھا۔ اس کی دل چسپیاں بھی نت نئی ہوتی تھیں۔ وہ کبھی رصافہ کی فوجی چھاؤنی میں گھومتا نظر آتا، کبھی بغداد کے باغات میں گھومتا دکھائی دیتا اور کبھی دجلہ کے کنارے خراماں خراماں نظر آتا۔ ایسے مواقع پر وہ اپنے محافظ سپاہیوں کو خود سے بہت دور رکھتا تھا۔

اپنے ہم جولیوں میں اُسے اپنے ایک چچا جعفر کا بیٹا بہت پسند تھا اور ابن جعفر کی چھوٹی بہن اُمت العزیز تو اُسے بہت ہی پیاری لگتی تھی۔

سال بہ سال اپنی گزرتی ہوئی اس زندگی میں ہارون الرشید ذہنی پختگی سے بھی قریب تر ہوتا رہا۔ سلطنت میں جو حوادث و واقعات پیش آتے رہتے، ان پر اس کی گہری نظر رہتی اور پرچہ نویسوں سے بھی وہ مختلف شہروں کا احوال بہ غور سنا کرتا۔ عسکری معاملات سے بھی اس نے خود کو دور نہ رکھا۔ دس سال ہی کی عمر میں اُس نے تیر اندازی، شمشیر زنی اور گھڑ سواری سیکھ لی تھی۔

جب ہارون الرشید کے اساتذہ میں سے ابوعبیداللہ کا انتقال ہوگیا تو محمد المہدی نے اس کی جگہ پُر کرنے کے لیے یحییٰ برمکی کا انتخاب کیا جو ان دنوں موصل اور اس کے

Marfat.com

گردونواح کا والی تھا۔ خلیفہ المنصور کی اجازت سے اُسے بغداد بلایا گیا۔ اس کی جگہ موصل کا والی کوئی اور مقرر ہوا۔ یحییٰ کے لیے اس منصب کی تو کیا، کسی بھی منصب کی کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ دونوں باپ بیٹے منصب پر اپنی اہمیت میں اضافہ کرنا خوب جانتے تھے۔

یحییٰ بغداد آیا تو اس کے خاندان کے لوگ بھی آ گئے۔ خیزران کو اپنی پرانی سکھیاں زینب، فاطمہ اور عتابہ پھر مل گئیں۔ فضل اور جعفر اپنے رضاعی بھائی ہارون الرشید سے آملے اور بہت خوش ہوئے لیکن ہارون الرشید ان دنوں زیادہ خوش نہیں تھا۔ اُسے ہر وقت اپنے عزیز دادا کی فکر لاحق رہتی تھی۔ خلیفہ المنصور کچھ دنوں سے بار بار علیل رہنے لگا تھا۔

''یہ بار بار کی علالت ہمیں کچھ رنگ لاتی دکھائی دیتی ہے بیٹے!'' منصور نے اپنے بستر پر لیٹے لیٹے محمد المہدی سے کہا۔

محمد المہدی نے باپ کے فقرے کا مطلب سمجھ لیا اور جلدی سے بولا۔ ''ایسی باتیں زبان پر نہ لایئے۔''

محمد المہدی کو باپ سے واقعی بہت محبت تھی۔ وہ ہرگز خواہاں نہیں تھا کہ باپ جلد از جلد دنیا سے رخصت ہو اور اُسے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کا موقع ملے۔

منصور نے اس کی بات نظر انداز کر دی اور کہا۔ ''ہمارے لیے سفرِ حجاز کی تیاریاں مکمل کرا دو محمد! ہم فریضۂ حج ادا کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہ آپ کا بہت مناسب فیصلہ ہے۔'' محمد المہدی نے کہا۔ ''اس مقدس سرزمین کی مہک آپ کی مشامِ جاں کو اس طرح معطر کرے گی کہ آپ کی اس بار بار کی علالت کا خاتمہ ہو جائے گا۔''

''ہاں، بار بار کی علالت کا خاتمہ تو ہو جائے گا۔''

محمد المہدی نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔ اُسے محسوس ہوا تھا کہ وہ فقرہ ادا کرتے ہوئے خلیفہ المنصور کے دل میں بات کچھ اور تھی۔

''ایک کام فوری طور پر کرو محمد!'' المنصور پھر بولا۔ ''سفرِ حجاز پر ہماری روانگی سے قبل خالد کو بغداد بلوا لو۔''

Marfat.com

خالد برمکی ان دنوں خلیفۂ وقت کی طرف سے طبرستان کا والی تھا۔ محمد المہدی کو کچھ عرصے پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ اس نے غور سے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کوئی خاص وجہ امیر المومنین؟''

''ہاں۔'' منصور نے کہا۔ ''ہم زندگی میں پہلی بار اور شاید آخری بار جس شخص سے معافی مانگنا چاہتے ہیں، وہ خالد برمکی ہے۔''

''آپ اُن کی وہ خطا تو درگزر فرما چکے ہیں!''

''درگزر بعد میں کیا تھا، سزا پہلے دے دی تھی۔ ہم ابو ایوب کی باتوں پر یقین کرنے کی غلطی کر بیٹھے تھے۔ ہم سے کچھ غلطیاں بہر حال ہوتی رہی ہیں۔ ہم خالد کے بیٹے یحییٰ سے اس کا اعتراف بھی کر چکے ہیں لیکن۔'' منصور نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''انسان پر ایسا وقت ضرور آتا ہے جب اُسے اپنی غلطیوں کا احساس بڑی شدت سے ہوتا ہے۔ غالباً ہمارا بھی وہ وقت آ گیا ہے۔ اسی لیے ہم اس سے معافی کے طلب گار ہونا چاہتے ہیں۔''

محمد المہدی کا دل بھر آیا۔ اسے باپ کے منہ سے اس قسم کی باتیں سن کر قلبی تکلیف ہو رہی تھی۔

المنصور نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''سفرِ حجاز پر ہماری روانگی سے پہلے اُسے طبرستان سے بلا لو۔ یہ فرض ہم تمھیں اس لیے سونپ رہے ہیں کہ ہم خود اُسے نہیں بلانا چاہتے۔ ہم بلائیں گے تو یہ اُس کے لیے ایک حکم بن جائے گا اور ہم اس شخص کو حکم نہیں دینا چاہتے جس سے ہمیں معافی مانگنا ہے۔''

''بہتر۔'' محمد المہدی نے کہا۔ ''میں بھی اُنھیں خود نہیں بلواؤں گا۔ یحییٰ سے کہہ کر بلوالوں گا۔''

''کسی طرح بھی بلوالو۔'' المنصور نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اتنی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے باعث تھکن محسوس کرنے لگا تھا۔

''آپ آرام کیجیے!'' محمد المہدی کھڑا ہو گیا۔

منصور نے آنکھیں بند کیے کیے سر ہلا دیا۔ محمد المہدی وہاں سے نکل آیا۔ وہ کچھ

Marfat.com

دنوں سے خیزران اور ہارون الرشید کے ساتھ الذّہب ہی کے ایک حصے میں مقیم تھا۔ موسیٰ کوئی بہانہ کر کے رصافہ ہی کے محل میں رک گیا تھا۔ محمد المہدی کی دوسری بیویاں اور اُن کے بچے بھی رصافہ ہی کے محل میں تھے۔

محمد المہدی نے یحییٰ کو بلانے کے لیے ایک خادم اسی وقت روانہ کردیا اور خیزران کو وہ ساری باتیں بتانے لگا جو منصور نے اُس سے کی تھیں۔ ان باتوں نے خیزران کو بھی مغموم کردیا۔ وہ واقعہ وہ بھی نہیں بھولی تھی جس کی وجہ سے منصور کو اب معافی مانگنے کی خواہش ہوئی تھی۔

اس واقعے کا سازشی کردار ابوایوب موریانی تھا۔ خالد برمکی کے دورِ وزارت ہی سے ابوایوب کو اس سے دشمنی تھی۔ اسی کی سازشوں کی وجہ سے خالد برمکی کو الگ کر کے منصب وزارت ابوایوب کو سونپا گیا تھا۔ اس شخص میں ایسی نہ جانے کیا بات تھی کہ بڑے طویل عرصے تک اس کا جادو خلیفہ المنصور کے سر چڑھ کر بولتا رہا تھا۔ اس کی ہر جھوٹی سچی بات خلیفہ المنصور کے دل میں بیٹھ جاتی تھی۔ کچھ عرصے پہلے ابوایوب کو یہ بات بہت کھل گئی تھی کہ خالد کے خاندان کو بغداد بلالیا گیا تھا اور اُس کے بیٹے یحییٰ کو ہارون الرشید کی تربیت کی ذمے داریاں سونپی گئی تھیں۔

خالد برمکی کیونکہ وزارت سے الگ ہونے کے بعد بھی کسی نہ کسی منصب پر فائز ہوتا رہا تھا اس لیے ابوایوب کو سکون نہیں مل سکا تھا۔ خالد برمکی کے خلاف کچھ کرتے رہنے کی اسے عادت سی پڑ گئی تھی۔ وہ ان دنوں بھی ایک سازش کی تیاری کر چکا تھا اور یحییٰ کے بغداد آنے کے بعد وہ بہت تیزی سے اپنی سازش کو روبہ عمل لایا تھا۔ اُس نے خالد پر الزام لگایا تھا کہ وہ اپنی عمل داری میں جو سرکاری مال گزاری لیتا ہے، اس میں خرد برد کرتا رہتا ہے۔

اس الزام پر المنصور نے خالد کو فوراً بغداد طلب کرلیا اور تحقیقات کے نتیجے میں اس پر الزام ثابت بھی ہوگیا کہ اس نے ایک خطیر رقم غبن کی تھی۔ منصور نے فوراً حکم صادر کردیا کہ خالد تین دن کے اندر وہ ساری رقم بیت المال میں داخل کردے ورنہ معینہ مدت کے بعد اُس کا سر قلم کردیا جائے گا۔

خالد کی جیبیں خالی تھیں۔ اس نے پُر اُمید نظروں سے اپنے دوستوں کی طرف

Marfat.com

دیکھا۔ اس طرح کچھ رقم جمع ہوگئی جو کم تھی۔ اس کے بعد یحیٰ نے اپنی بیویوں کو خیزران کے پاس بھیجا۔ خیزران نے اپنے جواہر و زیورات سے اُن کی مدد کی جو اتنی مالیت کے تھے کہ مطلوبہ رقم بیت المال میں جمع کرائی جا سکے۔ اس کے بعد خالد کو حکم دیا گیا کہ اب وہ دربارِ خلافت میں حاضر نہیں ہوگا۔

زندگی میں پہلی مرتبہ خالد برمکی کو بہت ہی ذلت کا سامنا کرنا پڑا لیکن جلدی ہی ابو ایوب کی بدنیتی کا ایک ایسا واقعہ خلیفہ المنصور کے مشاہدے میں آیا کہ اُس نے مغلوب الغضب ہوکر ابو ایوب کو برطرف کر دیا اور وزارت کا منصب ربیع بن یونس کو سونپ دیا گیا۔

اس موقع پر محمد المہدی نے خالد برمکی کے خلاف کی گئی تحقیقات کو مشکوک قرار دے کر اپنے باپ کو از سر نو تحقیقات کرنے کا مشورہ دیا۔ المنصور نے یہ مشورہ فوراً مان لیا۔ دوسری بار تحقیات کی نگرانی محمد المہدی نے خود کی اور یہ بات سامنے آگئی کہ خالد برمکی کے ماتحت عمال سے وہ خرد برد ابوایوب نے خود کروائی تھی۔ کچھ دن بعد حساب کتاب کرنے پر خالد برمکی کو اس کا علم ہوجاتا لیکن ابوایوب نے اس سے پہلے ہی الزام لگا دیا اور خالد برمکی کو اپنے عمّال پر گرفت کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔

یہ حقیقت سامنے آجانے کے بعد المنصور نے بڑی شرمندگی محسوس کی اور خالد برمکی کا سامنا کیے بغیر ایک حکم کے ذریعے اُسے اس کے منصب پر بحال کر دیا۔

اس واقعے کے بعد اب المنصور کو خالد برمکی سے معافی مانگنے کی خواہش ہوئی تھی۔ محمد المہدی سے اس کا علم ہونے پر خیزران نے کچھ دیر کی افسردگی کے بعد کہا۔

''ایک بات اس وقت بھی میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتی تھی لیکن کچھ اور واقعات میں وقت گزر گیا۔ پھر میں نے ان تلخ باتوں کو بھلا دینا ہی بہتر سمجھا لیکن بات اب پھر سامنے آئی ہے تو میں آپ سے اس کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ سلطنت کا ہر فرد جانتا ہے کہ ان باپ بیٹے نے بہت دولت کمائی ہے۔ پھر وہ خود ہی وہ رقم بیت المال میں کیوں نہیں جمع کرا سکے؟''

''آلِ برمک کا مزاج ہی یہ ہے۔'' محمد المہدی نے جواب دیا۔ ''انھوں نے جو

Marfat.com

کچھ کمایا، سب لٹا دیا۔ کوئی غرض مند کبھی اُن کی طرف سے مایوس نہیں ہوا۔ کوئی حاجت مند ان کے در سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ وہ خود ہمیشہ تہی دست رہے۔ اتنی رقم ان باپ بیٹے کے پاس آج بھی نہیں ہوگی۔"

"آپ کے جواب سے میری تسلی نہیں ہوئی۔" خیزران نے کہا۔ "ان کے پاس جائداد تو ہے۔ محل تو ہیں۔ وہ ایک محل بیچ کر بھی مطلوبہ رقم بیت المال میں جمع کرا سکتے تھے۔"

"یہ بات میں نے بھی سوچی تھی کہ انھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا۔"

"پھر؟"

"بس ایک قیاس کر سکا تھا میں!" محمد المہدی نے کہا۔ "محترم خالد نے صرف ضرورت مندوں ہی کو نہیں، اپنے دوستوں اور شناساؤں تک کو نوازا ہے۔ اس موقع پر وہ پرکھنا چاہتے ہوں گے کہ ان میں کون ان کے کام آتا ہے۔ اگر انھیں سب کی طرف سے مایوسی ہوتی تو وہ یقیناً اپنا محل بیچ دیتے۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے آخر کیوں آزمایا گیا؟"

"تمھارے معاملے میں ان کا نظریہ دوسرا ہوگا۔ تمھاری سخاوت کے قصے انھوں نے بھی سنے ہوں گے۔ اس موقع پر انھوں نے بہ ذاتِ خود جاننا چاہا ہوگا کہ تم کسی کی حاجت روائی میں کہاں تک جا سکتی ہو۔ خصوصاً اُن کی حاجت روائی میں، کیوں کہ اُن کے بیٹے کی بیویوں سے تمھاری خاص قربت ہے۔ ہاں خیزران! یہی بات ہوگی ورنہ وہ مجھ سے بھی کہہ سکتے تھے۔ انھیں خوب علم ہے کہ میں اُن کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

خیزران نے سر ہلایا۔ "اب اُلجھن رفع ہوئی ہے میری۔"

"ہارون الرشید کہاں ہے؟" محمد المہدی نے پوچھا، پھر جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی بولا۔ "اپنی آرام گاہ میں ہوگا۔"

"جی نہیں۔" خیزران نے جواب دیا۔ "آپ کی آمد سے ذرا ہی پہلے وہ مجھ سے اجازت لے کر اپنے دادا کی مزاج پرسی کے لیے گیا ہے۔"

محمد المہدی جلدی سے بولا۔ "انھیں تو میں آرام کرتا چھوڑ کر آیا تھا۔"

خیزران خفیف سا مسکرائی۔ "پوتا جب حاضری کے لیے اجازت کا طلب گار ہوگا

Marfat.com

تو وہ آرام کرنا بھول جائیں گے۔"

بات زیادہ آگے نہیں چلی۔ ایک کنیز نے آ کر یحییٰ کی آمد کے بارے میں اطلاع دی۔ محمد المہدی فوراً جا کر یحییٰ سے ملا اور اُسے تمام باتوں سے آگاہ کیا۔ یحییٰ نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے والد کو بہت جلد طبرستان سے بلالے گا۔

اس نے بلا بھی لیا لیکن بہت تاخیر سے! اگر ایک رات اور گزر جاتی تو خلیفہ المنصور اور خالد برمکی کی ملاقات نہ ہو پاتی۔ دوسری صبح المنصور کی سفرِ حجاز کے لیے روانگی تھی۔ رات گئے ہی خالد برمکی کو محل میں بلالیا گیا۔

تعظیم و تکریم کے بعد خالد برمکی نے کہا۔ "آپ کو ہشاش بشاش دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ کی علالت کی خبریں سن کر تشویش رہنے لگی تھی۔"

المنصور نے مسکرا کر کہا۔ "آج ہم خود میں جو طاقت محسوس کر رہے ہیں، وہ عطائے خداوندی ہے کیوں کہ ہم ایک مقدس فریضہ سرانجام دینے جا رہے ہیں۔"

"تو اتنی عجلت میں خادم کو کیوں یاد کر لیا؟ واپس آ کر طلب فرما لیتے۔"

المنصور بہت سنجیدہ نظر آنے لگا۔ اُس نے کہا۔ "ہم بہت تھک گئے ہیں خالد!"

خالد برمکی نے کہا۔ اس سلطنت کو سنوارنے اور امن و امان قائم کرنے کے لیے آپ نے شب و روز ایک کیے ہیں، تھکن تو ہوگی امیر المومنین!"

"اسی لیے اب ہم بے فکر ہو کر آرام کر سکتے ہیں۔ ہمارے ولی عہد کو وراثت میں پریشانیاں نہیں ملیں گی۔ دراصل تمھیں ہم نے اس لیے بلایا ہے کہ ہم تم سے اپنی غلطیوں اور خصوصاً آخری غلطی کی بہت معافی چاہتے ہیں۔"

"آپ خادم کو شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"شرمندہ تو ہم ہیں خالد برمکی!" خصوصاً اس آخری زیادتی پر جب ہم نے تمھیں دربارِ خلافت میں حاضری سے روک کر لوگوں کی نظر میں شرم سار کیا تھا۔"

"میں نے آپ کو کبھی خطا کار نہیں سمجھا۔" خالد برمکی نے کہا۔ "میں خوب جانتا تھا کہ پس پردہ کس کا ہاتھ کیسی چابک دستی سے کارفرما ہے کہ آپ غلط فہمی کا شکار ہو ہی جاتے ہیں۔"

"ایسے چابک دستوں کو کبھی نہ کبھی اپنی حرکتوں کا بدترین خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

تمھیں علم ہو گیا ہو گا۔ ہم نے ابوایوب کو بہت ذلیل کر کے قتل کروادیا ہے، اور اُسے ہی نہیں، اس کے عزیز واقارب کو بھی!''

یہ ایک اور غلطی ہوئی، خالد برمکی نے سوچا، اس کے عزیز واقارب کو تو اس کے کیے کی سزا نہیں ملنا چاہیے تھی۔

''اب ہمیں معاف کردو خالد!'' المنصور نے کہا۔ ''ہم یہ خلش لے کر دنیا سے رخصت نہیں ہونا چاہتے۔''

قریب ہی موجود محمد المہدی نے بے تاب ہو کر باپ کی طرف دیکھا، کچھ کہنا بھی چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا اور افسردگی سے نظریں جھکالیں۔

خالد برمکی نے کہا۔ ''میں اور میری اولاد آپ پر نثار امیرالمومنین! اگر میں یہ کہوں کہ میں نے آپ کو معاف کیا تو زندگی بھر اس گستاخی کے ارتکاب کا احساس بے چین رکھے گا، اور پھر آپ نے جو نوازشات کی ہیں، ان کا پلہ زیادہ بھاری ہے۔ بہ خدا میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بات نہیں ہے۔''

المنصور نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اب ہمارے دماغ سے ایک بوجھ ہلکا ہو گیا۔''

''اگر اجازت ہو تو اب میں بھی آپ سے دو ایک باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

''کہو خالد، کہو! آج تمھیں سب کچھ کہنے کی اجازت ہے۔''

''میں اب ستر سال کا ہونے والا ہوں امیرالمومنین! تھکن کا احساس اب مجھے بھی ہونے لگا ہے۔ مجھے طبرستان واپس نہ بھیجیے گا۔ مجھے خلافتِ عباسیہ کی خدمات سے سبکدوش کر دیجیے!''

''تم نے تو ہمارے دل کی بات کہہ دی خالد!'' المنصور مسکرایا۔ ''ہم خود چاہتے ہیں کہ اب بغداد ہی میں رہو۔ ہمارے بیٹے کو تمھارے دانش مندانہ مشوروں کی احتیاج رہے گی۔ اس کے مشیر کی حیثیت سے تم پر کام کا بوجھ نہیں پڑے گا۔ ہم مہرِ خلافت بھی تمھیں سونپ کر جانا چاہتے ہیں۔''

خالد برمکی مسکرایا۔ ''گویا پھر مجھے ایک اعزاز عطا کرنا چاہتے ہیں!''

''کاش ہم اپنی تمام غلطیوں کا ازالہ کر سکتے!''

Marfat.com

''اگر آپ اُس کے خواہش مند ہیں تو جو لوگ اپنی سزا بھگت چکے ہیں، انھیں اب مزید سزا کا اسیر نہ رکھیے۔ انھیں معاف کر دیجیے!''

''کیا زنداں میں ایسے لوگ ہیں؟''

''شاید ہوں، لیکن دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنی بھتیجی خاتون ریطہ کو اب معاف کر دیں تا کہ وہ بغداد آ سکیں۔''

اس بات پر نہ صرف منصور بلکہ محمد المہدی بھی چونک کر خالد برمکی کی طرف دیکھنے لگا۔

خالد برمکی نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''انھوں نے جو کچھ کیا، اُس کی انھیں برسوں سے سزا مل رہی ہے۔ خاندان سے اُن کا مقاطعہ اُن کے لیے ایک ایسی اذیت رہی ہوگی جس نے انھیں تڑپا کر بے حال کر دیا ہوگا۔''

منصور نے بے چین ہو کر بیٹے کی طرف دیکھا۔

خالد برمکی فوراً بولا۔ ''میں نے زندگی میں پہلی بار آپ سے کچھ مانگا ہے امیر المومنین! اور وہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں مانگا۔ میں خاتون ریطہ کے لیے آپ سے معافی کا طلب گار ہوا ہوں۔''

منصور نے پوچھا۔ ''تم اس بارے میں کیا کہتے ہو محمد؟''

محمد المہدی نے جواب دیا۔ ''ابھی محترم خالد نے جو بات کہی ہے، اس میں وزن تو ہے امیر المومنین! انھوں نے واقعی زندگی میں پہلی بار کچھ مانگا ہے۔''

''خوب!'' منصور مسکرایا، پھر اُس نے خالد برمکی سے کہا۔ ''سنا تم نے خالد؟ ہمارا بیٹا کبھی کبھی بڑی خوب صورتی سے جواب دیتا ہے۔''

''جی۔'' خالد برمکی بھی مسکرایا۔

''تو ٹھیک ہے۔'' المنصور نے محمد المہدی سے کہا۔ ''تم اسے بغداد بلوالو۔ ہم نے اُسے معاف کیا۔ ہمیں اپنی اس بدنصیب بھتیجی سے بہت محبت رہی ہے لیکن جب ہم کسی کو قابلِ تعزیر گردانتے ہیں تو اپنی محبت کے جذبات کو بڑی سفا کی سے کچل دیتے ہیں۔ تم خاندان سے اس کا مقاطعہ بھی ختم کروا دینا۔ ہاں البتہ یہ فیصلہ ہم تم پر چھوڑتے ہیں کہ تم اسے اپنی بیویوں کے ساتھ رکھو یا اس کے قیام کا کچھ اور بندوبست کر دو۔''

Marfat.com

''بہتر ہے۔'' محمد المہدی ایک فرماں بردار بیٹا تھا۔

''امیر المومنین!'' خالد برمکی بولا۔ ''صبح آپ کی روانگی ہے۔ وقت کم رہ گیا ہے۔ اب آپ آرام کیجیے!''

اجازت لے کر وہ اور محمد المہدی خلیفہ المنصور کی استراحت گاہ سے نکل آئے۔

''شہزادہ ولی عہد!'' خالد برمکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کے چہرے پر فکرمندی اور سوچ بچار کے سائے دیکھ رہا ہوں۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں نے خاتون ریطہ کو معافی کیوں دلوائی ہے!''

محمد المہدی سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

خالد برمکی پھر بولا۔ ''خاتون ریطہ کو بغداد بلوا لیجیے اور وقت کا انتظار کیجیے۔ میں نے اس وقت جو یہ کام کیا ہے، وہ آپ کی اور خاتون خیزران کی بہتری کے لیے کیا ہے۔''

اب محمد المہدی کے چہرے پر حیرت کا تاثر اُبھر آیا لیکن اب بھی اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ خالد برمکی قصر الذہب سے رخصت ہو گیا۔

محمد المہدی نے خیزران کے پاس جا کر اُسے تمام باتوں سے آگاہ کیا۔ ریطہ کی معافی کی بات نے اُسے بھی چونکا دیا اور اس معاملے میں خالد برمکی کی مبہم وضاحت اُس کے لیے بھی حیرانی کا سبب بنی۔

''اس میں ہماری کیا بہتری ہو سکتی ہے!'' وہ بولی۔

''محترم خالد کی یہ بات خالی از علت نہیں ہو سکتی۔'' محمد المہدی نے کہا۔ ''یہ کسی خاص موقع پر ہی ہماری سمجھ میں آسکے گی۔ وہ باپ بیٹے تہی دست ضرور رہتے ہیں لیکن اُن کے پاس علم و دانش کا خزانہ بہرحال ہے جو لٹائے جانے پر بھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ کم بھی نہیں ہوتا۔''

خیزران کے چہرے سے سوچ بچار کا تاثر ختم نہیں ہو سکا۔

''اب سو جاؤ!'' محمد المہدی نے کہا۔ ''امیر المومنین کل صبح سفر حجاز پر روانہ ہوں گے۔ انھیں رخصت کرنے کے لیے ہمیں جلدی اُٹھنا ہو گا۔''

خیزران اس رات ٹھیک سے سو نہیں سکی لیکن صبح اُسے جلدی تو اُٹھنا ہی پڑا۔

Marfat.com

اکابرین سلطنت اور اُمرائے دربار خلیفہ المنصور کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔ خلیفہ المنصور نے پہلے حرم کا رخ کیا۔ خیزران اور دیگر خواتین نے اُسے رخصت کیا۔ قصر الذّہب کے باہر جمع ہونے والوں میں خالد برمکی، یحییٰ برمکی اور نیا وزیر سلطنت ربیع بن یونس بھی تھا۔

خلیفہ المنصور کو ہار پہنائے گئے۔ سب سے خوب صورت ہار شہزادہ ہارون الرشید نے پہنایا۔ خلیفہ المنصور نے اس کی پیشانی چومی اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر چند لمحے تک مسکراتے ہوئے اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر جب اُس نے بیٹے کو سینے سے لگایا تو محمد المہدی آب دیدہ ہو گیا۔

قصر الذّہب کے باہر اہالیانِ شہر بھی جمع ہونے لگے تھے۔ جب خلیفہ المنصور کی سواری محل سے نکلی تو ایک جلوس اُس کے پیچھے ہولیا جس میں بہ تدریج اضافہ بھی ہوتا رہا۔ لوگ جوق در جوق اس میں شامل ہو رہے تھے۔

بغداد کی خارجی شہر پناہ کے چار دروازے تھے۔ بابِ خراسان، بابِ کوفہ، بابِ بصرہ اور باب الشّام!

خلیفہ المنصور کی سواری کو بابِ کوفہ سے رخصت کیا گیا جس کا رخ جنوب مغرب کی طرف تھا۔

بعد کے دنوں میں محمد المہدی بہت بے چین رہا۔ کبھی کبھی اس بے چینی کا سبب اس کے دماغ میں آتا تو وہ اسے جھٹک دیتا لیکن ایک دن ایسا آیا جب اُسے جھٹکنے کا جواز باقی نہیں رہا۔

اطلاع آئی کہ سفر کی درماندگی سے المنصور پھر علیل ہو گیا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ قافلے کی رفتار مزید تیز کی جائے تا کہ جلد از جلد مکہ مکرمہ پہنچ سکے لیکن پھر ایک منزل بھی طے نہیں ہوئی تھی کہ مرض شدت اختیار کر گیا۔ مجبوراً ایک مقام ''بشر میمون'' پر پڑاؤ ڈالنا پڑا اور وہیں اطبّا کی تمام تر کوششوں کو سفیر اجل کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑے۔

خلیفہ المنصور کی تدفین مکہ مکرمہ لے جا کر کی گئی۔

☆☆☆

Marfat.com

سوگ کے ایام ختم ہوئے تو محمد المہدی تختِ خلافت پر بیٹھا، اور خلیفہ المہدی کہلایا۔ اس وقت اس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ یحییٰ برمکی کے مشورے پر اس نے یعقوب بن داؤد کو وزارت کے منصب پر فائز کیا۔ اسی دن اس نے خیزران کو ''خاتونِ قصر'' کا لقب دیا۔ وہ اب اپنے حرم کے ساتھ قصرِ الذہب میں منتقل ہو چکا تھا۔

''رے'' سے ریطہ اپنے مجہول بیٹے کے ساتھ واپس آ چکی تھی۔ المہدی نے اسے رصافہ کا وہ محل دے دیا تھا جہاں وہ پہلے خود مقیم رہا تھا۔ اس نے ریطہ سے ملاقات ضروری نہیں سمجھی تھی۔ بس مرحوم باپ کے حکم کی پاس داری کی تھی کہ اسے ''رے'' سے واپس بلالیا تھا اور خاندان سے اس کا مقاطعہ ختم کروادیا تھا۔ یہ خواہش خیزران کی بھی تھی کہ ریطہ کو بغداد سے دور رکھا جائے لیکن رصافہ سے بغداد کی دوری برائے نام ہی تھی۔

ہارون الرشید پر دادا کی موت کا بہت زیادہ اثر ہوا تھا۔ اُس نے خاصے دن اس طرح گزار دیے کہ نہ حصولِ علم میں دل چسپی لی، نہ کسی قسم کی تفریحات میں حصّہ لیا۔ وہ عموماً گم صم رہتا یا تنِ تنہا قصرالذہب کے ان حصوں میں گھومتا رہتا جہاں خلیفہ المنصور اپنا زیادہ وقت گزارتا تھا۔

خود میں گم صم رہنے ہی کی وجہ سے وہ یہ بھی نہ جان سکا کہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد اُس کے باپ نے سلطنت کے کن کن اُمور پر توجہ دی تھی اور کیا کیا احکام جاری کیے تھے۔ وہ اس سے بھی بے خبر رہا کہ اُس کی ماں نے ''خاتونِ قصر'' کا لقب پانے کے بعد اپنے اختیارات کا استعمال اس طرح کیا تھا کہ بلادِ یمن میں اپنے غریب خاندان کے لوگوں کو تلاش کروایا تھا اور انھیں بغداد بلوالیا تھا۔

ہارون الرشید دادا کی موت کے باعث بہت گم صم رہنے لگا تھا۔ اُس کی یہ حالت جب خیزران کے لیے بہت زیادہ باعثِ تشویش ہوئی تو اُس نے المہدی سے اُس کا ذکر کیا اور المہدی نے اس بارے میں یحییٰ برمکی سے بات کی۔

''مجھے خود بھی تشویش ہے امیر المومنین!'' یحییٰ نے کہا۔

''صرف تشویش سے کچھ نہ ہوگا۔ مہدی نے کہا۔ ''ہم نے آپ کو اس کا اتالیق بنایا ہے۔ آپ کو اس پر سختی کرنے کا بھی حق ہے۔ وہ اپنی زندگی کے دو ماہ ضائع کر چکا ہے۔''

Marfat.com

''میں سختی سے گریزاں رہا ہوں۔ میں پہلے آپ سے اجازت لینا چاہتا تھا۔''

''ہارون الرشید کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں آپ اپنے آپ کو خود مختار سمجھیں۔ اس کے کسی بھی معاملے میں آپ کو ہم سے اجازت لینے کی ہرگز کوئی احتیاج نہیں۔''

''بہتر۔'' یحییٰ نے کہا۔ ''اب میں شہزادے کو سنبھال لوں گا۔''

پھر اس دن یحییٰ نے قصر الذہب کے چمن کے ایک گوشے میں ہارون الرشید کو جالیا۔

''آپ!'' ہارون الرشید احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''جی شہزادے!'' یحییٰ نے کہا۔ ''مجھے آپ ہی کی تلاش تھی۔''

''کیوں جناب معلّم؟'' ہارون لرشید نے حیرت سے کہا۔ ''میں تو ان دنوں ہمہ وقت قصر میں ہی رہا ہوں!''

''بے شک آپ قصر ہی میں رہے ہیں لیکن از خود گم کردہ! میں نے آپ کو تلاش کرلیا مگر آپ خود کو تلاش نہیں کر رہے ہیں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا!'' ہارون الرشید کی حیرت برقرار رہی۔

''شہزادے!'' یحییٰ نے کہا۔ ''آپ کو ان ذمے داریوں کا احساس ہونا چاہیے جو مستقبل میں آپ کے شانوں پر ہوں گی۔ اگرچہ آپ ولی عہدِ دوم ہیں اور بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ مسندِ خلافت اور آپ کے درمیان ایک طویل عرصہ حائل ہے مگر جن منجموں نے آپ کا زائچہ نکالا ہے اُن کی پیش گوئی کے مطابق درمیانی عرصہ اتنا زیادہ نہیں ہوگا۔''

''یہ مجھے کئی مرتبہ اُمِ محترم بھی بتا چکی ہیں اور اَبِ محترم بھی ایک بار ذکر فرما چکے ہیں لیکن اس پر توجہ نہیں دے سکا۔ میرا خیال ہے جناب معلّم کہ درباری منجم اس قسم کی باتیں فرماں روائے وقت کی خوشنودی کے لیے کہہ دیتے ہیں۔''

''ایسا واقعی ہوتا ہے لیکن ابرہیم فزاری اور نوبخت کا شمار اس قسم کے نجومیوں میں نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اُن کے بارے میں خاصی واقفیت ہے۔ انھوں نے یہ پیش گوئی آپ کے دادا مرحوم کو خوش کرنے کے لیے ہرگز نہیں کی ہوگی۔''

''اگر آپ اجازت دیں اور اُسے ہماری گستاخی پر محمول نہ کریں تو ہم اس معاملے میں آپ سے کچھ گفت گو کریں۔''

Marfat.com

ہارون الرشید کے ایسے اندازِ گویائی سے خاندان عباسیہ کے لوگ بہت حیران ہوا کرتے تھے کیوں کہ وہ ابھی پورے گیارہ سال کا بھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی عمر سے کہیں زیادہ ذہنی پختگی حاصل کر لی تھی۔ ابتدا میں اس پر یحییٰ بھی حیران ہوا تھا لیکن پھر اُس نے بات اس طرح سمجھ لی تھی کہ ہارون الرشید کی ذہنی پختگی کو اُس نے عطیۂ خدواندی سمجھ لیا تھا۔

ہارون الرشید کی بات کے جواب میں یحییٰ نے کہا۔ ''فکری مباحثے تو میں ہر طالب علم کے لیے ناگزیر سمجھتا ہوں۔ نصاب سے اتنا حاصل نہیں ہوتا جتنا فکری مباحثوں سے ہوتا ہے۔ آپ اس معاملے میں مجھ سے ضرور گفت گو کریں۔''

''شکریہ جناب معلّم!'' ہارون الرشید نے کہا اور پھر سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اَبِ محترم کی عمر ابھی پورے پینتیس سال بھی نہیں ہوئی۔ عین ممکن ہے کہ اُن کے اقتدار کا دورانیہ دادا مرحوم کے دورِ اقتدار کی طرح اکیس سال پر محیط ہو۔ پھر اُن کے بعد ہمارے چچا عیسیٰ مسندِ خلافت کے حق دار ہیں۔''

ہارون الرشید کی بات ابھی جاری رہتی لیکن یحییٰ مسکرا کر بول پڑا۔ ''آپ کے چچا عیسیٰ بن موسیٰ کی عمر آپ کے والد سے خاصی زیادہ ہے۔ اکیس سال بعد وہ بہت ضعیف ہو چکے ہوں گے۔ میں کوئی بدفال کسی کے لیے بھی منہ سے نہیں نکالنا چاہتا اس لیے اپنی بات ضعیفی سے آگے نہیں بڑھائی ہے۔ اس وقت آپ کے چچا کے کاندھے اتنے ناتواں ہو چکے ہوں گے کہ بارِ سلطنت سنبھالنا اُن کے لیے بہت مشکل .گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ سال بھر میں ہی گھبرا کر خود ہی خلافت کے دعوے سے الگ ہو جائیں۔''

''اس صورت میں بھی بائیس سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہے۔'' ہارون الرشید نے کہا۔ ''لیکن آپ کے انداز سے مجھے محسوس ہوا ہے جیسے میں اس سے بہت کم عرصے میں بارِ خلافت سے آشنا ہو جاؤں گا۔''

یحییٰ نے کہا۔ ''یقیناً میں نو بخت اور ابراہیم فزاری کی پیش گوئی کے باعث ایسا سمجھتا ہوں۔''

ہارون الرشید نے بڑے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اَبِ محترم

Marfat.com

کچھ ہی عرصے بعد انتقال کر جائیں گے؟"

"ہرگز نہیں۔" یحییٰ جلدی سے بول پڑا۔ "یہ بدفال تو میں نے عیسیٰ بن موسیٰ کے لیے بھی اپنی زبان سے نہیں نکالی۔"

"تو پھر؟"

"آپ نے اس بحث کی بنیاد ممکنات پر رکھی ہے۔" یحییٰ نے کہا۔ "اسی لیے میں چند بادشاہوں کی مثال دوں گا۔ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہوگا کہ انھوں نے اپنی زندگی ہی میں بارِ سلطنت اپنی کسی اولاد پر ڈال دیا تھا۔"

ہارون الرشید مسکرایا۔ "اس صورت میں اس وقت میرے چچا عیسیٰ اتنے ضعیف نہیں ہوں گے۔"

یحییٰ دھیرے سے ہنس پڑا۔ "بے شک آپ درست کہہ رہے ہیں مگر بات چونکہ ممکنات پر چل رہی ہے اس لیے میں آپ کو بتاؤں گا، اور شاید آپ کو بتایا جا چکا ہو کہ آپ کے دادا کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ ہی خلافت کے حق دار تھے لیکن آپ کے دادا نے انھیں آپ کے والد محترم کے حق میں دست بردار کرالیا تھا۔"

"جناب معلّم اس بحث کی بنیاد واقعی ممکنات کو بنایا گیا ہے لیکن۔" ہارون الرشید یکا یک ہنس پڑا۔ "خیر چھوڑیے! میں ابھی یہ بحث جاری رکھ سکتا ہوں لیکن اب اکتاہٹ ہونے لگی ہے۔ میں آپ کی بات مانے لیتا ہوں کہ مجھے سلطنت کی ذمے داریاں سنبھالنے میں اتنا وقت نہیں لگے گا جتنا بہ ظاہر دکھائی دیتا ہے۔ اب آپ حکم دیجیے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"اب آپ اکتا گئے ہیں تو یہ بحث ہم بعد میں دوبارہ کسی وقت ضرور کریں گے۔ ابھی میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ خود کو یوں گم کیے ہوئے نہ رکھیے۔ حصولِ علم پر بھی توجہ دیجیے اور حالاتِ حاضرہ پر بھی نظر رکھیے۔ بارِ خلافت اُٹھاتے وقت ضروری ہوگا کہ آپ نہایت باخبر ہوں۔ یہ تو میں مانتا ہوں کہ رنج و علم کسی کی محبت کے باعث ایک فطری امر ہے۔ اس سے گریز بہت مشکل ہوتا ہے لیکن جس پر کچھ ذمے داریاں ہوں یا عائد ہونے والی ہوں، اُسے یہ مشکل اپنے لیے آسان کرنا ہی پڑتی ہے اور اس کا

Marfat.com

عمومی طریقہ یہ ہے کہ قلب و ذہن کو کچھ دیگر معاملات میں اُلجھا لیا جائے۔"

"میں خود کو کس معاملے میں اُلجھاؤں؟" ہارون الرشید مسکرایا۔

"بہت سے معاملات ہیں لیکن آج ایسا ہو کہ شہر کی تفریح کی جائے۔ اس اثنا میں حالاتِ حاضرہ پر گفت گو بھی ہوتی رہے گی۔"

"میں تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہوں۔"

یحییٰ نے فوراً شاہی اصطبل سے دو گھوڑے نکلوائے۔

ہارون الرشید کا شوق تو یہ تھا کہ آئے دن کسی نئے اور سرکش گھوڑے پر سواری کرے اور اُس نے کم عمری ہی میں نہایت سرکش گھوڑوں کو سیدھا کرنا سیکھ لیا تھا لیکن عام حالات میں اس کے لیے ایک ہی گھوڑا مختص تھا۔

یحییٰ کو کبھی کسی خاص گھوڑے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی۔

قصر کے ایک دریچے سے خیزران نے اُن دونوں کو گھوڑوں پر جاتے ہوئے دیکھا تو اُس کے چہرے پر چھائی رہنے والی تشویش یک لخت ختم ہوگئی۔

بغداد کی تعمیر اس طرح ہوئی تھی کہ اُسے مدوّر رکھتے ہوئے چار حلقے بنائے گئے تھے۔ ان حلقوں کو چار شاہراہیں تقسیم کرتی تھیں۔ انھی شاہ راہوں میں سے ایک پر گھوڑوں کو دلکی چلاتے ہوئے یحییٰ اور ہارون الرشید باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔ باتوں باتوں میں یحییٰ کی کوشش یہ بھی رہی کہ ہارون الرشید کو سلطنت کے مختلف شہروں کے حالات و واقعات سے آگاہ کرتا رہے۔ ان باتوں میں حکیم مقنّع کا ذکر بھی آیا۔

"سنا ہے اس کا نام تو عطا ہے۔" یحییٰ نے ہارون الرشید کو بتایا۔ "مقنّع اسے یوں کہا جانے لگا ہے کہ وہ اپنا چہرہ سونے کے بنے ہوئے ایک چہرہ نما نقاب میں چھپائے رکھتا ہے۔ نقاب اس کے لیے یوں ضروری ٹھہرا کہ وہ بہت بدصورت ہے۔ اُس کی ایک آنکھ بھی ضائع ہو چکی ہے۔ وہ مرو میں رہتا ہے۔ شاید اس نے کبھی حکمت کی ہو، اس لیے اُسے حکیم مقنّع کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ باتیں ابھی دو دن پہلے سننے میں آئی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ سب کچھ محض افواہ ہو لیکن اگر حقیقت نکلی تو مستقبل قریب ہی میں یہ آپ کے والد محترم کے لیے ایک مسئلہ بن جائے گا۔"

Marfat.com

''ایک بدصورت حکیم کیا مسئلہ بن سکتا ہے جناب معلّم؟''

''دراصل سننے میں یہ آرہا ہے کہ اُس نے نبوّت کا دعویٰ کر دیا ہے۔ مرو اور اُس کے آس پاس کے لوگ جوق در جوق اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتے جارہے ہیں۔ اگر یہ افواہ نہ ہوئی تو وہ اپنی طاقت بڑھانے کے بعد سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت ضرور کرے گا۔''

''جیسے استاذسیس نے کی تھی۔'' ہارون الرشید بول پڑا۔ ''میں نے سنا ہے کہ دادا مرحوم نے اُس کی سرکوبی کے لیے آپ محترم اور سالار خازم بن خزیمہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا۔''

''ہاں۔'' یحییٰ نے کہا۔ ''استاذسیس اور اُس کے پیروکاروں کو تہس نہس کر دیا گیا تھا۔'' وہ مسکرایا۔ ''اس وقت آپ بہت چھوٹے تھے۔ شاید سال بھر کے بھی نہیں ہوں گے۔''

ہارون الرشید ہنسا۔ ''مجھے بتایا جاچکا ہے کہ میں نے کس کس کا دودھ پیا ہے۔ آپ کے فرزند فضل اور جعفر میرے رضاعی بھائی ہیں۔''

''خاصی دیر ہوگئی۔'' اچانک یحییٰ نے سورج پر ایک اُچٹتی نظر ڈال کر کہا۔ ''سہ پہر گزرنے کو ہے۔ شہر کا سرا بھی قریب آگیا ہے۔ اب ہمیں واپس ہونا چاہیے۔''

''کیا قصر الذہب چلیے گا؟'' ہارون الرشید نے پوچھا۔

''نہیں۔ مجھے گھر جانا ہوگا۔ فاطمہ کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔''

''ارے! تو پھر رات کو میں انھیں دیکھنے آؤں گا۔ ان سے میرا اسلام کہہ دیجیے گا۔ بلکہ...... سبھی سے کہیے گا۔''

ہارون الرشید کا محافظ دستہ اُن کے پیچھے کافی فاصلے سے چلا آرہا تھا۔

جب یحییٰ اپنا گھوڑا موڑنے لگا تو ہارون الرشید جلدی سے بولا۔ ''جب آپ کو قصرِ الذہب نہیں چلنا ہے تو مجھے یہیں سے اجازت دیجیے!''

''خیریت!''

''اور گھومنے کو جی چاہ رہا ہے۔'' ہارون الرشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ذرا کرخ اور اُس کے نواح کا ایک چکر لگا آؤں۔''

Marfat.com

''کرخ'' بغداد کے باہر ایک بستی تھی اور اتنی چھوٹی تھی کہ عربی میں اُسے کرخ یعنی محلّہ ہی کہا جاسکتا تھا۔

''کوئی حرج نہیں۔'' یحییٰ نے کہا۔ ''میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ اپنا دل اِدھر اُدھر لگائیں۔''

یحییٰ سے اجازت لے ہارون الرشید نے اپنا گھوڑا ایکا یک سرپٹ دوڑا دیا۔ اس وقت اُسے شرارت سوجھی تھی۔ وہ اپنے محافظ سپاہیوں کی نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہتا تھا۔ اس کی ذہنی پختگی اپنی جگہ لیکن کبھی کبھی اسے شرارت سوجھ ہی جاتی تھی اور اس کے اندر کا گیارہ سالہ لڑکا باہر آجاتا تھا۔

یحییٰ کے گھوڑے کو مڑتے دیکھ کر سپاہیوں نے اپنے گھوڑے روک لیے تھے اس لیے اچانک ہارون الرشید کے گھوڑے کو سرپٹ ہوتے دیکھنے کے بعد انھیں جو وقت اپنے گھوڑوں کو مہمیز کرنے اور اُن کی رفتار بڑھانے میں لگا، اس سے ہارون الرشید نے فائدہ اُٹھالیا۔ ابتدا میں اُس کے گھوڑے کا رخ کرخ ہی کی طرف تھا لیکن سپاہیوں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اُس نے رخ تبدیل کیا اور نہایت برق رفتاری سے رصافہ کی طرف بڑھنے لگا جہاں ایک محل میں اس نے اپنی زندگی کے نو دس سال گزارے تھے۔ اُسے علم نہیں تھا کہ وہاں اب خاتون ریطہ مقیم تھی۔

خلیفہ المنصور کی علالت ہی کے زمانے سے وہ اتنا گم صم رہنے لگا تھا کہ بہت سی باتیں اُس کے کانوں میں پڑی تو تھیں لیکن دماغ میں محفوظ نہیں رہی تھیں اور خاتون ریطہ تو ''رے'' سے اس وقت آئی تھی جب خلیفہ المنصور کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان دنوں تو اُسے اپنی سدھ بدھ بالکل ہی نہیں رہی تھی۔ اب وہ اُس کا پہلا دن تھا جب یحییٰ کی باتوں نے اُسے غم واندوہ کی تاریکی سے باہر نکالا تھا۔

جب اُس کا گھوڑا رصافہ کی حدود میں داخل ہو گیا تو اُسے اِس خیال سے دل ہی دل میں ہنسی آنے لگی کہ اُس کے محافظ سپاہی اُس کی تلاش میں کرخ اور اُس کے نواح میں بوکھلائے پھر رہے ہوں گے۔ انھیں یحییٰ سے معلوم ہوا ہوگا کہ وہ کرخ کی طرف گیا ہے۔ یحییٰ سے کرخ کا نام اُس نے اسی لیے لیا تھا کہ سپاہیوں کو دھوکا دے سکے۔ اس

Marfat.com

وقت تو اُس کی یہ حرکت شرارت ہی تھی لیکن ویسے بھی اُسے کبھی کبھی گراں گزرتا تھا کہ سپاہی اُس کے پیچھے لگے رہتے تھے۔ اُسے یوں محسوس ہونے لگتا تھا جیسے وہ کوئی ناپسندیدہ ہستی ہو جس پر سلطنت عباسیہ کے کارندے کڑی نظر رکھنا چاہتے ہیں۔

محل کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہارون الرشید نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ اُس نے محسوس کیا کہ محل اب بھی ویران نہیں تھا۔ وہاں کچھ اور لوگ آ بسے تھے۔ چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ ہارون الرشید قیاس بھی نہیں کر سکا کہ وہ محل کسے دیا گیا ہوگا۔

محل کے گرد ایک چکر لگانے کے بعد وہ دوبارہ محل کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ وضع قطع سے کنیز نظر آنے والی ایک جوان العمر کنیز اُس کے گھوڑے کے سامنے آ گئی۔

ہارون الرشید نے گھوڑا روک کر کنیز کا مقصد پورا کر دیا اور اُسے گھورنے لگا۔

کنیز ادب سے بولی۔ ''گھوڑے کے سامنے آنا میری گستاخی تھی جس کے لیے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ دراصل یہ حرکت میں نے مالکہ کے حکم سے کی تھی۔ میں نے اور انھوں نے ایک بلند مقام سے آپ کو دیکھا تھا۔ جب آپ ایک چکر لگانے کے بعد دوبارہ سامنے آنے لگے تو مالکہ نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو روکوں اور اُن کا پیغام آپ تک پہنچاؤں۔''

''مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمھیں پہلے کبھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔'' ہارون الرشید کی نظریں کنیز کے چہرے پر گڑ سی گئی تھیں۔

''یقیناً شہزادہ ذی وقار نے مجھے متعدد بار دیکھا ہوگا لیکن توجہ نہیں دی ہوگی۔'' کنیز نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین خلیفہ المہدی اپنی ولی عہدی کے زمانے میں یہیں قیام فرماتے تھے۔ جب وہ آپ کے ساتھ قصرِ الذّہب گئے تو ہم چند کنیزوں کو یہیں چھوڑ گئے تھے۔''

''اب یہاں کون رہتا ہے؟'' ہارون الرشید نے پوچھا۔

''میری مالکہ۔'' کنیز نے مبہم جواب دیا۔ ''اُن کی خواہش ہے کہ آپ محل میں تشریف لائیں۔''

خود ہارون الرشید کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ اس محل کو ایک بار پھر اندر سے دیکھے

Marfat.com

جہاں اُس نے اپنی ابتدائی زندگی کا لگ بھگ ایک عشرہ گزارا تھا۔

محل میں اس کا استقبال جس عورت نے کیا، اُس کی عمر تیس سال سے کچھ زیادہ ہوسکتی تھی۔ اُس کے جسم پر نہایت قیمتی لباس اور زیورات تھے۔ چہرے پر باریک کپڑے کی نصف نقاب تھی۔

''اتنے عرصے بعد آج تمھیں دیکھ کر دل بہت خوش ہوا ہے۔'' وہ بولی۔

ہارون الرشید کو اس کا بے تکلفانہ اندازِ تخاطب گراں گزرا۔

''میں تو اتنے عرصے بعد تمھیں پہچانی بھی نہیں تھی۔'' عورت نے کہا۔ ''مجھے کنیز الماس نے تمھارے بارے میں بتایا تھا۔''

وہ کنیز اپنی مالکہ سے دو قدم پیچھے بڑے ادب سے کھڑی تھی۔

کیوں کہ دوبارہ بھی اندازِ تخاطب بے تکلفانہ تھا اس لیے ہارون الرشید نے سمجھا کہ وہ خاندانِ عباسیہ ہی کے کسی بڑے آدمی کی بیوی ہوگی۔

وہ بولا۔ ''تمھاری کنیز نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اب اس محل میں کون رہتا ہے۔''

''میں تمھاری ماں ہوں میرے بیٹے!'' عورت نے کہتے ہوئے اپنے چہرے سے نقاب ہٹادی۔ وہ خاتون ریطہ ہی تھی۔

''ماں؟'' ہارون الرشید کے ماتھے پر شکن پڑگئی۔

''ہاں۔'' وہ آگے بڑھ کر ہارون الرشید کے بالکل قریب آگئی۔ ''تمھارے والد کی پہلی بیوی۔''

ہارون الرشید کا دماغ جھنجنا سا گیا۔

''تم...... تم...... خاتون...... ریطہ!'' ہارون الرشید کے منہ سے الفاظ رک رک کر ادا ہوئے۔ اُس کے لہجے میں حقارت اور نفرت تھی۔

''ہاں۔ خاتون ریطہ۔'' وہ مسکرائی۔ ''تم بہت چھوٹے تھے جب ''رے'' میں ہمارا قیام ایک ہی محل میں تھا۔ مجھے حیرت ہورہی ہے۔ تمھیں ابھی تک نہیں بتایا گیا کہ میں یہاں آگئی ہوں۔ میں تو سمجھی تھی کہ بتادیا گیا ہوگا اور تم اسی لیے محل کا چکر لگارہے تھے کہ مجھ سے مل سکو۔''

Marfat.com

''تم سے!'' ہارون الرشید نے حقارت سے کہا۔''تم، میری اور میرے بھائی کی زندگی ختم کرنا چاہتی تھیں!''

خاتون ریطہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور مصنوعی افسردگی سے بولی۔''افسوس کہ تمھارے ذہن میں بھی یہ غلط بات بٹھادی گئی ہے۔ خیر! میں ابھی تمھیں سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں کہ اصل بات، اصل واقعہ کیا تھا۔ تمھاری کشادہ پیشانی پر ذہانت چمک رہی ہے۔ تم ضرور میری بات سمجھ لوگے۔''

ہارون الرشید تلخ لہجے میں بولا۔''گویا میرے والدین کو تم ذہانت سے عاری سمجھتی ہو؟''

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' خاتون ریطہ نے کہا۔''دراصل خاتون خیزران غلط فہمی کا شکار ہوگئی تھیں۔ تم نے یہ ضرور سنا ہوگا کہ بعض اوقات آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں، وہ سچ نہیں ہوتا۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ ہم بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ میں تمھیں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمھارے توسّط سے خاتون خیزران کی غلط فہمی دور کرنے میں کام یاب ہوجاؤں۔''

''بہتر تو یہ ہوگا کہ میں تمھاری باتوں سے اپنی سماعت کو بوجھل نہ کروں۔ مجھے یہاں سے فوراً چلے جانا چاہیے۔ اگر میں واقف ہوتا کہ یہاں اب تم مقیم ہو تو میں اِدھر کا رخ ہرگز نہیں کرتا۔''

وہ جانے کے لیے تیزی سے مڑا۔

''ہارون! ہارون!'' خاتون ریطہ نے لپک کر اُسے روکنا چاہا مگر کام یاب نہیں ہوسکی اور پھر جہاں تھی، وہیں کھڑی رہ گئی۔ وہ دانت پیسنے لگی تھی۔''کم بخت!'' اُس کے منہ سے نکلا۔

چند ہی لمحے بعد گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دیں جو تیزی سے دور ہوتی جارہی تھیں۔ خاتون ریطہ دانت پر دانت جمائے ہوئے بڑبڑائی۔''غلطی کی میں نے جو اُسے روکا۔ یہ انتہائی سرکش گھوڑے کے مانند ہے جسے قابو میں کرنا مشکل ہوگا۔''

''آپ کے لیے کچھ بھی ناممکن بہرحال نہیں ہے۔ ہاں اس میں کچھ دیر ضرور

Marfat.com

لگ سکتی ہے۔'' الماس بولی۔ ''میں آپ کی بے پناہ ذہانت کی قائل ہوں۔'' اس کے لہجے سے ظاہر ہوگیا کہ وہ حد درجہ کاسہ لیس تھی۔ اسی طرح اُس نے خاتون ریطہ کا زیادہ قرب حاصل کیا ہوگا۔

خاتون ریطہ سوچ میں ڈوبی ہوئی بولی۔ ''دیر ہی تو نہیں ہونا چاہیے! میں جلد از جلد کچھ کرنا چاہتی ہوں۔''

''تو پھر آپ کو بڑے شہزادے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' الماس نے کہا۔ ''شہزادہ موسیٰ کو قابو میں کرنا مشکل نہیں ہوگا۔''

اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ خود بھی شہزادہ موسیٰ کو اپنے قابو میں لے آئی تھی جب وہ اسی محل میں رہتا تھا۔ اس نے موسیٰ کو شراب اور اپنے شباب سے آشنا کیا تھا۔ کم عمری کے باعث موسیٰ کو آسودگی کبھی نہیں ملی تھی۔ اس کا جسم بس جھنجھناتا رہ جاتا تھا لیکن وہ جھنجھناہٹ بھی اُسے ایک کیف سے آشنا کر چکی تھی۔ الماس کو گمان تھا کہ وہ کم عمر شہزادے کے احاطۂ زیست میں اپنا مقام مضبوط کر لے گی۔ وہ عمر میں شہزادے سے کئی سال بڑی ضرور تھی لیکن اُسے اپنے حصولِ مقصد کا یقین اس لیے تھا کہ شہزادے کے مزاج میں سرکشی اور ضد کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ اس کا اسیر ہونے کے بعد اپنے والدین کی ایک نہ مانتا۔ الماس کو شہزادہ موسیٰ کی بلوغت کا انتظار تھا کہ وہ ایک ہی بار آسودگی کی منزل سے گزر جائے۔ اس کے بعد الماس اُسے اپنی اسیری سے نکلنے نہیں دیتی لیکن وہ وقت آنے سے پہلے ہی وہ لوگ اس محل سے چلے گئے تھے۔ کنیزیں عموماً یہ خواب دیکھا کرتی تھیں کہ وہ کسی شہزادے کی خاص منظورِ نظر بن جائیں۔ اسی لیے چند اور کنیزوں نے بھی شہزادہ موسیٰ کو اپنے شباب سے آشنا کیا تھا لیکن زیادہ رغبت موسیٰ کو الماس سے تھی کیوں کہ اُس کے اعضائے نسواں کی سختی میں گداز بھی تھا اور ''تندی و تیزی'' بھی! وہ بات دوسری کنیزوں میں نہیں تھی۔

الماس کا گمان اُس کی دانست میں یقینی اس لیے تھا کہ خیزران کی مثال اُس کے سننے میں آچکی تھی۔ کنیز خیزران نے بھی اپنے حُسن و شباب ہی سے اس وقت کے ولی عہدِ سلطنت کو اپنا اسیر کیا تھا۔

Marfat.com

الماس اگرچہ حُسن وشباب میں خیزران سے بہت پیچھے تھی لیکن آئینہ ہر لڑکی سے جھوٹ بولتا ہے اور بہت سی لڑکیاں اس جھوٹ پر یقین کر لیتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی الماس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ وہ خود کو حُسن و جمال کا ایک قیامت خیز پیکر سمجھنے لگی تھی۔

شہزادہ ہارون الرشید کے رخصت ہو جانے کے کچھ دیر بعد اُس نے غور وفکر میں غلطاں خاتون ریطہ سے کہا۔ ”شاید آپ نے میری بات پر توجہ نہیں فرمائی۔ بڑے شہزادے کو قابو میں کرنا آپ کے لیے بہت آسان ہوگا۔“

”اگر وہ میرے پاس آجائے تو میں اس چھوٹے سرکش شہزادے کو دودھ کی مکھی کے مترادف کر سکتی ہوں۔ اگر اُس نے میری بتائی ہوئی تدابیر پر بہ حُسن وبخوبی عمل کیا تو اُسے اپنے ضدی مزاج سے بھی مدد مل جائے گی۔ ولی عہدِ دوم کی حیثیت سے اس سرکش شہزادے کی برطرفی اور اُس کی جگہ موسیٰ کی نامزدگی سے بھی خیزران تڑپ جائے گی۔ یہ مجھے تم ہی بتا چکی ہو کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو زیادہ چاہتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ میرے ہاتھ لگے گا کیسے؟ یہ سرکش شہزادہ تو اتفاق سے ہی اِدھر نکل آیا تھا۔“

الماس عیاری سے مسکرائی۔ ”اگر آپ حکم دیں تو میں شہزادہ موسیٰ کو یہاں بلا سکتی ہوں۔“

”کیسے؟“ خاتون ریطہ نے کچھ حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ ”تم اُسے کیسے بلا سکتی ہو؟“

”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے!“ الماس نے کہا۔

تیز بین ریطہ غور سے اُس کی طرف دیکھتی ہوئی کچھ سوچنے لگی۔ الماس نے نظریں چرالیں۔ ریطہ کے ہونٹوں میں مسکراہٹ کا معنی خیز کھنچاؤ آ گیا۔ اُس نے الماس سے کہا کہ وہ موسیٰ کو جلد از جلد بلانے کی کوشش کرے۔

☆☆☆

ہارون الرشید قصر الذہب پہنچا ہی تھا کہ اُسے ایک متوقع اطلاع ملی۔ اُسے ایک کنیز نے بتایا۔ ”آپ کے لیے خاتونِ قصر کا پیغام ہے کہ آپ جیسے ہی آئیں، فوراً اُن کی خدمت میں حاضر ہوں۔ وہ اپنی استراحت گاہ میں ہیں۔“

ہارون الرشید خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ محل کے اس حصے کی طرف بڑھا

Marfat.com

جہاں اُسے ماں کے سامنے جواب دہی کرنا تھی۔ اُسے یقین تھا کہ محافظ دستے کی شکایت اُس کی ماں تک پہنچ چکی ہوگی۔

''آپ نے مجھے یاد فرمایا اُمّ محترم؟''

''ہاں۔'' خیزران نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''آج تم اپنے محافظ دستے کو دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔''

''دھوکا دے کر تو نہیں نکلا تھا!'' ہارون الرشید نے معصومیت سے کہا۔ ''بعد میں انھیں غائب پا کر مجھے خود پریشانی ہوئی تھی۔''

''تم محترم یحییٰ سے کرخ کی بات کر کے گئے تھے لیکن سپاہی تمھیں وہاں تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ تم اچانک اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا کر اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔''

''مجھے گمان تھا کہ وہ بہت چاق و چوبند ہوں گے اُمّ محترم!'' ہارون الرشید نے اپنا معصومانہ اندازِ گویائی برقرار رکھا۔ ''میں آپ سے گزارش کروں گا کہ میرے محافظ دستے کے لیے ہوشیار و چاق و چوبند سپاہی منتخب کیے جائیں۔''

''ہارون الرشید! میرے عزیز بیٹے!'' خیزران مسکرا اُٹھی۔ ''تم اپنے اس معصومانہ انداز سے کم از کم اپنی ماں کا ذہن نہیں بھٹکا سکتے۔ میں تمھاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم نے جو کچھ کیا تھا، جان بوجھ کر کیا تھا، تاہم مجھے خوشی ہے کہ بہت عرصے بعد آج وہ شرارتی بچہ باہر نکلا جو زیادہ تر تمھارے اندر کہیں چھپا، دبکا رہتا ہے۔''

''اُمّ محترم!'' ہارون الرشید نے محبت سے اپنی باہیں ماں کے گلے میں ڈالیں۔ ''دراصل کبھی کبھی مجھے جھنجلاہٹ ہوتی ہے کہ وہ سایوں کی طرح میرے تعاقب میں لگے رہتے ہیں۔ کبھی جی چاہتا ہے کہ میں تنہا رہوں اور میری خود اعتمادی میں اضافہ ہو۔ اب میں بچہ تو نہیں رہا کہ میری مسلسل دیکھ بھال کی جائے۔''

''ہاں۔ خیزران ہنس پڑی۔ ''اب تم بچے کہاں رہے ہو! گیارہ سال کے کڑیل جوان بن چکے ہو!''

''اُم!'' ہارون الرشید نے گنگنانے کے انداز میں کہا اور ماں سے لپٹا رہا۔

Marfat.com

''اچھا یہ تو بتاؤ کہ..... خیر، رصافہ جانے میں کوئی حرج نہیں لیکن تم وہاں ریطہ سے کیوں ملے تھے؟''

ہارون چونک پڑا۔ اس کے خیال کے مطابق خیزران کو اُس کے رصافہ جانے اور ریطہ سے ملنے کا علم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس کی شرارتی کیفیت یک لخت ختم ہوگئی اور وہ ایک باادب بیٹے کے روپ میں آ گیا۔ اُس نے یہ سوال کرنا بھی سوئے ادب جانا کہ خیزران کو اس کا علم کیسے ہوا تھا۔

''اُم!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ ''رے'' سے یہاں آ چکی ہے ورنہ میرے دل میں اُس کے لیے نفرت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔''

پھر اُس نے خیزران کے استفسار کے بغیر ہی یہ بھی بتا دیا کہ محل میں اس کا جانا کیسے ہوا تھا اور ریطہ سے اُس کی کیا باتیں ہوئیں تھیں۔

''مرحبا!'' سب کچھ سن کر خیزران نے کہا۔ ''تمھیں اس سے اسی طرح پیش آنا چاہیے تھا۔''

''وہ یہاں کیسے آ گئی اُم؟''

''ابھی ان باتوں میں نہ اُلجھو۔ وقت آنے پر خود ہی سب کچھ جان لو گے۔''

سعادت مند ہارون الرشید نے پھر کوئی استفسار نہیں کیا اور کچھ توقف سے بولا۔

''فاطمہ خالہ کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ جناب معلّم نے بتایا تھا۔ کیا میں تھوڑی دیر بعد انھیں دیکھنے چلا جاؤں؟''

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں!'' تمھیں جانا ہی چاہیے۔ میں تو آج دوپہر کو ہی اُسے دیکھ آئی ہوں۔ کچھ ایسی تشویش کی بات نہیں۔ معمولی بخار ہے شاید کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔ پھر بھی تمھیں جانا تو چاہیے۔''

ہارون الرشید کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی چند باتیں کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد خیزران سوچتی رہی کہ اس کے دونوں بیٹوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ موسیٰ کے مزاج میں کھردراہٹ تھی۔ اب وہ کسی حد تک گستاخ بھی ہو چلا تھا۔ اس کے رنگ ڈھنگ بھی کچھ بگڑ گئے تھے۔ اس معاملے میں

Marfat.com

رصافہ کے محل کی کچھ کنیزوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ اس محل میں اُن کے آخری دوتین دن تھے جب اسے موسیٰ اور کنیز الماس کے تعلق کا علم ہوا تھا۔ کچھ اور کنیزیں بھی خیزران کی نظر میں مشکوک تھیں۔ الماس کو مہدی کوئی بہت سخت سزا دینا چاہتا تھا لیکن وہ خیزران کی مصلحت کی وجہ سے بچ گئی تھی۔

''اس معاملے میں بالکل خاموشی اختیار کر جائیے!'' خیزران نے مہدی سے کہا تھا۔ ''ورنہ نام تو موسیٰ کا بھی آجائے گا۔ خاندان میں بدنامی ہوگی۔ دو ایک دن میں ہمیں اس محل سے چلا ہی جانا ہے۔ الماس کو اور ان کنیزوں کو یہیں چھوڑ جائیں گے جو مشکوک ہیں۔ اگر کوئی کاروائی کی گئی تو بعد میں موسیٰ ہمارے سامنے نظریں جھکانا بھول جائے گا۔ سرکش اور ضدی تو ہو ہی چکا ہے۔ پھر اُس کے دل سے یہ خوف بھی نکل جائے گا کہ اُس کی حرکتیں ہمارے علم میں نہ آجائیں! وہ اور زیادہ سرکش، اور ضدی ہو جائے گا۔ اس کے رنگ ڈھنگ ٹھیک کرنے کی کوشش ہمیں کسی اور انداز سے کرنا ہوگی۔''

بات مہدی کی سمجھ میں آگئی تھی۔

تین دن بعد جب انھوں نے محل چھوڑا تھا تو وہاں کے مستقل عملے کے ساتھ نہ صرف مشکوک کنیزوں کو وہیں چھوڑ دیا تھا بلکہ اپنے اعتماد کے دو غلام اور تین کنیزیں بھی وہیں رہنے دیں تھیں۔

ریطہ کی مخبری کرنے کے لیے ان پانچوں کو وہاں یحییٰ کے مشورے پر چھوڑا گیا تھا اور اس وقت خالد برمکی کی یہ بات اس کی سمجھ میں آئی تھی کہ ریطہ کو خلیفہ المنصور سے معافی دلوانے میں کیا مقصد پنہاں تھا۔ وہ ''رے'' میں بیٹھے بیٹھے کوئی سازش کرتی تو خیزران اور مہدی اُس سے شاید بے خبر رہ جاتے لیکن اب وہ ان کے اتنی قریب تھی کہ اس کی حرکات وسکنات سے پوری طرح باخبر رہا جاسکتا تھا۔ یہ بات انھیں یحییٰ برمکی نے سمجھائی تھی کہ وہ اس محل میں اپنے کچھ مخبر چھوڑ دیں۔

مخبر کنیزیں، دونوں غلاموں میں سے کسی نہ کسی کے ذریعے اُسے محل کے تمام حالات سے باخبر رکھتی تھیں۔ ابھی ہارون کی آمد سے ذرا ہی پہلے ایک غلام نے آکر خیزران کو محل میں ہارون الرشید کی آمد اور ریطہ سے اُس کی گفت گو کے بارے میں بتایا تھا۔

Marfat.com

پھر اسی دن کچھ دیر بعد دوسرے غلام نے آکر خیزران کو موسیٰ کے بارے میں ریطہ کے عزائم اور الماس کے ارادوں سے بھی باخبر کر دیا تھا۔

خیزران جانتی تھی کہ رصافہ کا محل چھوڑنے کے بعد موسیٰ کا وہاں کی کسی کنیز سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا لیکن اب ریطہ کو خوش کرنے کے لیے الماس کسی طرح موسیٰ سے رابطہ کرتی۔ اس کا پیغام ملنے پر موسیٰ کو اکساہٹ ہو سکتی تھی اور وہ الماس سے ملنے کے لیے رصافہ کے محل کا رخ کر سکتا تھا۔

خیزران ے اس معاملے میں فوری طور پر کچھ اقدامات کیے۔ فی الحال وہ مہدی کو اس میں نہیں اُلجھانا چاہتی تھی۔ اسے علم تھا کہ مہدی ان دنوں سلطنت کے کچھ اہم معاملات پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔ اس کی توجہ اس طرف سے نہیں ہٹنا چاہیے تھی۔

خیزران کو اس پر غصہ بہت آیا تھا کہ ریطہ اب الماس کے ذریعے موسیٰ پر ہاتھ ڈالنا چاہتی تھی۔ اس کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ وہ موسیٰ کو اس کے والدین اور اُس کے بھائی کے خلاف زیادہ سے زیادہ ورغلانے کی کوشش کرتی۔

غصے میں خیزران کو پل بھر کے لیے خیال آیا تھا کہ وہ ریطہ کے خلاف راست اقدام کرے لیکن پھر وہ اپنا غصہ پی گئی تھی اور اُس نے سوچا تھا کہ اس معاملے کو بھی ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سنبھالنا بہتر ہوگا۔ ہاں اگر وہ راست اقدام کا فیصلہ کر ہی لیتی تو یہ اس کے لیے کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ خاتونِ قصر کا لقب پانے کے بعد اُس نے خاصے اختیارات بھی حاصل کر لیے تھے۔ خدام اعلیٰ بھی اب اس کے کسی حکم کی تعمیل سے پہلے مہدی کی اجازت لینا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

حالات پر نظر رکھنے والے بعض منصب داران کا خیال تھا کہ شادی کے بارہ تیرہ سال بعد بھی خیزران خلیفہ المہدی کی بہت بڑی کمزوری بنی ہوئی تھی، اوران کا یہ خیال غلط بھی نہیں تھا۔ بعض اوقات خیزران اُمورِ سلطنت میں بھی دخیل ہو جاتی تھی اور مہدی کے لیے ممکن نہیں ہوتا تھا کہ وہ اُسے باز رکھ سکے۔ گزرے ہوئے سالوں میں خیزران اس پر شدّت سے چھا گئی تھی۔

مہدی ان دنوں کچھ اہم معاملات میں اُلجھا ہوا نہ رہتا تو خیزران اس سے کسی نہ

Marfat.com

کسی طرح یہ کام کروا چکی ہوتی کہ وہ کوئی بھی طریقہ اختیار کر کے عیسیٰ کو ولی عہد اوّل کے منصب سے دست بردار کروا کے اس کی جگہ ہارون الرشید کو نام زد کر دے اور ولی عہد دوم کی حیثیت سے موسیٰ کو ''الہادی'' کا لقب دے دیا جائے۔

موسیٰ سے دل برداشتہ ہونے کے باوجود خیزران چاہتی تھی کہ ولی عہدی کے مناصب اس کے دونوں بیٹوں ہی کے حصے میں آئیں۔

مہدی کی اُمورِ سلطنت میں مصروفیت کے باعث یہ معاملہ مزید چار دن اور ٹل گیا۔

پھر پانچویں دن جو کچھ ہوا، اس سے خیزران نے اندازہ لگایا کہ الماس نے موسیٰ کو اپنا پیغام کچھ اس انداز سے اور ایسے خفیہ طریقے سے پہنچایا تھا کہ خیزران کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔ اس کا اندازہ اُسے موسیٰ کی باتوں سے ہوا۔ وہ مشتعل اور پُر غضب حالت میں صبح ہی صبح خیزران کے پاس آیا۔ آتے ہی اُس نے نہایت بھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب سلطنت کے کار پرداز اتنے گستاخ ہوگئے ہیں کہ مجھے کہیں آنے جانے سے روکنے لگیں؟''

''ہوا کیا ہے موسیٰ؟'' خیزران نے تحمل سے پوچھا۔

''میں کل رات رصافہ کا محل دیکھنے گیا تھا۔ وہاں مجھے روک لیا گیا۔ میں نے غصے میں تلوار نکال لی تو محکمۂ شرطہ کے ایک منصب دار کے اشارے پر درجن بھر سپاہی میرا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ میں اُن کی گردنیں اُڑائے بغیر محل میں داخل نہیں ہوسکتا۔ جی تو چاہا تھا کہ سچ مچ اُن کی گردنیں اُن کے شانوں سے الگ کردوں لیکن میں غصہ پی کر وہاں سے اس لیے لوٹ آیا کہ پہلے آپ کو ان کار پردازوں کی گستاخی سے آگاہ کردوں۔ میں فوراً ہی آپ کے پاس آتا لیکن رات زیادہ ہوچکی تھی۔''

''اتنی رات کو تم وہاں کیوں گئے تھے؟ کیا تمھیں علم نہیں کہ وہاں اب ریطہ رہتی ہے؟ وہ عورت جسے لوگ تمھاری سوتیلی ماں کہتے ہیں لیکن اس نے تم دونوں بھائیوں کو زہر دینا چاہا تھا۔ یہ میں تم دونوں ہی کو بتا چکی ہوں۔ کیا تم بھول گئے؟'' خیزران نے یہ سب کچھ بہت نرمی سے کہا۔

Marfat.com

''مجھے ریطہ سے کیا لینا؟ میں تو......'' موسیٰ کچھ کہتے کہتے رکا، پھر غالباً سوچ سمجھ کر بولا۔ ''میرا جی چاہا تھا کہ محل کو اندر سے دیکھوں جہاں میرا بچپن گزرا ہے، لیکن۔'' وہ پُرغضب ہوا۔ ''مجھ سے یہ سب کچھ معلوم کرنے سے پہلے آپ کو چاہیے کہ اُن کارپردازوں کو طلب کرکے ان سے باز پرس کریں۔''

''میں ایسا نہیں کرسکتی میرے بیٹے!'' خیزران نے سمجھانے والے لب ولہجہ میں کہا۔ ''اُن لوگوں کو وہاں تمھارے والد محترم نے مامور کیا ہے۔ عباسی خاندان کے لوگوں پر تو یہ پابندی نہیں لگائی گئی لیکن قصر الذہب میں رہنے والا کوئی فرد ریطہ سے ملنے وہاں نہیں جاسکتا۔ اسی لیے محکمۂ شرطہ کے ایک منصب دار اور ایک درجن سپاہی وہاں مامور کیے گئے ہیں۔''

''میں ریطہ سے ملنے نہیں گیا تھا۔'' موسیٰ نے اپنی بات دہرائی۔

''لیکن اتنی رات کو محل دیکھنے کا خیال تمھیں کیوں آیا بیٹے؟''

''خیال ہی تو ہے، کسی وقت بھی آسکتا ہے۔''

''ہاں یہ تم نے بالکل ٹھیک کہا۔'' خیزران ہنس کر بولی۔ ''کوئی خیال کسی وقت بھی دماغ میں آسکتا ہے۔'' وہ اب بھی موسیٰ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ان لوگوں کو اس نے خود وہاں مامور کیا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''تو ایسا کرتے ہیں کہ......'' رک کر اُس نے پوچھا۔ ''تم بس محل ہی دیکھنا چاہتے ہو نا؟''

''بتا تو چکا ہوں۔'' موسیٰ کا لہجہ نہایت گستاخانہ تھا۔

خیزران نے ضبط سے کام لیا اور بولی۔ ''ایسا کرتے ہیں کہ آج کسی وقت میں تمھارے والد سے اجازت لے لوں گی اور تمھیں محل دکھانے لے چلوں گی۔ وہاں سے میری بھی کچھ یادیں وابستہ ہیں۔ اسی بہانے میں بھی وہ در و دیوار دیکھ لوں گی۔''

''میں اکیلا جاکر دیکھنا چاہتا ہوں۔'' موسیٰ نے سرکشی سے کہا۔

''یہ تو ممکن نہیں ہے۔'' خیزران کچھ سنجیدہ ہوئی۔ ''تمھیں تو وہ اجازت نہیں دیں گے۔ تم جانتے ہوگے کہ سلطنتِ عباسیہ میں صرف میں ہوں جو ان سے کسی بات کی بھی اجازت لے سکتی ہوں۔'' خیزران نے لہجہ نرم کیا۔ ''میں تمھیں لے چلوں گی بیٹا!''

Marfat.com

''مجھے نہیں جانا کسی کے ساتھ۔'' موسیٰ نے برہمی سے کہا اور جھنجھلائے ہوئے انداز میں کمرے سے چلا گیا۔

بیٹے کے اس درشت انداز نے خیزران کو اتنا رقت زدہ کیا کہ وہ آنسوؤں کو اپنی آنکھوں میں آنے سے نہیں روک سکی۔

موسیٰ کی یہ بڑھتی ہوئی گستاخی مہدی کے علم میں لائی جانا چاہیے تھی لیکن خیزران نے اب بھی اور اس لیے بھی خاموشی اختیار کی کہ مہدی کے سامنے ایک بے حد خطرناک مسئلہ کھڑا ہوا تھا۔

حکیم مقنع کے بارے میں جن باتوں کو افواہ سمجھا جا رہا تھا، وہ افواہ نہیں تھیں۔ تصدیق کی جا چکی تھی کہ وہ خبریں صحیح تھیں۔

حکیم مقنع خدائی کا مدعی بن بیٹھا تھا اور اپنا یہ ''فکر و فلسفہ'' لوگوں تک پہنچا رہا تھا کہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے پہلی مرتبہ اسی کے جسم میں خود کو حلول کیا تھا۔ دوسری بار وہ حضرت نوح کے جسم میں آیا۔ اس کے بعد یہ اعزاز ابو مسلم خراسانی کے جسم کو حاصل ہوا۔

حکیم مقنع نے عقیدۂ تناسخ کی بات کی تھی اور دعویٰ کیا تھا کہ خدا بہت سے جسموں میں حلول کرتا ہوا اب اس کے جسم میں آیا ہے۔ اس نے یہ شعبدہ بازی بھی کی تھی کہ لوگوں کو ایک کنویں سے چاند طلوع ہوتا ہوا دکھایا تھا اور سادہ لوح افراد کی اکثریت اس کے دام تزویر میں پھنس کر اس پر ایمان لے آئی تھی۔ اس کے پیروکاروں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا اور اب قوی امکان نظر آ رہا تھا کہ وہ دولتِ عباسیہ کے خلاف پرچم بغاوت بلند کرتا۔

یہ ساری باتیں ریطہ کے کانوں میں بھی پڑی تھیں اور اُس نے ایک نئے منصوبے پر غور کرنا شروع کر دیا تھا۔ اپنی یہ ناکامی وہ گزشتہ رات اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی کہ موسیٰ کو اس کے محل میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔ اس مشاہدے سے ریطہ صرف اتنا سوچ سکی تھی کہ ہارون الرشید نے اُس سے اپنی ملاقات کا احوال خیزران کو بتا دیا ہوگا اور خیزران ہی نے مہدی سے کہہ کر وہاں سپاہی مامور کرائے ہوں گے تا کہ قصر الذہب کا کوئی فرد اس کے محل میں داخل نہ ہو سکے۔

Marfat.com

لیکن الماس کی سوچ اس سے مختلف تھی۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھی تھی کہ خلیفۂ وقت کو اس کے اور موسیٰ کے تعلقات کا علم ہو گیا تھا۔

ریطہ اس کے خیالات اور اس کے خوف سے بے پروا رہی۔ اس کی سوچ کا دھارا حکیم مقنّع ہی کی طرف بہتا رہا۔ اسے معلوم ہوا تھا کہ حکیم مقنّع کا مستقر "بسام" اور "سنجرہ" نامی بستیاں تھیں۔ اس کے پیروکاروں نے انھی بستیوں کو اپنا قبلہ بنا لیا تھا اور انھی کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنے لگے تھے۔

ریطہ ذہین تو بہرحال تھی۔ اگر اُس کی ذہانت، شیطنت کی طرف نہ نکل جاتی تو وہ اپنے لیے کوئی اہم مقام بنا لیتی۔ اب بھی اس کے دماغ میں اس کی شیطانی ذہانت جو منصوبہ ترتیب دے رہی تھی اس میں اس کا یہ خیال بھی شامل تھا کہ حکیم مقنّع جنسی کج روی کا شکار ضرور ہو گا۔

ریطہ شادی سے پہلے تعلیم حاصل کرتی رہی تھی اس لیے اس کے علم میں تھا کہ دنیا میں جو لوگ احساسِ کم تری کا شکار رہے ہیں، ان میں سے بعض نے تو بڑے ہی بھیانک روپ اختیار کیے ہیں۔

ریطہ کے یقین کے مطابق حکیم مقنّع احساس کم تری کا شکار رہا تھا جس کی وجوہ سامنے ہی تھیں۔ ایک آنکھ سے محروم اور مکروہ نقش و نگار کے مالک کو لوگوں کی توجہ حاصل نہیں ہو سکتی تھی اور حکیم مقنّع یقیناً ایک ایسا ہی شخص معلوم ہوتا تھا جو لوگوں کی توجہ کا بھوکا رہا ہو گا۔ صنفِ مخالف تو ایسے لوگوں سے بہت دور بھاگتی ہے جس کی وجہ سے وہ جنسی کج روی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔

حکیم مقنّع نے اپنا بھیانک چہرہ پوشیدہ رکھنے ہی کے لیے سونے کا بنا ہوا چہرہ نما نقاب اپنے اور اپنے پیروکاروں کے بیچ میں حائل کر لیا تھا اور وہ نقاب اس وقت بھی اُس کے چہرے پر تھا جب کچھ دن بعد ریطہ بھی سنجرہ میں اُس کے ساتھ تھی۔ اس وقت جو دوسرے لوگ موجود تھے، اُن کی تعداد بارہ تھی۔ حکیم مقنّع کے کہنے کے مطابق وہ اُس کے پیروکاروں میں سے "چنیدہ افراد" تھے۔

"مسلمانو!" حکیم مقنّع نے انھیں مخاطب کیا۔ "تمھیں علم ہے کہ ہم جلد ہی

Marfat.com

سلطنتِ عباسیہ پر قابض کافروں کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"مولا کا اقبال بلند ہوگا۔" ایک شخص بول پڑا۔

اس وقت ریطہ کے علم میں آیا کہ حکیم مقنع کے پیروکار اُسے "مولا" کہتے تھے۔

حکیم مقنّع نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اگر ہم چاہتے تو اُن کے دلوں میں اپنا خوف ڈال دیتے اور وہ سب گڑ گڑاتے ہوئے ہمارے قدموں میں آ گرتے لیکن ہم اُن سب کی لاشیں اس لیے گرانا چاہتے ہیں تا کہ وہ دوسری قوموں کے لیے نشانِ عبرت بن جائیں۔"

"بے شک مولا!" سب نے بہ یک وقت کہا۔

"لیکن ہم نے سوچا کہ پہلے تمھیں اپنا ایک اور معجزہ دکھا دیں۔" حکیم مقنّع نے کہا۔

"ہم نے عباسی خلیفہ کی ایک بیوی کے دل میں اپنی محبت ڈال دی اور وہ بے اختیار ہماری طرف کھنچی چلی آئی۔ کیا تم لوگ اُسے پہچانتے ہو؟" اُس نے ریطہ کی طرف اشارہ کیا۔

حاضرین میں سے چند معمر افراد نے اعتراف کیا کہ وہ ریطہ کے چہرہ شناس تھے۔ انھیں یہ بھی علم تھا کہ ریطہ خلیفہ السفاح کی بیٹی اور خلیفہ المہدی کی پہلی بیوی تھی۔

"بس!" حکیم مقنّع نے کہا۔ "ہم نے تمھیں اسی لیے طلب کیا تھا۔ اب تم لوگ جاؤ۔ جا کر سب کو اس بارے میں بتاؤ تا کہ ہم پر اُن کے ایمان کی پختگی میں اضافہ ہو۔"

وہ سب افراد فوراً کھڑے ہوئے۔ پہلے وہ رکوع میں گئے، پھر انھوں نے حکیم مقنّع کو سجدہ کیا اور اُٹھ کر ادب سے اُلٹے قدموں چلتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔

اب حکیم مقنّع ریطہ کی طرف متوجہ ہوا۔ "پہلے یہ کام ضروری تھا۔ اب تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو، کہو۔"

"مولا!" ریطہ نے کہا۔ "یہ مجھے آپ ہی بتا چکے ہیں کہ ابھی جنگ کے لیے آپ کے پیروکاروں کی تیاری میں تھوڑا سا وقت اور لگے گا لیکن خلیفہ مہدی آپ کے پیروکاروں کے قتلِ عام کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کے اقدام میں کچھ تاخیر اس لیے ہو رہی ہے کہ وہ کچھ دوسرے عسکری معاملات میں اُلجھا ہوا ہے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اگر اس کی ایک بیٹی کو اغوا کر لیا جائے تو اس پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے کہ وہ اگر حملہ آور ہوا تو اُس کی بیٹی کو قتل کر کے اُس کی لاش کے ٹکڑے اُسے بھیج دیے جائیں گے۔ اس لڑکی

Marfat.com

کا نام بانوقہ ہے اور ایک خاص موقع پر اُسے اغوا کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوسکتی۔ میں آپ کو دکھانے کے لیے اُس کی تصویر بھی ساتھ لائی ہوں جو اُس کی ماں نے ایک مصور سے بنوائی تھی۔ جب وہ لوگ رصافہ کے محل سے قصر الذہب رخصت ہوئے تھے تو بانوقہ کی ماں وہاں سے اپنی بیٹی کی یہ تصویر لے جانا بھول گئی تھی۔''

ریطہ نے حکیم مقنّع کو بانوقہ کی تصویر دکھائی۔ اب بانوقہ کی عمر نو سال تھی لیکن وہ تصویر اس وقت بنائی گئی تھی جب وہ آٹھ سال کی تھی لیکن اپنی تیزی سے ہونے والی جسمانی نشوونما کے باعث وہ آٹھ سال کی عمر میں بارہ سال کی نظر آتی تھی۔ تصویر میں اُسے ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا تھا لیکن تصویر اتنی بڑی تھی کہ بانوقہ کے نقش ونگار ہی نہیں بلکہ جسمانی خطوط بھی تصویر میں پوری طرح نمایاں تھے۔ کم عمری کے باجود اُس کا جسم گدرایا ہوا تھا۔ اگرچہ اُس کے شباب نے ابھی اپنی سرکشی پوری طرح نمایاں نہیں کی تھی لیکن اُس کے آثار مصور نے کچھ اس ڈھنگ سے نمایاں کیے تھے کہ وہ دیکھ کر فاسد دلوں میں ہلچل پیدا ہوسکتی تھی۔

ریطہ کے خیال کے مطابق حکیم مقنّع ایک ایسا ہی دل رکھتا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر زیرِلب مسکرادی کہ حکیم مقنّع کی نظریں تصویر پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

وہ کچھ دیر بعد بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آسانی سے اُس کا اغوا کیونکر ممکن ہے میری نیک بندی!''

ریطہ نے اُس کی آواز میں جذباتی لہروں کا تموّج محسوس کرلیا اور بہت خوش ہوئی۔ اُسے یقین ہوگیا کہ حکیم مقنّع بانوقہ کو ضرور اغوا کروائے گا کیوں کہ جنسی کج روی کا شکار ہونے والے کم سِن لڑکیوں کے بہت خواہش مند ہوتے ہیں۔

ریطہ نے اُسے بتایا کہ بانوقہ کا اغوا آسانی سے کیونکر ممکن ہوگا۔

بغداد میں ''قطربل'' کے نام کا ایک میدان تھا جس کی شہرت اس لیے زیادہ ہوئی تھی کہ خلیفہ المنصور نے اس میدان میں سالانہ عسکری مشقوں کا آغاز کیا تھا۔ ایک عسکری مشق تو یقیناً ہوئی تھی لیکن دوسری کے بارے میں ریطہ کو علم نہیں تھا کہ وہ ہوئی تھی یا نہیں کیوں کہ دوسرے سال خلیفہ المنصور علالت کے بعد دنیا سے رخصت ہوگیا تھا۔

Marfat.com

''اب اس میدان میں اُمرا کی نوجوان اولادیں چابک سواری سیکھتی ہیں۔''

ریطہ نے حکیم مقنّع کو بتایا۔ ''مہینے میں چار دن ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ میدان صرف خاندانِ عباسیہ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے ہوتا ہے۔ ان میں بانوقہ بھی ہوتی ہے۔ اُس نے سات سال کی عمر سے چابک سواری کی مشق شروع کی تھی۔ دراصل یہ شوق خود خلیفہ مہدی کو بھی ہے کہ اُس کی اولادیں چابک سواری سیکھیں۔ تصویر میں آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ بانوقہ گھوڑے پر سوار ہے۔ وہ اب نو سال کی ہوئی ہے۔ ابھی وہ چابک سواری میں ماہر تو نہیں ہوسکی ہے، تاہم خاصی حد تک سیکھ چکی ہے۔ صرف ولی عہد شہزادہ ہارون الرشید بہت ماہر ہوگیا ہے لیکن مشق جاری رکھنے کے لیے قطربل وہ بھی آتا ہے۔ خاندانِ عباسیہ کے تین چار نوجوانوں میں لڑکی صرف بانوقہ ہوتی ہے۔ وہاں اُن کے محافظ دستے بھی ہوتے ہیں لیکن وہ دستے اب صرف ایک رسم بن کر رہ گئے ہیں۔ سلطنتِ عباسیہ اندرونی طور پر اتنی مستحکم ہوچکی ہے کہ اس خاندان کے لوگوں کی طرف کوئی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ قطربل میں محافظ دستے کے سپاہی اطمینان سے ایک سائبان کے نیچے بیٹھے رہتے ہیں اور اپنے آقازادوں یا آقازادی کو چابک سواری سیکھتے دیکھتے رہتے ہیں۔ اُن کے گھوڑے کچھ فاصلے پر ایک اصطبل میں کھڑے کردیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ میں اس لیے بتارہی ہوں کہ بانوقہ کو اغوا کرنے کے لیے دو تین افراد بھی کافی ہوں گے۔ بس وہ چابک سواری میں ماہر ہوں اور اُن کے گھوڑے بہت تیار ہوں۔''

حکیم مقنّع نے تصویر پر نظریں جمائے رکھیں اور پُرخیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ دن کون سا ہوتا ہے جب وہاں بانوقہ چابک سواری سیکھتی ہے؟''

ریطہ دل ہی دل میں ہنسی۔ اس نام نہاد ''خدا'' کو اتنا بھی علم نہیں تھا، تاہم اُس نے جواب دے دیا۔

پھر حکیم مقنّع نے کہا۔ ''میرے آدمیوں کو بغداد پہنچنے میں بھی کچھ دن لگیں گے۔''

ریطہ بولی۔ ''امکان ہے کہ اس وقت تک خلیفہ مہدی آپ پر لشکرکشی کی تیاریاں مکمل نہیں کرسکے گا۔'' پھر اُس نے پوچھا۔ ''آپ نے مجھ پر بہت جلدی اعتماد کیوں کرلیا مولا؟''

Marfat.com

حکیم مقنّع ہنسا۔ ”کیا ہم تمھارے دل کا حال نہیں جان سکتے؟“

”بے شک مولا! اسی لیے میں آپ کے پاس آتے ہوئے خائف نہیں تھی۔ آپ ہر شخص کے دل کا حال جان سکتے ہیں۔“ ریطہ نے عقیدت کے لہجے میں جواب دیا حالانکہ وہ سمجھتی تھی کہ اس پر اعتماد کا سبب کیا تھا۔ وہ وہاں اکیلی آئی تھی۔ حکیم مقنّع سوچ سکتا تھا کہ اگر خلیفہ کو اپنا کوئی مخبر بھیجنا ہوتا تو وہ کسی مرد کو بھیجتا، نہ کہ اپنی بیوی کو!

اور اب ریطہ نے بانوقہ کے سلسلے میں حکیم مقنّع کو جو منصوبہ بندی سمجھائی تھی، اس کے بعد تو حکیم مقنّع کو اس پر ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔

ریطہ کو اپنی انتقامی آگ بجھانے میں کسی اور طرح تو کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی لیکن اب اگر بانوقہ ہی سے اُس کی دوشیزگی چھین لی جاتی تو مہدی کی تڑپ کا خیال ہی اُس کا کلیجا ٹھنڈا کر سکتا تھا۔

حکیم مقنّع نے حساب لگایا کہ اُس کے آدمی کس دن بغداد پہنچ سکیں گے! اس کا اندازہ سو فی صد درست ثابت ہوا۔ اُس کے آدمی اس دن بغداد پہنچے جب دوسرے دن میدانِ قطربل میں چابک سواری سیکھی جا رہی تھی۔

اس دن سیکھنے والوں کی تعداد صرف تین تھی۔ بانوقہ کے علاوہ ہارون الرشید کا چچا زاد بھائی اور دوست ابن جعفر تھا جس کی سات سالہ بہن ہارون الرشید کو بہت اچھی لگتی تھی۔

ابن جعفر کے باپ کے انتقال کے بعد خلیفہ المنصور ہی نے اُن بھائی بہن کو اپنے ساتھ قصر الذہب میں رکھ لیا تھا۔ خلیفہ المنصور ہی نے اُمت العزیز کا نام بھی بدل کر زبیدہ رکھ دیا تھا۔

چابک سواری سیکھنے والی ان دو کم عمر ہستیوں کے علاوہ میدان میں ایک گھوڑا ہارون الرشید کا بھی دوڑ رہا تھا۔ اُسے اب کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ صرف مشق کے لیے وہاں آیا کرتا تھا۔

محافظ سپاہی سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ چابک سواری دیکھنے کے شوقین عباسی خاندان کے چند اور افراد بھی وہاں موجود تھے جن میں چھ سالہ شہزادی عباسہ اور سات سالہ زبیدہ بھی تھی۔

Marfat.com

چابک سواری سکھانے کے لیے خلافتِ عباسیہ کے دو ملازم چابک سوار بھی میدان میں موجود تھے۔ اس طرح میدان میں موجود افراد کی تعداد صرف پانچ تھی۔

ہارون الرشید اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا شہزادی عباسہ، زبیدہ اور شہزادی بانوقہ سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے تھا۔ بانوقہ سے چھیڑ چھاڑ کا موقع اُسے زیادہ مل رہا تھا کیوں کہ وہ میدان ہی میں تھی۔ ہارون الرشید جب بھی اُس کے گھوڑے کو بدکاتا، وہ روہانسی آواز میں چیخ پڑتی۔ ''اخی ای ای......''

ملازم چابک سوار کی ہمت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ ہارون الرشید سے کچھ کہتا۔ ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنا گھوڑا سائبان کے چبوترے پر چڑھا لے گیا۔ اُس نے جھکائی دے کر عباسہ سے اُس کا رومال چھینا اور زبیدہ کی چوٹی کو ہلکا سا جھٹکا دیتا ہوا اپنے گھوڑے کو ایک ہی جست میں چبوترے سے اُتار لے گیا۔

زبیدہ کے منہ سے بھی ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ عباسہ نے زبیدہ سے کہا۔ ''میں اخی کی شکایت ضرور کروں گی اَبّ سے۔''

ہارون الرشید اس قسم کی شرارت کر کے قہقہہ ضرور لگایا کرتا تھا لیکن اس موقع پر وہ قہقہہ نہیں لگا سکا۔ اُسے ایک سپاہی پر غصہ آ گیا تھا جس نے اپنی تلوار، کمان اور ترکش اُتار کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔

محافظ سپاہ کی موجودگی رسمی سہی لیکن ایک سپاہی کی وہ آرام طلبی دیکھ کر ہارون الرشید کو غصہ آ گیا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد اُس نے اپنا گھوڑا ایک مرتبہ پھر چبوترے پر چڑھایا۔

''اخی!'' عباسہ احتجاج کرنے والے انداز میں چیخی۔

زبیدہ نے خود کو اس کے پیچھے کرنے کی کوشش کی لیکن اس مرتبہ ہارون الرشید کی توجہ ان دونوں کی طرف نہیں تھی۔ اُس نے دائیں جانب جھکتے ہوئے اس سپاہی کا ترکش اور کمان اُٹھالی۔ وہ تلوار بھی اُٹھانا چاہتا تھا لیکن وہ اس کی گرفت میں نہیں آسکی۔ اس حرکت کے ساتھ ہی ہارون الرشید نے رکاب سے اپنا دایاں پیر نکال کر سپاہی کو ایک ٹھوکر رسید کر دی تھی اور اُس کا گھوڑا جست لگا کر چبوترے سے اتر گیا تھا۔

سپاہ کا چہرہ فق پڑ گیا۔ بات اُس کی سمجھ میں فوراً آ گئی تھی۔ ولی عہد کو اُس کی یہ

Marfat.com

حرکت گراں گزری تھی کہ اُس نے اپنے ہتھیار اتار کر ایک طرف رکھ دیے تھے۔

ہارون الرشید اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا کچھ ہی آگے نکلا تھا کہ اُس نے بانوقہ کی چیخ سنی اور چونک پڑا۔

بانوقہ اس وقت گھوڑے پر ملازم چابک سوار کے ساتھ میدان کے اس سرے پر تھی جو سائبان کی مخالف سمت میں تھا۔

دو گھڑ سوار جو ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھے، برق رفتاری سے اُن کے قریب پہنچ گئے تھے۔ بانوقہ کی چیخ اس وقت نکلی تھی جب ایک گھڑ سوار نے اُسے اُس کے گھوڑے سے گھسیٹ کر اپنے گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا تھا۔

دوسری چیخ کے بعد بانوقہ کے اغوا کا منظر سبھی نے دیکھا اور گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

ہارون الرشید نے اپنا گھوڑا نہایت برق رفتاری سے ان دونوں گھڑ سواروں کی طرف دوڑایا جو حکیم مقنّع ہی کے آدمی تھے۔

بانوقہ کو یوں اغوا ہوتا ہوا دیکھ کر ہارون الرشید مشتعل بھی ہوا تھا اور حیران بھی! اُسے حیرت اس خیال سے ہوئی تھی کہ سلطنتِ عباسہ کی حدود ہی میں سلطنت کی ایک شہزادی کو اغوا کرنے کی جسارت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

گھوڑا دوڑاتے ہی میں ہارون الرشید نے کمان اور ترکش اپنے شانے سے لٹکا کر اپنی کمر سے بندھی ہوئی تلوار، نیام سے نکال لی تھی اور اُسے ہوا میں لہراتے ہوئے پوری قوت سے چیخا تھا۔ ''مردود! میں تمھارے ٹکڑے اُڑا کر کتوں کے آگے ڈلوا دوں گا۔''

پھر اُس کا گھوڑا میدان سے نکلا ہی تھا کہ کہیں آڑ میں کھڑے ہوئے دس بارہ گھڑ سوار تیزی سے اُس کے سامنے آ گئے۔ وہ بھی حکیم مقنّع ہی کے آدمی تھے۔ انھیں اس لیے بھیجا گیا تھا کہ جب اغوا کنندگان کا تعاقب شروع کیا جائے تو وہ اُن سے بھڑ جائیں اور انھیں کم از کم اتنی دیر کے لیے اپنے آپ سے الجھا لیں کہ اغوا کرنے والوں کو بہت دور نکل جانے کو موقع مل جائے۔

ہارون الرشید نے بات سمجھ لی اور چاہا کہ اُن سے کترا کر آگے نکل جائے مگر اُن لوگوں کے پاس بھی نہایت تیار گھوڑے تھے۔ انھوں نے ہارون الرشید کو نکلنے نہیں دیا اور ہارون الرشید

Marfat.com

کو زندگی میں پہلی بار کسی دشمن کے سامنے اپنی شمشیر زنی کے جوہر آزمانے پر مجبور ہونا پڑا۔
سر پر گرتی ہوئی کئی تلواروں کو ہارون الرشید نے اپنی تلوار پر روکا اور جھکائی دے کر اُن کی زد سے نکلتے ہوئے اپنی تلوار ایک سوار کے سینے میں عین دل کے مقام پر پیوست کی اور اُسے پھرتی سے نکالتے ہوئے دوسرے کی گردن اُڑا دی۔
یہ تصادم ہو چکا تھا جب سائبان کے نیچے بیٹھے ہوئے سپاہیوں کو سنبھلنے، اصطبل سے اپنے گھوڑے نکالنے اور اُن پر سوار ہو کر انھیں معرکہ آرائی کے مقام کی طرف دوڑانے کا موقع ملا لیکن ان سے پہلے جعفر کو چابک سواری سکھانے والا ہارون الرشید کے ساتھ اس معرکے میں شامل ہوا۔ وہ نہتا تھا لیکن اُس نے ہارون الرشید کے ہاتھوں سے قتل ہونے والے کی لاش پر جھک کر اُس کی تلوار اُٹھالی تھی۔ شمشیر زن وہ بھی اچھا تھا۔
ہارون الرشید نے اپنے شانے پر ایک گہرا زخم کھایا لیکن دو لاشیں اور گرادیں۔ وہ حیران بھی تھا کہ اس کے مدِ مقابل کسی مجاہد کی طرح جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ وہ ان کے اس جذبے کا سبب نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکی تھی کہ وہ حکیم مقنّع کے آدمی تھے اور اُن کی دانست میں اُن کی جنگ ''حکمِ خداوندی'' کی تعمیل تھی۔
''آپ آگے نکل جائیے شہزادے!'' چابک سوار شمشیر زن نے تلوار سے ایک شخص کا پیٹ چاک کرتے ہوئے زور سے کہا۔ ''میں ان سے نمٹتا ہوں۔''
پیٹ چاک ہوتے ہی اس شخص کی آنتیں باہر نکل پڑی تھیں اور وہ اپنے گھوڑے سے گرنے لگا تھا۔

ہارون الرشید کی گردن کے بائیں حصے پر کسی تلوار کا ایک چرکا لگا۔ اس سے پہلے وہ ایک اور آدمی کی گردن اُڑا چکا تھا۔ اس نے چابک شمشیر زن کی بات فوراً مان لی ورنہ بانوقہ کو اغوا کرنے والے اس کی دست رس سے نکل سکتے تھے۔ اس نے فوراً معرکے سے نکلنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھوں سے پانچ مدِ مقابل جہنم رسید ہو چکے تھے۔ دو کو چابک سوار شمشیر زن نے مار گرایا تھا۔ اب چار باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک، چابک سوار سے الجھ گیا اور باقی تینوں نے ہارون الرشید کو روکنے کی کوشش کی لیکن چابک سوار اپنے مدِ مقابل کو زمین چٹوانے کے بعد قہرِ قیامت بن کر اُن دونوں پر ٹوٹ پڑا۔

Marfat.com

خود اُس کے جسم پر بھی کئی زخم آ چکے تھے۔

ہارون الرشید کو آگے بڑھ جانے کا موقع مل گیا۔ اس کے گھوڑے نے ہوا سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ بانوقہ کو اغوا کرنے والے گھڑ سوار اتنی دور نکل چکے تھے کہ بہت چھوٹے چھوٹے سے نظر آ رہے تھے لیکن ہارون الرشید کو یقین تھا کہ وہ اُنھیں جا لے گا۔ اُس کی گردن اور شانے سے خون بہ رہا تھا لیکن اُسے اپنے زخموں کا شاید احساس تک نہ تھا۔ اس کے تمام تر حواس اس پر مرتکز تھے کہ وہ اپنی بہن کو ہرگز اغوا نہیں ہونے دے گا۔

بانوقہ اس کی سگی بہن نہیں تھی۔ وہ اور عباسہ دونوں ہی الگ الگ ماؤں سے تھیں لیکن ہارون الرشید کو وہ اپنی بالکل سگی بہنوں کی طرح عزیز تھیں۔ وہ عباسہ سے زیادہ محبت کرتا تھا لیکن بانوقہ بھی اُسے کم عزیز نہیں تھی۔

عقب میں محافظ سپاہی اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں اب نویں لاش بھی گر چکی تھی۔ اب دو باقی رہ گئے تھے۔ تین سپاہی چابک سوار کی مدد کے لیے وہیں رک گئے اور باقی نے اپنے گھوڑوں کو ہارون الرشید کے پیچھے دوڑایا۔ وہ ابھی ہارون الرشید سے بہت دور تھے لیکن ہارون الرشید اب بانوقہ کو اغوا کرنے والوں سے بہت زیادہ دور نہیں تھا۔

ذہن میں ایک خیال آتے ہی اُس نے خون آلود تلوار نیام میں ڈالی اور شانے سے کمان اُتار لی۔ گھوڑے کی لگام اُس نے دانتوں میں دبائی اور رکابوں پر کھڑا ہو گیا۔ ترکش سے ایک تیر نکال کر اُس نے چلّے پر چڑھایا اور بانوقہ کو لے جانے والے گھڑ سوار کا نشانہ لیا۔

فضا میں تیر سنسنایا اور فضا میں ایک لکیر سی کھنچتی چلی گئی جس کا اختتام گھڑ سوار کی پشت پر ہوا۔ وہ اچھل کر گھوڑے سے گرا۔ اُس کے ساتھ ہی بانوقہ بھی گری اور ایک طرف لڑھکتی چلی گئی۔

دوسرا گھوڑ سوار جو آگے نکل گیا تھا، تیزی سے پلٹا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ ہارون الرشید سے پہلے بانوقہ تک پہنچ جائے اور اُسے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرے لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ وہ اور ہارون الرشید ساتھ ساتھ بانوقہ کے قریب پہنچے۔

''منحوس شیطان!'' ہارون الرشید نے چیختے ہوئے تلوار کا وار کیا جو مدِ مقابل

Marfat.com

نے اپنی تلوار پر روکا۔

لڑھکتی ہوئی بانوقہ ایک جھاڑی کے قریب رکی تھی اور اب اُٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے جسم اور چہرے پر کئی خراشیں آئی تھیں۔

مدِ مقابل سے ہارون کا مقابلہ طول کھینچ گیا، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ اس شخص کو شمشیر زنی میں کوئی غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ سبب اس کا ہارون الرشید کی صرف یہ خواہش تھی کہ اس شخص کو زندہ پکڑا جائے اور معلوم تو ہو سکے کہ یہ کون لوگ تھے!

ہارون الرشید کی کوشش تھی کہ وہ اس شخص کے ہاتھ سے تلوار گرا دے یا اُس کا وہ بازو قلم کر دے جس سے وہ تلوار چلا رہا تھا۔

محافظ سپاہی اب بالکل قریب آ چکے تھے لیکن ہارون الرشید ان کا مرہونِ منت نہیں ہوا۔ اُس نے آخر کار اپنے مدِ مقابل کا بازو اُڑا دیا۔

''مارنا نہیں ہے اسے!'' ہارون الرشید نے چیخ کر سپاہیوں سے کہا۔ ''زندہ گرفتار کرو۔''

بانوقہ سہمی ہوئی جھاڑی کے قریب اس طرح کھڑی تھی کہ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ ہارون الرشید تیزی سے اُس کے قریب پہنچا۔

''اخی!'' بانوقہ روتی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

حکیم مقنع کے آخری آدمی کو گرفتار کیا جا چکا تھا۔

ہارون الرشید بانوقہ کو اپنے گھوڑے پر بٹھائے تیزی سے واپس لوٹ رہا تھا کہ پہلے معرکے کے مقام پر اسے یک لخت اپنا گھوڑا روکنا پڑا۔ اسے وہاں پڑی ہوئی لاشوں میں چابک سوار شمشیر زن کی لاش دکھائی دے گئی تھی۔

''اخی!'' بانوقہ مردہ سی آواز میں بولی۔ ''آپ کا خون بہت بہہ رہا ہے۔''

ہارون الرشید نے اُس کی طرف دھیان دیے بغیر اپنے پیچھے آنے والے سپاہیوں سے کہا۔ ''اس کی تدفین پورے اعزاز کے ساتھ ہوگی۔'' اس کا یہ حکم چابک سوار شمشیر زن کے لیے تھا۔ پھر اُس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

☆☆☆

Marfat.com

مغرب سے اترتی ہوئی رات کی سیاہی زمین پر پھیل چکی تھی۔

قصر الذّہب کے ایک کمرے میں ہارون الرشید آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس کی گردن اور شانے پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ بانوقہ ہارون الرشید کے سینے پر سر رکھ کر اس طرح اوندھی لیٹی ہوئی تھی کہ اُس کا باقی جسم بستر کے نیچے تھا۔ گھٹنے اور پنجے قالین پر ٹکے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی اُس کی ماں بیٹھی اُس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ خیزران سمیت مہدی کی سبھی بیویاں اور سبھی بچے بھی تھے۔ ایک نہیں تھا تو موسیٰ نہیں تھا۔ خلیفہ المہدی فکرمندانہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن ہارون الرشید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ بانوقہ کا سر آہستگی سے تھپکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اپنی اختی (عربی میں بہن کو کہتے ہیں) کو میں نے بچالیا ورنہ وہ گہرا زخم تو کبھی نہ بھرتا۔ یہ گردن اور شانے کے زخم تو ٹھیک ہو ہی جائیں گے۔''

''ہارون الرشید! ہمارے شیر دل بیٹے!'' مہدی نے کہا۔ ''ہم تم پر جتنا بھی فخر کریں، کم ہے۔''

سنجیدہ خیزران کے ہونٹوں پر بھی فاخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

ایک کنیز اجازت لے کر اندر آئی۔ اس کا رخ مہدی کی طرف تھا۔ مہدی فوراً اس سے پوچھ بیٹھا۔ ''کیا یحییٰ آگئے؟''

''جی نہیں۔'' کنیز نے جواب دیا۔ ''لیکن وزیرِ سلطنت آپ سے فوراً ملنے کے خواست گار ہیں۔''

''اچھا بیٹے!'' مہدی نے ہارون الرشید سے کہا۔ ''ہم تھوڑی دیر بعد تمھیں دیکھنے پھر آئیں گے۔''

''کیا آپ نے استادِ مکرم کو بلایا ہے؟'' ہاورن الرشید نے پوچھا۔

''ہاں، کچھ بات کرنا ہے ان سے۔'' مہدی نے جواب دیا اور جانے کے لیے دروازے کی طرف مڑ گیا۔

قصر کا وہ حصہ حرم سرا سے کافی دور تھا جہاں اُمورِ سلطنت سے متعلق افراد سے ملاقات کی جاتی تھی، تاہم مہدی کم از کم وقت میں وہاں پہنچ گیا۔

Marfat.com

وزیرِ سلطنت یعقوب بن داؤد بے چینی سے اُس کا منتظر تھا۔

''ہاں ابنِ داؤد!'' مہدی خود اس سے پوچھ بیٹھا۔ ''کچھ معلوم ہوا؟''

''اس نے تو اپنے ہونٹوں کو جیسے سی لیا ہے امیر المومنین!'' یعقوب بن داؤد نے جواب دیا۔ ''اسے اپنے کٹے ہوئے بازو کے زخم کی بھی پروا نہیں، اور اس پر جو کوڑے برسائے گئے، اس پر بھی اس نے اف تک نہ کی۔ وہ غالباً ہرگز کچھ نہیں بتائے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں ان تین سپاہیوں کے بیان کی بنیاد پر یقین کر لینا چاہیے کہ وہ حکیم مقنع کے آدمی تھے۔''

بیان دینے والے ان سپاہیوں کا تعلق سنجرہ سے تھا اور انھوں نے بانوقہ کے اغوا کی کوشش کرنے والوں میں سے پانچ کو سنجرہ کے باسیوں کی حیثیت سے شناخت کیا تھا۔

''حکیم مقنع۔'' مہدی نے مشتعل لہجے میں کہا۔ ''اس کی سرکوبی کرنے میں تاخیر اب خطرناک ہوتی چلی جائے گی۔''

''امیر المومنین!'' یعقوب بن داؤد نے کہا۔ ''دارالخلافہ میں اس وقت صرف دس ہزار سپاہ ہے، اور آپ نے فرمایا تھا کہ اس کی سرکوبی کے لیے زیادہ بڑا لشکر بھیجنے کی ضرورت ہے۔''

مہدی بولا۔ ''ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ ہند، روم اور اندلس کے محاذوں پر ہماری جو سپاہ ہے، ان میں سے اتنے سپاہی واپس بلا لیے جائیں کہ ایک بڑا لشکر بن جائے۔''

''تینوں جگہ احکام بھیجے جا چکے ہیں امیر المومنین!'' یعقوب بن داؤد نے کہا۔ ''سپاہیوں کو واپس آنے میں کچھ وقت تو لگے گا۔''

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع ملی۔

''تم جاؤ ابنِ داؤد!'' مہدی نے اپنے وزیرِ سلطنت سے کہا۔ ''ایک بار پھر اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کرو۔ اگر تم اس کی طرف سے قطعی مایوس ہونے لگو تو سمجھ لینا کہ ہم نے اُسے گردن زنی قرار دے دیا۔''

داؤد بن یعقوب مؤدّبانہ انداز میں تھوڑا سا خم ہوا اور رخصت ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی مہدی نے یحییٰ برمکی سے ملاقات کی۔ یحییٰ خاصی تشویش کا شکار تھا۔ اس نے

Marfat.com

ملاقات ہوتے ہی کہا۔ ''اگر آپ یاد نہ فرماتے تو میں خود حاضر ہوا ہی چاہتا تھا۔ مجھے آج کے افسوس ناک واقعے کی اطلاع مل چکی ہے۔ میں اپنے عزیز شاگرد کی حالت دیکھنے کے لیے بے چین ہوں امیر المومنین!''

''تمھیں ابھی اُس سے ملوادیا جائے گا یحییٰ!'' مہدی اپنی پشت پر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگا۔ ''لیکن اس سے پہلے ہم تم سے کچھ باتیں کرنا اور اپنے ایک قیاس کے بارے میں تمھاری رائے لینا چاہتے ہیں۔''

''میں ہمہ تن گوش ہوں امیر المومنین!'' یحییٰ نے کہا۔

مہدی کچھ توقف سے بولا۔ ''جب اس کی تصدیق ہوگئی تھی کہ حکیم مقنّع کے بارے میں ملنے والی کوئی خبر بھی افواہ نہیں تو ہم نے کچھ سپاہ صوبۂ خراسان کی سرحد پر اس لیے مامور کردی تھی کہ صوبے سے اِدھر آنے والوں اور اُدھر سے خراسان کی حدود میں جانے والوں کی فہرست تیار کی جاتی رہے۔ سپاہ کی کمی کی وجہ سے ان سب کی نگرانی ممکن نہیں تھی۔'' وہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا۔

یحییٰ برمکی خاموشی اور مستفسرانہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

کچھ توقف سے مہدی بولا۔ ''کافی دن سے ہمیں تشویش تھی کہ ریطہ اپنے محل سے کہاں غائب ہوگئی ہے۔ ہم نے اس بارے میں آپ کو بتایا بھی تھا۔ آج صبح ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اُسے صوبۂ خراسان میں جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ جیسا ابھی ہم نے آپ کو بتایا کہ کسی کی نگرانی کا حکم نہیں دیا گیا تھا لیکن وہاں مامور سپاہ کا سالار ایک ذہین شخص ہے۔ وہ غالباً اندازہ لگا چکا تھا کہ ریطہ کو بغداد واپس بلالینے کے باوجود اس سے ہمارے تعلقات خوش گوار نہیں ہیں۔ اسی لیے سالار نے ریطہ کی نگرانی کروائی تھی۔ آج صبح ملنے والی اطلاع میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ریطہ کو سنجرہ کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔''

یحییٰ برمکی چونکا۔ ''یعنی اس بستی کی طرف جس کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ حکیم مقنّع کا مستقر ہے؟''

مہدی نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ وہ بولا۔ ''اور اب یہ واقعہ پیش آیا ہے اور ایک وجہ سے یہ گمان کیا جارہا ہے کہ وہ حکیم مقنّع کے آدمی تھے۔ اب ہم نے جو قیاس

Marfat.com

کیا ہے، اس کے بارے میں اپنی رائے دو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حکیم مقنّع کو اس فعلِ قبیح کے لیے ریطہ نے اُکسایا ہو؟''

''اس امکان کو قطعی مسترد نہیں کیا جاسکتا امیرالمومنین!'' یحییٰ نے فوراً کہا۔ ''ایسی سراپا انتقام عورت میں نے شاید پہلے کبھی نہیں دیکھی۔''

''ایک اعتبار سے بانوقہ بھی اُس کی بیٹی ہے۔''

''امیرالمومنین!'' یحییٰ برمکی نے کہا۔ ''ایسی عورتیں ان اولادوں کو کسی طرح بھی اپنی اولاد نہیں سمجھتیں جو اُن کے شوہر سے تو ہوں مگر اُن کے اپنے بطن سے نہ ہوں۔ آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ خاتون ریطہ ہی نے شہزادہ ہارون الرشید اور شہزادہ موسیٰ کو اس وقت زہر دلوانا چاہا تھا جب وہ گود میں ہی تھے۔ جس اعتبار سے آپ شہزادی بانوقہ کو اُس کی بیٹی کہہ رہے ہیں، اسی اعتبار سے ہمارے یہ دونوں شہزادے بھی اس کے بیٹے ہی ہیں۔''

مہدی نے یحییٰ برمکی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''تو پھر ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''صوبۂ خراسان کی سرحد پر مامور سپاہ کے سالار کو ہم یہ حکم نامہ بھیج چکے ہیں کہ ریطہ جب بھی صوبۂ خراسان سے باہر آتی نظر آئے، اُسے بڑی احتیاط سے خفیہ طور پر حراست میں لے کر قصرالذہب پہنچا دیا جائے تاکہ ہم اُس سے پوچھ گچھ کر سکیں۔''

''نہایت مناسب قدم اُٹھایا ہے آپ نے! یہ ضروری تھا، لیکن اب حکیم مقنّع کی سرکوبی میں تاخیر بالکل مناسب نہیں ہوگی۔''

''یہی ہم نے ابھی ابنِ داؤد سے کہا تھا۔''

اور قطعی غلط نہیں کہا تھا۔ حکیم مقنّع کو جو مہلت ملی، اس میں اُس نے ایک طوفان سا برپا کر دیا۔ اعلانِ بغاوت کے ساتھ ہی اُس نے آس پاس کی ان بستیوں پر حملے شروع کروا دیے جہاں رہنے والوں کو وہ اپنے سحر میں گرفتار نہیں کر سکا تھا اور جو اُسے ملحد و کافر قرار دے چکے تھے۔ اُس نے کئی محلوں کے علاوہ جرجان سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع پہاڑ ''کش'' کے ایک اہم دفاعی قلعے پر بھی قبضہ کر لیا۔ جو مسلمان ہلاک ہوئے ان کی تعداد خاصی کثیر تھی۔

Marfat.com

کیوں کہ خبیث مقنّع کی حدودِ جولان گاہ میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا اس لیے خلیفہ المہدی نے ایک چھوٹا ہی لشکر روانہ کر دیا کہ وہاں پھیلائی جانے والی بربریت پر کچھ تو قابو پایا جاسکے لیکن حکیم مقنّع کے پیروکاروں نے اس لشکر کے تمام سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔

پھر دوسرا......تیسرا......اور چوتھا عباسی لشکر بھی اسی طرح ختم ہوا۔

اس دوران میں اندلس، روم اور ہند کے محاذوں سے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد دارالخلافہ واپس آگئی۔ ان سپاہیوں سے مہدی نے دو لشکر بنائے۔ ان لشکروں کی قیادت معاذ بن مسلم اور سعید حرشی کو سونپی گئی اور وہ دونوں لشکر نہایت برق رفتاری سے جانبِ خراسان روانہ ہوئے۔

حکیم مقنّع کے پیروکاروں نے ان لشکروں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کے اندازِ پیکار نے عباسی سپاہ کو حیرت میں ڈال دیا۔ وہ اس طرح لڑ رہے تھے جیسے موت اور زندگی کا اُن کی نظر میں یکساں مطلب ہو۔ اُن میں سے ایک ایک کٹ مرا۔ کسی نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ کوئی گرفتار نہیں ہوسکا۔ اگر کسی مرحلے میں کسی نے خود کو بے بس محسوس کیا تو اپنے ہی ہتھیار سے اپنی شہ رگ کا قیمہ کر کے خود کو ہلاکت سے دوچار کر لیا۔

ہر محاذ پر کٹ مرنے کے بعد حکیم مقنّع اپنے پیروکاروں کی ایک قابلِ ذکر تعداد کے ساتھ اپنے ایک مقبوضہ محل میں پھنس گیا۔ سعید حرشی کی سپاہ نے اس محل کا بہت سخت محاصرہ کر لیا۔

جب حکیم مقنّع نے اپنے بچاؤ کا کوئی امکان نہ دیکھا تو حکم صادر کیا کہ ایک بہت بڑا الاؤ دہکایا جائے۔

وہ محل کی خاصی بڑی جگہ تھی جہاں الاؤ دہکایا گیا تھا۔ اتنا بڑا الاؤ کہ اُس کی گرمی سے ہر فرد پسینا پسینا ہو گیا۔

سعید حرشی کے سپاہی ایک کے بعد دوسرا، اور دوسرے کے بعد تیسرا دروازہ توڑ کر آگے بڑھتے ہوئے محل کے اس حصے میں پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے جہاں حکیم مقنّع اپنے پیروکاروں کے ساتھ موجود تھا جن میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔

Marfat.com

''اب ہمیں آسمان پر واپس جانا ہوگا'' حکیم مقنّع نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ سب سن لیں۔

اردگرد جو دروازے تھے، اب انھیں توڑنے کی کوششیں جاری تھیں۔

حکیم مقنّع مزید بولا۔ ''میرے ساتھ جو آسمان پر جانا چاہتا ہو، وہ اس آگ میں کود پڑے۔''

اس وقت کئی دروازے ٹوٹ گئے۔ عباسی سپاہ اندر آنے لگی اور پھر ہر سپاہی یہ دیکھ کر دم بہ خود رہ گیا کہ حکیم مقنّع نے خود کو ایک وسیع جگہ پر دہکتے ہوئے الاؤ میں جھونک لیا تھا۔ اس کے بعد اس کے پیروکاروں نے بھی اُس کی تقلید کی۔ عباسی سپاہ ایک کو بھی گرفتار نہیں کر سکی۔ وہ سب کے سب اُس دہکتے ہوئے الاؤ میں جل مرے اور اس لرزہ خیز انداز میں وہ آشوب ناک فتنہ ختم ہوا جو الوہیّت کا دعوے دار تھا۔

جب اس منظر کی جزئیات سعید حرشی نے خلیفہ المہدی کے روبرو بیان کیں، اس وقت یحییٰ برمکی اور یعقوب بن داؤد بھی موجود تھے۔ وہ سب کچھ سن کر ان تینوں کے چہروں کی رنگت بدل گئی اور شاید اُن کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے ہوں۔

دہکتے ہوئے الاؤ میں کود کر وہ اجتماعی خودکشی دنیا کی پہلی اور شاید آخری مثال تھی۔ مہدی کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ جل مرنے والوں میں ریطہ تھی یا نہیں!

یہ خبر آگ ہی کی طرح ساری سلطنت میں پھیلی اور جس نے سنا، وہ ششدر رہ گیا۔ اس کے چرچے دنوں اور ہفتوں تک ہر جگہ ہوتے رہے، پھر اس میں بہ تدریج کمی آنا شروع ہوئی جیسا دنیا کے ہر بڑے واقعے کے بارے میں ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی بات بھلا دی جاتی ہے، وہ بھی بھلا دی گئی۔

خود مہدی اس طویل دورانیے میں کئی محاذوں پر اُلجھا رہا۔ خیزران پریشان رہی کہ مہدی ان مسائل سے نکلے تو اس سے ہارون الرشید اور موسیٰ کی ولی عہدی کے ساتھ عیسیٰ کو دست برداری پر آمادہ کرنے کی بات کی جائے۔

آخر وہ وقت آ ہی گیا جب عباسی سلطنت کی سرحدیں محفوظ کر لی گئیں اور مہدی ان تمام اُلجھنوں سے نکلا۔

Marfat.com

''بہت عرصہ بڑی بے تابی سے گزارا ہے میں نے۔'' خیزران نے اُس سے کہا۔
''اب وہ مسئلہ کسی طرح ختم ہونا چاہیے۔''

مہدی نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کس مسئلے کی بات کررہی تھی۔

''آج کا دن ہمیں آرام کرلینے دو خاتونِ قصر!'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ہم بہت تھکن محسوس کررہے ہیں۔ آج رات کچھ مشاورت بھی ہے۔ شاید اس میں زیادہ رات گزر جائے۔ اس مشاورت کا نتیجہ مثبت رہنے کی صورت میں کل دربار بھی کرنا ہوگا۔ کچھ خاص اعلانات بھی کرنا ہوں گے۔ ہمیں بس کل تک کا وقت دے دو۔ پھر جی بھر کر باتیں کرلینا۔ ہم ایک ہفتے تک تمھارے ساتھ اپنی کامیابیوں کا جشن منائیں گے۔''

خیزران نے خاموشی اختیار کرلی۔ اُس نے سوچا تھا، خاصا عرصہ خاموشی سے گزار لیا، اب کل تک اور سہی!

لیکن اس کا وہ دن، وہ رات اور پھر دوسرے دن کا آدھا حصّہ اسی مسئلے پر غور کرتے ہوئے گزرا جس پر وہ مہدی سے بات کرنا چاہتی تھی۔

دوپہر کو مہدی مسکراتا ہوا استراحت گاہ میں داخل ہوا اور بولا۔ ''ہم نے شہ بھی دے دی ہے اور مات بھی دے چکے ہیں۔''

اس دن خیزران نے نہیں پوچھا کہ وہ کس شہ کی اور کس مات کی بات کررہا تھا۔

وہ بولی۔ ''اب عیسیٰ، ہارون الرشید اور موسیٰ کا مسئلہ طے نہیں ہوا تو میں خفقان میں مبتلا ہوجاؤں گی۔''

''مسئلہ طے ہوچکا ہے جانِ مہدی!'' وہ بڑی محبت سے خیزران کو اپنے بازوؤں میں سمیٹتا ہوا بولا۔ ''ہم نے دیگر تمام پریشانیوں سے دوچار رہتے ہوئے بھی اپنی جانِ تمنا کی خواہش کبھی فراموش نہیں کی تھی۔ کل ہم نے تمھیں اسی لیے ٹال دیا تھا کہ معاملہ طے کرنے کے بعد ہی تم سے بات کریں۔ ہم سمجھ گئے تھے کہ تم کیا بات کروگی۔''

''کھل کر کہیے! کیا ہوا؟''

''کل رات کی مشاورت عیسیٰ ہی سے تھی۔'' مہدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''آخر کار اُس نے ہماری بات مان ہی لی۔ تمھاری خواہش پوری ہوگئی۔''

Marfat.com

"سچ؟" خیزران خوشی سے کھل اُٹھی۔

"کیا اب ہم جھوٹ بولیں گے تم سے!"

خیزران اتنی بے قرار ہوئی کہ مہدی کی بانہوں سے نکل کر اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"آسانی سے مان گیا وہ؟" اُس نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"خیر آسانی سے تو نہیں مانا، اور سچ تو یہ ہے ہماری خاتونِ قصر کہ ہماری اس کام یابی میں بڑا اہم کردار تو محترم خالد کا رہا ہے۔ خالد برمکی کا۔"

"کیسے؟" خیزران کی بے چینی کم نہیں ہو رہی تھی۔

"ہم نے اُن سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ وہ اس معاملے میں عیسیٰ کو ہم وار کرنے کی کوشش کریں چنانچہ وہ اس سے اشاروں کنایوں میں کسی وقت کوئی نہ کوئی بات کہہ دیتے تھے۔ مقصد عیسیٰ کو یہ باور کرانا تھا کہ ہماری خلافت بیس پچیس سال بھی رہی تو وہ اس وقت تک بہت بوڑھا ہو چکا ہوگا۔ اس کی عمر ساٹھ سال تو ہو ہی چکی تھی لہٰذا جس طرح اُس نے ولی عہدی سے دست برداری کے عوض جو کچھ خلیفہ المنصور سے حاصل کیا تھا، وہ ہم سے بھی لے لے اور اپنی زندگی زیادہ سے زیادہ آسودہ حالی میں گزارے۔ انھوں نے تو اُسے ایران کے ساسانی فرماں روان شاپورِ اعظم کی مثال بھی دی تھی جس کا دورِ اقتدار ستر سال تک رہا تھا۔ ان باتوں سے محترم خالد نے اُسے ذہنی طور پر بڑی حد تک دست برداری پر آمادہ کر لیا تھا۔ انھوں نے اُسے یہ بھی جتایا تھا کہ یہ باتیں وہ دراصل اُس کے حق میں کر رہے ہیں۔ انھوں نے اُس سے کہا تھا کہ دست برداری کی بات وہ خود ہرگز نہ چھیڑے اور اس وقت کا انتظار کرے جب ہم اس سے یہ بات کریں اور کیوں کہ ہم اپنے دوسرے بیٹے کو بھی ولی عہد بنانا چاہتے ہیں اس لیے اس کا زیادہ سے زیادہ مطالبہ بھی مان لیں گے۔"

خیزران خوشی سے مسکراتی ہوئی اپنے شوہر کی باتیں سنتی رہی۔

"چنانچہ۔" مہدی نے کہا۔ "کل رات ہم نے اُسے بلایا تھا۔ ولی عہدی سے دست برداری کے لیے ہم نے اُسے تیس ہزار دینار کی پیشکش کی تھی۔ محترم خالد نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ وہ کم رقم پر ہرگز آمادہ نہ ہوگا چنانچہ اُس نے ہماری پیشکش مسترد کر دی۔

Marfat.com

ہم نے چالیس ہزار دینار کی بات کی لیکن وہ نہ مانا تو ہم ایک لاکھ دینار دینے کے لیے بھی تیار تھے لیکن محترم خالد نے ہم سے کہا تھا کہ اتنی رقم کی بات ہم فوراً نہ کریں ورنہ وہ اس سے زیادہ کے لیے منہ کھولے گا۔ مختصر یہ کہ بہت دیر تک گفت گو کے بعد اُس نے اسّی ہزار دینار کے عوض دست برداری پر آمادگی ظاہر کردی۔ ہمیں ایک لاکھ تک بھی نہ جانا پڑا۔"

خیزران ہنس پڑی۔

مہدی بولا۔ "آج اُس نے بھرے دربار میں اپنی دست برداری کا اعلان کردیا اور پھر ہم نے بھی موسیٰ کی نام زدگی کے سلسلے میں دیر نہیں لگائی۔"

"اور ہارون الرشید کو ولی عہد اوّل قرار دے دیا!" خیزران جلدی سے بولی۔

اب مہدی تھوڑا سا کسمسایا، پھر اُس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "نہیں خیزران!" تنہائی میں وہ کبھی کبھی اُسے اس کے لقب سے مخاطب نہیں کرتا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" خیزران تیزی سے بولی۔

"سمجھنے کی کوشش کرو جانِ مہدی!" اُس نے محبت سے کہا۔ "اگر ہم ایسا کرتے تو ہمیں قاضی القضاۃ اور اسی درجے کے دوسرے علما کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا کیوں کہ ایک تو ہارون الرشید چھوٹا ہے، دوسرے اسے ولی عہد دوم ہمارے والد محترم نے نام زد کیا تھا۔ ہم اس میں تبدیلی کے مجاز نہیں۔"

"آپ خلیفہٴ وقت ہیں!" خیزران تیز لہجے میں بولی۔

"خلیفہٴ وقت کو بھی ان علما کا دباؤ برداشت کرنا پڑتا ہے کیوں کہ اُن کے احترام میں دوسرے لوگ بھی انھی کا ساتھ دیتے ہیں۔"

خیزران بہت جزبز ہوئی لیکن مہدی نے اُسے یہ باور کرانے کی پوری پوری کوشش کی کہ وہ ہارون الرشید کو ولی عہد اوّل نام زد نہیں کرسکتا تھا۔ پھر بھی خیزران نے کہا۔ "موسیٰ کا کردار اتنا بگڑ چکا ہے کہ وہ ولی عہد اوّل بننے کے لائق نہیں۔"

"یہ بات علما حضرات کے علم میں نہیں کہ ہمارا بیٹا کس حد تک بگڑ چکا ہے، اور اگر ہم انھیں یہ بات بتاتے تو اس میں ہماری بھی بدنامی ہوتی اور موسیٰ بھی ہم سے بہت زیادہ بدظن ہوجاتا۔ اس کا دماغ تو ویسے ہی بہت خراب ہوچکا ہے۔"

Marfat.com

آخر خیزران کو اس معاملے میں چپ ہونا ہی پڑا۔

دوسری طرف موسیٰ نے ولی عہد اوّل بننے کے بعد زیادہ ہی پَر پُرزے نکالنا شروع کر دیے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سرکش اور ضدی ہوتا چلا گیا۔ اس کی طرف سے خیزران کی دل برداشتگی میں اضافہ ہوتا رہا۔

سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد موسیٰ نے کنیز الماس سے باقاعدہ تعلقات استوار کر لیے، شراب بھی خوب پینے لگا۔

وہ مہدی کی خلافت کا آٹھواں سال تھا اور آٹھویں صدی اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی تھی کہ خالد برمکی نے چند روز علالت کے بعد اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچھتر سال تھی۔ آلِ برمک کے لیے تو یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا ہی لیکن سلطنت کے اور بہت سے گھر بھی ماتم کدے بن گئے۔ اُن کا ایک بہت بڑا سہارا دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ اُن کی پریشانی کے ہر موقع پر خالد برمکی کے ہاتھ ہمیشہ کھلے رہے تھے۔

خیزران نے آلِ برمک کی دل جوئی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ مہدی نے یحییٰ کے غم میں برابر کی شرکت کا اظہار کیا۔ ہارون الرشید نے فضل اور جعفر کو گلے لگایا۔ وہ ایک دوسرے کے رضاعی بھائی اور سال چھ ماہ کے فرق سے انھیں ہم عمر بھی کہا جا سکتا تھا۔ ہارون الرشید کی عمر اس وقت سترہ سال ہو چکی تھی۔

یحییٰ کی بیویوں کا ہارون الرشید نے دودھ پیا تھا۔ اُس نے اُن سے کہا۔

''میری زندگی میں آپ کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہو گی جسے میں پورا نہ کروں۔''

اور جواب میں کہا گیا کہ وہ کسی بھی دنیاوی ضرورت کے لیے اُسے کبھی تکلیف نہیں دیں گی۔

یحییٰ برمکی اب ہارون الرشید کا باقاعدہ استاد یا اتالیق نہیں رہا تھا لیکن ہارون الرشید کے دِل میں اس کی عزت پہلے ہی جیسی تھی۔ اسے جب بھی کچھ فرصت ملتی، یحییٰ برمکی کی خدمت میں حاضری ضرور دیتا۔ اس نے باقاعدہ تعلیم چودہ سال کی عمر کے بعد حاصل نہیں کی تھی کیوں کہ حالاتِ حاضرہ سے وہ بہت زیادہ متعلق ہو گیا تھا۔ اس کی افتاد طبع دیکھ کر مہدی نے اُسے عسکری معاملات میں بھی شامل رکھنا شروع کر دیا تھا لیکن اس

Marfat.com

کے باوجود اس نے استفادے کا سلسلہ یکسر موقوف نہیں کیا تھا۔ تمام تر مصروفیات کے باوجود اُسے جب بھی موقع ملتا، وہ کسی نہ کسی کتاب کا مطالعے میں غرق ہو جاتا یا یحییٰ برمکی کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی کسب فیض کرتا۔ اسے موسیقی اور ادب سے بھی دل چسپی ہو گئی تھی۔ ہر موقع پر کوئی نہ کوئی حسبِ حال شعر اس کی نوکِ زباں پر ہوتا۔

دوسری طرف موسیٰ اپنی رنگیلی، نشیلی محفلیں سجاتا رہتا اور خیزران دل ہی دل میں کڑھتی رہتی۔ موسیٰ اب اپنے معاملاتِ زندگی میں اتنا بے باک ہو چلا تھا کہ اس کی وہ حرکتیں قاضی القضاۃ اور علمائے دربار کے علم میں بھی آچکی تھیں اور وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ موسیٰ کو ولی عہد اوّل نام زد کرنا خلیفۂ وقت کی غلطی تھی۔ اُنھیں یہ خیال بالکل نہیں تھا کہ خلیفۂ وقت نے یہ غلطی انھی کے دباؤ سے گریز کی خاطر کی تھی۔

ان حالات کو محسوس کرتے ہوئے خیزران نے یحییٰ برمکی کو اپنے اعتماد لیا۔ ان دنوں مہدی دارالخلافہ میں نہیں تھا، بلادِ روم سے آئی ہوئی کسی شخصیت کے ساتھ شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ خود اُسے شکار سے کچھ زیادہ دل چسپی نہیں تھی، شکار کا رسیا بلادِ روم سے آنے والا تھا۔ اس کی اتنی اہمیت تھی کہ اس کے ذریعے سلطنتِ عباسیہ کے لیے کچھ سیاسی فوائد حاصل کیے جا سکتے تھے اس لیے اُسے کسی اور کے ساتھ شکار پر بھیجنے کے بجائے مہدی خود اس کے ساتھ گیا تھا تا کہ باتوں باتوں میں اُسے مملکتِ اسلامیہ کے حق میں استعمال کر سکے۔

یحییٰ برمکی اور خیزران میں گفت گو اس طرح ہوئی کہ درمیان میں ایک پردہ حائل تھا۔

''جنابِ یحییٰ!'' خیزران نے چندرسمی جملوں کے بعد کہا۔ ''آپ کی زندگی کے گوناگوں تجربات اور آپ کی جہاں دیدگی کے باعث مجھے یقین ہے کہ حالات پر آپ کی کڑی نظر ہو گی۔''

''شاید میں آپ کا اشارہ سمجھ گیا ہوں خاتونِ قصر!'' یحییٰ برمکی نے کہا۔ ''تاہم میں چاہوں گا کہ آپ کھل کر بات کریں۔ میں سہواً کچھ اور نہ سمجھ بیٹھوں!''

''میں سمجھتی ہوں کہ ساری زندگی میں کوئی سہو آپ سے غالباً کبھی نہیں ہوا ہو گا۔'' خیزران نے کہا۔ ''بہر حال، مجھے صاف صاف بات کرنے میں بھی کوئی عار نہیں ہو گا۔

Marfat.com

آپ سے گفت گو کرنے کے لیے یہ موقع مجھے اس لیے سازگار محسوس ہوا کہ امیر المومنین بھی اس وقت دارالخلافہ میں نہیں ہیں اور موسیٰ بھی اپنا کوئی خاص شوق پورا کرنے کے لیے جرجان گیا ہوا ہے۔'' خیزران کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

یحییٰ برمکی خاموش رہا۔

خیزران نے بات آگے بڑھائی۔ ''موسیٰ کی زندگی کس نہج پر کس حد تک آگے بڑھ چکی ہے، اس کا علم اب علمائے دربار اور منصب دارانِ سلطنت کو بھی ہو چکا ہے لہٰذا ناممکن ہے کہ آپ اس سے بے خبر ہوں۔''

''جی۔'' یحییٰ برمکی نے کہا۔ ''اب آپ کی بات بالکل واضح ہو چکی ہے اس لیے مجھے صاف طور پر یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ شہزادہ موسیٰ نے اپنی زندگی ایک شرم ناک راستے پر ڈال دی ہے۔''

''تو پھر؟'' خیزران نے کہا۔ ''مستقبل میں کیا یہ سلطنت کے عوام پر ایک ظلم نہ ہوگا کہ اُن پر ایک ایسے شخص کا تسلط ہو جس کی زندگی طاؤس درباب اور شراب و کباب سے عبارت ہے؟'' خیزران دراصل ''شراب شباب'' کہنا چاہتی تھی لیکن یحییٰ برمکی کے احترام میں اُس نے ''شباب'' کہنے سے گریز کیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''اس وقت ظاہر ہے کہ امیر المومنین اس دنیا میں نہیں ہوں گے اور میرے بارے میں قدرت کا فیصلہ نہ جانے کیا ہو۔ میری خواہش تو یہی ہے کہ جب وہ نہ رہیں تو میں بھی نہ رہوں کیوں کہ اُن کے بعد یہ زندگی میرے لیے ایک عذاب سے کم نہ ہوگی...... خیر! اس وقت بحث یہ نہیں ہے۔ مجھے اس مؤرّخ سے خوف آرہا ہے جو آنے والے وقت کا مجرم ہمیں ٹھہرائے گا۔ یہ بات واشگاف الفاظ میں لکھی جائے گی کہ اگر ہم کوشش کرتے تو اس متوقع خرابی کو روک سکتے تھے۔''

''خاتونِ قصر!'' یحییٰ برمکی نے کہا۔ ''امیر المومنین کو یہ فیصلہ علمائے کرام ہی کے متوقع احتجاج سے بچنے کے لیے کرنا پڑا تھا۔''

''لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ اس وقت ہمارے بڑے صاحب زادے کی زندگی کے تیور علمائے کرام کے علم میں نہیں تھے، اب انھیں سب کچھ معلوم ہو چکا

Marfat.com

ہے۔ موسیٰ کی طرف سے اُن کی بدظنی میرے علم میں بھی آ چکی ہے۔‘‘

’’آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں خاتونِ قصر!‘‘ یحییٰ نے پوچھا۔

’’آپ قاضی القضاۃ اور دیگر علما سے ملاقاتیں کیجیے! انھیں پوری طرح آمادہ کر لیجیے کہ وہ ولی عہدِ اوّل کی حیثیت سے موسیٰ کی برطرفی کے معاملے میں یک رائے و یک سُو ہو جائیں تا کہ امیرالمومنین واپس آتے ہی اپنا دوسرا فیصلہ صادر کرتے ہوئے اُن کی وجہ سے ذرا بھی ہچکچاہٹ کا شکار نہ ہوں۔‘‘

یحییٰ برمکی سوچ میں پڑ گیا۔

خیزران کچھ توقف سے بولی۔ ’’میں آپ کے جواب کی منتظر ہوں محترم یحییٰ!‘‘

’’خاتونِ قصر!‘‘ یحییٰ نے تذبذب سے جواب دیا۔ ’’میرے حق میں بہتر ہو گا اگر آپ مجھے اس معاملے سے الگ رکھیں گی۔‘‘

’’آپ کس سے خائف ہو رہے ہیں؟‘‘ خیزران حیرت سے بولی۔

’’شہزادہ موسیٰ سے۔‘‘ یحییٰ نے صاف صاف جواب دیا۔ ’’میں اُن کی آنکھ میں اس وقت سے کھٹک رہا ہوں جب مجھے شہزادہ ہارون الرشید کا اتالیق مقرر کیا گیا تھا۔ اب تو مجھ سے اُن کی بدظنی اور زیادہ بڑھ چکی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے وہ طنزاً مجھ سے یہ بھی فرما چکے ہیں کہ میں اپنے شاگرد رشید کو ولی عہدِ اوّل بنانے کا خواب دیکھنا چھوڑ دوں۔ میں اُن کی بات سن کر حیران رہ گیا تھا۔ میں نے کبھی کسی سے اس موضوع پر گفت گو تو کیا، ایک جملہ تک نہیں کہا۔ میری طرف سے اُن کے کانوں میں یہ زہر نہ جانے کس نے اُنڈیلا ہے!‘‘

’’جب سے وہ ولی عہدِ اوّل بنا ہے، اس کے کاسہ لیسوں کی تعداد خاصی بڑھ گئی ہے جن میں آپ کے مخالف بھی ہوں گے۔ میں بہت صاف دلی سے کہہ رہی ہوں محترم یحییٰ کہ آپ ایک اچھے انسان ہیں اور اگرچہ اچھے انسانوں کے دوست بہت ہوتے ہیں لیکن دشمنوں کی بھی کمی نہیں ہوتی۔‘‘

’’کیا آپ میرے ان دشمنوں میں ایک بڑے دشمن کا اضافہ کرنا چاہتی ہیں خاتونِ قصر؟ ہاں اگر آپ مجھے اس معاملے میں ملوث کرنا ناگزیر سمجھ رہی ہیں تو میں ایک

Marfat.com

بڑے دشمن کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔"
"بڑے دشمن سے آپ کا اشارہ موسیٰ کی طرف ہے نا!"
"جی!"
"لیکن امیر المومنین کی پشت پناہی آپ کو ہمیشہ حاصل رہے گی۔"
"میں اپنی ذات کے لیے خوف زدہ نہیں ہوں خاتونِ قصر!" یحییٰ برمکی نے کہا۔ "میں پچاس برسوں سے زیادہ کے تلخ و شیریں ذائقے چکھ چکا ہوں۔ اب اگر مزید کچھ مقدر میں نہ ہو تو مجھے چنداں افسوس نہ ہوگا۔ میرے سامنے دراصل میری اولادیں ہیں۔ نشانۂ انتقام تو وہ بنیں گی۔"
"موسیٰ ولی عہدِ اوّل نہیں رہے گا۔"
"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ شہزادے تو ہیں۔ اُن کی شہزادگی تو ختم نہیں ہو جائے گی! اُن کے کچھ اختیارات تو ہیں اور رہیں گے اور میں شہزادہ ہارون الرشید کے مزاج سے بہ خوبی واقف ہوں۔ وہ ولی عہدِ اوّل بن کر بھی بڑے بھائی کا احترام کرتے رہیں گے۔"
"اچھا!" خیزران نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "آلِ برمک میرے لیے کسی طرح بھی اپنے عزیزوں سے کم نہیں۔ مستقبل میں آپ کی اولادوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ اب آپ مجھے کم از کم مشورہ تو دیں کہ میرا اگلا قدم کیا ہو!"
"بہت سامنے کی بات ہے خاتونِ قصر!" یحییٰ نے کہا۔ "آپ محترم قاضی القضاۃ کو بلا کر بات کر لیجیے۔ باقی لوگوں کو وہ خود ہموار کر لیں گے۔"
"اُنھیں طلب کرنا کیا میری بے ادبی نہیں ہوگی؟"
"اوہ، یہ میں کیا کہہ گیا!" یحییٰ برمکی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ پھر اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اُنھیں طلب کرنا واقعی بے ادبی ہوگی۔ اُن کا احترام تو خود امیر المومنین کرتے ہیں۔ غالباً آپ کی خواہش کے مطابق عمل کرنے سے گریز نے میرے دماغ پر اتنا دباؤ ڈالا ہے کہ میرے منہ سے یہ غلط بات نکل گئی۔"
"اپنے دماغ پر بوجھ لے کر مجھے شرمندہ نہ کیجیے!" خیزران نے کہا۔ "دراصل

Marfat.com

مجھے ہی یہ سب کچھ سوچ لینا چاہیے تھا جو آپ نے مجھے بتایا ہے۔ واقعی آپ کو اس معاملے میں ملوث کرنا مناسب نہیں اور محترم قاضی صاحب کو طلب کرنا بھی میری بے ادبی ہوگی۔ ہاں ایک صورت ہوسکتی ہے۔ آپ اُن سے مل کر بس ذکر کر دیجیے کہ میں کسی مسئلے پر اُن سے گفت گو کرنا چاہتی ہوں مگر انھیں طلب کرنا اپنی بے ادبی سمجھتی ہوں اور یہ بھی میرے لیے مشکل ہوگا کہ قصر الذہب سے نکل کر اُن کے پاس جاؤں۔ میرا خیال ہے کہ اتنا جاننے کے بعد وہ ضرور خود ہی مجھ سے ملنے آجائیں گے۔"

خیزران کا خیال بالکل درست تھا لیکن یحییٰ کو یہ طریقۂ کار بھی اپنے لیے مخدوش نظر آیا۔ موسیٰ کو یہ بات ضرور معلوم ہو جاتی کہ وہ خیزران اور قاضی القضاۃ کے رابطے کا درمیانی ذریعہ بنا تھا لیکن یہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود اب یحییٰ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ مزید انکار کرسکتا۔ وہ اجازت لے کر قصر الذہب سے رخصت ہوگیا۔

خیزران اب خاصی مطمئن تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ موسیٰ کو ولی عہدِ اوّل کے منصب سے ہٹانے میں کام یاب ہو جائے گی لیکن اُس کے مقدر میں یہ تھا کہ اپنے یقین کو اس طرح ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتے دیکھے کہ اُس کا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور ساری زندگی کا سوگ بھی اس کا مقسوم بنے۔

مہدی شکار پر اس لیے نہیں گیا تھا کہ قصر الذہب میں واپس بھی لوٹے۔ شکار کھیلتے ہوئے وہ قلانچیں بھرتے ایک ہرن کے تعاقب میں تھا۔ وہ ہرن ایک درّے میں داخل ہوگیا۔ مہدی نے اپنا برق رفتار گھوڑا بھی اس درّے میں ڈال دیا۔ لیکن درّہ کچھ ہی آگے سے اتنا تنگ تھا کہ نہ تو مہدی تیز رفتار گھوڑے کو روک سکا، نہ گھوڑا خود رک سکا۔ نتیجہ یہ گھوڑے کی ہڈیاں پسلیاں بھی دو چٹانوں کے بیچ میں پس کر رہ گئیں اور خود مہدی کا بھی یہ حال ہوا کہ اپنی شکستہ ہونے والی ہڈیوں کے ساتھ اُس کا کاسۂ سر بھی چیخ گیا۔ موت نے اُسے یہ سوچنے کی بھی مہلت نہ دی کہ واقعہ کیا ہوا تھا۔

شکار گاہ کیوں کہ ماسبدان میں تھی اس لیے یہ خبر بغداد سے پہلے جرجان میں موسیٰ کو ملی۔ اس کے لیے وہ خبر، اندوہناک نہیں، ایک مژدہ تھی۔ وہ نہایت برق رفتاری سے بغداد روانہ ہوگیا۔ ماسبدان سے یہ خبر لے جانے والا قاصد جب بغداد پہنچا، اس

Marfat.com

وقت موسیٰ بغداد کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ اُسے اتنی عجلت اس لیے تھی کہ وہ خود بدنیت تھا۔ اُسے خیال آیا تھا کہ اُس کی عدم موجودگی میں ہارون الرشید کوئی کاروائی نہ کر بیٹھے۔

قصر الذّہب میں وہ خبر وزیرِ سلطنت کو دی گئی۔ اس زمانے میں وزیرِ سلطنت کا عہدہ فیصل بن ابی صالح کے پاس تھا۔ اُس نے بڑی ذہانت سے کام لیا اور وہ خبر فوری طور پر حرم سرا تک نہیں جانے دی ورنہ وہاں خیزران کو سنبھالنا کسی کے بس میں نہ ہوتا۔ فیصل بن ابی صالح نے اس سانحے سے سب سے پہلے یحییٰ برمکی کو مطلع کیا تاکہ اُس کی تینوں بیویاں ہی یہ منحوس خبر حرم سرا اور خصوصاً خیزران تک پہنچائیں۔

اگر فیصل نے یہ عقل مندی نہ کی ہوتی تو یہ امر تعجب خیز نہ ہوتا کہ خیزران بھی خود کو ہلاکت میں ڈال دیتی۔ فاطمہ، زینب اور عتابہ کے لیے بھی اُسے سنبھالنا آسان ثابت نہیں ہوا۔ وہ ایک دیوار سے ٹکرا کر اپنا سر ہی پھاڑ لیتی اگر عتابہ نے اپنا ہاتھ اُس کے سر اور دیوار کے درمیان حائل نہ کر دیا ہوتا۔

حرم سرا میں کہرام مچ گیا۔ مہدی کی سبھی بیویاں اور بچے پھوٹ پھوٹ کر اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے تھے۔

اِدھر موسیٰ بغداد میں داخل ہوا اور اُدھر ہارون الرشید کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا ماسبدان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ خبر ملنے کے بعد اُسے ماں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوسکی تھی۔ فیصل بن ابی صالح اور یحییٰ برمکی سے اُسے علم ہوگیا تھا کہ عتابہ، فاطمہ اور زینب حرم سرا میں پہنچ چکی تھیں۔

پھر جب شہرِ بغداد کے گھر گھر میں ماتم بپا ہوا، اس وقت موسیٰ فیصل بن ابی صالح کو حکم دے رہا تھا کہ فوراً اُمرائے دربار اور منصب دارانِ سلطنت کو طلب کیا جائے تاکہ وہ ان سے اپنی خلافت کی بیعت لے سکے۔

بغداد کے بعد یہ خبر سلطنت کے دوسرے شہروں تک پھیلی اور صفِ ماتم طویل سے طویل تر ہوتی چلی گئی۔ مہدی کو عوام میں بے حد مقبولیت حاصل تھی۔

ہارون الرشید جب ماسبدان پہنچا تو مہدی کے لوتھڑا جسم کو بہ مشکل تمام غسل دے کر کفنایا جا چکا تھا۔ لاش کی حالت دیکھ کر ہارون الرشید کی حالت غیر ہوگئی تھی لیکن

Marfat.com

اس نے کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالے رکھا اور فیصلہ کیا کہ اس حالت کو پہنچی ہوئی لاش کو بغداد لے جانا قطعی مناسب نہیں ہوگا۔ خیزران کے لیے اپنے شوہر کی لاش اس حالت میں دیکھنا ناقابلِ برداشت ہوتا۔

مہدی کی تدفین ماسبدان ہی کے ایک قریے ''رذ'' میں کردی گئی۔

ہارون الرشید جب واپس بغداد پہنچا تو موسیٰ ''الہادی'' کے لقب سے خلافت کے تخت پر متمکن ہو چکا تھا اور اس نے دس دن کے سوگ کا اعلان کردیا تھا۔ ایک رسم تھی جو اُس نے پوری کی تھی۔ خود اُس کے چہرے پر رنج وغم کا شائبہ تک نہ تھا۔

اب ہارون الرشید ماں سے ملا جو سیاہ لباس میں تھی۔ اُس کی آنکھیں حد درجہ سرخ لیکن آنسو خشک ہو چکے تھے۔ بال بکھرائے، سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ ہارون الرشد کو یوں تکنے لگی جیسے کسی اجنبی کو دیکھ رہی ہو۔ اس وقت ہارون الرشید کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ زار وقطار آنسو بہاتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کسی ننھے سے بچے کی طرح ماں کے سینے سے لگ گیا۔

سابق شہزادہ موسیٰ اور حالیہ خلیفہ الہادی نے دس روز کے سوگ کا اعلان کیا تھا لیکن خیزران اپنے اوپر زندگی بھر کا سوگ طاری کر چکی تھی۔ اُس نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کرلیا۔ زینب، عتابہ اور فاطمہ میں سے کوئی نہ کوئی ہمہ وقت اُس کے پاس ہوتی تھی لیکن کمرے میں پُر ہول سکوت طاری رہتا تھا۔ خیزران گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ لگ بھگ بیس دن بعد اُس کی آواز سنی گئی۔

''میں بیوہ ہوگئی ہوں نا عتابہ؟'' آواز دھیمی اور لہجہ سپاٹ تھا۔

''میرے مہدی تو چلے گئے۔'' خیزران نے کچھ رک کر کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔ ''اب سلطنتِ عباسیہ کی دیکھ بھال کون کرے گا! موسیٰ تو اس قابل نہیں ہے۔''

عتابہ خاموش رہی۔ خاموش ہی رہ سکتی تھی۔

''عتابہ!'' خیزران پھر بولی۔ ''اس کمرے کے باہر، اس قصر کے باہر، اس شہر کے باہر، اس سلطنت میں۔'' وہ رکی، پھر کہا۔ ''مجھے علم نہیں، کہاں کیا ہو رہا ہے۔ ہارون آتا ہے تو خاموش بیٹھا رہتا ہے۔ میں پوچھوں گی تو بھی وہ نہیں بتائے گا۔ مجھے کچھ اندازہ

Marfat.com

ہے، کہاں کیا ہو رہا ہوگا۔ اس وقت موسیٰ کے بعد سب سے زیادہ بااختیار کون ہے؟''

''وزیرِ سلطنت فیصل بن ابی صالح۔'' عتابہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔ ''انھیں برقرار رکھا گیا ہے۔''

''تو پھر بات اُن تک پہنچا دو۔ اُن سے کہا جائے کہ وہ مجھے باخبر رکھیں۔ یہ بھی کہا جائے کہ یہ خاتونِ قصر کا حکم ہے۔''

عتابہ نے یہ بات یحییٰ برمکی کو پہنچا دی۔ یحییٰ نہیں چاہتا تھا کہ خیزران کو ان حالات سے باخبر رکھا جائے لیکن پیام وزیرِ سلطنت تک پہنچانا اُس کا فرض تھا۔ اس نے فرض ادا کیا، تاہم یہ بھی کہا۔

''لیکن بہتر یہ ہوگا کہ اُن کے قلب حزیں کو اور لہولہان نہ کیا جائے۔''

''اب مجھے حکم مل گیا ہے تو انھیں باخبر رکھا جائے گا یحییٰ!'' فیصل بن ابی صالح نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ''ایک وہی تو ہیں جن کی وجہ سے میں نے اب تک اپنے منصب سے استعفیٰ نہیں دیا ورنہ اکیس سال کے نوجوان اور عیاش خلیفہ کا وزیر بنا رہنا میرے لیے ایک کڑے امتحان سے کم نہیں۔ جب خاتونِ قصر عدّت کے زمانے سے نکل آئیں گی تو میں انھی سے اجازت طلب کروں گا۔''

اور اس طرح خبریں خیزران تک پہنچنے لگیں۔ سلطنت کا حال ابتر ہوتا جا رہا تھا۔ خلیفہ الہادی کو اُمورِ سلطنت پر توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔ اُس نے قصر الذّہب کو اپنی عشرت گاہ بنا لیا تھا۔ وہاں گھنگرو چھنکنے لگے تھے، پائلیں بجنے لگی تھیں، شراب کو پانی سمجھ لیا گیا تھا۔

سلطنت کی بہتری کے لیے اگر کچھ کام ہوئے تو وہ فیصل بن ابی صالح کی کوششوں سے ہوئے لیکن کاسہ لیسوں نے اُس کا سہرا اپنے آقا، خلیفہ ہادی کے سر باندھا۔ فیصل بن ابی صالح نے اُس کی تردید ضروری نہیں سمجھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے فاطمہ؟'' کوئی خبر سن کر خیزران نے کہا۔

فاطمہ کچھ نہیں بولی۔ وہ اور زینب بھی عتابہ کی طرح خاموش ہی رہتی تھیں۔ یہ ان تینوں کے لیے یحییٰ برمکی کا حکم تھا۔

Marfat.com

''عجیب بات ہے۔'' خیزران بڑبڑائی۔ ''میں نے تو سنا تھا، ایسے فرماں رواؤں پر خدا کا قہر نازل ہو جاتا ہے۔''

فاطمہ نے اس پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اچانک دروازہ کھول کر زینب اور عتابہ اندر آئیں۔ دونوں بہت گھبرائی ہوئی تھیں۔ فاطمہ اُن کی حالت دیکھ کر چونکی۔ خیزران نے بھی زینب اور عتابہ کی طرف دیکھا۔

''خیریت!'' خیزران کا لہجہ سپاٹ تھا۔

زینب نے روہانسی آواز میں بتایا کہ خلیفہ موسیٰ الہادی نے اچانک یحییٰ برمکی کو طلب کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی فاطمہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

موسیٰ ہادی نے تختِ خلافت پر بیٹھنے کے دوسرے دن حکم صادر کیا تھا کہ اگر یحییٰ برمکی اذن باریابی چاہے تو اُسے اجازت نہ دی جائے اس لیے اب اچانک اس کی طلبی تشویش ناک بات تھی۔

خیزران نے وہ خبر سنی تو خلا میں تکنے لگی۔ اُس کا چہرہ سپاٹ ہی نظر آتا رہا تھا۔

اس وقت موسیٰ ہادی کی زہر آلود نگاہیں یحییٰ برمکی پر جمی ہوئی تھیں جو اُس کے سامنے نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

''یحییٰ!'' موسیٰ ہادی غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''تمھاری ایک حرکت کو ہم درگزر کیے ہوئے تھے لیکن آج ایک اور اطلاع ملی ہے اور شاید دیر سے ملی ہے۔ تمھارے مشورے پر فیصل ابن ابی صالح خاتونِ قصر کو کچھ غلط اطلاعات فراہم کر رہا ہے۔''

''میں نے اُسے ہرگز ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا۔'' یحییٰ برمکی نے بے خوف لہجے میں جواب دیا۔

''جھوٹ بول رہے ہو۔ موسیٰ ہادی گرجا۔

یحییٰ برمکی نے خاموشی اختیار کی۔

''اور۔'' موسیٰ ہادی نے پہلو بدلا۔ ''کیا اس کا اعتراف بھی نہیں کرو گے کہ تم نے ہمارے بجائے ہارون کو تختِ خلافت پر بٹھانے کی سازش کی تھی۔''

''بے شک میں ایسا کوئی اعتراف نہیں کروں گا۔'' یحییٰ برمکی نے کہا۔ ''میں نے

Marfat.com

ایسی کوئی سازش نہیں کی۔"

"ہمارے باپ کی موت سے ایک دن پہلے تم خاتونِ قصر سے نہیں ملے تھے؟"

یحیٰ برمکی کو اب چپ رہنا پڑا۔

موسیٰ ہادی تلملائے ہوئے انداز میں بولا۔"اور اسی شام تم نے قاضی القضاۃ کو بھی اس سازش میں شامل نہیں کیا تھا؟"

یحیٰ نے جواب دیا۔"میں نے صرف ایک پیغام بر کا فرض ادا کیا تھا۔"

"پیغام کیا تھا؟"

یحیٰ کو پھر خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

"جواب دو۔"

یحیٰ خاموش!

موسیٰ ہادی گرجا۔"ہمارے حکم کی تعمیل کرو، جواب دو۔"

یحیٰ اب بھی خاموش رہا۔

غیظ وغضب سے موسیٰ ہادی کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔اُس نے صراحی اُٹھا کر جام بھرا، اُسے ایک ہی سانس میں خالی کیا، پھر غصے میں جام کو دیوار پر دے مارا اور تالی بجائی۔

ایک سہما ہوا سا غلام اندر آیا۔

موسیٰ ہادی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔"ہم نے تمھیں حکم دیا تھا کہ داروغۂ زنداں کو طلب کیا جائے، اور اس کے ساتھ زنداں کے سپاہیوں کو بھی!"

فوراً دروازے کی طرف سے آواز آئی۔"میں حاضر ہو چکا ہوں امیر المومنین!"

موسیٰ ہادی نے دروازے کی طرف دیکھا۔"اندر آجاؤ۔"

دواروغۂ زنداں اندر آ گیا۔اس کے ساتھ سپاہی بھی تھے۔

موسیٰ ہادی نے یحیٰ برمکی کو گھورتے ہوئے کہا۔"فیصل بن ابی صالح آج بغداد میں نہیں ہے۔کسی کام سے گیا ہوا ہے۔آ جائے گا تو ہم اسے بھی تمھارے پیچھے روانہ کردیں گے۔تم نے ہمارے سوالوں کا جواب نہیں دیا جب کہ ہم نے تمھیں جواب دینے کا حکم دیا تھا۔تم نے تعمیل نہیں کی، سو تم سزاوارِ اجل ٹھہرے ہو۔"

Marfat.com

اب پہلی مرتبہ یحییٰ برمکی نے نظریں اُٹھا کر موسیٰ ہادی کی طرف دیکھا اور بولا۔
''اس وقت سے ڈریے جب آپ کو ایک عدالت میں جانا پڑے گا۔''

''قاضی القضاۃ کی عدالت!'' موسیٰ ہادی نے حقارت سے کہا۔ ''ہم اس بوڑھے کی بھی گردن اُڑا سکتے ہیں۔''

یحییٰ برمکی نے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ قاضی القضاۃ کی عدالت آپ کی نظر میں کسی اہمیت کی حامل نہیں ہوگی۔ اسی لیے میں اُس کی نہیں، کائنات کی سب سے بڑی عدالت کی بات کر رہا ہوں۔''

موسیٰ ہادی کا منہ کھلا۔ پھر بند ہو گیا۔ شاید وہ کچھ کفر بکتے بکتے ڈر کر رک گیا۔ یحییٰ کو حیرت ہوئی۔ موسیٰ جیسے خود بین و خود آرا شخص کے دل میں تو کسی کا بھی خوف نہیں ہونا چاہیے تھا۔

موسیٰ ہادی نے ہاتھ ایک جھٹکے سے یحییٰ کی طرف اُٹھایا۔ اُس کی اُنگلی کا اشارہ بھی یحییٰ کی طرف تھا۔ اُس نے زنداں کے داروغہ کی طرف دیکھتے ہوئے حکم صادر کیا۔ ''لے جاؤ اس کاذب کو، اس سازشی کو، اور صبح فجر کے وقت تک کے لیے زنجیروں میں جکڑ دو۔ ہم پسند کریں گے کہ عین فجر کے وقت اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ فجر کے وقت اس لیے کہ۔'' وہ رکا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''اس کے کٹے ہوئے سر کو آخری وقت میں اپنے خالق کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا موقع تو مل جائے۔''

داروغہ زنداں کے اشارے پر سپاہی یحییٰ برمکی کی طرف بڑھے۔

جب یحییٰ برمکی کو زنداں کی کوٹھری میں زنجیروں سے جکڑا جا رہا تھا، اس وقت کسی طرح یہ خبر بھی خیزران کے کمرے تک پہنچ گئی۔ فاطمہ، زینب اور عتابہ اس وقت بھی وہیں تھیں۔ اُن کے چہرے پر سفید پڑ گئے۔

یکا یک عتابہ عالمِ بے حواسی میں اُٹھی۔ ''میں دہائی دوں گی۔'' وہ چیخی۔ ''میں قاضی القضاۃ کے در پر سر پٹخوں گی۔''

''میں بھی۔'' زینب بھی اُٹھی۔

''میں بھی۔'' فاطمہ بھی اُٹھی۔

Marfat.com

وہ تینوں ہی اپنے حواس گم کر چکی تھیں۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔ خیزران سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی خلا میں گھورتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ جب فرعونیت کا دور دورہ ہو جائے تو قاضی القضاۃ سا بے بس بھی کوئی اور کیا ہوتا ہوگا!

موسیٰ ہادی کے عیش کدے میں اس رات بھی جام چھلک رہے تھے، قہقہے بکھر رہے تھے اور خوب صورت کنیزوں کی پائلیں بج رہی تھیں۔ دف کی تھاپ پر اُن کا رقص جاری تھا۔ اس محفل میں موسیٰ ہادی کی خوشامد کو اپنے لیے عبادت کا درجہ دینے والے بھی موجود تھے۔ دو کنیزیں موسیٰ ہادی کے پہلوؤں میں بیٹھی تھیں۔

رات گئے موسیٰ ہادی کے اشارے پر وہ محفل ختم ہوئی۔

''اب ہم آرام کریں گے۔'' موسیٰ ہادی ڈگمگاتا ہوا اُٹھا۔

اُس کے پہلوؤں میں بیٹھی ہوئی خوب صورت کنیزوں نے اُسے سہارا دیا۔ موسیٰ ہادی نے اپنے ہاتھ اُن کے شانوں پر پھیلا دیے اور ہنس کر بولا۔ ''ہم نے آج رات کے لیے تم دونوں کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ تم پر ہماری نوازشات کے در اب تک نہیں کھلے۔''

دونوں کنیزیں بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ موسیٰ ہادی اُن کے شانوں پر ہاتھ رکھے، کسی حد تک ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ وہاں سے نکلا اور اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھا۔ اُس کی ڈگمگاہٹ اتنی زیادہ نہیں تھی کہ اُسے سہارے کی ضرورت ہوتی لیکن وہ اس وقت نسوانی تپش کی قربت کا خواہش مند تھا۔

خواب گاہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے داروں نے شاید نیم عریاں کنیزوں کو دیکھ کر موسیٰ ہادی کی طرف سے نظریں چرا لیں۔

''آج۔'' موسیٰ نے ہنس کر اُن کنیزوں سے کہا۔ ''ابھی ابھی خیال آیا ہے۔ ہم فجر تک جاگیں گے، اور پھر تم دونوں کو ایک خوب صورت منظر دکھانے لے چلیں گے۔''

''خوبصورت منظر؟'' ایک کنیز کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''ہاں۔'' موسیٰ ہادی نے کہا۔ ''تم نے کسی کے سر کو اُس کے جسم سے جدا ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔''

دونوں کنیزوں کے چہرے فق پڑ گئے۔

Marfat.com

''ڈر کیوں گئیں؟'' وہ ہنسا۔ ''وہ تم دونوں کے سر نہیں ہوں گے۔''

اس وقت وہ ان دونوں کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر دوسرا قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ بالکل سامنے خیزران کھڑی تھی۔ جسم پر اس وقت بھی سیاہ لباس تھا۔

دونوں کنیزیں بوکھلا کر موسیٰ ہادی سے الگ ہوئیں اور کمرے سے نکل گئیں۔ موسیٰ ہادی ساکت کھڑا خیزران کی طرف دیکھتا رہا۔ خیزران بھی ساکت کھڑی تھی۔ یکایک اُس کا ہاتھ دروازے کی طرف اُٹھا۔

''تو اب صرف یہ رہ گئی ہے تمھاری زندگی؟'' خیزران کا اشارہ انھی کنیزوں کی طرف ہوسکتا تھا جو اسے دیکھ کر بھاگ گئیں تھیں۔ ''یا پھر یہ!'' اس بار اُس نے اس جانب اشارہ کیا جہاں ایک جام اور شراب کی صراحی رکھی ہوئی تھی۔

موسیٰ ہادی نے منہ بنایا۔ ''ختم ہوگئی آپ کی عدت؟''

''میری عدت تو ساری زندگی ختم نہیں ہوگی موسیٰ'' خیزران نے کہا۔ ''میں نے فیصلہ کیا تھا کہ بقیہ زندگی کمرے کے اسی گوشے میں گزار دوں گی۔ وہ گوشہ مہدی کو بہت پسند تھا۔ وہاں جو دریچہ ہے، اس سے غروبِ آفتاب کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ میں وصیت کر جاتی کہ جس طرح بھی ممکن ہو، میری قبر وہیں بنائی جائے لیکن آج تم نے مجھے اس گوشے سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

''میں نے؟'' موسیٰ ہادی تعجب سے بولا۔

''ہاں۔ تم نے!'' خیزران نے کہا۔ ''تم نے محترم یحییٰ کو موت کی سزا سنادی ہے۔''

''شکر کریں کہ آپ کو نہیں سنائی!''

''خوب!'' کئی ماہ بعد پہلی مرتبہ خیزران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھری جو بہت زہریلی تھی۔ ''مجھے سزا کیوں نہیں سنائی موسیٰ؟ کیا ان چھاتیوں سے پیے ہوئے دودھ کا خیال آ گیا تھا؟''

''مجھے کسی کا خیال نہیں آیا تھا۔'' موسیٰ ہادی اب جھنجھلا گیا۔ ''کیوں آتا مجھے اس کا خیال؟ کوئی احسان نہیں کیا تھا آپ نے مجھ پر، جو ماں کا فرض ہوتا ہے، وہی ادا کیا تھا۔''

Marfat.com

''صحیح کہا تم نے!'' خیزران کا چہرہ پھر سپاٹ ہو گیا۔ ''مان لیتی ہوں کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا تھا۔ اب تم بھی اپنا فرض ادا کرو۔''

''کیسا فرض؟'' موسیٰ کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خیزران کو اپنی خواب گاہ میں دیکھنے کے بعد اس کا نشہ آدھا بھی نہیں رہا تھا۔

خیزران نے جواب دیا۔ ''اس بیٹے کی اطاعت کا فرض جسے ماں اپنا دودھ پلا کر اپنا فرض ادا کر چکی ہے۔''

''نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ چلی جائیں یہاں سے۔'' موسیٰ اس طرف بڑھا جہاں شراب کی صراحی رکھی تھی۔

''نہیں موسیٰ!'' خیزران بولی۔ ابھی تم نہیں پیو گے۔ غفلت کی گود میں جانے سے پہلے اس فرمان پر اپنی مہر لگا دو۔''

''کیسا فرمان؟'' شراب کی صراحی کی طرف بڑھتے ہوئے موسیٰ نے سر گھما کر خیزران کی طرف دیکھا۔

''یہ میں نے لکھا ہے۔'' خیزران نے ہاتھ اُٹھا کر فرمان لہرایا۔ ''یہ میری تحریر میں ہے لیکن اس پر خلیفۂ وقت کی مہر لگنا ضروری ہے۔''

''کیسا فرمان ہے یہ؟'' موسیٰ ہادی نے اُلجھ کر پوچھا۔

''پروانۂ آزادی ہے یہ۔'' خیزران نے کہا۔ ''محترم یحییٰ کے لیے۔''

''نہیں۔'' موسیٰ ہادی تیز لہجے میں بولا۔ ''یحییٰ کو آزادی نہیں ملے گی۔ صرف موت ہی اُس کا مقدر ہے۔'' اس نے صراحی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''موت کی طرف ہاتھ تم بڑھا رہے ہو موسیٰ!'' خیزران بولی۔

''موت'' موسیٰ نے ہنس کر صراحی اُٹھالی پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''شاید آپ بھول گئیں کہ یہ آپ کے شوہر بھی پیتے تھے۔''

''وہ اتنی نہیں پیتے تھے کہ وہ ان کے لیے موت بن جائے۔'' خیزران نے کہا۔ پھر بولی۔ ''اس فرمان پر مہر لگا دو موسیٰ! بیٹے پر ماں کی اطاعت فرض ہے۔''

''نہیں ہو سکتا یہ!'' موسیٰ ہادی نے جام میں شراب اُنڈیلتے ہوئے کہا، پھر

Marfat.com

جھنجھلا کر بولا۔ ''آپ اندر آئیں کیسے؟ پہرے داروں نے آپ کو آنے کیسے دیا؟''

''خاتونِ قصر کو روکنے کی ہمت وہ کیسے کر سکتے تھے؟''

موسیٰ ہادی نے نہایت مشتعل لہجے میں پہرے داروں کو پکارا۔ وہ فوراً مگر سہمے ہوئے اندر آئے۔

''تم نے انھیں یہاں آنے کیسے دیا؟'' موسیٰ ہادی نے گرج کر پوچھا۔

''یہ...... یہ......'' ایک پہرے دار نے جواب دینے کی ہمت کی۔ ''خاتونِ قصر ہیں یہ۔''

''اور میں خلیفۂ وقت ہوں۔'' موسیٰ ہادی نے دانت پیس کر کہا۔ ''میں تمھاری گردنیں بھی کٹوا سکتا ہوں۔''

پہرے داروں کے چہرے فق پڑ گئے۔

''لے جاؤ انھیں یہاں سے!'' موسیٰ نے پھر گرج کر کہا۔ ''اور اسی کمرے میں لے جا کر بند کر دو جہاں یہ تھیں۔''

خیزران ساکت کھڑی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پہرے دار اُس کی طرف بڑھے مگر ان کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ موسیٰ ہادی نے غصے سے اُن کی طرف دیکھا، پھر ایک ہی سانس میں جام حلق میں اُنڈیل کر اُسے دوبارہ بھرتے ہوئے بولا۔ ''اگر یہ دوسرا جام ختم ہونے سے پہلے تم انھیں یہاں سے نہیں لے گئے تو سمجھ لینا کہ یہ رات تمھاری زندگی کی آخری رات ہے۔''

''آخری رات تو یہ تمھاری زندگی کی ہے موسیٰ!'' خیزران بولی۔ ''اور آخری رات اسے تم نے خود بنایا ہے۔ اگر تم اس فرمان پر مہر لگا دیتے تو میں تمھیں شراب نہیں پینے دیتی۔ میں اس میں زہر ملا چکی ہوں۔''

موسیٰ ہادی یک بہ یک کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اسے کچھ نشہ تو بہر حال تھا اور اب وہ مزید ایک جام بھی پی چکا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اگر اس میں زہر ملایا گیا ہوتا تو مجھے نہ بتایا جاتا۔''

پہرے دار تیزی سے خیزران کے قریب آ گئے لیکن خیزران ساکت کھڑی موسیٰ ہادی کی طرف دیکھتی رہی۔

Marfat.com

''چلیے!'' ایک پہرے دار نے خیزران سے کہا۔

خیزران نے اُن کی طرف دھیان نہیں دیا اور بولی ''یہ شراب واقعی زہریلی ہے موسیٰ! بس میں نے اچانک ارادہ بدل دیا تھا۔ مجھے خیال آ گیا تھا کہ اس طرح ماں کی تاریخ مسخ ہو جائے گی۔ اب تک لکھا جاتا رہا ہے کہ ماں اپنی اولاد کو زہر نہیں دے سکتی۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اپنا ارادہ بدلا اور یہیں بیٹھے بیٹھے یہ فرمان لکھا۔ تم اس پر مہر لگا دیتے تو میں تم سے کہتی کہ یہ صراحی پھنکوا دینا۔ یہ صراحی بھی زہریلی ہو چکی ہو گی، لیکن جب تم نے پہرے داروں کو کڑے تیوروں سے حکم دیا تو میں سمجھ گئی کہ تم میری بات ہر گز نہیں مانو گے۔ پہلے میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ تم موت کی طرف بڑھ رہے ہو لیکن جب محسوس ہوا کہ......''

موسیٰ ہادی کو بڑے زور کی ہچکی آئی۔ دوسرا جام اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا اور شراب سے قالین کو بھگوتا ایک طرف لڑھکتا چلا گیا۔

خیزران نے اپنی بات مکمل کی۔ ''لیکن جب محسوس ہوا کہ تم میری بات نہیں مانو گے تو میں نے تمھیں شراب پینے سے نہیں روکا۔''

موسیٰ ہادی کا ہاتھ اب سینے پر تھا، جیسے اُسے شدید تکلیف محسوس ہو رہی ہو۔ تکلیف اُس کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی۔ تکلیف کے ساتھ حیرت کا تاثر بھی تھا۔ خیزران کی طرف دیکھتی ہوئی اُس کی آنکھوں میں بھی حیرت تھی۔

پہرے دار اب بوکھلائے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

خیزران موسی ہادی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''صحت بہت اچھی ہے تمھاری۔ ایک جھٹکا برداشت کر گئے تم، لیکن دوسرا جھٹکا شاید برداشت نہیں کر سکو گے۔ دوسری ہچکی کے ساتھ ہی تمھیں خون کی قے ہو گی اور تم گر کر فوراً ہی ہمیشہ کے ساکت ہو جاؤ گے۔ ماں کی تاریخ مسخ ہو جائے گی۔''

شدید تکلیف کے ساتھ موسیٰ ہادی کو دوسری ہچکی آئی اور منہ سے بے تحاشا خون اُبل پڑا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گرا اور ساکت ہو گیا۔ خیزران کی نظریں اب اس کے ساکت جسم پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کے چہرے پر خوشی کا تاثر تھا نہ غم کا!

Marfat.com

پہرے داروں کے چہرے فق پڑ گئے تھے۔

''مر گئے تم!'' خیزران بڑ بڑائی۔ ''زہر ملاتے وقت میں نے یہی سوچا تھا۔ تم مر جاؤ گے تو تمھارے جانشیں کے خلیفہ بننے تک قصر الذّہب پر میرا ہی حکم چلے گا۔ لیکن ایک کم زور لمحہ آیا تو میں ڈگمگا گئی۔ میں فرمان پر مہر لگوا کے یہاں سے چلی جاتی۔ تمھاری قسمت کا فیصلہ وقت پر چھوڑ دیتی۔''

پھر کمرے میں کچھ دیر کے لیے ایک بوجھل سا سکوت چھا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ سکوت بھی خیزران کی آواز سے ٹوٹا۔ اُس نے ایک پہرے دار سے کہا۔

''صرف تم جاؤ اور داروغۂ زنداں کو بلا لاؤ۔''

قصر الذّہب میں یہ خیزران کا پہلا حکم تھا۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔ داروغۂ زنداں حاضر ہو گیا۔ اس نے کمرے کا منظر دیکھا اور اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اُس نے کچھ سمجھا اور خوف زدہ ہو کر خیزران کی طرف دیکھنے لگا۔

''جاؤ۔'' خیزران نے اُس سے کہا۔ ''یحییٰ برمکی کو رہا کر دو۔ انھیں نہایت عزت کے ساتھ اُن کے گھر پہنچا دیا جائے۔''

یہ خاتونِ قصر کا دوسرا حکم تھا!

داروغۂ زنداں تعمیل کرنے کے لیے رخصت ہوا۔

اب خیزران پھر پہرے داروں کی طرف متوجہ ہوئی اور بولی۔ ''اب تم لوگ اپنے مرحوم خلیفہ کی لاش اُٹھا کر بستر پر اس طرح ڈال دو جیسے یہ سو رہا ہو۔ اگر اس کے لباس پر خون کے دھبّے آ گئے ہوں تو لباس تبدیل کر دو۔ خون آلود لباس جلا دو اور اس کے ساتھ یہ خون آلود قالین بھی! یہاں دوسرا قالین بچھا دو۔ کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ رات کے اس پہر میں یہاں کیا ہوا تھا۔ داروغۂ زنداں ذہین آدمی ہے۔ اس نے خود سمجھ لیا ہو گا کہ زبان بند رکھنا ضروری ہے۔''

یہ تیسرا حکم تھا۔ اس کی تعمیل شروع ہو گئی۔

کچھ سوچتے ہوئے خیزران نے ایک پہرے دار سے کہا۔ ''تم ایک اور کام کر ڈالو۔ جا کر ان کنیزوں کو بلا لاؤ جو ذرا دیر پہلے تمھارے مرحوم خلیفہ کے ساتھ یہاں آئی تھیں۔''

Marfat.com

پہرے دار چلا گیا۔ اس حکم کی بھی تعمیل ہوئی۔ کنیزیں حاضر کردی گئیں۔ اُن کے چہرے خوف سے زرد پڑے ہوئے تھے۔

خیزران نے انھیں گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''کسی سے ذکر کرچکی ہو میری یہاں آمد کے بارے میں؟''

کنیزوں نے بولنا چاہا لیکن اُن کی آواز نہیں نکل سکی۔ انھوں نے نفی سے سر ہلادیے۔

''ٹھیک ہے۔'' خیزران نے کہا۔ ''اب جاؤ۔ آئندہ بھی اس کا ذکر تمھاری زبانوں پر نہیں آنا چاہیے۔''

یہ خاتونِ قصر کا ایک اور حکم تھا۔

کنزیں چلی گئیں۔ وہ یقیناً حکم کی تعمیل کرتیں۔ ورنہ کیا ہوتا؟ یہ وہ خوب جانتی ہوں گی۔

تیسرے حکم کی تعمیل میں پہرے دار مصروف رہے۔ اس کام کی تکمیل میں اتنا وقت لگا کہ ایک دریچے سے افق پر پھوٹنے والی سفیدی نظر آنے لگی۔

''اب تم پہرے داری کا فرض انجام دیتے رہو۔'' خیزران نے پہرے داروں سے کہا۔

قصر الذہب میں یہ خاتونِ قصر کا آخری حکم تھا۔

خیزران کمرے سے نکلی۔ ابھی اسے ایک کام اور کرنا تھا۔

بے خبر سوتا ہوا ہارون الرشید ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اُسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا تھا۔

''اُم!'' وہ خیزران کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

خیزران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھایا، اُسے لے کر باہر نکلی اور بہ دستور اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک طرف بڑھتی رہی۔

''اُم!'' اس مرتبہ ہارون الرشید نے کچھ استفسار کرنا چاہا تھا۔

خیزران نے اُسے گھور کر دیکھا، پھر سامنے دیکھتی ہوئی چلتی رہی۔ اُس کے بعد ہارون الرشید کچھ بولنے کی ہمت نہیں کرسکا۔

صبح قریب تھی لیکن ابھی قصر الذہب پر چھائے ہوئے سناٹے میں پہرے

Marfat.com

داروں کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی جو قصر میں ہر جگہ موجود تھے۔

انھوں نے سیاہ لباس پہنے ہوئے خیزران اور پریشان ہارون الرشید کو دیکھا اور دیکھ کر رہ گئے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ محلات میں رات کی تاریکیاں بہت سے رازوں کی امین ہوتی ہیں اور اگر وہ کسی ایسے راز سے واقف ہو جائیں تو ان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہونٹوں پر قفل لگا لیں۔ وہ قفل ہی ان کی زندگی کے ضامن ہوتے ہیں۔

خیزران ہارون الرشید کو لیے ہوئے دربار میں داخل ہوئی جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ مسندیں خالی پڑی تھیں۔

تختِ خلافت پر ایک خلعت رکھی ہوئی تھی۔ وہ خلعت جو صرف خلفائے عباسیہ ہی پہن سکتے تھے۔ خیزران نے ایک نظر ہارون الرشید پر ڈالی، پھر خلعت کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔ ''یہ پہن لو۔''

اس کے بعد وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہوگئی۔

حیران اور پریشان ہارون الرشید نے ماں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے خلعت پہن لی۔

اب خیزران نے اُسے تخت پر بٹھایا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی۔
''دولتِ عباسیہ کے چوتھے خلیفہ کے انتقال کے بعد میں پانچویں خلیفہ کی بیعت کرنے والی پہلی عورت کا اعزاز حاصل کر رہی ہوں۔ خدا دولتِ عباسیہ کے پانچویں خلیفہ کا اقبال بلند کرے۔''

ہارون الرشید دم بہ خود رہ گیا۔ قصر الذہب کی تاریخ میں ایک اور باب کا آغاز ہو چکا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

عہدِ ہارون

قصرِ الذہب کے بائیں باغ کی طرف کھلنے والے دریچوں میں سے ایک کھلے ہوئے دریچے سے شہزادی عباسہ نے خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ ایک جوانِ رعنا کو بھی دیکھا۔ وہ دونوں پائیں باغ میں ٹہلتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ چہروں پر سنجیدگی تھی۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا تھا کہ ان دونوں کی گفت گو کسی سنجیدہ موضوع پر تھی۔ وہ جوان رعنا خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عمر ہی معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے زرکار لباس سے بھی یہ بات ظاہر تھی کہ وہ کوئی اہم منصب دارِ سلطنت ہوگا۔ یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ معمولی سطح کا کوئی شخص رات کے وقت قصر کے پائیں باغ میں خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ چہل قدمی کرسکتا ہے۔

پائیں باغ میں لگی ہوئی بے شمار قندیلوں کی روشنی اس حصے کو بھی بقعۂ نور بنائے ہوئے تھی جہاں وہ دونوں گل گشت میں تھے۔

یہ ایک اتفاقی امر ہوسکتا تھا کہ اس جوان رعنا کی نظر ایک مرتبہ اس دریچے کی طرف اُٹھ گئی جہاں شہزادی عباسہ کھڑی تھی۔ وہ اسے بس ایک پل کے لیے دیکھ سکا ہوگا۔ دوسرے پل میں دریچہ بند ہو چکا تھا۔ اس جوان رعنا سے نظریں ملتے ہی عباسہ کا دل یک بار گی اچھل سا پڑا اور دریچہ بند کرنے کے بعد بھی اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہی رہیں۔ یہ خیال اس کے لیے پریشان کن تھا کہ جوان رعنا نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ عباسی خاندان کے باہر کا کوئی شخص خلیفۂ وقت کی حرم سرا میں رہنے والیوں میں سے کسی کو بھی دیکھ لے۔ اس وقت عباسہ کے چہرے پر نقاب بھی نہیں تھا۔

Marfat.com

دھڑکتے دل کے ساتھ عباسہ واپسی کے لیے مڑی اور واپس جانے لگی۔ قصر الذہب کی وہ راہ داری قصر کے بیرونی رخ پر تھی جہاں پہرے دار خواجہ سرا اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔

عباسہ جیسے ہی حرم سرا کے حصے میں داخل ہوئی، کسی نے عقب سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ عباسہ نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھنے والی خیزران تھی، خلیفہ ہارون الرشید کی ماں اور مرحوم خلیفہ المہدی کی بیوی جس نے اپنی اس چہیتی کو ''خاتونِ قصر'' کے لقب سے نوازا تھا۔

خیزران کی عمر اب پینتیس چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کی نوجوانی کے توبہ شکن حُسن و جمال میں اب عمر کے اضافے کے ساتھ رعب و دبدبہ بھی آ گیا تھا۔ وہ اب بھی حرم سرائے خلافت کی سب سے محترم اور خاصے اختیارات رکھنے والی خاتون تھی جب کہ قصر الذہب میں خلیفہ ہارون الرشید کی ایک اور بیوی خاتون زبیدہ کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اس سے بھی ہارون الرشید کو محبت تھی لیکن اس کے اختیارات خیزران سے زیادہ نہیں تھے، بلکہ ابھی کچھ تھے ہی نہیں۔ خود خلیفہ ہارون الرشید اپنی ماں خیزران کا حد درجہ احترام کرتا تھا اور اُمورِ سلطنت میں بھی اسی کے مشورے ہارون الرشید کے لیے مشعلِ راہ کی سی اہمیت کے حامل ہوتے تھے۔ مہدی کی وفات کے بعد بھی اُسے خاتونِ قصر کے لقب سے ہی یاد یا مخاطب کیا جاتا تھا۔ صرف ہارون الرشید ہی اُسے اب بھی صرف ''اُم'' کہہ کر مخاطب کرتا تھا، لیکن دوسروں کے سامنے اس کا ذکر اس کے لقب سے ہی کیا کرتا تھا۔

عباسہ جس نے ابھی سنِ بلوغ میں قدم رکھا ہی تھا، خلیفہ ہارون الرشید کی چھوٹی اور چہیتی بہن تھی لیکن وہ خیزران کے بطن سے نہیں تھی۔ اس نے اس وقت گھبرا کر نظریں جھکا لیں جب خیزران کو تیکھے انداز میں اپنی طرف دیکھتے پایا۔

''عباسہ!'' خیزران بولی۔

''جی۔'' عباسہ کے لہجے میں مردنی آ گئی۔ ''جی خاتونِ قصر!''

''تم اس راہ داری سے آ رہی ہو جہاں حرم سرا کی خواتین کو جانے کی ممانعت

Marfat.com

بے شک نہیں لیکن وہ اس کی مجاز ہرگز نہیں کہ دریچہ کھول کر باہر دیکھیں۔"

عباسہ کے چہرے پر پسینا چمک اُٹھا۔

"میں تمھاری یہ حرکت دیکھ چکی ہوں۔" خیزران پھر بولی۔"اور پہرے پر موجود خواجہ سراؤں نے بھی دیکھا ہوگا۔ وہ تم سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے لیکن یہ بات وہ اپنے داروغہ خواجہ سرا مسرور کے کانوں تک ضرور پہنچائیں گے۔ اس کے ذریعے اس کا علم میرے بیٹے اور خلیفۂ وقت امیرالمومنین ہارون الرشید کو بھی ہو جائے گا۔"

عباسہ کے چہرے پر پسینے کی چمک بڑھ گئی۔

خیزران نے پوچھا۔"نتیجہ جانتی ہو اس کا؟"

عباسہ نے سر اُٹھا کر ایک نظر اُس کی طرف دیکھا وہ کچھ کہنا بھی چاہتی تھی لیکن اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ اس کی نظریں پھر جھک گئیں۔

خیزران پھر بولی۔"تم اپنے بھائی کی بہت چہیتی بہن ہو اس لیے میں بھی تمھیں چاہنے لگی ہوں اور اسی لیے مجھے تمھاری اس حرکت سے پریشانی لاحق ہوئی ہے۔ محل سرا کے اُصول اس محبت سے زیادہ بھاری ہیں جو تمھارے بھائی کو تم سے ہے پھر یہ کہ تمھارا جرم بھی معمولی نوعیت کا نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم عتابِ خلافت سے نہیں بچ سکو گی۔"

عباسہ پر خوف سے لرزہ طاری ہو گیا۔

"مجھے، مجھے بچا لیجیے خاتونِ قصر!" وہ خیزران کے قدموں میں گرنے لگی۔

خیزران نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر اپنے قدموں میں گرنے سے روکا اور اُسے اپنے سینے سے لگا کر سنجیدہ لہجے میں بولی۔"میری بچی!...... میں یقیناً تمھیں معافی دلوا سکتی ہوں لیکن پھر یہ خیال تو خلیفۂ وقت کے دل میں رہ جائے گا کہ مجھے حرم سرا کی حرمت کا پاس نہیں۔"

عباسہ گڑگڑائی۔"آپ اُن کے کانوں تک یہ بات پہنچنے ہی نہ دیجیے! خواجہ سرا مسرور کو ہی روک دیجیے!"

"وہ خلیفۂ وقت کا بہت منہ چڑھا ہے۔"

عباسہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔"صرف آپ ہی مجھے بچا سکتی ہیں۔"

Marfat.com

''اچھا!'' خیزران نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں دیکھوں گی ...... لیکن تم سے یہ حرکت ہوئی کیوں عباسہ؟''

''اچانک بہت گھبراہٹ ہونے لگی تھی خاتونِ قصر!'' عباسہ نے کہا۔ ''دل چاہا تھا کہ تازہ ہوا میں چند سانسیں لوں۔''

''پائیں باغ میں کوئی تھا تو نہیں؟''

عباسہ کی نظریں جھک گئیں۔ ''امیر المومنین تھے۔''

خیزران سوچتی ہوئی بولی۔ ''یقیناً انھوں نے تمھیں نہیں دیکھا ہوگا ورنہ تم یہ نہ کہتیں کہ میں خواجہ مسرور کو روکوں!''

عباسہ کے دل کی دھڑکنیں پھر ناہموار ہوگئیں۔ اُسے ڈر ہوا تھا کہ بات آگے بڑھے گی اور بات آگے بڑھی۔ ''ساتھ میں کوئی اور بھی تھا؟'' خیزران نے پوچھا۔

''جی۔'' عباسہ کے لہجے میں پھر مردنی آگئی۔

خیزران نے جلدی سے پوچھا۔ ''کون تھا؟''

''میں اُسے نہیں جانتی۔''

''اس کا حلیہ بتاؤ!''

حلیہ بتاتے ہوئے الفاظ عباسہ کے حلق سے اٹکتے ہوئے نکلے۔

''ہم عمر۔'' خیزران بڑبڑائی۔ ''زرکار لباس میں؟ رات کے وقت؟ پائیں باغ میں؟ اوہ!'' اُس نے بے اختیار ایک لمبی سانس لی۔ ''وہ جعفر ہی ہوسکتا ہے۔ جعفر برمکی۔''

عباسہ کے لیے وہ نام اجنبی نہیں تھا۔ برمکیوں کے خاندان سے ساری سلطنت ہی واقف تھی۔ معاً خیزران نے جلدی سے پوچھا۔ ''اُس نے تو تمھیں نہیں دیکھا؟''

اب عباسہ کا لہجہ بہت مردہ ہوگیا۔ ''دیکھا تھا۔ بس ایک نظر! پھر میں نے جلدی سے دریچہ بند کرلیا۔''

خیزران کے چہرے پر تشویش نظر آئی۔ ''خدایا!'' اس کے منہ سے نکلا۔ ''یہ تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جب تم چھوٹی تھیں، بچی تھیں، تب تو اُس نے تمھیں بہت دیکھا ہوگا لیکن اب۔'' خیزران نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ ''اب تم بھرپور نظر آنے لگی

Marfat.com

ہو۔ وہ دریچے بھی ایسے ہیں کہ تم کمر تک نظر آئی ہوگی۔"

عباسہ ملتجی نظروں سے خیزران کی طرف دیکھتی رہی۔ کچھ رک کر خیزران نے سوچتے ہوئے کہا۔ "خیر جعفر کو تو اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ خلیفۂ وقت سے تمھارے بارے میں کچھ کہے لیکن خواجہ سرا مسرور سے بہرحال بات کرنا ہوگی۔"

عباسہ بہت دیر بعد سکون کا سانس لے سکی۔ اب اس کے لیے فکر کی کوئی بات نہیں رہی تھی۔ خیزران نے اُسے عتابِ خلافت سے بچانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ قصر الذہب میں کوئی بھی، کچھ بھی کر سکتا تھا، اگر اُسے خیزران کی حمایت حاصل ہوتی۔ عباسہ کو یقین تھا کہ خواجہ سرا مسرور کو خیزران کی بات نظر انداز کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔ وہ خوب جانتا ہوگا کہ اُس کے آقا ہارون الرشید کی کج کلاہی بھی خیزران کے سامنے قائم نہیں رہتی تھی۔

سکون حاصل کر لینے کے بعد ہی عباسہ کی پریشانی کی جگہ جھنجلاہٹ نے لے لی۔ اس رات وہ دیر تک سوچتی رہی کہ ان پابندیوں نے حرم سرا کو ایک قید خانہ بنا دیا تھا لیکن وہ پابندیاں ہارون الرشید نے نہیں لگائی تھیں۔

وہ دستور تو سوا سو سال سے چلا آرہا تھا جب خلافتِ راشدہ کے بعد اُموی حکومت قائم ہوئی تھی۔ حرم سرا کی بیگمات کو قصر سے باہر قدم رکھنے کے لیے بھی خلیفۂ وقت کی اجازت درکار ہوتی تھی اور وہ اجازت فوراً بھی نہیں ملتی تھی۔ اجازت کی درخواست پہلے حرم سرا کے محافظِ اعلیٰ کو دی جاتی تھی۔ وہ اس درخواست کو وزیرِ سلطنت تک پہنچاتا تھا اور اس کے بعد وہ بارگاہِ خلافت میں پیش ہوتی تھی پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ اس درخواست کو منظوری کا شرف حاصل ہو جائے۔ درخواست گزار بیگمات کو یہ دعائیں بھی کرنا پڑتی تھیں کہ جب اُن کی درخواست خلیفۂ وقت کی نظر سے گزرے، اس وقت اُن کا مزاج پہلے ہی سے کسی بات پر منغض و برہم نہ ہو۔

یہ قدغن بھی تھی کہ بیگمات پر کبھی کسی نامحرم کی نظر نہ پڑے۔ اسی لیے حرم سرا کے محافظ خواجہ سرا ہوتے تھے۔

حرم سرا کی بیگمات اور لڑکیوں پر یہ بہت بڑی زیادتی تھی، عباسہ "باغیانہ" انداز

Marfat.com

میں سوچتی رہی۔ ''کیا عورت کے جذبات نہیں ہوتے؟ کیا وہ پتھر کی بنی ہوئی ہوتی ہے؟''
شہزادیاں بعض اوقات شادی کے انتظار میں بوڑھی ہوکر مرجاتی تھیں اگر خاندان میں اُن کی عمر کے لحاظ سے کوئی لڑکا نہیں ہوتا تھا، یا اُن کے لیے تھوڑی سی ''رعایت'' یہ ہوتی تھی کہ اُن کا طلب گار کسی اور مملکت کا سربراہ ہو، یعنی خلیفۂ وقت کا ہم منصب ہو، لیکن عباسہ کے علم میں ایسی کوئی مثال نہیں تھی کہ جب کسی اُموی یا عباسی شہزادی کی شادی کسی دوسری مملکت کے سربراہ سے ہوئی ہو، اور عباسی سلطنت قائم ہوئے تو ابھی چالیس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے۔ بنواُمیہ کے نوے سالہ دور میں بھی ایسی کوئی مثال نہیں تھی۔

یا شاید کوئی ایک آدھ مثال ہو، عباسہ نے اپنی کم علمی کے باعث قیاس کیا۔
انھی خیالات میں اُلجھے اُلجھے وہ نیند کی وادیوں میں چلی گئی، اور پھر اس نے ایک خواب دیکھا۔ وہ سرمئی اور چمکیلے بادلوں میں ہلکورے لے رہی تھی کہ اُس کے سامنے کے بادلوں سے جعفر برمکی باہر آیا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُسے دیکھ کر عباسہ نے شرمگیں انداز میں نظریں جھکالیں۔ جعفر قریب آیا اور پھر اُس نے عباسہ کو اپنی آغوش میں جیسے بھرلیا۔

عباسہ خواب ہی میں جعفر کی اس حرکت سے اتنی گھبراگئی کہ اُس کی آنکھیں کھل گئیں، خواب منتشر ہوگیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی اور اُس نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیے۔ اس کا دل اتنی شدّت سے دھڑک رہا تھا کہ اُس کے کانوں میں دھمک سی ہو رہی تھی۔

کیوں؟ یہ کیوں؟ اُس کے دماغ میں ان سوالات کی دھمک ہونے لگی۔ اُس نے کسی سے سنا تھا کہ خیالات ہی انسان کے خوابوں میں مجسم ہوتے ہیں لیکن جب وہ سوئی تھی، اس سے پہلے اُس کا دماغ تو دوسرے ہی خیالات کی آماجگاہ بنا رہا تھا۔ جعفر کے بارے میں تو اُس نے کوئی بات نہیں سوچی تھی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ پائیں باغ میں خلیفۂ وقت کے ساتھ چہل قدمی کرتا ہوا جعفر اُسے اچھا لگا تھا۔ پھر وہ اُسے بھول گئی تھی۔
''نہیں بھولی تھی'' عباسہ کے دل میں ایک سرگوشی سی ہوئی۔ ''تُو اُسے نہیں بھولی تھی عباسہ! وہ تو تیرے دل میں کُھب گیا تھا۔ تُو بس ڈر گئی تھی کہ اُسے یاد رکھنا تجھے راس

Marfat.com

نہیں آئے گا۔ اسی ڈر سے جعفر کا خیال تُو نے غیر ارادی طور پر اپنے دماغ کے ایک اندھیرے گوشے میں دھکیل دیا تھا لیکن جب کوئی سو جاتا ہے تو اس کے اختیارات سلب ہو جاتے ہیں۔ تیرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تیرا یہ ارادہ مفلوج ہو گیا تھا کہ اُسے اندھیرے میں پڑا رہنے دے۔ اسی لیے وہ خواہش بھی ہوتی تھی عباسہ!...... ایک ڈری ڈری سی خواہش کہ تجھے اس کا قرب حاصل ہو۔ وہ خواہش بھی تُو نے دماغ کے اندھیرے میں دھکیل دی تھی۔ تیرے خواب میں تیری اسی خواہش کی تکمیل ہوئی تھی۔"

عباسہ گھبرا کر بستر سے اتر گئی اور ٹہلنے لگی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ چند لمحوں بعد اُسے احساس ہوا کہ اُس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اُس نے سرہانے رکھی ہوئی صراحی سے پانی پیا پھر اُسے یہ احساس بھی ہوا کہ اُس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ وہ بستر پر بیٹھ گئی۔ اُس کے دماغ میں ہیجان برپا ہو گیا تھا۔ اُسے وہ اشعار یاد آنے لگے تھے جو اُس کی ان چند کنیزوں نے سنائے تھے جن سے وہ بے تکلف تھی۔

ہارون الرشید نے اپنے زمانہ ولی عہدی ہی میں شاعروں کو اُکسانا شروع کر دیا تھا کہ اُموی عہد کے شاعروں کی طرح پہاڑوں، ریگستانوں اور صحراؤں کی غیر جمالیاتی شاعری کے بجائے گل و بلبل اور لب و رخسار کی باتیں نظم کریں، اپنے اشعار میں خوب رو کنیزوں اور اُن کی دل رُبا اداؤں کی تصویر کشی کریں، جام و مینا کے قصے چھیڑیں اور عشق و محبت کے جذبات گدگدائیں۔

وہی اشعار عباسہ نے سُنے تھے اور جمالیات کے مختلف پہلوؤں سے اُس کی ناآشنائی نے آشنائی کی منزل تک سفر طے کر لیا تھا۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد رات کی تنہائیوں میں وہ اشعار اکثر اُس کے دل کو گدگداتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اُس نے جعفر کو دیکھا اور جعفر کی شخصیت میں اُسے کوئی بات اچھی لگی تو اُس کے دل میں ایک سرکش سی خواہش نے انگڑائی لی۔ وہ خواہش کتنی بھی سرکش سہی، حرم سرا کے ضابطوں اور فرماں روائے وقت کے کڑے تیوروں نے اُسے دہشت زدہ کر دیا۔ وہ عباسہ کے دماغ کے اندھیرے میں کہیں دبک جانے پر مجبور ہوئی لیکن خواب کا عالم اُسے پھر روشنی میں لے آیا۔ وہ اتنی زیادہ سرکشی سے نمودار ہوئی کہ اُس نے اپنی تکمیل بھی کر لی۔

Marfat.com

عباسہ کے دل و دماغ اب اس خواب کی واضح توجیہات کرنے لگے اور عباسہ نے جانا کہ اس کے دل میں جعفر کی محبت اس طرح آئی تھی جیسے بجلی کا کوندا لپک گیا ہو۔ اُس نے اشعار سے یہ بھی جانا تھا کہ جب اس قسم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو جڑ پکڑتا چلا جاتا ہے اور پھر کبھی ختم نہیں ہوتا۔‘‘

ختم ہونا پڑے گا اسے، عباسہ نے ہیجانی انداز میں سوچا، وہ سلطنتِ عباسیہ کی شہزادی تھی جسے ناممکنات کی اس دنیا سے دور رہنا چاہیے۔ وہ اور جعفر کبھی ایک دوسرے کے نہیں ہو سکتے تھے۔ زمین و آسمان کا ملاپ نظر بھی آئے تو ایک سَراب ہوتا ہے۔

جعفر ایک برمکی تھا اور برمکیوں نے دورِ عباسیہ میں بڑی توقیر و منزلت پائی تھی مگر اُن میں سے کوئی بھی فرماں روائے وقت کا ہم منصب نہیں تھا۔

☆☆☆

برمکیوں کے خاندان کی شہرت ’’برامکہ‘‘ کے نام سے ہوئی تھی۔ یہ خاندان مجوسیوں کے ’’آتش کدۂ نوبہار‘‘ کے بڑے پجاریوں کا تھا۔ ’’برمک‘‘ ایک موروثی لقب تھا جو اس آتش کدے کے پہلے پجاری کو ملا اور بعد میں اُس کی اولادوں کو منتقل ہوتا رہا۔

ایک راویت یہ بھی ہے کہ آتش کدہ بننے سے پہلے وہ بدھوں کا ایک مندر تھا جہاں بتوں کی پرستش کی جاتی تھی۔ ’’برمک‘‘ سنسکرت کے لفظ ’’پرمکھ‘‘ سے نکلا تھا جس کے معنی ’’بڑا سردار‘‘ ہیں اور ’’نوبہار‘‘ بھی سنسکرت کے ’’نواوہار‘‘ سے نکلا جس کے معنی ’’نئی خانقاہ‘‘ کے ہیں۔

آتش کدۂ نوبہار کا آخری پجاری بنواُمیہ کے آخری دور میں مسلمان ہوا تھا۔ اس کہ شہرت ’’خالد برمکی‘‘ کے نام سے ہوئی۔ وہ اُموی خلافت کو ختم کرنے کی مہم میں عباسیوں کے شانہ بہ شانہ رہا۔ اسی خدمت کے صلے میں پہلے عباسی خلیفہ السفاح نے اُسے اتنے بڑے بڑے منصب دیے کہ وہ وزیر کے منصب پر فائز نہ ہونے کے باجود خلیفہ کا وزیر سمجھا جانے لگا تھا۔

السفاح ہی کے دورِ حکومت میں خالد کے بیٹے یحییٰ برمکی نے بھی اپنے باپ کی وجہ سے نمایاں حیثیت حاصل کی لیکن وہ خود بھی بڑا دانا و باصلاحیت تھا۔ ان دونوں نے

Marfat.com

بڑی شہرت، عزت اور دولت حاصل کی، اپنے محلات بنوائے لیکن وہ فیاض اور دریا دل بھی اتنے تھے کہ لوگوں کی حاجت روائی میں اُن کا ثانی اس دور میں شاید ہی کوئی اور ہو۔

دوسرے عباسی خلیفہ المنصور کے اکیس سالہ دورِ حکومت میں بھی یہ باپ بیٹے اُمورِ سلطنت پر چھائے رہے۔ اس کے بعد خالد برمکی خلیفہ المنصور کے بیٹے مہدی کی خلافت کے چھ سال دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوگیا۔

مہدی نے دس سال حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہادی خلیفہ بنا لیکن اپنے کرتوت کی وجہ سے اپنی ماں خیزران ہی کے ہاتھوں مارا گیا۔

جس رات ہادی کی موت ہوئی اور ہارون الرشید خلیفہ بنا، اسی رات ایک ایرانی کنیز ''مراجل'' کے بطن سے ہارون الرشید کا بیٹا مامون پیدا ہوا۔ ''اُس کا نام تو ''عبداللہ'' رکھا گیا تھا مگر اس کی شہرت اس کے لقب مامون سے ہوئی۔

اسی سال ہارون الرشید جب فریضۂ حج ادا کر کے لوٹا تو اُس کی بیوی زبیدہ کے بطن سے ''امین'' کی پیدائش ہوئی۔ وہ نجیب الطرفین تھا۔ باپ بھی عباسی اور زبیدہ بھی عباسی! وہ ہارون الرشید کی چچا زاد بہن تھی۔

سلطنت میں یہ سوال ہر طرف گردش کرنے لگا کہ ہارون الرشید کا ولی عہد کون بنے گا؟ بڑا بیٹا مامون جو ایک کنیز کے بطن سے تھا یا امین جو نجیب الطرفین تھا؟ اس کی رگوں میں خالص عباسی خون دوڑ رہا تھا۔

اس سوال کی بھنک ہارون الرشید کے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی۔ وہ پائیں باغ میں چہل قدمی کرتے ہوئے جعفر برمکی سے اسی موضوع پر بات کر رہا تھا کہ محل کے دریچے میں حسن و جمال کا جو خیرہ کُن شعلہ لپکا، وہ جعفر برمکی کے خرمنِ ہوش وحواس پر براہِ راست اثر انداز ہوا جب کہ سال بھر پہلے اس کی شادی بھی ہو چکی تھی اور اُس کے محل میں کنیزیں بھی اتنی تعداد میں تھیں جو اُمرائے دربار میں سے شاید ہی کسی کے پاس ہوں۔

بغداد میں غلمان، کنیزوں اور خواجہ سراؤں کے کئی بازار لگنے لگے تھے۔ کنیزوں کا سب سے بڑا سوداگر ابن رامین تھا جسے جعفر نے تاکید کر دی تھی کہ جب بھی کوئی غیر معمولی حسین کنیز اُس کے پاس آئے تو اُسے بازار میں بعد میں کھڑا کیا جائے، پہلے وہ

Marfat.com

جعفر کو ایک نظر دکھادی جائے، اور کیوں کہ جعفر اُسے منہ مانگی رقم دے کر کنیز خریدا کرتا تھا اس لیے ابن رامین کو اُس کی تاکید ہمیشہ یاد رہتی تھی۔

اتنی خوب صورت کنیزوں کے آقا ہونے کے باوجود دریچے میں نظر آنے والے پیکرِ جمال میں اُسے کوئی ایسی ندرت محسوس ہوئی تھی کہ وہ خلیفہ ہارون الرشید سے گفت گو ختم کرنے اور پائیں باغ سے واپسی کے بعد بھی اس کے بارے میں بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔ ایک بات اس کی دانست میں بہر حال طے تھی کہ وہ کوئی عباسی شہزادی ہوگی۔ اس کا لباس وہ نہیں تھا جو کنیزیں پہنا کرتی تھیں۔

ان دنوں ایک نئے قسم کا لباس بغداد کی عورتوں میں بہت مقبول ہوگیا تھا جسے ہارون الرشید کی ایک بہن شہزادی عالیہ کی ایجاد کہا جاتا تھا۔ ریشمی حریری نقاب میں سونے کی ٹکلیاں اور جواہر لگائے جاتے تھے۔ قمیص بھی ریشمی سفید کپڑے کی ہوتی تھی۔ اس کا زیر جامہ کسی گہرے رنگ کا ہوتا تھا جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوتی تھی۔ قمیص کا کپڑا سفید ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا ہلکا ضرور ہوتا تھا کہ زیر جامے کی رنگت نمایاں ہوسکے جس سے کمر کے نیچے کے حصے کی پوشش اس طرح ہوتی تھی جیسے پشواز کو کمر کے پاس سے کاٹ کر چوڑا کیا گیا ہو۔ پھر اُسے چنٹیں دے کر اس طرح سلائی کی جاتی تھی کہ وہ کمر پر کس جائے۔ یہ کام نہایت متوازن انداز میں وہ پیشہ ور عورتیں کرتی تھیں جنھیں خیاطی کے فن میں مہارت ہوتی تھی۔ وہ اس کا معاوضہ بھی بہت لیتی تھیں۔ جو عورتیں یا لڑکیاں اتنا معاوضہ دینے سے قاصر ہوتی تھیں، وہ چنٹوں کے بجائے نیفہ لگوا کر اس میں ازار بند ڈال لیتی تھیں۔ جوتے نہایت باریک لیکن مضبوط سنہرے یا روپہلے تاروں سے بنائے جاتے تھے۔

جعفر نے اس دل رُبا کو ایسے ہی لباس میں دیکھا تھا۔ وہ کمر تک دکھائی دی تھی لیکن جعفر کو یقین تھا کہ اُس کی نچلے جسم پر وہی کچھ ہوگا جو اس مخصوص لباس کا لازمی جزو تھا۔

اپنے سیاہ بالوں کو وہ اس طرح گوندھے ہوئے تھی کہ سر پر ''تاج'' سا بن گیا تھا۔

جعفر کو ایک اُلجھن یہ بھی رہی کہ وہ اس خوب صورت شہزادی کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ یہ اُس کا وہم ہوگا۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ یا کوئی

Marfat.com

بھی کسی عباسی شہزادی کو دیکھ سکتا لیکن پھر یک بہ یک اُسے برسوں پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا جب اُس نے چھ سات سال کی ایک عباسی شہزادی کو دیکھا تھا۔

وہ خلیفہ مہدی کی حکومت کا زمانہ تھا۔ ''قطر بل'' کے میدان میں مہدی کی ایک بیٹی شہزادی بانوقہ اور شہزادی زبیدہ کا بھائی موسیٰ بن جعفر گھوڑ سواری سیکھ رہے تھے۔ خلیفہ مہدی اپنے پیش رو خلفا کی بہ نسبت کچھ آزاد خیال تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں ہی کو نہیں، بیٹیوں کو بھی گھڑ سواری اور فنونِ سپہ گری سکھوائے تھے لیکن یہ پابندی اس کے دور میں بھی تھی کہ سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد کوئی شہزادی یوں سرِعام نہیں آ سکتی تھی۔

اس میدان میں دیکھنے والوں کے لیے ایک سائبان بھی تھا جس کے نیچے محافظ سپاہی اور شاہی چبوترے پر خلیفہ کے خاندان کے افراد بیٹھتے تھے۔ انھی افراد میں جعفر نے چھ سال کی ایک شہزادی دیکھی تھی جس کے نقش و نگار کی نمایاں جھلکیاں اس نے برسوں بعد قصر الذہب کے ایک دریچے میں دیکھی تھیں۔

''شہزادی عباسہ!''

جعفر کو نام بھی یاد آ گیا اور اس کا جسم سنسنا اُٹھا۔ اس نے دریچے میں ہارون الرشید کی چھوٹی بہن کو دیکھا تھا جو اب نوجوانی کی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد ایک پیکرِ مدہوش کن بن چکی تھی۔ ذہن کی خلش دور ہونے کے بعد جعفر نے کوشش کی کہ شہزادی عباسہ کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اُسے شہزادی عباسہ کا قرب حاصل ہو جاتا، لیکن یہ تمنا اُس کے دل میں گدگداتی رہی کہ وہ شہزادی عباسہ کو کبھی دوبارہ بھی دیکھے۔ اگرچہ اس کے اپنے خیال کے مطابق بھی دوبارہ ایسا کوئی اتفاق بعید از امکان تھا لیکن دل میں ایک بھرپور انگڑائی لیتی ہوئی تمنا کو تھپک دینا آسان نہیں ہوتا۔

دوسرے دن جعفر کی ملاقات اپنے باپ یحییٰ برمکی سے ہوئی۔ چند دن یحییٰ بہت مصروف رہا تھا اس لیے باپ بیٹے میں اس قسم کی باتیں نہیں ہو سکی تھیں جو وہ تخلیے میں اور قدرے فرصت سے کرتے تھے۔

''کیا احوال ہیں امیر المومنین کے؟'' یحییٰ نے پوچھا۔

جعفر نے جواب دیا۔ ''ان چند دنوں میں کوئی بھی خاص بات نہیں ہوئی۔ ہاں

Marfat.com

البتہ کل رات وہ تھوڑی دیر تک خاصے اُلجھے ہوئے نظر آئے۔‘‘

’’کس معاملے میں؟‘‘

’’سلطنت میں ہر طرف جو چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں۔‘‘

’’یعنی شہزادہ امین اور شہزادہ مامون کی ولی عہدی؟‘‘

’’جی۔‘‘

’’یہ تم نے کیا کہا کہ وہ تھوڑی دیر تک الجھے ہوئے نظر آئے! یہ الجھن تو انھیں مسلسل رہنا چاہیے۔‘‘

’’انھوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی کہ ابھی تو دونوں ہی شیر خوار ہیں۔ جب کچھ بڑے ہو جائیں گے تو دیکھا جائے گا۔‘‘

یحییٰ برمکی کے چہرے پر تفکر دیکھ کر جعفر پھر بولا۔ ’’یہ خیال مجھے بھی ہے بابا کہ آگے چل کر یہ معاملہ گمبھیر صورت تو اختیار کرے گا۔‘‘

’’ہاں۔‘‘ یحییٰ نے اُس کی تائید کی۔ ’’مجھے ڈر ہے کہ یہ معاملہ امیر المومنین اور مرحوم خلیفہ ہادی کے معاملے سے زیادہ سنگین ثابت ہوگا۔‘‘

’’ان دونوں کا معاملہ تو کچھ ایسا سنگین نہیں ہوا تھا۔‘‘ جعفر نے کہا۔ ’’بس خاتونِ قصر چاہتی تھیں کہ ولی عہد اوّل ان کے بڑے بیٹے کے بجائے چھوٹے بیٹے کو بنایا جائے۔‘‘

یحییٰ نے کہا۔ آخری وقت میں انھوں نے فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ وہ اپنے شوہر سے یہ بات منوا کر رہیں گی۔‘‘

’’لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ خلیفہ المہدی شکار کھیلنے ایسے گئے کہ پھر واپس نہ آسکے۔‘‘

جعفر نے مزید کہا۔ ’’اس کے بعد جب الہادی نے مسندِ خلافت سنبھالی تو ہمارے خلیفہ امیر المومنین ہارون الرشید قطعی جز بز نہیں ہوئے تھے۔‘‘

’’لیکن خاتونِ قصر نے اپنے بڑے بیٹے کی خلافت ایک پل کے لیے بھی تسلیم نہیں کی تھی۔‘‘

جعفر بولا۔ ’’اس سے کوئی فرق تو نہیں پڑا بابا! خلیفہ ہادی جلدی ہی دنیا سے

Marfat.com

رخصت ہو گئے تھے اور اس کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مسندِ خلافت سنبھال چکے ہیں۔"

"یہ سب کچھ اتنا آسانی سے نہیں ہو گیا تھا جیسا تم سمجھ رہے ہو۔" یحییٰ برمکی نے سوچتے ہوئے کہا۔ "تمھیں یقیناً یاد ہوگا کہ میں اس رات زنداں میں تھا۔"

"جی ہاں۔" جعفر نے کہا۔ "خلیفہ الہادی آپ سے کسی بات پر ناراض ہو گئے تھے اور انھوں نے آپ کو قید خانے میں ڈلوادیا تھا۔"

"اور مجھے رات کے تیسرے پہر میں خاتونِ قصر کے حکم سے آزادی ملی تھی۔ اس رات قصر الذہب پر وہی حکم راں تھیں۔"

جعفر چونکا۔ اس نے اس پہلو سے کبھی نہیں سوچا تھا۔ دوسروں کی طرح اسے بھی یہی بات معلوم ہوئی تھی کہ خلیفہ ہادی رات کو بہت زیادہ شراب پی گئے تھے اور صبح معلوم ہوا تھا کہ شراب کی زیادتی کے باعث کسی وقت اُن کی حرکتِ قلب بند ہو گئی تھی۔

"صبح علم ہوا تھا خلیفہ الہادی کی موت کا۔" جعفر بڑ بڑایا۔ "تو پھر رات ہی کو وہ قصر الذہب کی حکم راں کیسے بن گئیں!"

"اس دن سے آج تک میں اسی الجھن میں ہوں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ......"

یحییٰ برمکی نے فوراً ہاتھ اُٹھا کر بیٹے کو مزید کچھ بولنے سے روک دیا اور کہا۔ "غالباً وہی خیال تمھارے ذہن میں آیا ہے جو میرے دماغ میں کلبلاتا رہا ہے لیکن اگر ہمارے پاس اس کا ثبوت بھی ہو تو وہ بات زبان پر لانا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔"

جعفر کا دماغ سنسنانے لگا "کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ماں اپنے بیٹے کو مار ڈالے؟"

یہی سوال کبھی کبھی ہارون الرشید کے دماغ میں بھی چکراتا تھا اور ماں کی طرف دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں خوف کے سائے رینگنے لگتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ماں کے اشاروں پر چلتا رہتا تھا۔ اس کی عمر بھی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ ماں سے کوئی استفسار کرنے کی ہمت کر سکتا۔ وہ بائیس سال کی عمر میں مسندِ خلافت پر بیٹھا تھا۔

وہ مسندِ خلافت جو ان دنوں بھی قصر الذہب کے کئی افراد کے لیے الجھن اور فکر مندی کا سبب بنی ہوئی تھی۔ ہارون الرشید اکثر سوچا کرتا تھا کہ مستقبل میں اسے کیا فیصلہ کرنا ہوگا۔

Marfat.com

مراجل اپنے بیٹے مامون کے بارے میں سوچا کرتی تھی کہ اُس کا بیٹا سلطنتِ عباسیہ کا ولی عہد بن سکے گا یا نہیں؟ اس معاملے میں خیزران کی ہمدردیاں مراجل کے ساتھ تھیں۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ وہ دونوں ہی اپنے ایام نوجوانی میں صرف کنیز تھیں۔ فرق بس اتنا تھا کہ خیزران یمنی اور مراجل ایرانی کنیز تھی۔

متعلقہ افراد میں اگر کسی کو تردد نہیں تھا تو وہ خاتون زبیدہ تھی۔ اس کا ایک سبب اُس کی کم عمری تھی کہ اسے کسی بھی اُلجھے ہوئے معاملے کا تجزیہ کرنے کی عادت نہیں پڑ سکی تھی، دوسرے اسے یہ غرور تھا کہ اُس کے بیٹے کی رگوں میں صرف عباسی خون رواں تھا، اس میں کسی کنیز کے خون کی آمیزش نہیں تھی۔

آمیزش تو علی کے خون میں بھی نہیں تھی، خیزران نے اکثر سوچا تھا اور وہ یہ بات مراجل سے بھی کہنا چاہتی تھی مگر اس وقت تک ان دونوں میں یہ موضوع چھڑا ہی نہیں تھا۔ جب بھی خیزران کو موقع ملتا، وہ مراجل کو ضرور بتاتی کہ علی کی ماں ریطہ بھی خلیفہ المہدی کی بیوی اور پہلے عباسی خلیفہ ابوالسفاح کی بیٹی تھی لیکن اُس کا بیٹا علی مسندِ خلافت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکا تھا۔ خیزران اتنی شدّت سے اپنے شوہر مہدی کے دل ودماغ پر چھا گئی تھی کہ خلافت کے معاملے میں علی کا ذکر تک نہیں آسکا تھا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علی اس قابل تھا ہی نہیں! خود مہدی نے بھی اپنے اُس بیٹے کے بارے میں سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

قصرالذّہب میں ایک ہستی کو اس معاملے پر سوچنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی مگر وہ ان دنوں کھوئی کھوئی سی رہتی تھی۔ وہ ہستی شہزادی عباسہ کی تھی۔ جعفر برمکی کا خیال اس کے دل میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا چلا گیا تھا اور وہ اس عمل کو روکنے سے قاصر رہی تھی۔

دریچے سے جعفر برمکی کو دیکھنے کے چند دن بعد تک وہ خوف زدہ بھی رہی تھی لیکن اب وہ ڈر اس کے دل سے نکل گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ خاتونِ قصر خیزران نے خواجہ سرا مسرور کو خلیفۂ وقت کے سامنے لب کشائی سے روک دیا ہوگا۔ قصرالذّہب میں اسی کی حکم رانی قائم تھی۔ وہاں وہی کچھ ہوتا تھا جو وہ چاہتی تھی۔

''قصر میں سبھی یہ کہتے ہیں۔'' مراجل کو ایک دن موقع ملا تو وہ باتوں باتوں میں

Marfat.com

خیزران سے کہہ بیٹھی۔ ''ایک بار کنایتاً آپ نے فرمایا تھا کہ ولی عہد بڑے بیٹے ہی کا حق ہوتا ہے لیکن امین اور مامون میں سب سے اہم فرق خون کا ہے۔ صرف آپ ہی اس فرق کو پسِ پشت ڈلوا سکتی ہیں۔''

''اگر ماں چاہے تو یہ فرق بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔'' خیزران نے جواب دیا۔ پھر اُسے ریطہ اور اُس کے بیٹے علی کی مثال دی۔

سب کچھ سن کر مراجل نے کہا۔ ''آپ کی بات اور ہے خاتونِ قصر! آپ تو مرحوم خلیفہ المہدی کے دل و دماغ پر چھا گئی تھیں۔''

''تم نے یہ کوشش کیوں نہیں کی مراجل؟ خوب صورت تم بھی ہو، اور تم نے خاتون زبیدہ سے پہلے میرے بیٹے کی زندگی میں قدم رکھا تھا۔''

''غالباً میں آپ کی طرح باصلاحیت نہیں ہوں۔''

''شاید میری صلاحیتوں کو بھی گھن لگ جاتا اگر ریطہ نے علی کی تربیت صحیح طریقے سے کی ہوتی۔ وہ اس قابل تو بن جاتا کہ مسندِ خلافت کی طرف دیکھ بھی سکے۔ ریطہ نے تو اس کی غور و پرداخت صرف کنیزوں پر چھوڑ دی تھی۔ اپنی ذہانت و صلاحیت اس نے مجھ سے کڑھنے اور جلن کی آگ میں خاکستر کر دی تھی۔ اُس کی ان منتقمانہ کاروائیوں نے اُسے نہ صرف خلیفہ المہدی کی نظروں سے گرا دیا تھا بلکہ اُس نے سارے خاندان میں اپنی حیثیت کم کر لی تھی۔ میں تمھیں نصیحت کروں گی کہ زبیدہ کے معاملے میں تمھارا رویہ وہ نہیں ہونا چاہیے جو میرے معاملے میں ریطہ کا تھا۔ اُس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ مامون جب شیر خوارگی کی منزل سے آگے نکلے تو تم اس کی تربیت پر خود توجہ دو، اور جب وہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائے تو اس کے لیے اچھے اساتذہ اور اچھے اتالیق کا انتخاب کرو۔ تربیت تو میں نے بھی اپنے دونوں بیٹوں کی خود ہی کی تھی لیکن ہادی نہ جانے کیسے بگڑ گیا اور ہارون نے ہر اعتبار سے اس پر سبقت حاصل کر لی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہارون کے معاملے میں میری نظرِ انتخاب محترم یحییٰ پر پڑی تھی اور میری خواہش پر خلیفہ المہدی نے انھی کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ اُسے میں اس کی خوش قسمتی کہوں گی کہ اُسے دیگر اساتذہ بھی اچھے ملے۔''

Marfat.com

''میں آپ کی یہ باتیں کبھی نہیں بھولوں گی۔'' مراجل نے کہا۔'' مامون کی تربیت کے لیے اپنے شب و روز ایک کردوں گی۔ کیا آپ اس کے اتالیق کے بارے میں مجھے کوئی مشورہ دے سکتی ہیں؟''

خیزران نے سوچتے ہوئے کہا۔''اس کے لیے جعفر برمکی اچھا اتالیق ثابت ہوسکتا ہے۔ وہ جوانی ہی میں اپنے باپ کا عکس نظر آنے لگا ہے۔ چار پانچ سال بعد اس میں اور ذہنی پختگی آجائے گی۔ ہاں البتہ مامون کا ذہین ہونا بھی ایک شرط ہے۔ اساتذہ کچھ نہیں کرسکتے اگر بچہ کند ذہن ہو۔ مامون ابھی شیر خوار ہے لیکن میں نے اُس کی آنکھوں میں جو چمک دیکھی ہے، وہ امین کی آنکھوں میں نہیں ہے۔ گمان کیا جاسکتا ہے کہ مامون ذہین ہوگا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو پانچ چھ سال کی عمر بچے کے تیور اس کے اچھے یا برے مستقبل کی نشان دہی کرنے لگتے ہیں۔ اگر مامون اپنے بھائی سے بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ صلاحیت و ذہانت میں بھی اس سے برتر ثابت ہوا تو امین کا خالص عباسی خون کچھ نہیں کرسکے گا۔ یہ تم سے میرا وعدہ ہے کہ اگر میں نے مامون کے مثبت تیور دیکھے تو میں ہارون سے اس کی ولی عہدی کا اعلان کروادوں گی۔''

مراجل خوش ہوگئی۔''مجھے یقین ہے کہ میرا بیٹا زیادہ آگے جائے گا۔'' اُس نے کہا۔''میرا یہ خیال اس لیے ہے کہ خاندانِ عباسیہ کی بیگمات کی ساری توجہ امین پر ہے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی امین کو گود میں لیے رہتا ہے۔ یہ لاڈ پیار ضرور بڑھتا ہی رہے گا اور میں سمجھتی ہوں کہ زیادہ لاڈ پیار بچے کو سنوارتا نہیں ہے، بگاڑتا ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' خیزران نے کہا۔''وقت کا انتظار کرو مراجل!''

''اب میں آپ کی وجہ سے اس معاملے میں فکرمند نہیں رہوں گی۔''

''بے شک وہ ولی عہد بنے گا لیکن میری شرط یاد رکھنا۔ مامون کی تربیت صحیح ہو اور وہ خود بھی ذہین و باصلاحیت ہو۔ اُس کی صلاحیت اور ذہانت کو صیقل کرنے کا کام اُس کا اتالیق اور اُس کے اساتذہ کریں گے۔''

''انشاءاللہ!'' مراجل نے بڑے حوصلے سے کہا۔

خیزران اُسے تھپکی دے کر اُٹھ گئی۔ جب وہ حرم سرا ہی کی حدود میں بنے ہوئے

Marfat.com

ایک فوارے کے قریب سے گزر رہی تھی تو اُس نے وہاں عباسہ کو گم صم حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ وہ ایک پل کے لیے رکی لیکن کسی خیال سے آگے بڑھ گئی۔ اُس نے دو ایک دن پہلے سنا تھا کہ حرم سرا میں عباسہ کی وہ کیفیت سبھی نے محسوس کر لی تھی اور ہارون الرشید کو بھی اس سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

چند دن بعد خیزران کو یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کو جب ہارون الرشید حرم سرا میں قدم رکھتا تھا تو اُس کا رخ عباسہ کی ماں کے کمرے کی طرف ہوتا تھا۔ سب نے محسوس کر لیا کہ بات کچھ خاص تھی اور شاید عباسہ ہی کے معاملے میں ہو۔

پھر ایک دن یہ بھی ہوا کہ ہارون الرشید نے خواجہ سرا مسرور کے ذریعے خیزران کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

خلافتِ عباسیہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ خلیفۂ وقت ماں کی خدمت میں حاضری کے لیے باقاعدہ اجازت کا طلب گار ہوا ہو۔ عباسہ کی ماں کے پاس وہ بلا جھجک چلا جاتا تھا جو اُس کے باپ خلیفہ المہدی کی منکوحہ کنیز تھی۔

خیزران نے اپنے عزیز بیٹے کو فوراً ہی بلا لیا۔

''کچھ پریشان ہو؟'' اُس نے پوچھا۔

''جی ہاں اُم!''

خیزران سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ خلیفۂ وقت بڑے ادب سے اُس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' خیزران بھی کھڑی ہو گی۔

''عباسہ کے بارے میں آپ جانتی ہوں گی۔ سنِ بلوغ میں قدم رکھنے کے کچھ ہی عرصے بعد وہ بہت تنہائی پسند، گم صم اور زود رنج ہو گئی ہے۔ اپنی ماں کے پوچھنے پر بھی اُس نے اس کا سبب نہیں بتایا۔ جواب میں کچھ بھی نہیں کہتی، ہنس کر ٹال جاتی ہے۔ اُس کی ماں کے خیال کے مطابق اس کی ہنسی میں بھی ایک جبر پنہاں ہوتا ہے۔ اُس کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعثِ تشویش ہو گئی ہے۔ بہت غور کرنے کے بعد ہم اس کے علاوہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ...'' وہ جھجک کر چپ ہو گیا۔

Marfat.com

''کہ اس کے مزاج میں غیر معمولی حدّت ہے۔'' خیزران نے اُس کی بات پوری کی۔ ''وہ شادی کی خواہش مند ہے۔''

''جی!'' ہارون الرشید کی نظریں جھکی رہیں۔'' اُمِ عباسہ کا بھی یہی خیال ہے کہ اس کی شادی کردی جائے۔ آپ خوب جانتی ہوں گی کہ اپنی بہنوں میں ہمیں عباسہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہوگا کہ اس کی یہ حالت رہے۔ ہم جلد از جلد اُس کی شادی کردینا چاہتے ہیں، لیکن آپ سے مشورہ کرنا اور اجازت لینا بھی ضروری تھا۔ ہمارے ذہن میں محمد بن سلیمان کا نام ہے جو اہواز، فارس اور بحرین کا حاکم ہمارے والد مرحوم خلیفہ المہدی ہی کے زمانے سے ہے۔''

محمد بن سلیمان کا تعلق خانوادۂ عباسیہ ہی سے تھا۔ خیزران نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''اُمِ عباسہ کو محمد بن سلیمان کے بارے میں بتاچکے ہو؟''

''جی ہاں۔'' ہارون الرشید اب نظریں اُٹھا کر بات کررہا تھا۔ ''انھیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''تو جب اُمِ عباسہ کو اعتراض نہیں تو مجھے کوئی اعتراض کیوں ہوگا؟''

''قصر الذہب میں آپ کی رائے سب سے زیادہ محترم ہے اُم!''

''تم عباسہ کے بڑے بھائی ہو۔ اس سے محبت بھی بہت کرتے ہو۔ تم سے زیادہ محبت اُمِ عباسہ کو اپنی بیٹی سے ہوگی۔ تم دونوں جو مناسب سمجھو، وہ کرو میری طرف سے اجازت ہے۔''

ہارون الرشید اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔

خیزران اس کے بعد بھی سوچ میں گم رہی۔ اس کے دل میں کچھ شبہات اس وقت سے تھے جب عباسہ نے دریچے سے جعفر برمکی کو دیکھا تھا۔ وہ بات خیزران نے ہارون الرشید کے کانوں تک نہیں پہنچنے دی تھی۔ بعدازاں اُس نے یحییٰ برمکی کو ٹٹولا تھا۔ وہ سرسری انداز میں جعفر اور اُس کی بیوی کا حال احوال دریافت کرچکی تھی۔ اُسے جواب ملا تھا کہ دونوں میاں بیوی خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے۔ اس سے خیزران اس نتیجے تک پہنچی تھی کہ عباسہ کے حُسن وجمال نے جعفر کے دل ودماغ میں کوئی چٹکی لی بھی ہوگی

Marfat.com

تو اس چٹکی کا احساس جعفر نے وقت کی لہروں میں بہا دیا ہوگا۔ معاملہ فہم باپ کے بیٹے کو معاملہ فہم ہونا ہی چاہیے تھا۔

گویا اگر کوئی بات تھی تو یک طرفہ تھی، یعنی صرف عباسہ کے قدم ڈگمگائے تھے مگر کیوں کہ وہ خود اس معاملے میں لب سی چکی تھی اس لیے خیزران نے اس معاملے کو ٹٹولنا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ ایسی دخل اندازی نہیں کرنا چاہتی تھی جس سے اُس کے مرحوم محبوب شوہر کے خاندان کی عزت و حرمت پر کوئی حرف آتا ورنہ اس کے اختیارات اتنے تھے کہ وہ اس خانوادے کے رسم و رواج پر اثر انداز ہوسکتی تھی۔ اس کا بیٹا، خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے بھی اُس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہتا تھا۔

جب حرم سرا میں عباسہ کی شادی کا چرچا شروع ہوا تو ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ بے خبر رہ جاتی جس کے لیے شوہر کی حیثیت سے محمد بن سلیمان کا انتخاب ہو چکا تھا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔ تنہائی میں وہ بے بسی سے آنسو بہایا کرتی اور اس کے دماغ میں ایک ہی سوال گردش کرتا رہتا۔ کیسی شہزادی ہے وہ جس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں؟ کسی نے اُس کی مرضی جاننے کی زحمت نہیں کی تھی، اور اگر ایسا ہوتا بھی تو اُس کی زبان پر جعفر کا نام نہیں آسکتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتی تھی کہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی شادی کے معاملے کو ٹالتی رہتی، یہاں تک کہ بوڑھی ہو جاتی، لیکن اُس سے کہا گیا تو صرف اتنا کہ اُس کی شادی کے لیے اہواز و فارس کے حاکم محمد بن سلیمان کا انتخاب کرلیا گیا تھا۔

یہ خبر جعفر کے کانوں تک بھی پہنچی اور اُس کے دل کو دھچکا سا لگا لیکن وہ وقتی بات تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے عباسہ کو دیکھنے کے بعد وہ ایک دن بے کل رہا تھا اور پھر وہ بے کلی بہ تدریج ختم ہوتی چلی گئی تھی۔ اُسے اس کا علم بہت عرصے بعد ہوا تھا کہ عباسہ کے دل پر اس نے اپنے ان مٹ نقوش چھوڑے تھے۔

پھر جلد ہی وہ دن بھی آ گیا جب خلیفۂ وقت کی بہن کو بڑی شان و شوکت سے بیاہ دیا گیا۔ بس یہ کوئی نہ دیکھ سکا کہ محل میں بیٹھ کر بغداد سے رخصت ہونے والی دلھن کی آنکھیں جل تھل کیوں تھیں؟

Marfat.com

کیا اس لیے کہ وہ بابل کا گھر چھوڑ کر جارہی تھی؟

یا اس لیے کہ محبوب کا دیس چھوٹ رہا تھا؟

☆☆☆

ہارون الرشید کو ایک وسیع اور بے کراں سلطنت ورثے میں ملی تھی جس میں اس نے خود بھی اضافہ کیا۔ اس کی سرحدیں مشرق میں چین اور مغرب میں سندھ سے ملنے لگیں۔ شمال میں بلاد آرمینیا اور جنوب میں یمن کے ساحلوں تک اُس کا کوئی مدِ مقابل نہیں تھا لیکن جہاں سرحدیں ختم ہوتی تھیں، وہاں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی۔ وہاں آباد غیر مسلموں سے سلطنتِ عباسیہ کے سرحدی عمال کی جنگ وجدل جاری رہتی تھی لیکن وہ سب مقامات اتنی دور تھے کہ بغداد اُن کے اثرات سے قطعی محفوظ رہتا تھا۔

مغرب میں ایک بڑی طاقت اندلس کے اُموی تھے جن کی سلطنت دمشق میں برپا ہونے والی قیامت سے بچ نکلنے والے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام نے اس وقت قائم کی تھی جب پہلے عباسی خلیفہ ابوالسفاح کو سریر آرائے سلطنت ہوئے چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے خلیفہ المنصور کو حکومت کرتے ہوئے صرف دو سال گزرے تھے۔

اب اندلس کی اُموی حکومت کے قیام کا تیسرا عشرہ گزر چکا تھا اور اس نے اپنی جڑیں خاصی مضبوط کرلی تھیں اس لیے ہارون الرشید نے ان سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا تھا جس کی وجوہ قطعی طور پر سیاسی تھیں۔

اورنگِ سلطنت پر بیٹھنے کے بعد اُس نے لگ بھگ چار سال کا عرصہ کسی بڑی پریشانی یا بڑے صدمے سے دوچار ہوئے بغیر گزارا لیکن اسی چھٹے سال میں وہ ایک بڑے ذہنی دباؤ سے دوچار ہوا۔

اس وقت امین کی عمر چار سال اور مامون کی عمر چار سال آٹھ ماہ تھی۔ ان عمروں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انھیں کم سِن ہی کہا جاسکتا تھا اس لیے ابھی ولی عہدی کا مسئلہ نہیں کھڑا ہونا چاہیے تھا لیکن وہ کھڑا ہوا اور ہارون الرشید کے لیے دردِ سر بننے لگا۔ دردِ سر بننے کی وجہ یہ تھی کہ گذرے ہوئے ان چار سالوں میں اُمرائے دربار باقاعدہ دو

Marfat.com

حصوں میں منقسم ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ عربوں کا تھا جس میں اکثریت عباسیوں کی تھی اور دوسرا گروہ ایرانیوں کا تھا جن کی پشت پناہی برامکہ کر رہے تھے۔

برامکہ سے صرف ایک شخص فضل بن یحییٰ، عرب گروہ کے ساتھ نہ سہی لیکن خاتون زبیدہ کی موافقت میں بہرحال تھا جس کی یہ خواہش اب بھی بہت سی زبانوں پر آنے لگی تھی کہ اُس کے چار سالہ بیٹے امین کو ولی عہد نامزد کر دیا جائے۔ زبیدہ اب کم عمر اور ناپختہ ذہن کی مالک نہیں رہی تھی۔ اُس نے خاندان کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ ان لوگوں کی طرف سے عجلت کی وجہ یہ تھی کہ ہارون کسی وقت اچانک مامون کی ولی عہدی کا اعلان نہ کر دے جس کی رگوں میں خالصتاً عباسی خون رواں نہیں تھا بلکہ اُس کی ماں مراجل ایک ایرانی کنیز تھی۔

ایرانی گروہ دلیل دے رہا تھا کہ مامون نہ صرف عمر میں بڑا ہے بلکہ کم عمری کے باوجود بردبار نظر آتا ہے، امین کی طرح نٹ کھٹ اور شریر نہیں ہے۔ امین کے نٹ کھٹ اور شریر ہونے کا سبب وہ لاڈ پیار تھا جو اُسے خاندان کے ہر فرد سے ملا تھا۔

فضل برمکی کے خیال کے مطابق امین کی مخالفت کرنے والے نہ صرف خانوادہ عباسی سے بے وفائی کے مرتکب ہو رہے تھے بلکہ اس طرح ان پر نہایت ''متعصب ایرانی'' ہونے کی چھاپ بھی لگ سکتی تھی کیوں کہ مامون ایک ایرانی کنیز کے بطن سے تھا۔

جعفر برمکی اور فضل برمکی کے ان متضاد رویوں کی وجہ سے یحییٰ کو بہت تشویش تھی اور اُس کے دل میں یہ ڈر جاگزیں ہو گیا تھا کہ اس معاملے میں اُس کے دونوں بیٹے آپس میں دست و گریباں نہ ہو جائیں۔ دل میں تو وہ بھی مامون کی ولی عہدی کے حق میں تھا لیکن وہ اس معاملے کے بااختیار افراد پر اپنی رائے ''تھوپنے'' کے بجائے سیاست اور دلائل و براہین سے اس قصے کا انجام چاہتا تھا۔ یہ اُس کی دور اندیشی اور تحمل مزاجی تھی جس کے برعکس فضل اور جعفر بہ بانگ دہل مامون و امین کے طرف دار بن بیٹھے تھے۔

ہارون الرشید کو فضل اور جعفر، دونوں ہی عزیز تھے۔ ان دونوں کو اس کی قربت بھی حاصل تھی اور وہ دونوں اس کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ وہ ان دونوں کو ایک

Marfat.com

دوسرے کی مخالفت میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور اس کی سوچ کے مطابق ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا۔ دونوں شہزادے ابھی بہت کم عمر تھے۔ جب وہ دس بارہ سال کے ہو جاتے، تبھی اُن کی ذہانت و فطانت کھل کر سامنے آتی جس کے بعد کیے جانے والا فیصلہ مبنی بر انصاف ہوتا لیکن اس پر ہر دو جانب سے دباؤ بڑھنے لگا تھا کہ اب ولی عہد کے نام کا اعلان کر دینا چاہیے۔

ہارون الرشید اتنا پریشان ہوا کہ اُس نے خیزران کو اس معاملے میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ وہ خیزران کی ذہانت کا بھی معترف تھا اور ایک باعث اس سے کسی حد تک خائف رہنے کے باوجود اس سے بے پناہ محبت بھی کرتا تھا۔ اس کے لیے خیزران کا فیصلہ ہر صورت میں قابلِ قبول ہوتا۔ فیصلے کی مخالفت کرنے والوں سے بھی وہ بہ خوبی نمٹ لیتی، خواہ وہ عرب و عباسی ہوتے، خواہ ایرانی اور برامکہ!

ماں کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بیٹے کی درخواست جس وقت خیزران کو ملی، اتفاق سے مراجل بھی اس وقت اُس کے پاس موجود تھی اور ذکر ولی عہدی ہی کے معاملے کا چل رہا تھا۔

مراجل تشویش سے بولی۔ ''یقیناً وہ اسی معاملے میں آپ کی رہ نمائی چاہتے ہوں گے۔''

''تمھیں اب فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں مراجل!'' خیزران نے کہا۔ ''ابھی تم نے میری باتوں سے اندازہ لگا لیا ہوگا۔ اگر وہ فیصلہ عجلت میں ابھی کیا جانا ہے تو وہ صرف مامون کے حق میں ہونا چاہیے۔''

مراجل کے چہرے پر خوشی دمک اُٹھی۔

''اب تم جاؤ۔'' خیزران نے کہا۔

مراجل رخصت ہوئی اور خیزران نے ہارون الرشید کو بلا لیا۔

''آؤ!'' خیزران کھڑی ہو گئی۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کے مؤدّبانہ انداز کے باوجود وہ اس کے سامنے بیٹھی نہیں رہتی تھی۔ اُسے ہارون الرشید کو یہ باور کرانا کبھی بھی ہرگز مقصود نہیں رہا تھا

Marfat.com

کہ وہ خلیفۂ وقت ہونے کے باجود ماں کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

''آپ میرے سامنے کھڑی کیوں ہوجاتی ہیں اُم!'' ہارون الرشید نے بےاختیار کہا۔

''میں اپنے بیٹے کے سامنے نہیں، خلیفۂ وقت کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں۔'' خیزران نے کہا۔ ''میرے لیے تو یہی باعثِ مسرت ہے کہ تم خلیفۂ وقت ہوتے ہوئے بھی مجھے عزت دیتے ہو اور میرے پاس آنے سے پہلے تم نے اجازت کا طالب ہونا بھی ایک روایت بنالیا ہے۔ تم سے پہلے کے خلفائے وقت نے شاید ہی ایسا کیا ہو۔''

''لیکن ماؤں نے بھی خلفائے وقت کو اپنے دل کی گہرائی سے اتنا دقیع نہ گردانا ہوگا جیسا آپ کرتی ہیں۔''

خیزران فوراً بولی۔ ''یہ باتیں چھیڑے رکھنے کے بجائے اس موضوع کی طرف آجاؤ جو آج کل تمھارے لیے حد درجہ پریشان کن بنا ہوا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم رات کے وقت میرے پاس آنے کے لیے اچانک کیوں بےقرار ہوگئے ہو گے!''

''آپ بہت ذہین ہیں اُم!''

یکایک خیزران ک چہرے کے تاثرات بدلے اور اُس نے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیے۔ کھڑے کھڑے وہ ڈگمگا بھی گئی۔ ہارون الرشید کو ایسا لگا جیسے وہ گر جائے گی۔ ہارون الرشید نے فوراً اُس سہارا دیا اور گھبرا کر پوچھا۔

''کیا ہوا اُم؟''

خیزران کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ وہ بولنے کی کوشش میں ناکام رہی تھی۔ چہرے پر پسینا بھی چمک اُٹھا تھا۔ اُس نے کیوں کہ اچانک ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھے تھے اس لیے ہارون الرشید سمجھ گیا تھا کہ اُس کے پیٹ میں اچانک کسی وجہ سے شدید تکلیف ہوئی تھی۔

''کوئی ہے؟'' ہارون الرشید بہت زور سے چیخ پڑا۔

خلیفۂ وقت کا اس طرح چیخ پڑنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ جس جس کنیز کے کانوں میں آواز گئی، وہ خیزران کے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ اس سے بےخبر نہیں رہ سکتی تھیں کہ خلیفۂ وقت اس وقت خیزران کے کمرے میں تھا۔

Marfat.com

بے تحاشا کنیزیں کمرے میں داخل ہوتی چلی آئیں۔

اسی وقت ہارون الرشید کے سینے پر خیزران کا سر ڈھلک گیا۔ اگر اُس کی سانسیں جاری نہ رہتیں تو ہارون الرشید کچھ اور ہی سمجھ بیٹھتا۔ خیزران صرف بے ہوش ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اُس کے پیٹ کی تکلیف کتنی شدید ہوگی۔

کنیزوں نے اُسے بستر پر لٹایا۔ نہ جانے کہاں سے خواجہ سرا مسرور بھی ہانپتا ہوا وہاں آ گیا۔ ہارون الرشید نے اُسے حکم دیا کہ اطبا کو فوراً بلایا جائے۔

طبیبوں کے آنے سے پہلے حرم سرا کی بیگمات وہاں پہنچ گئیں۔ ان سے یہ خطا ہونا ناممکن تھا کہ خاتونِ قصر کے بارے میں ایک تشویش ناک اطلاع سننے کے باوجود وہ خیریت معلوم کرنے کے لیے وہاں نہ آتیں۔ ان میں خاتون زبیدہ اور مراجل بھی تھیں۔

جن ضعیف اطبا کو حرم سرا میں داخل ہونے کی اجازت تھی، ان میں سے دو، بڑی عجلت میں وہاں پہنچ گئے۔

ہارون الرشید وہاں اس وقت تک ٹہلتا رہا جب تک خیزران کو ہوش نہیں آ گیا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے اثرات بھی ختم ہو گئے تھے لیکن رنگت ایسی زرد پڑ گئی تھی جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو۔

''کیا ہو گیا تھا اُم؟'' ہارون الرشید بے تابانہ اس پر جھکا۔

''پیٹ میں کچھ ہوا تھا۔'' خیزران کی دھیمی آواز میں نقاہت بھی تھی۔ ''لیکن اب ٹھیک ہوں۔'' اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی۔

''لیٹی رہیے خاتونِ قصر!'' ایک طبیب جلدی سے بولا۔ ''ابھی آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ شدید نقاہت سے دوچار ہو گئی ہیں آپ! ضروری ہے کہ آپ آرام کریں۔ بولنے سے بھی گریز کیجیے!''

طبیبوں نے بیگمات کی طرف اور پھر ہارون الرشید کی طرف دیکھا۔ ہارون الرشید سمجھ گیا کہ طبیب کچھ کہنا چاہتے تھے، اس میں حدِ ادب آڑے آ گئی تھی۔ وہ کہنا چاہتے تھے کہ ہارون الرشید اور بیگمات وہاں سے چلی جائیں۔ خصوصاً ہارون الرشید کی موجودگی میں خیزران کچھ نہ کچھ بولنے کی کوشش کرتی ہی رہتی۔

Marfat.com

''ہم جا رہے ہیں اُم!'' ہارون الرشید بولا۔ ''آپ طبیبوں کی ہدایت پر عمل کیجیے!''
پھر اُس نے طبیبوں سے کہا۔ ''ہم آپ کے منتظر رہیں گے۔ آ کر بتایئے گا کہ یہ ہوا کیا تھا!''

بیگمات اشارہ ملتے ہی وہاں سے جانے لگی تھیں۔ خیزران نے ہاتھ کے اشارے سے مراجل، خاتون زبیدہ اور اپنی کنیز خاص کو روک لیا۔

یہ ضروری بھی تھا کہ طبیبوں کے علاوہ بھی کوئی خیزران کے پاس رہتا لیکن مراجل اور خاتون زبیدہ ہی کیوں؟

یہ سوال ہارون الرشید کے دماغ میں گونجتا رہا۔ لے دے کر صرف ایک بات اُس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ خیزران اپنی طبیعت کچھ سنبھلتے ہی ان دونوں کو شاید یہی سمجھانے کی کوشش کرتی کہ ولی عہدی کے معاملے میں ان دونوں کو بھی کچھ عرصے تک نہ صرف خود خاموشی اختیار کرنا چاہیے بلکہ اپنے طرف داروں اور ہم نواؤں کو خاموش رکھنا بھی وہ اپنا فرض سمجھیں۔

ہارون انتظار میں ٹہل رہا تھا کہ ابن ابی مریم اندر آیا۔ وہ دربارِ خلافت کا خاص مسخرہ تھا جسے ہارون نے اُس کی کسی بات پر خوش ہو کر اُسے کسی اجازت کے بغیر محل میں ہر طرف گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اسی بات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُمرا کے خیال کے مطابق ہارون کی دو متضاد شخصیات تھیں۔ ایک طرف اس کا حزم و تقویٰ تھا، جلالتِ شان تھی لیکن دوسری طرف وہ ہنسی، ٹھٹھول اور ظرافت میں بھی خوب دل چسپی لیتا تھا۔ اُس نے قصر الذہب میں کئی مسخروں اور ظریفوں کو جمع کر لیا تھا جن کے پُر لطف اور دل کش انداز بیان سے وہ کسی وقت اپنا دل بہلایا کرتا تھا۔ خود اُسے بھی بہت سے ظریفانہ شعر یاد تھے۔ ابن ابی مریم کے نئے نئے لطائف تو اُسے بہت پسند آتے تھے۔

اس وقت ابن ابی مریم کو کسی طرح یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ امیر المومنین پریشان تھے لہٰذا وہ اسی لیے آیا ہو گا کہ اپنی ظریفانہ باتوں سے ہارون الرشید کی پریشانی کو ختم یا ہلکا کر سکے لیکن ہارون الرشید اس پر برس پڑا۔

''کیوں آئے ہو؟''

ابن ابی مریم بوکھلا گیا۔ ''امیر المومنین! میں اور میری وہ اولادیں جو ابھی پیدا

Marfat.com

نہیں ہوئیں، وہ سب آپ پر نثار۔'' گھبراہٹ میں بھی اس کا مخصوص طرزِ بیان قائم رہا۔
''مجھے آپ کے ندیم خاص نے بتایا تھا کہ......''

''کچھ نہیں بتایا تھا۔'' ہارون الرشید پھر گرجا۔ ''چلے جاؤ ورنہ ابھی احمد بن جنید کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔''

احمد بن جنید کو قصر الذہب کے جلادوں میں حد درجہ سفاک جلاد سمجھا جاتا تھا۔

گھبرا کر ابن ابی مریم اس طرح بھاگا کہ گرتے گرتے بچا لیکن ہارون الرشید اس وقت کسی بھی ظریفانہ بات سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ اُس کے دماغ پر برعکس اثرات مرتب ہوتے۔ اپنی ماں کے لیے وہ انتہائی پریشان اور ہیجان کا شکار تھا۔

آخر دونوں طبیب خدمت میں حاضر ہوئے۔

''امیر المومنین!'' اُن میں سے ایک بولا۔ ''خاتونِ قصر اب سو رہی ہیں۔ انھیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''انھیں ہوا کیا تھا؟'' ہارون الرشید نے بے چینی سے پوچھا۔

''ابھی کچھ سمجھ میں نہیں آسکا ہے۔'' کچھ توقف کے ساتھ جواب دیا گیا۔ ''لیکن مختلف ادویات آزما کر اُن کے پیٹ کی تکلیف ختم کر دی گئی ہے۔''

''سمجھو، سمجھو اس تکلیف کو۔'' ہارون الرشید نے زور دے کر کہا۔ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ انھیں پھر وہ تکلیف ہو۔''

ہارون الرشید کا یہ اندیشہ صحیح نکلا۔ خیزران پر پیٹ کی تکلیف کا دورہ دوسرے ہی دن پڑا۔ اس کے بعد وہ سلسلہ جاری رہا۔ شب و روز میں دو دو، تین تین مرتبہ ایسا ہونے لگا۔ اطبا اس تکلیف کا ازالہ کرنے میں تو کام یاب ہو جاتے تھے لیکن اس تکلیف کا سبب کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سارا علاج معالجہ اندازوں کی بنیاد پر ہی کیا جا رہا تھا۔

قصر الذہب میں ہر چہرے سے شادمانی رخصت ہو گئی تھی۔ جنھیں خیزران کے اختیارات کا استعمال گراں گزرتا تھا اور جن کے لیے وہ ایک ناگوار وجود تھی، وہ بھی کوشش کرتے تھے کہ خلیفۂ وقت کو اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ دکھائی دے جائے۔

ایک روز جب خیزران کی طبیعت سنبھلی ہوئی تھی، ہارون الرشید اُس کی مزاج پرسی

Marfat.com

کے لیے گیا اور اُس کے قریب بیٹھ کر اُس کے ایک شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ تکلیف اچانک کیسے شروع ہوگئی اُم؟''

''اچانک تو شاید نہیں ہوئی ہے۔'' خیزران نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''کچھ عرصے سے کبھی کبھی تکلیف ہونے لگی تھی لیکن وقتی ہوتی تھی۔ میں نے اس پر توجہ نہیں دی۔''

''توجہ دینا چاہیے تھی اُم!'' ہارون الرشید بولا۔ ''اُمراض دھیرے دھیرے ہی بڑھتے ہیں۔ ہم نے محسوس کیا ہے کہ والد مرحوم کے بعد سے آپ ہمیشہ اپنی طرف سے بہت بے پروا رہی ہیں۔''

خیزران نے کچھ کہے بغیر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ اس معاملے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی جو اُس کے دل میں تھا۔ مہدی کے بعد اُس کے لیے دنیا بہت بے معنی ہوکر رہ گئی تھی۔

دن گزرتے رہے۔ خیزران کی صحت خراب سے خراب ہوتی چلی گئی۔ اطبا کی ہدایت کے مطابق کوئی نہ کوئی ہر وقت اُس کے پاس رہتا تھا۔ کنیزوں کی تو کوئی کمی تھی ہی نہیں، حرم سرا کی بیگمات میں سے بھی دو ایک ہر وقت اُس کے کمرے میں رہنے لگی تھیں۔ مراجل اور زبیدہ خاتون کی تو کوشش ہوتی تھی کہ خیزران کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں۔ دونوں کا شاید یہی خیال ہوگا کہ وہ خیزران کے دل میں زیادہ سے زیادہ جگہ بنالیں تو انھیں اپنے بیٹوں کی ولی عہدی کے معاملے میں ایک نہایت بااختیار ہستی کی حمایت حاصل ہوجائے گی۔

''ہمارے یہ اطبا نہایت جاہل معلوم ہوتے ہیں۔'' ہارون الرشید نے ایک دن بہت جھنجھلا کر جعفر برمکی سے کہا۔ ''کاش آج بختیشوع ہوتا!''

بختیشوع خلیفہ المنصور کا طبیب خاص تھا۔

جعفر نے کہا۔ ''اس کا بیٹا تو ہے امیر المومنین!''

''ہاں۔'' ہارون الرشید نے کہا۔ ''ابھی ہم کو بختیشوع کا خیال آیا تو یہ بھی یاد آ گیا کہ اُس کا بیٹا تمھارے خاندان کا طبیب ہے۔ غالباً جبریل نام ہے اُس کا۔''

''جی ہاں۔'' جعفر نے کہا۔ ''اگر آپ اجازت دیں تو اُسے بلایا جائے! ہم

Marfat.com

لوگوں کا تو یہی خیال ہے کہ وہ اپنے باپ سے کچھ کم نہیں۔''

''اسے بلاؤ جعفر! اُسے بلاؤ۔''

''لیکن وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ دیگر اطبّا بھی شامل رہیں۔''

''ہم ان جہلا کو فوراً ہٹا دیں گے جو بیس دن میں بھی اُمِّ محترم کا مرض تک نہیں جان سکے۔'' ہارون الرشید نے برہمی سے کہا۔

جبریل بن بختشیوع کو فوراً طلب کر لیا گیا۔ اس نے خیزران کی حالت کا جائزہ لیا، نبض خاصی دیر تک دیکھی، نسخوں کی ان دواؤں پر بھی غور کرتا رہا جن سے اب تک علاج کیا جاتا رہا تھا۔

اس وقت مراجل وہاں موجود تھی۔

جبریل نے اُسے ان دواؤں میں سے صرف ایک دوا کے بارے میں بتایا اور ہدایت کی کہ شب و روز میں چار مرتبہ صرف وہی دوا دی جاتی رہے، باقی دوائیں پھینک دی جائیں۔

مراجل نے جبریل بن بختشیوع کے انداز میں بلا کا اعتماد دیکھا۔

وہ فارغ ہو کر حکم کے مطابق ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جعفر بھی ہارون الرشید کے ساتھ اُس کا منتظر تھا۔

''بتاؤ جبریل!'' ہارون الرشید نے بے تابی سے پوچھا۔ ''کچھ سمجھ سکے؟''

''ایک اندازہ لگایا ہے امیر المومنین!'' جبریل بن بختشیوع نے کہا۔ ''شام کو پھر حاضر ہوں گا اور ایک دوا تیار کر کے لاؤں گا۔ اس دوا کا ردِّ عمل ہی یہ بتا سکے گا کہ میرا اندازہ درست ہے یا غلط!''

''اندازہ کیا ہے ابن بختشیوع؟'' ہارون الرشید بے قرار تھا۔

''گستاخی معاف امیر المومنین!'' جبریل بن بختشیوع نے کہا۔ ''نہایت ادب سے درخواست گزار ہوں کہ ابھی مجھ سے یہ سوال نہ کیا جائے۔ میں بہر حال انسان ہوں اور انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ میرا اندازہ غلط ثابت ہو اور مجھے آپ کے حضور میں شرمندگی اُٹھانا پڑے۔ میں کل صبح آپ کو اس بارے میں نہایت یقین سے کچھ بتا سکوں گا۔ ہاں یہ دعا ضرور کیجیے گا کہ میرا اندازہ غلط ثابت ہو۔''

Marfat.com

ہارون الرشید کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ جبریل کے آخری فقرے میں یہ اشارہ تھا کہ بات کچھ خطرناک ہوسکتی تھی۔

جعفر بھی اس فقرے کی وجہ سے متفکر ہوا۔

اس دن سے ہارون الرشید نے فرض نمازوں کے علاوہ باقی نمازیں بھی پڑھنا شروع کردیں۔ وہ گڑگڑا کر خالقِ حقیقی سے اپنی ماں کی صحت یابی کی دعائیں مانگنے لگا۔

سلطنت کے طول وعرض میں یہ حکم نامہ ابتدا ہی میں پہنچ گیا تھا کہ ہر صوبے کا عباسی حاکم ہر شہر میں فقرا کے لیے لنگر کھلوادے، مساجد میں خاتونِ قصر کی صحت یابی کی دعائیں مانگی جائیں، اور خاتونِ قصر کی صحت یابی پر ساری سلطنت میں جشن منایا جائے۔

شام کو جبریل بن بختیشوع نے آکر خود ہی ایک خاص دوا خیزران کو دی اور دوسری صبح آکر احوال دریافت کیا۔ اس کے بعد ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُس کا متغیر چہرہ دیکھ کر ہارون الرشید کے لیے مشکل ہوگیا کہ وہ اپنے حواس مختل ہونے سے بچائے رکھے۔ وہ کچھ بول بھی نہیں سکا، جبریل بن بختیشوع کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

جبریل خود ہی بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا۔ ''میرے منہ میں خاک امیر المومنین! میرا اندازہ درست ثابت ہوا ہے۔''

ہارون الرشید اُس کا منہ تکتا رہ گیا۔

جبریل بن بختیشوع کچھ توقف سے بولا۔ ''کاش مجھے شروع ہی میں طلب کرلیا جاتا امیر المومنین! خاتونِ قصر کے معالج اُن کا مرض سمجھ ہی نہیں سکے۔ وہ جو دوائیں دیتے رہے ہیں، اُن میں سے صرف ایک دوا وقتی طور پر تکلیف ختم کرتی رہی ہے۔ علاج اس طرح ہوا ہے جیسے خاتونِ قصر کے معدے میں زخم ہو جبکہ بات دراصل یہ ہے......''

وہ چپ ہوگیا۔

''کیا بات ہے ابن بختیشوع!'' ہارون الرشید تیزی سے بولا۔ ''بتاؤ! ہم صرف سچ جاننا چاہتے ہیں۔''

جبریل بن بختیشوع نے کہا۔ ''خاتونِ قصر کے پیٹ میں ایک خاص نوع کی رسولی بن گئی ہے۔''

Marfat.com

''رسولی!'' ہارون الرشید چونکا، پھر جلدی سے بولا۔ ''یہ کوئی ناقابلِ علاج مرض تو نہیں ہے نا جبریل!''

''امیر المومنین!'' جبریل بن بختشیوع نے کہا۔ ''غلط ادویات کے باعث وہ رسولی بہت تیزی سے بڑھی ہے اور اب خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ وہ تین چار دن میں کسی وقت بھی پھٹ سکتی ہے جس کے بعد......'' وہ پھر چپ ہوگیا۔

''جس کے بعد؟'' ہارون الرشید پر ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی۔

جبریل بن بختشیوع نے سر جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔ ''اس صورت میں خاتونِ قصر کی زندگی کا ضامن صرف وہی بن سکتا ہے جو اس ارض و سما کا مالک ہے۔''

''ابن بختشیوع!'' ہارون الرشید کی آواز کانپ گئی۔ ''کیا اب کچھ نہیں ہوسکتا؟''

''ہوسکتا ہے امیر المومنین!'' جبریل بن بختشیوع نے کہا۔ ''مجھے ایک دوا کی تیاری میں چار سے پانچ دن لگ سکتے ہیں۔ وہ دوا اس رسولی کو پھٹنے نہیں دے گی۔ اس کے بعد ہی رسولی کو ختم کرنے کا علاج ممکن ہوگا۔''

''اسے ممکن بناؤ ابن بختشیوع!'' ہارون الرشید نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ ''وہ دوا تیار کرنے میں اپنے شب و روز ایک کردو۔ ہماری اُمّ کو بچاؤ۔ ہم سلطنت کے خزانے کا منہ کھول دیں گے۔ اس میں سے تم جتنا چاہو، لے لینا۔ خزانہ خالی بھی کردو گے تو ہم تمھیں نہیں روکیں گے۔'' ہارون الرشید شدید جذباتی ہوگیا تھا۔

''امیر المومنین!'' جبریل بن بختشیوع نے کہا۔ ''میرے لیے اس سے بڑا انعام کوئی نہیں ہوسکتا کہ مالک ارض و سما کی مرضی سے اور ابنِ مریم کے صدقے میں خاتونِ قصر کی زندگی اس منزلِ منحوس و نامراد میں بھی بچالوں۔''

''جاؤ ابن بختشیوع، جاؤ! دوا کی تیاری شروع کرنے میں ایک پل کی بھی تاخیر نہ کرو۔''

جبریل رخصت ہوا اور اُس کے جاتے ہی ہارون الرشید سجدے میں گر گیا۔ اُس کے بعد تو سارا قصر الذہب ایک مسجد بن گیا۔ ہر طرف نمازیں پڑھی جانے اور دعائیں مانگی جانے لگیں۔

''یہ چند دن خاتونِ قصر کی زندگی کے لیے بہت بھاری ہیں۔'' جبریل بن

Marfat.com

بختیشوع نے قصر الذہب کے باہر یحییٰ برمکی سے کہا تھا۔ ''اگر دوا کی تیاری سے پہلے رسولی پھٹ گئی تو پھر شاید میں کچھ نہ کر سکوں۔''

یحییٰ برمکی اس وقت اپنا سر تھامے بیٹھا تھا جب اُس کی تینوں بیویاں عتابہ، زینب اور فاطمہ اس کے پاس آئیں۔ وہ ان دنوں بغداد سے باہر رہی تھیں جب قصر الذہب میں یہ قیامت برپا ہوئی تھی۔ وہ خیزران کی بیماری کی اطلاع ملتے ہی کی وجہ سے فوراً بغداد واپس لوٹی تھیں۔

یحییٰ نے انھیں تمام حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ''امیر المومنین حد درجہ غم زدہ اور انتہائی مشتعل بھی ہیں۔ انھوں نے حکم صادر کر دیا ہے کہ اُن اطبا کی گردنیں اُڑا دی جائیں جو اب تک خاتونِ قصر کا علاج کرتے رہے ہیں۔''

تینوں بیویاں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں۔ اُن کے چہروں پر تشویش و پریشانی کے مٹیالے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

یحییٰ نے اُن کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''خاتونِ قصر کے لیے اُن کی زندگی ان کے اور امیر المومنین کے لیے تو اہم ہے ہی لیکن ان کی زندگی کا اثبات ہمارے خاندان کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ نہ رہیں تو ہمارے لیے بہت مشکلات بڑھ جائیں گی۔ دربار میں عرب اُمرا کا گروہ اب خاصا طاقت ور ہو چکا ہے۔ اگر ہم خاتونِ قصر کی پشت پناہی سے محروم ہو گئے تو وہ لوگ بہت کھل کھیلیں گے۔''

ان باتوں پر اُس کی بیویوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ عتابہ نے زینب اور فاطمہ سے کہا۔ ''ہمیں فوراً قصر الذّہب پہنچنا چاہیے۔''

''ہاں۔'' یحییٰ بولا۔ ''مجھے علم ہے۔ خاتونِ قصر تم تینوں کو کئی بار پوچھ چکی ہیں۔''

وہ تینوں بلا تاخیر قصر الذّہب پہنچ گئیں۔ جس وقت وہ قصر میں داخل ہو رہی تھیں، ہارون الرشید اپنے کم عمر بیٹوں کے ساتھ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے آستانے پر حاضری دے رہا تھا۔

حضرت کی جوانی کے ایام ایک ڈاکو کی حیثیت سے گزرے تھے اور اُن کی جولان گاہ خراسان میں شہر ''ابی ورد'' سے ''سرخس'' تک تھی ان دونوں شہروں کے

Marfat.com

درمیانی راستوں سے گزرنے والا کوئی مسافر یا تجارتی قافلہ ان سے محفوظ نہیں رہتا تھا۔ ایک دن انھوں نے قرآن مجید کی ایک آیت سنی تو دل پر اُس کا گہرا اثر ہوا اور وہ اپنی اس زندگی سے تائب ہوگئے۔ کوفے میں انھوں نے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں تبلیغ کی طرف راغب ہوئے اور پھر ایک صوفی و بزرگ کی حیثیت سے اُن کی نام وری سلطنتِ عباسیہ کی حدود سے باہر تک پہنچی۔ ہارون الرشید اُن کی خدمت میں اکثر حاضر ہوا کرتا تھا لیکن وہ اس سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھے۔ اس کی عیّشانہ زندگی، موسیقی سے بے انتہا رغبت آپ کے مزاج پر گراں تھی۔ اس کی شخصیت پر ایک داغ یہ بھی تھا کہ اُس نے شعرا کو ''رنگین بیانی'' پر اکسایا تھا۔

ان باتوں کو حضرت فضیلؒ کچھ درگزر شاید اس لیے فرماتے تھے کہ ہارون الرشید کے مذہبی جذبات میں بھی جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ نماز، روزہ جیسے اس کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ جنگیں اُس کی سلطنت کی توسیع کے لیے نہیں بلکہ شوقِ جہاد میں کی جاتی تھیں۔ سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی اُس نے آرمینیا کی طرف لشکرکشی کی تھی۔ پہلے ہی سال حج کی سعادت بھی حاصل کر چکا تھا اور بعد میں بھی کسی سال ناغہ نہیں کیا تھا۔

غالباً حضرت فضیل بن عیاضؒ پر یہ بھی عیاں ہوگا کہ تنہائی میں کبھی کبھی ہارون الرشید پر رقت طاری ہوتی تھی اور وہ خوفِ خدا سے لرز اُٹھتا تھا۔ اُس کی دعاؤں میں ایک دعا یہ ضرور ہوتی تھی کہ اُسے اپنی جن غیر شرعی حرکات و سکنات پر اختیار نہیں رہتا تھا، ان پر قابو پانے کے لیے خدا اُسے توفیق فرمائے۔

جس وقت ہارون الرشید نے اُن کے آستانے پر حاضری دی، آپ اس وقت کچھ اصحاب سے حدیث و فقہ پر گفت گو فرما رہے تھے۔ آپ نے وہ مجلس فوراً برخاست کی اور ہارون الرشید کو حاضر ہونے کا موقع دیا۔

''السلام علیکم یا حضرت!'' ہارون الرشید نے کہا۔

''وعلیکم السلام ہارون!'' فضیل بن عیاضؒ نے جواب دیا۔

مامون اور امین اس وقت بہت کم عمر تھے مگر اُن کی تربیت اس طرح ہوئی تھی کہ

Marfat.com

انھوں نے بھی حضرت فضیل بن عیاضؒ کو فوراً سلام کیا۔

حضرت نے فوراً جواب دیا اور دونوں بچوں کو قریب بلا کر شفقت سے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا فرمائی۔ ''خدا تم دونوں کو نیک چلنی کی توفیق عطا فرمائے۔''

ہارون الرشید بولا۔ ''انھیں کوئی نصیحت بھی فرمایئے حضرت!''

''بچہ!'' حضرت فضیلؒ نے مامون اور امین کے شانوں پر تھپکی دے کر فرمایا۔ ''خدا کے مولوی منکسر المزاج اور رقیق القلب ہوتے ہیں جب کہ دنیا دار مولوی متکبر ہوتے ہیں جو عام لوگوں کو برا سمجھتے ہیں۔ غیبت اُن کے لیے ایک میوہ ہوتی ہے۔ ان سے ہمیشہ بچ کر رہنا۔''

دونوں بچوں کی سمجھ میں وہ باتیں نہ آسکی ہوں گی لیکن حضرت فضیل بن عیاضؒ سے عقیدت کے باعث ہارون الرشید نے سمجھ لیا کہ وہ باتیں بچوں کے دماغ میں ضرور سما گئی ہوں گی۔

''حضرت!'' ہارون الرشید بولا۔ ''اس وقت میں ایک غایت سے حاضر ہوا ہوں۔''

''میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں ہارون!'' فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا۔ ''تم میں ایک خرابی یہ ہے کہ بعض اوقات تاخیر سے کیے جانے والے کام تم عجلت میں کر بیٹھتے ہو اور جب عجلت کی ضرورت ہوتی ہے تو تم تاخیر کر بیٹھتے ہو۔''

''میں خدا سے دعا گو رہتا ہوں حضرت کہ وہ مجھے اپنی خامیوں پر قابو پانے کی طاقت عطا فرمائے۔'' ہارون الرشید نے کہا۔

فضیل بن عیاضؒ بولے۔ ''اب تم اپنی غایت کا اظہار کرو۔''

''حضرت!'' ہارون الرشید ملتجی ہوا۔ ''میری ماں شدید علیل ہیں۔ آپ خدا سے دعا فرمائیں کہ وہ اُنھیں اس شدید اذیت سے نجات دے جس سے وہ دوچار ہیں۔''

''ابھی میں نے کہا تھا نا ہارون!'' فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا۔ ''جس کام میں تمھیں عجلت کرنا چاہیے، اس کام میں تم اکثر دیر کر دیتے ہو۔ مجھے وسیلہ بنانے میں بھی تم سے تاخیر ہوئی ہے۔ جس وقت تم نے یہاں آ کر مجھے سلام کیا، اس وقت تمھاری ماں کو اس تکلیف سے نجات مل چکی تھی۔ تکلیف کا تعلق روح و جسم کے وصال سے ہے۔

Marfat.com

وصال ختم ہو تو تکلیف ختم! تمھاری ماں دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔''

''حضرت!'' ہارون الرشید چیخ پڑا۔

فضیل بن عیاضؒ نے ٹھنڈی سانس لی اور گویا ہوئے۔ ''خدا تمھیں صبر کی توفیق عطا فرمائے ہارون!''

ہارون الرشید نے غم سے نڈھال آواز میں رخصتی سلام کیا اور دونوں بچوں کے ساتھ افتاں و خیزاں قصر الذہب پہنچا جہاں کہرام بپا تھا۔ خیزران اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر چکی تھی۔

جس وقت یحییٰ کی بیویاں اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں تو وہ انھیں دیکھ کر خفیف سا مسکرائی تھی۔ خوشی کی وہ مسکراہٹ مہدی کے انتقال کے بعد پہلی اور آخری مرتبہ اس کے ہونٹوں پر آئی تھی اور اُس نے نحیف آواز میں کہا تھا۔

''مجھے تم تینوں کا انتظار تھا۔ خواہش تھی کہ ایک بار تمھیں دیکھ لوں۔''

اور اس کے بعد وہ تکلیف سے یک بارگی تڑپ اُٹھی تھی۔ یحییٰ برمکی نے اس بارے میں اطلاع ملتے ہی جبریل بن بختیشوع کو طلب کیا تھا لیکن جب تک وہ قصر الذہب پہنچتا، موت کے سامنے زندگی اپنی بازی ہار چکی تھی۔

ہارون الرشید نے سکتے کے سے عالم میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کی دی ہوئی اطلاع کی تصدیق کے الفاظ سنے اور بوجھل قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا۔ دروازہ بند کر کے وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا جیسے کسی بچے کو اس کی ماں نے اپنی آغوش سے جھٹک دیا ہو۔

خلفا کو یہ نکتہ تعلیم کیا جاتا تھا کہ فرماں روا کو عام لوگوں کے سامنے کبھی نہیں رونا چاہیے۔ لیکن جب خیزران کا جنازہ اُٹھا تو وہ یہ نکتہ بھول گیا۔ وہ آنسو بہاتا اور جنازے کو کاندھا دیتے ہوئے قبرستان کی طرف بڑھتا رہا۔ جب جنازہ قبرستان پہنچا تو آشفتہ حال خلیفۂ وقت گرد سے اٹا ہوا تھا۔

جنازے کے ساتھ بے اندازہ خلقت تھی۔ عمائدین سلطنت کے پیچھے عوام کا سمندر بہہ رہا تھا۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کی خیزران حاجت روائی کرتی رہی تھی

Marfat.com

اور وہ لوگ بھی تھے جنھیں اس سے اُس کے جود و سخا کی وجہ سے عقیدت تھی۔

جنازے کے پیچھے اور ہجوم کے آگے یحییٰ برمکی بھی غور و فکر میں سر جھکائے ہوئے چل رہا تھا۔ وہ عورت اس کے لیے بہت سی یادیں چھوڑ کر جا رہی تھی جو وہ کبھی فراموش نہیں کرسکتا تھا۔ ان یادوں میں خوشیاں بھی تھیں، آلام بھی تھے۔

قبرستان پہنچ کر ہارون الرشید نے خاک سے اٹے ہوئے پیر دھوئے، وضو کیا اور نمازِ جنازہ پڑھائی۔

جب یہ جلوس غم زدگاں، تدفین کے بعد واپس لوٹا، اس وقت بھی گلی کوچوں سے آہ و فغاں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ خیزران کے لیے سارا بغداد سوگوار تھا۔ وہ محبت، وہ عزت، وہ قدر و منزلت پہلے کبھی کسی کنیز کو نصیب نہیں ہوئی ہوگی۔ وہ یمنی کنیز جو ایک خلیفۂ وقت کی بیوی اور دوسرے خلیفۂ وقت کی ماں بھی تھی۔

قصر الذہب میں آنسو بہانے والوں کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں۔ وہاں اب ہُو کا عالم طاری تھا

ہارون الرشید نے چالیس روزہ سوگ کا اعلان کیا اور اپنے کمرے میں جا کر خود کو بند کرلیا۔ اسیرِ غم گویا اسیرِ قفس بھی ہوگیا۔

سانحات سے بے خبر، بے مروت وقت گزرتا رہا۔ غم والم سے دھندلائی ہوئی فضا دھیرے دھیرے صاف ہوئی اور جب ہارون الرشید اس فضا سے نکلا تو اُسے یاد نہیں تھا کہ وہ کتنے دن یا کتنے عرصے تک اشک رواں کے ساتھ ماتم کناں رہا تھا۔

☆☆☆

یحییٰ برمکی نے اپنے بیٹوں کے ذریعے ہارون الرشید کے گرد ایک حصار تو بے شک قائم کرلیا تھا لیکن وہ مضبوط دیوار اب ٹوٹ چکی تھی جو اس کے حریفوں کو چپکے سے قصرِ خلافت میں داخل ہونے سے روک رہی تھی۔

حج کا زمانہ قریب آ رہا تھا۔ ہارون الرشید نے معمول کے مطابق یہ سعادت حاصل کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ انھی دنوں میں ایک اور سانحہ ظہور پذیر ہوا۔ شہزادی عباسہ بیوہ ہوگئی۔

Marfat.com

محمد بن سلیمان کا انتقال اچانک ہوا تھا اور اس کے انتقال پر بحرین، اہواز اور فارس کے لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں۔ وہ ایک ظالم و جابر شخص کی حاکمیت سے آزاد ہو گئے تھے۔

قصرِ خلافت کا داماد بننے کے بعد محمد بن سلیمان نے بہت زیادہ پر پرزے نکال لیے تھے۔ وہ لوگوں پر غلط الزامات لگا کر اُن کا مال و متاع ضبط کرلیا کرتا تھا۔ عباسہ اُسے اس قسم کی حرکتوں سے روکنے کے لیے کوشاں ہوتی تھی تو وہ اس سے بھی بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔

شہزادیوں کی پرورش بڑے ناز ونعم میں ہوتی ہے۔ عباسہ کی پرورش بھی اسی طرح ہوئی تھی۔ وہ خلیفۂ وقت کی چہیتی بہن بھی تھی لیکن جب وہ دلھن بن کر فارس گئی تھی تو ایک بے بس وشکستہ دل شہزادی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کی خبر ہارون الرشید کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ قصرِ خلافت اس کے ساتھ جو بہت بڑی زیادتی کر چکا تھا، اس کے بعد محمد بن سلیمان کی وہ زیادتیاں عباسہ کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتی تھیں، تاہم فارس، اہواز اور بحرین کے لوگوں کی شکایات ہارون الرشید تک پہنچتی رہتی تھیں۔ اس نے ان شکایات کی طرف سے شاید اس لیے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں کہ شکایات کا ہدف اُس کی بہن عباسہ کا شوہر تھا۔

ایک مرتبہ محمد بن سلیمان سے کچھ بغض رکھنے والے اس کے سگے بھائی جعفر بن سلیمان نے ہارون الرشید تک یہ بات پہنچائی تھی کہ محمد بن سلیمان لوگوں کی دولت لوٹ کر اسلحہ خرید رہا ہے تاکہ سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کرسکے۔

وہ محض ایک الزام تھا۔ ہارون الرشید نے اس کی تحقیق کروالی تھی لہٰذا اس حوالے سے بھی اُس نے محمد بن سلیمان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد، حج پر روانگی سے ایک دن پہلے ہارون الرشید نے حکم صادر کردیا کہ محمد بن سلیمان کا سارا مال متاع ضبط کرکے بیت المال میں داخل کردیا جائے۔

اس حکم کا اطلاق محمد بن سلیمان کے محل پر نہیں ہوا کیوں کہ شہزادی عباسہ نے واپس قصرِ خلافت لوٹنے کے بجائے اپنے مرحوم شوہر کے محل میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

Marfat.com

عباسہ کی بیوگی کی خبر جعفر کو بھی مل گئی۔ اُسے عباسہ پر ہونے والی زیادتیوں کا علم نہیں تھا اس لیے اُس نے محمد بن سلیمان کی موت کو عباسہ کی زندگی کا ایک المیہ سمجھا اور اس خوب صورت شہزادی کے لیے دو تین روز تک مغموم رہا۔

ہارون الرشید حج سے واپس لوٹا تو اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ اسے طوافِ کعبہ سے کافی سکون ملا تھا۔ حج پر روانگی سے قبل خیزران کے حوالے سے اس کی جو رنجیدگی باقی رہ گئی تھی وہ بھی ختم ہو گئی تھی۔ اس کا سبب شاید یہ ہو کہ حج کے دورانیے میں اس نے بہلول مجذوب کو کسی سے کہتے سنا تھا کہ جب انسان دنیا میں آتے ہیں تو لواحقین بڑی خوشیاں مناتے ہیں اور دنیا سے انھی کی رخصت پر غم زدہ ہو جاتے ہیں، آخر کیوں؟ زندگی تو ''اس'' کی امانت ہے اور اپنی امانت تو کوئی بھی واپس لے سکتا ہے!

غرضیکہ حج سے واپس آتے ہی ہارون الرشید نے درباری مسخروں کو تو بہر حال چھوٹ نہیں دی، شعرا کے جمگھٹوں میں بھی نہیں بیٹھا، نغمہ و رقص کی محفلیں بھی نہیں سجائیں۔ وہ بس پوری طرح امورِ سلطنت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یحیٰ برمکی پر اس کو اب بھی اعتماد تھا لیکن خیزران جیسی راہنما کے چلے جانے کے بعد وہ ضروری سمجھنے لگا تھا کہ خود بھی اُمورِ سلطنت کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔

یہ یحیٰ برمکی کے لیے ایک تشویش ناک مرحلہ تھا کیوں کہ اُمورِ سلطنت کے معاملات میں ہارون الرشید کا تعلق ان لوگوں سے بڑھ جاتا جو برامکہ کے شدید مخالف تھے اور جنھیں خیزران ہی کی وجہ سے چھوٹ نہیں مل سکی تھی۔

سلطنت کے ابتدائی اُمور نمٹانے کے بعد ہارون الرشید خود فارس جا کر عباسہ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے قصرِ خلافت واپس لوٹنے سے گریز کیوں کیا ہے، لیکن اسے فارس جانے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ بغداد ہی میں پھنس کر رہ گیا کیوں کہ ولی عہدی کا قضیہ پھر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

خیزران نے مرنے سے پہلے خاتون زبیدہ اور مراجل کو یہ بات سمجھا دی تھی کہ فی الحال ولی عہدی کا مسئلہ کھڑا کرنا قطعی نامناسب ہوگا اور ہارون الرشید ایک دن اس کی مزاج پرسی کے لیے گیا تھا تو اُسے بھی یہ بات بتا دی تھی۔ اس سے ہارون الرشید خاصا

Marfat.com

مطمئن ہوا تھا لیکن بات اب سامنے آئی کہ خیزران کے لفظ ''فی الحال'' سے غلط مطلب لیا گیا تھا۔ خیزران کی مراد ''چند سال'' سے تھی جب کہ اُسے چند ماہ سمجھ لیا گیا اور یہ سمجھنے والی خاتون زبیدہ تھی۔ وہ قضیہ کھڑا کرنے میں مراجل کی طرف سے پہل نہیں کی گئی تھی۔

یحییٰ برمکی ان حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہی کہ خیزران کے بعد خاتون زبیدہ اس کی جگہ لینے کے لیے کوشاں تھی۔ اس میں تو کوئی شک نہیں تھا کہ پانچ ساڑھے پانچ برسوں میں اُس کا ذہن ناپختہ نہیں رہا تھا لیکن بہ زعم خود وہ بہت باشعور و ذی فہم ہو چکی تھی۔ ہارون الرشید اس سے محبت کرتا تھا جس سے وہ پوری طرح فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اُس کی رگوں میں عباسی خون دوڑ رہا تھا اس لیے وہ عربی عصبیت کا بھی شکار نظر آنے لگی تھی۔ متعصب عربی درباری اُمرا کا جھکاؤ اب اُس کی طرف زیادہ ہوتا چلا گیا کیوں کہ ایرانیوں اور خصوصاً برامکہ کی فضیلت کو وہ ناگوار نظروں سے دیکھتے رہے۔ زبیدہ کو اپنے بیٹے امین کی ولی عہدی کے معاملے میں خاندان کے لوگوں کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

اُس نے خود کو اتنا بااختیار بنا ہی لیا کہ اپنے بیٹے کے اتالیق کا انتخاب و تقرر خود کر سکے۔ وہ جانتی تھی کہ فضل برمکی اس کا طرف دار تھا لہٰذا اسی کو شہزادہ امین کا اتالیق مقرر کر دیا اور اس کے لیے دیگر اساتذہ بھی خود منتخب کیے۔

شہزادہ مامون کے لیے ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو اتالیق مقرر کیا جس کی خواہش خود جعفر برمکی کو بھی تھی۔

ان دونوں شہزادوں میں سے کسی ایک کی ولی عہدی کا قضیہ اتنا بڑھا کہ ہارون الرشید اعصابی تناؤ کا شکار ہو گیا۔ خاتون زبیدہ اور خاندان کے لوگوں کے دباؤ سے نکلنا اُس کے لیے ممکن نہیں رہا تو اُس نے شہزادہ امین کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ اُس کی ولی عہدی پر بیعت بھی لے لی گئی۔ اس طرح یہ جھگڑا ختم ہونے پر مراجل نہایت دل برداشتہ اور خاتون زبیدہ فتح کے نشے سے سرشار ہو گئی۔ جعفر مغلوب ہو چکا تھا۔ اُس کی یہ کیفیت ہارون الرشید سے پوشیدہ نہ رہی اور ایک دن اُس نے تنہائی میں جعفر سے کہا۔

''شاید محترم یحییٰ نے تمھیں کچھ نہیں بتایا۔ ہم نے اس فیصلے کے بارے میں اُن

Marfat.com

سے بھی مشورہ کیا تھا۔ انھوں نے ہم سے اتفاق کیا کہ فی الحال شہزادہ امین کی ولی عہدی کا اعلان کر کے اُس کی حمایت اور طرف داری کرنے والوں کا شور و غوغا ختم کر دیا جائے اور ہم پُرسکون ہو کر سلطنت کے دیگر مسائل کی طرف توجہ دے سکیں۔ ہم اتنے بااختیار تو ہیں کہ مناسب وقت آنے پر دونوں شہزادوں کے خصائل اور کردار و سیرت کی بنیاد پر اس فیصلے کو رد کر کے دوسرا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں۔''

ان باتوں سے جعفر کی ڈھارس بندھی اور وہ مامون کا پہلے سے زیادہ گرویدہ ہو گیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ مامون کو ہر طرح سے امین سے بہتر اور برتر بنا دے گا۔

دوسری طرف خاتون زبیدہ نے اپنے حق میں کانٹے بونا شروع کر دیے۔ امین اُس کے لاڈ پیار سے کچھ نہ کچھ تو بگڑنے لگا تھا۔ نادانستہ طور پر اُسے مزید بگاڑنے کے لیے خاتون زبیدہ نے اُس کے اساتذہ کو پیغام پر پیغام بھجوانا شروع کیے کہ وہ اس کے بیٹے کو درس و تدریس میں اتنا زیادہ نہ اُلجھائیں کہ اس کا دل گھبرانے لگے۔ اُس نے ان اساتذہ کو یہ تاکید بھی کی کہ امین کے ساتھ قطعی سختی نہ کی جائے اور وہ اس کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آیا کریں کیوں کہ وہ اس کے دل کا ٹکڑا اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔

مستقبل میں اُس کے نتائج کیا نکلتے، اس سے قطع نظر، یہ متعصب عرب اُمرا سے برامکہ کی پہلی بڑی شکست تھی۔ انھی دنوں میں جب ہارون الرشید نے سکون کا سانس لیا تھا، ایک سیاسی اور عسکری تنازعہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہارون الرشید نے تخت نشین ہوتے ہی اخلاقی جرائم سے مبّرا تمام قیدیوں کو زنداں سے رہا کر دیا تھا۔ ان میں علویان بھی تھے جنھیں خلیفہ المنصور نے گرفتار کر کے قید میں ڈالا تھا۔

ان علویان کے سربراہ دو بھائی ادریس اور یحییٰ بن عبداللہ تھے۔ وہ لوگ رہائی ملتے ہی پس پردہ چلے گئے۔ پس پردہ رہتے ہوئے انھوں نے سیاسی سرگرمیاں جاری رکھی تھیں۔ چھ برس بعد وہ اب اس طرح نمایاں ہوئے تھے کہ ''ویلم'' میں یحییٰ بن عبداللہ نے پرچم بغاوت بلند کیا تھا اور شمالی افریقہ میں ادریس نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔

مصر کی سرحد سے بحر اوقیانوس اور دریائے نائیجریا تک آباد بربر قوم نے ادریس کا ساتھ دیا تھا اور اس کی حکومت کی حمایت کی تھی۔

Marfat.com

ہارون الرشید نے فضل بن یحیٰی برمکی کو طبرستان، رے، جرجان اور آس پاس کے شہروں کا حاکم مقرر کر کے اُسے حکم دیا کہ یحیٰی بن عبداللہ کی بغاوت کچل دی جائے۔ اس مہم کے لیے پچاس ہزار کا لشکر روانہ کیا گیا۔ فضل برمکی کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ بغاوت ختم کرنے کے لیے جنگ سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔ دراصل ہارون یہ چاہتا تھا کہ مسلمان ہی مسلمانوں کا گلا نہ کاٹیں۔

مغرب میں اب دولتِ عباسیہ کے دو دشمن ہو گئے۔ اندلس کی اُموی حکومت پہلے ہی موجود تھی، اب ادریسی حکومت کی فرماں روائی کا پرچم بھی لہرانے لگا تھا۔ ہارون الرشید کی تشویش ناک نظریں اس طرف بھی تھیں۔ وہ اس طرف کوئی جارحانہ قدم اُٹھانے سے ہچکچا رہا تھا جس کی ایک ''نازک'' سیاسی وجہ تھی۔

افریقا کا عباسی والی ابن اغلب تو چاہتا تھا کہ ادریسی حکومت کا خاتمہ جلد از جلد کر دیا جائے۔ ہارون الرشید کے لیے ممکن تھا کہ وہ ضرورت کے مطابق سامانِ حرب افریقا کے حاکم کو مہیا کر دیتا۔

''لیکن آپ ٹھیک سوچ رہے ہیں کہ یہ مناسب نہیں ہوگا۔'' ایک مشاورت میں یحیٰی برمکی نے اُس سے کہا۔ ''ادریسی حکومت کو زیر کر لینا کچھ مشکل نہیں لیکن اس صورت میں دولتِ عباسیہ کی سرحد اندلس کی اُموی سلطنت کے روبرو آ جائے گی جو اب اتنی مضبوط ہو چکی ہے کہ بلادِ فرنگ میں مصروف پیکار ہے اور فتوحات پر فتوحات حاصل کر رہی ہے۔''

دمشق سے فرار ہونے والے شہزادہ عبدالرحمٰن نے اندلس میں جس اُموی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی، اس کے قیام کو اب تیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ بلادِ فرنگ میں اُسے ''قریش کا شکرا'' کہا جانے لگا تھا۔ عبدالرحمٰن نے اندلس میں بتیس سال حکومت کی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد اب وہاں اُس کا بیٹا ہشام حکومت کر رہا تھا جس نے باپ کے نقشِ قدم پر ہی پیش قدمی جاری رکھی تھی اور فرانس کی سلطنت کو زیر و زبر کر رہا تھا۔

یحیٰی برمکی نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ضروری تو نہیں کہ سرحدیں ملتے ہی دونوں سلطنتوں میں جنگ چھڑ جائے لیکن چھوٹی موٹی سرحدی جھڑپیں ضرور ہونے لگیں گی جو کسی نہ کسی مرحلے پر ایک فیصلہ کن جنگ میں تبدیل ہو جائیں گی جب کہ مشرق اور

Marfat.com

مغرب کی رومی حکومتیں اسی مقام پر حملہ کرنے کی تاک میں ہیں۔ دو مسلمان سلطنتوں کے تصادم سے ان رومیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔''

اس وقت مشرق کی بازنطینی حکومت قدیم روما سے اپنا رشتہ ختم کر کے اپنا ایک الگ وجود اختیار کر چکی تھی اور بلقان وشرقی یورپ میں اپنی فرماں روائی کا سکہ جمارہی تھی۔

یحییٰ برمکی کی باتوں پر ہارون الرشید نے تائید میں سر ہلایا اور بولا۔''ایک اور بات بھی ہے جس سے آپ صرفِ نظر کر گئے۔ ادریسی حکومت کی طرف ہمارے جارحانہ اقدام کا ایک ردِ عمل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بکھرے ہوئے علوی یک جان ہو جائیں اور اتحاد واتفاق کے ساتھ اُموی سلطنت سے مل جائیں۔

''پھر وہ بڑی بھرپور طاقت کے ساتھ ابن اغلب پر حملہ آور ہوسکیں گے اور سارے افریقا کی صورتِ حال خطرناک ہو جائے گی۔ وہ سارا علاقہ ہماری سلطنت سے کٹ بھی سکتا ہے۔''

''درست خیالات ہیں آپ کے امیر المومنین!''

''یہاں ہم ایک بات ضرور واضح کرنا چاہیں گے۔'' ہارون الرشید نے کہا۔''اگر ادریسی سلطنت کے خاتمے کے باعث اندلس کی سلطنت دولتِ عباسیہ کی سرحد سے مل جانے کے بعد جنگ کا امکان بڑھ جاتا ہے تو ہم نہ جنگ سے خائف ہیں، نہ ہمارے دل میں اُموی سلطنت کی طاقت کا خوف ہے۔ ہم بس یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان ہی مسلمان کا خون بہائے اور غیر مسلم طاقتوں کو اس تصادم سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملے۔''

''قابلِ ستائش ہیں آپ کے یہ جذبات۔'' ایک عرب امیر نے کہا۔

اس مشاورت میں سات آٹھ افراد شامل تھے جن میں ایرانی شخص صرف یحییٰ برمکی ہی تھا۔

جب یہ نشست برخاست ہوئی اور سب ایک ایک کر کے رخصت ہوئے تو آخر میں وہ امیر رک گیا جس نے ہارون الرشید کے جذبات کو قابلِ ستائش گردانا تھا۔ اس عرب امیر کا تعلق خانوادہ عباسیہ سے بھی تھا۔

ہارون الرشید کھڑا ہو کر مستفسرانہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

Marfat.com

''امیر المومنین!'' عرب امیر بولا۔ ''میں تنہائی میں آپ سے کچھ عرض کرنے کے لیے رک گیا ہوں۔''

''ہاں ہاں، کہو!''

''یحییٰ برمکی نے آپ کے قابلِ ستائش خیالات کی تائید کی اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ خلوصِ دل سے کی لیکن اس کا ایک پہلو اور بھی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''برامکہ کو علویوں سے ہم دردی ہے۔ یہ لوگ نہیں چاہتے کہ علویوں کا خون بہے۔''

ہارون الرشید نے غور سے عرب امیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس ہم دردی میں برامکہ کہاں تک جا سکتے ہیں؟''

''کوئی خاص وقت آنے پر شاید کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔''

ہارون الرشید نے کچھ رک کر کہا۔ ''ہم اس پر غور کریں گے۔''

''اسی لیے میں نے یہ بات آپ کے کان میں ڈالی ہے۔''

عرب امیر کو رخصت کرنے کے بعد ہارون الرشید اپنی آرام گاہ کی طرف جاتے ہوئے اس بارے میں غور کرتا رہا لیکن وہ اس سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ اس کے دربار میں عرب و عجم کے دو گروہ بن چکے تھے جن کی یہ کوشش رہتی تھی کہ ایک دوسرے کی غیبت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

یحییٰ برمکی ان باتوں سے بے خبر نہیں رہا۔ اُس نے اپنے بیٹے محمد کو حاجب اسی لیے مقرر کر رکھا تھا کہ دوسرے لوگوں کی موجودگی میں وہ بھی خلیفۂ وقت کے قریب رہے۔

''لیکن مجھ سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ میں باہر نکل گیا تھا۔'' محمد برمکی نے باپ کو سب باتیں بتانے کے بعد کہا۔ ''جب اچانک احساس ہوا کہ وہ بدخشخص امیر المومنین کے پاس رک گیا ہے تو میں نے دروازے کے قریب رک کر اُن کی باتیں سن لیں۔''

یحییٰ برمکی مسکرایا۔ ''اچھا ہوا جو تم یہ غلطی کر بیٹھے کہ عجلت میں باہر نکل گئے ورنہ تمھارے سامنے وہ شخص امیر المومنین سے یہ باتیں ہرگز نہ کرتا۔ اب آئندہ خیال رکھا جا سکتا ہے کہ اُس شخص کی طرف سے زیادہ چوکنا رہا جائے۔'' یحییٰ نے ٹھنڈی سانس لی۔

Marfat.com

''خاتونِ قصر کے انتقال پر ہی میں نے سمجھ لیا تھا کہ اب یہ لوگ زیادہ پر پرزے نکالیں گے۔''

''خاتون زبیدہ اب خاتونِ قصر کی جگہ لینے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' محمد نے کہا۔

''خاتونِ قصر کی طرح انھوں نے بھی سخاوت اور فیاضی اپنالی ہے اور یہ بھی آپ کے علم میں ہے کہ رصافہ میں انھوں نے بطورِ خاص اپنے لیے ایک محل بنوالیا ہے۔''

''ہاں۔ دارالقرار۔'' یحییٰ برمکی نے محل کا نام لیا۔ ''دراصل خاتون زبیدہ کی خواہش ہے کہ وہ ممکنہ حد تک اپنے مقربین کو ہماری نظروں میں نہ آنے دیں۔''

اس کے بعد محمد نے رخصت ہونے سے پہلے اپنے بھائی فضل برمکی اور قائد علویان یحییٰ بن عبداللہ کے حوالے سے خراسان کا حال دریافت کیا۔ یحییٰ نے اُسے مبہم جواب دے کر رخصت کردیا لیکن وہ خراسان کے حالات سے پوری طرح باخبر تھا کیوں کہ اُسے ''روزانہ'' کی بنیاد پر اطلاعات مل رہی تھیں۔

ہارون الرشید کے دور میں ڈاک کی جو تنظیم کی گئی تھی، وہ پہلے کبھی کسی خلیفہ کے دور میں نہیں ہوئی تھی۔ اس شعبے میں ہارون الرشید نے بے پناہ مصارف کی بالکل پروا نہیں کی تھی۔ ''دیوان البرید'' یعنی محکمۂ ڈاک کے لیے برق رفتار گھوڑوں اور صبار فتار کبوتروں کی ایک کثیر تعداد رکھی گئی تھی۔ کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی کا سبق ہارون الرشید نے شاید ابومسلم خراسانی سے لیا ہو جس نے انقلاب دمشق کے وقت یہ کام کبوتروں سے کروایا تھا۔

یحییٰ برمکی نے خفیہ طور پر یہ انتظام ذاتی طور پر بھی کروایا تھا لیکن وہ گھوڑوں سے نہیں، صرف کبوتروں سے کام لے رہا تھا۔ گھوڑوں سے کام لینے کی صورت میں اس کا یہ ''ذاتی انتظام'' خفیہ نہیں رہ جاتا۔

خراسان کے حالات یہ تھے کہ فضل برمکی نے علویوں کو دعوتِ مبارزت دینے کے بجائے یحییٰ بن عبداللہ کو صلح جوئی کی طرف مائل کرنے کے لیے ایک خط لکھا تھا۔ خود ہارون الرشید کی بھی یہ خواہش تھی کہ اس معاملے میں خون خرابہ نہ ہو تو بہتر ہے۔

خط میں لکھا گیا تھا کہ یحییٰ بن عبداللہ ابھی اتنے پیروکار جمع نہیں کرسکا تھا جو پچاس ہزار کے لشکرِ جرار سے ٹکر لے سکے، اور پھر بغداد سے فضل برمکی کو مزید کمک بھی مل

Marfat.com

سکتی تھی لہٰذا عقل مندی کا تقاضا یہ ہوتا کہ یحییٰ بن عبداللہ تصادم سے گریز کرے اور علویوں کی ایک کثیر تعداد کی گردنیں نہ کٹوائے۔ میدانِ جنگ میں عباسی لشکر سے تصادم اس کے لیے سو فی صد ایک گھاٹے کا سودا ہوتا۔

فضل برمکی نے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر یحییٰ بن عبداللہ صورتِ حال کا تجزیہ کر کے صلح کی طرف مائل ہو تو اس کے پاس آئے اور اس کے ساتھ بغداد چلے۔ وہ امیر المومنین ہارون الرشید سے اس کی جاں بخشی کروا دے گا۔

فضل برمکی کو اپنے اس خط کا جواب ملنے میں خاصی دیر لگی مگر اُس نے تحمل سے اس لیے کام لیا کہ مخبر حوصلہ افزا اطلاعات دے رہے تھے۔ یحییٰ بن عبداللہ صلح کی طرف مائل تھا۔ اس پر اپنی یہ غلطی منکشف ہوگئی تھی کہ علم بغاوت بلند کرنے میں اس نے عجلت سے کام لیا تھا۔ پہلے اُسے اپنی طاقت اتنی بڑھا لینا چاہیے تھی کہ دولتِ عباسیہ سے تصادم میں اگر فتح حاصل نہ کر سکے تو بھی اتنا تو ہو کہ علویوں کے لشکر کا جتنا جانی نقصان ہو، اتنا ہی نقصان لشکرِ عباسیہ کا بھی ہو۔

وہ صورت ابھی نہیں بن سکی تھی لہٰذا وہ صلح کا یہ موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ جنگ کے لیے تیار ہو جانا اس کی دوسری غلطی ہوتی اور میدانِ جنگ میں وہ سب خس و خاشاک کی طرح بہا دیے جاتے۔

''لہٰذا ابھی اور انتظار کرنا چاہیے۔'' اُس نے اپنے چند سرکردہ ساتھیوں سے کہا تھا جو صلح کے بجائے مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے۔

تاخیر اسی لیے ہوئی کہ یحییٰ بن عبداللہ اپنے ساتھیوں کو بڑی مشکل سے ''ہم وار'' کر سکا تھا۔ وہ آخر کار فضل برمکی سے آملا اور فضل اُسے لے کر بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ فضل مطمئن تھا۔ ہارون الرشید کو یہ بات باور کرائی جا سکتی تھی کہ یحییٰ بن عبداللہ جیسے قائد کے بغیر علوی اب سر نہ اُٹھا سکیں گے۔

بغداد پہنچنے کے بعد یحییٰ بن عبداللہ کو قصر الذہب میں ہارون الرشید کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

''ہم باغیوں سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتے۔'' ہارون الرشید نے کسی تمہید

Marfat.com

کے بغیر یحییٰ بن عبداللہ سے کہا۔ ''مگر کیونکہ فضل نے تم سے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ ہم سے تمھاری جاں بخشی کروادے گا لہٰذا ہم اس کے وعدے کا پاس کریں گے۔''

اس کے بعد جعفر برمکی کو حکم ملا کہ وہ یحییٰ بن عبداللہ کو اپنے محل کے ''مہمان خانے'' میں لے جائے۔

یحییٰ بن عبداللہ کسی تردّد کے بغیر جعفر برمکی کے ساتھ چلا گیا۔

جعفر اُسے اپنے محل کے ایک خاص حصے میں لے گیا جس کے چاروں طرف سپاہیوں کا سخت پہرا تھا۔

''آپ کو اس حصے تک محدود رہنا ہے۔'' جعفر نے اُس سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' یحییٰ بن عبداللہ چونکا۔

''امیر المومنین نے یہ حکم مجھے اس وقت دے دیا تھا جب آپ میرے بھائی کے ساتھ خراسان سے بغداد کی طرف روانہ ہوئے تھے۔''

''یہ دھوکا ہے۔'' یحییٰ بن عبداللہ چیخ پڑا۔ ''سراسر دھوکا ہے۔ یہ عباسی خلیفہ کی شخصیت پر ایک بہت بڑا داغ بن جائے گا۔ اس دھوکا دہی پر تاریخ اُسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔''

جعفر نے بڑے سکون سے کہا۔ ''کیا آپ کی یہ باتیں امیر المومنین کے کانوں تک پہنچادی جائیں؟''

''ضرور پہنچادی جائیں؟'' یحییٰ بن عبداللہ نے برہمی سے کہا۔ ''زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا کہ مجھے گستاخ قرار دے کر میری گردن اُڑادی جائے گی لیکن مجھے اُس کی پروا نہیں ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ صلح میں نے کسی ذاتی خوف سے نہیں کی تھی۔ مجھے صرف یہ خیال تھا کہ میدانِ جنگ میں بے شمار مسلمانوں کا خون رائگاں جائے گا۔''

جعفر برمکی نے یہ سب باتیں ہارون الرشید کے گوش گزار کردیں۔

ہارون الرشید بھڑک کر بولا۔ ''یہ ہرگز دھوکا دہی نہیں ہے۔ فضل نے صرف جاں بخشی کا وعدہ کیا تھا، سو جاں بخشی کردی گئی۔ ہم نے باغی کا سر قلم نہیں کروایا، صرف نظر بندی پر اکتفا کی۔ بہ خدا ہم علویوں کی جان کے دشمن نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف اُن کی

Marfat.com

عزت کرتے ہیں۔ ان کے نسب کی محبت ہمارے دل میں اُن کا احترام ہے لیکن اگر کوئی ہماری سلطنت کے لیے خطرہ بنے گا تو ہم اُسے ایک حد سے زیادہ چھوٹ ہرگز نہیں دے سکتے۔ ہمارے دل میں علویوں کی محبت ہے لیکن یہ ہمارے دشمن بنے ہوئے ہیں، ہم سے بغض رکھتے ہیں، ہماری سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں جب کہ یہ خاندانِ عباسیہ ہی ہے جس نے ان کے خون کا بدلہ لیا اور امویوں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچایا۔"

غصے میں ہارون الرشید ٹہلنے لگا۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ اگر کوئی ہارون الرشید کے سامنے علویوں کے حسب و نسب کے خلاف زہر اگلتا تو اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی جاتی تھی۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا۔

اس گزرتے ہوئے وقت میں شہزادی عباسہ کی دوسری شادی خاندانِ عباسیہ ہی میں ابراہیم بن صالح سے کر دی گئی تھی لیکن اس مرتبہ بھی بیوگی ہی عباسہ کا مقدر بنی۔ ہارون الرشید اس کی داستانِ غم سے بے خبر تھا بلکہ اُس نے اپنی پیاری اور عزیز بہن کی زندگی کو مسلسل خزاں رسیدگی سے بچانے کے لیے اس کی تیسری شادی بھی کی لیکن خزاں شروع ہی سے عباسہ کے جسم میں اس طرح بس رہی تھی کہ بہار آنے کے سارے راستے مسدود تھے۔ عباسہ کا تیسرا شوہر بھی دنیا سے چل بسا اور عوام میں اس قسم کی سرگوشیاں ہونے لگیں کہ جسے مرنا ہو وہ عباسہ سے شادی کرے۔

جب جعفر برمکی کے کان میں بھی یہ سرگوشی پڑتی تو وہ بری طرح تلملا جاتا جس پر اسے خود بھی حیرت ہوتی۔ وہ اکثر سوچا کرتا کہ ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود عباسہ کے لیے اس کے جذبات ٹھنڈے کیوں نہیں پڑے تھے۔ اس عرصے میں اُس کی اور شادیاں بھی ہو چکی تھیں، وہ کئی بچوں کا باپ بھی بن گیا تھا لیکن عباسہ کی وہ ایک جھلک اس کے دل و دماغ پر ایسی ثبت ہوئی تھی کہ جب بھی کہیں عباسہ کا نام، اُس کا ذکر کہیں سنتا تھا تو اُسے جھرجھری آجاتی تھی اور وہ ایک دو دن تک عجیب سی کیفیت میں گرفتار رہتا تھا۔

Marfat.com

ہارون الرشید عباسہ کی چوتھی شادی بھی کروا دیتا لیکن اس موقع پر وہ خاموش نہیں رہ سکی تھی اور بڑے کرب سے چیخ اُٹھی تھی۔

''بس کیجیے! بس کیجیے! بس!''

ہارون الرشید چپ رہ گیا تھا اور بہت مغموم بھی ہوا تھا۔ وہ شدید اصرار کر کے عباسہ کو قصر الذہب واپس لے آیا تھا۔ وہ گیارہ سال بعد ''اپنے گھر'' لوٹی تو ایک ایک سے گلے مل کر خوب روئی۔ اُسے علم ہوا کہ اُس کی ماں اُس کی یاد میں گھل گھل کر مر چکی تھی۔ وہ ماں کے بستر پر لیٹ کر بھی روئی۔

ان گیارہ سالوں میں بہت کچھ ہو چکا تھا۔ قصر الذّہب کی کئی بیگمات، کئی مرد اور کچھ بچے بھی دنیا چھوڑ کر جا چکے تھے۔ غم والم کے ان ماتم کدوں کے بیچ بیچ خوشیوں کے موسم بھی آتے رہے تھے۔ ہارون الرشید کی بہنوں عالیہ اور بانوقہ کے علاوہ بھی کئی شادیاں ہو چکی تھیں۔ کچھ نئی روحوں نے بھی بطنِ مادر سے باہر قدم رکھا تھا۔

قصر الذّہب کے باہر سلطنت میں بہت کچھ ہو چکا تھا۔ یحییٰ بن عبداللہ کی بغاوت کے بعد شام میں بدامنی پھیلی تھی۔ وہاں کی خانہ جنگی پر کسی نہ کسی طرح قابو پا لیا گیا تھا۔ قبائل ''مضر'' نے دمشق پر قبضہ کر کے وہاں کے حاکم کو نکال باہر کیا تھا تو وہ فساد فرو کرنے کے لیے جعفر برمکی کو ایک لشکر کے ساتھ وہاں بھیجا گیا تھا۔ موصل میں بغاوت ہوئی تھی تو خود ہارون الرشید اُسے کچلنے کے لیے گیا تھا۔ وہیں اس معرکے میں بعض قبائل کی بغاوت کے ساتھ خراسان میں اُٹھنے والے خوارج کے فتنے کی اطلاع ملی تھی۔ ہارون الرشید نے وہیں سے بغداد میں موجود اپنے ایک سپہ سالار کو حکم نامہ بھیجا تھا کہ وہ مصر جا کر وہاں کے حالات سنبھالے۔ کسی نہ کسی طرح خوارج کے فتنے کو بھی کچلا گیا تھا۔

ہارون الرشید جس سال کسی عسکری معاملے میں اُلجھا ہوا نہیں ہوتا تھا تو حج کرنے ضرور جاتا تھا۔ اس نے عمرے بھی کیے۔

بغداد میں عرب وعجم کے گرہوں کی سرد جنگ بھی جاری رہتی تھی کبھی ایک فریق دوسرے پر، تو کبھی دوسرا فریق پہلے فریق پر غالب آجاتا تھا۔ اس جنگ میں عربوں اور عباسیوں کا پلہ اس لیے بھاری رہا کہ انھیں خاتون زبیدہ کی پشت پناہی حاصل تھی۔

Marfat.com

ہارون الرشید اپنی چہیتی بیوی کی خاطر بعض اوقات غلط فیصلے بھی کر بیٹھتا تھا۔ برامکہ کو زیادہ نقصان اس لیے ہوا کہ وہ خیزران کی طاقت سے محروم ہو چکے تھے۔ ہارون الرشید کے دل میں یہ بات بھی بٹھادی گئی تھی کہ علویوں کے معاملے میں برامکہ کسی وقت دولتِ عباسیہ کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتے تھے۔

بہ ایں وجوہ برامکہ کا اثر و اقتدار کم ہوتا چلا گیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ وزارتِ عظمیٰ بھی یحییٰ کے ہاتھ سے نکل کر فضل بن ربیع کے ہاتھ میں چلی گئی تھی جو خاتون زبیدہ کا حلیف اور برامکہ کے مخالفین میں سرفہرست تھا لیکن ایک عجیب بات یہ تھی کہ ہارون الرشید سے جعفر برمکی کی قربت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا۔ خود جعفر برمکی کے خیال کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے شہزادہ مامون کو بہت زیادہ نکھار دیا تھا۔ شہزادہ امین کے ''رنگ'' اپنے چھوٹے بھائی کے مقابلے پر بہت پھیکے پڑ گئے تھے۔

اس صورتِ حال سے عرب زعما بہت بوکھلائے ہوئے تھے اور خاتون زبیدہ بھی بہت پریشان رہنے لگی تھی۔ ان لوگوں کو ڈر ہو گیا تھا کہ ہارون الرشید اپنا فیصلہ بدل کر کہیں مامون کو ولی عہد نامزد نہ کردے۔

ایک طویل مشاورت کے بعد انھوں نے فیصلہ کیا کہ اب سازشوں کے نیزوں سے جعفر برمکی کی شخصیت چھلنی کی جائے کیوں کہ مامون کا سب سے طاقت ور سائبان اب صرف وہی رہ گیا تھا اور اُس نے ہارون الرشید کی غیر معمولی قربت حاصل کرلی تھی۔

قصرالذہب میں ہونے والی ان سازشوں کی ہلکی سی ہوا بھی حرم سرا سے نہیں گزرپاتی تھی اور اگر کبھی کوئی ہلکا پھلکا جھونکا آ بھی جاتا تو کم از کم شہزادی عباسہ اُسے بالکل محسوس نہیں کرپاتی۔ گم صم کیفیت اس کی شخصیت کا لازمی جزو بن چکی تھی جبکہ خود ہارون الرشید اُس کی دل جوئی کی ہر ممکن کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس میں ایک پینترا اس نے یہ بھی سوچا کہ عباسہ کا حزن وملال ختم کرنے کے لیے اُسے موسیقی کی طرف راغب کرے۔

زریاب موصلی اور ابراہیم موصلی جیسے بڑے گائیک ہارون الرشید کے دربار میں موجود تھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ حرم سرا کی کوئی خاتون ان مرد گائیکوں کے سامنے نہیں لائی جاسکتی تھی اور کنیزوں میں جو گانے والیاں تھیں، اُن کی آوازوں نے عباسہ پر رتی سا اثر

Marfat.com

بھی نہیں ڈالا تھا۔

اچانک ہارون الرشید کو اپنے دربار کے ایک نابینا گائیک ابوذر کا خیال آیا۔ اُس نے سوچا کہ عباسہ کو ایک نابینا کے سامنے لانے میں کوئی حرج نہیں ہوگا، لیکن اس اقدام سے پہلے وہ اس کی شرعی حیثیت بھی جاننا چاہتا تھا۔ فوری طور پر تو اسے اپنی سلطنت کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف کا خیال آیا جو امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے لیکن پھر اُسے یاد آ گیا کہ اُن سے ملنے کے لیے تو اُسے بہت دن انتظار کرنا پڑتا۔ وہ دو ہی دن پہلے عمرے کی ادائیگی کے لیے جا چکے تھے۔

بغداد میں اگرچہ فقیہہ بھی موجود تھے جن سے اس معاملے میں فتویٰ لیا جا سکتا تھا لیکن ہارون الرشید نے اپنی بہن کے معاملے میں اُن سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ بعد میں امام ابو یوسف ہی سے معلوم کرے گا۔ اگر انھوں نے اسے ''غیر شرعی'' قرار دیا تو وہ اس کا کفارہ ادا کر دے گا۔

''عباسہ!'' اسی دن اُس نے اپنی بہن کو بڑی محبت اور شفقت بھرے لہجے میں مخاطب کیا۔ ''کنیزوں کی گائیکی تو تمھارا جی نہیں بہلا سکی لیکن ہمیں اُمید ہے کہ تم ہمارے دربار کے ایک گویے کے فن سے ضرور متاثر ہوگی۔''

عباسہ نے غور سے اُس کی طرف دیکھا اور پوچھا ''آپ مجھے ایک مرد کے سامنے لے جانا چاہتے ہیں؟''

''اس سے کوئی فرق اس لیے نہیں پڑے گا کہ وہ نابینا ہے۔ تمھیں اس کے سامنے بس بولنے سے گریز کرنا ہوگا۔ اسے بھی علم نہ ہو سکے کہ اُسے سننے والی کوئی لڑکی ہے!''

''لڑکی!'' عباسہ کی مسکراہٹ میں پھیکا پن تھا۔ ''کیا میں اب بھی لڑکیوں میں شمار کی جا سکتی ہوں؟''

اس وقت وہ ستائیس سال کی ہو چکی تھی اور اس کی تین شادیاں بھی ہو چکی تھیں۔

''ہاں عباسہ!'' ہارون الرشید نے کہا اور عباسہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''ہمارے لیے اب بھی تم لڑکی ہی ہو، بلکہ وہ چھوٹی سی بچی جو ہماری چوگان بازی دیکھ کر تالیاں بجایا کرتی تھی۔''

Marfat.com

ہارون الرشید گیارہ سال ہی کی عمر میں گھڑ سواری، شمشیر زنی اور نیزہ بازی سیکھ چکا تھا۔ چوگان بازی اور کشتی رانی کے مقابلوں میں بھی حصّہ لیا کرتا تھا۔ اب تو اُسے شطرنج کھیلنے میں بھی بڑی مہارت حاصل ہوچکی تھی عباسہ جب چھ سات سال کی تھی تو اس کی گھڑ سواری اور چوگان بازی میں بہت دل چسپی لیا کرتی تھی۔

ہارون الرشید کی بات اس نے مان لی۔ اس کی دل جوئی کے لیے اس کا بھائی جو کچھ بھی کیا کرتا تھا، وہ اس کی خواہاں نہ ہونے کے باوجود اس سے گریز نہیں کرتی تھی۔ بھائی کو مایوس کرنا اسے گوارا نہیں تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے گیارہ سال اذیت کے جن اندھیروں میں گزارے تھے، ان کے لیے وہ اپنے بھائی کو ذمے دار قرار نہیں دیتی تھی۔ سب کچھ اس معاشرے اور اس ماحول کی وجہ سے ہوا تھا جس میں وہ پیدا ہوئی تھی، اور لڑکیوں کے معاملے میں اس ماحول و معاشرے کا رویہ ہارون الرشید کو ورثے میں ملا تھا۔ پھر یہ کہ عباسہ کی وارداتِ قلبی اس کے علم میں بھی نہیں تھی۔

رات ہی کو گانے کی محفل سجائی گئی۔ ''سامعین'' صرف دو تھے۔ عباسہ اور ہارون الرشید! سازندوں کو ایک دبیز ریشمی پردے کے پیچھے بٹھایا گیا تھا۔ وہ اس انوکھے انداز کی نشست پر حیران بھی تھے۔ انھیں اس کا علم نہیں تھا کہ اس رات وہاں ہارون الرشید کے ساتھ جعفر برمکی یا کوئی اور ندیم و دم ساز نہیں، اس کی بہن تھی۔

نابینا گائیک ابوذر نے ہارون الرشید سے اجازت لے کر جو اشعار گانا شروع کیے، وہ ابونواس کے تھے۔

ابونواس ہارون الرشید کے دربار سے وابستہ تھا۔ رندانہ و عاشقانہ شعر گوئی اس کا وصفِ خاص تھی۔ اسی میں اسے ملکہ بھی حاصل تھا۔ اس کی شاعری ابوذر کو بہت پسند تھی۔ اسی لیے وہ زیادہ تر اسی کو گاتا تھا۔ خود اس کا کہنا تھا کہ ابونواس کے اشعار اس کے دل کے راستے سے اس کی زبان پر آ گئے تھے۔ شائد یہی وجہ تھی کہ اس سے دوسرے شعرا کا کلام سن کر خود ہارون الرشید کو بھی کچھ قابلِ ذکر لطف نہیں آتا تھا۔

ریشمی پردے کے پیچھے سازندے چنگ، رباب اور دف بجا رہے تھے۔ رباب اور چنگ کے علاوہ دف کی آواز میں بھی گداز اور نرمی تھی جس سے دف بجانے والے کی

Marfat.com

مہارت کا اظہار ہو رہا تھا۔ گائیکی کے زیر و بم اور معاشقانہ اشعار کے تقاضے پوری طرح اس کے پیش نظر تھے۔ ان سازندوں کا انتخاب ہارون الرشید کے ذوقِ سلیم کا پتا دے رہا تھا۔

گائیکی کا آغاز ہوتے ہی ہارون الرشید یکا یک کچھ بے چین ہوا۔ پہلے اُسے یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اس قسم کے اشعار سنتے ہوئے اُس کی چھوٹی بہن اس کے ساتھ ہوگی۔ اس نے کن انکھیوں سے عباسہ کی طرف دیکھا۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں گائیک پر نظریں جمائے ہوئی تھی۔ ہارون الرشید نے اس کے چہرے سے اندازہ لگایا کہ وہ اشعار کی دل کشی اور گائیکی کی دھن اور لے کی لہروں میں بہے چلی جا رہی تھی۔ اس کی بے خودی کا یہ عالم تھا کہ وہ بڑے بھائی کی موجودگی بھی فراموش کر چکی تھی۔

ہارون الرشید کی بے چینی رفع ہوگئی اور اُسے عباسہ ہی کے انداز میں یہ سوچ کر اطمینان ہوگیا کہ عباسہ اب بچی یا نوخیز لڑکی نہیں رہی تھی اور شادی شدہ زندگی کے ماہ وسال بھی اس نے گزار لیے تھے۔

اس معاشرے میں بہن کے ساتھ اس قسم کی محفل میں شرکت کا وہ کوئی مضبوط جواز تو نہیں تھا لیکن ہارون الرشید نے خود کو یہ سوچ کر مطمئن کیا کہ نابینا گائیک کی فنکاری کا وہ فن اور ابونواس کے سلگتے ہوئے سے اشعار ایک بجھے ہوئے دل کو زندگی کی رعنائیوں کی طرف واپس لے جا سکتے تھے۔

عباسہ سے ہارون الرشید کو اتنی ہی محبت تھی کہ وہ اسے ہر پل خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

خود عباسہ کے لیے اس گائیکی سے کہیں زیادہ پُر اثر ابونواس کے اشعار تھے جو اس کے جگر پُرخوں اور قلبِ حزیں کو ایک خاص کیفیت کی طرف لے جا رہے تھے اور اس کے تصور میں ایک چہرہ بھی جھلملانے لگا تھا۔

ہارون الرشید کو وہ نابینا فنکار ابراہیم موصلی اور زریاب موصلی سے زیادہ پسند نہیں تھا مگر ان دونوں کے بعد اس کی واحد پسند وہی تھی لیکن اس رات وہ گائیکی کی طرف زیادہ یک سو نہیں ہو سکا۔ اسے جعفر برمکی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہی۔ زیادہ قربت ہو جانے کے بعد ایسا ہوتا ہی نہیں تھا کہ اس قسم کی محفل میں جعفر اس کے ساتھ نہ ہو۔

Marfat.com

دو گھنٹے بعد محفل اختتام پذیر ہوئی۔ عباسہ نے خاموش رہتے ہوئے داد اس طرح دی کہ اپنے گلے کا نہایت قیمتی ہار اُتار کر ابوذر کی گود میں پھینک دیا۔ گائیک بیٹھے بیٹھے جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔ وہ یہی سمجھا ہوگا کہ نوازش خلیفۂ وقت کی طرف سے ہوئی تھی۔ پھر اُسے اور انعام بھی ملا جو خلیفۂ وقت ہی کی طرف سے تھا

''امیر المومنین!'' ابوذر ادب سے بولا۔ ''آپ کی داد کے انعامات سے تو میں سرفراز ہوتا رہا لیکن آج جناب جعفر برمکی کی آواز نہیں سنائی دی۔''

عباسہ کا دل بڑی زور سے اُچھلا۔

جعفر برمکی!

یہ کوئی ایسا نام نہیں تھا جو عباسہ کے قلب وجگر پر اثر انداز نہ ہوتا۔ وہ جلدی سے اُٹھ گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے چہرے پر آنے والے تاثر سے ہارون الرشید بھی آشنا ہوجائے۔ اس سے یہ بے ادبی بھی ہوئی کہ اس نے اجازت طلب نظروں سے ہارون الرشید کی طرف دیکھا تک نہیں، لیکن ہارون الرشید خوش ہوا کہ اس کی بہن ایسی بے خودی میں اس محفل سے اُٹھی کہ اُسے کسی بات کا خیال ہی نہیں رہا۔

''جعفر ایک ضروری کام سے بیرون بغداد گیا ہوا ہے۔'' ہارون الرشید نے ایسا جواز تراشا کہ آئندہ کی شبانہ محفلوں میں گائیک کو جعفر کی عدم موجودگی کے بارے میں سوچنا نہ پڑے۔ دراصل جس طرح ہارون الرشید نے جعفر برمکی کی کمی شدّت سے محسوس کی تھی، اسی طرح گائیک بھی جعفر کی طرف سے ملنے والی داد اور انعامات کا عادی ہو چکا تھا۔

ہارون الرشید نے سازندوں کو بھی انعامات سے نوازا اور انھیں رخصت کی اجازت دینے کے بعد کہا۔ ''روزانہ اسی وقت آتے رہنا، تاوقتیکہ ہم خود کسی مصروفیت کے باعث تمھیں منع نہ کردیں۔''

گائیک اور سازندے خوش ہوگئے کہ انعامات ملنے کا سلسلہ کچھ دن تک جاری رہے گا ورنہ انھیں مہینے میں ایک آدھ مرتبہ ہی باریابی کا موقع ملتا تھا۔

ہارون الرشید اسی وقت عباسہ کے پاس گیا۔ ''کیسی رہی محفل!'' وہ عباسہ سے بولا۔

''اچھا لگا۔'' عباسہ نے کہا۔

Marfat.com

''جب تک ہمیں فرصت ہے، یہ محفل روزانہ رہے گی، ٹھیک ہے؟''

''جی۔''

ہارون الرشید کو خوشی ہوئی کہ اُس نے عباسہ کے لیے ایک ایسا مشغلہ تلاش کرلیا تھا کہ جس میں اس کا دل لگ گیا تھا۔ اُسے امید تھی کہ اب عباسہ دھیرے دھیرے معمولاتِ زندگی کی طرف لوٹ آئے گی۔ یہ ہارون الرشید کا یقین تھا کہ انسان اگر ذوقِ سلیم رکھتا ہو تو اس پر موسیقی کی اثر پذیری لازم ہے۔

آئندہ راتوں میں یہ سلسلہ جاری تو رہا لیکن جعفر کی عدم موجودگی سے ہارون الرشید کی تشنگی کا احساس بڑھتا رہا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ عباسہ کی موجودگی میں جعفر کو کس طرح شامل کرے؟ اس سوال پر وہ مسلسل غور کرتا رہا۔ وہ اس معاملے میں کوئی ایسا جواز تراشنا چاہتا تھا جو غیر شرعی نہ ہو۔

آخر ایک تدبیر اس کے دماغ میں آہی گئی لیکن اُس نے خود بھی سوچا کہ اس میں ''غیر معقولیت'' کا پہلو بہرحال تھا۔ بات کچھ مضحکہ خیز سی بھی تھی۔ اگر کوئی سنتا تو اُسے ہارون الرشید کا دماغی خلل قرار دے سکتا تھا۔ اسی لیے ہارون الرشید تدبیر سوچ لینے کے باوجود تذبذب کا شکار رہا۔

تین چار راتیں اور گزر گئیں۔ اس کے بعد ہارون الرشید کو جعفر کی عدم موجودگی ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگی اور اُس نے اپنے دماغ میں آئی ہوئی تدبیر پر عمل درآمد کا فیصلہ کرلیا۔ یہ تو اُسے یقین تھا کہ جعفر اس تدبیر کے مطابق عمل پیرا ہونے سے انکار کی جرأت نہیں کرسکے گا لیکن عباسہ کی طرف سے پس وپیش اسے یقینی نظر آرہا تھا۔

سوچ بچار میں ایک رات اور گزر گئی۔ عباسہ سے بات کرنے کے لیے وہ کوئی ایسا انداز اختیار کرنا چاہتا تھا کہ گفت گو میں بے سلیقگی نہ ہو اور عباسہ کا ردِعمل تیزی سے نہ اُبھرے۔ اسی صورت میں وہ آمادگی پر مائل ہوسکتی تھی۔

ہارون الرشید! خانوادۂ عباسیہ کا چشم و چراغ! فرماں روائے وقت جسے کوئی بھی بات کہتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی اور جو کسی کے ردِعمل کی پروا نہیں کرتا تھا، اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی بہن عباسہ سے بات کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہوئی۔

Marfat.com

''عباسہ!'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''ہم اس وقت تم سے ایک بہت ہی اہم بات کرنا چاہتے ہیں۔ موسیقی کی پہلی ہی محفل میں تم نے گائیک کے ایک سوال سے اندازہ تو کرلیا ہوگا کہ ہماری اس قسم کی محدود مجلسوں میں جعفر برمکی ضرور ہوتا ہے۔''

ایک بار پھر ایسا موقع آیا کہ عباسہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ وہ یک ٹک ہارون الرشید کا چہرہ تکنے لگی۔

وہ کچھ رک کر پھر بولنے لگا۔ ''موسیقی کی ان محفلوں میں جعفر برمکی ضرور ہوتا ہے۔ اس کی عدم موجودگی کے باعث ہم بہت بے چین رہے۔ ہم سے وہ اب بہت قریب ہوگیا ہے۔ اس کی قربت ہمارے لیے ایک نشہ سا بن گئی ہے لیکن تمھاری موجودگی میں اُسے بلانا ممکن بھی نہیں ہے۔''

فوراً عباسہ کے دل کی دھڑکنوں میں یہ پریشانی شامل ہوگئی کہ اب ہارون الرشید اسے ان محفلوں سے دور رکھنا چاہتا ہے جہاں اُسے ابونواس کے اشعار سن کر اک عجب طمانیت سی ملتی تھی۔

''لیکن۔'' ہارون الرشید نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم اپنی عزیز بہن کو ان محفلوں سے دور کردیں۔ اسی لیے ہم نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ یہ تو ہمیں یقین ہے کہ جعفر کو ہمارے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں ہوگی لیکن ہمیں تمھاری طرف سے انکار کا اندیشہ ہے۔ تم تیسری مرتبہ بیوہ ہونے کے بعد ہی ہمارا لحاظ کیے بغیر چیخ پڑی تھیں۔ اسی لیے ہم نے تم سے پھر کبھی شادی کی بات نہیں کی اور اب بھی تمھیں ایک بار پھر قصر الذّہب سے رخصت نہیں کرنا چاہتے لیکن ایسا بھی نہیں ہوگا کہ جعفر تمھارے ساتھ قصر الذّہب میں رہے یا تم اس کے ساتھ کہیں جاؤ۔ ہم تم دونوں کو بس اس طرح شریکِ محفل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ تمھارے لیے نامحرم نہ رہے۔''

عباسہ حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ جو کچھ اُس کی سمجھ میں آیا تھا، وہ بہت اُلجھا ہوا سا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنی بات جاری رکھی۔

''ہم نے ایک بڑی عجیب بات سوچی ہے مگر اس کے علاوہ ہمیں کوئی اور راستہ بھی نظر نہیں آسکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بہت ہی خفیہ طور پر جعفر سے تمھارا نکاح کردیں۔''

Marfat.com

عباسہ اتنی شدّت سے چونکی کہ ہارون الرشید نے بھی محسوس کرلیا۔
''یہ شادی نہیں ہوگی عباسہ، صرف نکاح ہوگا۔'' ہارون الرشید نے جلدی سے کہا۔ ''مقصد صرف یہ ہے کہ وہ محفل میں تمھارے لیے نامحرم نہ رہے۔ یہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ تم اس کے ساتھ کہیں نہیں جاؤ گی اور نہ وہ قصر الذہب میں تمھارے ساتھ تنہا رہے گا۔''

عباسہ کے لیے جعفر سے نکاح ایک پُرمسرت بات تھی لیکن ہارون الرشید نے اُس کو جو دوسرا پہلو بتایا تھا، اس کے لیے ''عجیب وغریب'' کے علاوہ اگر کچھ کہا جاسکتا تھا تو وہ ہارون الرشید کے احترام کے باعث عباسہ کے دماغ میں نہیں آسکا۔

اس دوران میں عباسہ بالکل خاموش رہی تھی۔ ہارون الرشید ہی بولتا رہا تھا۔ اب بھی وہی بولا۔ ''یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ خاندانِ عباسیہ کی شہزادی کی شادی کسی عباسی کے بجائے کسی اور سے ہو۔ اسی لیے یہ صرف ایک ایسا نکاح ہوگا کہ جعفر تمھارے لیے نامحرم نہ رہے۔ اس نکاح کا کچھ اور مقصد ہرگز نہیں ہوگا۔ نہ تمھارے لیے، نہ جعفر کے لیے!''

عباسہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس کا دماغ بری طرح اُلجھ گیا تھا۔
''جواب دو عباسہ!'' ہارون الرشید بولا۔ ''یقین کرو کہ اگر تم نے انکار کیا تو ہم اُسے تمھاری بے ادبی قرار نہیں دیں گے اور نہ اپنی بات پر اصرار کریں گے۔''

عباسہ کے لیے جواب دینا آسان نہیں تھا۔ ہارون الرشید کی ''تدبیر'' کے مطابق وہ اور جعفر اس نکاح کے باوجود ایک دوسرے کی تنہائی کے شریک نہیں ہوسکتے تھے لیکن عباسہ کو یہ بھی اس لیے منظور تھا کہ وہ جعفر کو قریب سے دیکھ تو لیتی جس کے لیے اس کے دل کو تڑپتے ہوئے ایک عشرے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ اُسے اپنے جذبات کا اظہار کیے بغیر جواب دینا تھا۔

''جو آپ مناسب سمجھیں۔'' وہ سوچ کر بہ مشکل جواب دے سکی۔ جعفر آپ کے لیے اتنے ہی اہم ہیں تو یہ بہن ہرگز نہیں چاہے گی کہ آپ کو مضطرب و بے سکون رکھے۔''

ہارون الرشید اس جواب سے خوش ہوگیا، جیسے اس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کرلیا ہو۔ اس کے لیے اس کے بعد کوئی مشکل نہیں رہی تھی۔ وہ اتنا بے قرار تھا کہ اُس نے اسی وقت جعفر کو بھی تخلیے میں طلب کرلیا۔ اس یقین کے باوجود کہ جعفر کو انکار کی

Marfat.com

جرأت نہیں ہوگی، اس سے بات تو بہر حال کرنا تھی۔

جعفر نے سب کچھ سنا اور دم بہ خود رہ گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا، یا اگر کسی کو قصر الذہب کے اس واقعے کا علم بھی ہوتا تو وہ ہارون الرشید کے ذہنی اختلال کے بارے میں سوچے بغیر نہیں رہتا۔ (مؤرخین بھی اس واقعے کے بارے میں شدید اُلجھن کا شکار نظر آتے ہیں۔ بعض نے اس واقعے کی صحت سے انکار بھی کیا ہے لیکن کیا ''طبری'' کی اہمیت سے انکار کیا جاسکتا ہے؟ یہ واقعہ لکھنے والا وہ اس عہد کا قریب ترین مؤرخ ہے۔ یعنی ہارون الرشید کی وفات کے صرف 114 سال بعد کا! اُس نے 923ء میں وفات پائی)

جعفر نے ظاہر ہے کہ سر تسلیم خم کیا لیکن وہ مسرت و حیرت کا شکار بھی ہوا۔ اُسے گمان تک نہ تھا کہ وہ زندگی کا ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اس جواہر پارے کو اپنے قریب دیکھ سکے گا جس کی ایک جھلک نے اُسے زندگی کے اکثر مواقع پر بے چین کیا تھا۔

ان دونوں کا نکاح اسی دن ہوگیا۔ اُن کا نکاح پڑھانے والا اور گواہ وغیرہ کچھ ایسے افراد تھے جو ''حبس دوام'' کی سزا کاٹ رہے تھے۔ ہارون الرشید نے ان لوگوں کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ اُس کا یہ راز کبھی فاش نہ ہوسکے۔

''منہ دکھائی'' کی رسم صرف اس لیے ادا کی گئی کہ محفلِ موسیقی میں عباسہ، جعفر کے سامنے بے نقاب آسکے۔ ہارون الرشید کو بہر حال اس کا علم نہیں تھا کہ وہ دونوں بہت پہلے ہی ایک دوسرے کو دیکھ چکے تھے۔

رات کو گانا شروع ہونے سے پہلے نابینا گائیک ابوذر نے جعفر برمکی کی آواز سن کر خوشی کا اظہار بھی کیا۔

وہ پہلی شب موسیقی تو ایسی تھی کہ جعفر و عباسہ گانا تو برائے نام ہی سن سکے۔ ہارون الرشید کے احترام میں انھوں نے بار بار تو ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھا مگر ان کی توجہ ایک دوسرے ہی کی طرف رہی۔

گزرے ہوئے سالوں میں عباسہ رنج والم سے تو دوچار رہی تھی لیکن عمر کی پختگی نے اُس کے حُسن و جمال میں جو وقار و دبدبہ پیدا کیا تھا، اُس نے بھی جعفر کے دل کو برما دیا اور وہ اپنی اس بے بسی پر کڑھتا رہا کہ عباسہ اُس کی بیوی بن جانے کے بعد بھی

Marfat.com

صحیح معنوں میں اُس کی بیوی کبھی نہیں بنتی۔

دوسری طرف عباسہ کے لیے بھی یہ قدرت کی ایک عجب ستم ظریفی تھی۔ موسیقی کی ان نشستوں سے عباسہ میں جونکھار آتا چلا گیا تھا اور اس کے مزاج کی زودرنجی ختم ہوئی تھی تو ہارون الرشید کے خیال کے مطابق وہ صرف موسیقی کا کمال تھا۔

وقت اسی طرح کچھ عرصے تک گزرا جس کے بعد ہارون الرشید پھر اسی قضیے میں دوبارہ اُلجھا جس سے چند سال پہلے اُس نے نجات حاصل کی تھی۔

☆☆☆

شہزادہ مامون اب تیرہ سال کا اور امین بارہ سال چار ماہ کا ہو چکا تھا۔ دونوں کی شخصیات اب بالکل واضح ہو چکی تھیں۔ کھیل کود اور قصے کہانیوں میں اُلجھ جانے کے بعد امین، مامون سے بہت مختلف نکلا۔ مامون کی پرورش اس طرح ہوئی تھی کہ علم سے محبت اس کے رگ وپے میں رچ بس گئی تھی۔ صبر وتحمل اس میں اس طرح سمویا گیا تھا کہ اُس کی شخصیت متانت وسنجیدگی کا پیکر بن گئی تھی۔

کنیز مراجل کے حواریوں نے ہارون الرشید پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا کہ وہ دونوں شہزادوں کی صلاحیت کا موازنہ کرے تو اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی اس کے لیے کوئی دشوار عمل نہیں ہوگی۔

دونوں بھائیوں میں زمین وآسمان کا فرق ہارون الرشید سے بھی پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ ولی عہدی کے سلسلے میں امین کی نامزدگی کا فیصلہ اب اُسے بھی غلط محسوس ہونے لگا تھا۔ اُلجھنوں سے نجات پانے کے لیے اس کا وہ عاجلانہ فیصلہ قطعی غلط تھا۔ اُسے حضرت فضیل بن عیاضؒ کی بات یاد آنے لگی کہ بعد میں کیے جانے والے کام میں وہ عجلت کر بیٹھتا تھا۔ یہ بات یاد آتی تھی تو وہ اور زیادہ ندامت محسوس کرنے لگتا تھا۔

مامون کے طرف داروں کا دباؤ جب بڑھتا ہی چلا گیا تو اُسے کہنا پڑا۔ ”اس فیصلے پر نظرِ ثانی کے لیے ہم غور کریں گے۔“

یہ بات خاتون زبیدہ کے کان میں پڑی تو وہ تلملا گئی۔ اُس نے ہارون الرشید سے براہِ راست اُلجھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ہارون الرشید کو حرم سرا میں بلانے کے لیے

Marfat.com

پیغام بھیجا کہ امیر المومنین کو بہت دن سے شطرنج کھیلنے کا خیال نہیں آیا!

ہارون الرشید دو پہر کو دربار سے اُٹھ کر سیدھا اس کے پاس آ گیا۔

''آج تمھیں شطرنج خوب یاد آئی!'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو یاد آتی رہی، آپ ہی بھولے رہے۔'' خاتون زبیدہ نے کہا۔ ''شام کو آپ کی محفلِ موسیقی اب روز ہی جمنے لگی ہے۔''

''وہ ہم عباسہ کی دل جوئی کے لیے کر رہے ہیں زبیدہ!'' ہارون الرشید نے کہا۔ ''ہم نے تمھیں بتایا بھی تھا کہ عباسہ کو کسی طرح زندگی کی رعنائیوں کی طرف لوٹانا ہمارا مقصد ہے۔ ہمارا یہ طریقہ کام یاب بھی رہا۔ تم نے محسوس بھی کیا ہوگا کہ اس میں دھیرے دھیرے تبدیلی آ رہی ہے۔''

''جی ہاں۔ وہ اب کم از کم مسکرانے تو لگی ہے۔''

''اس نے ہم سے اُس کی اجازت بھی لے لی ہے کہ وہ کسی وقت دل گھبرائے تو شہر گھومنے کے لیے چلی جایا کرے۔ ہم نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ جب بھی قصر الذّہب سے نکلے تو بڑے کروفرو کے ساتھ نکلے۔ اس کی سواری کے لیے ہم نے وہ ہاتھی بھی اُسے دے دیا ہے جو ہم نے ہند کے راجا سے منگوایا تھا۔''

''آپ نے دو ہاتھی منگوائے تھے!''

''ایک تو فرانس کے بادشاہ کو تحفے میں بھجوایا تھا، شاید تم بھول گئیں۔'' ہارون الرشید نے کہا، پھر ہنس کر بولا۔ ''شارلیمان وہ تحفہ پا کر بہت خوش ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے ایک عجیب وغریب تحفہ تھا۔ سنا ہے، ہاتھی کو دیکھنے کے لیے وہاں کی رعایا بھی ٹوٹ پڑی تھی۔''

''جب وہ ہاتھی آئے تھے تو بغداد کے لوگوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہوا تھا۔'' خاتون زبیدہ نے کہا۔ ''میں بھی ان پہاڑ سے جانوروں کو دیر تک دیکھتی رہی تھی۔ اب اگر عباسہ اس ہاتھی پر بیٹھ کر نکلے گی تو اس کے پیچھے بھی ہجوم لگ جائے گا۔ اس کے ساتھ محافظوں کی تعداد زیادہ ہونا چاہیے۔''

''کنیزیں اور غلام بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ ہم نے اُسے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔'' ہارون الرشید اپنی چھوٹی بہن کی فرمائش پوری کر کے بہت خوش تھا۔

Marfat.com

خاتون زبیدہ مسکرا کر بولی۔ ''کیا اب بساط کی طرف چلیں؟''

''ہاں ہاں، ضرور۔''

خواب گاہ کے ایک حصے میں شطرنج کھیلنے کی نشست گاہ تھی۔ وہاں بساط ہر وقت لگی رہتی تھی اور اس پر مہرے سجے رہتے تھے۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

''سفید مہرے آپ کی طرف ہیں۔'' خاتون زبیدہ نے کہا۔ ''شروع کیجیے!''

''ہم تو اپنے مخصوص انداز کے مطابق پہلے تو گھوڑے ہی کو جست لگوائیں گے۔'' ہارون الرشید نے چال چلتے ہوئے کہا۔

''یہ تو آپ کی نوعمری کا شوق ہے۔'' خاتون زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب آپ نوعمری کے شوق بھول جایئے امیرالمومنین!...... لیجیے! میں بھی گھوڑا ہی آگے بڑھا رہی ہوں۔'' زبیدہ نے چال چلی۔

ہارون الرشید دھیرے سے ہنسا۔ ''گویا برابر کی جنگ لڑو گی؟''

''آپ ایک عادل فرماں روا ہیں۔ اگر کوئی برابر کی جنگ لڑے تو آپ یقیناً اُسے گستاخی قرار نہیں دیں گے۔''

''بے شک! جنگ میں اسے گستاخی نہیں کہا جا سکتا۔''

خاتون زبیدہ نے کھیل کا آغاز ہوتے ہی ذومعنی فقرے بولنا شروع کر دیے جو ہارون الرشید کی سمجھ میں آ گئے۔ یہ اندازہ وہ پہلے ہی لگا چکا تھا کہ خاتون زبیدہ نے اُسے شطرنج کھیلنے کے لیے نہیں، کچھ اور باتیں کرنے کے لیے بلایا تھا۔

''لیجیے!'' ہارون الرشید نے چال چلتے ہوئے کہا۔ ''اب ہم یہ پیدل آگے بڑھا رہے ہیں۔''

''فرزیں کا راستہ کھولا ہے آپ نے! اتنی جلدی سپہ سالار کو آگے لانا ہے کیا؟''

''تم جانتی ہو زبیدہ! تاثر ہم کچھ دیتے ہیں، چال کوئی اور چل دیتے ہیں۔''

''خیر اس مین تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن چال چلنے کے بعد نظرِ ثانی کی گنجائش نہیں ہو گی۔''

Marfat.com

''شطرنج میں تو یہ ایک بنیادی اُصول ہوتا ہے۔ نظر ثانی کی ضرورت تو زندگی کی بساط پر پڑتی ہے۔'' ہارون الرشید اصل موضوع کی طرف آنے کے لیے تیار تھا۔

خاتون زبیدہ نے ایک مہرہ آگے بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ ''زندگی کی بساط پر بھی چال چلنے کے بعد نظر ثانی سے خود اعتمادی کے فقدان کا پتا چلتا ہے۔''

''زیادہ خود اعتمادی ہی کسی سہو کا سبب بنتی ہے جس کا ازالہ زندگی کی بساط پر ممکن بھی ہے اور ناگزیر بھی۔''

''ازالے کی وہ کوشش کسی وقت ایک بڑی ہلچل کو دعوت دے بیٹھتی ہے۔''

''خلفشار و انتشار پر قابو پانا ہی تو شیوۂ مردانگی ہے۔''

''شیوہ فرماں روائی کیوں نہیں کہا آپ نے!'' خاتون زبیدہ ضبط نہ کر سکی اور اُس کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

ہارون الرشید نے بساط سے نظریں ہٹا کر خاتون زبیدہ کے چہرے پر گاڑ دیں اور سنجیدگی سے بولا۔ ''شطرنج کو بہانہ تم نے خواہ مخواہ بنایا ہے زبیدہ! تمھیں جو باتیں کرنا ہیں، وہی کرو۔''

خاتون زبیدہ ہنسی۔ ہنسی میں بھی تلخی تھی۔ وہ بولی۔ ''آپ تو بپھرنے لگے ہیں۔ اپنی گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔''

''اسے گستاخی نہیں، عیاری کہتے ہیں۔'' ہارون الرشید برہم ہو گیا۔ ''اور عیاری ہمیں سخت ناپسند ہے۔ صاف صاف بات کرو جو گستاخی بھی نہیں ہوگی۔ نظر ثانی کی بات تک تم کیوں آئی ہو، یہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ ہمیں یہ گوارا نہیں کہ شطرنج کے ان بے جان مہروں کو مامون اور امین سمجھ لیا جائے۔''

''شاید آپ ہی امین کو بے جان مہرہ سمجھ رہے ہیں امیر المومنین!'' خاتون زبیدہ کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔ ''بے جان مہرے ہی کو شاطر اپنی مہم کے مطابق پٹوا دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔''

ہارون الرشید یک لخت کھڑا ہوا اور اضطراب میں وہیں ٹہلنے لگا۔ اب خاتون زبیدہ کے چہرے پر بھی خفگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اس نے بساط کے سارے مہرے

Marfat.com

بکھیر دیے اور خاموشی سے فرش کی طرف تکنے لگی۔

کچھ دیر تک ہارون الرشید بس ٹہلتا رہا۔ اُس نے کچھ کہا نہیں۔ وہ اپنے مزاج میں اچانک ابھرنے والی برہمی پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ خاتون زبیدہ کو نرمی سے سمجھا سکے لیکن خاتون زبیدہ زیادہ دیر تک ضبط نہیں کر سکی اور بول پڑی۔

''نظر ثانی کا کیا مطلب ہوتا ہے امیر المومنین!''

ہارون الرشید نے خاتون زبیدہ کے سامنے رک کر اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''نظر ثانی کا مطلب ہوتا ہے کسی معاملے پر دوبارہ غور کرنا۔''

''اور اس فیصل شدہ معاملے کی تبدیلی کے امکان کا جائزہ لینا۔''

''اور امکان نہ ہو تو اپنے فیصلے پر قائم رہنا۔''

''لیکن تاثر یہ مل رہا ہے کہ آپ فیصلہ تبدیل کرنے کی طرف مائل ہیں۔''

''مائل ہیں تو اس کی وجوہ بھی سامنے ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی چیستان نہیں ہے۔ اگر ماں کی آنکھوں سے نہ دیکھو تو علامات تمھیں بھی نظر آجائیں گی۔ امین مجھے مامون سے کم عزیز نہیں۔ دونوں ہی میرے بیٹے ہیں لیکن تم صرف امین کی ماں ہو۔ مامون کی ماں نہیں ہو۔''

سچائی اگر تلخ ہو تو انسان تلملا جاتا ہے۔ خاتون زبیدہ بھی تلملا گئی۔ ہارون الرشید نے بات جاری رکھی۔ ''مجھے اب مامون ہی خلافت کا سزاوار دکھائی دے رہا ہے۔ امین کو تم اپنے لاڈ پیار سے بگاڑ چکی ہو جب کہ مراجل اپنے بیٹے کو آگے بڑھانے کے لیے راسخ اقدامات کرتی رہی ہے۔''

مراجل کے نام نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ خاتون زبیدہ جھٹکے سے اُٹھی۔

''تو اب راسخ اقدامات ہی سہی۔'' وہ تیز لہجے میں بولی اور مڑ کر اپنے بستر کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

راسخ اقدامات اُس نے اس طرح کیے کہ خانوادۂ عباسیہ کے تمام بزرگوں کو جمع کر لیا۔ اُس نے مراجل کے خلاف زہر افشانی کی۔ اُس نے بزرگوں کو باور کرایا کہ وہ ایرانی کنیز برامکہ اور دیگر ایرانی اُمرا سے ہارون الرشید پر دباؤ ڈلوا کر عباسیوں کو شکست

Marfat.com

دینا چاہتی ہے۔

خاتون زبیدہ نے یہ ساری باتیں اتنے پُراثر پیرائے میں کیں کہ بزرگانِ عباسیہ بری طرح بھڑک اُٹھے۔ ہارون الرشید پر اُن کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اس دوران میں خاتون زبیدہ کا روٹھا رہنا بھی ہارون الرشید کے لیے اذیت ناک بنا رہا۔ اُسے خاتون زبیدہ سے بہت محبت تھی۔

خاتون زبیدہ نے مامون کے خلاف ایک محاذ اس طرح بھی کھولا تھا کہ بے پناہ دادودہش سے کام لے کر شعرا کی ایک بڑی تعداد کو اپنا طرف دار بنالیا تھا۔ وہ امین کی شان میں قصیدے لکھ رہے تھے جن میں امین کے ان اوصاف وفضائل کا ذکر تھا جو امین میں نہیں تھے۔ ان قصائد کو عوامی سطح پر بھی پھیلایا جارہا تھا۔ اسی لیے اکثریت یہ سمجھنے لگی تھی کہ وہ صرف امین ہی ہے جو ہارون الرشید کے بعد مسندِ خلافت کا وارث ہوگا۔

تمام حالات پر نظر رکھتے ہوئے ہارون الرشید کو محسوس ہونے لگا کہ اگر اُس نے امین کی نامزدگی منسوخ کر کے مامون کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تو بڑی دشواریاں پیدا ہوجائیں گی جس کے نتائج بھی بہت دوررس نکلیں گے۔ امین کے دل میں ایک خلش رہ جاتی جو مستقبل میں دونوں بھائیوں کے بیچ میں ایک خلیج بنا سکتی تھی۔

ہارون الرشید کی اس پریشانی سے واقف ہونے کے باوجود جعفر برمکی اس کے سامنے مامون ہی کی سیرت و ذہانت کے حوالے سے رطب اللسان رہتا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ ہارون الرشید تلافی مافات کرے اور مامون کو ولی عہد نامزد کردے تو مستقبل میں رعایا کے لیے اصلاحِ احوال کی صورت گری ہوجائے۔

یحییٰ برمکی اس معاملے میں خاموش تماشائی بنا رہا۔ وزارتِ عظمیٰ تو اس کے ہاتھ سے جا ہی چکی تھی، مامون کے حق میں بولتا تو رہی سہی عزت بھی خطرے میں پڑسکتی تھی۔ فضل بن ربیع اس کا بہت بڑا دشمن تھا جو اب اس کی جگہ وزارتِ عظمیٰ سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ اس کے خیالات خاتون زبیدہ کے کانوں تک ضرور پہنچاتا اور خاتون زبیدہ جو پہلے ہی اس سے برگشتہ تھی، اور برگشتہ ہوجاتی۔ خانوادۂ عباسیہ بھی اُسے اور زیادہ خون خوار نظروں سے دیکھنے لگتا لہٰذا اس نے حزم واحتیاط کا دامن تھامے رکھا۔ وہ اپنے بیٹوں

Marfat.com

فضل اور جعفر کو بھی اشارے دیتا رہتا تھا کہ وہ اس معاملے میں فریق نہ بنیں لیکن وہ دونوں اپنی جگہ اڑے ہوئے تھے۔ فضل اب بھی امین کے حق میں اور خاتون زبیدہ کا طرف دار تھا۔

ہارون اس معاملے میں کیوں کہ سبھی اصحاب رائے سے مشورے کر رہا تھا لہٰذا اس نے یحییٰ سے بھی مشورہ کیا۔ دونوں میں بہت دیر تک گفت گو ہوئی اور جو بات یحییٰ برمکی نے ابتدا میں کہہ دی تھی، اسی پر گفت گو کا اختتام ہوا۔

''اور کوئی صورت نہیں ہے امیر المومنین!'' یحییٰ برمکی نے آخر میں اپنی بات دہرائی تھی۔ ''شہزادہ مامون کو آپ ولی عہد دوم نامزد کر دیں۔''

ایسا ہی فیصلہ خلیفہ المہدی نے بھی کیا تھا۔ اس کا زہریلا نتیجہ بھی یحییٰ دیکھ چکا تھا لیکن وہ کیا کرتا کہ حزم واحتیاط اُس کی دامن گیر تھی۔

ہارون الرشید نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''فضل بن ربیع کی بھی یہی رائے ہے۔ اُس نے اضافہ یہ کیا ہے کہ دونوں بھائیوں میں مال وجنس کی تقسیم کے ساتھ دارالخلافہ امین کو اور خراسان کا علاقہ مامون کو دے دیا جائے۔ اسی مناسبت سے لشکر بھی دونوں بھائیوں میں تقسیم ہو۔''

ان اضافی باتوں نے یحییٰ برمکی کو پریشان کر دیا۔ مخالفت سے قطع نظر وہ فضل بن ربیع کی ذہانت کا معترف بہرحال تھا۔ اسے ابن ربیع سے ایسے مشورے کی توقع نہیں تھی جس سے سلطنت کی سلامتی کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ فوج اور دولت کے ساتھ اقتدار کی یہ تقسیم حکومت کی وحدت کے لیے سمِ قاتل ہوتی۔

یحییٰ برمکی اس کے علاوہ کچھ نہیں سوچ سکا کہ خلیفۂ وقت کو یہ مشورہ کسی اور نے دیا ہوگا لیکن پریشانی کے باعث اُس کے ذہن میں فضل بن ربیع کا نام رہ گیا۔

مخالفت یحییٰ نے اس مشورے کی بھی نہیں کی اور یہ سوچ کر خاموش رہ گیا کہ ایسا خطرناک مشورہ دینے والا بھی کوئی اہم ہی شخص ہوگا۔ ہارون الرشید ہرایرے غیرے سے مشورہ نہیں کر رہا تھا۔

یحییٰ جیسے زیرک شخص کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ حالات کی طرف سے آنکھیں

Marfat.com

بند کر لیتا۔ اُس کا خاندان اپنے عروج کے چٹخارے لینے کے بعد اب زوال پذیری کی تلخیوں کی طرف جا رہا تھا لہٰذا یحییٰ کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکل سکتی تھی جو ایک لرزتی ہوئی دیوار کے لیے ایک دھکا بن جاتی۔

لے دے کر اب اُس کے خاندان کے دو ہی افراد اپنی اہمیت برقرار رکھے ہوئے تھے۔ جعفر ہارون الرشید کی آنکھوں کا تارہ غالباً مامون کی وجہ سے بنا ہوا تھا اور فضل شہزادہ امین کا طرف دار بن کر خاتون زبیدہ کے لیے ایک مرد صالح بنا ہوا تھا۔

یحییٰ کو تشویش رہتی تھی کہ وہ دونوں ہی اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرتے چلے جا رہے تھے۔

جلد ہی ہارون الرشید نے اپنے گرمائی صدر مقام ''رقہ'' میں عباسی مشائخ، قائدین لشکر اور عمائدین سلطنت کو جمع کر کے اس مشورے کے مطابق اعلان کر دیا جو اس کے کہنے کے مطابق فضل بن ربیع کا مشورہ تھا۔ اعلان کے ساتھ ہی تمام حاضرین سے دونوں ولی عہدوں کی بیعت بھی لے لی گئی۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جو جعفر کے قلب و ذہن پر برق بن کر گرا۔ اُس کی آٹھ سال کی محنت پر پانی پھر گیا تھا۔ اپنی برگشتگی پر قابو پانے کے لیے اس نے چند دن تک قصر الذہب کی طرف رخ نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور خود کو اپنے محل تک محدود کر لیا۔ اس کے لیے جواز اگرچہ ناسازیِ طبع کو بتایا گیا تھا لیکن ہارون الرشید نے سمجھ لیا تھا کہ بات صرف دل برداشتگی کی تھی جس سے سنبھلنے میں جعفر کو کچھ وقت لگتا۔

یہ احساس ہارون الرشید کو بھی تھا کہ دوسری مرتبہ بھی اُس نے حالات کے دباؤ میں آ کر غلط ہی فیصلہ کیا تھا۔ اس کے دماغ کا سارا ارتکاز اس طرف ہو گیا کہ مستقبل میں اس غلط فیصلے کے منفی نتائج کو مثبت رخ پر لے جانے کے لیے کیا اقدام مؤثر ثابت ہو سکیں گے۔

انھی اُلجھنوں میں پڑ جانے کے باعث موسیقی کی وہ محفلیں بھی نہیں جمی تھیں جن میں عباسہ اور جعفر ایک دوسرے کو بس دیکھ سکتے تھے، مگر ان دنوں میں اُن کی آنکھوں کی تشنگی بھی نہیں بجھی تھی جس نے عباسہ کو خاصا بے قرار کر دیا تھا۔ اس کے برخلاف جعفر کے جذبات اب بھی اتنے شدید نہیں تھے۔ وہ اپنے محل میں اپنی شکست کا سوگ مناتا

Marfat.com

رہا۔ عباسہ سے اپنے نکاح کو اس نے قدرت کی ایک ظرافت اور ایک فرماں روائے وقت کے ''عجیب وغریب تفننِ طبع'' سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا تھا۔

ایک سہ پہر کو وہ اپنے خیالات میں ڈوبا، اپنے محل کی اوپری منزل کے دریچے میں کھڑا تھا۔ اُس کی نظریں خواہ مخواہ ان دو نہروں پر منڈلا رہی تھیں جن میں سے ایک مشرق سے مغرب کی طرف اور دوسری مغرب سے مشرق کی طرف بہتی چلی گئی تھیں۔ ان میں پانی ''نہر کرخایا'' سے لایا گیا تھا۔ اسی پانی سے اُن پھول دار درختوں اور پودوں کی آب یاری کی جاتی تھی جو باغات اور میدانوں میں لگائے گئے تھے۔

یکا یک جعفر کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی جدھر لوگوں کا ایک ہجوم نظر آ رہا تھا۔ اُس کی نظر ہجوم پر جمی تو آگے آگے اُسے ایک ہاتھی نظر آیا جس پر زرکار ریشمی چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ ہاتھی پر جو عماری تھی، اُسے محمل کی طرح آراستہ کرنے والا کوئی بہت ہی اچھا کاری گر تھا۔ محمل کے دائیں بائیں نارنجی رنگ کے ریشمی پردے سواری کی پردہ پوشی کے لیے لٹکائے گئے تھے۔

یہ بات جعفر کے علم میں تھی کہ جو دو ہاتھی ہندوستان سے منگائے گئے تھے، ان میں سے ایک فرانس کے بادشاہ شارلیمان کو بھیج دیا گیا تھا جس سے خلیفۂ وقت کی ''بہت دوستی'' تھی لیکن جعفر جانتا تھا کہ وہ دوستی محض ایک سیاست تھی جس سے دونوں ہی کو کچھ فائدے پہنچ رہے تھے۔

قصر الذہب سے آتے ہوئے اس جلوس کا رخ شہر کے اس حصے کی طرف تھا جہاں اعلیٰ ترین سطح کے منصب دارانِ سلطنت کے محل تھے اور انھی میں جعفر کا محل تھا۔

اگر ہاتھی پر صرف عماری ہوتی تو جعفر اُسے ہارون الرشید کی سواری سمجھتا مگر کیوں کہ اس کی عماری، محمل کی طرز پر بنا کر سجائی گئی تھی اس لیے اس میں خاتون زبیدہ ہی ہو سکتی تھی۔

جعفر کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ خاتون زبیدہ کو منصب دارانِ سلطنت کے محلات کی طرف آنے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ ان میں سے کسی کو بھی وہ قصر الذہب ہی میں طلب کر سکتی تھی۔

جلوس قریب آ گیا تو جعفر نے دیکھا کہ ہاتھی کے ساتھ کنیزیں اور غلام بھی

Marfat.com

تھے۔ پیچھے پیچھے آنے والا عوام الناس کا ہجوم صرف ہاتھی کو دیکھنے کے لیے ہوسکتا تھا۔ بغداد میں وہ عظیم الجثہ جانور لوگوں کے لیے ایک عجوبہ ہی تھا۔

جلوس جعفر کے محل کے قریب سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔

شاید خاتون زبیدہ کو فضل بن ربیع کے محل میں جانا ہوگا، جعفر کو خیال آیا اور پھر وہ یہ خیال اپنے ذہن سے جھٹک کر دریچے سے ہٹا اور محل کے نچلے حصے میں آ گیا۔

''آقا!'' قریب آنے والا ایک غلام اس سے بولا۔ ''قصر الذہب سے کوئی کنیز آئی ہے اور آپ سے تخلیے میں ملنا چاہتی ہے۔''

غلام کے ذریعے یہ اطلاع جعفر کے حاجب نے اُسے بھجوائی تھی۔ فوری طور پر جعفر کے ذہن میں اُس کے علاوہ کوئی خیال نہیں آیا کہ اُسے شہزادی عباسہ نے کوئی پیغام بھجوایا ہوگا۔ اگر ہارون الرشید نے اُسے بلوایا ہوتا تو کنیز کے بجائے کوئی اور آتا۔

جعفر نے کنیز کو محل کے اس حصے میں بلوالیا جہاں وہ ایسی ہی ملاقاتیں کرتا تھا جن میں رازداری کی ضرورت ہوتی تھی۔

کنیز وہاں آ گئی۔

''کس کا پیغام لائی ہو؟'' جعفر نے اُس سے فوراً پوچھا۔ ''کیا پیغام ہے؟''

''مجھے شہزادی عباسہ نے بھیجا ہے۔'' جواب دیا گیا۔ ''ابھی انھی کی سواری آپ کے محل کے قریب سے گزری ہے۔ میں کنیزوں کے ساتھ تھی۔ مجھے آپ کے پاس آنا تھا اس لیے اپنی ساتھی کنیزوں اور دوسروں کی نظروں سے بچ کر آئی ہوں۔''

''شہزادی کہاں جارہی ہیں؟'' جعفر نے تعجب سے پوچھا۔

''ان کا دل گھبرا رہا تھا۔ وہ بس شہر میں گھومنے کے لیے نکلی ہیں۔''

''مجھے کیا پیغام بھیجا ہے؟''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ اُن کا دل کیوں گھبرا رہا تھا!''

جعفر سوالیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ بولی۔ ''اتنے دن سے انھوں نے آپ کو دیکھا تک نہیں تو اُن کا دل بہت گھبرانے لگا تھا۔ وہ جاننا چاہتی ہیں، کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ ان سے تنہائی میں

Marfat.com

ملیں۔'' وہ رکی، پھر اس نے جلدی سے کہا۔ ''میں اُن کی بہت قریبی کنیز ہوں۔ اُن کی راز دار اور دم ساز ہوں۔''

''تم ان کے کس راز میں شریک ہو؟''

''میں جانتی ہوں کہ محفلِ موسیقی میں اُن کے اور امیر المومنین کے ساتھ آپ بھی ہوتے ہیں۔''

''اور؟''

''آپ دونوں کا نکاح ہو چکا ہے لیکن آپ دونوں تنہائی میں کبھی نہیں ملے۔''

''کیوں نہیں ملے؟''

''اس لیے کہ یہ امیر المومنین کا حکم ہے۔''

''تو پھر میں اُن سے اکیلے میں ملنے کی کوشش کروں گا تو کیا امیر المومنین کے حکم سے میری گردن نہیں ماردی جائے گی؟''

''اپنی جان کا خوف شہزادی صاحبہ کو بھی ہونا چاہیے مگر انھیں نہیں ہے۔ وہ تو آپ سے ملنے کے لیے برسوں سے بے قرار ہیں۔''

جعفر چونکا۔ ''برسوں سے؟''

''جی ہاں۔ انھوں نے آپ کو اپنی پہلی شادی سے بھی پہلے آپ کو پائیں باغ میں امیر المومنین کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اُن کا خیال ہے کہ آپ کی نظر بھی اُن پر پڑی تھی۔''

''یہ درست ہے۔'' جعفر نے دھیمی آواز میں کہا۔ ''بے شک میں نے انھیں دیکھا تھا۔

''اور پھر انھیں بھول گئے تھے؟''

''نہیں۔ بھولا تو نہیں تھا۔'' جعفر نے مسکرا کر کہا۔ ''تمھاری شہزادی صاحبہ اتنی خوب صورت ہیں کہ انھیں شاید کوئی بھی آسانی سے نہیں بھلا سکتا۔ وہ مجھے بھی کبھی یاد آتی رہتی تھیں۔''

''لیکن وہ کبھی بھی آپ کو نہیں بھول سکیں۔''

''کیا مطلب؟''

Marfat.com

''جناب جعفر برمکی!'' وہ بولی۔ ''وہ آپ کو نہ کبھی بھلا سکیں، نہ بھلا سکیں گی۔ آپ بے خبر رہے اور ان کا دل چھلنی ہوتا رہا۔ انھوں نے کوئی بھی شادی اپنی مرضی سے نہیں کی۔ شادیاں اُن پر تھوپی گئیں۔ اس معاملے میں حرم سرا کی لڑکیوں کے لب سلے رہتے ہیں۔ انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک دیا جاتا ہے اور وہ اُف کرنے کی بھی مجاز نہیں۔ شہزادی صاحبہ کے لب بھی سلے رہے۔ وہ بھی اُف کرنے کی مجاز نہیں۔ شہزادی صاحبہ کے لب بھی سلے رہے۔ وہ بھی اُف تک نہ کر سکیں مگر اُن کا دل کرب سے چیختا چلاتا رہا۔ ان چیخوں سے ان کا دل چھلنی ہو گیا تھا۔ کچھ مداوا اب برسوں بعد اس طرح ہوا کہ انھیں آپ کو قریب سے دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ وہ آپ کی دیوانی ہیں جناب جعفر برمکی!''

جعفر کی حالت ایسی ہوگئی جیسے یہ سب کچھ وہ خواب میں سن رہا ہو۔ یہ اُس کے لیے دل ہلا دینے والی باتیں تھیں کہ ایک خوب صورت دوشیزہ برسوں سے اس کے لیے تڑپ رہی تھی۔

''آپ خاموش کیوں ہیں جناب برمکی!'' وہ بولی۔ ''شہزادی صاحبہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کا جواب لے کر آؤں۔ اگر آپ نے نکاح صرف اس لیے کیا ہے کہ وہ امیر المومنین کا حکم تھا، تو......''

''نہیں۔'' جعفر نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''یہ نکاح اُن کے حکم کی تعمیل تو بے شک تھا لیکن وہ اگر ایک عباسی شہزادی کے بجائے کسی فقیر کی بیٹی ہوتیں تو میں ہمیشہ صرف انھی کے خواب دیکھا کرتا۔ مجھے تو یہ خوف تھا کہ خانوادۂ عباسیہ کی وہ بیٹی مجھے کبھی خاطر میں نہیں لائے گی۔''

''وہ تو ساری زندگی آپ کے لیے تڑپی ہیں۔''

''یہ تو میری خوش نصیبی ہے۔'' جعفر کی آواز کانپ گئی۔ ''ان کا قرب تو میں اپنی زندگی کا حاصل سمجھوں گا لیکن وہ حاصل میرا مقسوم نہیں۔ خود شہزادی صاحبہ بھی یہ جرات نہیں کر سکیں گی کہ وہ امیر المومنین کے خوف سے بے نیاز ہو کر مجھ سے تنہائی میں ملنے کی کوشش کریں۔''

''عباسہ تو اس خوف کے باوجود آپ کے پاس آچکی ہے جعفر!'' اس جملے کے ساتھ

Marfat.com

ہی چہرے سے وہ دبیز ریشمی نقاب ہٹ گئی جو شہزادی عباسہ کا چہرہ چھپائے ہوئے تھی۔

''آ......آ......آپ!'' جعفر کے منہ سے بہ مشکل نکلا۔

''میری بے تابی مجھے آپ کے پاس لے آئی ہے جعفر!'' عباسہ کی نظریں جھک گئیں۔''اس کے بعد اگر میری جان چلی جاتی ہے تو مجھے ملال نہیں ہوگا۔''

''تو......تو...... یہ......'' جعفر کی بے حواسی فوراً ختم نہیں ہوسکی۔

''جعفر!'' اب عباسہ کی آواز کانپنے لگی۔''ایک کنیز کا روپ دھار کر میں نے آپ کو ساری کیفیت بتادی اور اپنے لیے آپ کے جذبات جان لیے۔ یہ نقاب ہٹانے کے بعد اب مجھ میں سکت نہیں کہ آپ کو اپنا دل چیر کر دکھا سکوں۔''

''شہزادی!'' جعفر بے تابانہ اُس کے قریب گیا اور چاہا کہ اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لے لیکن پھر ہچکچا کر رک گیا۔

''کیا ہو؟'' عباسہ کی نظریں جھکی رہیں۔''رک کیوں گئے؟''

جعفر کے تنفس کی رفتار بڑھ گئی۔ وہ بولا۔''ڈر گیا ہوں۔ جسم وجاں کو ایک کرنے کی کوشش کے ساتھ ہی یہ خواب ٹوٹ نہ جائے!''

''یہ خواب نہیں ہے جعفر!'' عباسہ کی نظریں اُس کی طرف اُٹھیں۔''آپ رکے تو میرا دل بجھ گیا۔ میں بہت بکھری ہوئی ہوں۔ ساری زندگی بکھرتی ہی رہی ہوں۔ مجھے سمیٹ لیجیے جعفر!'' اُس کی آنکھیں نم ناک ہوگئیں اور آواز بھرّا گئی۔

''عباسہ!'' جعفر کے بازو بے تابانہ کشادہ ہوئے اور عباسہ کہربا کے مانند اُس کے سینے سے آ لگی۔ اس کے گرد جعفر کے بازوؤں کا حصار تنگ ہوگیا۔ دونوں کے دل کی دھڑکنیں ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ گیارہ برس یوں سمٹ گئے جیسے وہ کوئی ایک پل کا ایک بُرا سا خواب تھا۔

سکوت گہرا ہوتا رہا۔ اس سکوت میں صرف دل کی دھڑکنیں باتیں کرتی رہیں۔ ان دھڑکنوں نے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا تھا۔ عباسہ کی لمبی لمبی سانسیں جعفر کے سینے سے ٹکراتی رہیں۔ شاید ان سانسوں میں بھی برسوں کی تڑپ کے قصے تھے جو جعفر کے دل نے سنے اور اُس کے دل کی دھڑکنوں نے بھی ایک پُر غضب

Marfat.com

جوانی کو اپنی بے تابیوں سے آگاہ کیا۔

جعفر نے آہستگی سے اپنی انگلیاں عباسہ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اُس کا سر اوپر اُٹھایا۔ دونوں کے چہرے آمنے سامنے ہوئے۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں کی گہرائیوں میں اترنے لگے۔

''یہ تو کوئی خواب نہیں ہے نا عباسہ!'' جعفر کی سرگوشی میں جذبات کی آنچ تھی۔

''یہ تو ایک خوب صورت تعبیر ہے اس بھیانک خواب کی جو میری زندگی پر محیط تھا۔'' عباسہ کے ہونٹ کانپے۔ ''اب جان چلی جائے تو کوئی ملال نہیں ہوگا۔'' اس نے بھی سرگوشی کی تھی اور اس کی سرگوشی میں بھی آنچ دیتے ہوئے کوندے لپک رہے تھے۔

یہاں کچھ دیر کے لیے لفظوں کی کہانی ختم ہوگئی۔ جذبات کے کوندوں کی لپک نے ہونٹ بند کر دیے۔ روئیں روئیں سے نکلتی ہوئی آنچ نے بند قبا جلا دیے۔ فاصلوں کی کہانی میں قرب کے در پر دستک ہوئی۔ وصل کے ایوان کھلتے چلے گئے۔ دور تک ہیجان کا صحرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس صحرا سے گزر کر ایک شبنمی سائے میں آ گئے۔ تپتی ہوئی فضا میں بے ترتیب ہو جانے والی سانسیں آخر نڈھال ہوگئیں۔

''عباسہ!'' جعفر کی سرگوشی بوجھل سی تھی۔

''ہوں۔'' عباسہ کی آنکھیں بند تھیں۔

''آج سے پہلے زندگی اتنی خوب صورت کبھی نہیں لگی۔''

عباسہ کے ہونٹوں پر ایک شرم گیں مسکراہٹ کپکپا گئی۔

''آؤ اب ایک عہد کریں!'' جعفر بولا۔

''عہد تو ہو چکا جعفر!'' عباسہ نے بند آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔ ''اب لفظوں میں عہد کیوں کریں!''

جواب ایسا تھا کہ جعفر اسے بہ نظر تحسین دیکھتا رہ گیا۔

کچھ دیر کے لیے پھر سکوت! اس سکوت میں صرف سرسراہٹ سنائی دیتی رہی۔

بند قبا درست کر لیے گئے۔ اب دونوں پھر آمنے سامنے تھے۔ عباسہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''کیا اب نظریں نہیں ملاؤ گی؟'' جعفر کے لہجے میں شوخی تھی۔

Marfat.com

کھنکتی ہوئی دھیمی سی ہنسی۔ پھر جعفر پر ایک اچٹتی سی نظر۔ اس کے بعد اس نے اپنا سر جعفر کے سینے میں چھپالیا۔ اس کے بالوں کا ریشم جعفر کے چہرے پر پھسلنے لگا۔

''جلوس اب واپس آنے ہی والا ہوگا۔'' وہ مدھم سی آواز میں بولی۔ ''اب میں جاؤں گی۔''

جعفر چونکا۔ ''تم اس جلوس کے ساتھ آئی تھیں؟''

عباسہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

جعفر نے بے تابی سے پوچھا۔ ''وہ جلوس کس کا ہے؟''

عباسہ نے جواب دیا۔ ''وہ ہاتھی امیر المومنین نے مجھے دے دیا ہے۔''

''تو...... تو...... تو کیا......'' جعفر کا ذہن الجھنے لگا۔ ''ہاتھی کی محمل جیسی عماری کیا خالی ہوگی؟''

''نہیں۔'' عباسہ نے جعفر کے سینے سے سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس میں دو کنیزیں بیٹھی ہیں۔ ایک کے جسم پر میرا لباس ہے۔ وہ جسامت میں بالکل میری جیسی ہے۔ سب یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ میں ہاتھی پر ہوں۔ میرے جسم پر اس کنیز کا لباس ہے۔ میں دوسری کنیزوں کے ساتھ شامل تھی۔ سب کی نظر بچا کر جلوس سے نکل آئی تھی۔ اسی طرح شامل بھی ہو جاؤں گی۔ جب جلوس سے نکلی تو شاید کسی نے دیکھا بھی ہو۔ شامل ہوں گی تو بھی شاید کوئی دیکھ لے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کنیزوں کی نقل و حرکت کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ جو ہاتھی پر بیٹھی ہیں، وہ میرے لیے اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتی ہیں۔ کوئی ان کی گردن مار دے، وہ میرا راز افشا نہیں ہونے دیں گی۔''

''بہت جرأت کی تم نے! بہت ہمت کی۔''

''میری بے تابی اس سے سوا تھی۔''

''اب ہم کب ملیں گے؟''

''ایسا موقع ملتا رہے گا۔ میں امیر المومنین سے اجازت لے چکی ہوں کہ جب دل گھبرائے، میں شہر گھومنے کے لیے نکل جایا کروں لیکن جعفر! اچھا ہوگا اگر کوئی اور

Marfat.com

راستہ بھی نکالا جا سکے۔ ہم کسی نہ کسی طرح ملتے رہیں گے۔ یہ ہمارا حق ہے، کوئی جرم نہیں ہے! ہمارا نکاح ہو چکا ہے۔"

جعفر سنجیدگی سے بولا۔ "کیا امیر المومنین ہمارے اس حق کو تسلیم کر لیں گے؟"

"عشق، خدشات نہیں دیکھتا۔ کوئی وقت آیا تو سوچیں گے کچھ!"

"میری گردن ماردی جائے گی۔"

"بخشی تو پھر میں بھی نہیں جاؤں گی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن محبت اپنی جگہ، اُن کے اُصول اپنی جگہ، خاندانی روایات اپنی جگہ اور آپ سے میرا عشق بھی اپنی جگہ! آپ مجھے مل گئے، میں آپ کی ہو گئی۔ اب ماری بھی جاؤں تو سمجھوں گی کہ زندگی رائگاں نہیں ہو گی۔"

لوگوں کا ہلکا سا شور سنائی دیا۔ وہ شور جعفر نے اس وقت بھی سنا تھا جب جلوس اس کے محل کی طرف آ رہا تھا۔

عباسہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ "جلوس آ رہا ہے۔"

"میں کل سے قصر الذہب آنا شروع کر دوں گا۔" جعفر نے کہا۔ "اب جس دن یہاں آنے کا ارادہ کرو، محفلِ موسیقی میں مجھے کچھ اشارہ دے دینا۔ میں تمھارے استقبال کے لیے تیار رہوں گا۔ تمھارے قدموں میں گلاب بچھے ہوئے ہوں گے۔"

عباسہ دھیرے سے ہنس دی۔ گلابی ہونٹوں کے بیچ میں ہیرے چمک اُٹھے۔

اس کے جانے کے بعد جعفر کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ارد گرد پھیلا ہوا چمن یکا یک ویرانہ بن گیا ہو۔

عباسہ قصر الذہب پہنچ گئی۔ کسی کو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ دوسرے دن سے جعفر قصر الذہب پہنچنے لگا۔ ہارون الرشید کو بہت خوشی ہوئی۔ جعفر کے غیاب میں وہ موسیقی کی محفل میں اس کی کمی شدت سے محسوس کرتا تھا لیکن اُس کی خواہش یہی رہی کہ جعفر اپنا تکدر دور کرنے کے بعد ہی قصر الذہب آنا شروع کرے۔ وہ آیا تو مکدر نہیں دکھائی دیا لیکن اس کی وجہ تک ہارون الرشید کی نظر نہیں پہنچ سکی۔

جب اُمورِ سلطنت میں کوئی اُلجھاؤ پید ہوتا تو موسیقی کی محفلوں میں کئی کئی دن کا

Marfat.com

وقفہ بھی آجاتا تھا۔ ان وقفوں کی اہمیت بھی ہارون الرشید کی نظر میں کم ہوتی چلی گئی کیوں کہ وہ عباسہ کو اب معمول کی زندگی کے بہت قریب دیکھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں وہ موسیقی کا کمال تھا۔ یہی سمجھتے ہوئے اس نے قصر الذہب میں موجود گانے والی کنیزوں میں سے سب سے اچھا گانے والی دو کنیزوں کو ابراہیم موصلی کی شاگردی میں دے دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کی مصروفیت کے دنوں میں عباسہ جب نابینا ابوذر کی گائکی سننے سے محروم رہے تو ان کنیزوں کا گانا سننے لگے۔

تین ماہ میں عباسہ پانچ چھ مرتبہ گھومنے کے بہانے قصر الذہب سے نکلی اور ہر مرتبہ اُس نے کچھ وقت جعفر کے محل میں اُس کے ساتھ گزارا۔ پھر یکا یک اُس کے دماغ میں ایک شبہ پیدا ہوا۔ چند دن گزرے تو اس شبہے کو تقویت ملی اور اس سے اگلے ماہ وہ شبہ یقین میں بدل گیا۔ وہ ماں بننے والی تھی۔ وہ لرز گئی۔

ماں بننا عورت کے لیے باعثِ مسرت ہوتا ہے لیکن عباسہ کے لیے وہ امر لرزہ خیز تھا۔ محبت کا وہ شگوفہ کھلتا تو رازِ وصال افشا ہو جاتا۔ یہ اس کے ساتھ قدرت کی ایک اور ستم ظریفی تھی۔ تین شوہروں کے ساتھ اُس نے کتنے ہی برس گزار دیے تھے لیکن اُس کی کوکھ کسی شگوفے کی آب یاری پر آمادہ نہیں ہوئی تھی لیکن جعفر کے ساتھ چند ہی ماہ گزرے تھے کہ اُس کی کوکھ نے ''شرفِ قبولیت'' کا اعلان کر دیا تھا۔

جعفر نے سنا تو اُس کے پیروں تلے سے بھی زمین نکل گئی۔ وہ اور عباسہ سرشاری کی فضاؤں سے گزرتے ہوئے اِس پہلو کو فراموش ہی کر بیٹھے تھے یا اُن کے ذہنوں میں کہیں یہ بات تھی کہ جب وہ تین شوہروں سے ماں نہیں بن سکی تھی تو اب بھی نہیں بنتی۔

''میں کسی حکیم سے بات کرتا ہوں۔'' جعفر نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' عباسہ کے لہجے میں سختی تھی۔ ''ہماری محبت کی یہ نشانی دنیا میں ضرور آئے گی۔''

''انجام کیا ہوگا؟''

''میں نے شروع میں آپ سے کہہ دیا تھا جعفر! اب ماری بھی گئی تو سمجھوں گی، زندگی رائگاں نہیں گئی۔''

''پھر محبت کی اس نشانی کا کیا ہوگا؟''

Marfat.com

''جو اس کا مقدر ہوگا، وہی اس کے ساتھ بھی ہو جائے گا۔''

عباسہ نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں مانی، کوئی بات نہیں سنی۔ کچھ وقت اور گزرا۔ عباسہ نے محسوس کیا کہ اب کچھ ہی دن کی بات رہ گئی ہے۔ بچے کی پیدائش سے پہلے اس کا جسم ہی اس کا راز فاش کر دیتا۔

لیکن راز کچھ دن گزرنے سے پہلے ہی حرم سرا میں ایک عورت کی حد تک افشا ہو گیا۔ وہ شہزادہ مامون کی ماں، ایرانی کنیز مراجل تھی۔ شاید عباسہ کی خوش قسمتی ہو کہ حرم سرا کی دوسری گرم سرد چشیدہ بیگمات نے ان علامات پر توجہ نہیں دی تھی جو ماں بننے کی نشان دہی کر دیتی ہیں۔

مراجل ایک اچھے دل کی عورت تھی۔ اس نے ایک روز تنہائی میں عباسہ سے بڑے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ ''یہ تم کیا کر بیٹھی ہو عباسہ؟''

عباسہ چونکی۔ اس نے مراجل کے تاثرات دیکھے اور سمجھ گئی کہ مراجل کے سوال کا مطلب کیا تھا۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

مراجل نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''کس کا ہے؟''

عباسہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''ناجائز نہیں ہے۔''

مراجل کے چہرے پر حیرت کے تاثرات اُبھر آئے۔ ''کیا مطلب؟''

عباسہ نے اب کچھ چھپانا بے کار سمجھا۔ اس نے جعفر سے اپنے نکاح، نکاح سے ہارون الرشید کا مقصد اور جعفر سے اپنی خفیہ ملاقاتوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

مراجل متفکر دکھائی دی۔ اُس نے کہا۔ ''تم سے بہت محبت کے باوجود امیر المومنین تمھیں اس معاملے میں شاید معاف نہ کریں۔''

''میں شروع میں پریشان ہوئی تھی۔'' عباسہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہے۔ جعفر بھی مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ میں ہر مرحلے میں انھیں اپنے ساتھ کھڑا ہوا دیکھوں گی۔''

مراجل فکر مند رہی۔ اُس نے کہا۔ ''تم اپنی محبت کی نشانی دنیا میں لانا چاہتی ہو لیکن بات تو اس سے پہلے ہی کھل جائے گی۔ تمھاری محبت کی اس نشانی کو شاید دنیا میں

Marfat.com

آنا نصیب ہی نہ ہو سکے۔"

"میں جعفر کے ساتھ بغداد سے فرار ہو جاؤں گی۔"

مراجل چونکی۔ "عباسہ!" اُس نے تیز لہجے میں کہا۔ "خاندانِ عباسیہ پر یہ داغ لگاؤ گی تم؟"

"پھر کیا کروں میں!" عباسہ روہانسی ہو گئی۔

"میں کچھ سوچتی ہوں۔ تم دو ایک دن اپنے کمرے تک محدود رہو۔ ایسا نہ ہو کہ میری طرح کوئی اور بھی بھانپ لے۔ میں ضرور کوئی راستہ نکال لوں گی۔"

یہ مراجل کا مصمم ارادہ تھا۔ ایک بات اس کے ذہن میں آ بھی گئی تھی جس پر وہ ہر پہلو سے غور کرنا چاہتی تھی۔ وہ اچھے دل کی عورت تو تھی ہی، جعفر کا حوالہ آنے کے بعد وہ اور جذباتی ہو گئی۔ ایک جعفر ہی تو تھا جس نے اُس کے بیٹے مامون کی طرف داری میں ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹایا تھا۔

مراجل کے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ عباسہ اگر دو ماہ کے لیے یحییٰ برمکی کے محل میں اُس کی بیویوں کے ساتھ جا رہے تو معاملہ سنبھالا جا سکتا تھا۔ مراجل چاہتی تھی کہ یحییٰ برمکی کی بیویوں کو ہارون الرشید سے بہت محبت تھی اور ہارون بھی اُن سے، خصوصاً فاطمہ سے بہت محبت کرتا تھا، اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ وہ اگر کہتی تو ہارون الرشید اُس کی یہ بات مان سکتا تھا کہ وہ ایک دو ماہ کے لیے عباسہ کو اپنے گھر لے جائے۔ بات ایک دو ماہ کی ہی کی جاتی لیکن تین ماہ بھی گزارے جا سکتے تھے۔ دو ماہ ختم ہونے سے پہلے رمضان شروع ہو جاتے۔ ہارون الرشید نے حج پر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ رمضان میں اس کی روانگی ہوتی۔ اس موقع پر اس سے دوبارہ کہا جا سکتا تھا کہ اب وہ عباسہ کو اپنی واپسی تک یحییٰ برمکی کی بیویوں ہی کے پاس رہنے دے۔

مراجل کے اندازے کے مطابق عباسہ چھ ماہ بعد ماں بن جاتی اور اس طریقہ کار پر عمل کر کے یہ ہارون الرشید کی حج سے واپسی سے پہلے ہو جاتا۔

مراجل یہ بھی جانتی تھی کہ یحییٰ کی تینوں بیویاں اس معاملے میں اس کا ساتھ ضرور دیں گی۔ وہ عباسہ سے اس لیے محبت کرتی تھیں کہ وہ ان کے چہیتے ہارون الرشید

Marfat.com

کی چہیتی بہن تھی۔

یہ ضروری بہرحال نہیں تھا کہ مراجل جس طرح سوچ رہی تھی، سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا جاتا۔ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ بھی پڑ سکتی تھی لیکن مراجل نے وہ تدبیر آزمالینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔ یہ تدبیر ناکام ہوجانے کی صورت میں وہ کچھ اور سوچتی لیکن اس کی پہلی تدبیر ہی نے یہ ''معرکہ'' سر کرلیا۔ عباسہ فاطمہ کے ساتھ قصر الذہب سے چلی گئی جہاں اس کے کئی دشمنوں میں خاتون زبیدہ سرِ فہرست تھی۔ اُسے عباسہ سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ اُس نے ہارون الرشید یا کسی اور پر اپنے ان، منفی جذبات کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا لیکن مراجل حقیقت بھانپ چکی تھی۔

عباسہ نے اپنی وفادار و جاں نثار کنیزوں میں سے ایک کے ذریعے جعفر کو ان تمام حالات سے آگاہ کردیا تھا اور کیوں کہ یحییٰ کی بیویوں سے کوئی بات چھپائی نہیں گئی تھی اس لیے جعفر وہاں جاکر عباسہ سے مل بھی سکتا تھا۔

معاملہ اس طرح نمٹ جانے کے بعد بھی مراجل متفکر رہی۔ یہ آخر کب تک چھپایا جاسکتا تھا کہ عباسہ، جعفر کے بچے کی ماں بن گئی تھی؟ ہارون الرشید کو جب بھی معلوم ہوتا، وہ قہر و غضب کا پیکر بن جاتا۔

صرف فاطمہ نے ڈھارس بندھانے والی یہ بات کی تھی کہ اگر یہ معاملہ اتنے عرصے تک راز میں رکھا جاسکے کہ بچہ چند سال کا ہوجائے تو اُسے دیکھ کر ہارون الرشید نرم پڑ سکتا تھا۔

اس بات سے عباسہ کی ڈھاریں تو بندھی تھی لیکن مراجل تشویش ہی کا شکار رہی اور سوچتی رہی کہ پردۂ غیب سے نہ جانے کیا ظہور میں آئے۔

☆☆☆

اس سال ہارون الرشید کا حج کا ارادہ معمول کی بات نہیں تھی بلکہ اس کا ایک بہت اہم سبب تھا۔ پریشانیاں ہارون الرشید کو پھر گھیر چکی تھیں۔ کچھ دن سے ایسی اطلاعات ملنے لگی تھیں جن کے باعث وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ دوسری بار بھی وہ غلط فیصلہ کر بیٹھا ہے۔ بہتر یہی ہوتا کہ وہ دونوں شہزادوں میں سے کسی ایک ہی کو ولی عہد

Marfat.com

نام زد کرتا۔ دونوں کو ولی عہد بنانے کے ساتھ ساتھ دونوں میں دولت و طاقت کی تقسیم کر کے اس نے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ ایک ولی عہد بنتا تو دوسرا اس سے دب جاتا لیکن اب وہ دونوں ایک دوسرے کے حریف بن گئے تھے۔ مستقبل کا صحیفہ ہارون الرشید کو خون سے رنگین نظر آنے لگا۔ اس کی موت کے بعد مملکت میں زبردست افراتفری پھیل سکتی تھی۔ دونوں شہزادوں میں ابھی سے باقاعدہ ٹھن گئی تھی۔ امین نے تو باقاعدہ بدکلامی شروع کر دی تھی۔ مامون کا انداز قدرے مہذبانہ تھا کیوں کہ اس کی تربیت اچھی ہوئی تھی لیکن چھوٹے بھائی کی بدکلامی نے اُسے مشتعل کر دیا تھا۔ امین کی طرف سے وہ بڑی نفرت سے منہ پھیرنے لگا تھا۔ اس سے یہ بات عیاں ہوگئی تھی کہ دونوں میں لڑائی ہو کر رہتی۔ اس خیال سے ہارون الرشید بہت دل گیر رہنے لگا تھا اور فکرمندی اس پر شدّت سے مسلط ہوگئی تھی۔ اُسے کسی طرح بھی سلطنت کے مستقبل کو خطرات سے بچانا تھا۔ ایک بار تو اس کے جی میں آئی کہ اپنا دوسرا فیصلہ بھی بدل دے، کسی ایک کو ولی عہد نام زد کرے لیکن اب یہ بھی مناسب نہیں ہوتا۔ محروم شہزادے کی نفرت اور زیادہ شدید ہو جاتی۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس کے دماغ میں یہ تدبیر آسکی کہ دونوں بھائیوں سے تحریری اقرار نامے کروائے کہ وہ کبھی اپنی حدود سے تجاوز نہیں کریں گے۔ اس کے بعد اگر کوئی اپنے اقرار نامے کے خلاف کرتا تو عوام الناس اسی کو غلطی پر سمجھتے اور اس کے خلاف ہو جاتے۔

ہارون الرشید نے یہ بھی سوچا کہ وہ عہد نامے کسی ایسی جگہ پر ہوں کہ اس جگہ کی وجہ سے عہد ناموں کا احترام بڑھ جائے اور ایسی جگہ مکہ مکرمہ ہی ہوسکتی تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اس نے سلطنت کے تمام اکابرین کو فرمان بھیجے کہ اس مرتبہ حج میں وہ سب بھی اس کے ساتھ ہوں اور مکہ مکرمہ پہنچ کر اس کے ہم رکاب ہو جائیں۔

مامون اور امین کو بھی ساتھ لیا گیا کہ حج کا دوسرا مقصد پورا کرنے کے لیے ان دونوں کی موجودگی ضروری تھی۔

طویل سفر طے کر کے ہارون الرشید نے سرزمینِ حجاز پر قدم رکھا اور دل میں دعا کرتا رہا کہ رب ذوالجلال اسے اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔

Marfat.com

حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے تمام لوگوں کے ساتھ خانۂ کعبہ میں داخل ہوا۔ ان لوگوں میں خاندانِ عباسیہ کے بزرگ بھی تھے۔ سب لوگ جب اپنی اپنی جگہ مؤدب ہوکر بیٹھ گئے تو ہارون الرشید کے اس اعلان سے سب کی الجھن رفع ہوئی کہ ان سب کو خانہ کعبہ میں کیوں جمع کیا گیا ہے۔

ہارون الرشید نے جو فیصلہ کیا تھا، اس میں کوئی ترمیم نہیں کی لیکن امین سے تحریری عہد نامہ لیا کہ اقتدار و اختیار حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے بھائی مامون کو کبھی نقصان پہنچانے کا ارادہ تک نہ کرے گا اور اس کا قطعی مجاز نہیں ہوگا کہ ہارون الرشید کے فیصلہ شدہ معاملات میں کسی قسم کی ترمیم کرے۔ یعنی اسے یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ اپنے بعد مامون کے بجائے کسی اور کو اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ اس کے علاوہ اگر کبھی کوئی مامون کے مقابل آیا تو وہ اپنے بھائی کے شانہ بہ شانہ رہے گا اور اس کے مخالفین کی سرکوبی کرے گا۔

اس عہدنامے پر امین کے دست خط ہونے کے بعد اسی نوعیت کا عہد نامہ مامون سے بھی کروایا گیا کہ اُس کی جو حدود متعین کردی گئی تھیں، وہ ان سے تجاوز نہیں کرے گا اور سلطنت کی بہتری کے ہر معاملے میں امین کا ہم زبان و ہم رکاب رہے گا۔

عہدناموں پر دونوں بھائیوں کے دست خط ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر اس دن کی تاریخ بھی لکھی گئی اور تمام گواہوں کی شہادتیں بھی ثبت کی گئیں۔

بعدازاں ہارون الرشید کے اشارے پر دونوں بھائیوں نے حلف اُٹھا کر اپنے اپنے اقرار نامے کے الفاظ بہ آواز بلند پڑھے۔ اس کے بعد ان عہد ناموں کی نقول سرکردہ افراد کو دیتے ہوئے ہارون الرشید نے یہ حکم بھی صادر کیا کہ ان عہدناموں کی تشہیر سلطنت کے گوشے گوشے میں کردی جائے۔

جب وہ عہد نامے حرم کعبہ کے صدر دروازے پر لٹکا دیے گئے تو ہارون الرشید کو اطمینانِ قلب حاصل ہوا۔ اسے اندیشہ نہیں رہا کہ اب اس کے بعد دونوں بھائیوں میں سے کوئی بھی غلطی کا مرتکب ہوگا۔

واپسی کا سفر ہارون الرشید کے لیے پُرسکون و پُرمسرت رہا۔ دیگر وفادارانِ سلطنت بھی خوش تھے کہ اب کوئی ابن الوقت مستقبل میں کسی فساد و شر کا موجب نہیں بن سکے گا۔

Marfat.com

دونوں بھائی خدا کے گھر میں ایسے میثاق سے منتھی ہو گئے تھے کہ کسی غلط اقدام کے تصور سے بھی لرز جاتے۔

جلوس جب بغداد میں داخل ہوا تو لوگوں نے ہمیشہ کی طرح پُرمسرت انداز میں استقبال کیا اور اتنی گل پاشی کی کہ باب بصرہ سے قصر الذہب تک کی گزرگاہ پھولوں سے بھر گئی۔

قصر الذّہب میں خاتون زبیدہ بڑی بے چینی سے ہارون الرشید کی منتظر تھی اور اس کے رگ وپے میں خوشی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اب وہ سارا سامان اس کے ہاتھ میں تھا جس سے وہ جعفر کو اپنے انتقام کا ہدف بنا سکتی تھی اور برامکہ کی تباہی و بربادی بھی یقینی تھی۔

جن دنوں میں مراجل نے عباسہ میں ماں بننے کی علامات دیکھی تھیں، خاتون زبیدہ بھی بے خبر نہیں رہی تھیں۔ پھر جب اُس نے مراجل کو فعال و متحرک دیکھا تو خواجہ سرا مسرور کو اس کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایت کر دی۔ جب مراجل نے یحییٰ برمکی کی تینوں بیویوں کو قصر الذّہب بلایا تو خواجہ سرا مسرور ان کی باتوں سے بے خبر نہیں رہا۔ عباسہ کے راز سے آگاہ ہو کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس نے لرزیدہ آواز میں خاتون زبیدہ کو وہ سب کچھ بتایا اور ان خواتین کے منصوبے سے آگاہ کر دیا۔

''ان معاملات پر کڑی نظر مسلسل رکھو۔'' خاتون زبیدہ نے اُسے حکم دیا۔ ''فی الحال امیر المومنین کو ان باتوں سے آگاہ مت کرنا۔ وہ حج پر تشریف لے جانے والے ہیں۔ اس موقع پر انھیں مکدر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

لیکن دراصل خاتون زبیدہ چاہتی تھی کہ ''وار'' اس وقت کیا جائے جب بچہ پیدا ہو جائے۔ وہی ایک ایسا وقت ہوتا جب ہارون الرشید کے غیظ وغضب میں جہنم کی آگ بھر جاتی اور اُس کا قہر آسمانی برق کے مانند گرتا اور بہت کچھ جلا کر راکھ کر دیتا۔

خواجہ سرا مسرور نے حالات سے باخبر رہنے کے لیے کچھ اور وسائل بھی استعمال کیے اور تمام معاملات کی جزئیات سے بھی باخبر ہوتا رہا جس کی اطلاعات خاتون زبیدہ تک بھی پہنچتی رہیں۔

Marfat.com

ان اطلاعات کے مطابق یحییٰ برمکی کے محل میں عباسہ و جعفر کی ملاقاتیں بھی ہوتی رہی تھیں اور بچے کی پیدائش کے بعد عباسہ قصر الذہب واپس بھی آ گئی تھی۔ یحییٰ کی تینوں بیویاں بچے کو لے کر بہت راز داری کے ساتھ مکہ چلی گئی تھیں۔ ان کی روانگی اس وقت ہوئی تھی جب ہارون الرشید کی بغداد واپسی میں پانچ دن رہ گئے تھے۔

عباسہ نے اپنے سینے پر پتھر رکھ کر ہی اپنے جگر گوشے کو یحییٰ کی بیویوں کے حوالے کیا ہوگا اور یہ اُمید باندھ لی ہوگی کہ جب بچہ بڑا ہو جائے گا تو اسے دیکھ کر ہارون الرشید کی رقیق القلبی اسے کسی شدید ردِ عمل سے دور رکھے گی۔

''بچہ بڑا ہو جائے گا، تب نا؟'' خاتون زبیدہ اس وقت بڑ بڑائی جب اسے اطلاع ملی کہ خلیفۂ وقت قصر الذہب میں داخل ہو چکا تھا۔

ہارون الرشید سب سے پہلے خاتون زبیدہ ہی سے ملنے آیا۔ اس کا استقبال ہار پہنا کر کیا گیا اور مبارک باد کے الفاظ بھی کہے گئے۔

''ہم اب مستقبل کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئے ہیں زبیدہ!'' ہارون الرشید نے کہا۔ ''ہم نے مکہ مکرمہ سے ایک قاصد روانہ کر دیا تھا کہ وہ ہم سے پہلے یہاں پہنچ جائے اور قصر الذہب میں سب جان لیں کہ ہم نے مستقبل کو کسی انتشار سے بچانے کے لیے کتنی مقدس احتیاطی تدبیر کی ہے۔''

''جی۔'' خاتون زبیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہاں سب کو علم ہو چکا ہے۔''

ہارون الرشید نے غور سے خاتون زبیدہ کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے زبیدہ! ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تم بہت زیادہ فکر مند ہو۔ ہمیں ہار پہنانے اور مبارک باد دیتے وقت بھی تمھارے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی اور اب بھی تم بہت سنجیدہ نظر آ رہی ہو۔''

''درست سمجھا ہے آپ نے!'' خاتون زبیدہ نے اپنی آواز میں لرزش پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بہت پریشان ہوتی امیر المومنین! سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ سب کچھ کن الفاظ میں اور کس طرح آپ کے گوش گزار کروں۔''

''تمھارے ان چند فقروں ہی سے ہمارا اطمینانِ قلب رخصت ہو چکا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہو، فوراً بتا دو۔ ہمارے اضطراب کو دو چند نہ کرو۔''

Marfat.com

''خاندانِ عباسیہ پر ایک مکروہ داغ لگ چکا ہے امیر المومنین!'' خاتون زبیدہ نے کوشش کی تھی کہ اس کی آواز لرزاں رہے۔

''داغ؟'' ہارون الرشید مبہوت سا ہو کر خاتون زبیدہ کا چہرہ تکنے لگا۔

''جی۔'' خاتون زبیدہ نے مغموم انداز میں سر جھکا لیا۔

ہارون الرشید نے بے تابی سے آگے بڑھ کر خاتون زبیدہ کے کندھے پکڑے اور جھنجھوڑ ڈالے۔ ''جلد از جلد سب کچھ صاف صاف کہہ ڈالو زبیدہ! آخر کیا قیامت گزر گئی ہے ہمارے خاندان پر!''

''عباسہ ناسمجھ ہے۔ اسے معاف کر دیجیے گا۔''

''زبیدہ!'' ہارون الرشید گرج اُٹھا۔ ''کیا کیا ہے عباسہ نے؟''

''وہ ایک بچے کی ماں بن گئی ہے امیر المومنین!'' خاتون زبیدہ نے اس طرح ہارون الرشید کی طرف دیکھا جیسے خوف زدہ ہو۔

''ماں!'' ہارون الرشید کے منہ سے نکلا اور اس کے دونوں ہاتھ خاتون زبیدہ کے شانوں سے گر گئے۔ وہ ساکت کھڑا زبیدہ کو تکتا رہ گیا تھا۔

خاتون زبیدہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اور کسی عباسی کے بچے کی نہیں، سلطنت کے ایک پروردہ شخص کی۔''

''عباسہ کے ساتھ۔'' ہارون الرشید غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کون ہے وہ بدنصیب؟''

''جعفر برمکی۔''

''کیا!'' ہارون الرشید کا غصہ یکا یک ختم ہوا اور اُس کی جگہ حیرت نے لے لی۔ ''تم جعفر سے اپنا انتقام اتنے گھناؤنے طریقے سے لینا چاہتی ہو زبیدہ؟ اور اس سنگین الزام میں تم نے ہماری بہن کو بھی ملوث کر دیا؟''

اب زبیدہ تڑخ کر بولی۔ ''خدا کا قہر نازل ہو مجھ پر جو میں نے ایک لفظ بھی غلط کہا ہو۔ آپ جا کر عباسہ ہی سے پوچھ لیجیے۔ وہ آپ سے نظر بھی نہیں ملا سکے گی۔ مکے کے والی کو خط لکھ دیجیے کہ جب یحییٰ برمکی کی ازواج وہاں پہنچیں تو ان سے پوچھا

Marfat.com

جائے کہ ان کے پاس جو بچہ ہے، وہ کس کا ہے، اور اگر شروع سے آخر تک سارا ماجرا سننا چاہتے ہوں تو ابھی خواجہ سرا مسرور سے پوچھ لیجیے!''

ہارون الرشید کے چہرے سے حیرت کا تاثر ختم ہوگیا۔ وہ چند لمحے خاتون زبیدہ کی طرف دیکھتا رہا، پھر بہ آوازِ بلند پکارا۔

''کوئی ہے؟''

فوراً ہی خاتون زبیدہ کی کنیز خاص تیزی سے اندر آئی اور مؤبانہ انداز میں سوالیہ نظروں سے ہارون الرشید کی طرف دیکھنے لگی۔

''خواجہ سرا مسرور کو حاضر کیا جائے۔'' ہارون الرشید نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور ٹہلنے لگا۔

خواجہ سرا مسرور کے حاضر ہونے میں دیر ہی نہیں لگی۔ خاتون زبیدہ اسے پہلے ہی ہدایت کر چکی تھی کہ آس پاس ہی کسی جگہ موجود رہے۔

''یہ ہم کیا سن رہے ہیں مسرور؟'' ہارون الرشید بولا۔

خواجہ سرا مسرور نے خاتون زبیدہ کی طرف دیکھا۔

خاتون زبیدہ بولی۔ ''عباسہ کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو، امیر المومنین کے روبہ رو بیان کرو۔''

خواجہ سرا مسرور نے ہارون الرشید کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر سر جھکا کر عباسہ کے ماں بننے کی کہانی سنانا شروع کی۔ ہارون الرشید کا چہرہ بار بار رنگ بدلنے لگا۔

وہاں ہونے والی باتیں عباسہ کے کانوں تک نہیں پہنچیں، تاہم اس کی ایک کنیز نے اسے یہ اطلاع ضرور دے دی کہ ہارون الرشید خاتون زبیدہ کے کمرے میں تھا اور اس نے بہت غصے میں خواجہ سرا مسرور کو طلب کیا تھا۔ عباسہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیا معاملہ ہوسکتا ہے؟ اُس کے دماغ میں سوال ابھرا۔

ہارون الرشید اتنا مشتعل تھا کہ عباسہ کو طلب کرنے کے بجائے اس کے کمرے میں پہنچ گیا، یا شاید وہ چاہتا تھا کہ اُسے عباسہ سے جو باتیں کرنا تھیں، وہ دوسروں کے سامنے نہ ہوں۔''

Marfat.com

''عباسہ!'' وہ غصے سے لرزیدہ آواز میں بولا۔ ''یہ کیا کیا ہے تم نے؟ ہمارے منہ پر کالک مل دی؟''

عباسہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔ وہ سمجھ گئی کہ خاتون زبیدہ کو کسی طرح اس کے سارے معاملے کا پتا چل گیا تھا اور اس نے خواجہ سرا مسرور کو بھی گواہ بنالیا تھا۔ ساری بات ہارون الرشید کے علم میں بھی لے آئی گئی تھی۔

''میں...... میں آپ کا...... مطلب...... نہیں...... نہیں سمجھی۔'' اُس کے لہجے میں لکنت آگئی۔

''اچھا؟'' ہارون الرشید کی آنکھیں غصے سے سرخ ہورہی تھیں۔ وہ چند قدم آگے بڑھا کر عباسہ کے کچھ قریب ہوگیا۔ ''بہت معصوم ہو تم؟''

عباسہ کی نظریں جھک گئیں۔

ہارون الرشید نے گرج کر بولنا چاہا لیکن پھر کسی خیال سے اپنی آواز دبالی۔

''وہ بچہ کس کا ہے جو یحیٰی برمکی کا حرم، مکہ لے گیا ہے؟''

بات اب بالکل واضح ہوچکی تھی۔ عباسہ کے چہرے پر زردی پھیلنے لگی۔

''جواب دو!'' اس مرتبہ ہارون الرشید گرج پڑا۔

''وہ...... وہ......'' عباسہ کے تنفس کی رفتار بڑھ گئی۔ ''آپ کا...... آپ کا...... ابن الاخت ہے۔''

''گستاخ!'' ہارون الرشید کا ایک اور قدم اس کی طرف بڑھا۔ ''بے شرم!''

اس وقت عباسہ نے بڑی ہمت کی اور بولی۔ ''خود...... آپ نے...... آپ نے جعفر سے میرا نکاح کروایا تھا!''

ہارون الرشید نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اب درمیانی فاصلہ دو قدم سے زیادہ نہیں رہ گیا تھا۔

''بدبخت! بے حرمت!'' ہارون الرشید کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔

وہ ایک بے داد تماچا ہوتا جو عباسہ کے گال پر پڑتا لیکن ہارون الرشید کا ہاتھ اُٹھا کا اُٹھا رہ گیا۔ اُس کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار دکھائی دیے۔ اُس نے دوسرا ہاتھ

Marfat.com

اپنے سینے پر رکھ لیا اور پھر اُس کا اُٹھا ہوا ہاتھ بھی جیسے گر گیا۔ اس کے چہرے پر پسینا آ گیا۔

عباسہ نے اس کی حالت دیکھی تو گھبرا کر ذرا سا آگے بڑھی۔

''کیا ہوا آپ کو؟'' وہ پوچھتے ہوئے روہانسی ہو گئی۔

ہارون الرشید ڈگمگایا۔ ایسا لگا جیسے گر پڑے گا۔ عباسہ نے جلدی سے اسے سہارا دینا چاہا لیکن شدید تکلیف میں گرفتار ہونے کے باوجود اُس نے عباسہ کو جھٹک دیا اور بائیں جانب جھکتا ہی چلا گیا۔

''کوئی ہے؟ کوئی ہے؟'' عباسہ ہذیانی انداز میں چیختی ہی چلی گئی۔ وہ ایک ایسی پکار تھی جس نے ہلچل مچا دی۔ کنیز و خواص ان کے کمرے میں دوڑے چلے آئے۔

''انھیں دیکھو'' عباسہ نے آب دیدگی کے ساتھ ہارون الرشید کی طرف اشارہ کیا جس نے گرتے گرتے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن چہرہ اب پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔

''امیر المومنین کی حالت بہت ناساز ہو گئی ہے۔'' یحییٰ برمکی کو اطلاع ملی۔ ''انھیں ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے۔''

''طبیب بختیشوع کو طلب کیا گیا ہے۔'' دوسری اطلاع ملی۔

تیسری اطلاع خاصی دیر بعد ملی۔ ''اب امیر المومنین کی حالت بہتر ہے۔''

عباسہ کی کنیز خاص نے جعفر برمکی کو خبر دی کہ اس کا اور عباسہ کا معاملہ امیر المومنین کے علم میں آ چکا ہے جس سے امیر المومنین کو اتنا صدمہ پہنچا ہے کہ وہ صاحبِ فراش ہو گئے ہیں۔ طبیب بختیشوع نے انھیں مشورہ دیا ہے کہ ہفتے بھر تک بستر سے نہ اُٹھیں تو بہتر ہو گا۔

جعفر نے کنیز کی طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ اور بے تابانہ لہجے میں کہا۔ ''عباسہ؟''

''وہ اپنے کمرے میں ہیں اور روئے جا رہی ہیں۔'' کنیز نے بتایا۔ ''حرم سرا سے سبھی ایک ایک کر کے امیر المومنین کی مزاج پرسی کے لیے جا رہے ہیں لیکن شہزادی صاحبہ کے لیے امیر المومنین کا حکم ہے کہ وہ اُن کی نظروں کے سامنے نہ آئیں۔''

جعفر بے چینی سے ٹہلنے لگا اور کنیز کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''اب تم جا سکتی ہو۔''

کنیز ہچکچاتے ہوئے بولی۔ ''شہزادی صاحبہ چاہتی ہیں کہ آپ فوری طور پر بغداد

Marfat.com

سے کہیں بہت دور چلے جائیں۔"

جعفر نے اُسے گھور کر دیکھا، پھر بولا۔ "تم جا سکتی ہو!"

کنیز چلی گئی۔ یحییٰ برمکی فکر کے عالم میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ کنیز کے جانے کے بعد اُس نے جعفر کی طرف دیکھا اور دھیمی آواز میں بولا۔ "عباسہ کا مشورہ مجھے انسب نظر آتا ہے جعفر!"

"قطعی انسب نہیں ہے۔" جعفر نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "مجھے فرار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔"

"لیکن جعفر!"

"نہیں! نہیں!" جعفر کا لہجہ بہت ٹھوس تھا۔ "میں عباسہ کو ایک ایسے فرماں روا کے رحم وکرم پر چھوڑ کر کیسے چلا جاؤں جو نکاح کی حرمت سمجھنے کے بجائے اُسے ایک مذاق سمجھنے پر بہ ضد ہے!"

پھر یحییٰ برمکی نے خاموشی اختیار کر لی۔ نظریں جھکا لیں۔ جعفر ٹہلتا رہا۔ کچھ توقف سے اُس نے یحییٰ کی بڑبڑاہٹ سنی۔

"بربادی...... ذلت...... برامکہ کی مکمل تباہی۔"

اس سے پہلے ہارون الرشید کے صادر کردہ اس حکم کی بھی اطلاع آ چکی تھی کہ برامکہ میں سے بھی کسی کو اس کی مزاج پرسی کے لیے اُس کی خدمت میں حاضر ہونے کی قطعی ضرورت نہیں!

دن گزرتے رہے۔ بغداد کے گلی کوچوں میں بھی سرگوشیاں ہونے لگیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ برامکہ سے کیا سنگین غلطی ہوئی تھی۔

اصل معاملے کی بھنک بھی کسی کے کانوں میں نہیں پڑ سکی۔ قصر الذہب میں جو لوگ اصل معاملے سے واقف تھے، انھیں اپنی زبانیں بند رکھنے کا حکم مل چکا تھا۔

خبر آئی کہ امیر المومنین کی طبیعت اب بالکل ٹھیک تھی مگر انھوں نے خود کو ایک کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ اُمورِ سلطنت بھی ان کے لیے قابلِ اعتنا نہیں رہے تھے۔ اس وقت سلطنت کی باگ ڈور مکمل طور سے وزیر سلطنت فضل بن ربیع کے ہاتھ میں تھی۔

Marfat.com

دن گزرتے رہے! گزرتے رہے!

پھر ایک دن خواجہ سرا مسرور خود آیا اور اُس نے بتایا کہ جعفر برمکی کو امیر المومنین نے طلب کیا ہے۔

محل کے باہر سپاہیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی جو خواجہ سرا مسرور ہی کے ساتھ آئی تھی۔ گویا جعفر کی ''طلبی'' کا نہیں ''گرفتاری'' کا حکم صادر کیا گیا تھا۔

جعفر کو یحییٰ برمکی نے پرنم آنکھوں کے ساتھ رخصت کیا۔ برامکہ کے دوسرے لوگوں کی حالت بھی یحییٰ برمکی سے مختلف نہیں تھی۔

قصر الذہب میں جعفر کو ہارون الرشید کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس وقت ہارون الرشید کا چہرہ، اس پُرسکوت نظر آنے والے سمندر کی طرح سپاٹ تھا جس کی گہرائی میں خوف ناک طوفان مچل رہے تھے۔

''خواجہ سرا!'' ہارون الرشید کی نظریں جعفر پر جمی رہیں اور اُس نے غیر جذباتی سی آواز میں حکم صادر کیا۔ ''تمھارے علاوہ سب یہاں سے چلے جائیں اور جسے بلایا گیا ہے، وہ آئے تو خاموشی سے پوری طرح تیار کھڑا رہے اور ہمارے حکم کا انتظار کرے۔''

اس فرمان کا آخری حصہ جعفر کی سمجھ میں نہیں آسکا۔ کسے بلایا گیا تھا؟ کون آکر خاموشی سے لیکن تیار کھڑا رہتا؟ کسے ہارون الرشید کے حکم کا انتظار کرنا تھا؟ کیا حکم دیا جاسکتا تھا؟

اِن سوالوں کی گونج تو جعفر برمکی کے دماغ میں رہی لیکن کسی سوال کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آسکا۔

خواجہ سرا مسرور کے علاوہ سب چلے گئے۔

''تشت لایا جائے!'' ہارون الرشید نے حکم دیا۔

خواجہ سرا مسرور ایک دروازے سے باہر چلا گیا۔ جعفر اب نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ اُسے اس وقت صرف یہ جاننے کی خواہش تھی کہ عباسہ اب کس حال میں ہوگی لیکن خلیفۂ وقت کے روبہ رو یہ سوال اپنی زبان پر نہیں لاسکتا تھا۔ ایک بوجھل سکوت اس وقت ٹوٹا جب خواجہ سرا مسرور ایک تشت لیے ہوئے اندر آیا۔

''تحفہ جعفر کو پیش کر دیا جائے!'' ہارون الرشید نے حکم صادر کیا۔

Marfat.com

خواجہ سرا مسرور تشت ہاتھ میں سنبھالے جعفر کے قریب پہنچ گیا۔ تشت ایک سرخ ریشمی کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔

''جعفر!'' ہارون الرشید بولا۔ ''اپنا تحفہ تم خود دیکھو!''

تشت کا سرخ کپڑا اہٹاتے ہوئے کسی خیال سے جعفر کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

تشت کھلا تو اس میں ایک شیر خوار بچے کا سر اور جسم کے ٹکڑے دکھائی دیے۔ خواجہ سرا مسرور اپنی نگاہیں تشت کی طرف نہ رکھ سکا لیکن جعفر کی نظریں بچے کے سر پر جمی ہوئی تھیں۔ سارا خون بہہ جانے کے سبب بچے کا چہرہ بالکل سفید نظر آرہا تھا۔ جعفر کی دونوں مٹھیاں بھینچ گئیں اور سینہ کسی دھونکنی کی طرح پھولنے پچکنے لگا۔

یحیٰ برمکی کی تینوں بیویاں اس وقت اپنے محل میں واپس پہنچ چکی تھیں اور یحیٰ برمکی کو بتا رہی تھیں کہ کوفے کے حاکم نے خلیفۂ وقت کے حکم سے جعفر و عباسہ کا بچہ اُن سے چھین لیا تھا۔ وہ تینوں بے خبر تھیں کہ اس وقت بچے کی لاش کے ٹکڑے جعفر کی آنکھوں کے سامنے تھے۔

''تحفہ کیسا ہے جعفر؟'' ہارون الرشید کی آواز پگھلی ہوئی آگ کی طرح جعفر کے کانوں میں اترتی چلی گئی۔ ''یہ تمھارا بیٹا ہے۔''

جعفر کی مٹھیاں بھنچی رہیں۔ اُس نے ہارون الرشید کی طرف دیکھا۔ وہ بولا تو اُس کی آواز میں جذبات انگیز لرزش تھی۔ ''اپنے رضاعی بھائی کو امیر المومنین نے بہت خوب تحفہ دیا ہے۔''

''یہی بہت خوب تحفہ ہمیں اپنے رضاعی بھائی کی طرف سے ملا تھا۔'' ہارون الرشید نے کہا۔

جعفر نے اپنے پیچھے ہلکی سی آہٹ سنی۔ خواجہ سرا مسرور کی نظر اس طرف گئی لیکن جعفر نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اُس کی بھیگی ہوئی سی لیکن بے خوف آنکھیں ہارون الرشید پر جمی ہوئی تھیں۔

''خواجہ سرا مسرور!'' ہارون الرشید بولا۔ ''جعفر کو یہ تحفہ شاید پسند نہیں آیا ہے۔ اب تم یہ لے جا کر کسی اور کے حوالے کر دو۔ اس کے لیے ہمارا حکم یہ ہے کہ وہ یہ تحفہ

Marfat.com

عباسہ کو پہنچا دے۔

''نہیں۔'' جعفر چیخ پڑا۔ اس کے انداز سے ایسا لگا تھا جیسے وہ خواجہ سرا مسرور پر جھپٹ پڑے گا۔

''جعفر!'' ہارون الرشید گرجا۔ ''پہلے ایک نظر اپنے پیچھے دیکھ لو۔''

جعفر کے ذہن میں نہ جانے کیا خیال آیا تھا کہ اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا۔ مگر اُسے جو بھی خیال آیا تھا، وہ غلط ثابت ہوا۔ اس کے عقب میں ہارون الرشید کا سب سے زیادہ سفاک جلاّد احمد بن جنید کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑی اور وزنی تلوار تھی جسے وہ دونوں ہاتھوں میں پکڑے اس طرح اُٹھائے ہوئے تھا جیسے جعفر پر وار کرنا چاہتا ہو لیکن اس نے وار کیا نہیں۔

اب جعفر کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہارون الرشید نے کسے بلا کر خاموشی سے تیار کھڑا رہنے کا حکم دیا تھا۔

''اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا جعفر!'' ہارون الرشید کی آواز سنائی دی۔

جعفر اس کی طرف مڑا۔ خواجہ سرا مسرور دکھائی نہیں دیا۔ وہ بہت تیزی سے چلا گیا تھا۔

''ایک ماں پر یہ ظلم نہ ڈھایئے امیر المومنین!'' جعفر کی آواز ہیجانی تھی۔

ہارون الرشید بولا۔ ''ایک بہن اپنے بھائی پر یہ ظلم ڈھا چکی ہے۔''

''اُس نے کوئی ظلم نہیں ڈھایا۔'' جعفر بے خوفی سے بولا۔ ''اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اور اگر وہ جرم تھا، نکاح اگر جرم تھا تو وہ جرم آپ نے کروایا تھا۔''

''خاموش، گستاخ!'' ہارون الرشید گرج اُٹھا۔ ''کیا تجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونے کی بہت عجلت ہے۔''

''میں ابھی موت سے کہیں زیادہ بڑا کرب جھیل چکا ہوں۔'' جعفر کا اشارہ اپنے بیٹے کے جسم کے ٹکڑوں کی طرف تھا۔

''ہم تجھے ہر کرب سے نجات دلا دیں گے جعفر!''

''جلاّد منتظر ہے۔ دیر کیوں لگا رہے ہیں آپ؟'' جعفر نے تلخی سے پوچھا۔

Marfat.com

خواجہ سرا مسرور واپس آکر خاموشی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''ہم تجھے ایک اس سے زیادہ کرب کی سزا بھی دینا چاہتے ہیں جعفر!'' ہارون الرشید نے کہا۔ ''موت کا انتظار اور اُس کے قرب کا احساس موت سے زیادہ کرب ناک ہوتا ہے۔''

''میں اس سے کہیں زیادہ بڑا کرب جھیل چکا ہوں۔'' جعفر کی آنکھوں میں اس وقت بھی اپنے بچے کی لاش کے ٹکڑے بسے ہوئے تھے۔

''تو کیا فوراً رخصت کی اجازت چاہتا ہے؟'' ہارون الرشید نے تلخی سے پوچھا۔

''بلا تامل'' جعفر نے کہا۔

سفاک جلاّد احمد بن جنید کو فرماں روائے وقت کا اشارہ مل گیا۔ اُس کے ہاتھوں میں اُٹھی ہوئی تلوار برق جیسی تیزی سے گری۔ جعفر کے سر کے بعد وہ اس کے جسم کو چیرتی ہوئی اُس کی ٹانگوں کے بیچ سے نکل گئی۔ جسم کے دونوں ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر گئے اور خون پھیلتا چلا گیا۔

وہ ایک ایسا لرزہ خیز منظر تھا کہ خواجہ سرا مسرور کانپ گیا۔

ہارون الرشید فوراً اُٹھ کر واپس چلا گیا۔

حرم سرا میں اس وقت کئی عورتوں کی چیخیں نکل گئیں جب انھوں نے ہارون الرشید کا یہ فرمان سنا کہ شہزادی عباسہ کو صندوق میں بند کر کے اندھے کنویں میں ڈال دیا جائے۔

روتی ہوئی عورتوں نے وہ منظر دیکھا جب شہزادی عباسہ کسی خوف کے بغیر بڑے وقار سے چلتی ہوئی خود ہی صندوق میں اتر گئی۔ صندوق بند کر کے محل ہی کے ایک حصے میں بنے ہوئے اس کنویں میں ڈال دیا گیا جہاں پہلے بھی کئی بڑی ہستیوں کو ڈالا جا چکا تھا۔

حرم سرا کی جن عورتوں نے اس کنویں کے سامنے بین کیا، اُن کے لیے فرمانِ خلافت جاری ہوا کہ انھیں پندرہ پندرہ دن کے لیے اُن کے کمروں میں قید رکھا جائے جہاں عباسہ کے لیے اُن کی سینہ کوبی میں کوئی حارج نہ ہو۔

برامکہ کے عروج کی کہانی کا انجام اس عبرت ناک زوال پر ہوا کہ یحییٰ برمکی کے ساتھ اور بہت سے برمکی بھی زنداں میں ڈال دیے گئے۔ اُسے ان عورتوں کی آہ و فغاں بھی نہیں روک سکی جن کی چھاتیوں کا دودھ خون بن کر ہارون الرشید کی رگوں میں اتر تا رہا تھا۔

Marfat.com

اس طرح ''عادل فرماں روا'' کی حیثیت سے شہرت پانے والے خلیفہ کے ''منصفانہ فیصلوں'' کا نفاذ تیزی سے ہوتا چلا گیا۔

عوام کی اکثریت نے ساری فضا میں سوگواری محسوس کی اور بغداد کے گلی کوچوں میں ایک خاموش ماتم بپا رہا۔

کچھ عرصے بعد کہیں کہیں یہ بات سنی گئی کہ ہارون الرشید کبھی کبھی اس اندھے کنویں کے قریب نظر آتا تھا تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہوتی تھیں اور کبھی کبھی وہ دو قبروں پر بھی جایا کرتا تھا جن میں سے ایک قبر بہت چھوٹی سی تھی۔

جو سب کچھ جانتے تھے، وہ یہ حکم کبھی نہیں لگا سکے کہ خاندان کی حرمت پر بہن کی محبت قربان کر دینا ایک صحیح اندازِ فکر تھا یا غلط!

☆☆☆

Marfat.com

مامون اور امین

بازارِ کرخ کی منڈیوں میں سب سے خوش رنگ ''بازارِ صرافہ'' تھا جہاں مردوں کی بہ نسبت خواتین زیادہ ہوتی تھیں، جنھیں زیورات کا شوق تھا۔ سونے، چاندی اور لعل و جواہر کی دکانیں حسینوں، مہ جبینوں کی وجہ سے مہکتی رہتی تھیں۔ ''نوروز'' کا تہوار قریب آجانے کی وجہ سے ان دنوں اس کی رونق خاصی بڑھی ہوئی تھی۔ عباسی انقلاب کے بعد بغداد میں ایرانی اتنے زیادہ آبسے تھے کہ عرب معاشرے میں ان کا نفوذ بہت بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے عرب ان کا یہ تہوار عید، بقر عید کی طرح منانے لگے تھے۔ پہلے اور دوسرے عباسی خلفا السفاح اور المنصور کے بعد خلیفہ المہدی کے زمانے میں خواتین کو آزادی بھی کچھ زیادہ مل گئی تھی۔ مہدی کا دورِ اقتدار آنے سے پہلے بازارِ صرافہ میں یہ خوش رنگی نہیں ہوتی تھی۔

رافع بن لیث خراسان سے بغداد اسی لیے آیا تھا کہ اس نے خلیفہ منصور کے بنائے ہوئے اس شہر کی خوب صورتی کے بہت چرچے سنے تھے۔ وہ ایک ہفتے سے بغداد میں تھا۔ سارا سارا دن گھومتا رہتا لیکن اس نے ایسا کوئی دن نہیں گزارا تھا جب بازارِ کرخ کا رخ نہ کیا ہو۔ وہ دن کا تیسرا پہر ڈھلتے ہوئے یہاں آتا تھا اور اس کی سارے دن کی تکان دور ہو جاتی تھی۔

رافع کی حسن پسندی عام لوگوں سے کچھ مختلف تھی۔ حسن و جمال کی نوخیزی کے بجائے وہ پختہ عمر کی خوب صورت عورتوں کو پسند کرتا تھا اور اس میں بھی اس کی کچھ شرطیں تھیں۔ جسم اتنا لمبا ہو، جسامت ایسی ہو، بال سنہری مائل سیاہ ہوں، چہرہ بیضوی ہو، ناک

Marfat.com

کا بانسہ زیادہ اٹھا ہوا نہ ہو، اور نہ جانے کیا کیا!

پختہ عمر کی عورتیں عموماً شادی شدہ ہوتی تھیں لیکن رافع انھی کو پسند کرتا تھا۔ ایسی ہی ایک خوب صورت عورت اسے دکھائی دی تو اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ گھوڑے سے اُتر کر وہ اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے کسی کا متلاشی ہو مگر کن انکھیوں سے وہ بار بار اس عورت کی طرف ضرور دیکھ لیتا تھا جو ایک دکان میں چاندی کے زیورات پسند کر رہی تھی۔ رافع بن لیث نے اس کا چہرہ اس وقت دیکھا تھا جب وہ دکان میں داخل ہو رہی تھی۔ سبز جبّے اور نارنجی نقاب میں اس کی شخصیت رافع بن لیث کو بہت اچھی لگی تھی۔

رہ گزر پر زیادہ دیر تک کھڑے رہ کر اِدھر اُدھر دیکھتے رہنا مناسب نہیں تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ گھوڑے کو باندھ کر چاندی کے زیورات کی دکان کے بالمقابل اس دکان میں چلا جائے جہاں گھروں کی زیبائش کے لیے سونے چاندی اور جواہر کے ایسے چھوٹے بڑے ہتھیار فروخت کیے جاتے تھے جنھیں زیادہ تر گھروں کی زیبائش کے لیے خریدا جاتا تھا یا اُمراان سے اپنی سواریوں کو بھی مزیّن کرتے تھے۔

رافع بن لیث کو وقت گزاری کے لیے اس دکان میں جانے کی ضرورت اس لیے نہیں پڑی کہ سبز جبّے والی خاتون دکان سے نکل آئی تھی۔ اسے جو خریداری کرنا تھی، وہ کر چکی تھی۔ اس کے ساتھ تین جوان لڑکیاں بھی تھیں جو اپنے لباس اور وضع قطع سے کنیزیں معلوم ہوتی تھیں۔ سبز جبّے والی یقیناً کسی اچھے اور آسودہ حال گھرانے کی بیگم تھی۔

وہ دو سفید خچروں کی سواری میں وہاں سے روانہ ہوئیں۔ رافع بن لیث اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ اس خوب صورت ''بیگم'' کا گھر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس سے اسے کچھ حاصل ہوتا یا نہ ہوتا، یہ بعد کی بات تھی، فی الحال تفریح تو ہو جاتی۔ وہ آیا ہی تفریح کے لیے تھا ورنہ خراسان میں اسے بہت کام تھے۔ وہ ایک خفیہ تنظیم کا سربراہ تھا جو خلافت عباسیہ کے خلاف در پردہ کام کر رہی تھی۔ اس تنظیم کے مخبر بغداد میں بھی موجود تھے جو وہاں کے حالات سے خراسان میں رافع بن لیث یا اس کے نائب کو باخبر رکھتے تھے۔ رافع بن لیث بغداد میں اپنے ایک مخبر، شریف غالی کے گھر میں ٹھہرا ہوا تھا۔

Marfat.com

''بیگم'' کی سواری بازارِ صرافہ سے نکل کر شیشہ گروں کی منڈی سے ہوتی ہوئی اس شاہ راہ سے گزرنے لگی جس کے ایک چوراہے پر ''برکتِ زلزل'' نامی حوض تھا جس کی آرائش وزیبائش پر اتنے اخراجات ہوئے تھے کہ شہر کے دوسرے تمام حوض اس کے سامنے ماند پڑ گئے تھے۔

اندھیرا پھیلنے سے کچھ دیر پہلے ''بیگم'' کی سواری ایک نہایت خوب صورت اور بڑی حویلی میں چلی گئی۔ رافع بن لیث اپنا گھوڑا روک کر اردگرد کا عمیق نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ یہ تو اس کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ وہاں کسی سے اس علاقے کا نام یا اس حویلی کے مکینوں کے بارے میں پوچھ گچھ کر کے خود کو مشتبہ بنالیتا۔ وہ اس حویلی کے اردگرد کا جغرافیہ ذہن نشین کرنے کے بعد اس کے بارے میں اپنے مخبر، شریف غالی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرسکتا تھا۔

شریف غالی دو سال سے بغداد میں مخبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس نے وہاں ایک قہوہ خانہ کھول لیا تھا جہاں بھانت بھانت کے لوگ آتے رہتے تھے جو دنیا جہاں کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان کے بحث ومباحثے سے شریف غالی بھی کسی ''نکتے کی بات'' سے بھی آگاہ ہو جاتا تھا۔ شہر میں جو مخبر کام کر رہے تھے، وہ بھی قہوہ خانے میں آکر شریف غالی ہی کو اپنی کارکردگی سے آگاہ کیا کرتے تھے اور اگر ان میں کوئی کام کی بات ہوتی تھی تو وہ شریف غالی کسی نہ کسی ذریعے سے خراسان پہنچایا کرتا تھا۔

شریف غالی کی بیوی گل زاد خیاطی میں کمال رکھتی تھی اس لیے بہت سی بیگمات اپنے ملبوسات تیار کرانے کے لیے اسی سے رجوع کرتی تھیں۔ عورتوں کے ملبوسات میں جدت واختراع کا رجحان خلیفہ مہدی ہی کے دورِ اقتدار سے ہوگیا تھا جس میں شدت اس وقت آئی تھی جب خلیفہ وقت ہارون الرشید کی بہن شہزادی عالیہ نے ایک بہت ہی جدید لباس ایجاد کیا تھا اور جس نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی۔

بیگمات سے میل جول کی وجہ سے گل زاد کو بھی کبھی کبھی کوئی اہم بات معلوم ہو جاتی تھی جس سے وہ شریف غالی کو آگاہ کر دیا کرتی تھی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا جب رافع بن لیث، شریف غالی کے قہوہ خانے میں داخل

Marfat.com

ہوا اور طائرانہ نظروں سے وہاں کا جائزہ لیتا ہوا ایک خالی غالیچے کی طرف بڑھا۔

چھوٹے بڑے غالیچوں پر گاہکوں کی بڑی تعداد موجود تھی جن میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی بھی تھے۔ کلیسائے یعقوبی اور کلیسائے نسطوری کو ماننے والے عیسائی بھی تھے۔ بلادِ روم سے آنے والے سیاحوں کو تو ان کے مخصوص لباس کی وجہ سے بہ آسانی شناخت کیا جا سکتا تھا۔ ایران کے مزدکی اور مجوسی بھی آسانی سے پہچانے جا سکتے تھے۔

قہوہ خانے میں شریف غالی کے ملازمین ہی کام کرتے تھے لیکن وہ خود بھی متحرک رہتا تھا۔ تمام گاہکوں کے پاس جا کر ان سے دو چار باتیں کرنا اس کا معمول تھا۔ کسی کو اگر کوئی چھوٹی سی بھی شکایت ہوتی تو وہ اسے فوری طور پر دور کرتا یا کرواتا۔ اسی لیے دیگر قہوہ خانوں کی بہ نسبت اس کا قہوہ خانہ خاصا مقبول تھا۔

رافع بن لیث غالیچے پر بیٹھنے کے بعد قہوہ پیتے ہوئے سبز چغے والی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے شریف غالی کو دیکھ لیا تھا جو غالیچے پر بیٹھا ہنس ہنس کر اپنے گاہکوں سے باتیں کر رہا تھا اور یہ بات بھی یقینی تھی کہ اس نے بھی رافع بن لیث کو دیکھ لیا ہوگا لیکن اسے تاکید کی جا چکی تھی کہ رافع بن لیث اس کے قہوہ خانے میں آئے تو وہ اس پر خصوصی توجہ ہرگز نہ دے۔

دو تین غالیچوں پر بیٹھے ہوئے گاہکوں سے باتیں کرنے کے بعد شریف غالی رافع بن لیث کے غالیچے پر آ بیٹھا۔

"آج کا دن کیسا گزرا امیر؟" اس نے دھیمی آواز میں ادب سے پوچھا۔

رافع بن لیث نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا اور بولا۔ "مجھے ایک حویلی کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کس کی ہے۔ میں یہاں کے محلوں اور علاقوں کے نام سے ابھی بہ خوبی واقف نہیں ہو سکا ہوں اس لیے تمھیں بس یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ اگر بازارِ کرخ سے نکل کر شیشہ گروں کی منڈی سے گزرتے ہوئے اس شاہ راہ سے گزرا جائے جہاں برکتِ زلزل ہے اور جہاں سے سیدھا راستہ شہر آتا ہے تو مسجد منصور کی طرف مڑنے والے راستے کا نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ حویلی آتی ہے۔"

رافع بن لیث نے اس حویلی کی ساخت، رنگ روغن اور اس کے آس پاس کی

Marfat.com

کئی عمارتوں کے بارے میں بڑی جزئیات کے ساتھ بتایا۔ اس کی قوتِ مشاہدہ اور یاد داشت بہت اچھی تھی۔

شریف غالی نے آہستگی سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ بتانے میں آپ سے کہیں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہوگی اس لیے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حویلی عروبہ کی ہے۔''

''یہ عروبہ کون ہے؟''

''یحییٰ بن اشعث کی بیوی ہے۔ شاید آپ نے اس کا نام سنا ہو۔ وہ ہارون الرشید کے حاشیہ نشینوں میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ عروبہ بھی اس کے ساتھ وہیں رہتی تھی لیکن یحییٰ بن اشعث اسے وہیں چھوڑ کر بغداد میں آبسا ہے اور یہاں نہایت عیاشانہ زندگی گزار رہا ہے۔ عروبہ کو جب اپنے شوہر کے اس طرزِ زندگی کا علم ہوا تو وہ بہت مشتعل ہوئی۔ اس نے ابنِ اشعث سے خط کتابت کر کے اسے سمرقند واپس بلانا چاہا تھا لیکن جب اس کی بات نہیں سنی گئی تو وہ خود بغداد آئی لیکن ابنِ اشعث کے محل کا رخ کرنے کے بجائے اس نے یہ حویلی خرید لی۔ وہ خود کافی مال دار ہے۔ وہ چھ ماہ سے یہاں مقیم ہے اور کوشش کرتی رہی ہے کہ ابنِ اشعث اسے طلاق دے دے لیکن اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی ہے۔''

''یہ سب کچھ تمھیں کیسے معلوم؟'' رافع بن لیث نے پوچھا۔

''اپنے ملبوسات کے سلسلے میں اس نے گل زاد کو بلایا تھا۔ گل زاد کا اس حویلی میں بہت آنا جانا رہا ہے۔'' شریف غالی کچھ مسکرایا۔ ''آپ تو جانتے ہیں امیر! میری بیوی ہے بڑی چرب زبان، اپنے گاہکوں سے وہ بہت جلد قربت حاصل کر لیتی ہے اور وہ گاہک اسے اپنے دل کی باتیں بھی بتا بیٹھتے ہیں۔ یہ سب حالات گل زاد کو عروبہ ہی سے معلوم ہوئے تھے اور اس نے مجھے بتا دیا تھا۔''

''عروبہ اس حویلی میں اکیلی رہتی ہے؟''

''بس چند کنیزوں اور ان خادموں کے ساتھ جو اس کی حویلی کے دربان ہیں۔''

''بڑھاپے میں وہ طلاق کیوں چاہتی ہے؟''

رافع بن لیث نے یہ سوال یہ جاننے کے لیے کیا کہ اس نے جس عورت کو دیکھا

Marfat.com

تھا، وہ عروبہ ہی تھی یا کوئی اور؟

''نہیں امیر!'' شریف غالی نے جواب دیا۔ ''وہ بوڑھی نہیں ہوئی ہے۔ وہ ابنِ اشعث کی بیویوں میں سب سے چھوٹی ہے۔ گل زاد نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔''

اب رافع کو یقین ہوگیا کہ اس نے یحییٰ بن اشعث کی بیوی عروبہ ہی کو دیکھا تھا۔

''وہ ایک نہایت اہلِ ثروت خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔'' شریف غالی بتانے لگا۔ ''مرحوم باپ اس کے لیے بہت کچھ چھوڑ کر مرا ہے۔ نیشاپور میں اس کی ایک حویلی خالی پڑی ہے۔ یہاں سے وہ وہیں چلی جائے گی۔ وہ اب سمرقند میں اپنے شوہر کے گھر نہیں جانا چاہتی۔''

''طلاق لینے کے بعد ہی جائے گی نا؟''

''نہیں امیر!'' شریف غالی نے جواب دیا۔ ''وہ مایوس ہو چکی ہے۔ ابنِ اشعث کسی طرح بھی اسے طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہو رہا ہے۔ شاید اسے ضد ہوگئی ہے اور اسے یہ زعم بھی ہے کہ وہ خلیفہ وقت کا حاشیہ نشیں ہے۔ عروبہ اس سے قانونی جنگ بھی نہیں لڑسکتی۔ خود عروبہ اتنی شریف ہے کہ اس نے قاضی القضاۃ کی طرف رخ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔''

رافع مسکرایا۔ ''قاضی القضاۃ اس کا ہم نام بھی ہے۔ یحییٰ بن اکثم۔''

''جی ہاں۔'' شریف غالی نے کہا۔ ''عروبہ اتنی نیک خاتون ہے کہ اس نے شرم کے مارے ان حالات سے اپنے عزیزوں کو بھی باخبر نہیں کیا جو بخارا میں رہتے ہیں۔''

''اگر وہ نیک خاتون ہے تو اسے ابنِ اشعث جیسے شخص سے نجات دلانا ایک اچھا کام ہوگا۔'' رافع بن الیث نے کہا، پھر اک ذرا توقف سے پوچھا۔ ''وہ کب تک نیشاپور واپس جائے گی؟''

''کل ہی ذکر ہوا تھا اس کا! گل زاد بتا رہی تھی کہ شاید وہ چند ہی دن میں چلی جائے۔''

''گل زاد ہی کے ذریعے اس کے علم میں لاؤ کہ سجستان میں رافع بن لیث نام کا ایک شخص رہتا ہے جو اس قسم کی مشکلات میں گھرے ہوئے لوگوں کو نجات دلانا کارِ ثواب

Marfat.com

سمجھتا ہے۔ عروبہ مناسب سمجھے تو اس سے رابطہ کرے۔ اسے یہ بھی بتانا ہوگا کہ وہ مجھ سے کس طرح رابطہ کر سکتی ہے۔"

"بہتر ہے امیر! یہ کام کچھ ایسا مشکل نہیں۔" شریف غالی نے جواب دیا۔ اسے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ رافع کو عروبہ کے معاملے سے اتنی دل چسپی کیوں ہوگئی تھی اور وہ عروبہ کی حویلی کی طرف کیوں متوجہ ہوا تھا۔ لے دے کر اس کے دماغ میں صرف اتنی بات آسکی کہ خانوادۂ عباسیہ سے شدید نفرت کے باعث وہ عباسی دربار کے امیر یحیٰی بن اشعث کو زک دے کر کچھ سکون حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ ابھی اس کی تنظیم دولت عباسیہ سے تصادم کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

رافع بن لیث کے دل میں یہ بات ہمیشہ ہی سے کانٹے کی طرح چبھتی اور کھٹکتی رہی تھی کہ اس کے دادا نصر بن سیار کو انھی عباسیوں کی وجہ سے بڑی بے بسی کی موت مرنا پڑا تھا۔

نصر بن سیار بنوامیہ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں خراسان کا حاکم بنا تھا اور آخری خلیفہ مروان الحمار کے دور میں بھی خراسان پر اسی کی حاکمیت تھی۔ عباسی لشکر جب خلافتِ بنوامیہ پر چڑھ دوڑے تھے تو نصر بن سیار خراسان میں برابر مزاحمت کرتا رہا تھا لیکن سلطنت امیہ کی طرف سے بروقت کمک نہ ملنے کے باعث عبرت ناک شکست اس کا مقدر بنی تھی اور وہ راہِ فرار حاصل کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ اس وقت اس کی عمر پچاسی سال تھی۔ بیماری نے بھی اسے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے سے معذور کر دیا تھا۔ ہمدان کی طرف جاتے ہوئے وہ اس کے ایک قریبی شہر سادہ میں دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔

رافع بن لیث نے وہ ساری باتیں نہایت کم عمری میں سنی تھیں اور اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ بنو عباس سے اپنے دادا کا انتقام ضرور لے گا لیکن اس کے جوان ہونے تک عباسی خلیفہ المنصور نے عباسی سلطنت بہت مضبوط کر لی تھی۔ رافع مایوس ہونے لگا تھا کہ وہ اتنی مضبوط سلطنت سے ٹکر نہیں لے سکے گا لیکن پھر اس وقت اسے امید کی کچھ کرنیں نظر آنے لگی تھیں جب خلیفہ منصور کے پوتے خلیفہ ہارون الرشید نے ایک طرف تو اپنے ذہین و مدبر وزرا کے خاندان "برامکہ" کو تباہ و برباد کیا تھا اور دوسری طرف اس کے بیٹے شہزادہ امین اور شہزادہ مامون ولی عہدی کے معاملے میں ایک دوسرے کے

Marfat.com

خلاف ہو چکے تھے۔ ان حالات میں سلطنت وگرگوں ہونے لگی تھی اور رافع ن لیث کو یک گونہ مسرت کا احساس ہوا تھا۔

برمکیوں کی تین نسلوں نے سترہ سال تک سلطنت عباسیہ کی خدمت کی تھی مگر اچانک قہر خلافت کا شکار ہو گئے تھے۔ ہارون الرشید نے سارے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا تھا جس کی اصل وجہ تک عام لوگوں کی نظر نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس بارے میں لوگوں نے مختلف قیاس آرائیاں کی تھیں لیکن خود بھی ان قیاس آرائیوں سے مطمئن نہیں ہو سکے تھے۔

☆☆☆

رافع بن لیث واپس خراسان پہنچ کر سجستان میں بڑی بے چینی سے منتظر رہا کہ عروبہ اس سے رابطہ کرے۔ وہ الجھن کا شکار بھی رہا کہ اس کی تدبیر کارگر ہو سکے گی یا نہیں؟ شریف غالی کی بیوی گل زاد تو وہ سب کچھ کر گزری تھی جس کی ہدایت رافع نے اسے اس کے شوہر شریف غالی کے ذریعے دی تھی۔

پھر جیسے ہی رافع کو عروبہ کی نیشاپور کی طرف روانگی کی اطلاع ملی، وہ بھی پابہ رکاب ہوا اور نہایت عجلت میں صوبہٴ خراسان کے شہر سجستان پہنچ گیا جہاں انتظار کی گھڑیاں اس نے بے چینی سے گزاریں۔

رافع بن لیث صرف منتقم مزاج ہی نہیں، دولت اور حسن کا پجاری بھی تھا۔ عروبہ اسے ایک ہی نظر میں اپنے معیار کے مطابق تو محسوس ہوئی تھی مگر اس کے بارے میں تفصیلات جاننے کے بعد وہ اور زیادہ بے قرار ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں مال و جمال سے لطف اندوز ہونے کی طمع جاگ اٹھی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ عروبہ کو یحییٰ بن اشعث سے نجات دلانے کے بعد اسے اپنے دام میں لانے کی تدبیریں بھی کرے گا۔

آخر اس کی یہ مراد تو بر آئی کہ عروبہ نے اپنی ایک کنیز اور ایک خادم کے ذریعے اس سے رابطہ کر لیا۔ اس کے بعد رافع نے نیشاپور پہنچ کر عروبہ سے ملاقات کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔

عروبہ نے اپنی شان دار حویلی کے ایک کشادہ اور سجے ہوئے کمرے میں ایک پردے کے پیچھے بیٹھ کر رافع سے گفت گو کی۔ اس کی آواز میں جو کھنک تھی، اس نے بھی

Marfat.com

رافع کے جذبات کو برانگیختہ کیا لیکن یہ اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ سب کچھ بڑے ضبط وتحمل سے کرنا ہوگا۔

''میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے یہاں آنے کی زحمت گوارا کی۔'' عروبہ نے کہا۔ ''بغداد میں میری خیاطہ گل زاد نے آپ کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، اسی باعث میں نے آپ سے ملاقات کو ناگزیر جانا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غرض کیونکہ میری ہے اس لیے میں ہی بجستان آکر آپ سے ملتی لیکن آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک عورت کے لیے یہ کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔''

لہجے میں نہایت تہذیب وشائستگی بھی تھی جبکہ رافع کو گل زاد کی بیوی نے بتایا تھا کہ عروبہ نیک اور شریف ہونے کے ساتھ ساتھ زبان کی نہایت کڑوی اور سخت مزاج بھی ہے۔

عروبہ کی باتوں کے جواب میں رافع بن لیث نے کہا۔ ''عروبہ خاتون! میں نے تو اسے ذرا بھی اہمیت نہیں دی ہے کہ آپ نے بجستان آنے کی زحمت نہیں کی اور مجھے یہاں آنا پڑا۔ یہ تو میرے لیے عین سعادت ہے کہ میں مشکلات میں پڑے ہوئے لوگوں کے کام آؤں اور خصوصاً ان لوگوں کے جو خلیفۂ وقت کے منہ چڑھے حاشیہ نشینوں کے ستائے ہوئے ہوں۔ آپ نے ابھی جس خیاطہ کا ذکر فرمایا ہے، وہ میرے ایک دوست شریف غالی کی زوجہ ہیں۔ کچھ دن پہلے شریف نے مجھے آپ کے بارے میں ایک مختصر سا پیغام بھیجا تھا کہ آپ دربار عباسی کے کسی امیر کی ستائی ہوئی ہیں۔ اس نے مجھے تفصیل سے آگاہ نہیں کیا تھا۔''

''وہ سب کچھ میں ابھی عرض کیے دیتی ہوں۔'' عروبہ نے جواب دیا۔

رافع یہی چاہتا تھا کہ اسے عروبہ سے زیادہ دیر تک باتیں کرنے کا موقع ملے ورنہ وہ سارے معاملے سے بہ خوبی واقف ہو چکا تھا۔

عروبہ نے تفصیل سے سب کچھ بتانا شروع کیا لیکن رافع بیچ بیچ میں خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی سوال کرتا رہا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لسانیات میں اپنی قابلیت سے عروبہ کو متاثر کرتا رہے۔ آخر اسے عروبہ کو اپنے دام تزویر میں بھی لانا تھا۔

وہ ساری بات ختم ہو جانے کے بعد رافع نے کہا۔ ''یحیٰی بن اشعث یقیناً کوئی

Marfat.com

انسان نہیں، شیطان ہے جس نے آپ جیسی نیک سیرت خاتون کو پریشان کر دیا ہے، لیکن آپ سے ایک بات میں ضرور عرض کرنا چاہوں گا۔ آپ کو اپنے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ سوچ لینا چاہیے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی!'' عروبہ بولی۔ ''مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچنا چاہیے؟''

''یہی کہ ابنِ اشعث سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد آپ اپنی زندگی کس طرح گزاریں گی۔ میں نے آپ کی آواز سے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کی عمر تیس سال سے بھی کم ہوگی۔ ابھی آپ کی ایک پہاڑ سی زندگی باقی ہے۔'' رافع بن لیث یکایک چپ ہونے کے بعد یکایک بولا۔ ''آپ میری ان باتوں کا برا تو نہیں مان رہی ہیں؟''

''جی...... جی نہیں۔'' عروبہ نے جھجک کر جواب دیا۔ وہ رافع کی باتوں میں پوشیدہ اشارہ آسانی سے سمجھ گئی تھی۔

رافع بولا۔ ''مجھ میں یہ ایک بری عادت ہے کہ میں دوسروں کے نجی معاملات میں دخیل ہونے لگتا ہوں۔ میری شدید خواہش ہوتی ہے کہ میں جن سے ہم دردی محسوس کروں، انھیں روشن اور تاریک پہلوؤں سے بھی خبردار کر دوں۔ مجھے آپ کی داستانِ کرب سن کر آپ سے بہت ہم دردی ہوگئی ہے۔''

''شکر گزار ہوں اس کے لیے۔'' عروبہ نے جواب دیا۔ ''آپ اس بارے میں پہلے سوچیں کہ میں اپنے شوہر سے اپنی جان کس طرح چھڑاؤں۔''

''اس بارے میں کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ کی جان تو بڑی آسانی سے چھوٹ سکتی ہے۔''

''کیسے؟'' عروبہ کی آواز حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی، پھر اس نے کہا۔ ''یہ میں آپ کو ابھی بتا چکی ہوں کہ اس معاملے میں قاضی القضاۃ کی عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاؤں گی۔''

رافع بولا۔ ''یہ فیصلہ آپ نے شاید کسی ذاتی اندازِ فکر کی وجہ سے کیا ہو لیکن میں

Marfat.com

سمجھتا ہوں کہ معاملہ جب ایسے شخص کا ہو جب خلیفہ وقت کے قدموں میں جبہہ سائی کرتا ہو تو قاضی القضاۃ کے دروازے پر دستک دینا قطعی سودمند نہیں ہوتا۔ مجھے علم نہیں کہ دولت عباسیہ کا قاضی القضاۃ یحیٰ بن اکثم کس حد تک فرض شناس ہوگا لیکن اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ قاضی القضاۃ عموماً فرماں روائے وقت کے دباؤ میں رہتے ہیں۔ ان کے فیصلے انھی لوگوں کے حق میں ہوتے ہیں جنھیں فرماں روائے وقت کی قربت حاصل ہوتی ہے۔"

"جی!" عروبہ کچھ اور نہیں بولی۔

رافع نے کہا۔ "یحیٰ بن اشعث سے اپنی جان چھڑانا آپ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں عروبہ خاتون! آپ کی داستان سنتے سنتے ہی اس مشکل سے نکلنے کی تدبیر میرے دماغ میں آ گئی تھی۔"

رافع نے قطعی جھوٹ بولا تھا۔ ساری باتیں کیونکہ اس کے علم میں تھیں لہٰذا تدبیر اس نے پہلے ہی سوچ لی تھی۔ جھوٹ اس نے اس لیے بولا تھا کہ عروبہ کو اپنی ذہانت کے رعب میں بھی لے سکے۔

"فوراً سوچ لیا کچھ آپ نے؟" عروبہ نے تعجب سے پوچھا۔

رافع مسکرا کر بولا۔ "سوچنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ خود بہ خود ہی دماغ میں آ گیا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے!"

"کیا کرنا چاہیے؟" اب عروبہ کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"بہت آسان سی ترکیب ہے، اگر آپ اس پر عمل کر سکیں!"

"میں اس شخص سے جان چھڑانے کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہوں۔" عروبہ نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تو پھر ایسا کیجیے کہ توحید پر اپنا ایمان چھوڑ کر شرک اختیار کر لیجیے!"

"جی!" عروبہ اتنی شدّت سے چونکی تھی کہ شاید اپنی جگہ سے اچھل پڑی ہو۔

رافع کہتا رہا۔ "اس پر کچھ متقی لوگوں کی گواہی بھی ضروری ہے۔ آپ کو ان کے سامنے اپنے ارتداد کا اعلان صاف صاف الفاظ میں کرنا ہوگا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" عروبہ نے گھبرا کر وہ پردہ کھینچ دیا جو ان دونوں

Marfat.com

کے درمیان حائل تھا۔

رافع مبہوت سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اس وقت عروبہ کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ حیرت کے عالم میں بھی اس کے گالوں میں گڑھے نظر آ رہے تھے۔ ٹھوڑی میں بھی گڑھا تھا۔ وہ چاہ زنخداں تو رافع کی بہت بڑی کمزوری تھے۔ کسی بھی عورت کی ٹھوڑی میں گڑھا دیکھ کر اسے جھرجھری سی آجاتی تھی۔ گالوں کے گڑھوں نے بھی عروبہ کی کشش میں اضافہ کیا تھا۔

''معاف کیجیے گا۔'' عروبہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''آپ کی باتوں سے تو میرے ہوش وحواس ہی جاتے رہے۔'' اس نے پردہ برابر کیا۔ اس کا وہ گداز ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔

رافع نے اپنی بے خودی پر قابو پانے کی کوشش کی اور بولا۔ ''آپ کی گلوخلاصی کا یہ بہت آسان طریقہ ہے۔ آپ کے ارتداد کے بعد شرعی طور پر طلاق خود بہ خود ہو جائے گی۔''

''آپ تو مجھے جہنم کا کندہ بننے کا مشورہ دے رہے ہیں!'' عروبہ کی آواز میں لرزش قائم رہی۔

رافع بولا۔ ''آپ نے ابھی پوری بات سنی ہی نہیں ہے۔ دراصل یہ سب کچھ آپ کو صرف شرعی طلاق کے لیے کرنا ہوگا۔ اس کے بعد آپ اپنی اس لغزش پر صدقِ دل سے توجہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیجیے گا۔ اس طرح آپ کو طلاق بھی ہو جائے گی اور یہ حق بھی حاصل ہو جائے گا کہ پھر آپ جس سے چاہیں، شادی کر لیں۔ آپ کے ارتداد کی گواہیوں کے باعث کوئی بھی شرعی عدالت آپ کو قابلِ تعزیر نہیں ٹھہرائے گی۔''

عروبہ کچھ نہیں بولی۔ وہ یقیناً سوچ میں پڑ گئی ہوگی۔ خاصی دیر تک کمرے میں سکوت چھایا رہا۔ رافع نے دانستہ خاموشی اختیار کی۔ وہ چاہتا تھا کہ عروبہ خود ہی کچھ بولے، کوئی جواب دے۔

آخر وہ سکوت عروبہ ہی نے توڑا۔ ''مجھے اس بارے میں سوچنا پڑے گا۔'' اس کی آواز اب بھی لرزیدہ تھی۔

''سوچ لیجیے! مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' رافع نے کہا۔ ''اگر آپ اس تدبیر پر عمل کر لیں تو کسی سے شادی ضرور کیجیے گا۔ یہ مشورہ میں دو وجوہ سے دے رہا

Marfat.com

ہوں۔ ایک تو یہ کہ خود آپ یہ پہاڑ سی زندگی کسی سہارے کے بغیر نہیں گزار سکتیں اور دوسرے یہ کہ جس طرح یحییٰ بن اشعث نے آپ کو ستایا ہے، اسی طرح وہ بھی آپ کی شادی کی خبر سن کر تڑپے۔ عورتوں کو ایسے مردوں سے انتقام ضرور لینا چاہیے۔ ہاں اگر آپ اس تدبیر پر عمل نہ کرنا چاہیں تو مجھے بتائیے گا۔ میں کوئی اور تدبیر سوچوں گا۔ آپ ایک دن کیا، آپ ایک آدھ ہفتے تک سوچ لیجیے۔ میں آپ کی خاطر اس دوران میں یہیں...... میرا مطلب ہے، نیشاپور ہی میں رکا رہوں گا۔"

"کہاں رہیں گے؟" عروبہ نے کچھ توقف سے پوچھا۔

"کسی سرائے میں، یا کہیں بھی۔" رافع نے جواب دیا۔ "کوئی ٹھکانا کر ہی لوں گا۔"

"جب میری حویلی موجود ہے تو آپ کو کہیں اور بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے۔"

رافع دل میں خوش ہوا لیکن زبان سے اس نے تکلف کا اظہار کیا۔ "ارے نہیں عروبہ خاتون! آپ زحمت میں نہ پڑیے۔"

"مجھے کوئی زحمت نہیں ہوگی۔ آپ حویلی کے مہمان خانے میں رہیے گا۔ میرے خدام اور کنیزیں ہر طرح سے آپ کی آسائش کا خیال رکھیں گی۔ یہ تو میرے لیے باعثِ شرم و ندامت ہوگا کہ آپ میری خاطر نیشاپور آئیں اور رہنے کی جگہ ڈھونڈنے کے لیے زحمت میں پڑیں۔"

رافع پھر گریز پا ہوا۔ اسے امید تھی کہ عروبہ شدّت سے اصرار کرے گی۔ اس کی یہ امید پوری ہوئی اور وہ عروبہ کے اصرار کی وجہ سے اس کے خلوص کو نظر انداز نہ کر سکا اور "بہ امرِ مجبوری" اس کی حویلی میں قیام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

☆☆☆

"برامکہ" کو مکمل طور پر تباہ و برباد کرنے کے بعد ہارون الرشید کچھ دن تو گم صم سا رہا، پھر اس نے خود کو سنبھالنے کے بعد امورِ مملکت کی طرف توجہ دی۔ اس نے محسوس کیا کہ اب وہ اپنے وزیروں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں رہا۔ اب وہ قطعی آزاد اور خود مختار حکمراں تھا۔ اس نے عیش و طرب کی مجلسیں تقریباً ختم کر دیں اور حوادث و سیاست کے سامنے سینہ سپر ہو گیا۔ ایک سال بعد اس نے حج کرنے کے لیے رقہ سے سرزمینِ حجاز تک

Marfat.com

پیدل سفر کیا جس کا بندوبست اس کے وزیر عمر بن مسعدہ نے کیا۔ اس سفر میں اس کی بیوی زبیدہ بھی اس کے ساتھ رہی۔ حج سے واپسی پر ہارون الرشید نے زبیدہ کو رقہ روانہ کیا اور خود لشکر کے ساتھ خراسان پہنچا جہاں سے اسے وہاں کے حاکم علی بن ہامان کے بارے میں شکایات موصول ہو رہی تھیں۔ تحقیقات پر پتا چلا کہ شکایات غلط تھیں لہٰذا علی بن ہامان کو اس کے منصب پر برقرار رکھا گیا۔ وہیں اس کے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ اس نے امین اور مامون کے بعد اپنے ایک بیٹے قاسم کو تیسرا ولی عہد نامزد کر دیا اور اسے ''المؤتمن'' کا نام دینے کے بعد مامون کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد اگر وہ مناسب سمجھے تو قاسم کی ولی عہدی ختم کر کے اپنا ولی عہد کسی اور کو نامزد کر دے۔

لشکر کے سپہ سالار ہرثمہ بن اعین کو خراسان سے بغداد روانہ کیا تاکہ وہ وہاں پہلے امین، پھر مامون اور اس کے بعد قاسم المؤتمن کی ولی عہدی پر لوگوں سے ازسرِنو بیعت لے۔

قاسم کو ولی عہد نامزد کرتے ہوئے ہارون الرشید کو یہ خیال تھا کہ شاید اس طرح مامون و امین کی ان بن میں شدّت باقی نہ رہے۔ سلطنت کے بہت سے معاملات ٹھیک کر لینے کے باوجود وہ اپنے ان دونوں بیٹوں کی طرف سے پریشان ہی رہا تھا۔ حالانکہ وہ ان دونوں سے عہد نامے لکھوا چکا تھا کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے برسرِ پیکار نہ ہوں گے اور وہ عہد نامے حرم کے صدر دروازے پر بھی آویزاں کر دیے گئے تھے جس سے ہارون الرشید کو تقویت مل گئی تھی لیکن اب اسے پھر محسوس ہونے لگا تھا کہ امین و مامون اس عہد نامے کی پاس داری نہیں کریں گے۔

اسی زمانے میں روم کی ملکہ کے ایماء پر دولتِ عباسیہ کی حدود میں خلفشار پیدا کیا جانے لگا تھا۔ ان معاملات کو سنبھالنے کے لیے ہارون الرشید خود روانہ ہوا۔ شہزادہ امین کو اس نے اپنے نائب کی حیثیت سے بغداد میں چھوڑا اور مامون کو اپنے گرمائی صدر مقام رقہ کے معاملات سنبھالنے کے لیے روانہ کیا۔ ایرانی النسل فضل بن سہل کو اس نے مامون کا وزیر مقرر کیا تھا۔

سرحدی مہمات اور دیگر فتوحات حاصل کرنے میں ہارون الرشید نے کئی سال گزار دیے۔ اس کی صحت جواب دینے لگی اور وہ بیمار رہنے لگا لیکن اس نے اپنے

Marfat.com

وزیر فضل بن ربیع کا یہ مشورہ نہیں مانا کہ اسے اب بغداد چل کر آرام کرنا چاہیے۔

فضل بن ربیع نے محسوس کیا کہ ہارون الرشید کو اب سلطنت کے سب سے خوب صورت شہر بغداد سے اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

بلادِروم پر مسلسل یلغاروں کے باعث ہارون الرشید ایک خاص قسم کے بخار میں مبتلا ہو گیا جس کے نتیجے میں اسے ایک خاص قسم کے اسہال کی شکایت پیدا ہو گئی جو مرض پیچش کی ایک قسم ہے۔

ہارون الرشید کی یہ بیماریاں ہارون الرشید کی بے پناہ فعالیت اور فکر مندی کا نتیجہ تھیں جس کا سبب اس کے دونوں بیٹے تھے۔

برامکہ کی تباہی سے بھی عجمیوں نے عبرت حاصل نہیں کی تھی اور متعصب عرب گر وہ بھی باز نہیں آ رہا تھا۔ دونوں میں سرد جنگ اب بھی جاری تھی۔ عرب بہ دستور امین کے حامی اور عجمی مامون کے طرف دار تھے جن میں فضل بن سہل اور اس کا بھائی حسن بن سہل پیش پیش تھے۔ ہارون الرشید کی بیماری کو دیکھتے ہوئے عجمیوں نے اپنی خفیہ سرگرمیاں اور تیز کر دی تھیں۔ وہ ہارون کے بعد مامون ہی کو مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے جبکہ وہ ولی عہد دوم تھا۔

ہارون الرشید کی ذہنی اذیت اس وقت اور بڑھ گئی جب اسے کسی طرح معلوم ہو گیا کہ لشکر میں شہزادہ امین کے چند مخبر بھی تھے جو کسی نہ کسی طرح امین کو حالات سے باخبر رکھ رہے تھے۔

امین اپنے باپ کی بیماری اور اس کے نتیجے سے باخبر ہونے کے لیے بے چین تھا۔ اس کی بے چینی کی وجہ ہارون الرشید کی سمجھ میں آسانی سے آ گئی تھی۔

☆☆☆

رافع بن لیث کو اِن سارے حالات کی جزئیات تو نہیں معلوم ہو سکی تھیں لیکن وہ سلطنت میں پھیلے ہوئے انتشار سے بے خبر نہیں تھا۔ اسی لیے اسے یہ امید ہو چلی تھی کہ جب سلطنتِ عباسیہ پارہ پارہ ہونے لگے گی تو وہ کم از کم خراسان میں اپنی آزاد حکومت قائم کرنے میں کام یاب ہو جائے گا۔ اس کی تنظیم تو خراسانیوں پر مشتمل تھی ہی لیکن

Marfat.com

خراسان کے عام لوگ بھی برامکہ کی تباہی کا انتقام لینے کے لیے بے چین تھے۔
دریں حالات عروبہ، رافع بن لیث کی نظر میں آئی اور وہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔ عروبہ کو حاصل کرنے کے لیے اس نے جو تدبیر سوچی تھی، اس کا پہلا مرحلہ بھی طے پا گیا۔ عروبہ مرتد ہو گئی۔ اس نے بہ بانگِ دہل اس کا اعلان بھی کر دیا۔ اس نے کسی طرح یہ اطلاع بغداد بھی پہنچا دی تا کہ یحییٰ بن اشعث تلملا جائے۔
رافع بن لیث بہت خوش تھا اور اس کے دماغ میں ایسی تدبیریں کلبلانے لگی تھیں جن پر عمل کر کے وہ عروبہ کو اپنے جال میں لاسکتا تھا۔ وہ ابھی عروبہ کی حویلی ہی میں تھا۔ اسے دوسری اطلاع ملی کہ عروبہ نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا۔
رافع نے حویلی سے روانگی کی اجازت چاہی۔
پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی عروبہ بولی۔ ''آپ نے مجھے اتنی شدید ذہنی اذیت سے نجات دلائی ہے کہ مجھے ساری زندگی آپ کی کنیز بن کر رہنا چاہیے۔''
''آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔'' رافع نے کہا۔ ''مجھے تو ایک سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں نے ایک نیک اور معزز خاتون کو ایک شیطان سے نجات دلائی ہے۔ اب میں آپ کی حویلی سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر آپ آئندہ بھی کسی وقت میری ضرورت محسوس کریں تو مجھ سے رابطہ کرنے میں بالکل نہ ہچکچایئے گا۔ میرے اس دوسرے مشورے پر بھی غور کیجیے گا کہ آپ کو دوسری شادی کر لینا چاہیے۔''
''میں اس بارے میں بھی فیصلہ کر چکی ہوں۔'' عروبہ نے کہا۔ ''میرا خدا جانتا ہے کہ میں کبھی کسی نامحرم کے سامنے نہیں ہوئی، اور ہوئی تو پہلی بار آپ کے سامنے ہوئی۔''
رافع جلدی سے بولا۔ ''لیکن میں نے کچھ نہیں کیا تھا۔''
''ہاں۔'' عروبہ بولی۔ ''غلطی میری ہی تھی۔ میں نے اضطراب میں پردہ ہٹا دیا تھا لیکن اس وقت میں مضطرب نہ ہوتے ہوئے بھی ایسا کر رہی ہوں۔''
اس نے پردہ ہٹا دیا۔ رافع چونک پڑا۔
عروبہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''میں نے ابھی کہا تھا کہ مجھے کسی نامحرم نے نہیں دیکھا لیکن آپ نے دیکھ لیا۔ اسی لیے اب میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے لیے نامحرم نہ

Marfat.com

رہیں۔ کیا آپ مجھے قبول کریں گے جناب رافع؟''

رافع کا دل اُچھل پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس معاملے میں کوئی تدبیر کرتا، عروبہ خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی گود میں آ گرنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔

عروبہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتی رہی۔ اسے وہ دن یاد تھا جب رافع اسے دیکھ کر مبہوت ہوگیا تھا۔ رافع کے مبہوت رہ جانے کے باعث اسے یقین تھا کہ وہ رافع کو بہت پسند آئی تھی۔ وہ یقیناً اسے اپنانے کا خواہش مند ہوتا۔ خود عروبہ نے اس کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ جس نے ایک بار اسے دیکھ لیا ہے، وہ اسی سے شادی کرے اور زندگی بھر اس پر نازاں رہ سکے کہ ایک بار کسی نامحرم نے اسے دیکھا بھی تو پھر وہ اس کے لیے محرم بن گیا۔ اس طرح وہ صرف اپنے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے علم نہیں تھا کہ رافع تو بہت پہلے اس کے حسن اور اس کی دولت کا اسیر ہو چکا تھا۔

اس طرح ان کی شادی ہوگئی۔ اس کی اطلاع بھی بغداد میں ابن اشعث کو پہنچا دی گئی تاکہ یہ خیال اسے غیظ و غضب سے نڈھال کر سکے کہ عروبہ نے اسے بڑی ذہانت سے شکست دی تھی۔

عروبہ سے پہلے بھی بہت سی عورتیں رافع بن لیث کی زندگی میں آ چکی تھیں لیکن عروبہ کو اس نے ان سب میں مختلف اور برتر پایا۔ اب اسے کوئی ایسی تدبیر کرنا تھی کہ عروبہ کی دولت بھی اس کے تصرف میں آ سکے۔ وہ عروبہ کو خوش اور مطمئن رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگا۔

''دو ایک روز کے لیے سمرقند چلیے!'' ایک دن عروبہ نے اس سے کہا۔ ''ابن اشعث کے گھر میں میری کچھ ذاتی چیزیں رہ گئی ہیں۔ وہ میں وہاں سے لانا چاہتی ہوں۔ یہ میرا حق بھی ہے۔ ابن اشعث کو اس پر کوئی اعتراض نہ تو ہو سکتا ہے، نہ ہونا چاہیے۔''

رافع اس کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے بھی تیار ہوگیا۔ وہ دونوں سمرقند گئے لیکن وہاں جانا ان کے لیے قیامت بن گیا۔ اس کی تنظیم کا جال سمرقند تک نہیں پھیلا تھا اس لیے اس کے مخبر اسے بروقت اطلاع نہ دے سکے کہ یحییٰ بن اشعث نے ان دونوں کی شکایت ہارون الرشید سے کر دی تھی۔

Marfat.com

شکایت بھی کچھ اس انداز میں کی گئی کہ رافع بن لیث اور عروبہ کی یہ حرکت ''عمل شنیعہ'' قرار پائے۔

ہارون الرشید اس پر شدید مشتعل ہوا۔ اشتعال ہی کے باعث اس نے اس معاملے میں کسی فقیہہ سے فتویٰ لیے بغیر ''حد'' جاری کرنے کا فرمان صادر کر دیا۔ حکم نامہ ایک قاصد کبوتر کے ذریعے خراسان کے حاکم ابنِ ہامان کو ملا۔

ابنِ ہامان نے وہی احکام اپنے ماتحت اور سمرقند کے حاکم سلیمان ازدی کو دیے۔ اس نے رافع بن لیث اور عروبہ کو اس وقت گرفتار کیا جب وہ سمرقند سے واپس روانہ ہونے ہی والے تھے۔

حکم کے مطابق عروبہ اور رافع کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا۔ رافع کو گدھے پر بٹھا کر سمرقند کے گلی کوچوں میں گھمایا گیا۔ اس کی تشہیر بھی کی گئی تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ یہ ایسی ذلت ورسوائی تھی جس کا رافع تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

پھر جب رافع کو درّے لگائے جانے کے لیے باندھا گیا تو وہ چیخ اُٹھا۔

''تم ایک غیر شرعی حکم پر عمل کر رہے ہو ازدی!''

سلیمان ازدی نے کہا۔ ''امیر المومنین شرع سے خوب واقف ہیں۔ وہ غلط فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔''

''تو پھر سارا واقعہ ہی انھیں غلط سنایا گیا ہوگا۔''

''تم نے جس عورت سے شادی کی، اس کی نیت میں اس وقت کھوٹ تھا جب وہ مرتد ہوئی۔''

رافع نے جواب دیا۔ ''شرع کا فیصلہ نیت پر نہیں، ظاہر پر ہوتا ہے۔''

لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں سنی گئی۔ خلیفۂ وقت کے حکم پر عمل کیا جانا تھا، اور کیا گیا۔ درّے لگانے کے بعد رافع کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

بغداد میں یہ ساری باتیں یحییٰ بن اشعث کے علم میں آئیں تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے جشنِ مسرت منایا جس میں شراب پانی کی طرح لنڈھائی گئی۔ اس کے بعد اس نے عروبہ کا پتا لگانا چاہا مگر اسے ناکامی ہوئی۔

Marfat.com

''شرم سے کسی دریا میں جا کر ڈوب مری ہوگی۔'' وہ خود ہی بڑبڑایا۔

پھر کچھ دن بعد اسے اطلاع ملی کہ رافع بن لیث کسی طرح قید خانے سے فرار ہو گیا تھا۔

فرار ہونے کے بعد رافع نے سمرقند ہی میں روپوشی اختیار کر لی۔ وہ سلیمان ازدی سے انتقام لیے بغیر وہاں سے نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے اپنی تنظیم کے کچھ لوگوں کو وہاں بلایا۔ ان کی مدد سے اس نے سلیمان ازدی کو قتل کرنے کے ساتھ ہی دولتِ عباسیہ کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔

ہارون الرشید ان دنوں رقہ میں بستر علالت پر تھا جب اسے یہ خبر ملی۔ اس کا علم اسے پہلے ہی سے تھا کہ خراسان میں دو ایک تحریکیں اس کی سلطنت کے خلاف در پردہ سرگرم تھیں۔ اب اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک تحریک کا سرغنہ رافع بن لیث امویوں کا طرف دار اور نصر بن سیار کا پوتا تھا۔

ہارون الرشید نے بسترِ علالت ہی سے اس بغاوت کی سرکوبی کے لیے احکام جاری کر دیے۔ ان احکام پر عمل درآمد سے پہلے ہی اسے کچھ اور پریشان کن خبریں بھی ملیں۔ ماوراء النہر کے عوام کی ایک کثیر تعداد نے رافع بن لیث کو اپنا سردار تسلیم کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے علی بن ہامان نے اپنے بیٹے عیسیٰ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ سمرقند کے مضافات میں فریقین کی مڈبھیڑ ہوئی۔ عیسیٰ اور اس کے لشکر کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ رافع فتح یاب ہوا۔ اس بڑی کام یابی سے اس کے دبدبے میں اضافہ ہوا تو خراسان میں جو لوگ برامکہ کی تباہی کے باعث عباسی حکومت کے مخالف ہو گئے تھے، وہ جوق در جوق رافع بن لیث کے ساتھ ملتے چلے گئے اور رافع کی طاقت میں خاصا اضافہ ہو گیا۔

خراسان کے لوگوں کے اشتعال اور عباسی حکومت سے معاندت کا کوئی ایک سبب نہیں تھا۔ عباسی خلیفہ المنصور نے ابومسلم کو قتل کروایا تھا جو خراسان ہی کا رہنے والا تھا اور اسی نے عباسی خلافت کے قیام میں بنیادی کردار ادا کیا تھا۔ پھر برامکہ کی تباہی! اس خاندان کا تعلق بھی ایران ہی سے تھا۔ تیسرے یہ کہ متعصب عرب، سلطنت عباسیہ سے ایرانیوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے تھے جبکہ ابتدا سے اب تک عباسی خلیفہ محسوس کرتے

Marfat.com

رہے تھے کہ ایرانیوں کو ختم کر کے ان جیسی اہلیت کے لوگ انھیں عربوں میں نہیں ملیں گے یا بہت کم ملیں گے اور سلطنت سنبھالنا ان کے لیے کارِ دشوار ہو جائے گا۔

اشتعال کی دوئی وجوہ یہ تھیں کہ رافع کے ساتھ بھی برا سلوک کیا گیا تھا جو ایک ایرانی ہی تھا۔ دوسری طرف وہ علی بن ہامان سے بھی عاجز تھے جس نے سارے صوبے میں ظلم و جور کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ہارون الرشید نے اس کے بارے میں تحقیقات تو کروائی تھیں لیکن بعض لوگوں نے اسے صحیح حالات سے باخبر نہیں ہونے دیا تھا اور خراسان پر اس کی حاکمیت برقرار رہی تھی۔

ہارون الرشید کو ایرانیوں کے اس حد تک برگشتہ ہونے کی اطلاعات ملیں تو اسے تعجب ہوا۔ وہ اتنا تو جانتا تھا کہ ابومسلم خراسانی کے قتل اور برامکہ کی تباہی ایرانیوں کو گراں گزری تھی مگر ان دونوں ہی معاملوں میں ان کا اتنا شدید ردّعمل سامنے نہیں آیا تھا کہ اب انھوں نے بہت کثیر تعداد میں رافع بن لیث کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور خراسان کی آزادی کا نعرہ لگنے لگا تھا۔

ہارون نے اس معاملے کی چھان بین کروائی تو اس مرتبہ وہ علی بن ہامان کی حرکتوں سے واقف ہو گیا۔ اس نے فوری طور پر علی بن ہامان کی برطرفی اور اس کی جگہ ہرثمہ بن اعین کی تقرری کا فیصلہ کیا۔ ہرثمہ بغداد سے روانہ ہوا۔ علی بن ہامان کی برطرفی کا حکم نامہ اور اپنا پروانۂ ولایت اس کے ساتھ تھا۔ اس نے خراسان پہنچ کر علی بن ہامان کو گرفتار کر لیا۔ اسے اس کی اولادوں اور عمّال کے ساتھ پابہ زنجیر کر کے بغداد روانہ کیا گیا۔

علی بن ہامان کا گھر بغداد میں بھی تھا۔ ہارون الرشید نے ان سب کو وہیں قید کروا دیا۔

ہارون الرشید کو گمان تھا کہ علی بن ہامان کی برطرفی سے خراسانیوں کے غیظ و غضب میں کمی آ جائے گی لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو ہرثمہ بن اعین کو یہ حکم نامۂ خلافت ملا کہ رافع بن لیث سے رابطہ کر کے اسے تلقین کی جائے کہ وہ راہِ راست اختیار کرے اور اپنے جتھے منتشر کر دے تو اسے نہ صرف یہ کہ امان دی جائے گی بلکہ اس کی گزشتہ غلطیاں بھی معاف کر دی جائیں گی۔

غالباً ہارون الرشید نہیں چاہتا تھا کہ خراسان میں وہاں کے لوگوں کا خون بہے اور

Marfat.com

معاملہ مزید ابتری کی طرف چلا جائے۔

ہرثمہ بن اعین نے حکم نامۂ خلافت کے مطابق رافع بن لیث کو خطوط بھیجے اور بڑی نرمی کے ساتھ اسے ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کرنا چاہا، اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ امیرالمومنین اس کی تمام خطائیں معاف کر دیں گے لیکن رافع بن لیث ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ وہ اپنی بڑھتی ہوئی طاقت کے نشے میں چُور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے سمرقند ہی کو اپنی تحریک کا مرکز بنا لیا تھا۔

جب ہرثمہ بن اعین کی ساری کوششیں رائگاں گئیں تو آخرکار وہ لشکر لے کر سمرقند کی طرف بڑھا۔

ہارون الرشید اپنے گرمائی صدر مقام رقہ میں اس وقت بھی علیل اور زیرِ علاج تھا۔ اسے اس حالت میں بھی رافع بن لیث کی سرکشی اور غرور پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے خود بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ اب وہ باغیوں کی سرکشی کو پوری طاقت سے کچل ڈالنا چاہتا تھا تاکہ وہ دوبارہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔

ہارون الرشید کے وزیر فضل بن ربیع نے کوشش کی کہ خلیفۂ وقت اپنا فیصلہ بدل دے اور ہرثمہ بن اعین کی لشکرکشی کا انتظار کرے لیکن ہارون الرشید نے اس کی ایک نہ سنی اور بغداد کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں سے جدال و قتال کے ذخائر اور ایک لشکرِ جرار کے ساتھ خراسان کی طرف بڑھے۔

علالت کے سبب ہارون الرشید کا یہ فیصلہ دانش مندی کے قطعی منافی اور مبنی برجوش و اشتعال تھا۔ بیماری کے باعث اس کے مزاج میں جو چڑچڑاہٹ آ گئی تھی، اسی کی وجہ سے اس نے فضل بن ربیع کے مشورے پر ذرا بھی غور نہیں کیا تھا۔

بغداد میں جب لشکرکشی کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو فضل بن سہل کو ہارون الرشید کے اس ارادے کا علم ہوا کہ وہ شہزادہ امین کو اپنے جانشین اور قائم مقام کی حیثیت سے بغداد ہی میں چھوڑ جاتا اور شہزادہ مامون کو یہ حکم ملتا کہ وہ بھی سلطنت کے امور میں بھائی کا ہاتھ بٹانے کے لیے بغداد ہی میں رکے۔

☆☆☆

Marfat.com

فضل بن سہل پیدائشی طور پر آتش پرست تھا جس کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ وہ اپنے ایام جوانی میں مسلمان ہوا تھا۔ اسے مامون کے پہلے اتالیق جعفر برمکی کی قربت حاصل رہی تھی اس لیے وہ بھی ہارون الرشید کے بعد مامون ہی کو مسند خلافت پر بیٹھا ہوا دیکھنا چاہتا تھا لیکن جب امین کو ولی عہد اور مامون کو ولی عہد دوم نام زد کیا گیا تو مامون کے طرف دار ہر چند مایوس ہوئے تھے تاہم انھوں نے سوچا تھا کہ مناسب وقت آنے پر مامون کو مسندِ خلافت تک پہنچانے کی کوششیں بہرحال کی جا سکتی ہیں۔

اب جو فضل بن سہل کو معلوم ہوا کہ امین کے ساتھ مامون کو بھی بغداد میں چھوڑ دیا جائے گا تو اسے اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ علالت کے باعث ہارون الرشید کی یہ لشکر کشی اس کی موت کا سبب بن سکتی ہے۔ بغداد سے خراسان تک کے تھکا دینے والے سفر سے اس کی علالت میں جو شدت آتی، وہ اسے موت کی طرف زیادہ جلدی دھکیل دیتی۔ ایسی صورت میں امین مسند خلافت پر بیٹھتے ہی مامون کو یا تو قتل کروا دیتا یا زنداں میں ڈلوا دیتا تاکہ اپنے اقتدار کو اس خطرے سے محفوظ کر لے۔ مامون اس وقت کیونکہ بغداد ہی میں ہوتا اس لیے امین کو اس معاملے میں چنداں دشواری نہ ہوتی۔

فضل بن سہل ضروری سمجھ رہا تھا کہ اس وقت مامون، خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ رہ کر ہی خطرے سے بچ سکتا تھا۔ اگر ہارون الرشید کو کچھ ہو جاتا تو مامون فوری طور پر خراسان جا کر اپنی ولایت کے معاملات سنبھال سکتا تھا۔ یہ ہارون الرشید ہی کی وصیت تھی کہ اس کے انتقال کے بعد مامون ولی عہد دوم کی حیثیت سے خراسان کا والی ہوگا۔

فضل کو اس کا بھی یقین تھا کہ خراسان کے لوگ بڑی مسرت سے اس کا استقبال کریں گے۔ وہ اسے اس لیے زیادہ پسند کرتے تھے کہ وہ ایک ایرانی کنیز مراجل کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ وہ بڑی خوشی سے مامون کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ رافع بن لیث بھی مجبور ہو جاتا کہ قیادت سے دست بردار ہو جائے۔ خراسانیوں کی طاقت کے بغیر اس کی شخصیت صفر ہو کر رہ جاتی۔ دولتِ عباسیہ سے متصادم ہونے کا خیال اس کے دماغ سے نکل جاتا۔ ہاں البتہ یہ بات ممکن تھی کہ وہ مامون کا دم بھرنے ہی میں اپنی بہتری

Marfat.com

سمجھتا اور مسندِ خلافت پر بیٹھنے والے امین کے خلاف مامون کا ساتھ دیتا۔

انھی خیالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے فضل بن سہل نے تنہائی میں مامون کو مشورہ دیا کہ وہ بغداد میں رکنے کے بجائے باپ کا ہم رکاب بنے۔

اس نے کہا۔ ''آپ دیکھ رہے ہیں کہ امیرالمومنین سخت بیمار ہیں۔ میں نے انھیں اس لشکرکشی سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی۔ یہ اندازہ آپ بھی لگا سکتے ہیں کہ خراسان تک کا سفر ان کے لیے بڑا جاں گسل ثابت ہوگا۔ میرے منہ میں خاک، اگر انھیں خدانخواستہ کچھ ہوگیا تو یہاں آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ آپ کے دل میں تو اپنے بھائی کے خلاف کوئی جذبہ نہیں ہے لیکن وہ آپ کو پسند نہیں کرتے، یہ آپ خوب جانتے ہیں۔ آپ کے بھائی کو اپنی والدہ خاتون زبیدہ کی پشت پناہی بھی حاصل ہوگی۔ آپ تو یہاں بالکل بے دست و پا ہو جائیں گے۔''

بات مامون کی سمجھ میں آگئی اور وہ فکر مند نظر آیا۔

''ہمیں ان حالات میں کیا کرنا چاہیے!'' وہ بولا۔

''میں نے ابھی عرض تو کیا ہے شہزادے! آپ کو امیرالمومنین کا ہم رکاب ہو جانا چاہیے۔'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''ان سے کچھ اس طرح بات کیجیے کہ وہ آپ کو اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ آپ مجھ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ آپ ان سے کیا کہیں جو وہ آپ کی بات مان لیں۔''

مامون نے فکرمندی سے سر ہلایا اور سوچتا رہا۔

روانگی سے ایک دن قبل وہ باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

''کیا بات ہے جانِ جگر؟'' ہارون الرشید نے مسکرا کر پوچھا۔ ''تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو!''

مامون نے کہا۔ ''مجھے علم ہوا ہے کہ آپ مجھے بھی بغداد میں چھوڑ جانا چاہتے ہیں لیکن آپ کی علالت کے باعث یہاں میرا دل نہیں لگ سکے گا۔ میری دھڑکنیں تو آپ کی ہم سفر ہوں گی۔ تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ مجھے ہی اپنا ہم سفر بنالیں؟''

''تم نے بڑی خوب صورتی سے بات کی ہے۔'' باپ نے شفقت سے بیٹے کو

Marfat.com

سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''اتنے دل کش پیرائے میں کی جانے والی درخواست ہم کبھی رد نہیں کرتے۔''

مامون کو خوشی ہوئی کہ اپنی بات منوانے کے لیے اسے زیادہ جواز تراشنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔

دوسرے دن لشکر بغداد سے روانہ ہوا تو وہ باپ کا ہم رکاب تھا اور اس کی وجہ سے فضل بن سہل کو بھی لشکر کے ساتھ رہنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ مامون کے علاوہ ہارون الرشید کا ایک اور بیٹا صالح بھی اس لشکر میں تھا جس کی وجاہت و خوب صورتی کی وجہ سے ہارون الرشید اکثر اسے اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

موسم کی حدّت اپنے شباب پر تھی اس لیے کسی مخلص نے مشورہ دیا کہ سفر رات کو جاری رکھا جائے اور سورج کی تپش سے بچنے کے لیے دن میں خیمے لگائے جائیں۔ ہارون الرشید نے یہ مشورہ مان لیا مگر اس کے باوجود چند ہی منزلیں طے ہونے کے بعد اس کے مرض کی شدّت بڑھنے لگی اس نے بس اپنی مضبوط قوتِ ارادی سے اپنا سفر جاری رکھا۔

نہروان کے بعد لشکر نے کوچ کیا تو شہر قرماسین میں پڑاؤ ڈالا گیا اور وہاں سے ''رے'' کی طرف بڑھا گیا۔ اس کے بعد حلوان کے مقام پر اقامت زیادہ دن کی ہوگئی کیونکہ ہارون الرشید ہیجان خون کا بھی شکار ہوگیا تھا اور مرض کی شدّت بڑھ رہی تھی۔ اس کی وہ بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر مامون کی افسردگی بڑھتی جا رہی تھی۔

مامون کے برخلاف امین بغداد میں ایک ایک دن گن رہا تھا کہ کب اس کا باپ دنیا سے رخصت ہو اور کب وہ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ اس کے مخبر اسے روزانہ کی بنیاد پر ہارون الرشید کی بڑھتی ہوئی بیماری سے آگاہ کر رہے تھے۔ امین کو یقین ہو چلا تھا کہ اس کا باپ اس سفر میں سایۂ اجل سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکے گا۔

ایک روز امین نے اپنے ایک معتمدِ خصوصی بکر بن معتمر کو طلب کیا اور چند خطوط اس کے حوالے کیے۔ وہ مامون، صالح، فضل بن ربیع، ایک سالار اسماعیل بن صبیح اور جبریل بن بختیشوع کے نام تھے۔

''جبریل کے نام جو خط ہے، وہ تو اسے فوراً پہنچانا ہے۔'' امین نے بکر بن معتمر

Marfat.com

سے کہا۔ ''باقی لوگوں کو یہ خطوط امیر المومنین کی وفات کے بعد دینا ہیں۔ یہ بہت خفیہ خطوط ہیں۔ تمھیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔''

اس کے بعد اس نے بکر بن معتمر کو ایک خط اور دیا جو ہارون الرشید کے نام تھا۔ اس نے اس میں اپنی اور خاتون زبیدہ کی طرف سے ہارون الرشید کی مزاج پرسی کی تھی اور اس کی صحت یابی کے لیے دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔

''یہ خط خفیہ نہیں ہے۔'' امین نے اپنے معتمد معتمر قاصد سے کہا تھا۔ ''یہ تمھیں امیر المومنین کو صرف اس صورت میں دینا ہے اگر وہ تمھارے پہنچنے تک انتقال نہ فرما چکے ہوں۔''

قاصد کو رخصت کرنے کے بعد امین خوش گوار تصورات کے چمن میں گلگشت کرنے لگا۔ جبریل بن بختیشوع کے خط میں اس نے لکھا تھا۔

''بہت دیر لگا رہے ہو تم! اتنی سست رفتاری بھی مناسب نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاریک راہ کا مسافر ''سحر'' کی طرف لوٹ جائے۔ اب عجلت سے کام لو۔ ایک بہت سنہرا مستقبل تمھارا منتظر ہے۔''

یہ خط جبریل بن بختیشوع کو اس دن ملا جب ہارون الرشید کے لشکر نے حلوان میں پڑاؤ ڈالا تھا اور ہارون الرشید کے ہیجان خون میں شدت آ گئی تھی۔

بستر پر لیٹے لیٹے ہارون الرشید نے مامون کو طلب کیا اور اس سے کہا۔ ''ہمیں ابھی تک ایسی کوئی خبر نہیں ملی کہ ہرثمہ اور رافع میں کسی مقام پر قتال وجدال کی نوبت آئی ہو۔ اب تو ہمیں اپنے شجیع سپہ سالار کی نیت پر شک ہونے لگا ہے۔''

مامون سمجھ گیا کہ بیماری نے اب اس کے باپ کو اوہام میں بھی مبتلا کر دیا ہے ورنہ وہ ہرثمہ بن اعین جیسے وفادار قائد لشکر پر ہرگز شبہ نہ کرتا۔

''اسی لیے اب ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے مامون!'' ہارون الرشید نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''ہمیں تو یہاں اب اپنی حالت سنبھلنے تک رکنا ہی پڑے گا۔ ہمیں یہ تاخیر گوارا نہیں۔ بہتر ہوگا کہ اب تم ہی لشکر لے کر سمرقند کی طرف روانہ ہو جاؤ۔''

''کیسے روانہ ہو جاؤں؟'' مامون کی آنکھیں نم ناک ہو گئیں۔ ''آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر......''

Marfat.com

ہارون الرشید نے اس کی بات کاٹی۔ ''یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں مامون؟ تمھاری آنکھوں میں نمی؟ ...... نہ ...... یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اس شخص کو یہ زیب نہیں دیتا جو خلیفہ ہو، یا خلیفہ بننے والا ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ تم کسی دن مسندِ خلافت پر ضرور بیٹھو گے لہٰذا اپنی آنکھیں خشک رکھو اور ایک فرماں بردار بیٹے کی حیثیت سے ہمارے حکم کی تعمیل میں دیر نہ لگاؤ۔ بس! اب تم جا سکتے ہو!''

مامون افسردگی سے سر جھکائے خیمے سے باہر آ گیا۔

ذرا دیر بعد ہی ہارون الرشید کی اجازت سے فضل بن سہل اور بکر بن معتمر اندر داخل ہوئے۔

''امیر المومنین!'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''یہ شہزادہ امین کا قاصد ہے۔ آپ کے لیے شہزادے کا ایک مکتوب لایا ہے۔'' پھر اس نے بکر بن معتمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پیش کیا جائے۔''

بکر بن معتمر نے ادب سے ہارون الرشید کو خط پیش کیا۔

''تم ہی پڑھ کر سنا دو فضل!'' ہارون الرشید نے کہا۔

فضل بن سہل نے خط لے کر بہ آوازِ بلند پڑھا اور خاموش ہو کر ہارون الرشید کی طرف دیکھنے لگا جس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''جاؤ!'' ہارون الرشید نے بکر بن معتمر سے کہا۔ ''ہمارے شہزادے سے کہہ دینا کہ اس کی دعا ضرور پوری ہوگی۔''

بکر بن معتمر رخصت ہو گیا۔

''اس کی دعا ضرور پوری ہوگی۔'' ہارون الرشید، فضل بن سہل کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑانے لگا۔ ''ہم خود اب بہت تھک گئے ہیں۔ عمر تو ہماری پینتالیس سال سے زیادہ نہیں لیکن ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے اسّی سال سے زیادہ کے ہو گئے ہیں۔''

فضل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر بولا۔ ''ایسی مایوسی کی باتیں نہ کیجیے امیر المومنین! دولتِ عباسیہ کو ابھی ظلِّ ہارونی کی ضرورت ہے، اور یہ آپ نے کیا فرمایا کہ شہزادہ ولی عہد کی دعا ضرور پوری ہوگی۔ خدا نہ کرے جوان کے دل میں آپ کے

Marfat.com

بارے میں ایسی خواہش پیدا ہوا''

ہارون الرشید نے اس کی باتوں پر دھیان نہیں دیا اور بولا۔ ''جا کر ذرا جبریل بن بختیشوع کو تو دیکھو۔ بہت دیر لگا دی اس نے! کہہ رہا تھا کہ وہ کسی قدیم کتاب میں ہمارے لیے کوئی انوکھا نسخہ تلاش کرے گا۔ جا کر اس سے کہو کہ ذرا جلدی کرے۔''

فضل بن سہل خیمے سے نکل آیا۔

کچھ ہی دیر بعد جبریل حاضر ہوا۔

''امیر المومنین!'' وہ بولا۔ ''میں نے ایک قدیم نسخہ تلاش کر لیا ہے۔ آپ کو ایک دوا کھجور کے درخت کے گوند میں ملا کر دینا ہوگی لیکن حلوان میں کھجور کے درخت ہیں ہی نہیں۔''

''تو پھر؟''

''میں نے وزیرِ سلطنت سے بات کی تھی۔'' جبریل کا اشارہ فضل بن ربیع کی طرف تھا۔ ''انھوں نے علاقے کے کچھ دہقانوں کو طلب کر کے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ کہیں کھجور کے درخت تلاش کر کے اس کا گوند لائیں۔''

''جب یہاں کھجور کے درخت ہوتے ہی نہیں ہیں تو وہ کہاں تلاش کریں گے۔'' ہارون الرشید اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ اس کی ذہنی حالت کچھ ایسی ہی ہوگئی تھی۔

اس وقت فضل بن سہل، جبریل کے خیمے میں تھا اور بڑی عجلت میں وہاں کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس نے اتفاقاً ہی بکر بن معتمر کی یہ حرکت دیکھ لی تھی کہ اس نے جبریل کو بہت راز داری سے ایک خط دیا تھا۔

فضل بن سہل یہ تو فوراً سمجھ گیا کہ بکر بن معتمر کے ہاتھوں بھجوایا جانے والا وہ خط شہزادہ امین ہی کا ہوگا لیکن اس کا یہ پہلو مشتبہ تھا کہ وہ خط جبریل کو راز داری سے دیا گیا تھا۔ اسی لیے فضل بن سہل کو اس کی تلاش تھی لیکن وہ اپنے مقصد میں کام یاب نہیں ہوسکا۔

دن گزرنے تک کھجور کے درخت بھی تلاش نہیں کیے جا سکے تھے۔ ہارون الرشید نے فضل بن ربیع کو طلب کیا اور اس سے کہا۔

''پڑاؤ اٹھواؤ وزیرِ دولتِ عباسیہ!''

Marfat.com

''ابھی یہ مناسب نہیں ہوگا امیرالمومنین!'' فضل بن ربیع نے جلدی سے کہا۔ ''آپ کی طبیعت اب زیادہ ناساز ہے۔ گھوڑے پر بیٹھنا بھی آپ کے لیے مشکل ہوگا۔ جب آپ کی طبیعت کچھ سنبھل جائے گی تو......''

''طبیعت نہیں سنبھلے گی ابن ربیع! یہاں کھجور کے درخت ہی نہیں مل رہے ہیں۔'' ہارون الرشید نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''طوس یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ کل صبح تک وہاں پہنچ ہی جائیں گے۔ وہاں کھجور کے درخت ہیں۔''

''لیکن آپ سفر کیسے کریں گے امیرالمومنین؟''

''کسی تیز رفتار سانڈنی پر ایسا محمل لگوا دو کہ ہم اس میں لیٹ سکیں۔''

اسی وقت اطلاع دی گئی کہ شہزادہ مامون باریاب ہونا چاہتا ہے۔ ہارون نے اسے فوراً اندر بلوالیا۔ وہ زرہ بکتر کے ساتھ مکمل عسکری لباس میں تھا۔ ہارون اسے دیکھ کر مسکرایا۔

''لشکر تیار ہو چکا ہے امیرالمومنین!'' مامون نے کہا۔ ''مجھے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیجیے!''

''ہارون الرشید نے دونوں بازو پھیلا دیے۔ اسے اٹھنے میں بھی دقت ہوئی۔ مامون بے تابانہ آگے بڑھ کر جھکا اور باپ کے سینے سے لگ گیا۔

''میدانِ جنگ میں تم میری دعاؤں کے سائے میں رہو گے۔'' ہارون الرشید نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے دعا دی۔ ''بس ثابت قدم رہنا! نَصرٌ مِّنَ اللّٰہِ و فتح قریب!''

مامون شاید کچھ جذباتی ہوگیا تھا۔ وہ جلد ہی باپ کے سینے سے الگ ہوا۔ ایک بار مؤدبانہ انداز میں جھکا اور پھر تیزی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

ہارون الرشید نے فضل بن ربیع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مامون کے لشکر کی روانگی کے بعد ہمیں بھی فوراً یہاں سے چل پڑنا چاہیے۔ کسی اچھی سانڈنی کا انتخاب کر کے اس پر محمل لگواؤ۔''

فضل بن ربیع کو رخصت کرنے کے بعد ہارون الرشید نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ لشکر کی روانگی کی آوازیں سن رہا تھا۔ چہرے سے نقاہت آشکارا تھی لیکن دماغ ہر جسمانی تکلیف کو نظرانداز کرتے ہوئے ماضی میں چکرا رہا تھا۔ اس نے جو جو غلطیاں کی تھیں،

Marfat.com

وہ اسے یاد آ رہی تھیں۔ اس سے بہت سنگین غلطیاں ولی عہدی کی نامزدگی کے سلسلے میں ہوئی تھیں لیکن وہ اپنے خاندان کے بزرگوں اور زبیدہ خاتون کی وجہ سے بے بس ہو گیا تھا۔

اور اب، اس نے ٹھنڈی سانس لے کر سوچا، اس غلطی کا ازالہ ایک اور غلطی ہوگی۔ سلطنت میں فوراً ہی انتشار پھیل جائے گا۔ امین کا تخت نشیں ہو جانا ہی بہتر ہے۔ وہ خود ہی غلطیاں کرے گا، سلطنت نہیں سنبھال سکے گا اور مسندِ خلافت خود ہی مامون کو اپنی طرف کھینچ لے گی۔

ہارون الرشید نے قدرے سکون محسوس کیا۔

مامون کے لشکر کی روانگی کے بعد ایک محمل بردار سانڈنی ہارون الرشید کے خیمے کے پاس لائی گئی اور اسے بٹھایا گیا۔ ہارون اپنے بیٹے صالح اور فضل بن ربیع کا سہارا لے کر خیمے سے نکلا۔ اس وقت اس کی نظر فضل بن سہل پر پڑی جو کچھ فاصلے پر موجود تھا اور اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ہارون الرشید کے چہرے پر تعجب کے آثار دیکھ کر فضل بن سہل تیزی سے قریب آیا اور بولا۔ ''کیا آپ کچھ فرمانا چاہتے ہیں امیر المومنین؟''

ہارون الرشید نے پوچھا۔ ''تم مامون کے لشکر کے ساتھ نہیں گئے؟''

فضل بن سہل نے جواب دیا۔ ''ان کا حکم تھا کہ آپ کے ساتھ رہوں۔''

ہارون الرشید چاہتا تھا کہ فضل بن سہل اس کے بیٹے کے ساتھ رہے لیکن اب اس نے کچھ کہنا سننا بے کار سمجھا۔ وہ فضل بن ربیع اور صالح کے ساتھ سانڈنی کی طرف بڑھا۔

☆☆☆

مامون کا لشکر بہت زیادہ دور نہیں نکلا تھا کہ سامنے سے آنے والے کچھ سواروں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ ہرثمہ بن اعین کے قاصد تھے جو تھوڑی سی سپاہ کے ساتھ کچھ قیدیوں کو لا رہے تھے۔

مامون نے قاصدوں سے بات کی۔ اسے معلوم ہوا کہ بخارا کے قریب رافع بن لیث سے ہرثمہ کی جنگ ہوئی تھی جس میں وہ فتح یاب ہوا تھا۔ رافع کے ایک بھائی بشیر بن لیث کے ساتھ شکست خوردہ قیدیوں کو اب ہارون الرشید کے پاس لے جایا جا رہا تھا۔ ہرثمہ بن اعین

Marfat.com

نے سمرقند کا محاصرہ کرلیا تھا جہاں رافع اپنے حامیوں اور جنگ جوؤں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔
مامون نے قاصدوں کو ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد ہارون الرشید تک پہنچیں۔
اس کے بعد مامون نے اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی۔

قاصدوں کا وہ قافلہ صبح کے وقت طوس پہنچا اور انھیں معلوم ہوا کہ ہارون الرشید اب طوس پہنچ چکا تھا۔

ہارون الرشید کو خیمے میں اطلاع دی گئی کہ ہرثمہ کے قاصد باریاب ہونا چاہتے ہیں۔
انھیں اجازت دی گئی اور وہ حاضر ہوئے۔

''کوئی خوش خبری؟'' ہارون الرشید نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

قاصدوں نے وہی سب کچھ بیان کر دیا جو مامون کو بتا چکے تھے۔

''خوب!'' ہارون الرشید مسکرایا، پھر اس نے فضل بن ربیع سے کہا۔''قیدیوں کو اپنی تحویل میں لے لو۔''

''لیا جا چکا ہے امیر المومنین!'' فضل بن ربیع نے کہا۔''ابھی ابھی دوسری خوش خبری بھی ملی ہے۔ کھجور کے درختوں سے گوند حاصل کر کے جبریل کو پہنچا دیا گیا ہے۔
وہ گوند میں کسی دوا کی آمیزش کر کے بہت جلد حاضر ہونے والا ہے۔''

''ہاں۔'' ہارون الرشید نے سوچتے ہوئے کہا۔''اب عجلت ہی کی ضرورت ہے۔''

ہرثمہ کے قاصدوں کو رخصت کر دیا گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد جبریل خیمے میں داخل ہوا۔ اس وقت فضل بن سہل اس کے خیمے کی تیسری بار تلاشی لے رہا تھا۔ دوسری بار کی ناکامی کے بعد اب اسے کچھ مایوسی ہو چلی تھی۔ اسے گمان ہو رہا تھا کہ جبریل نے وہ خط ضائع کر دیا ہوگا۔ شاید جلا ہی دیا ہو۔ ایک مشکوک خط وہ اپنے ساتھ لیے تو پھر نہیں سکتا تھا اور خیمے میں فضل بن سہل نے دو مرتبہ بہت اچھی طرح تلاشی لے لی تھی۔ تیسری بار وہ صرف اس امید کے ساتھ تلاشی لینے کے لیے خیمے میں داخل ہوا تھا کہ شاید کوئی جگہ اس کی نظروں سے چونک گئی ہو!

اچانک اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ مایوسی کے باعث وہ اگر اس وقت نہ آتا تو اسے یہ کامیابی نصیب نہ ہوتی جو قطعی غیر متوقع طور پر ہوئی۔ اسے مختلف سفوف کے کئی چھوٹے

Marfat.com

چھوٹے مرتبان سے نظر آئے تھے جنھیں کھول کر وہ سفوف میں انگلی اِدھر اُدھر گھما رہا تھا کہ اس نے کچھ سخت سی چیز محسوس کی۔ وہ اس نے جلدی سے دو انگلیوں کی مدد سے نکال لی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ وہی مکتوب ہوتا جو بکر بن معتمر نے جبریل کو دیا تھا مگر کیونکہ اسے چھپانے کی کوشش کی گئی تھی اس لیے فضل کو یقین ہو گیا کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہو گئی تھی۔

پھر جب اس نے مکتوب کی چند سطریں پڑھیں تو اس کا سارا جسم سنسنا گیا۔ سطروں کا مفہوم مبہم ہونے کے باوجود اس کی سمجھ میں آ گیا۔ جبریل ہارون الرشید کا علاج کرنے کے بجائے اسے ایسی غلط دوائیں دے رہا تھا جو مرض میں افاقہ کرنے کے بجائے اس کی شدّت بڑھاتی رہی تھیں اور اب اسے حکم ملا تھا کہ وہ عجلت سے کام لے۔

باپ کے بارے میں وہ حکم دینے والا وہ بیٹا تھا جسے ولی عہد اوّل مقرر کیا گیا تھا۔

عجلت! فضیل بن سہل کے دماغ میں گونج سی ہوئی، کھجور کے درخت کا گوند!

اف خدایا! فضل کا ذہن چیخ اٹھا۔ اس نے برنی جہاں سے اٹھائی تھی، وہیں رکھ دی اور مکتوب اپنے لباس میں محفوظ کرتا ہوا بہ سرعت خیمے سے نکل آیا۔ یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی کہ گوند مل چکا تھا اس لیے وہ سوچنے لگا کہ اب ہارون کا طبیب بدلا بھی جا سکتا تھا اور شہزادہ امین کا وہ مکتوب دیکھنے کے بعد ہارون الرشید اپنے ناہنجار بیٹے کی ولی عہدی منسوخ کرتا تو اسے کسی قسم کی مشکل بھی نہیں پیش آتی۔ امین کی طرف داری کرنے والے دم سادھ کر رہ جاتے۔

فضل بن سہل بڑی تیزی سے خیمۂ خلافت کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے رگ و پے میں غصے کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں یہ بھی آ گیا تھا کہ جبریل، امین کا آلۂ کار کیوں بن گیا؟ وہ ہارون الرشید کا طبیب خاص بننے سے پہلے برامکہ کے خاندان کا طبیب تھا اور برامکہ کی تباہی و بربادی ہارون الرشید کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔ برامکہ سے ہم دردی رکھنے والا نصرانی طبیب مناسب موقع ملنے کی صورت میں ہارون الرشید کا دشمن بن گیا تو یہ کچھ زیادہ تعجب کی بات نہیں تھی۔

جبریل کے خلاف غصے میں ہونے کے باوجود فضل بن سہل کو خوشی بھی ہو رہی تھی کہ اب مامون ہی کو ولی عہد اوّل نامزد کیا جا سکے گا۔

Marfat.com

لیکن اس وقت فضل کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی جب خیمہ خلافت میں پہنچنے پر اس نے جبریل کو وہاں دیکھا اور فضل بن ربیع سے اس کی باتوں نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ گوند اور کسی دوا کا آمیزہ ہارون الرشید کو کھلایا جا چکا تھا۔

''خون میں اس دوا کے تحلیل ہونے میں دن کے چاروں پہر گزر جاتے ہیں۔'' جبریل فضل بن ربیع سے کہہ رہا تھا۔ ''آج اندھیرا پھیلنے کے بعد سے امیر المومنین کی طبیعت سنبھلنا شروع ہو جائے گی۔''

ہارون الرشید آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا۔ طویل بیماری کے سبب اس کے چہرے کی سرخی ماند پڑ چکی تھی۔ حسین و ملیح وہ پینتالیس سالہ شخص بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔ اس کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

''ہمیں چادر اڑھا دو صالح!'' ہارون الرشید نے دھیمی آواز میں کہا۔

صالح کئی دن سے مستقل طور پر باپ کی خدمت میں حاضر رہنے لگا تھا۔ اس نے فوراً ہارون الرشید کو سینے تک چادر اڑھا دی۔

''امیر المومنین کو آرام کی ضرورت ہے۔'' جبریل نے فضل بن ربیع سے کہا۔ ''بہتر ہوگا کہ ہم رخصت کی اجازت لیں۔''

''بس چلو۔'' فضل بن ربیع نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''امیر المومنین آرام کر رہے ہیں۔ اجازت لینے کے لیے انھیں بولنے کی زحمت بھی نہیں دینا چاہیے۔''

وہ دونوں جانے لگے۔ فضل بن سہل کے قدم وہیں جم کر رہ گئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ گوند اور کسی دوا کا آمیزہ کھانے کے بعد ہارون الرشید پر فوراً کوئی منفی اثر نہیں پڑا تھا اس لیے یہ بات ممکن تھی کہ گوند کا وہ آمیزہ کئی مرتبہ کھائے جانے کے بعد ہی اپنا اثر دکھاتا۔

یکا یک ہارون الرشید نے آنکھیں کھولیں۔ اس نے فضل بن سہل کو دیکھا۔

''امیر المومنین!'' فضل بن سہل جلدی سے بولا۔ ''مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔''

''اس وقت جاؤ فضل!'' ہارون الرشید نے چڑچڑے پن میں کہا۔ ''ہمارے آرام میں خلل نہ ڈالو۔'' اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

Marfat.com

فضل بن ربیع نے ناگواری سے فضل بن سہل کی طرف دیکھا اور جبریل کے ساتھ خیمے سے نکل گیا۔

صالح بن ہارون نے آنکھوں سے فضل بن سہل کو اشارہ کیا کہ وہ بھی جائے۔ اب وہاں رکنا فضل کے لیے مشکل ہو گیا۔ وہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا۔

فضل بن ربیع اور جبریل کچھ فاصلے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ فضل بن سہل کو ان کے قریب سے گزرنا تھا۔ اس نے جبریل کی آواز سنی۔

''میں تو بالکل مایوس ہو چکا تھا۔'' اس نے فضل بن ربیع سے کہا تھا۔ ''اگر گوند نہ مل جاتا تو میں آپ سے ضرور کہہ دیتا کہ اب امیر المومنین کی زندگی صرف کل صبح تک کی یا زیادہ سے زیادہ کل شام تک کی رہ گئی ہے اور اب بھی آج کا دن بہت اہم ہے۔ دعا کیجیے کہ یہ خیریت سے گزر جائے۔ دوا کے اثرات کا آغاز شام کے بعد ہوگا۔''

فضل بن سہل کا جی چاہا کہ وہ جبریل پر جھپٹ پڑے اور اسے گلے سے پکڑ کر چیخنا شروع کر دے کہ وہ امیر المومنین کو ہلاکت کی طرف مرحلہ وار لے جا رہا ہے۔

لیکن اس نے اپنے اشتعال پر قابو پا لیا۔ اس وقت وحشت سے گریز اور احتیاط سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس سازش میں کتنے لوگوں کی شراکت ممکن تھی۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ سب سے پہلے ہارون الرشید ہی کو اس سازش سے باخبر کیا جائے۔

سوچ میں ڈوبا ہوا فضل بن سہل اپنے خیمے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے دماغ میں صرف یہ بات چکرا رہی تھی کہ دن کا ایک ڈیڑھ پہر گزر جانے کے بعد وہ پھر خیمۂ خلافت کا رخ کرے گا۔

پڑاؤ میں ہر طرف سپاہی گشت پر موجود تھے اور کوشش یہ کی جا رہی تھی کہ شور بالکل نہ ہو۔ سبھی کو اپنے امیر المومنین کی علالت کا خیال تھا۔

فضل بن سہل اپنے خیمے میں پہنچ کر بستر پر لیٹ گیا اور دیر تک سوچتا رہا کہ اس کے ذریعے شہزادہ امین کی سازش کا پردہ چاک ہوگا تو کس کس قسم کے ردِّعمل سامنے آئیں گے۔

دن کا ایک پہر گزر چکا تھا کہ فضل بن سہل یکایک بستر سے اٹھ بیٹھا۔ یہ خیال

Marfat.com

اس کے دماغ سے بالکل غائب رہا تھا کہ شہزادہ امین کا مکتوب غائب پا کر جبریل پر کیا گزری ہوگی؟ کیا یہ عین ممکن نہ تھا کہ وہ گھبرا کر پڑاؤ سے بھاگ کھڑا ہو؟

دماغ میں ان سوالات کے آتے ہی فضل بن سہل اپنے خیمے سے نکل کر جبریل کے خیمے کی طرف بڑھا۔ دونوں خیموں کا درمیانی فاصلہ اچھا خاصا تھا۔ خیموں کی تعداد اتنی تھی کہ وہ تین میل سے زیادہ کے رقبے میں پھیلے ہوئے تھے جبکہ لشکر کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ مامون کے ساتھ جا چکا تھا۔

فضل بن سہل جب جبریل کے خیمے میں داخل ہونے والا تھا تو ایک پہرے دار سپاہی نے احترام کے لہجے میں اس سے کہا۔

''اگر آپ ان سے ملنے آئے ہیں تو میں آپ کو بتادوں کہ وہ نہیں ہیں؟''

''کہاں ہیں؟'' فضل بن سہل نے چونک کر پوچھا۔

''بہت دیر ہوئی کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ صبح کچھ دیر بعد وہ امیرالمومنین کے پاس سے لوٹے تھے تو خیمے میں انھوں نے بہت کم وقت گزارا تھا۔ وہ بڑی عجلت میں نکلے تھے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مغرب کی طرف چلے گئے تھے۔ ان کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اچانک کوئی کام یاد آ گیا ہو۔ انھوں نے گھوڑے کو بہت ہی تیزی سے دوڑا دیا تھا۔''

فضل بن سہل کا جی چاہا کہ اپنی ہی بوٹیاں نوچ ڈالے۔ اس سے ایک ایسی بھول ہوئی تھی کہ اس کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے تھا۔ شہزادہ امین کا مکتوب غائب پا کر جبریل کو سمجھ ہی لینا چاہیے تھا کہ اس کا راز کسی پر فاش ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے اپنے بچاؤ کا صرف یہی ایک راستہ تھا کہ جلد از جلد پڑاؤ سے فرار ہو جائے!

اسی وقت ایک چیختی ہوئی آواز نے فضل بن سہل اور اس سپاہی کو چونکا دیا۔

وہ آواز خدام خلافت میں سے ایک کی تھی۔ اس نے جو کچھ کہا تھا، اسے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے دوسرے خادم نے چیخ کر دہرایا۔ پھر اس سے کچھ اور فاصلے پر کھڑے ہوئے خادم نے بھی ایسا ہی کیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اس جملے کی بازگشت سارے پڑاؤ میں پھیلتی چلی گئی ہو۔

امیرالمومنین رحلت فرما گئے!

Marfat.com

امیرالمومنین رحلت فرما گئے!

امیرالمومنین رحلت فرما گئے!

☆☆☆

امین کا قاصد پڑاؤ سے رخصت نہیں ہوا تھا۔ اس نے جس وقت کے انتظار میں گھڑیاں گِنی تھیں، وہ اب ختم ہو چکی تھیں۔ اس نے فوراً امین کے خفیہ خطوط متعلقہ افراد تک پہنچا دیے۔

صالح بن ہارون الرشید کے خط میں لکھا تھا۔

''تمھیں میرا یہ خط اسی وقت ملے گا جب ''سانحہ'' رونما ہو چکا ہوگا۔ بہت محتاط رہنا اور ہر بات کا خیال رکھنا۔ تم میرے معتمد ہو۔ میرا یہ حسن ظن قائم رہنا چاہیے۔ وہاں اب یہ تمھارا فرض ہے کہ تمام لوگوں سے میری، میرے بعد مامون کی، اور مامون کے بعد موتمن کی بیعت لو۔ شرائط وہی ہوں جو امیرالمومنین مرحوم طے کر چکے ہیں اور اس کا عہد نامہ بابِ کعبہ پر آویزاں ہے۔ خاندان کے متعلقہ افراد کو فضل بن ربیع کی حفاظت میں دو اور اسے میرا حکم پہنچاؤ کہ وہ سب کو لے کر بغداد پہنچے۔ تمھیں یہ خیال بھی رکھنا ہے کہ فضل بن ربیع سے مشورہ کیے بغیر کوئی اقدام نہ کرو۔ وہ امیرالمومنین کو عزیز تھا۔ وہ مجھے بھی عزیز ہے۔ اسے جو عسکری ہدایات دینا ہیں، وہ میں اسی کے خط میں لکھ چکا ہوں۔''

اسی طرح فضل بن ربیع کے خط میں دیگر باتوں کے علاوہ ہدایات تھیں۔

''صالح سے فوراً مشاورت کر لینا۔ امیر عسکر عبداللہ بن مالک کو بتا دو کہ وہ میرے لیے بھی قابلِ اعتماد شخص ہیں۔ انھیں خیال رکھنا ہوگا کہ عوام میں میری مسند نشینی کے خلاف کوئی چہ میگوئی بھی نہ ہو۔ سالار اسماعیل بن صبیح اور بکر بن معتمر کو فوری طور پر میری طرف روانہ کر دو۔''

سالار اسماعیل بن صبیح کو خط میں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ فضل بن ربیع کے ہر حکم کی تعمیل کرے اور فوراً آ کر بغداد کے عسکری معاملات سنبھال لے۔

جو خط مامون کو لکھا گیا تھا، وہ ''اطلاع نامہ'' بھی تھا۔ اس میں ان شرائط کی یاد دہانی کرائی گئی تھی جو خانۂ کعبہ میں طے پائی تھیں۔ اس کے ساتھ یہ تاکید تھی کہ وہ جہاں

Marfat.com

بھی ہو، وہیں ٹھہرے اور سلطنتِ عباسیہ کے نئے خلیفہ کے حکم کا انتظار کرے۔

قاصد نے وہ خط مامون کو قدرے تاخیر سے پہنچایا۔ وہ اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ ''مرو'' سے آگے نکل کر سمرقند کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے خط پڑھ کر بہ مشکل اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔ لشکر کے ساتھ وہ مرو لوٹا۔ اس نے مسجد میں نماز ادا کی اور پھر منبر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ امیر المومنین ہارون الرشید دنیا سے رخصت ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔

اس کے بعد مامون نے لوگوں سے امین کی خلافت پر بیعت لینے کے بعد اپنی اور قاسم المؤتمن کی ولی عہدی پر بیعت لی۔

اگرچہ خراسان میں لوگ دولتِ عباسیہ کے خلاف مشتعل تھے اور انھوں نے رافع بن لیث کی سرداری تسلیم کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی مگر ان کا وہ اقدام بنیادی طور پر ہارون الرشید کے خلاف تھا۔ مامون کے لیے تو وہ سبھی اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ انھیں رافع بن لیث کے گماشتوں نے اطلاع دے دی تھی کہ وہ مامون کے خلاف تلوار نہیں اٹھانا چاہتا۔

رافع بن لیث اس وقت سمرقند میں محصور تھا۔ ہرثمہ بن اعین کی سپاہ سمرقند کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی لیکن باہر سے رافع بن لیث کا رابطہ قطعی منقطع نہیں ہوا تھا۔ اس کے اِکّا دُکّا مخبرات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر سمرقند سے باہر آتے جاتے رہتے تھے اس لیے اس دوران میں تمام اطلاعات بھی رافع بن لیث تک پہنچتی رہی تھیں۔ وہ اس اطلاع سے بہت پریشان ہوگیا تھا کہ علیل ہارون الرشید نے مامون کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ ہرثمہ کی مدد کے لیے روانہ کردیا تھا۔

رافع بن لیث کی پریشانی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہرثمہ کے لشکر کے ساتھ مامون کا لشکرِ جرار آملتا تو اس کے لیے سمرقند میں محصور رہنا ناممکن ہو جاتا۔ فوجیں یقینی طور پر سمرقند میں گھس آتیں اور وہ جنگ کرتے ہوئے مارا جاتا۔ اس کے علاوہ دوسری پریشانی یہ تھی کہ خراسان کے لوگ شدّت سے مامون کے حامی تھے۔ ان کے سامنے رافع بن لیث کی شخصیت ماند پڑ جاتی۔

Marfat.com

ان حالات میں رافع بن لیث کے لیے کوئی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہو چکا تھا اس بدلی ہوئی صورتِ حال میں اس نے اپنی بہتری اسی میں جانی کہ مامون کی حمایت کر کے خراسان کے لوگوں کا دل اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ مخبروں کے ذریعے اپنے گماشتوں کو سارے خراسان میں پھیلا دیا اور انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ رافع بن لیث مامون کے خلاف تلوار اٹھانے کے حق میں نہیں ہے۔

یہ خراسان کے لوگوں کے دل کی آواز بھی تھی۔ ان سب کو یہ خیال بھی تھا کہ مامون مسندِ خلافت کا حق دار تو نہیں بنا لیکن خراسان کا حاکم تو اب وہی ہوگا جسے وہ چاہتے ہیں۔

خود رافع نے یہ سوچا تھا کہ مامون سے مل جانے کے بعد وہ کوئی ایسی سازش کرے گا کہ دونوں بھائیوں میں لڑائی ہو جائے۔ اس کی دانست میں دونوں بھائیوں کی جنگ سے جب سلطنت کا شیرازہ بکھر جاتا تو وہ اس موقع سے خود کوئی فائدہ اٹھانے کی کوشش کر سکتا تھا۔

صلح کے لیے اس نے ہرثمہ بن اعین کو خط لکھا۔

''میرے بزرگ، ہرثمہ بن اعین! السلام علیکم! مجھے نہ تو آپ سے کوئی دشمنی ہے، نہ سلطنت سباسیہ سے کوئی عناد! میں نے تلوار اس ظلم و ستم کے خلاف اٹھائی تھی جو علی بن ہامان نے خراسان کے لوگوں پر ڈھا رکھا تھا۔ علی بن ہامان کی برطرفی کے بعد جب آپ نے مجھے خطوط لکھے تو میرے کچھ جذباتی ساتھی آپ کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کی وجہ سے میں بھی مجبور ہو گیا۔ مجھے اعتراف ہے کہ کچھ غصہ مجھے بھی تھا کیونکہ مجھے جو سزا دی گئی تھی، اسے میں غلط اور اپنے خیال کے مطابق غیر شرعی سمجھ رہا تھا لیکن اب جبکہ امیرالمومنین ہارون الرشید اس دنیا میں نہیں رہے، میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں دعا گو ہوں کہ خدا انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ نئے خلیفہ امیرالمومنین الامین کے حکم سے شہزادہ مامون اس وقت مرو میں رک گئے ہیں اور کسی بھی مزید اقدام سے پہلے انھیں امیرالمومنین الامین کے حکم کا انتظار ہے۔ وہ اب مشہور عہدنامے کے مطابق خراسان کے والی ہوں گے۔ حالات کے اس انقلاب کے باعث میرے جذباتی ساتھیوں

Marfat.com

کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا ہے اور انھیں یقین ہے کہ اب خراسان کے لوگوں کے ساتھ ظلم وستم روا نہیں رکھا جائے گا۔ اسی لیے انھوں نے میری بات مان لی ہے کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں۔ ہم سلطنتِ عباسیہ کے نئے خلیفہ اور خراسان کے نئے والی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس سلسلے میں ہماری کوئی شرط نہیں ہے۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

مؤثر پیرائے میں لکھا ہوا یہ خط ایک ایسے قاصد کے ذریعے بھیجا گیا جو ہاتھ میں سفید پرچم لیے ہرثمہ بن اعین کے لشکر کی طرف بڑھا تھا۔

اس سے ذرا ہی پہلے ہرثمہ بن اعین کو شہزادہ مامون کے خط سے ہارون الرشید کی وفات کا علم بھی ہو چکا تھا اور اسے یہ ہدایت بھی مل گئی تھی کہ وہ رافع بن لیث کو محصور تو رکھے لیکن خلیفہ الامین کے دوسرے حکم سے پہلے کوئی اور قدم نہ اٹھائے۔

ہرثمہ بن اعین نے یہ اطلاع لشکر میں بھی پھیلا دی۔ جن سپاہیوں کو ہارون الرشید سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

دوسری طرف بغداد میں بھی صفِ ماتم بچھ چکی تھی۔

زبیدہ خاتون کے لیے یہ دوسرا صدمہ تھا۔ اس سے پہلے وہ اپنے بھائی عیسیٰ بن جعفر کا سوگ منا رہی تھی جو ہارون الرشید سے ملنے کے لیے کہیں سے آ رہا تھا کہ راستے میں وفات پا گیا۔ اب شوہر کے بارے میں یہ اطلاع ملی تو وہ چشم خوں فشاں کے ساتھ پیکر حزن و ملال بن گئی اور سینہ کوبی کرتے کرتے بے ہوش ہوگئی۔ اس کے لیے فوراً طبیب کو طلب کر لیا گیا۔

امین نے دوسرے دن مسجد منصور میں نماز کی امامت کے فرائض انجام دیے اور لوگوں سے اپنی خلافت کے لیے بیعت لی۔ وہ اپنی اس سازش کی کامیابی سے بے حد خوش تھا کہ اس نے "قبل از وقت" ہی ہارون الرشید کو دنیا سے رخصت کروا دیا تھا لیکن "قبل از وقت" کی بات محض خوش فہمی ہی تھی۔ لوحِ محفوظ پر یہ بات پہلے ہی رقم ہو چکی ہوگی کہ ہارون الرشید کی موت اس کے بیٹے ہی کی سازش کے نتیجے میں جبریل کے ہاتھوں واقع ہوگی۔

امین کے برعکس مامون غم والم کی تصویر بنا ہوا تھا اور حیران تھا کہ ایک بیٹے نے

Marfat.com

باپ کو قتل کروا دیا۔ فضل بن سہل نے طوس میں ہارون الرشید کی تدفین کے بعد مرو پہنچ کر وہ خط مامون کو دکھا دیا تھا جو امین نے طبیب جبریل کو لکھا تھا۔

فضل بن سہل نے کہا۔ ''اس خط کی بنیاد پر آپ اعلانِ بغاوت کر سکتے ہیں۔''

''نہیں فضل!'' مامون نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مجھے اس عہد پر قائم رہنا ہوگا جو میں نے خدا کے گھر میں کیا تھا۔ خانۂ کعبہ کے در پر آویزاں عہد نامے کی رو سے مجھے یہ استحقاق نہیں کہ میں کسی بھی معاملے میں خلیفہ الامین کے کسی اقدام کی مخالفت کروں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ مکتوب راز میں بھی رکھنا ہوگا۔ ایک بیٹے نے مسندِ خلافت پر جلد از جلد بیٹھنے کے لیے اپنے باپ کو ختم کروا دیا، یہ خاندان عباسیہ کی پیشانی پر ایک داغ ہے جو عام لوگوں کی نظر میں نہیں آنا چاہیے۔''

یہ استدلال فضل بن سہل کی فہم و دراک سے بالاتر تھا لیکن اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

''وعدہ کرو فضل!'' مامون بولا۔ ''تم بھی اس خط کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گے۔''

فضل بن سہل نے یہ وعدہ بھی کر لیا۔ اسے یقین تھا کہ خود امین ہی اپنی ناسمجھی سے حالات کو اس نہج تک پہنچا دے گا کہ مسندِ خلافت اس کے نیچے سے سرک جائے گی۔ اس کی بدنیتی تو اسی سے آشکارا ہو چکی تھی کہ اس نے فضل بن ربیع کے ساتھ وہ لشکر بھی بغداد واپس بلا لیا تھا جو مامون کے ساتھ تھا۔ اب مامون کے ساتھ محافظ دستے کی سپاہ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

الامین ہی کے حکم سے مامون مرو میں رکا رہا۔ وہیں اسے قاصد نے اطلاع دی کہ رافع بن لیث اور اس کے جنگ جوؤں نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ ہرثمہ بن اعین ان لوگوں کو گرفتار کر کے مرو کی طرف آ رہا تھا۔

''شہزادے!'' فضل بن سہل نے مامون سے کہا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ ہرثمہ بن اعین کے ساتھ جو لشکر ہے، اسے بھی بغداد طلب کر لیا جائے گا۔''

مامون نے اسے غور سے دیکھا اور کہا۔ ''وہ تو میرے بھائی کی طرف سے عہد نامے کی خلاف ورزی ہوگی۔ وصیت کے مطابق خراسان اب میری ولایت ہے

Marfat.com

جس کے لیے مجھے سپاہ کی بھی ضرورت ہے۔ وصیت ہی کے مطابق لشاکرِ بغداد کا نصف بھی مجھے ملنا چاہیے۔''

''بغداد میں فوج کی کمی نہیں۔'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''پھر وہ لشکر کیوں واپس بلا لیا گیا جو آپ کے ساتھ تھا۔''

''اس وقت حکم کی تعمیل کرنا میرا فرض تھا اس لیے میں رکاوٹ نہیں بنا لیکن میں اس معاملے میں اپنے بھائی سے خط کتابت تو کروں گا۔''

''اب تک ان کا خط آ جانا چاہیے تھا کہ آپ خراسان کی ولایت سنبھالیں اور یہاں برپا ہونے والی بغاوتیں کچل دیں۔''

فضل بن سہل کی بات درست تھی لیکن امین کو مسندِ خلافت پر بیٹھ کر امورِ سلطنت سے زیادہ دلچسپی اپنے تفریحی مشاغل سے تھی۔ اس نے سلطنت میں ہر طرف فرامین بھجوا دیے تھے کہ اربابِ نشاط جہاں جہاں ہوں، ان کی تنخواہیں مقرر کر کے انھیں دارالخلافہ بھجوا دیا جائے۔ اس نے ایسی کشتیاں تیار کرنے کا حکم بھی صادر کیا تھا جن کی ساخت عام کشتیوں سے مختلف اور انوکھی ہو جن پر بیٹھ کر وہ مچھلی کا شکار کھیل سکے جو اسے بہت مرغوب تھا۔

وزیرِ سلطنت کے عہدے پر فائز رہنے والے فضل بن ربیع نے وہ سب کچھ دیکھا اور محسوس بھی کیا کہ سلطنت کو مستحکم اور پوری طرح اپنے قابو میں لینے سے پہلے یہ مشاغل خلیفہ وقت کے لیے مناسب نہیں تھے لیکن اس نے خاموشی اختیار کیے رہنے ہی میں اپنی بھلائی سمجھی۔

شام کے رہنے والے فضل بن ربیع نے ہمیشہ ایرانی عناصر کی مخالفت کر کے اپنے خالص عرب ہونے کا ثبوت دیا تھا اس لیے اس کے دل میں یہ خوف جاگزیں ہو چکا تھا کہ عنانِ حکومت اگر مامون کے ہاتھ میں چلی گئی تو وہ خراسانیوں کے انتقام سے نہ بچ سکے گا جو مامون کے زبردست موئید تھے۔ اسی لیے وہ ہر صورت میں امین کا اقتدار قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ایک اندیشہ یہ بھی تھا کہ خراسانیوں کے اکسانے پر مامون بغاوت کر بیٹھتا اس

Marfat.com

لیے فضل بن ربیع یہ بھی چاہتا تھا کہ خراسان میں مامون کی عسکری طاقت کم سے کم کردی جائے۔ وہ اس لشکر کو بھی خراسان سے بلا لینا چاہتا تھا جو ہرثمہ بن اعین کی قیادت میں ابھی وہیں تھا۔ اسے رافع بن لیث کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا اور ابھی یہ اطلاع بغداد نہیں پہنچی تھی کہ رافع بن لیث نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور ہرثمہ بن اعین نے اسے مامون کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

مامون نے وہ خط پڑھا جو رافع بن لیث نے ہرثمہ کو لکھا تھا۔

''رافع!'' مامون نے وہ خط پڑھنے کے بعد ''سابق باغی'' کو مخاطب کیا۔ ''میں تمھیں اور تمھارے تمام جنگ جوؤں کو معاف کرتا ہوں۔''

رافع بن لیث نے فوراً خراسان کے نئے والی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے بعد اس کے تمام جنگ جوؤں نے بھی۔ مامون نے ان سب کو خراسان کے سپاہیوں کی حیثیت سے بھرتی کر لیا اور یہی وقت کا تقاضا تھا۔

''ابنِ اعین!'' مامون نے بزرگ سالار کو مخاطب کیا۔ ''میں آپ کو خراسانی لشکر کا سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کرتا ہوں۔''

ہرثمہ نے ادب سے کہا۔ ''دولتِ عباسیہ کا یہ خادم اس عزت افزائی کے لیے آپ کا شکر گزار ہے۔''

اس کے بعد مامون نے خط لکھ کر امین کو نئی صورتِ حال سے آگاہ کیا اور یاددہانی بھی کرائی کہ وصیت کے مطابق اب لشکر عباسیہ اور خزانے کی مساوی تقسیم بھی ہو جانا چاہیے۔

''اس خط کا جواب نہ دیجیے!'' فضل بن ربیع نے امین کو مشورہ دیا۔ ''مجھے شہزادہ مامون کی نیت میں فتور نظر آ رہا ہے۔ آپ ہرثمہ کو حکم نامہ بھیجیے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ بغداد واپس آ جائے۔''

امین نے متفکر لہجے میں کہا۔ ''اس عہد نامے کا کیا ہوگا جو خانۂ خدا کے صدر دروازے پر لٹکا ہوا ہے؟''

''اس کا بندوبست ہو جائے گا، یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔''

فضل بن ربیع نے امین کو مامون سے اتنا خوف زدہ کیا کہ امین نے اس کے

Marfat.com

مشورے کے مطابق ہرثمہ بن اعین کو حکم نامہ بھیجنے میں نہایت عجلت کی۔

ہرثمہ بن اعین کو وہ حکم نامہ ملا تو اس نے مامون کو اس سے آگاہ کیا۔

''ابن اعین!'' مامون نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے علم میں ہوگا کہ ایک عہد نامہ باب کعبہ پر آویزاں ہے جس کی رو سے میں اب صوبہ خراسان و ماوراء النہر کا والی ہوں۔ یہاں کے نظم و انصرام کے لیے مجھے سپاہ کی بھی ضرورت ہے اور ایسے عمّال کی بھی جو شہر شہر متعین کیے جا سکیں لیکن میرے پاس خزانہ نہیں ہے۔ آپ کو میں نے سپہ سالار اعلیٰ مقرر کیا ہے اور رافع بن لیث کے پانچ ہزار جنگ جُو بھی سپاہیوں کی حیثیت سے بھرتی کیے ہیں لیکن ابھی میں نہیں جانتا کہ میں آپ کو یا سپاہ کو تنخواہ کہاں سے دوں گا۔ میں نے اس مسئلے پر امیر المومنین کو خط لکھا ہے اور مجھے ان کے جواب کا انتظار ہے۔ آپ کا تو بے شک یہ فرض ہے کہ امیر المومنین کے حکم کی تعمیل کریں لیکن انھیں بھی اپنے عہد کا احترام کرنا چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی طلبی کا حکم منسوخ کر دیں گے اور خزانے سے مجھے اپنا حصہ بھی مل جائے گا۔ حالات روبہ اصلاح ہو جائیں گے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس حد تک میرا ساتھ دیں کہ ابھی لشکر لے کر بغداد جانے میں عجلت نہ کریں۔ فی الحال اپنی بیماری کا عذر نامہ بھیج دیجیے!''

''آپ امیر خراسان ہیں۔'' ہرثمہ بن اعین نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اور میں مرحوم خلیفہ امیر المومنین ہارون الرشید کی وصیت اور اس عہد نامے سے بھی واقف ہوں جس کا حوالہ آپ نے ابھی دیا ہے۔ اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ملنے والا یہ حکم نامہ مبنی بر انصاف نہیں۔ امیر المومنین اس بات سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ یہاں آپ کے پاس نہ تو خزانہ ہے، نہ فوج! ایسی صورت میں ان پر لازم تھا کہ وہ مجھے اپنے لشکر کے ساتھ واپسی کا حکم نہ بھیجتے۔ وہ خانہ کعبہ پر آویزاں مقدس عہد نامے اور آں جہانی خلیفہ کی وصیت نظر انداز کر رہے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے خلاف ورزی کی ابتدا ہے۔ مرحوم خلیفہ نے اس عہد نامے کے بعد تمام منصب دارانِ سلطنت کو خطوط لکھے تھے کہ اگر فریقین میں سے کوئی اس عہد نامے کی پاس داری نہ کرے تو ساتھ اس کا دیا جائے جو اس عہد نامے پر قائم ہو۔''

Marfat.com

مامون مسکرایا۔ ''ابنِ اعین! آپ یہ فیصلہ عجلت میں کر رہے ہیں کہ امیرالمومنین کی طرف سے خلاف ورزی ہوئی ہے۔ میں اپنے خط کا جواب آجانے تک اس نتیجے پر نہیں پہنچنا چاہتا۔''

''یہ آپ کا ظرف ہے امیر!'' ہرثمہ بن اعین کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔ ''میں امیرالمومنین کی خدمت میں اپنی بیماری کا عذرنامہ ہرگز نہیں بھیجوں گا۔ میں آخر کیوں جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوں!''

''مجھے اتنی مہلت درکار ہے کہ میرے خط کا جواب آجائے۔'' مامون نے کہا۔ ''اسی لیے میں چاہتا تھا کہ فی الحال آپ کوئی عذر کر دیجیے۔''

''اس کی ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے۔'' ہرثمہ بن اعین نے کہا۔ ''میں انھیں یہ لکھ دیتا ہوں کہ میں نے اگر خراسان چھوڑا تو سلطنت کا یہ حصّہ قطعی بے سہارا ہو جائے گا لہٰذا وہ اس حکم نامے پر نظرِ ثانی کریں جو انھوں نے مجھے بھیجا ہے۔''

''ایسا کر لیجیے!'' مامون نے کہا۔ ''مجھے بس اتنا وقت درکار ہے کہ میرے خط کا جواب آجائے۔''

''میری طرف سے آپ اطمینان رکھیں۔ میں ہر صورت میں آپ کے ساتھ ہوں لیکن یہ بہرحال مسئلہ بنے گا کہ سپاہ کو تنخواہ کہاں سے دی جائے۔''

''یہ دردِ سر تو بہرحال ہے۔'' مامون نے فکرمندی سے کہا۔

''اس بارے میں غور کر لیجیے! میری طرف سے بالکل فکرمند نہ ہوں۔''

اس کے بعد ہرثمہ بن اعین رخصت کی اجازت لے کر چلا گیا۔

فضل بن سہل اس گفت گو کے دوران میں بالکل خاموش رہا تھا۔ ہرثمہ بن اعین کے جاتے ہی اس نے مسکرا کر مامون سے کہا۔

''آپ خوب جان چکے ہیں کہ سیاست کیا ہوتی ہے۔ اس وقت ہرثمہ سے ایسے ہی انداز میں گفت گو کی ضرورت تھی۔ اسے روکنا بہت ضروری تھا ورنہ آپ بہت کم زور ہو جاتے۔ آپ کی ولایت ختم کرنے کے لیے فضل بن ربیع کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرے گا۔''

''ہرثمہ بن اعین ایک اچھے انسان ہیں۔'' مامون نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ

Marfat.com

اگر ان سے اس انداز میں گفت گو نہ ہوتی تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ خود کو ذہنی طور سے میرا ساتھ دینے پر آمادہ کر چکے تھے۔ اب مسئلہ وہی سامنے رہ گیا ہے کہ میرے پاس خزانہ نہیں۔ تنخواہیں نہیں دی جا سکیں تو سپاہ میں بے چینی پھیل جائے گی۔''

''اور بغداد کے خزانے سے آپ کو کچھ ملے گا بھی نہیں۔'' فضل بن سہل نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ربیع بن فضل اس میں رکاوٹ بنے گا۔''

مامون فکرمندی کی حالت میں ٹہلنے لگا۔

فضل بن سہل نے اپنی بات میں اضافہ کیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ آپ کے خط کی وجہ سے کوئی حوصلہ افزا صورت نہیں بنے گی۔ اس کے برخلاف یہ ممکن ہے کہ فضل بن ربیع امیر المومنین کو آپ کے خط کی عبارت کا کچھ اور ہی مطلب سمجھائے۔''

مامون نے اثبات میں سر ہلایا جیسے اس خیال کی تائید کی ہو، پھر اس نے کہا۔ ''اتمامِ حجت بہرحال ضروری سمجھا جانا چاہیے۔ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ جس بیٹے نے خلافت حاصل کرنے کے لیے باپ کی موت کا سامان کیا ہو، وہ اپنے بھائی کو کسی قسم کی مراعات دینے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ رہی سہی کسر وہاں ابن ربیع کی موجودگی سے پوری ہوگی۔''

اور بغداد میں ایسا ہی ہوا۔

مامون کا خط پڑھ کر امین نے نظریں اٹھائی ہی تھیں کہ فضل بن ربیع نے کہا۔ ''اس خط کے مضمون سے مجھے بغاوت کی بو آ رہی ہے امیر المومنین! شہزادہ مامون خزانہ عامرہ سے اپنا حصہ اور سلطنتِ عباسیہ کی نصف فوج لے کر اتنی طاقت حاصل کر لیں گے کہ آپ سے مسند چھیننے کی کوشش کریں گے۔''

امین تلخی سے بولا۔ ''اس نے ہمیں معاہدہ یاد کرایا ہے۔ تم مکہ معظّمہ سے وہ عہد نامہ فوراً منگوالو۔ ہم اپنے ہاتھ سے اس کے پرزے اڑا دیں گے۔ خزانہ عامرہ سے اسے ایک درہم بھی نہیں دیا جائے گا۔''

خزانے میں اس وقت پچاس کروڑ درہم و دینار اور کئی کروڑ کے جواہرات موجود تھے جن کی وجہ سے امین خود کو بہت مضبوط سمجھ رہا تھا۔

''ہرثمہ بن اعین بھی لشکر کے ساتھ واپس آ جائے گا۔'' امین نے اپنی بات

Marfat.com

جاری رکھی۔" اس کے بعد جو تھوڑی بہت فوج خراسان میں موجود ہے، اسے تنخواہیں دینا بھی مامون کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ ہم سے مسند خلافت تو کیا چھینے گا، اپنی ولایت سنبھالنا بھی اس کے لیے ممکن نہیں رہے گا۔"

"لہٰذا۔" فضل بن ربیع نے کہا۔ "آپ شہزادے کو لکھیے کہ جب وہ اپنی ولایت سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتے تو اپنے اس حق سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ وہاں اپنی مرضی کا حاکم مقرر کریں گے تاکہ سلطنت مستحکم رہ سکے۔"

"بالکل درست مشورہ ہے تمھارا۔"

"شہزادہ مامون آپ کے ایک اور حکم سے بھی سرتابی کرنا چاہتے ہیں۔" فضل بن ربیع بھڑکی ہوئی آگ کو مزید تیز کرنے کے لیے کہا۔ "آپ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ جہاں ہیں، وہیں رکے رہیں مگر آج اطلاع ملی ہے کہ وہ مرو کے دارالامارہ سے بلخ منتقل ہونا چاہ رہے ہیں۔ وہاں وہ خراسان کے سابق والی علی بن ہامان کے محل میں قیام کریں گے۔"

امین نے مشتعل ہو کر کہا۔ "یہ سرکشی تو بغاوت کی طرف صریح اشارہ ہے۔"

"آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔" فضل بن ربیع نے عیارانہ نیازمندی سے کہا۔

"علی بن ہامان ابھی تک قید ہی میں ہوگا؟" امین نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

علی بن ہامان کو ہارون الرشید نے قید میں ڈلوایا تھا۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ اپنے بغداد ہی کے گھر میں قید تھا۔

امین نے حکم صادر کیا۔ "اسے فوراً رہا کر دیا جائے۔"

"آپ کے تمام احکام کی تعمیل جلد از جلد کی جائے گی۔" فضل بن ربیع نے کہا۔

علی بن ہامان کو اس کے خاندان سمیت اسی دن رہا کر دیا گیا۔ مکہ معظمہ سے فضل بن ربیع نے عہدنامہ بھی منگوالیا۔ امین نے اپنے ہاتھوں سے اس کے پرزے اڑا دیے۔

اسی دوران میں ہرثمہ بن اعین کا جواب بھی آچکا تھا۔ اسے پڑھ کر امین بہت مشتعل ہوا۔

"بہ خدا وہ ہمارے باغی سے مل گیا ہے۔" امین نے تلملا کر کہا۔

Marfat.com

اس وقت تک مامون کو یہ خط بھی لکھا جا چکا تھا کہ وہ اگر اپنی ولایت سنبھالنے کا اہل نہیں تو اپنے اس حق سے دست بردار ہو جائے۔

☆☆☆

مامون کو وہ خط مرو ہی میں ملا۔ وہ بلخ جانے کا ارادہ تو کر چکا تھا لیکن ابھی مرو ہی کے دارالامارہ میں مقیم تھا۔

''حجّت تمام ہوئی۔'' مامون نے ٹھنڈی سانس لے کر فضل بن سہل سے کہا۔ ''مجھے بے دست و پا کر کے اب میرے باغی ہونے کا اعلان بھی کر دیا جائے گا اور یہاں دوسرا مہینا گزر رہا ہے کہ لشکر کو تنخواہ نہیں دی جا سکی۔ سپاہ میں بددلی پھیل رہی ہے۔ انھی حالات کی وجہ سے خراسان کی مسیحی ریاستوں سے ملنے والی سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع کر دی گئی ہے۔ اس طرف سے ذرا بھی غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ اب مجھے صرف ایک ہی راستہ نظر آ رہا ہے۔ کچھ امید یہ کی جا سکتی ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والے اہلِ خراسان میری مدد کریں۔ یہاں کے طبقۂ اُمرا ہی سے کچھ سہارا مل سکتا ہے۔''

مامون نے حیرت سے دیکھا کہ فضل بن سہل کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''تم بالکل فکر مند نظر نہیں آ رہے ہو!'' مامون نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''سہارا تو مل گیا ہے شہزادے!'' فضل بن سہل نے کہا۔

وہ دونوں اس وقت دارالامارہ کی اس راہ داری میں تھے جو صدر دروازے کی جانب تھی۔

مامون نے حیرت سے کہا۔ ''کس کا سہارا مل گیا ہے؟''

''وہ دیکھیے!'' فضل نے اس شاہ راہ کی طرف اشارہ کیا جو صدر دروازے کے عین سامنے تھی۔ اس شاہ راہ کا استعمال صرف دارالامارہ ہی میں آنے جانے کے لیے کیا جاتا تھا۔

مامون نے اس شاہ راہ پر دو اونٹ آتے ہوئے دیکھے۔ ان میں سے ایک اونٹ پر محمل تھا اور دوسرے اونٹ پر ایک خاصا بڑا صندوق بار کیا گیا تھا۔ اونٹوں کے پیچھے پیچھے حبشی غلام بھی آ رہے تھے۔

''یہ کون ہے؟'' مامون حیرت سے محمل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''خراسان کی کوئی امیر خاتون ہیں۔ تھوڑی دیر قبل ان کا ایک مختصر خط آیا تھا۔

Marfat.com

میں وہی آپ کو دینے کے لیے حاضر ہوا تھا کہ آپ نے اپنی پریشانی کا ذکر شروع کر دیا۔“

فضل بن سہل نے خط نکال کر مامون کو دیا۔ اس میں لکھا تھا۔ ”امیر خراسان! بعد از سلام، واضح ہو کہ میں خراسان کی ایک معمولی عورت ہوں۔ کچھ دن سے یہاں آپ کی ایک پریشانی کا ذکر ہونے لگا ہے۔ بات میرے کانوں تک بھی پہنچی اور میں نے فیصلہ کیا کہ میں جس قابل بھی ہوں، مجھے آپ کے کام آنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ خط آپ کو بھیجتے ہی میں خود بھی اپنے گھر سے دارالامارہ کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔ مجھے اس موقع پر تاخیر بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ ایک، خیر خواہِ خراسان“

مامون نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ”یہ خیر خواہِ خراسان کون ہے فضل؟“

”یہ مجھے بھی نہیں معلوم شہزادے!“ فضل بن سہل نے جواب دیا۔ ”جو خادم یہ خط لے کر آیا تھا، اسے اس کی مالکہ نے تاکید کی تھی کہ اس کا نام ظاہر نہ کیا جائے۔“

مامون کی نظریں پھر اونٹوں کی طرف چلی گئیں جو اب خاصے قریب آ چکے تھے۔ محمل زرنگار اور خوب صورت تھا۔ دوسرے اونٹ پر لدے ہوئے صندوق کی رنگت سنہری تھی۔ شاید اس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہو۔ وہ دھوپ کی کرنوں سے جگمگا رہا تھا۔

”جاؤ فضل!“ مامون نے بے چینی سے کہا۔ ”اس نے تو اپنے آپ کو خیر خواہِ خراسان کہا ہے لیکن میں اسے اپنی محسن سمجھتا ہوں۔ اس کا استقبال کرو اور اسے عزت سے میرے پاس لاؤ۔“

فضل بن سہل نے تیزی سے قدم بڑھا دیے اور مامون نے دارالامارہ کے اندر جانے کے لیے ایک دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

وہ دارالامارہ کا سب سے وسیع اور پیراستہ و آراستہ کمرا تھا۔ وہیں مامون نے انتظار کیا اور اس عورت کو دیکھا جو فضل بن سہل کے ساتھ اندر آئی تھی۔ وہ کسی جدید ترین تراش خراش کے قیمتی لباس میں تھی۔ چہرہ آنکھوں تک کسی قدر دبیز نقاب میں پوشیدہ تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے چھ حبشی غلام ایک صندوق اٹھا کر لا رہے تھے۔ وہ وہی صندوق تھا جو مامون نے اونٹ پر لدا ہوا دیکھا تھا۔

ابتدائی تکریمی الفاظ کی ادائی کے بعد آنے والی نے کہا۔ ”میں خراسان کے نئے

Marfat.com

والی کو تہنیت پیش کرتی ہوں۔"

مامون نے پوچھا۔"میں تہنیت پیش کرنے والی ہستی کو کس نام سے مخاطب کروں؟"

وہ بہت دھیرے سے ہنسی۔"خیر خواہِ خراسان ہی کہیے مجھے!"

غلام بڑی احتیاط سے وہ صندوق کمرے کے وسط میں رکھ چکے تھے۔عورت نے انھیں صندوق کھولنے کا حکم دیا۔صندوق اتنا وزنی تھا کہ اسے کھولنے کے لیے بھی دو غلاموں کو طاقت صرف کرنا پڑی۔

صندوق ہیرے جواہرات اور درہم و دینار سے بھرا ہوا تھا۔اتنی دولت دیکھ کر فضل بن سہل کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے۔

"امیر خراسان!" وہ مامون سے مخاطب ہوئی۔"جو کچھ میرے پاس تھا، میں وہ سب سمیٹ لائی ہوں۔میرا اندازہ ہے کہ خراسان میں آپ کے پاس جتنی سپاہ ہے، اسے اب آپ سال بھر تک تنخواہیں دے سکتے ہیں۔"

"اجنبی خاتون!" مامون بولا۔"سلطنتِ عباسیہ کا یہ شہزادہ آج اتنی ہی بے بسی کا شکار ہے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ یہ سب کچھ لینے پر مجبور ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ وقت آنے پر تمھیں اس سے دگنا واپس کر دیا جائے گا۔"

"مجھے یقین ہے۔" وہ بولی۔"وہ وقت ضرور آئے گا جب آپ سلطنتِ عباسیہ کے تخت پر متمکن ہوں گے لیکن میں یہ سب کچھ اپنے اس یقین کی وجہ سے آپ کی نذر نہیں کر رہی ہوں۔میں خلوصِ دل سے چاہتی ہوں کہ آپ بس کسی طرح اس کڑے وقت سے گزر جائیں۔سارا خراسان آپ کی طرف نگراں ہے۔صرف آپ ہی خراسان کے نجات دہندہ بن سکتے ہیں ورنہ بغداد سے پھر کوئی علی بن ہامان جیسا سفاک اور لٹیرا شخص یہاں کا والی بنا کر بھیج دیا جائے گا۔"

"علی بن ہامان سے یہاں کے لوگ بہت عاجز تھے؟" مامون نے پوچھا۔

"نہ پوچھیے کہ ان کی کیا حالت تھی!" وہ بولی۔"وہ ایک ایسی زندگی گزار رہے تھے جیسے بے سائبان ہو گئے ہوں۔ان کی عزت محفوظ تھی، نہ دولت! سب کچھ علی بن ہامان کے رحم و کرم پر ہوتا تھا۔یہاں ہر شخص کے دل و دماغ جلتے رہتے تھے ورنہ وہ کبھی

Marfat.com

رافع بن لیث کو اپنا سردار تسلیم نہیں کرتے۔''

''خیر!'' مامون نے کہا۔''فی الحال تو میں اپنی محسنہ کا شکر گزار ہونا چاہتا ہوں۔''

''مجھے شرمندہ نہ کیجیے امیر خراسان!'' وہ بولی۔''میں نے تو خراسان ہی کی خاطر آپ کو گویا کمک پہنچائی ہے۔''

''تم یقیناً ایک ذہین اور باظرف خاتون ہو۔'' مامون نے کہا۔''تم خراسان کا نام لے کر الفاظ کے پیچ وخم میں یہ حقیقت دبانا چاہتی ہو کہ تم نے ہم پر احسان کیا ہے لیکن اس بحث میں پڑنے کا یہ کوئی مناسب وقت نہیں۔ میں اب تم سے صرف اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ میں جب بھی مقتدر و مختار ہوا، خراسان کے لیے تم جو کچھ چاہو گی، وہ ضرور کروں گا اور اگر تم اپنے لیے کچھ چاہو گی تو بھی مجھے بہت خوشی ہوگی۔''

''اپنا یہ وعدہ یاد رکھیے گا امیر!'' عورت نے برجستہ کہا۔

مامون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔''اس تاکید کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمھارے دل میں کوئی بات ہے!''

''بے شک ہے۔'' عورت نے کہا۔''لیکن جب تک وہ مناسب وقت نہیں آجاتا، وہ بات میں اپنی زبان پر نہیں لاؤں گی۔''

مامون غور سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

''ایک بات میں اور کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ پھر بولی۔''بلخ کے لوگ بھی آپ کو کچھ نذر کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا تم بلخ سے آئی ہو؟''

''جی ہاں۔''

''اتنی دولت لے کر؟'' مامون نے صندوق پر ایک نظر ڈال کر حیرت سے کہا۔ ''راہ میں تم لٹ بھی سکتی تھیں۔''

''میں نے ایک معتمد شخص کے ذریعے کچھ پیشہ ور سپاہیوں کو نہایت معقول معاوضے پر ساتھ رکھا تھا۔ ان سے یہ بات طے ہوئی تھی کہ وہ مجھے مرو کی شہری حدود میں پہنچانے کے بعد واپس چلے جائیں گے۔''

Marfat.com

''تو اب تم واپس بلخ جاؤ گی؟''

''جی ہاں۔''

''اور بلخ کے لوگ بھی مجھے کچھ نذر کرنا چاہتے ہیں؟''

''جی ہاں، اور جو کچھ وہ آپ کو نذر کرنا چاہتے ہیں، وہ انھیں علی بن ہامان کے محل کے پائیں باغ سے ملا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' مامون چونکا۔

''آپ کے علم میں ضرور ہوگا کہ جب علی بن ہامان کا بیٹا عیسیٰ اپنے باپ کے حکم سے رافع بن لیث کی بغاوت کچلنے گیا تھا اور جنگ میں شکست کھا کر ہلاک ہوا تھا تو علی بن ہامان نے کمک کے لیے بغداد سے رابطہ کیا تھا اور اس بات کا اظہار بھی کیا تھا کہ وہ بالکل قلاش ہو چکا ہے۔''

مامون نے فضل بن سہل کی طرف دیکھا۔ ''تمھیں یاد ہے ابنِ سہل؟''

''جی ہاں۔'' فضل بن سہل نے جواب دیا۔ ''لیکن آں جہانی خلیفہ ہارون الرشید نے یہ بات تسلیم نہیں کی تھی کہ وہ قلاش ہو گیا ہوگا۔ یہ تحقیق کر لی گئی تھی کہ اس نے خراسان کے لوگوں کو بہت لوٹا تھا اور بہت کچھ جمع کر لیا تھا۔''

اسی وقت ''خیر خواہِ خراسان۔'' بول پڑی۔ ''بے شک اس نے بہت کچھ لوٹا اور جمع کیا تھا لیکن بغداد سے اس نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔ اس وقت وہ واقعی قلاش ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو کچھ جمع جتھا تھا اس کا ایک بڑا حصّہ اس کے بیٹے عیسیٰ نے دو صندوقوں میں بند کر کے پائیں باغ میں ایک جگہ دفن کر دیا تھا۔ یہ میں نہیں جانتی کہ اس بارے میں اس نے اپنے باپ کو کیوں نہیں بتایا تھا۔ شاید رافع بن لیث کے مقابلے پر جانے کی عجلت میں وہ بھول گیا ہو یا ممکن ہے اس کی کوئی اور وجہ ہو۔ جنگ میں عیسیٰ کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے علی بن ہامان اپنے اس خزانے سے محروم ہو گیا تھا۔ بعد میں اسے برطرف کر کے بغداد لے جا کر قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس کے محل کی ایک کنیز عیسیٰ کو بہت محبوب تھی اور اسے اس صندوق کے بارے میں معلوم تھا۔ کچھ دن پہلے تک اس نے یہ راز اپنے سینے میں چھپائے رکھا تھا۔ شاید وہ چاہتی تھی کہ خود ہی وہ

Marfat.com

صندوق نکال کر کہیں لے جائے لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ تنِ تنہا ایسا نہیں کر سکے گی تو اس نے تعاون حاصل کرنے کے لیے کسی کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ جس شخص کو اس نے اپنے اعتماد میں لینا چاہا تھا، وہ اس کے اعتماد پر پورا نہ اترا۔ اس نے یہ راز افشا کر دیا۔ کچھ دن پہلے بلخ کے کچھ سر برآوردہ لوگوں نے محل کے پائیں باغ میں جا کر زمین اس جگہ سے کھدوائی جس کی نشان دہی کنیز نے کی تھی۔ وہاں سے انھوں نے وہ صندوق نکال لیا۔ مجھے اس کا علم ہو گیا تھا لہٰذا میں نے ان لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ صندوق آپ کی نذر کر دیا جائے کیونکہ اس وقت آپ کو اس کی سخت ضرورت ہے۔''

مامون نے سر ہلایا۔ پھر کہا۔ ''مجھے تم سے شروع ہی میں پوچھنا چاہیے تھا کہ تمھیں میری سخت ضرورت کا علم کیسے ہوا!''

''شاید آپ میرے خط کی عبارت بھول گئے امیر!'' وہ بولی۔ ''خراسان کے بہت سے لوگوں کو علم ہو چکا ہے کہ تخت نشینِ بغداد نے اس عہد نامے کی دھجیاں بکھیر نے کا فیصلہ کر لیا ہے جو برسوں پہلے خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کیا گیا تھا اور اس بے عہدی کی وجہ سے آپ اتنے پریشان ہو گئے ہیں کہ لشکریوں کی تنخواہیں بھی نہیں دے سکتے۔''

''خوب!'' مامون مسکرایا۔ ''گویا عیسیٰ بن علی بن ہامان کی وہ بدنیتی اب ہمارے کام آئے گی۔'' اس نے فضل بن سہل کی طرف دیکھا۔ ''کیوں ابنِ سہل! کیا اسے تائیدِ ایزدی نہیں کہا جانا چاہیے؟''

''بے شک امیر!'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''بے شک یہ تائیدِ ایزدی ہے، اور جو گم راہ نہیں ہوتے، انھیں تائیدِ ایزدی حاصل ہونا بھی چاہیے۔''

مامون نے اپنی محسنہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''بلخ جانے کا ارادہ تو میں نے کر لیا تھا۔ اب اس میں عجلت بھی کروں گا۔ روانگی کی تیاری فوراً کی جائے گی، تاہم آج کا دن اور آج کی رات تو گزر ہی جائے گی۔ میں کل اپنے لشکر کے ساتھ بلخ کی طرف گام زن ہو سکوں گا۔ تمھیں بھی وہیں واپس جانا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو آج دارالامارہ میں تمھاری شب بسری کا بندوبست کر دیا جائے؟''

''نہیں امیر!'' اس نے جواب میں کہا۔ ''اگرچہ آپ کی یہ مخلصانہ پیشکش میرے

Marfat.com

لیے ایک اعزاز ہے لیکن مجھے آج ہی واپس جانا ہوگا۔‘‘

مامون نے اصرار کرنا اس لیے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ ایک عورت تھی۔

☆☆☆

بغداد میں امین کو اطلاع ملی کہ بلخ کی کسی امیر عورت نے اپنا سارا مال ومتاع مامون کی نذر کر دیا تھا جس سے مامون کی پریشانی خاصی حد تک کم ہو گئی تھی۔

پھر دوسری اطلاع ملی جس نے امین کو چراغ پا کر دیا۔

’’یہ حرکت کی تھی علی بن ہامان کے بیٹے نے؟‘‘ امین نے فضل بن ربیع کو گھورتے ہوئے تپیدہ لہجے میں کہا۔ ’’اور ہم نے اسے اس کے خاندان سمیت رہا کر دیا ہے!‘‘

’’علی بن ہامان کو اپنے بیٹے کی اس حرکت کا علم نہیں تھا امیر المومنین!‘‘ فضل بن ربیع نے کہا۔ ’’میں اس سے بات کر چکا ہوں۔ وہ خود حیران رہ گیا تھا۔ اسے اپنے اس خزانے کا علم شاید اس لیے بھی نہیں ہو سکا کہ رافع بن لیث سے جنگ میں اس کا بیٹا ہلاک ہو گیا تھا۔ ابن ہامان کو جھوٹا اس لیے بھی نہیں کہا جا سکتا امیر المومنین کہ اگر اس کی نیت خراب ہوتی تو وہ آزاد ہوتے ہی بلخ جا کر کسی طرح اپنا خزانہ حاصل کرنا چاہتا لیکن وہ بڑے سکون سے اپنے خاندان کے ساتھ بغداد ہی میں مقیم ہے۔ میں اچھی طرح اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔ وہ قطعی طور پر آپ کا وفادار ہے۔ اس کا پوتا علی بن عیسیٰ ایک تجربہ کار سپاہی ہے۔ اس نے لشکرِ خلافت کے لیے اپنی خدمات پیش کر دی ہیں۔‘‘

امین غصے میں ٹہلتا رہا، پھر ایک ساغر اپنے حلق میں انڈیل کر بولا۔ ’’اب ہمیں اپنے عمال کو یہ فرمان جاری کرنا ہوں گا کہ وہ خطبے میں ہمارے نام کے بعد مامون کے بجائے ہمارے بیٹے موسیٰ کا نام پڑھوائیں۔ ہم اپنا ولی عہد موسیٰ کو نامزد کریں گے۔‘‘

موسیٰ کی عمر صرف پانچ سال تھی لیکن فضل بن ربیع نے اپنے آقا سے ذرا بھی اختلاف نہیں کیا اور ادب سے بولا۔ ’’کیا شہزادہ قاسم المؤتمن کی ولی عہدی آپ منسوخ کرنا چاہتے ہیں؟‘‘

’’اس کی ضرورت نہیں۔‘‘ امین نے کہا۔ ’’اسے ولی عہد دوم نامزد کر دیا جائے گا۔‘‘

’’بہتر ہے۔‘‘

Marfat.com

''اور اس سے پہلے کہ مامون مفت ہاتھ آئی ہوئی دولت سے اپنی طاقت بڑھائے، اس کی بغاوت کچل دینا بے حد ضروری ہے۔''

فضل بن ربیع نے امین کو یہ ''یاد'' دلانا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ مامون نے ابھی تک بغاوت کا اعلان نہیں کیا تھا۔

امین نے حکم دیا۔ ''اس کی سرکوبی کے لیے جلد از جلد ایک لشکر خراسان روانہ کر دو۔''

فضل بن ربیع خود چاہتا تھا کہ مامون کی طاقت بڑھنے سے پہلے ہی اسے ختم کرنے کا کوئی راستہ نکال لیا جائے۔ اسے ڈر تھا کہ اس کی خیریت نہیں رہے گی، اگر مامون اقتدار میں آ گیا۔

لشکر کشی کی تیاریاں فوراً شروع کر دی گئیں۔ ان تیاریوں کے دوران میں ایک دن امین نے نشے کی حالت میں حکم صادر کر دیا کہ اس لشکر کا سپہ سالار علی بن عیسیٰ کو مقرر کیا جائے۔

فضل بن ربیع کو تشویش ہوئی۔ علی بن عیسیٰ کو وہ تجربہ کار سپاہی تو سمجھتا تھا لیکن اس بڑے معرکے، کے لیے وہ کسی زیادہ تجربہ کار شخص کو سپہ سالار بنانا چاہتا تھا۔ وہ کسی ایسے مناسب موقع کی تلاش میں رہا کہ امین کو اس بارے میں کچھ مشورہ دے سکے لیکن ''مناسب موقع'' اسے یوں نہیں مل سکا کہ علی بن عیسیٰ کی سپہ سالاری کا حکم دینے کے بعد امین مسلسل شراب و شباب میں ڈوبا رہا۔ اسے امورِ سلطنت سے کوئی دل چسپی تھی ہی نہیں۔ آسائش پسندی نے اس کے مزاج میں سطحیت پیدا کر دی تھی۔ کوئی بھی حکم صادر کرنے سے پہلے وہ کبھی غور و خوض نہیں کرتا تھا اور سیاسی سازباز کی پے چیدگیوں سے بھی قطعی نابلد تھا۔

علی بن عیسیٰ کو سپہ سالار بنانے کا حکم دینے کے ساتھ ہی اس نے لشکر کی روانگی کی تاریخ بھی طے کر دی تھی اور اس تاریخ کے آنے تک فضل بن ربیع کو ایسا کوئی موقع نہیں ملا جب امین نشے میں نہ ہو۔

امین کو اپنا حکم واپس لینے کی عادت نہیں تھی، پھر اگر وہ نشے میں بھی ہوتو اس قسم کے کسی مشورے پر اس کا بپھر جانا یقینی امر تھا۔ فضل بن ربیع میں یہ ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے طور پر لشکر کی روانگی دو چار روز مؤخر کر دیتا۔ اگرچہ سلطنت کے تمام معاملات

Marfat.com

میں حکم اسی کا چلنے لگا تھا لیکن امین کے حکم کی منسوخی اس کے دائرہ اختیار سے باہر تھی۔

لشکر کی روانگی سے کچھ دیر پہلے علی بن عیسیٰ کو بتایا گیا تھا کہ خاتون زبیدہ نے اسے طلب کیا ہے۔ وہ اس وقت عسکری لباس میں تھا جب خاتون زبیدہ سے ملنے پہنچا۔

''بیٹھ جاؤ!'' خاتون زبیدہ نے پردے کے پیچھے سے حکم دیا۔

گزرے ہوئے سالوں میں، اور خصوصاً ہارون الرشید کی موت کے بعد اس کے مزاج میں خاصا ٹھہراؤ آ گیا تھا، سوچنے کے انداز میں تبدیلی آ گئی تھی۔ اس نے علی بن عیسیٰ کے بیٹھنے کے بعد کہا۔ ''اپنے سامنے چاندی کی ایک زنجیر رکھی ہوئی دیکھ رہے ہو؟''

''جی۔'' علی بن عیسیٰ حیران تھا کہ وہ زنجیر اس کے سامنے کیوں رکھی ہوئی ہے۔

خاتون زبیدہ بولی۔ ''امین میرا لختِ جگر ہے جسے مسندِ خلافت پر دیکھنا میرا سب سے بڑا خواب تھا جو پورا ہو چکا ہے لیکن مامون کا بھی مجھ پر کچھ حق ہے۔ آج اس کی ماں زندہ نہیں لیکن بیٹا وہ بھی خلیفہ ہارون الرشید کا ہے۔ عباسی شہزادہ وہ بھی ہے۔ اس سے جنگ کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ اس کی تذلیل بھی ضروری ہے۔ اس سے بہ صد احترام پیش آنا۔ اسے ہتھکڑی کے بجائے چاندی کی یہ زنجیر پہنانا۔ اگر کوئی سخت لفظ کہہ دے تو اسے برداشت کرنا۔ راہ میں اس کی رکاب پکڑ کر چلنا۔ خبردار جو اسے کسی قسم کی تکلیف دی! علی بن عیسیٰ! تُو خوب جانتا ہوگا کہ اس کا مرتبہ کیا ہے اور تو ہرگز اس کا ہم سَر نہیں ہو سکتا۔ بس! اب جا! مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔''

خاتون زبیدہ کی یہ باتیں کسی طرح فضل بن ربیع کے کانوں تک بھی پہنچ گئیں۔

اس نے باہر آتے ہوئے علی بن عیسیٰ کو پکڑ لیا اور اپنے ساتھ امین کے پاس لے گیا جو اس وقت بھی شراب پی رہا تھا اور خوب صورت کنیزیں اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک مسخرہ اسے فحش لطائف سنا رہا تھا۔

فضل بن ربیع کو ڈر تھا کہ ''رنگ میں بھنگ'' پڑنے پر امین بھر جائے گا لہٰذا اس نے کسی تمہید کے بغیر جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ ''امیر المومنین! علی بن عیسیٰ آپ کے سامنے ہے۔ اسے آپ کی اُمِ محترم نے کچھ احکام دیے ہیں۔''

فضل بن ربیع نے جلدی جلدی وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو خاتون زبیدہ نے

Marfat.com

عیسیٰ بن علی سے کہا تھا۔

امین کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''کیا ہو گیا ہے انھیں! ابھی وہ پچاس سال کی بھی نہیں ہوئیں مگر ان کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ ایک باغی کو عزت بخشنا چاہتی ہیں! جاؤ علی بن عیسیٰ!'' امین نے ہاتھ ہلا کر حکم دیا۔ ''ہم اس باغی کا صرف کٹا ہوا سر اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

فضل بن ربیع نے سکون کی سانس لی۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ میدانِ جنگ میں مامون کو کسی بھی قسم کی رعایت نہ دی جائے۔ یہ خواب خود اس کا بھی تھا کہ وہ مامون کا کٹا ہو سر دیکھے۔

محلوں میں راز داری کے بغیر کی جانے والی باتیں بڑی تیزی سے ہر طرف پھیل جاتی تھیں۔ جس طرح فضل بن ربیع کو خاتون زبیدہ کی کہی ہوئی باتوں کا علم ہو گیا تھا، اسی طرح خاتون زبیدہ کو امین کی کہی ہوئی باتیں بھی معلوم ہو گئیں اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس کا جی تو چاہا تھا کہ جا کر اپنے بیٹے سے کچھ درشت کلمات کہہ ڈالے مگر وہ اس خیال سے ضبط کر گئی کہ امین نشے میں اسے کوئی سخت جواب دے دیتا تو کنیزوں کے سامنے اس کی بے عزتی ہو جاتی۔

دوپہر سے پہلے پہلے علی بن عیسیٰ کا لشکر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ اطلاع خراسان پہنچ چکی تھی کہ مامون کی ولی عہدی منسوخ کر کے اس کی جگہ پانچ سال کے موسیٰ کو دے دی گئی تھی۔

مامون پورے انہماک سے اپنی ولایت کے تمام معاملات اپنی مرضی کے مطابق درست کرنے میں مصروف تھا۔ عسکری وزارت اور نظم ونسق کا دیوان اس نے فضل بن سہل کو دے دیا تھا۔ اسی لیے اسے ''ذوالرّیاستین'' کے لقب سے بھی نوازا تھا، یعنی وہ اعلیٰ ترین عہدوں کا مالک!

بغداد سے فضل بن سہل کا بھائی حسن بن سہل بھی آ گیا تھا۔ اپنے بھائی کی طرح اسے بھی عسکری تجربات تھے لیکن اسے مامون نے دیوان الخراج کا وزیر مقرر کیا تھا۔ سپہ سالارِ اعلیٰ ہرثمہ بن اعین کے مشورے سے سپاہ کے جو دیگر سالار مقرر کیے گئے تھے، ان

Marfat.com

میں سے طاہر بن الحسین کو ہرثمہ بن اعین کا نائب بھی مقرر کیا گیا تھا۔ اسی طرح کچھ اور محکمے بھی اعتماد کے آدمیوں کو دیے گئے تھے۔ شہروں کے عمال اور قاضیوں کا تقرر بھی ہوا تھا۔ اسی دوران میں سپاہ کی بھرتی بھی جاری رہی تھی۔ مامون کا ارادہ تھا کہ ان تمام معاملات سے فارغ ہونے کے بعد سرحدی ریاستوں کی جارحیت کے لیے خود لشکر لے کر جائے گا۔ اس کے غیاب میں فضل بن سہل اور ہرثمہ بن اعین خراسان کی حفاظت کے ذمے دار ہوتے۔

موسیٰ کی ولی عہدی کی خبر ملنے پر فضل بن سہل نے مامون سے کہا۔ ''اس کا مطلب یہ ہوا کہ خراسان اب آپ کی ولایت نہیں، ریاست ہے جس کا سلطنتِ عباسیہ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔''

''ایسا نہیں ہے ذوالریاستین!'' مامون اب اسے اس کے لقب ہی سے مخاطب کرنے لگا تھا۔ ''میرے جیتے جی سلطنتِ عباسیہ کے ٹکڑے نہیں ہوں گے۔ اسے یوں سمجھو کہ سلطنتِ عباسیہ اب خراسان میں رہ گئی ہے۔ بغداد کا والی بغاوت کر چکا ہے۔''

''تو اب اس بغاوت کو کچلنا بھی پڑے گا!''

''بہتر ہوگا کہ خراسان پر وہی حملہ کرے۔ معاہدے کی ہر شق وہی توڑتا رہے۔ ہر معاملے میں پہل اسی کی طرف سے ہو۔ مجھے سب سے پہلے خراسان کی سرحدیں محفوظ کرنا ہیں۔ میں نے تمھیں لشکر تیار رکھنے کی ہدایت کی تھی۔''

''آپ لشکر کے ساتھ کل بھی روانہ ہو سکتے ہیں۔''

''تم اچانک کچھ فکر مند نظر آنے لگے ہو!''

''مجھے خدشہ ہے امیر!'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''بغداد کا غیظ و غضب کسی وقت بھی خراسان کی سرحدوں پر ٹوٹ سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ یہیں موجود رہیں۔ سرحدی ریاستوں کی جارحیت کا سدِباب کرنے کے لیے ہرثمہ کو روانہ کر دیں۔''

''نہیں ذوالریاستین!'' مامون نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے تمھاری اور ابنِ اعین کی صلاحیتوں پر مکمل اعتماد ہے۔ میں امین کو یہ تاثر بھی دینا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی طرف سے کوئی پریشانی لاحق نہیں۔ ان حالات میں تمھیں بہت پُر اعتماد رہنا چاہیے۔''

''مجھے خود پر مکمل بھروسا ہے امیر!'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''اب آپ کی بات

Marfat.com

بھی میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ دشمن کو یہ تاثر دینا ایک اچھا نفسیاتی حربہ ہے کہ اسے کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی ہے اور آپ اپنی سرحدوں کو مستحکم کرنا زیادہ اہم سمجھ رہے ہیں۔''

مامون مسکرایا، پھر اس نے پوچھا۔ ''میں کچھ دن اتنا زیادہ مصروف رہا ہوں کہ حسن بن سہل سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ دیوان الخراج کے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟''

''حسن بہت خوش اور مطمئن ہے۔ خراسان کے لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ خزانے میں بطور عطیہ جمع کراتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر یہ صورتِ حال چھ ماہ تک بھی اسی طرح چلتی رہی تو ہمیں آئندہ تین برس تک کوئی مالی پریشانی لاحق نہیں ہو گی۔''

''تین برس تو بہت کافی ہیں ذوالریاستین! اس سے پہلے ہی خراسان کے خزانے میں استحکام آ چکا ہو گا۔''

مامون کو خیال تھا کہ سرحد پر شرارت کرنے والی ریاستوں کی بیخ کنی کی جائے گی تو وہاں سے بھی بہت کچھ حاصل ہو جائے گا۔

وہ دوسرے دن لشکر لے کر خراسان کی ان سرحدوں کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے پڑوسی ریاستوں کی جارحیت کی خبریں آ رہی تھیں۔

اس کی روانگی کے تین دن بعد ہی خراسان میں اطلاع پہنچی کہ بغداد سے چالیس ہزار کا ایک لشکر خراسان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے اور اس کا سپہ سالار ابنِ ہامان کا پوتا علی بن عیسیٰ ہے۔

فضل بن سہل اور ہرثمہ بن اعین نے مشاورت کی۔

''یہ میرے لیے بڑی حیرت کی بات ہے۔'' ہرثمہ بن اعین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں علی بن عیسیٰ کی صلاحیتوں سے خوب واقف ہوں۔ یقیناً وہ ایک اچھا سپاہی ہے لیکن اسے بس کسی ایسی مہم میں سالار بنایا جا سکتا ہے جس کے لیے پانچ چھ ہزار کا لشکر کافی ہو۔ چالیس ہزار کے لشکر کو حکمت و دانائی سے لڑانا اس کے بس کی بات نہیں۔''

''تو آپ اس کے مقابلے پر کتنی سپاہ لے جانا چاہیں گے؟''

''میں اس بچے کے مقابلے پر جا کر کیا کروں گا ذوالریاستین!'' ہرثمہ بن اعین نے کہا۔ ''میں طاہر کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ زیادہ سپاہ بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

وہ بیس ہزار کے لشکر کو بھی اس طرح لڑا سکتا ہے کہ علی بن عیسیٰ کے پسینے چھوٹ جائیں گے۔''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں، کریں۔'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ مقابلہ خراسان سے باہر نکل کر کیا جائے۔ بغداد کا کوئی سپاہی خراسان میں قدم نہ رکھ سکے۔''

ہرثمہ بن اعین نے کہا۔ ''میں ابھی جا کر تیاری شروع کرواتا ہوں۔''

فضل بن سہل مامون کو اس صورتِ حال سے باخبر رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً ایک قاصد روانہ کر دیا۔

ہرثمہ بن اعین نے عسکری معاملات کو اتنا منظم کر دیا تھا کہ بیس ہزار کا لشکر ایک ہی دن میں تیار ہو گیا اور دوسری صبح خراسان سے روانہ ہوا۔ اس کا سپہ سالار طاہر بن الحسین تھا۔

خراسان کے لوگ بھی بغداد کے حملے سے واقف ہو چکے تھے۔ انھوں نے طاہر کے لشکر پر پھول برسائے اور اسے اپنی دعاؤں کے ساتھ خراسان سے روانہ کیا۔

مامون کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی کہ جنگ خراسان کی سرحد سے باہر ہو۔ بغداد سے آنے والے لشکر کی تیز رفتاری کا مخبروں نے غلط اندازہ لگایا تھا۔ جب خراسانی لشکر ''رے'' پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ علی بن عیسیٰ کا لشکر ہمدان سے گزر کر ''رے'' کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی طاہر وہیں رک گیا اور علاقائی جغرافیے کو پیشِ نظر رکھ کر جنگ کی منصوبہ بندی اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

خلافت بغداد کے مخبروں نے ان تیاریوں کی اطلاعات علی بن عیسیٰ کو پہنچا دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ طاہر کے ساتھ بیس ہزار سپاہ تھی۔

علی بن عیسیٰ اپنی عددی اکثریت کی بنا پر اتنا مغرور ہوا کہ اس نے ان تیاریوں کی مطلق پروا نہیں کی اور تیزی سے آگے بڑھتا ہوا ''رے'' تک پہنچ گیا۔

صلاح کاروں نے طاہر کو مشورہ دیا کہ فوج کی کمی کے باعث باہر نکل کر جنگ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے لیکن طاہر نے یہ مشورہ رد کر دیا۔ اس کی سوچ کا انداز یہ تھا کہ دشمن اگر شہر پناہ تک پہنچ گیا تو یہ ظاہری غلبہ اسے نفسیاتی برتری میں مبتلا کر دے گا اور اس کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

Marfat.com

ابتدا میں طاہر مقابلے کے لیے صرف چار ہزار فوج لے کر باہر نکلا۔ علی بن عیسیٰ اپنے لشکر کے ساتھ قریب پہنچ چکا تھا۔ دونوں حریفوں نے صف بندی کی۔ پھر علی بن عیسیٰ اس ترتیب سے آگے بڑھا کہ زرہ پوشوں کے رسالے کو مقدمتہ الجیش میں رکھا۔ اس کے پیچھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دس علم بردار تھے اور ہر علم کے ساتھ سو سو سواروں کا دستہ تھا۔ عیسیٰ بن علی قلب لشکر میں تھا۔

اتنے بڑے لشکر کے سامنے صرف چار ہزار سپاہ تھی لیکن طاہر کی ایک ہی تقریر نے ہر سپاہی میں اتنا جوش اور اتنا جذبہ بھر دیا تھا کہ کسی کو بھی مدِ مقابل فوج کی اکثریت سے ذرا بھی ڈر نہیں محسوس ہوا۔

ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا علی بن عیسیٰ کے لشکر کی ایک صف سے آگے آیا۔

''خراسانیوں میں کوئی ایسا جیالا ہے جو میرے مقابل آسکے؟'' وہ للکارا۔

علی بن عیسیٰ کے لشکر کے اس جنگ جُو کا نام حاتم تھا۔ وہ طاہر کا ہم مرتبہ ہرگز نہیں تھا لیکن طاہر نے اس کی پروا نہیں کی اور خود گھوڑا دوڑا کر اس کے مقابل پہنچ گیا۔ اس کی یہ پہل اس کی سپاہ کے جوش و ولولے میں اضافے کا سبب بنی اور انھوں نے فلک شگاف نعرے لگائے۔

''مقابلہ'' ایک معمولی سی ''چھیڑ چھاڑ'' ثابت ہوا۔ طاہر نے دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب سے فیصلہ ہو گیا۔ حاتم کا جسم دائیں شانے سے کمر تک چر گیا اور وہ اپنے گھوڑے سے گر کر زمین پر تڑپنے لگا۔

علی بن عیسیٰ نے فوراً عام حملے کا حکم دے دیا۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوتے ہی خراسانی فوج کے دس ہزار سوار باہر آگئے۔ باقی چھ ہزار سپاہیوں کو تین حصوں میں منقسم کر کے پہلے ہی سے باہر بھیجا جا چکا تھا اور وہ خود کو مختلف مقامات پر پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے جب اچانک دائیں بائیں اور عقب سے علی بن عیسیٰ کے لشکر پر حملہ کیا تو اس کی ساری صف بندی منتشر ہو گئی اور اس کے سپاہیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگنے لگے۔ علی بن عیسیٰ میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ اس موقع پر اپنی سپاہ کو سنبھال سکتا۔ اس کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ علی بن عیسیٰ نے بھی بھاگ نکلنا چاہا لیکن طاہر نے اسے موقع نہیں دیا

Marfat.com

اور اپنا گھوڑا دوڑا کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ کسی جانب سے ایک تیر آ کر علی بن عیسیٰ کے جسم میں پیوست ہوا تو وہ گھوڑے سے گر گیا۔ طاہر نے بھی اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور زمین سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے علی بن عیسیٰ کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا۔

یہ امین کی حماقت تھی کہ ''دو بھائیوں کی جنگ'' عرب و عجم کی جنگ قرار دے دی گئی اور اس جنگ کا فاتح طاہر بن الحسین خراسانی تھا جس کے دادا مصعب نے بنو عباس کے علم کے نیچے لڑتے ہوئے اموی سلطنت کا تختہ الٹا تھا۔

اس موقع پر طاہر نے جو خط مامون کو لکھا اس میں چند جملے یہ تھے کہ عیسیٰ بن علی کا سر میرے سامنے پڑا ہے، اس کی انگشتری میری انگلی میں ہے اور اس کی سپاہ ریاستِ خراسان کی قیدی بن چکی ہے۔

طاہر نے اب پیش قدمی جاری رکھنے کی بھی اجازت چاہی۔

بغداد میں امین کو اس شکست کی خبر اس وقت ملی جب وہ ایک پُرشکوہ کشتی میں بیٹھ کر اپنے معتمد غلام کوثر کے ساتھ مچھلی کا شکار کھیل رہا تھا۔ خوب صورت کنیزیں بھی اس کے ساتھ تھیں جو اسے اپنے ہاتھوں سے جام پر جام پلا رہی تھیں۔

خبر دینے والا خواجہ سرا مسرور تھا جو ایک چھوٹی سی کشتی پر بیٹھ کر تیز رفتاری سے اس کی کشتی تک پہنچا تھا۔

''چپ رہ احمق!'' امین نے جھنجلا کر کہا۔ ''کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور میں ابھی تک ایک مچھلی سے بھی محروم ہوں۔''

''محروم تو اب تُو ہوتا ہی چلا جائے گا امین!''

اس آواز نے امین کو چونکایا۔ اس کے دائیں جانب لہروں پر خاتون زبیدہ کی وہ مخصوص کشتی موجود تھی جس پر بیٹھ کر وہ دجلہ کی سیر کیا کرتی تھی۔

''کیا مصیبت ہے!'' امین جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔

''مصیبت تو ابھی آئے گی امین!'' خاتون زبیدہ نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا۔ ''ابھی تو اس کا صرف ہرکارہ آیا ہے۔ میں نے ایک بُرا خواب دیکھا تھا کہ مسندِ خلافت تیرے حصے میں آئے۔ تیرے والد ٹھیک کہتے تھے کہ تو اس کا اہل نہیں۔ اب محرومیاں

Marfat.com

ہی تیرا مقدر بنتی چلی جائیں گی۔ میں مستقبل میں جھانک کر دیکھ رہی ہوں کہ مسندِ خلافت پر مامون بیٹھا ہے۔''

امین گرجا۔ ''ہم اسے چیونٹی کی طرح مسل دیں گے۔''

خاتون زبیدہ نے کہا۔ ''یہ وہ خوش فہمی ہے جو ہاتھیوں کو بھی ہوتی ہوگی۔''

امین کے اشارے پر اب کشتی کو کنارے کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ اس میں جو کنیزیں تھیں، وہ کشتی میں اِدھر اُدھر سمٹنے اور چھپنے کی کوشش کرنے لگی تھیں کیونکہ وہ امین کے حکم سے نیم عریاں تھیں۔

کشتی سے اتر کر امین گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے محل کی طرف سرپٹ دوڑانے لگا۔ محافظ دستہ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

محل میں فضل بن ربیع امین کی ڈانٹ پھٹکار کا نشانہ بنا۔ فضل بن ربیع نے ہمت کر کے کہا۔ ''سپہ سالار کا انتخاب مناسب نہیں تھا امیر المومنین!''

امین گرجا۔ ''تم ہی نے بتایا تھا کہ وہ ایک تجربہ کار سپاہی ہے۔''

''لیکن میں اسے اتنا تجربہ کار نہیں سمجھتا تھا کہ اسے چالیس ہزار کے لشکر کی سالاری سونپی جا سکے۔''

''ہمیں یہ نہیں بتایا تھا تم نے!'' امین پھر گرجا۔

فضل بن ربیع نے خاموش رہنا مناسب سمجھا ورنہ اس کے جوابات امین کو مزید غیظ و غضب میں مبتلا کر دیتے۔

''فوراً دوسرا لشکر روانہ کرو۔'' امین نے حکم دیا۔ ''اور اس کا سالار عبدالرحمٰن کو بناؤ۔''

فضل بن ربیع نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔

دوسری طرف طاہر کو پیش قدمی جاری رکھنے کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ مزید دس ہزار سپاہی بھی بھیج دیے گئے تھے۔ اس فوج سے متصادم ہو کر عبدالرحمٰن کا بھی وہی حشر ہوا جو علی بن عیسیٰ کا ہو چکا تھا۔ طاہر نے اس کے بعد بھی پیش قدمی جاری رکھی۔ اس نے اہواز، یمامتہ، بحرین اور عمان تک مطلع صاف کر دیا۔ الجبال کے پورے صوبے پر خراسانی فوجیں چھا گئیں۔ اس کی ان فتوحات کی خبریں سن سن کر فضل بن سہل کے حکم

Marfat.com

سے ہرثمہ بن اعین نے اس کی کمک مسلسل جاری رکھی۔

عبدالرحمٰن کی شکست کے بعد امین نے شامی عربوں سے بھرتی کیے ہوئے لشکر اس جنگ میں جھونکنا شروع کیے لیکن اس سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔ طاہر کی مسلسل فتوحات سے اس کی اتنی دھاک جم گئی تھی کہ جو فوج اس کے سامنے جاتی، مقابلہ شروع کرنے سے پہلے ہی سراسیمہ نظر آتی۔

مامون اس دوران میں سرحدی تنازعات ختم کرتا رہا تھا۔ فتوحات اسے بھی حاصل ہوتی رہی تھیں۔ اسے سب سے زیادہ خوشی ان خبروں سے ہو رہی تھی جو اسے خراسان سے بھیجی جا رہی تھیں۔ وہ خبریں جو طاہر کی فتوحات کے بارے میں تھیں۔

سرحدی معاملات بالکل درست کرنے میں مامون کو دو سال سے زیادہ لگ گئے۔ جب وہ مَرو لوٹا تو اسے یہ بہت بڑی خوش خبری ملی کہ بصرہ، کوفہ، واسط اور موصل پر بھی فتح کے پرچم لہرائے جا چکے تھے اور حرمین میں اب اس کے نام کا خطبہ پڑھا جا رہا تھا۔ سلطنتِ عباسیہ پر اس کی خلافت تسلیم کی جا چکی تھی۔ امین کی حکومت اب صرف بغداد اور اس کے متعلقات تک رہ گئی تھی۔

''جلد ہی بغداد کا بھی محاصرہ کر لیا جائے گا۔'' ہرثمہ بن اعین نے مامون کو بتایا۔

فضل بن سہل بولا۔ ''امیر المومنین کو یہ کامیابیاں مبارک ہوں۔''

مامون نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ہرثمہ بن اعین نے مسکرا کر کہا۔ ''بے شک اب آپ امیر المومنین ہی ہیں۔ آپ کی خلافت ہر جگہ تسلیم کی جا چکی ہے۔ بغداد میں اب آپ کا صرف ایک باغی رہ گیا ہے۔''

فضل بن سہل نے لقمہ دیا۔ ''اور جلد ہی وہ بھی نہیں رہے گا۔''

مامون مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ میں تکبر کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس نے کہا۔

''ابنِ اعین! ہم آپ پر جتنا بھی ناز کریں، کم ہے۔ آپ نے خود کوئی جنگ نہیں لڑی لیکن ایک ایسے سپہ سالار کا انتخاب کیا جو حیرت انگیز حد تک بہادر، ذہین اور باصلاحیت ہے۔''

''یہ سب کچھ آپ سے محبت کے باعث ہے امیر المومنین!''

مامون کو فضل بن سہل کے ایک خط سے علم ہوا تھا کہ طاہر نے پہلے معرکے میں

Marfat.com

دونوں ہاتھوں سے تلوار سنبھال کر ایک ہی وار میں اپنے حریف کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اسی واقعے کے باعث مامون نے اسے ''ذوالریاستین'' یعنی ''دوسیدھے ہاتھوں والا'' خطاب دیا۔

''یہ خطاب طاہر کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔'' ہرثمہ بن اعین نے کہا۔

مامون نے فضل بن سہل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں اس کی بھی بہت خوشی ہے ابن سہل کہ ہم نے ذاتی طور پر اپنے بھائی کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔ ہم نے اپنے عہدنامے کی کوئی شق مجروح نہیں کی۔''

یہ باتیں جاری تھیں کہ اجازت لے کر حسن بن سہل باریاب ہوا۔

''آپ کے لیے ایک اور خوش خبری آئی ہے۔'' اس نے مامون سے کہا۔ ''طاہر نے اب بغداد کے علاوہ سارے مفتوحہ علاقے میں آپ کے نام کا سکہ جاری کروا دیا ہے۔''

مامون پھر منکسر المزاجی سے مسکرا دیا۔

''بس۔'' حسن بن سہل نے کہا۔ ''میں یہ خوش خبری سنانے کے لیے بے چین ہو گیا تھا اس لیے مخل ہوا۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔''

وہ رخصت ہوا تو فضل بن سہل نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''امیر المومنین! جب آپ آرام کریں گے تو میں آپ کو ایک اہم بات سے آگاہ کروں گا۔''

جہاں دیدہ اور معتمر ہرثمہ بن اعین نے سمجھ لیا کہ فضل بن سہل مامون سے تخلیے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''اب مجھے بھی اجازت دیجیے امیر المومنین!'' ہرثمہ کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے جلد از جلد ایک لشکر تیار کر کے طاہر کی مدد کے لیے بھیجنا ہے تا کہ بغداد کا محاصرہ کرنے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔''

''بے شک یہ سب کچھ اب بھی آپ ہی کو دیکھنا ہے۔ آپ ہی دیکھتے رہے ہیں۔'' مامون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس جنگ کے فاتح آپ اور طاہر ہیں۔ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا!''

ہرثمہ بن اعین فوراً بولا۔ ''آپ نے یہ کیا تھا امیر المومنین کہ مجھ پر ایک بہت بڑی ذمے داری ڈال دی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس ذمے داری سے بہ خوبی عہدہ

Marfat.com

برآ ہو گیا ہوں۔''

''ابھی آپ عہدہ برآ نہیں ہوئے ابن اعین!'' مامون نے خوش گوار لہجے میں کہا۔ ''یہ بات آپ فتح بغداد کے بعد کہیے گا۔''

مامون نے فضل بن سہل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں تمھاری یہ بات بہت پسند آئی ذوالریاستین!''

''کون سی بات امیر المومنین؟''

''تم ہمیں کوئی بات بتانے کے لیے بے چین ہو۔ تم چاہتے تھے کہ ابنِ اعین چلے جائیں تو وہ بات ہمیں بتاؤ۔ تم ان سے کہہ سکتے تھے کہ تمھیں تخلیے میں مجھ سے کوئی بات کرنا ہے لہٰذا وہ رخصت ہوں۔ تمھارا مرتبہ ان سے بلند ہے لیکن تم نے ان کی بزرگی کا خیال رکھا اور اشارے میں ایسی بات کہی جس سے وہ تمھارا مقصد سمجھ گئے۔''

''جب آپ ان کا احترام کرتے ہیں تو میں کیسے نہ کرتا!''

''خیر! تم ہمیں کیا خاص بات بتانا چاہتے ہو جس کے لیے تم نے تخلیہ ضروری سمجھا؟''

''میں اس عورت کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں امیر المومنین جس نے پہلی مرتبہ ہماری مدد کی تھی۔'' فضل بن سہل نے سنجیدگی سے کہا۔ ''افسوس کہ وہ شریف عورت نہیں۔ اس کا نام ذوالفین ہے۔''

مامون بہت سنجیدہ نظر آنے لگا۔ ''تمھیں اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟ اور تم نے یہ کیسے جان لیا کہ وہ کوئی شریف عورت نہیں؟''

''میں شروع ہی سے اس کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین رہا ہوں امیر المومنین!'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''لیکن اس زمانے میں آپ کے ساتھ اتنی مصروفیت رہی کہ میں اس کے بارے میں جاننے کی کوشش ہی نہیں کر سکا۔ پھر جب آپ سرحدی تنازعات ٹھیک کرنے چلے گئے تو میں لشکر بغداد کے حملے کی وجہ سے الجھا رہا۔ مجھے اطمینان اس وقت ہوا جب طاہر کو مسلسل فتوحات حاصل ہونے لگیں۔ میں اس فکر سے بے نیاز ہو گیا کہ بغداد کا کوئی لشکر خراسان میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد ہی میں نے دیوانِ شرطہ سے بات کی اور اس عورت کے بارے میں معلومات حاصل

Marfat.com

کرنے کے لیے کہا۔"

مامون بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اس نے بیچ میں کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ فضل بن سہل بولتا رہا۔ "اس کے بارے میں معلومات ان لوگوں سے ہی ہوسکتی تھیں جنھوں نے ابنِ ہامان کے اسی محل کے پائیں باغ سے دو صندوق برآمد کیے تھے۔ ان لوگوں کو وہ صندوق آپ کی نذر کرنے کا مشورہ ذوالفین ہی نے دیا تھا اس لیے وہی لوگ معلومات کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ انھی لوگوں سے اس عورت کا نام اور اس کی حویلی کے بارے میں معلوم ہوا۔ انھی لوگوں سے اس کا بھی علم ہوا کہ وہ چند حبشی غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اس حویلی میں رہتی ہے اور بہت مال دار عورت ہے۔ اس کا شوہر اسے چھوڑ کر کسی دوسری عورت کے ساتھ کہیں غائب ہوگیا ہے اس لیے اب وہ اس حویلی میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ ہی رہتی ہے۔"

اب مامون بول پڑا۔ "تو یہ کس نے بتایا کہ وہ شریف عورت نہیں ہے؟"

"یہ بات ان لوگوں سے معلوم نہیں ہوئی تھی۔" فضل بن سہل نے جواب دیا۔ "انھوں نے تو یہی بتایا تھا کہ وہ ایک پارسا اور نیک عورت ہے جس نے خود کو اس حویلی میں تقریباً مقید کر رکھا ہے، آس پاس کے لوگوں سے اس نے میل جول ہی نہیں رکھا کیونکہ وہ بے حد تنہائی پسند ہے۔ مجھے ان لوگوں سے حاصل کردہ معلومات میں یہ بات کھٹک گئی کہ وہ دو سال پہلے کہیں سے اکیلی بلخ آئی تھی اور یہ حویلی خرید کر اس میں رہنے لگی تھی۔ یہ خود اس عورت کا بیان تھا کہ اس کا شوہر اسے چھوڑ کر کسی دوسری عورت کے ساتھ غائب ہوگیا تھا۔ اس کے اس بیان کی تصدیق یا تردید وہ لوگ نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے بس اپنے طور پر سمجھ لیا تھا کہ ذوالفین نے غلط بیانی نہیں کی ہوگی۔"

مامون کے چہرے پر کچھ ایسا تاثر ابھرا جیسے کوئی بات یا کوئی واقعہ اچانک اس کے دماغ میں ابھرا ہو، لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

فضل بن سہل نے اپنی بات جاری رکھی۔ "بعض اوقات کسی جواز کے بغیر بھی کوئی سوال دماغ میں ابھر آتا ہے امیرالمومنین! کچھ ایسا ہی میرے ساتھ بھی ہوا۔ مجھے خیال آیا کہ ذوالفین کا یہ بیان غلط بھی ہوسکتا ہے۔ یہ خیال ذہن میں آنے کے بعد میں

Marfat.com

نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ بلخ آنے سے پہلے وہ کہاں رہتی تھی لیکن یہ کوئی نہیں بتا سکا۔ اس نے غلام اور کنیزیں یہیں آ کر خریدی تھیں۔ انھیں بھی ذوالفین کے ماضی کا کچھ علم نہیں تھا۔''

''ذوالفین جب آس پاس کے کچھ مردوں کو جانتی ہے تو عورتوں کو بھی جانتی ہوگی۔'' مامون نے خیال ظاہر کیا۔ ''کسی عورت نے ذوالفین سے یہ سوال ضرور کیا ہوگا!''

''واقفیت تو بے شک ہوگی امیر المومنین، لیکن ایسی کسی عورت سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ دراصل وہ ہفتوں تو اپنی حویلی سے نکلتی نہیں ہے اور کیونکہ وہ خود کبھی کسی کے گھر نہیں گئی اس لیے دوسری عورتوں نے بھی اس کے گھر جانا مناسب نہیں سمجھا۔''

''یہ تم نے کیسے مان لیا ذوالریاستین کہ وہ شریف عورت نہیں؟'' مامون پھر سوال کر بیٹھا۔

''اب میں وہی عرض کرنے جا رہا ہوں امیر المومنین!'' فضل بن سہل نے کہا۔

''آپ کے علم میں شاید نہ ہو لیکن میں جانتا ہوں کہ آں جہانی خلیفہ ہارون الرشید اپنی رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے کبھی کبھی بھیس بدل کر بغداد کے گلی کوچوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ اس طرح وہ اپنی غریب رعایا کے حالات سے تو ناواقف کبھی نہیں رہے لیکن ساتھ ساتھ انھیں اس کا بھی علم ہوتا رہا کہ طبقہ اشرافیہ کے محلوں اور حویلیوں میں رات کے وقت کیا کیا غیر شرعی گل کھلتے تھے۔ اسی باعث اکثر نام نہاد شرفا کو سزائیں بھی ملتی تھیں۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بھیس بدل کر گھومتے وقت انھوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ رکھا۔ میں کیونکہ وہ سب کچھ بھولا نہیں تھا اس لیے میرے مشورے پر دیوانِ شرطہ کے چند افراد نے بھی ایسا کرنا شروع کیا۔ وہ رات کے وقت بھیس بدل کر ذوالفین کی حویلی کے آس پاس چکر لگانے لگے۔ دراصل مجھے یہ خیال آیا تھا کہ شاید یہ عورت بھی طبقہ اشرافیہ کی ایسی ہی کوئی عورت ہو جس کا اصل روپ رات ہی کے وقت سامنے آ سکتا ہو، اور میرا یہ خیال درست ثابت ہوا۔''

ان آخری جملوں نے ہارون کے چہرے پر تجسس کے آثار نمایاں کر دیے۔

فضل بن سہل نے بتایا۔ ''کوئی ایک ماہ قبل یہ بات علم میں آئی کہ رات گئے ایک شخص بہت چوری چھپے اس حویلی میں جاتا ہے اور صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے چوری چھپے ہی حویلی سے نکل جاتا ہے۔''

Marfat.com

''اوہ!'' مامون نے حیرت کے اظہار کے ساتھ ہی سوال کیا۔ ''کیا یہ معمول ہے؟''

''ایک ماہ سے تو یہ معمول ہے۔ ایک ماہ پہلے یہ معمول تھا یا نہیں، اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' فضل بن سہل نے کہا، پھر اس نے پوچھا۔ ''یہ واقعہ سن کر آپ کے ذہن میں کوئی خیال تو آیا ہوگا امیر المومنین؟''

''بے شک آیا ہے۔'' مامون نے کہا۔ ''وہی خیال تمھارے دماغ میں بھی آیا ہوگا لیکن جب تک کوئی گواہ نہ ہو، کسی عورت پر ایک سنگین الزام لگانا مناسب نہیں۔ بلکہ نہایت غیر مناسب ہوگا۔''

''میں نے بھی اس پر کوئی سنگین الزام نہیں لگایا ہے امیر المومنین، لیکن اگر کوئی عورت رات کی تاریکی میں کسی مرد کو چوری چھپے اپنی حویلی میں بلائے تو اس حرکت کو غیر شریفانہ تو کہا جا سکتا ہے!''

''شاید اس حد تک جانے میں بھی احتیاط برتنا چاہیے۔'' مامون نے کہا، پھر بولا۔ ''یہ واقعہ سن کر فوری طور پر دماغ میں آنے والے خیال کے باعث ہمیں وہ مقدمہ یاد آ گیا جس کا فیصلہ خود والد مرحوم نے کیا تھا۔ تم یقیناً بھولے نہیں ہو گے۔ یحییٰ بن اشعث کی خوب صورت بیوی سے رافع بن لیث نے ناجائز تعلقات قائم کر لیے تھے۔ اسے دُرّوں کی سزا ہوئی تھی اور اسے قید خانے میں بھی ڈال دیا گیا تھا۔ وہاں سے فرار ہونے کے بعد ہی اس نے بغاوت کی تھی۔''

''مجھے وہ سب کچھ یاد ہے امیر المومنین! اب......''

مامون نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''جب تم نے اس کے مفرور شوہر کی بات بتائی تھی تو ہمیں وہ دن یاد آ گیا تھا جب ذوالفین مرو کے دار الامارہ میں ہیرے جواہرات اور دینار و درہم سے بھرا ہوا صندوق لے کر آئی تھی۔ ہم نے اس سے کہا تھا کہ اگر ہم کبھی با اختیار ہوئے اور اس نے اپنے لیے کچھ چاہا تو ہمیں خوشی ہوگی۔ ہماری اس بات پر اس نے کہا تھا کہ اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔ اسی لیے اس کے مفرور شوہر کی بات سن کر ہمیں خیال آیا تھا کہ وہ اسی معاملے میں ہم سے کچھ چاہتی ہوگی لیکن تمھاری بتائی ہوئی بعد کی باتوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ معاملہ شاید کچھ اور ہو۔''

Marfat.com

''یہ بھی خوب اتفاق ہے امیر المومنین!'' فضل بن سہل نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اگر ذوالفین کے معاملے کو اسی قسم کا مقدمہ سمجھ لیا جائے تو یہاں بھی رافع بن لیث ہی ملوث ہے!''

''کیا!'' مامون حیرت زدہ ہو گیا۔

''جی ہاں۔'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''رات کے وقت ذوالفین کی حویلی میں چوری چھپے جانے والا شخص رافع بن لیث ہی ہے۔''

مامون نے بے تابی سے پوچھا۔ ''تم نے خود دیکھا ہے اسے؟''

''جی ہاں، میں بھی دیکھ چکا ہوں اور دیوانِ شرطہ کے کچھ لوگ بھی اسے پہچانتے ہیں کیونکہ باغی بننے کے بعد اس کی شخصیت کافی نمایاں ہو گئی تھی۔''

''وہ کہاں رہتا ہے؟''

''یہیں، بلخ میں! وہ بھی ایک آسودہ زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے ایک معقول کاروبار کر لیا ہے۔ اس حد تک معقول کہ اتنا پیسا اسے ذوالفین ہی سے ملا ہوگا۔''

''کیا تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ یحییٰ بن لیث کی مال دار بیوی عروبہ کے بعد اس نے ایک اور مال دار عورت سے ناتا جوڑ لیا ہے؟''

''امیر المومنین!'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''اگر رافع بن لیث کے طبعی رجحان کو سامنے رکھا جائے تو یہ گمان کیا جانا شاید غیر فطری نہیں!''

مامون کچھ سوچتا رہا، پھر اس نے کہا۔ ''اس معاملے میں اگر ذوالفین سے نہیں تو کم از کم رافع سے ضرور پوچھ گچھ کی جا سکتی تھی جو تم نے نہیں کی ورنہ یہ بھی بتا چکے ہوتے!''

''آپ کا خیال درست ہے۔'' فضل بن سہل نے کہا۔ ''میں خود بھی پوچھ گچھ کر سکتا تھا اور دیوانِ شرطہ کے لوگ بھی ایسا کر سکتے تھے لیکن میں نے انھیں اس خیال سے روک دیا کہ آپ واپس آ جائیں، تبھی کوئی فیصلہ ہو!''

''کیوں؟'' مامون نے کچھ ناگوار لہجے میں کہا۔ ''بالفرض وہ دونوں فعل شنیعہ کے مرتکب پائے جاتے ہیں تو کیا ہم ذوالفین کو اس لیے معاف کر دیں گے کہ اس نے ہماری مالی امداد کی تھی؟''

Marfat.com

فضل بن سہل نے نظریں جھکالیں اور دھیمی آواز میں بولا۔ ''اگر امیرالمومنین اسے میری غلطی قرار دے رہے ہیں تو میں معافی کا خواست گار ہوں۔''

''اگر یہ غلطی نہیں تو سہو یقیناً ہے۔'' مامون نے کہا۔ ''پھر حکم دینے کے انداز میں بولا۔'' وہ دونوں ہمارے سامنے حاضر ہوں۔''

''کیا انھیں گرفتار......''

''نہیں۔'' مامون نے بات کاٹی۔ ''جب تک ان کا جرم ثابت نہ ہو، انھیں گرفتار کرنا قطعی غلط اقدام ہوگا۔ انھیں ہمارا بس یہ پیغام دیا جائے کہ وہ ہماری خدمت میں حاضر ہوں مگر یہ پیغام دینے کے بعد ان پر کڑی نظر رکھی جائے۔ خصوصاً رافع بن لیث کے دل میں اگر چور ہوا تو وہ فرار کی کوشش کرسکتا ہے۔''

''بہتر ہے۔''

فضل بن سہل کو رخصت کرنے کے بعد مامون ٹہلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عسکری معاملات چلتے چلتے ایک غیر عسکری معاملہ بھی سامنے آ گیا۔

''یہ تو ہوگا'' اس نے اپنے دل میں کہا، خلافت کا دوسرا نام صرف عسکریت نہیں ہے۔''

☆☆☆

دن گزر گیا!

رات کو دونوں ''ملزم'' مامون کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ مامون نے فضل بن سہل کو بھی روک لیا تھا۔

''رافع!'' مامون نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ہمارے وزیر نے الزام لگایا ہے کہ تم روزانہ رات کو چوری چھپے ذوالفین کی حویلی میں جاتے ہو!''

''میرا نام ذوالفین نہیں ہے امیرالمومنین!'' وہ بول پڑی۔ ''میں عروبہ ہوں۔''

فضل بن سہل چونکا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت مامون کی بھی ہوئی تھی۔ رافع بن لیث سپاٹ چہرے کے ساتھ نظریں جھکائے کھڑا رہا۔

مامون نے بے اختیار پوچھا۔ ''اس کا ثبوت؟''

وہ بولی۔ ''سمرقند میں میرے عزیز و اقربا موجود ہیں جن سے میں عرصہ ہوا،

Marfat.com

شرمندگی کے باعث قطع تعلق کر چکی ہوں۔ میں اب بھی ان سے لاتعلق ہوں لیکن وہ مجھے پہچان تو لیں گے۔ ان کے علاوہ یحیٰ بن اشعث بھی مجھے پہچان سکتا ہے۔ دو سال پہلے جب رافع بغداد گئے تھے تو میرا وہ پہلا شوہر زندہ تھا۔ شاید اب بھی زندہ ہو۔''

مامون نے محسوس کیا کہ آواز میں سچائی کی چمک تھی اور سچائی نے لہجے میں اعتماد پیدا کیا تھا۔

''پہلا شوہر!'' مامون نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تمھارا دوسرا شوہر کون ہے عروبہ؟''

''یہ آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔'' عروبہ نے رافع بن لیث کی طرف اشارہ کیا۔

''خوب!'' مامون نے سخت لہجے میں کہا۔ ''گویا تم دونوں پھر سزا کے مستحق ٹھہرے ہو!''

''نہیں امیر المومنین!'' عروبہ بے جھجک بولی۔ ''ہم پہلے بھی سزا کے مستحق نہیں تھے۔ پہلے بھی غلط فیصلہ سنایا گیا تھا۔''

''عروبہ!'' مامون کے لہجے میں تلوار جیسی کاٹ آ گئی۔ ''تم خلیفہ ہارون الرشید کے فیصلے کو غلط کہہ رہی ہو؟''

''گستاخی معاف امیر المومنین!'' عروبہ بولی۔ ''ان سے غلطی صرف یہ ہوئی تھی کہ انھوں نے خود اس معاملے کی تحقیق نہیں کروائی تھی، صرف ابنِ اشعث کے بیان پر یقین کر کے فیصلہ سنا دیا تھا اور ابنِ اشعث نے دروغ گوئی کی تھی۔''

''یعنی؟''

''امیر المومنین!'' عروبہ بولی۔ ''اگر مسلمان شوہر کی مسلمان بیوی مرتد ہو جائے تو کیا نکاح قائم رہتا ہے؟''

''نہیں۔''

''طلاق از خود ہو جاتی ہے؟''

''یقیناً۔''

''میں مرتد ہو گئی تھی امیر المومنین!'' عروبہ نے کہا۔ ''اور ابنِ اشعث نے

Marfat.com

خلیفہ ہارون الرشید کو میرے ارتداد سے بے خبر رکھ کر میرے اور رافع کے تعلق کی کہانی سنائی تھی۔ اسی لیے ہم دونوں کے تعلق کو فعل شنیعہ قرار دیا گیا تھا۔''

مامون حیرت سے عروبہ کو تکتا رہا۔ فضل بن سہل کبھی عروبہ کو اور کبھی رافع بن لیث کو دیکھتا رہا جو بہ دستور سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔

''جی ہاں امیر المومنین!'' عروبہ بولی۔ ''میں مرتد ہوگئی تھی لیکن پھر سنبھل گئی۔ میں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ کیا اس کے بعد میں رافع بن لیث سے شادی نہیں کر سکتی تھی؟ کیا ہماری اس شادی کو فعل شنیعہ قرار دیا جا سکتا تھا؟''

مامون اب بڑے غور سے عروبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''امیر المومنین!'' عروبہ بولتی رہی۔ ''مجھے حیرت تھی کہ فقہ سے بہ خوبی واقف ہونے والے خلیفہ نے اتنا غلط فیصلہ کیسے سنا دیا۔ یہ ہماری بدنصیبی تھی کہ ہم اس وقت بغداد سے بہت دور تھے، اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا ہمیں موقع ہی نہیں ملا اور سمرقند کے عامل سلیمان ازدی نے فیصلے پر عمل درآمد میں نہایت عجلت سے کام لیا۔ رافع کے دُرّے لگائے گئے۔ پھر انھیں قید کر دیا گیا۔ یہ قید سے فرار ہوئے تو ان سے میری ملاقات نہ ہو سکی۔ انھوں نے سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کے بعد میں ان سے اس روز مل سکی جب یہ بغاوت سے تائب ہوئے تھے اور آپ نے انھیں معاف کر دیا تھا۔''

''عروبہ!'' مامون بولا۔ ''ہم نے سب کچھ بڑے غور سے سن لیا ہے۔ کیا تم ثابت کر سکتی ہو کہ تم مرتد ہوگئی تھیں؟''

''امیر المومنین!'' عروبہ نے کہا۔ ''نیشاپور میں وہ لوگ ابھی زندہ ہوں گے جو میرے ارتداد کی گواہی دے سکتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہوں گے جن کے سامنے میں نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور وہ بھی جن کی موجودگی میں رافع سے میرا نکاح ہوا؟''

''کیا اس کے گواہ بھی مل جائیں گے کہ یحییٰ بن اشعث نے تمھارے ارتداد کی بات خلیفہ ہارون الرشید کو نہیں بتائی تھی؟''

''امیر المومنین! گستاخی معاف! میرے ارتداد کی گواہی ملنے کے بعد غالباً اس

Marfat.com

کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی لیکن اس کے باوجود میں چاہتی تھی کہ اس کے گواہ بھی مل جائیں اور لوگ جان لیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے غلط فیصلہ نہیں سنایا تھا۔ ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ انھوں نے معاملے کی تحقیق نہیں کی تھی اور ابنِ اشعث کے بیان پر یقین کر لیا تھا۔ یہ بات میرے ذہن میں شروع ہی سے تھی کہ ابنِ اشعث نے ضرور دروغ گوئی کی ہوگی۔ اسی لیے جب رافع مجھے دوبارہ ملے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ بغداد جائیں اور اس بارے میں چھان بین کریں چنانچہ یہ بغداد گئے تھے۔"

مامون کی نظریں رافع بن لیث کی طرف اٹھ گئیں۔ "کیوں رافع؟ کچھ معلوم ہو سکا تمھیں بغداد میں؟"

رافع بن لیث نے پہلی مرتبہ اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "جی ہاں امیر المومنین! لیکن بغداد کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے میں کچھ اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لوں!"

"دل کا بوجھ؟"

"جی۔"

"کہو! اجازت ہے۔"

رافع نے دوبارہ نظریں جھکا کر کہنا شروع کیا۔ "بغاوت تو میں نے بعد میں کی تھی امیر المومنین! سلطنتِ عباسیہ کے خلاف میں شروع ہی سے تھا۔ میں نے ایک تنظیم کی بنیاد بھی رکھ دی تھی۔ اس کے بعد کچھ اتفاقات نے عروبہ کو اور مجھے ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ عروبہ کے ارتداد کی وجہ سے ہماری شادی بھی ممکن ہوگئی لیکن اس کے بعد مجھے ناکردہ گناہی کی جو سزا ملی، اس نے مجھے مشتعل کر دیا۔ میں نے بغاوت کر دی لیکن جب آپ خراسان آئے تو میں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ہتھیار ڈالتے وقت میری نیت ٹھیک نہیں تھی۔ میں نے بہ تقاضائے حالات یا بہ تقاضائے مجبوری ہتھیار ڈالے تھے اور سوچا تھا کہ دوبارہ مناسب موقع ملنے پر پھر بغاوت کروں گا لیکن جب عروبہ مجھے ملی تو اس کی حالت نے مجھے یکسر بدل دیا۔ یہ میری محبت اور میرے فراق میں خاصی کم زور ہوگئی تھی۔ یہ مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تو مجھے شدت سے احساس ہوا کہ

Marfat.com

مجھے محبت جیسی انمول شے کی قدر کرنا چاہیے۔ باغیانہ خیالات میرے وجود کا کوئی مثبت پہلو ہرگز نہیں تھے۔ اس دن کے بعد ہی میں خلوصِ دل سے سلطنتِ عباسیہ کے قیام کا خواہاں بنا ہوں۔"

رافع نے جب بولنا شروع کیا تھا تو مامون کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ رافع کے چپ ہوتے ہوتے وہ مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"رافع!" مامون دھیرے سے ہنسا۔ "ہم بھی اس وقت جانتے تھے کہ تمھارے دل میں کھوٹ تھا۔ تمھاری تنظیم بھی کبھی اتنی طاقت ور نہیں رہی جتنا تم سمجھتے تھے۔ بس حالات نے تمھارا ساتھ دیا اور تم بغاوت کر بیٹھے۔ وہ ابنِ ہامان کا ظلم وجور تھا جس کے باعث خراسان کے لوگ تمھارے ساتھ ہوگئے اور جب ہم یہاں آئے تو تمھیں اندازہ ہوگیا کہ اب تمھارا کھیل جاری نہیں رہ سکے گا۔ تم نے بالکل ٹھیک کہا کہ تم نے حالات کی نزاکت دیکھ کر بہ مجبوری ہتھیار ڈالے تھے لیکن یہ سمجھ لینے کے باوجود ہم نے تمھیں اس لیے معاف کر دیا کہ اس وقت کچھ دیگر مسائل ہمارے سامنے تھے اور تمھیں قید میں نہ ڈالنا ہمارے لیے کسی فکر مندی کا سبب نہیں بنتا۔ تم ہمارے لیے بے ضرر ہو چکے تھے۔ آئندہ بھی یہ امکان نہیں تھا کہ تم ہمارے لیے کوئی پریشانی کھڑی کر سکو گے۔ ہاں البتہ ہم نے تھوڑی سی احتیاط ضرور کی تھی۔ ہم نے تمھارے ساتھیوں کو اپنے لشکر میں بھرتی کر لیا تھا۔ ہم اندازہ لگا چکے تھے کہ وہ ہمارے لیے کوئی فتنہ کھڑا نہیں کریں گے لیکن تمھیں ہم نے ایسی کوئی جگہ نہیں دی کہ تم ہمارے قریب رہ سکو۔ ہمیں یقین تھا کہ تم اپنی باغیانہ فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو گے اور ہمیں کوئی چھوٹی موٹی زک تو پہنچا ہی دو گے۔ یہ راستہ ہم نے تمھارے لیے مسدود کر دیا تھا۔"

رافع چند قدم آگے بڑھتے ہوئے اس طرح جھکا جیسے مامون کے قدموں میں گر پڑنا چاہتا ہو۔

"نہیں۔" مامون تیزی سے چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "ہمیں گناہ گار نہ کرو۔ سیدھے کھڑے ہو جاؤ رافع!"

"رافع!" مامون پھر بولا۔ "پہلے ہم نے تمھیں بے دلی سے معاف کیا تھا۔ آج

Marfat.com

تمھیں سچے دل سے معاف کر رہے ہیں۔''

اس وقت عروبہ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ مامون نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے رافع سے کہا۔''اب تم بغداد کی کہانی سناؤ!''

رافع نے بولنا چاہا لیکن اس کی آواز رندھ گئی۔

مامون نے فضل بن سہل سے کہا۔''رافع کے لیے پانی منگواؤ۔ یہ بہت زیادہ جذباتی ہو گیا ہے۔''

فضل بن سہل نے پانی منگوایا۔

عروبہ نے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو صاف کیے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔''بغداد کا سارا قصہ آپ کو میں سنا دیتی ہوں امیرالمومنین! اگر آپ اجازت دیں۔''

''کوئی حرج نہیں۔ تم سنا دو۔'' مامون نے کہا۔

عروبہ بولی۔''بغداد میں بہت کم لوگ ہوں گے جو رافع کے چہرہ شناس ہوں۔ اسی لیے رافع کو سارا کام خوش اسلوبی سے کرنے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے ابنِ اشعث کے کچھ واقف کاروں سے تعلقات بڑھائے۔ پھر ایک روز باتوں باتوں میں ان سے پوچھ بیٹھا کہ ابنِ اشعث کی بیوی کا کیا معاملہ ہوا تھا۔ جواب میں ان لوگوں نے بتا دیا کہ ابنِ اشعث نے خلیفہ ہارون الرشید کو کیا بتایا تھا۔ اس نے ہماری شکایت کرتے ہوئے میرے ارتداد کی بات حذف کر دی تھی۔''

''رافع کو یہ سب کچھ بتانے والوں کے نام؟'' مامون نے پوچھا۔

''وہ رافع لکھ لائے تھے۔'' عروبہ نے جواب دیا۔''ان سات میں سے تین تو نامی گرامی لوگ ہیں۔ وہ فہرست میں اپنے ساتھ لائی ہوں۔'' اس نے فہرست مامون کو پیش کر دی۔

اس دوران میں رافع نے پانی پینے کے بعد خود کو سنبھال لیا تھا۔ اب اس کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات تھے۔

جس وقت مامون فہرست پر نظر ڈال رہا تھا، عروبہ کہنے لگی تھی۔''جب ہمیں یہ

Marfat.com

بتایا گیا تھا کہ آپ نے ہم دونوں کو ساتھ ساتھ طلب کیا ہے تو ہم سمجھ گئے تھے کہ ہماری خفیہ ملاقاتوں کا راز کھل چکا ہے۔ اسی لیے میں نے گھر سے چلتے وقت یہ فہرست بھی لے لی تھی۔''

''خوب!'' مامون نے فہرست سے نظر ہٹا کر کہا۔ ''ان لوگوں کی گواہی اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے مرحوم والد کے دامن سے ایک غلط فیصلے کا داغ مٹ سکے، لیکن تم دونوں۔'' اس نے اچٹتی اچٹتی سی نظر عروبہ اور رافع پر ڈالی۔ ''تم دونوں کے بارے میں فیصلے کا انحصار نیشاپور کے لوگوں کی گواہی پر ہے۔''

''وہ گواہیاں تو مل جائیں گی۔'' عروبہ نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ''نیشاپور یہاں سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ آپ ہم دونوں کا فیصلہ چند دن میں کر سکتے ہیں۔''

''نہیں عروبہ!'' مامون نے نرمی سے کہا۔ ''ہمیں یہ استحقاق نہیں کہ شرعی معاملات پر کوئی فیصلہ دے سکیں۔ فقہ پر ہماری نظر ابھی گہری نہیں۔ ہم سے بھول چوک ہو سکتی ہے۔''

عروبہ جو اچانک پُر جوش ہوئی تھی، جھاگ کی طرح بیٹھی ہوئی نظر آنے لگی۔ چہرے پر اداسی پھیل گئی تھی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ہم نے یہ عرصہ بڑی اذیت میں گزارا ہے امیر المومنین! میاں بیوی ہوتے ہوئے بھی ہم بہت کم وقت کے لیے اور بہت خفیہ طور پر ملتے رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں کے لوگ ہمیں نہیں جانتے لیکن ڈر لگا رہا کہ سمرقند سے یہاں آئے ہوئے کسی شخص نے ہمیں دیکھ لیا تو ہم پھر معتوب ہو جائیں گے۔''

''مجبوری ہے عروبہ!'' مامون کے لہجے کی نرمی برقرار رہی۔ ''تم دونوں کا معاملہ ایسا ہے کہ مقامی قاضی کوئی فتویٰ نہیں دے سکتا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے جس معاملے کا تصفیہ کیا ہو، اس پر خطِ تنسیخ پھیرنے کی جرأت صرف قاضی القضاۃ ابنِ اکثم ہی کو ہو سکتی ہے اور وہ بغداد میں ہیں۔''

''عروبہ ایک اہم بات بتانا بھول گئی۔'' رافع بول پڑا۔

''مجھے یاد ہے۔'' عروبہ نے کہا۔ ''اب میں وہی بیان کرتی۔''

''میں ہی بتاتا ہوں۔'' رافع نے کہا۔ ''امیر المومنین! میں بغداد میں قاضی صاحب سے بھی ملا تھا۔''

Marfat.com

''قاضی القضاۃ سے؟''

''جی۔'' رافع نے کہا۔ ''قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم کو میں اپنا سارا ماجرا بے کم وکاست سنا چکا ہوں۔ انھوں نے سب کچھ بڑی توجہ اور ہم دردی سے سنا تھا۔ چند سوالات بھی کیے تھے۔ پھر انھوں نے فرمایا تھا کہ ارتداد اور نکاح کے گواہوں کے ساتھ ہم ان کی عدالت میں آئیں گے اور جو کچھ میں نے انھیں بتایا ہے، وہ درست ثابت ہو جائے گا تو وہ ہمارے حق میں فیصلہ سنا دیں گے۔ انھوں نے یہ شرط ضرور رکھی تھی کہ یہ مقدمہ خلیفۂ وقت کے توسّط سے ان کی عدالت میں لایا جائے اور بہتر ہوگا، اگر ہم اس وقت کا انتظار کرلیں جب مسند خلافت پر آپ جلوہ افروز ہوں گے۔''

''ہم؟'' مامون مسکرایا۔

''جی۔'' رافع نے کہا۔ ''جناب یحییٰ کو دو سال پہلے ہی اس کا یقین تھا کہ آخر کار آپ ہی مسندِ خلافت پر بیٹھیں گے۔ انھوں نے بڑے دکھی دل سے کہا تھا کہ حالات نے خلیفہ ہارون الرشید کو ولی عہدی کے معاملے میں ایک غلط فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔''

''بس تو پھر تم دونوں اب اس دن کا انتظار کرو جب ہم بغداد میں داخل ہوں گے۔'' مامون نے کہا۔ ''یقین کرو کہ ہمیں بڑی حد تک تم دونوں کی باتوں پر اعتبار آ گیا ہے لیکن ہم فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں۔ تم نے ابھی کہا تھا عروبہ کہ تم دونوں نے کچھ عرصہ بڑی اذیت میں گزارا ہے لیکن اب تم دونوں کو کچھ وقت پہلے سے زیادہ اذیت میں گزارنا ہوگا۔ قاضی القضاۃ کا فیصلہ ہونے سے پہلے تم دونوں اب ایک دوسرے سے قطعی نہیں ملو گے۔''

عروبہ کا چہرہ فق پڑنے لگا۔ ایسا ہی جھٹکا رافع کو بھی لگا تھا۔

''ہمیں تم دونوں سے ہم دردی ہے۔'' مامون پھر بولا۔ ''لیکن یہ ضروری ہے کہ اب تم دونوں خفیہ طور پر بھی ایک دوسرے سے نہیں ملو۔ قانونِ شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ فیصلے کا انتظار کرو۔ جب تم دونوں آزادانہ ملاپ کا تصور باندھ لو گے تو ایک دوسرے سے جدا رہنے کی اذیت بہت کم ہو جائے گی۔ اب تم دونوں اپنے اپنے گھر جاؤ، لیکن یہاں سے بھی ساتھ ساتھ نہیں نکلو گے۔ پہلے تم چلی جاؤ عروبہ!''

اس طرح ان دونوں کو رخصت کر دیا گیا۔

Marfat.com

تنہائی ملتے ہی فضل بن سہل نے کہا۔ ''اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات کہوں!''

''کہو!''

''عروبہ نے ارتداد اس لیے کیا ہوگا کہ اسے یحییٰ بن اشعث سے چھٹکارا مل جائے اور وہ رافع سے شادی کر سکے۔ مجھے اس ارتداد میں نیت کا کھوٹ نظر آ رہا ہے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ عروبہ نے اس کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ فقہ پر تھوڑی بہت نظر ہماری بھی ہے۔ شرعی فیصلے نیتوں پر نہیں، ظاہر پر کیے جاتے ہیں ذوالریاستین!''

فضل بن سہل چپ ہو گیا۔

''اور اب ہم آرام کرنا چاہتے ہیں۔'' مامون پھر بولا۔ ''آج کا دن اسی ایک قضیے میں الجھتے اور سوچ بچار کرتے ہوئے گزر گیا۔ ساتھ ساتھ بغداد کی فکر بھی لاحق رہی۔ سر میں درد ہو گیا ہے۔''

☆☆☆

اسی روز ہرثمہ بن اعین نے طاہر کی کمک کے لیے جو لشکر بھیجا تھا، اس کے ساتھ آٹھ کوہ پیکر منجنیقیں تھیں۔ انھی کی وجہ سے وہ لشکر اتنی تاخیر سے پہنچا کہ طاہر کو بغداد کا محاصرہ کیے ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ اس عرصے میں اس نے بس اتنی کام یابی حاصل کی تھی کہ کئی میل کے محیط میں پھیلے ہوئے اس شہر کا محاصرہ بہت سخت کر دیا تھا۔ ایسی کوئی کسر نہیں رہنے دی تھی کہ اہلِ بغداد کو کہیں سے رسد و کمک مل سکتی۔ اس کے لشکر کو کسی بھی جانب سے فصیلِ شہر کے قریب پہنچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا کیونکہ فصیل اور اس کے سینکڑوں برجوں سے اتنی شدید تیر اندازی اور شعلہ افگنی کی جا رہی تھی کہ فصیل تک پہنچتے پہنچتے اس کے ڈیڑھ دو ہزار سپاہی تو یقیناً ہلاک ہو جاتے اور اس کے بعد بھی فوری طور پر شہر میں داخلہ اس لیے ممکن نہیں تھا کہ فصیل کا ایک دروازہ توڑنے میں آدھا دن تو گزر ہی جاتا۔ چاروں دروازے اتنے ہی مضبوط تھے اور ایک دروازہ توڑنے کی کوشش کرنے والے مسلسل ہلاک یا شدید زخمی ہوتے رہتے۔ ان کی جگہ دوسرے سپاہیوں کو لینا پڑتی اور آدھا دن گزرنے تک کثیر ہلاکتیں ہو چکی ہوتیں۔ فصیل اور برجوں سے ان پر

Marfat.com

تیراندازی اور شعلہ افگنی کے ساتھ نہایت گرم پانی بھی پھینکا جاتا۔

اگر ایک دروازے کے بجائے باب خراسان، باب کوفہ، باب الشام اور باب بصرہ، چاروں ہی دروازے ایک ساتھ توڑنے کی کوشش کی جاتی تو اس میں بھی آدھا ہی دن گزرتا لیکن ہلاکتوں کی تعداد چار گنا ہو جاتی۔

اتنا بڑا جانی خسارہ اٹھانے کے بعد ایک دروازے سے بیک وقت ساٹھ ستر سے زیادہ گھوڑے اندر نہیں داخل ہو سکتے تھے جن کے مقابلے کے لیے وہاں دشمن کی کثیر تعداد موجود ہوتی جس کی تیراندازی سے پھر بہت زیادہ ہلاکتیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود شہر میں داخلہ اس لیے ممکن نہ ہوتا کہ خارجی فصیل کے بعد ایک داخلی فصیل بھی تھی جو خارجی فصیل سے کچھ اور زیادہ اونچی تھی۔

ان فصیلوں کے باہر چاروں طرف ایک بڑی خندق بھی تھی جس پر متعدد ایسے پُل بنائے گئے تھے کہ خطرے کے موقع پر انھیں آسانی سے توڑا جا سکے اور انھیں توڑا جا چکا تھا۔ اس خندق کو پار کرنے کے لیے طاہر کے لشکر میں موجود ماہرِ فن مہندسوں، کل سازوں اور ترکھانوں نے شب و روز کی محنت سے دو ماہ میں اتنے پل تیار کر لیے تھے کہ بہ وقتِ ضرورت انھیں خندق پر ڈالا جا سکتا تھا لیکن بڑی مشکل وہ بیرونی اور اندرونی فصیلیں تھیں جنھیں عبور کر کے شہر میں داخل ہونا امرِ محال نظر آ رہا تھا۔

ان فصیلوں کا عرض اتنا تھا کہ ان پر بیس گھوڑے برابر برابر دوڑ سکتے تھے اور زمین پر ان فصیلوں کی چوڑائی اس سے ڈھائی گنا زیادہ تھی۔ وہ فصیلیں نہایت پختہ مسالے سے بنائی گئی تھیں۔ ہر فصیل پر پونے دو سو اونچے اونچے برج بنائے گئے تھے جن کی تعمیر ہندسی طرز پر عسکری نقطۂ نظر سے اس طرح ہوئی تھی کہ وہاں سے حملہ آوروں کو بہ آسانی ہدف بنایا جا سکتا تھا۔ چار چار برجوں کے درمیان ایسا راستہ بنایا گیا تھا کہ ایک گھڑ سوار آسانی سے حرکت کر سکے۔ اس راستے سے برج کے سپاہیوں کو سامانِ حرب کی ترسیل کا سلسلہ بہ آسانی جاری رکھا جا سکتا تھا۔ ان برجوں سے راستے، سپاہیوں کی ان کمین گاہوں تک بھی بنائے گئے تھے جہاں سے تیراندازی، شعلہ افگنی اور گرم پانی پھینک کر ان چاروں دروازوں کی حفاظت کی جا سکتی تھی۔ وہ راستے فصیلوں سے گزرتے

Marfat.com

ہوئے دوسرے تمام برجوں تک چلے گئے تھے۔

اس طرح شہر بغداد بنانے والے دوسرے عباسی فرماں روا خلیفہ المنصور نے اپنے مہندسوں اور معماروں سے اس شہر کو بہ ظاہر ناقابلِ تسخیر بنالیا تھا۔

طاہر کے لیے اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی کہ وہ لشکر کو تیروں کی زد سے دور رکھ کر منجنیقوں سے فصیلوں پر سنگ باری کراتا رہے مگر ان مضبوط اور چوڑی فصیلوں پر وہ سنگ باری ایسی تھی جیسے کسی مکان پر بچے پتھراؤ کر رہے ہوں۔

طاہر نے خندق عبور کرنے کے لیے پُل تو تیار کروا لیے تھے لیکن چار ماہ میں ایسی کوئی تدبیر نہیں سوچ سکا تھا کہ لشکر کا بغداد میں داخلہ ممکن ہو جائے۔

ان حالات میں جب طاہر کو آٹھ کوہ پیکر منجنیقیں ملیں تو اس نے اپنی جسمانی توانائی میں اضافہ ہوتا محسوس کیا۔

ان منجنیقوں کے ساتھ، ان سے پھینکے جانے والے، چٹانوں سے کاٹے ہوئے ایسے نکیلے اور اتنے وزنی ٹکڑے بھی تھے کہ نہایت تن درست و توانا خچر بھی ایک یا دو ٹکڑوں سے زیادہ اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ ان ٹکڑوں کو لانے کے لیے آٹھ ہزار ٹٹو، خچر اور اونٹ اس لشکر کے ساتھ آئے تھے اور جلد ہی آٹھ ہزار اور آئے۔ اس کا علم طاہر کو ہرثمہ بن اعین کے خط سے ہوا جو اس لشکر کے سالار کے ذریعے بھیجا گیا تھا۔

''بغداد تم آسانی سے فتح نہیں کر سکو گے طاہر!'' خط میں ہرثمہ بن اعین نے لکھا تھا۔ ''امیر المومنین نے خود مجھ سے کہا ہے کہ تم اس وقت بڑی بے بسی محسوس کر رہے ہو گے۔ انھیں ڈھائی برس پہلے ہی یہ خیال تھا کہ اگر بغداد کا محاصرہ کرنے کی نوبت آئی تو بہت بڑی منجنیقوں کی ضرورت پڑے گی۔ سرحدی تنازعات کی مہم پر روانگی کے وقت انھوں نے خراسان کے نہایت ماہر مہندسوں سے کہا تھا کہ وہ اس قسم کی منجنیقیں تیار کریں جیسی اب تم دیکھ رہے ہو۔ مہندسین کو اتنی بڑی اور مؤثر منجنیقوں کا نقشہ بنانے ہی میں خاصا وقت لگا۔ اس کے بعد کل سازوں اور ترکھانوں کی شب و روز محنت سے یہ اب تیار ہو سکی ہیں اور تمھیں فوری طور پر روانہ کی جا رہی ہیں۔ امیر المومنین کا خیال ہے کہ ان منجنیقوں کو تم فصیل کے بجائے برجوں پر آزماؤ مگر اس محاذ پر کمان دار تم ہو لہٰذا اگر

Marfat.com

تم ان کا استعمال کسی اور طرح کرنا چاہو تو امیر المومنین کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

طاہر نے ان منجنیقوں کا استعمال مامون کی تجویز کے مطابق ہی کیا لیکن اس طرح کہ چار منجنیقوں سے ایک برج پر سنگ باری کروائی اور باقی چار سے ایک اور برج کو ہدف بنایا۔ چٹانوں کے بعض نکیلے ٹکڑوں کا نشانہ خطا بھی ہوتا رہا لیکن جو ٹکڑا برج سے ٹکرا جاتا تھا یا برج کے اندر جا گرتا تھا، اس سے وہاں قیامت برپا ہو جاتی تھی۔

ایک ہی دن میں چار برج مسمار کر دیے گئے۔

اندھیرا پھیلنے کے بعد لشکر خیمہ گاہ میں آ گیا لیکن فصیل شہر سے تھوڑی بہت شعلہ افگنی کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ لوگ تھوڑی بہت روشنی کے ذریعے اس سے باخبر رہنا چاہتے ہوں گے کہ ان کا دشمن رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر پیش قدمی نہ شروع کر دے۔

طاہر جو دن بھر سنگ باری کے سلسلے میں ہدایات جاری کرتا رہا تھا، تھکا ہارا اپنے خیمے میں لیٹا سوچ بچار میں غرق تھا۔ اسے یہ خوشی بھی تھی کہ خراسان سے بھیجے گئے بڑے بڑے نکیلے پتھر بڑے کارگر ثابت ہوئے تھے۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ شہر کے جنوبی پہاڑی سلسلے کی چٹانوں سے کاٹ کر لائے گئے ہوں گے۔ اب اسے فکر یہ تھی کہ ان تمام برجوں کو تباہ کرنے میں ڈھائی ماہ لگ جائیں گے۔ برجوں کی تعداد سات سو تھی۔

طاہر کا یہ اندازہ حساب کا ایک سیدھا سا سوال تھا۔ اسے ڈھائی مہینے ہی لگے لیکن ان برجوں کی تباہی سے فصیلوں کا دفاعی نظام پچاس فی صد ناکارہ ہو گیا۔

آٹھ ہزار اونٹوں وغیرہ کی دوسری کھیپ بھی آ چکی تھی۔ طاہر نے ان برجوں کو تباہ کرنے کے بعد ان منجنیقوں سے اس طرح سنگ باری شروع کروائی کہ پتھر خارجی اور داخلی فصیل کے درمیانی حصے میں جا کر گریں اور وہاں پر موجود سپاہیوں کی کمین گاہوں کا صفایا ہو جائے۔

صبا رفتار گھوڑوں کے ذریعے قاصد اس محاذ اور خراسان کا رابطہ برقرار رکھے رہے تھے۔

طاہر نے فصیلوں کے درمیان سنگ باری کا سلسلہ تین ماہ تک جاری رکھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ دشمن کی دو کمین گاہیں بھی تباہ ہو گئی ہوں گی اور وہ یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ ان

Marfat.com

ساڑھے پانچ مہینوں میں دشمن کے دس ہزار سپاہی ضرور ہلاک ہو گئے ہوں گے جبکہ خود اس کے لشکر کا کوئی سپاہی زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔

اب طاہر نے پیش قدمی کا فیصلہ کیا مگر اسی دن ہرثمہ بن اعین کا خط آیا۔ ''سنگ باری جاری رکھو، اور میرا انتظار کرو۔ میں خود بھی ایک لشکر لے کر آ رہا ہوں۔''

خراسان سے ہرثمہ بن اعین کا جو لشکر روانہ ہوا، اس کے ساتھ مامون بھی تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب جبکہ بغداد کی فتح کا وقت قریب آ گیا ہے، وہ خود بھی وہاں رہے۔ اس نے قصر خلد میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ قصر خلیفہ منصور ہی نے باب خراسان کے مقابل دریائے دجلہ کے کنارے تعمیر کروایا تھا۔ اس قصر کے قریب ہی خاتون زبیدہ نے بھی اپنا ایک قصر ''دارالقرار'' کے نام سے بنوایا تھا اور اس وقت وہ بھی خالی پڑا تھا کیونکہ ہارون الرشید اور اپنے بھائی کی موت کے بعد خاتون زبیدہ کو امین ہی نے بغداد کے قصرالذّہب میں بلوالیا تھا لیکن مامون نے قصر خلد کا انتخاب کیا تھا۔ وہاں سے وہ اس جنگ کی سرگرمی بھی دیکھ سکتا تھا جو باب خراسان کے قریب جاری تھی۔

لشکر کی روانگی سے پہلے مامون کے غلاموں، کنیزوں اور خدام کا قافلہ روانہ کر دیا گیا تھا تاکہ مامون کے پہنچنے سے پہلے، خالی پڑے ہوئے قصر خلد کی صفائی اور آرائش کر دی جائے۔

جب مامون قصر خلد میں اترا تو بغداد کے محاصرے کو تیرہ ماہ گزر چکے تھے۔

ہرثمہ بن اعین اپنے لشکر کے ساتھ طاہر سے جا ملا اور طاہر نے حیرت سے دیکھا کہ آنے والے لشکر کے ساتھ کچھ نئی طرز کی چھ اور منجنیقیں تھیں۔

ہرثمہ بن اعین نے کہا۔ ''ان منجنیقوں سے کچھ ہلکے پتھر پھینکے جائیں گے جو دونوں فصیلوں کے اوپر سے ہوتے ہوئے شہر میں جا کر گریں گے۔''

''لیکن اس طرح تو......''

''میں سمجھ گیا تمھاری بات!'' ہرثمہ بن اعین بول پڑا۔ ''خود امیرالمومنین نے یہ فیصلہ بڑے دکھے دل کے ساتھ کیا ہے کہ ان کے پردادا کا بنایا ہوا یہ خوب صورت شہر بڑی حد تک تباہ و برباد ہو جائے گا لیکن وہاں سراسیمگی اسی سے پھیل سکے گی۔ دراصل امیرالمومنین

Marfat.com

زیادہ خون خرابا نہیں چاہتے۔ اگر وہاں سراسیمگی پھیلائے بغیر پیش قدمی کی گئی تو بہت خوں ریزی ہوگی۔ تمھیں علم نہیں کہ بغداد میں بھی ہمارے مخبر موجود ہیں اور وہاں کی اطلاعات برابر خراسان پہنچتی رہی ہیں۔ بغداد کی آبادی کی اکثریت مسلمان عربوں کی ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ لوگ سپہ گری کا فطری جوہر رکھتے ہیں۔ ان میں بڑا جوش وخروش پیدا ہوگیا ہے۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ کٹ مرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب فضل بن ربیع کا ایک پیغام ہے جو سارے بغداد میں پھیلایا جا چکا ہے۔ اس پیغام میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ تاریخ میں یہ عرب وعجم کی دوسری فیصلہ کن جنگ ہے۔''

طاہر حیرت سے بولا۔''عرب وعجم کی جنگ؟''

''ہاں۔'' ہرثمہ بن اعین نے ٹھنڈی سانس لی۔''چونکہ ہماری فوج میں اکثریت خراسان کی ہے اور امیر المومنین بھی ایک ایرانی ماں کے بطن سے ہیں اس لیے فضل بن ربیع کو عوام میں یہ تاثر پھیلانے کا موقع مل گیا ہے۔''

طاہر نے دانت پیسے اور بولا۔''ایک بار تو میرے جی میں آئی تھی کہ نہر کرخایا سے پانی کاٹ کر جو دو نہریں بغداد میں پہنچائی گئی ہیں، ان کا راستہ بند کر دوں اور بغداد کے لوگ العطش العطش چیختے ہوئے بغداد سے باہر آ جائیں لیکن پھر اس خیال سے یہ ارادہ ترک کر دیا کہ ڈیڑھ صدی پہلے کی دریائے فرات کی تاریخ دہرادی گئی تو میرا نام بھی تاریخ میں اس شخص کے ساتھ آنے لگے گا جو قیامت تک کے لیے ملعون ومطعون قرار پا چکا ہے۔''

''تم نے یہ قدم نہ اٹھا کر بہت اچھا کیا طاہر!'' ہرثمہ بن اعین نے طاہر کا شانہ تھپک کر کہا۔''تم اگر ایسا کر بیٹھتے تو امیر المومنین کو بھی گراں گزرتا۔ وہ تم سے سخت ناراض ہو جاتے۔ چلو اب ان نئی منجنیقوں سے کام کا آغاز کرو۔''

قصر خلد سے مامون دیکھ رہا تھا کہ فضا میں بلند ہوتے ہوئے پتھروں نے فصیلوں کے اوپر سے گزر کر شہر میں گرنا شروع کر دیا تھا۔

نئی چھ منجنیقوں نے چاروں طرف سے سنگ باری شروع کی تھی جس نے بغداد میں ہلچل مچا دی۔ اس موقع پر فضل بن ربیع نے چاہا تھا کہ اب شہر سے باہر نکل کر مقابلہ

Marfat.com

کیا جائے لیکن امین نے اس کی منظوری نہیں دی۔

وہ سنگ باری ایک ماہ تک مسلسل جاری رکھی گئی جس نے خوب صورت بغداد کا حلیہ بگاڑ دیا۔ بہت سی حویلیاں ڈھیر ہوگئیں۔ محلات کے کئی حصے منہدم ہوئے۔ یحیٰی برمکی کا محل ''قصرالطین'' بھی زد میں آیا۔ سرکاری دفاتر بھی پوری طرح محفوظ نہیں رہ سکے۔ شہر پناہ کی دونوں فصیلوں کے بیچ میں ایک بہت بڑا قید خانہ تھا۔ بارگاہِ خلافت سے معتوب ہونے والے وہیں قید کیے جاتے تھے۔ وہ بھی تباہ ہوا۔ اس میں نہ جانے کتنے قیدی زندگی سے نجات پاگئے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ عام لوگوں کے محلے اس سنگ باری کی زد پر نہ آتے۔

ان حالات نے ہر سطح پر حواس باختگی پیدا کردی۔ فوج میں اس بات سے بددلی پھیل گئی تھی کہ انھیں شہر سے باہر جاکر لڑنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ابتدا میں جب فصیل پر سنگ باری کی جارہی تھی تو اس نے ہنس کر فضل بن ربیع سے کہا تھا۔ ''بچے پتھراؤ کررہے ہیں، اکتا کر خود ہی چلے جائیں گے۔''

لیکن اب اس کا چہرہ بھی فق پڑ گیا تھا۔

ہرثمہ نے طاہر کو پیش قدمی کی اجازت دے دی۔ بہت پہلے سے تیار پُل خندق پر ڈال دیے گئے۔ پہلے پیادہ فوج دوڑتی ہوئی اُن پُلوں سے گزر کر فصیل تک پہنچی۔ فصیلوں سے معمولی تیراندازی اور شعلہ افگنی کی جاسکی جس سے صرف آٹھ دس سپاہی ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد گھڑ سوار دستے آگے بڑھے۔ دروازے توڑنے کے لیے بڑے بڑے درخت کاٹ کر لائے گئے تھے۔ ان درختوں کے ٹکروں سے چاروں دروازے توڑے گئے جو کئی پرانی حکومتوں کی یادگار تھے۔ ان میں سے ایک دروازہ شہر واسط سے لاکر لگایا گیا تھا جو حجاج بن یوسف کے زمانے میں بنا تھا۔ اسی طرح باقی دروازے بھی اسی قسم کی اہمیت کے حامل تھے لیکن مضبوط اتنے تھے کہ انھیں توڑنے میں جو وقت لگا، وہ طاہر کے اندازے کے مطابق ہی تھا۔ اندرونی اور بیرونی فصیلوں کے درمیان بھی کوئی خاص مزاحمت نہیں ہوئی اور طاہر کا لشکر دندناتا ہوا شہر میں داخل ہوگیا۔ امین کی فوج کا اب کہیں اجتماع نہ تھا۔ دستے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے جنھیں تہ تیغ کر

Marfat.com

دیا گیا۔ جنھوں نے ہتھیار ڈال دیے انھیں گرفتار کر لیا گیا لیکن شہر کے بدمعاشوں نے طاہر کی سپاہ کو خاصا پریشان کیا۔ ان میں سب سے زیادہ تیز وطرار جماعت ''عیاروں'' کی تھی۔ وہ صرف لنگوٹی باندھے رہتے تھے۔ باقی جسم برہنہ رہتا تھا۔ کمر پر ''گوپھن'' مضبوطی سے باندھے رکھتے تھے۔ وہی ان کے لیے ہتھیار کا کام دیتا تھا۔ پتھروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ان کے ساتھ ہوتی تھی جسے وہ بہ وقتِ ضرورت گوپھن میں رکھ کر استعمال کرتے تھے۔ وہ دبلے پتلے اور بڑے برق رفتار تھے۔ جہاں کوئی اِکا دُکا نظر آیا، اس پر ٹوٹ پڑے، اس کی ساری پونجی چھین لی اور چھلاوے کی طرح غائب ہو گئے۔ دیوانِ شرطہ کو وہ عاجز کیے رکھتے تھے۔ اسی لیے انھیں عیاروں کا نام دیا گیا تھا۔

ان عیاروں کو یہ لوٹ مار کا بڑا اچھا موقع ہاتھ لگا۔ بہ ظاہر وہ امین کی سپر بن گئے مگر کام انھوں نے یہ جاری رکھا کہ نہ صرف بغداد کے گھروں کو لوٹا بلکہ طاہر کی فوج کے چھوٹے موٹے پڑاوٗ پر بھی چھاپے مارنے لگے۔ جو کچھ ان کے ہاتھ لگتا، لے اڑتے اور اس طرح غائب ہو جاتے جیسے انھوں نے کوئی جادو سیکھ لیا ہو۔ ان کی حرکتوں نے طاہر کو اتنا زچ کیا کہ اس نے ان کے گھروں کو منہدم کرانا شروع کر دیا۔ بابِ کوفہ اور بابِ شام سے لے کر نہرِ صراۃ نہرِ کرخایا اور کٹا سر تک ان کے محلے کے محلے برباد کر دیے گئے۔

جب یہ طوفانِ عیاراں کے قابو میں آیا تو طاہر کی فوج دستے بابِ الذہب کی طرف بڑھے۔ یہاں انھیں ایک فوج سے زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ ''جاں نثارانِ امین'' تھے۔ ان کا جوش وولولہ چیخ رہا تھا کہ ''ماریں گے یا مر جائیں گے لیکن جیتے جی اپنے آقا پر آنچ نہ آنے دیں گے۔''

قصر الذہب سے ایک قاصد نہ جانے کس طرح قصر خلد پہنچ گیا۔ وہ مامون کے نام خاتون زبیدہ کا پیغام لایا تھا۔

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں بیٹے!'' اس نے خط میں لکھا تھا۔ ''میں کسی نہ کسی طرح تم تک پہنچ جاؤں گی، اگر تم پسند کرو۔''

مامون کا دل پسیج گیا۔ اسے خیال آیا کہ اسے اپنی سوتیلی ماں کا احترام کرتے ہوئے خود اس کے پاس جانا چاہیے لیکن وہاں ایسی خوں ریز جنگ ہو رہی تھی کہ فی الحال

Marfat.com

مامون کا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس نے جواب لکھ دیا۔ ''میں خود حاضر ہوتا لیکن یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ کسی طرح آسکتی ہیں تو ضرور تشریف لائیں۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے طاہر کو حکم بھیجا کہ خاتون زبیدہ کی سواری محل سے نکلتی دکھائی دے تو کوئی سپاہی قطعی تعرض نہ کرے۔''

خاتون زبیدہ کا پیغام صبح صبح ملا تھا۔ وہ دوپہر سے پہلے مامون سے ملنے پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ زرد اور بال پریشان تھے۔ آنکھوں میں نمی تھی۔ مامون نے خود بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں مامون!'' خاتون زبیدہ جھرجھراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں اعتراف کرتی ہوں کہ میں تم سے نفرت کرتی تھی مگر یقین کرو کہ اب میں یکسر تبدیل ہو چکی ہوں۔''

''ہم جانتے ہیں ام زبیدہ!'' مامون نے سنجیدگی سے کہا۔ ''علی بن عیسیٰ کو آپ نے ہماری گرفتاری کے لیے چاندی کی زنجیر دی تھی۔ اسے ہمارا احترام کرنے کی تاکید بھی کی تھی۔ علی بن عیسیٰ نے اس کا ذکر اپنے لشکریوں سے کیا تھا جن میں سے جو گرفتار کیے گئے انھی میں سے کسی نے یہ سب کچھ بتایا تھا۔ بات ہم تک بھی پہنچ گئی۔''

''امین بہت برا ہے مامون! لیکن میرا بیٹا ہے۔ اگر مراجل زندہ ہوتی تو میں اپنی نمائندگی کے لیے اسی کو بھیجتی اور مجھے یقین ہے کہ اس اچھی عورت کو میرے جذبات کا خیال ضرور ہوتا۔''

''امّی!'' مامون نے کچھ جذباتی لہجے میں کہا۔ ''آپ خود چل کر ہمارے پاس آئی ہیں۔ آپ جو کچھ کہیں گی، ہمیں اس سے انکار نہیں ہوگا۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ امین کی حکومت بغداد میں قائم رہے تو ہمیں واپس چلے جانے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ ہم ابھی اپنی فوج کو جنگ بندی اور واپسی کا حکم دے دیتے ہیں۔ آپ کا پیغام ملنے کے بعد ہی ہم نے طاہر کو حکم دے دیا تھا کہ آپ قصر الذہب سے نکلیں تو آپ کو ہرگز نہیں روکا جائے۔''

''مجھے اس کا اندازہ ہو گیا تھا بیٹے!'' خاتون زبیدہ نے کہا۔ ''میں تمھارے پاس یہ خواہش لے کر ہرگز نہیں آئی ہوں کہ تم بغداد میں میرے بیٹے کی حکومت قائم رہنے دو۔

Marfat.com

ہرگز نہیں مامون! مسندِ خلافت پر بیٹھنے کا اور سلطنتِ عباسیہ کے بلاشرکت غیرے فرماں روا بننے کا حق پہلے بھی تمھیں تھا، آج بھی تمھیں ہے۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ میرا ناخلف بیٹا زندہ رہے۔ میں اسے لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔ ہم سلطنتِ عباسیہ سے کہیں دور اپنا ٹھکانا بنالیں گے۔''

''نہیں امّ!'' مامون نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''آپ قصرالذّہب ہی میں رہیں گی۔ امین کو بھی ہم اپنے ساتھ رکھیں گے۔''

مامون نے خاتون زبیدہ کے مزید کچھ بولنے سے پہلے فضل بن سہل کے لیے حکم صادر کر دیا کہ وہ جا کر طاہر سے کہہ دے کہ قصرالذّہب پر قبضے کے دوران میں امین کو ذرا بھی گزند نہ پہنچے۔

دوسری طرف امین اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کی ماں اس کی سلامتی کے لیے دامن پھیلانے کے لیے مامون کے پاس جا چکی ہے۔ اس نے ایک قاصد کے ذریعے اپنا خط طاہر کو بھیجا۔

''سالارِ عباسیہ! ہم جانتے ہیں کہ تم حکم کی تعمیل کر رہے ہو۔ ہم سے تمھیں کوئی ذاتی پرخاش نہیں۔ اس خانہ جنگی سے اب عزت و ناموس خطرے میں پڑ گئی ہے۔ ہم تم سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے بھائی مامون کے پاس چلا جانے دو۔ ہم اس کی فیاضی اور نرم دلی سے توقع رکھتے ہیں کہ ہمیں امان مل جائے گی۔''

طاہر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی سفاکانہ لکیر کھنچ گئی۔ امین کے لیے اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں تھا۔ اس نے جواب میں لکھا۔ ''حضور دجلہ کی طرف کے دروازے سے باہر آئیں۔ میں وہاں آپ کے استقبال کے لیے موجود رہوں گا۔''

دوسری طرف قصرخلد میں خاتون زبیدہ نڈھال بیٹھی ہوئی تھی اور مامون اس کی دل جوئی کر رہا تھا۔ اسے خاصا وقت گزر جانے کے بعد اطلاع ملی کہ فضل بن سہل برابر کے کمرے میں اس کا منتظر ہے۔ مامون زبیدہ خاتون کو چھوڑ کر فوراً اس کمرے میں پہنچا اور اس کے دل کو جیسے کسی نیزے نے گھائل کر دیا۔

فضل بن سہل ایک تشت میں امین کا کٹا ہوا سر لے کر آیا تھا۔

Marfat.com

''دیر ہوگئی تھی امیر المومنین!'' فضل بن سہل نے نظریں جھکا کر کہا۔''امین نے طاہر کو خط لکھا تھا کہ......'' فضل بن سہل نے سارا ماجرا بیان کیا اور بولا۔''دجلہ کی طرف کے دروازے پر یہ کھیل ایک لمحے میں ختم ہوگیا۔ طاہر کا خیال تھا کہ اس طرح رہی سہی مزاحمت دم توڑ دے گی اور مزید جانوں کا زیاں نہیں ہوگا۔''

''ہم اب اُمّ کا سامنے کیسے کریں گے ابنِ سہل!'' مامون نے بے بسی سے کہا۔ اس نے امین کے کٹے ہوئے سر سے نظریں ہٹالی تھیں۔ وہ فضل بن سہل ہی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن فضل بن سہل کی نظریں اس کے عقب میں دروازے کی طرف تھیں۔

مامون نے مڑ کر دیکھا۔ وہاں خاتون زبیدہ کھڑی تھی۔ اس نے فضل بن سہل کی وجہ سے اپنا چہرہ نقاب میں چھپا لیا تھا۔ وہ مجسمے کی طرح ساکت کھڑی تھی اور اس کی نظریں امین کے کٹے ہوئے سر پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں صحراؤں کی سی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

''اُمّ!'' مامون بے اختیار بولا۔''یقین کیجیے کہ ہماری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔''

مامون کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ خاتون زبیدہ نے وہ سب کچھ سن لیا تھا جو فضل بن سہل نے بتایا تھا، اور وہ جملہ بھی سن لیا تھا جو مامون نے ابن سہل سے کہا تھا۔

قصرِ خلد کے باہر جنگ ختم ہو چکی تھی۔

مامون نے بھائی کی موت پر تین روزہ سوگ کا اعلان کیا۔ چوتھے دن وہ خاتون زبیدہ کو بڑے احترام کے ساتھ قصرِ الذہب لے گیا۔

طاہر نے حرم سرا کا احترام ملحوظ رکھا تھا۔ وہاں عورتیں اب بھی ماتم کناں تھیں اور بچے رو رہے تھے۔

مامون نے امین کے بچوں کو اپنے سینے سے لگایا اور پھر انھیں خاتون زبیدہ کی تحویل میں دے دیا۔

چوتھے دن اس نے دربار کیا۔ دربار میں رافع بھی موجود تھا۔

''رافع بن لیث!'' مامون نے کہا۔''عروبہ کہاں ہے؟''

''مجھے علم نہیں امیر المومنین!'' رافع نے کہا۔''آپ کے حکم کے مطابق ہم اس

Marfat.com

دن کے بعد کبھی نہیں ملے۔''

''ذوالریاستین!''

''امیر المومنین!'' فضل بن سہل ادب سے کھڑا ہو گیا۔

''دیوانِ الشرطہ کو معلوم ہوگا کہ عروبہ کہاں ہے۔ اس نے ہماری جو مدد کی تھی، اس سے چار گنا اسے واپس کر دیا جائے۔ جن لوگوں نے ہمیں بلخ میں کچھ نذر کیا تھا، ان کے لیے بھی ہماری نوازشات کے دروازے بند نہ کیے جائیں۔'' پھر وہ رافع سے مخاطب ہوا۔ ''نیشاپور کے گواہ کہاں ہیں رافع بن لیث؟''

''میں انھیں بغداد لے آیا ہوں امیر المومنین!''

''ذوالریاستین!''

''امیر المومنین!''

''بغداد کے جو لوگ یحییٰ بن اشعث کی دروغ گوئی کے گواہ ہیں، انھیں بھی قاضی القضاۃ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا اور یحییٰ بن اشعث کو بھی!...... اپنی دروغ گوئی کی سزا اسے بھی ملنا چاہیے۔ عروبہ کو پیغام بھیج دو کہ وہ پانچ دن بعد قاضی القضاۃ کی عدالت میں پیش ہو۔''

''تعمیل ہوگی امیر المومنین!''

پانچ دن بعد قاضی القضاۃ نے عروبہ اور رافع بن لیث کو اجازت دے دی کہ اب وہ میاں بیوی کی حیثیت سے آزادانہ زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یحییٰ بن اشعث کو دروغ گوئی کی سخت سزا سنائی گئی۔

مامون نے خزانۂ عامرہ سے ایک خطیر رقم بغداد کی دوبارہ تعمیر کے لیے مختص کی لیکن یہ اندازہ اسے خود بھی تھا کہ بغداد اب اتنا خوب صورت نہیں بنایا جا سکے گا جتنا خوب صورت اسے خلیفہ المنصور نے بنایا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

بابک خرمی

دف اور چنگ ورباب کی آوازیں پہاڑوں سے ٹکرا کر گونج پیدا کر رہی تھیں۔ وہ مازندان کے سلسلۂ کوہ کا ایک دور افتادہ حصہ تھا۔ جہاں وہ محفل نغمہ وطرب آراستہ تھی، اس کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ درمیان میں خاصا بڑا قطعۂ زمین نہایت ہم وار تھا۔ اس چٹانی زمین کو اتنا ہم وار بنانے میں انسانی ہاتھوں کی محنت کار فرما تھی۔ وہ اس لیے بنایا گیا تھا کہ وہاں ''فرقہ خرمیہ'' کے لوگ اپنا ایک سالانہ تہوار منا سکیں۔ اس تہوار پر بے حجابانہ عیش وعشرت کے تمام سامان ہوتے تھے۔ اس فرقے میں یہ بھی کوئی شرم ناک بات نہیں تھی کہ وہ اپنی بیویاں ایک دوسرے سے بدل لیتے تھے۔ اس تہوار کے موقع پر ان کی وہ محفلِ طرب رات گئے تک جاری رہتی تھی اور اس وقت تو رات اپنے دوسرے ہی پہر میں تھی۔

ایک جوان العمر شخص رباب بجا بجا کر ایسے اشعار گا رہا تھا جن میں وصل، شباب، جوش، شراب اور بوس وکنار کے مضمون باندھے گئے تھے۔ اس کے گیت کے ساتھ ایک حور وش نازنین رقص کر رہی تھی۔ اس کے گداز وسیمیں بدن پر جو لباس تھا، وہ اس کی ستر پوشی کرنے کے بجائے دیکھنے والوں کے لیے ہیجان کا سبب بن رہا تھا۔ اس کی کمر پر بندھے ہوئے زنار سے ریشمی کپڑوں کی دھجیاں لٹکی ہوئی تھیں جو اس کے ٹخنوں سے کچھ اوپر تک ہی لمبی تھیں۔ جسم کے اوپری حصے کی ''پوشش'' رنگا رنگ موتیوں کی جھالروں سے کی گئی تھیں۔

ہیجان خیز جسم کی مالک اس رقاصہ کا نام طاؤس تھا جو فرقہ خرمیہ کے قائد ''بابک خرمی'' کے ایک سالار ''طرخان'' کی بیوی تھی۔ ان دونوں کی شادی ہوئے ابھی ایک سال بھی

Marfat.com

نہیں گزرا تھا۔ وہ کنیزوں کے بازار خریدی گئی تھی۔ طرخان اسے خریدنے کے بعد فوراً ہی اپنے نکاح میں لے آیا تھا۔

پہاڑوں کے درمیان اس قطعہ زمین پر نرم و دبیز قالین بچھے ہوئے تھے جن پر بیٹھے ہوئے مردوں اور عورتوں کی تعداد یکساں تھی۔ ان سب کے سامنے شراب کی صراحیاں اور پیالے موجود تھے۔ ان کا کوئی ساقی نہیں تھا۔ وہ خود ہی پیالے بھر رہے تھے، پی رہے تھے اور طاؤس کے رقص سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ گانے والے کی آواز اور بے حجابانہ اشعار سے بھی محظوظ ہو رہے تھے۔ ہر نوع کی بے حجابی ہی ان کے اس تہوار کا طرۂ امتیاز تھی۔

خود طرخان بھی اس محفل میں موجود تھا اور کسی دوسرے کی بیوی کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں طاؤس کے بجائے دوسرے لوگوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ جن کو طاؤس کا رقص دیکھتے ہوئے خواہشات کے ناگ ڈس رہے تھے، ان کے چہروں کے تاثرات سے طرخان بہت خوش ہو رہا تھا۔ وہ سب بے بسی کا شکار تھے۔ انھیں اندازہ تھا کہ طاؤس انھیں قبول نہیں کرے گی۔ ''اشتراکِ ازواج'' ان کے فرقے میں قطعی معیوب نہ تھا لیکن اس کے لیے متعلقہ فریقین کی رضامندی لازمی تھی اور طاؤس کی خواہش کرنے والے اسی لیے اپنے چہروں پر بے بسی ''سجائے'' ہوئے تھے۔ انھیں علم ہو چکا تھا کہ طاؤس انھیں طرخان کی اجازت کے بغیر قبول نہیں کرے گی اور طرخان اس کے معاملے میں بہت حساس تھا۔ اس کی دوسری بیویاں کسی اور کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی تھیں تو وہ معترض نہیں ہوتا تھا لیکن طاؤس کو صرف اپنی ملکیت رکھنا چاہتا تھا۔

محفل اپنے شباب پر تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ فوراً رقص اور گانا روک دیا گیا۔ تمام لوگ اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے آنے والوں کا یا ان میں سے کسی ایک کا ادب کرنا ان کے لیے لازم ہو۔

مشرق کی جانب ایک پتلا سا درہ تھا جس سے دو گھڑ سوار برآمد ہوئے۔ ان کے پیچھے صرف ایک گھڑ سوار تھا۔ اس کے پیچھے دو گھڑ سوار اور تھے۔

محفل کے لوگ اس طرح سمٹ گئے کہ ان کے درمیان بس اتنی کشادہ جگہ

Marfat.com

چھوٹ گئی کہ گھڑسوار بہ آسانی گزر سکیں۔

بیچ کے گھوڑے کا سوار ان کے فرقے کا قائد بابک خرّمی تھا جس نے سفید جبہ پہنا ہوا تھا۔ چہرے پر خشخشی داڑھی تھی لیکن سر کے بال اتنے لمبے تھے کہ اس کے شانوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی عمر چالیس سال سے کم اور پینتیس سال سے زیادہ تھی۔ اس کی آنکھیں وہاں ہر طرف پھیلی ہوئی مشعلوں کی روشنی میں غیر معمولی طور پر جگمگا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ جو چار گھڑسوار تھے، وہ اس کے جاں باز محافظ تھے۔

بابک خرّمی کا گھوڑا جن مرد وزن کے قریب سے گزرتا، وہ نظریں جھکا کر خود بھی تھوڑا سا جھک جاتے۔ بابک خرّمی ان سب کو مشفقانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتا ہوا اپنے گھوڑے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ اپنے چاروں محافظوں کے ساتھ مغرب کی طرف ایک تنگ سے درّے میں جا کر سب کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

دف پر تھاپ پڑی۔ چنگ و رباب کو جیسے ہوش آ گیا۔ گانا پھر شروع ہوا۔ طاؤس پھر رقص کرنے لگی۔ جام پھر کھنکنے لگے اور محفل اسی رنگ میں آ گئی جس رنگ میں تھی۔

کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ مغربی درّے سے ایک تنومند حبشی غلام نکلا جو صرف زیر جامہ پہنے ہوئے تھا۔ کچھ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھیں لیکن نغمہ و رقص جاری رہا۔

غلام محفل پر طائرانہ نظریں دوڑاتا ہوا اس جگہ جا رکا جہاں طرخان بیٹھا ہوا تھا۔ غلام نے جھک کر اس سے کچھ کہا۔ وہ فوراً اس عورت کو چھوڑ کر اٹھ گیا جس کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کھڑے کھڑے اپنی جرابیں پہنیں اور تیزی سے مغربی درّے کی طرف بڑھنے لگا۔ طاؤس نے اس پر ایک نظر ڈالی مگر اپنا رقص جاری رکھا۔

محفل میں ہر شخص نے سمجھ لیا تھا کہ اپنے سالار کو بابک خرّمی نے طلب کیا ہوگا، اور ان لوگوں کا یہ خیال درست تھا۔

کچھ بلندی پر پہاڑ کے ایک غار میں بابک خرّمی ایک قالین پر بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا کہ طرخان غار میں داخل ہوا۔

''آپ نے مجھے یاد فرمایا ظلِ یزداں؟'' وہ بولا۔

''آؤ طرخان!'' بابک خرّمی نے اس کی طرف دیکھا۔ ''ہمیں تم سے کچھ مشورہ

Marfat.com

بھی کرنا ہے اور ایک ضروری کام بھی ہے۔"

طرخان کچھ فاصلے پر ادب سے بیٹھ گیا۔

بابک خرمی بولا۔ "ہم مشورے کے لیے معاویہ کو بھی بلاتے لیکن وہ ایک کام سے گیا ہوا ہے۔"

طرخان کی طرح معاویہ بھی فرقۂ خرمیہ کے جنگ جوؤں کا ایک سالار تھا۔

"کوئی خاص معاملہ ہے ظلِ یزداں؟" طرخان نے پوچھا۔

"کچھ زیادہ خاص بھی نہیں۔ دراصل کئی سال پہلے ہم نے سوچا تھا کہ اس تہوار کے موقع تک ہماری تیاریاں مکمل ہو چکی ہوں گی اور ہم اس مبارک ساعت میں سلطنتِ عباسیہ کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیں گے، لیکن ایسا نہیں کیا جا سکا۔"

"تیاریاں تو مکمل ہو چکی ہیں ظلِ یزداں!"

"لیکن ابتدا میں ہی تم لوگوں کو خطرات میں ڈالنا مناسب نہیں ہوگا۔" بابک خرمی نے کہا۔ "مامون نے بغداد کے بجائے خراسان کو اپنا دارالخلافہ بنا کر مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ نصف لشکرِ عباسیہ کی چھاؤنیاں خراسان ہی میں بن گئی ہیں۔ وہ گویا تم لوگوں کے سر پر بیٹھا ہوا ہے۔ اگر وہ اپنے اجداد کی طرح بغداد ہی میں رہتا تو تمھارے مقابلے کے لیے جو لشکر بھیجتا، اسے یہاں پہنچنے میں وقت بھی لگتا اور وہ کوئی بہت بڑا لشکر بھی نہیں ہوتا جس سے مقابلے میں تم لوگوں کو زیادہ پریشانی ہوتی۔"

"ہم میں سے کون ہے ظلِ یزداں جو آپ کے اشارے پر اپنا سر کٹانے کے لیے تیار نہ ہو!" طرخان نے کہا۔

"لیکن ہم نہیں چاہتے کہ تم سب اپنے سر کٹا بیٹھو۔ ہم تم لوگوں کو دنیا میں پھلتا پھولتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ضروری ہوگا کہ مامون اپنا دارالخلافہ بغداد لے جائے اور اعلانِ بغاوت اس کے بعد ہی ہو۔ ایسا ہو بھی جاتا کیونکہ اہلِ بغداد اپنے خلیفہ کی اس حرکت سے خوش نہیں ہیں لیکن مامون ان کی برافروختگی سے بے خبر ہے۔ اس کی بے خبری کا سبب اس کا وزیرِ سلطنت فضل بن سہل ہے جس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے رکھے ہیں اور کوئی خبر مامون کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا۔ اگر مامون کو

Marfat.com

تمام حالات کا علم ہو جائے تو وہ بغداد جانے میں دیر نہیں لگائے گا۔ فضل بن سہل پر اس نے اتنا اعتماد کر لیا ہے کہ امورِ سلطنت کلی طور پر اسے سونپ کر عیش و عشرت میں پڑ گیا ہے۔"

طرخان بولا۔ "گویا آپ اس معاملے میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں کہ مامون کو کسی طرح بغداد جانے پر مجبور کر دیا جائے؟"

"مشورے کی بات تو ہم بس روا روی میں کہہ گئے۔" بابک خرمی نے جواب دیا۔ "ہم سوچ چکے ہیں کہ یہ کام کس طرح ممکن ہے۔ بس کسی طرح مامون کو ان حالات کا علم ہونا چاہیے۔ اس میں مشکل یہ ہے کہ فضل کی وجہ سے کسی کی رسائی مامون تک نہیں ہو پاتی لیکن ہم نے سوچ لیا ہے کہ یہ مشکل کس طرح آسان ہو سکتی ہے۔ یہ کام تمھاری بیوی طاؤس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہوگا۔"

"طاؤس؟" طرخان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔" بابک خرمی نے کہا۔ "تم نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں۔ جب تم نے طاؤس کو خریدا تھا تو اس کے ساتھ ایک کنیز عریب کو مامون کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور وہ اسے بہت زیادہ پسند آئی تھی۔ یہ بات عریب کو بیچنے والے تاجر کی زبانی معلوم ہوئی ہے۔ عریب کی جو خصوصیات ہمارے علم میں آئی ہیں اور ہمیں مامون کے مزاج کے بارے میں اتنا کچھ معلوم ہے کہ ہم ایک اندازہ لگا سکتے ہیں۔ عریب کو مامون کا قربِ خاص حاصل ہو چکا ہوگا اور یہ بات تو یقینی ہے کہ عریب اور طاؤس ایک دوسرے سے خوب واقف ہوں گی۔"

"عریب۔" طرخان نے زیرِ لب دہرایا، جیسے کچھ یاد کر رہا ہو، پھر اس نے کہا۔ "آپ درست فرما رہے ہیں ظلِ یزداں! مجھے ابھی یاد آیا ہے کہ طاؤس کئی مرتبہ اپنی ایک سہیلی عریب کا ذکر کرتی رہی ہے۔ فروخت ہونے سے پہلے ان دونوں کا بہت ساتھ رہا ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو بہت پسند کرنے لگی تھیں۔"

"لہٰذا" بابک خرمی نے مسکرا کر کہا۔ "وہ عریب سے ملنے قصرِ مامون میں جا سکتی ہے اور عریب کے ساتھ اس قصر میں رہ بھی سکتی ہے۔ اس کے ذریعے وہ باتیں مامون کے کانوں تک پہنچائی جا سکتی ہیں جن سے وہ بے خبر ہے۔ اس کے بعد وہ بغداد جانے میں بہت عجلت کرے گا۔"

Marfat.com

''تو میں ابھی جا کر طاؤس سے بات کرتا ہوں۔'' طرخان نے کہا۔

''تم اسے وہ سب کچھ نہیں سمجھا سکو گے جو اسے عریب کے ذریعے مامون کے کانوں تک پہنچانا ہے۔ اسے ہم ہی سمجھا سکتے ہیں۔ تم جاؤ اور اسے ہمارے پاس بھیج دو۔''

''بہتر۔'' طرخان مؤدبانہ انداز میں سر ہلا کر کھڑا ہو گیا۔

بابک خرمی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اسے اکیلا ہی بھیجنا۔ تم اس کے ساتھ نہ آنا، اور اس کی واپسی کا انتظار بھی نہ کرنا۔ آج رات وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔''

طرخان کے چہرے پر مسرت چمکنے لگی۔ یہ اس کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا کہ اس کے ظلِ یزداں نے اس رات کے لیے اس کی بیوی کا انتخاب کیا تھا۔

وہ خوشی خوشی رخصت ہوا اور ذرا دیر بعد ہی اس کی بیوی طاؤس غار میں داخل ہوئی۔ وہ اسی ''لباس نالباسی'' میں تھی جس میں اسے رقص کرتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کے دل مچلتے رہے تھے اور خواہشیں تڑپتی رہی تھیں۔

طرخان کی طرح طاؤس بھی اس وقت بہت خوش تھی۔ سال بھر بعد آخر اسے ایک ایسا موقع ملنے والا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کام یابی حاصل کر لیتی۔ اگرچہ ابھی اسے علم نہیں تھا کہ بابک خرمی اس سے کیا کام لیتا لیکن اسے طرخان سے یہ اشارہ مل گیا تھا کہ بابک خرمی اسے اپنے کسی مقصد سے مامون کے محل میں بھیجنا چاہتا تھا۔ اس بہانے وہ ایک تو خرمیوں کے دائرۂ اثر سے نکل جاتی، دوسرے اسے کچھ ایسی کام یابیاں بھی حاصل ہو جاتیں جن کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے یہ کام یابی تو حاصل ہو ہی چکی تھی کہ اس نے خرمیوں کے عقائد اور ان کے مذہب کا پس منظر جان لیا تھا۔

☆☆☆

بابک خرمی کا دعویٰ تھا کہ خدا اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ بنیادی طور پر وہ مجوسیوں کے ایک فرقے ''خرمیہ'' سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی بڑی ناآسودگی میں گزری تھی۔ اس کا باپ کرائے کا ایک سپاہی تھا جو مدائن میں ایک نابینا لیکن قبول صورت لڑکی سے ملا اور کچھ دن اس کے ساتھ گزار کر ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نہیں لوٹا۔ بابک انھی دونوں کی ملاقات کا ثمر تھا۔ وہ دس سال تک اپنی نابینا ماں کے

Marfat.com

ساتھ رہا جس نے لوگوں کے بچوں کو اجرت پر دودھ پلا کر بابک کی پرورش کی۔ دس سال کی عمر میں وہ کسی وجہ سے اپنی ماں کو چھوڑ کر مدائن سے بھاگ نکلا۔ وہ کسی اچھی زندگی کا متلاشی تھا جو اسے نہیں مل سکی۔ وہ آٹھ سال تک تبریز اور اس کے نواح میں مویشی چراتا اور سائیس کی حیثیت سے ملازمت کرتا رہا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ اپنی ماں کے پاس مدائن لوٹ آیا۔ وہاں اسے خرمیوں کے قائد ''جاوداں'' نے دیکھا اور اس نے بابک کے بشرے سے بھانپ لیا کہ وہ ایک ذہین نوجوان تھا جس کی صلاحیتیں فرقہ خرمیہ کے کام آسکتی تھیں۔ وہ اسے سبز باغ دکھا کر اپنے ساتھ لے گیا۔

خرمیوں کی قیادت کے معاملے میں ایک شخص ابوعمران اس کا حریف تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ خرمیوں کی قیادت اس کا حق تھی۔ اس نے کچھ لوگوں کو اپنا طرف دار بھی بنا لیا تھا۔ ایک موقع پر ان دونوں میں ایک خوں ریز جنگ ہوگئی۔ عددی اعتبار سے بابک کا پلّہ بھاری تھا لہٰذا ابوعمران اس جنگ میں مارا گیا لیکن جاوداں کو بھی نیزے کے ایسے زخم لگے کہ وہ جاں بر نہ ہوسکا اور تین دن میں مرگیا۔

جاوداں کی بیوی پہلے ہی سے وجیہہ وجمیل بابک کے عشق میں مبتلا ہوچکی تھی۔ دونوں میں خفیہ تعلقات بھی قائم ہوچکے تھے۔ اس نے بابک سے باقاعدہ شادی کرنے اور اسے اپنے شوہر کی جگہ پر لانے کے لیے ایک افسانہ تراش لیا۔

خرمیوں سے کہا گیا کہ جاوداں نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ اس کا جانشیں بابک ہوگا کیونکہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر بابک کے جسم میں داخل ہوجائے گی، لہٰذا خرمیوں پر اب اسی کی اطاعت لازم ہوگی۔

تراشیدہ وصیت کے مطابق جاوداں کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو بھی بابک سے شادی کرنا تھی۔

فرقے کے لوگ جاوداں کی وجہ سے اس کی بیوی کا بھی احترام کرتے تھے لہٰذا اس فرضی وصیت پر یقین کرلیا گیا۔ جاوداں کی بیوی نے بابک سے شادی کرلی اور وہ فرقے کا قائد بھی بن گیا۔

بابک کی ابتدائی زندگی کیونکہ دنیا کے رحم وکرم پر رہی تھی اس لیے وہ خواہاں تھا

Marfat.com

کہ حالات کو اس نہج پر لائے کہ دنیا اس کے رحم و کرم پر ہو۔ اس نے اپنے فرقے کے عقائد میں ایسی تبدیلیاں کیں جن سے وہ ''مادر پدر آزاد'' ہو جائیں۔ فرقے کے لوگوں کو اس آزادی کی بنیاد بابک کے اس فقرے میں تھی کہ دل جس چیز کو قبول کرے، وہ حلال ہے۔

یہ آزادی ملنے کی وجہ سے فرقے میں شمولیت کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ اس کے بعد بابک نے عسکری تربیت فرقہ خرمیہ کے ہر فرد کے لیے لازمی قرار دی اور کہا کہ دنیا میں سچائی پھیلانے کے لیے ابتدا میں تلوار ہی کی طاقت کام آتی ہے۔

بابک سلطنتِ عباسیہ سے ٹکر لے کر اقتدار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اڈان اور آذر بائیجان کے درمیان ایک گاؤں ''بذان'' کے ایک نہایت دشوار گزار پہاڑی علاقے کو اپنا مستقر بنایا اور خفیہ طور پر عسکری تیاریاں جاری رکھیں۔ کیونکہ وہ ''الوہیت'' کا دعویٰ کر چکا تھا اور فرقے کے لوگ اس پر ایمان لے آئے تھے، اسی لیے وہ اسے ''ظلِ یزداں'' کہتے تھے، یعنی ''خدا کا سایہ'' مجوسی فرقے ''کیومرثیہ'' کا اعتقاد تھا کہ اصولِ خیر، یعنی ''یزداں'' غیر مخلوق ہے۔ وہیں سے یہ لفظ فرقہ خرمیہ نے لیا تھا۔

اس فرقے کے نام اور اس کے عقائد کی بازگشت خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں سن لی گئی تھی اس لیے ممکن نہ تھا کہ وہ باتیں مامون کے کانوں تک نہ پہنچی ہوں لیکن وہ اب تک اسے کسی کی افسانہ تراشی سمجھتا آ رہا تھا۔ اس کی زندگی بھی کچھ ایسے ہنگامی انداز میں گزرتی رہی تھی کہ اس نے اس بارے میں سنجیدگی سے کبھی کچھ سوچا نہ تھا۔

جب اسے خلافت مل گئی تو اس نے محسوس کیا کہ اب اس کی زندگی میں آسودگی کا دور شروع ہوا ہے۔ اس نے خراسان کو اپنا دارالخلافہ غالباً ماں سے اپنی انسیت کی وجہ سے بنایا۔ اس کی ماں خیزران ایرانی تھی۔

آسودگی کا وہ دور ملتے ہی اس نے اپنی زندگی عیش و عشرت میں غرق کر دی۔ حسن و شباب اور بادہ و ساغر اس کی زندگی کا محور بن گئے۔ اس کے محل میں خوب صورت کنیزوں کے جھرمٹ نظر آنے لگے۔

کنیزوں کے سوداگر فروخت سے پہلے ان کو موسیقی، شاعری، ظرافت، ادب، خوش نویسی اور حاضر جوابی کی تعلیم دلوایا کرتے تھے تا کہ انھیں گراں قیمتوں پر فروخت کیا جا سکے۔

Marfat.com

جس کنیز میں جتنی زیادہ صلاحیت ہوتی تھی وہ ان فنون میں اتنی ہی زیادہ دست گاہ حاصل کر لیتی تھی۔ اس طرح تاجروں کو اچھی قیمت اور کنیزوں کو ''اچھے آقا'' میسر آ جاتے تھے۔

ایک تاجر سفیان مشہدی نے ایک کنیز عریب کے عوض خزانہ خلافت سے ایک لاکھ درہم وصول کیے تھے۔

عریب علم وفن میں یکتائے روزگار تھی۔ وہ مامون کی محبوبۂ خاص بن گئی۔ مامون اسے دیوانگی کی حد تک چاہنے لگا تھا۔ کچھ دن ہوئے وہ کسی بات پر مامون سے ناراض ہوگئی تھی۔ مامون فرماں روائے وقت ہونے کے باوجود ''وصل بالجبر'' کا قائل نہ تھا اس لیے بہت بے چین رہنے لگا تھا۔ عریب کو منانے کے لیے اس کی بہت سی کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔

درباری اُمرا میں سے ایک شخص کسی کام سے مامون کے پاس آیا تو اس کا مدعا سننے کے بعد مامون نے مسکرا کر کہا۔ ''تمھارا یہ کام ضرور ہو جائے گا، بشرطیکہ تم عریب سے ہماری صلح کرادو۔''

پردے کے پیچھے عریب نے یہ بات سن لی اور بہ آوازِ بلند بول پڑی۔

''صلح کرانے کے لیے کوئی غیر شخص ہمارے بیچ میں پڑنے کا مجاز کیوں ہو!''

عریب جب سے ناراض ہوئی تھی، مکمل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھی۔ اب جو وہ بول پڑی تو مامون خوش ہوگیا۔

''ہم تو تمھیں منانے میں ناکام ہی رہے ہیں عریب!'' مامون نے کہا۔

''محبت میں کسی غیر کو دخل اندازی کی دعوت دینا تو بڑی غیر شاعرانہ بات ہے۔'' عریب نے جواب دیا۔

درباری امیر نے اس موقع پر بہ عجلت رخصت ہو جانا مناسب سمجھا۔

مامون نے کہا۔ ''مناتے مناتے ہم اس حد تک تھک گئے ہیں کہ اس نزاکت کا خیال ہی نہ رہا۔''

عریب پردے سے نکل کر مامون کے سامنے آ گئی۔

''بس!'' وہ ایک ادا سے بولی۔ ''اتنی جلدی تھک گئے؟ اتنی ہی محبت ہے؟''

Marfat.com

"تمھیں اندازہ نہیں عریب کہ ہم تمھیں کتنا چاہتے ہیں!"

"خاک چاہتے ہیں!" عریب نے عشوہ دکھایا۔ "ذرا بھی تو خیال نہیں کہ جب تنہا ہوتی ہوں تو جانِ حزیں پر کیا گزرتی ہے!"

"حزیں کیوں؟" مامون جلدی سے بولا۔ "محل میں تمھیں کس چیز کی کمی ہے؟ اور اگر کمی ہے تو ہمیں بتاتیں!"

"جب آپ ساتھ نہ ہوں تو میری تنہائی کا ازالہ کیونکر ممکن ہے؟ آپ کی کنیزوں میں کوئی بھی مجھے اتنی پسند نہیں کہ میں اسے اپنی ہمدم وہم ساز بنالوں!"

"اب ہم تم سا کہاں سے لائیں عریب!" مامون نے والہانہ انداز میں کہا۔

عریب نے ایک ٹھنڈی سانس لی، پھر کہا۔ "ایسے ہی موقعوں پر ہمیں اپنی ایک سہیلی طاؤس بہت یاد آتی ہے۔"

"تو اسے بلالو یہاں!"

عریب نے آزردگی سے کہا۔ "وہ بھی کنیز ہے کسی کی!"

"کس کی کنیز ہے؟ ہمیں بتاؤ! ہم اس کے آقا کو اس کی منہ مانگی قیمت ادا کر دیں گے۔ اگر وہ کسی صورت تیار نہ ہوا تو ہم اسے تباہ و برباد کر دیں گے۔" مامون کے اندر کا فرماں روا جاگ اٹھا۔

"یہ وعدہ ہے آپ کا؟" عریب نے بڑے ناز سے پوچھا۔

"بے شک۔" مامون نے زور دے کر کہا۔ "یہ ہمارا وعدہ ہے۔"

"تو سینے! اسے آذربائیجان کے ایک شخص طرخان نے خریدا تھا۔ وہ وہاں کا ایک مشہور عطر فروش ہے۔ بس اتنا ہی جانتی ہوں اس کے بارے میں۔"

"اگر وہ مشہور ہے تو اس کا پتا آسانی سے معلوم ہو جائے گا۔ ہم آج ہی ذوالریاستین کو حکم دیں گے کہ طاؤس جلد از جلد ہمارے محل میں ہونا چاہیے۔"

مامون نے اپنے وزیر سلطنت فضل بن سہل کو "ذوالریاستین" کا خطاب دیا تھا کیونکہ اس نے بیک وقت دو منصب سنبھال رکھے تھے۔

یہ وعدہ کر کے مامون نے اپنی روٹھی ہوئی محبوبہ کو منالیا۔ اور اس رات جب

Marfat.com

مامون نشے سے سرشار ہوکر سویا تو اس کا سر عریب کے سیمیں بازو پر تھا۔ جب عریب کو یقین ہوگیا کہ مامون خوابِ غفلت میں جا چکا ہے تو اس نے بہ آہستگی اپنا بازو اس کے سر کے نیچے سے نکالا۔ نیند ابھی اس کی آنکھوں سے دور تھی۔ چہرے پر سوچ بچار کے تاثرات تھے۔ اس نے طاؤس کا پیغام اتنی بار پڑھا تھا کہ الفاظ اس کے دماغ میں نقش ہوکر رہ گئے تھے۔

طاؤس نے لکھا تھا۔ ''عریب! تم حیران رہ جاؤ گی کہ میں ایک سال بعد اچانک تم سے رابطہ کر رہی ہوں۔ حیرت تمھیں اس پر بھی ہوگی کہ میرا پیغام تمھیں محل کے ایک خواجہ سرا کے ذریعے ملے گا۔ میں کم سے کم لکھنا چاہتی ہوں اس لیے تفصیل میں نہیں جاؤں گی۔ میں آذربائیجان کے ایک مشہور عطر فروش طرخان کی کنیز ہوں۔ میرا پتا آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ ہم دونوں کی ملاقات ہو سکے؟...... تمھاری طاؤس۔''

یہ پیغام ملنے کے بعد عریب ایک دن تو بہت الجھی رہی تھی، پھر اس نے طاؤس سے ملنے کا یہ راستہ نکالا تھا کہ مامون سے کسی بات پر روٹھ جائے گی۔ اسے یقین تھا کہ مامون اسے منانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا اور وہ موقع دیکھ کر اس سے یہ بات منوا لے گی کہ طاؤس کو کسی طرح بھی محل میں لے آیا جائے۔

عریب کی یہ تدبیر کام یاب رہی تھی۔ مامون نے اس معاملے میں ذوالرستین کو حکم دے دیا تھا۔

اس حکم کی تعمیل میں زیادہ دن بھی نہیں لگے۔ ذوالریاستین فضل بن سہل نے صوبۂ آذربائیجان کے والی کو حکم نامہ بھیجا کہ وہ اپنی ولایت میں طرخان نامی شخص کو تلاش کرے جس کی شہرت ایک عطر فروش کی حیثیت سے ہونا چاہیے۔ اسی طرح طرخان کو تلاش کر لیا گیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی ''کنیز'' طاؤس خلیفہ وقت کو مطلوب ہے تو اس نے بہ ظاہر اسی میں اپنی خیریت جانی کہ اسے جو بھی معاوضہ ملے، وہ قبول کر لے۔ اس نے طاؤس کو والیِ آذربائیجان کے حوالے کر دیا اور والی نے طاؤس کو ''مرو'' پہنچا دیا جہاں مامون کا محل تھا۔

Marfat.com

عریب اور طاؤس اس طرح ملیں جیسے وہ عرصہ دراز سے بچھڑی ہوئی سگی بہنیں ہوں۔ مامون خوش ہوا کہ اس نے عریب کی خواہش پوری کر دی تھی۔

جب عریب اور طاؤس کو تنہائی ملی تو ان میں راز دارانہ گفت گو شروع ہوئی۔

''میں اب کنیز نہیں رہی ہوں عریب!'' طاؤس نے کہا۔ ''طرخان نے مجھ سے نکاح کر لیا ہے۔ سفیان مشہدی کا یہ شبہ صحیح نکلا کہ طرخان کا تعلق فرقہ خرمیہ سے ہے۔ مجھ سے طرخان کا نکاح اسی فرقے کی رسوم کے مطابق ہوا تھا۔''

عریب مضطرب نظر آئی۔ اس نے کہا۔ ''سفیان کو اس کا علم جلد از جلد ہونا چاہیے!''

''اسے ہو چکا ہے۔'' طاؤس نے جواب دیا۔ ''میں اسی سے ملی تھی۔ اسی نے میرا پیغام خواجہ سرا کے ذریعے تم تک پہنچوایا تھا۔ خواجہ سرا نے اس کام کے دس ہزار درہم لیے تھے کیونکہ اس کام کے لیے اس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈالی تھی۔ اگر ذوالریاستین کو اس کا پتا چل جائے تو وہ اس خواجہ سرا کی گردن اڑوا دے۔''

''مجھے سب کچھ تفصیل سے بتاؤ طاؤس!'' عریب کے اضطراب میں کمی نہیں آئی۔

''تفصیل سے تو بتانا ہی ہے۔ سفیان کو تو میں بتا چکی ہوں۔ یہ اس فرقے کے قائد بابک خرمی ہی کی خواہش تھی کہ میں کسی طرح تم تک پہنچوں۔''

''بابک!'' عریب نے حیرت سے دہرایا۔ ''بابک خرمی کی خواہش تھی یہ؟''

''ہاں عریب!'' طاؤس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بابک خرمی حالات سے بھی بہت باخبر رہتا ہے۔ اس کے علم میں تھا کہ تم سے میرے تعلقات رہ چکے ہیں۔''

''یہ تو کچھ زیادہ باخبری کی بات نہیں۔'' عریب بول پڑی۔ ''ہم دونوں ساتھ ہی تھیں جب سفیان مشہدی نے ہم دونوں کو بیچا تھا۔ کوئی بھی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہم دونوں میں تعلقات رہے ہوں گے۔''

''اس نے ایک بالکل صحیح اندازہ یہ بھی لگا لیا تھا کہ تم نے امیر المومنین کی قربتِ خاص حاصل کر لی ہوگی۔''

''خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ بابک خرمی کی یہ خواہش کیوں تھی کہ تم مجھ سے ملو؟''

''کیا یہ حقیقت نہیں کہ ذوالریاستین امیر المومنین پر بہت حاوی ہو گیا ہے؟''

Marfat.com

''یہ کہنا تو خیر غلط ہوگا کہ وہ امیر المومنین پر حاوی ہو گیا ہے۔ ہاں ایسا واقعی ہے کہ امیر المومنین نے اسے بہت زیادہ با اختیار بنا دیا ہے۔ محل میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ سب کچھ اسی کے اشارۂ ابرو پر ہوتا ہے۔''

''اور وہ اتنا با اختیار ہو گیا ہے کہ امیر المومنین تک تو کیا، میں تم تک بھی رسائی حاصل نہیں کر سکتی تھی اگر سفیان مشہدی نے میرا پیغام ایک خواجہ سرا کے ذریعے تم تک نہ پہنچایا ہوتا۔'' طاؤس نے کہا۔ ''اور امیر المومنین تک تو وہ کسی کو پہنچنے ہی نہیں دیتا۔ سلطنت کے حالات سے امیر المومنین کو بالکل بے خبر رکھا گیا ہے۔''

''کیا حالات ہیں سلطنت کے؟'' عریب نے حیرت سے پوچھا، پھر کہا۔ ''خود امیر المومنین تو مجھ سے یہی کہتے ہیں کہ ذوالریاستین نے سب کچھ بڑی خوش اسلوبی سے سنبھال رکھا ہے۔''

''وہ امیر المومنین کو یہی بتاتا ہوگا لیکن بابک خرمی نے مجھے جن حالات سے آگاہ کیا ہے، وہ امیر المومنین کے لیے خوش گوار ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بابک خرمی نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ میرے ذریعے سے تم کو اور تمھارے ذریعے سے یہ سب کچھ امیر المومنین کے علم میں لانا چاہتا ہے۔''

''آخر کیا حالات ہیں سلطنت کے؟'' عریب نے اپنا سوال دہرایا۔ ''اور یہ بابک خرمی امیر المومنین کا اس حد تک بہی خواہ کیسے بن گیا کہ وہ انھیں سلطنت کے حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہے؟ دوسری بات یہ بھی سوچنا ہوگی کہ سلطنت کے حالات واقعی وہی ہیں جو تمھیں بتائے گئے ہیں یا وہ دروغ گوئی سے کام لے کر کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔''

''تمھیں امیر المومنین سے کہنا ہوگا کہ وہ ذوالریاستین کے علم میں لائے بغیر تحقیقات کروالیں کہ جو کچھ انھیں بتایا گیا؛ وہ درست ہے یا نہیں۔'' طاؤس نے جواب دیا۔ ''رہی یہ بات کہ بابک خرمی امیر المومنین کا خیر خواہ کیوں بن گیا ہے اور سلطنت کے وہ حالات ان کے علم میں کیوں لانا چاہتا ہے، مجھے اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں۔''

''بات سے بات نکلتی چلی جارہی ہے۔ تم مجھے سلطنت کے ان حالات سے آگاہ کرو جو تمھیں بابک خرمی نے بتائے ہیں۔'' عریب نے کہا۔

Marfat.com

اب طاؤس نے اس بارے میں بولنا شروع کیا۔ اسے بابک سے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، ان کے مطابق مامون کے بھائی خلیفہ امین سے جنگ کر کے، اسے قتل کرنے کے بعد مامون کو مسندِ خلافت تک پہنچانے میں جن لوگوں نے اپنا اپنا کردار ادا کیا تھا، ان میں تین سرفہرست افراد فضل بن سہل، سپہ سالار ہرثمہ بن اعین اور اس کا نائب طاہر بن الحسین تھے۔ ان کو مامون نے خود نوازا تھا۔ فضل بن سہل کو عسکری وزارت دینے کے ساتھ ساتھ سلطنت کا وزیراعظم بھی مقرر کیا تھا۔ اسی لیے اسے ''ذوالریاستین'' کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔ اس اس کے بھائی حسن بن سہل کو واسط کی ولایت عطا کی گئی تھی۔ طاہر بن الحسین کو ''ذوالیمنین'' کا خطاب دیا گیا تھا کیونکہ اس نے خلیفہ امین کے خلاف پہلی جنگ میں تلوار دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چلائی تھی۔ اس خطاب کے علاوہ اسے شام اور مغرب کے کچھ علاقے بھی فرماں روائی کے لیے دیے گئے تھے۔ ہرثمہ بن اعین کو لشاکر عباسیہ کا سالار اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا لیکن اسے وزیراعظم فضل بن سہل کے احکام کی تعمیل کرنا پڑتی تھی۔

بعد میں فضل بن سہل نے اپنا اقتدار بڑھانے اور اسے زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کے لیے ایسے انتظامات کیے تھے کہ سلطنت کے معاملات خود ہی سنبھالتا رہے اور مامون کو بالکل بے خبر رکھے۔ اہلِ بغداد کا خیال تھا کہ اسی کے اشارے پر مامون نے بغداد کے مقابلے پر خراسان کو ترجیح دی تھی اور دارالخلافہ مرو میں بنالیا تھا۔

کیونکہ فضل بن سہل، اس کا بھائی حسن اور طاہر ذوالیمنین کیونکہ ایرانی تھے اور مامون خود بھی ہارون الرشید کی ایرانی بیوی خیزران کے بطن سے تھا لہٰذا اہلِ بغداد میں یہ سوچ پنپنے لگی کہ اہلِ عجم ہی دھیرے دھیرے سلطنتِ عباسیہ کے سیاہ وسفید کے مالک بن جائیں گے۔

یہ خیالات بغداد کے باہر دوسرے صوبوں میں بھی پہنچے اور جگہ جگہ بغاوتیں برپا ہونے لگیں جنھیں فضل بن سہل اپنے بھائی حسن اور ہرثمہ بن اعین کے ذریعے کچلتا رہا لیکن اس کے باوجود حالات خراب سے خراب تر ہوتے رہے۔

پھر رہی سہی کسر اس وقت پوری ہوگئی جب مامون کے مذہبی رجحانات میں

Marfat.com

تبدیلی آنا شروع ہوئی۔ ایک طرف وہ فرقہ معتزلہ کے عقائد سے متاثر ہوا اور دوسری طرف اس پر علویوں کے اثرات بھی اتنے گہرے ہوئے کہ اس نے عباسیوں کا قومی رنگ ''سیاہ'' کے بجائے ''سبز'' کر دیا۔ اس سے بغداد میں خاصی ہلچل مچی۔ طے کیا گیا کہ ہرثمہ بن اعین کو خراسان جا کر اس معاملے میں مامون سے بات کرنا چاہیے۔

جب فضل بن سہل کو اس کا علم ہوا تو اس نے ہرثمہ بن اعین کو حکم بھیجا کہ وہ خراسان آنے کے بجائے شام وحجار کے انتظامات پر توجہ دے۔ ہرثمہ بن اعین نے اس کا حکم نظر انداز کر دیا۔ سلطنتِ عباسیہ کے لیے اس کی جو خدمات تھیں، وہ ان پر نازاں تھا لہٰذا ہر قیمت پر مامون سے مل کر اسے بدلے ہوئے حالات کے تمام پہلوؤں سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

فضل بن سہل کو جب علم ہوا کہ ہرثمہ خراسان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے تو اس نے اس کے خلاف ایک گہری سازش کی اور مامون کو اس کے خلاف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہرثمہ بن اعین خراسان پہنچا تو اسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا گیا۔

ہرثمہ کے قتل کی خبر نے اہلِ بغداد کو اتنا برافروختہ کیا کہ انھوں نے مامون کے چچا ابراہیم المہدی کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیا۔ ہرثمہ بن اعین کی جگہ محمد بن ابی خالد کو دے دی گئی۔

فضل بن سہل کا بھائی حسن بن سہل بغداد کے والی کی حیثیت سے واسط میں مقیم تھا۔ اس نے محمد بن ابی خالد سے جنگ کی اور فتح یاب ہوا۔ محمد بن ابی خالد پسپا ہو کر واپس بغداد پہنچا۔ وہ اتنا زخمی تھا کہ جلد ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اہلِ بغداد نے اس کی جگہ اس کے بیٹے عیسیٰ کو دے دی اور اب بغداد میں نعرے لگ رہے تھے کہ ایک مجوسی زادہ ان پر حکومت نہیں کر سکتا۔

فضل بن سہل اس صورتِ حال سے بھی بے خبر نہیں رہا تھا۔ اس نے حسن بن سہل کو حکم نامہ بھیجا تھا کہ وہ واسط ہی میں رک کر بڑے پیمانے پر لشکر کشی کی تیاریاں کرنے کے بعد بغداد پر حملہ کرے اور ابراہیم المہدی کو مسندِ خلافت سے اتار پھینکے۔ اس حکم نامے میں مزید تاکید کی گئی تھی کہ امیر المومنین مامون کی خلافت برقرار رکھنے کے لیے حسن بن سہل جیسی رکاوٹ بننے والی ہر شخصیت کو بے دردی سے جہنم رسید کرتا چلا

Marfat.com

جائے اور اگر ضرورت محسوس کرے تو شام سے طاہر بن الحسن کو بھی اپنی مدد کے لیے بلالے۔

یہ سارے حالات سن کر عریب کا چہرہ فق پڑ گیا۔

''کیا یہ سب کچھ درست ہوگا طاؤس؟'' عریب نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

طاؤس نے جواب دیا۔ ''کیونکہ بابک خرمی یہ کہہ چکا ہے کہ امیرالمومنین خود ان تمام معاملات کی تحقیقات فرمالیں اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ ان باتوں میں سے کچھ بھی غلط نہیں ہوگا۔''

عریب بولی۔ ''تمھاری یہ دلیل تو دل کو لگتی ہے۔ اف خدایا! اتنا کچھ ہوگیا اور امیرالمومنین اس سے بے خبر ہیں!''

''کیا تمھیں ہرثمہ بن اعین کے قتل کا بھی علم نہیں؟''

''اس کا علم تو ہے، لیکن میں بھی وہی سمجھی تھی جو ذوالریاستین نے امیرالمومنین کو سمجھایا تھا۔'' عریب نے جواب دیا، پھر فکرمندی سے بولی۔ ''میں تو کپکپا گئی ہوں کہ تین چار سال میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے، اور اب حسن بن سہل کی تیاریوں کا مطلب ہے کہ بغداد میں جلد ہی بہت بڑے پیمانے پر خوں ریزی ہوگی۔''

''اس خوں ریزی کو امیرالمومنین ہی روک سکتے ہیں۔'' طاؤس نے کہا۔ ''وہ بغداد جا کر ہی ان حالات کو سنبھال سکتے ہیں۔ تم جلد از جلد یہ سب کچھ ان کے علم میں لے آؤ۔''

''انھوں نے مجھے رات کو بلایا ہے۔'' عریب نے جواب دیا۔ ''سہ پہر کے بعد تو ذوالریاستین انھیں سلطنت کے معاملات پر مشاورت میں الجھائے رکھتا ہے۔''

''وہ معاملات جو قطعی فرضی ہوں گے۔''

''ہاں طاؤس!'' عریب نے کہا۔ ''جو حالات تم میرے علم میں لائی ہو، ان کی روشنی میں تو یہی سمجھا جا سکتا ہے۔ ذوالریاستین نے انھیں اصل حقائق سے قطعی بے خبر رکھا ہے۔ اگر وہ باخبر ہوتے تو کچھ نہ کچھ میرے علم میں بھی آچکا ہوتا اور سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اتنا سب کچھ جاننے کے بعد وہ بغداد کی طرف رخ کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگاتے۔''

''عریب!'' طاؤس بولی۔ ''تم تو خیر مجھ سے یہ سوال کر ہی چکی ہو لیکن الجھن مجھے بھی ہے۔ وہ آخر کیوں چاہتا ہے کہ امیرالمومنین ان حالات سے باخبر ہو جائیں۔ وہ تو

Marfat.com

سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش تو یہ ہونا چاہیے کہ سلطنت کا شیرازہ اسی طرح بکھرتا رہے اور اس کی بغاوت کے لیے حالات سازگار ہوتے رہیں۔"

عریب نے پوچھا۔ "تم نے سفیان کو بھی یہ سب کچھ بتایا؟"

"اسے کیسے نہیں بتاتی!"

"اس نے کیا خیال ظاہر کیا؟"

"وہ بھی اس معاملے میں چکرا گیا ہے لیکن اس نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ امیرالمومنین کو فی الحال بابک خرمی کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔ زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ پہلے تو سلطنت کو بکھرنے سے بچائیں۔ بابک خرمی کی بغاوت سے بعد میں بھی نمٹا جا سکتا ہے۔"

اس گفت گو کے دوران میں عریب کا دماغ حالات میں بھی الجھتا رہا تھا۔ وہ یکا یک بولی۔ "ان باتوں میں تم سے ایک سوال کرنے کا خیال ہی نہیں رہا۔ یہ منصوبہ بندی کس نے کی تھی کہ تم اس طرح مجھ تک پہنچو۔"

"یہ تجویز خود میں نے بابک خرمی کے سامنے رکھی تھی کہ میں یہاں آ کر سفیان مشہدی سے ملوں اور اسے ایک خطیر رقم دے کر اس پر آمادہ کروں کہ وہ کسی طرح میرا پیغام تم تک پہنچا دے۔ میں نے بابک خرمی سے کہا تھا کہ اگر اس کے خیال کے مطابق تم امیرالمومنین کی کم زوری بن چکی ہو گی تو ان سے یہ بات منوا لو گی کہ وہ کسی طرح مجھے یہاں بلائیں۔ اس تجویز کو بابک خرمی نے پسند کیا تھا اس لیے جب آذربائیجان کے والی نے طرخان سے رابطہ کیا تھا تو یہ ان لوگوں کے لیے ایک متوقع بات تھی۔ طرخان تو اس پر خوش ہوا تھا کہ اس کے ظلِ یزداں کا منصوبہ بھی کام یاب ہو رہا ہے اور اسے میرے عوض رقم بھی مل رہی ہے۔"

"ابھی تم یہ بھی بتا چکی ہو کہ اس نے تم سے نکاح کر لیا تھا۔"

"اس فرقے کے لوگوں کے لیے نکاح کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ جو لوگ ایک دوسرے سے اپنی بیویوں کا وقتی تبادلہ کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے ہوں، ان کی نظر میں بیوی کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے عریب؟ اور خود میرے لیے بھی اس نکاح کی کوئی

Marfat.com

اہمیت نہیں جو خرمی فرقے کے عقائد اور رواج کے مطابق ہوا تھا۔''

عریب نے اثبات میں سر ہلایا، پھر بولی۔ ''تم تو خیر طرخان اور فرقہ خرمیہ کے ساتھ بندھ کر رہ گئی تھیں اور میں یہاں محل کی چار دیواری تک محدود ہو گئی تھی لیکن سفیان کو ان حالات کا علم کیوں نہیں ہوا؟''

''خراسان کے لوگوں تک یہ خبریں ابھی تک نہیں پہنچیں اور سفیان نے خود کو خراسان تک محدود رکھا۔ مرحوم خلیفہ ہارون الرشید نے تاکید ہی یہ کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد وہ ان کے اس بیٹے سے ذرا بھی دور نہ رہے اور پس پردہ رہ کر ہی ان کا خیال رکھے۔ تمھیں اس نے محل تک پہنچا ہی دیا تھا تاکہ ہم یہاں کے حالات پر نظر رکھیں اور امیر المومنین کسی محلاتی سازش کا شکار نہ ہونے پائیں!''

''لیکن وہ ہو گئے!'' عریب نے ٹھنڈی سانس لی۔

''نہیں۔'' طاؤس بولی۔ ''ذوالریاستین ان کی ذات کے لیے کوئی خطرہ نہیں بنا اور غالباً کبھی نہیں بنے گا۔ کم از کم میری سوچ تو یہی ہے کہ وہ بس اپنا اقتدار بحال رکھنا چاہتا ہے۔ سلطنتِ عباسیہ کے خلاف ساری بغاوتیں اسی نے فرو کروائی ہیں۔ بس اب بغداد کے حالات اس کے قابو سے باہر نظر آ رہے ہیں۔''

رات ہونے تک ان دونوں میں اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ ان باتوں میں یہ ذکر بھی آیا کہ سفیان مشہدی نے مامون کی خبر گیری اور اس کو اس کے دشمنوں سے باخبر رکھنے کے معاملے میں ان دونوں کو اپنے اعتماد میں کیوں لیا تھا اور وہ دونوں اس کا ساتھ دینے کے لیے کیوں تیار ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

رات کو مامون نے عریب سے وہ تمام حالات سنے۔ حالات سنتے سنتے ہی وہ مضطرب نظر آنے لگا تھا۔ اس نے عریب کے خاموش ہوتے ہی پوچھا۔

''تمھیں یہ سب کچھ غالباً طاؤس سے معلوم ہوا ہوگا!''

عریب نے اثبات میں سر ہلایا اور بولی۔ ''کچھ دن پہلے اس کا طرخان کے ساتھ بغداد جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس نے کچھ باتیں اپنے کانوں سے سنیں، کچھ اسے

Marfat.com

طرخان نے بتائیں۔ اس طرح بغداد اور سلطنت کے حالات پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گئے۔ یہ ایک اتفاق ہے کہ جب مجھے طاؤس یاد آئی تو اسے بغداد سے لوٹے دو ہی دن ہوئے تھے، لیکن شاید طاؤس نے کچھ غلط اندازے لگا لیے ہوں۔ آپ ذوالریاستین کو بے خبر رکھتے ہوئے دیگر ذرائع سے بغداد کے حالات معلوم کروالیں۔''

مامون اٹھ کر ٹہلنے لگا اور بولا۔ ''اگر یہ سب کچھ درست ہے تو ہمیں بغداد پہنچنے میں دیر نہیں لگانا چاہیے۔''

''مگر پہلے اس کی تصدیق تو کروالیں؟''

''بغداد سے اس کی تصدیق کروانے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔ ہمیں یہ صورتِ حال اتنی نازک نظر آ رہی ہے کہ اس میں تاخیر نہیں ہونا چاہیے۔ ہم اس بارے میں فوری طور پر بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔''

''وہ کیسے امیر المومنین؟''

''ذوالریاستین کم از کم ہمارے سامنے دروغ گوئی کی جسارت نہیں کر سکتا۔'' مامون نے جواب دیا اور فوراً ایک کنیز کو بلا کر اس سے کہا۔ ''ذوالریاستین کو کسی خواجہ سرا کے ذریعے ہمارا حکم پہنچاؤ کہ وہ بلا تاخیر ہماری خدمت میں حاضر ہو۔''

کنیز سر ہلا کر چلی گئی اور مامون ٹہلتا رہا۔

عریب بولی۔ ''ذوالریاستین یقیناً سمجھ لے گا کہ ان حالات کی خبریں طاؤس کے ذریعے محل میں پہنچی ہیں۔''

''سمجھا کرے! اس سے تمھیں کیا پریشانی لاحق ہو رہی ہے عریب؟''

''وہ طاؤس کا دشمن بن جائے گا۔''

''اپنا یہ راز فاش ہو جانے کے بعد اس کی ہمتیں پست ہو جائیں گی۔ وہ طاؤس کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکے گا۔ تم ہمیں ایک جام بنا کر دو عریب! ہمارا دماغ بہت منتشر ہو گیا ہے۔''

عریب نے اسے فوراً شراب کا ایک جام دیا اور بولی۔ ''مجھے تو یقین ہے کہ یہ سب باتیں درست ہوں گی۔ ایسی صورت میں اگر آپ بغداد جانے کا عزم کر رہے ہیں

Marfat.com

تو پھر آپ لشکر بھی لے کر جائیں گے!"

"یقینی بات ہے۔" مامون نے شراب کا ایک بڑا گھونٹ لے کر کہا۔ "صورتِ حال تو اتنی نازک ہے کہ ہم دارالخلافہ پھر بغداد کو بنالیں۔ ہم یہاں لشکر کا بس اتنا حصہ چھوڑیں گے جو اس صوبے کے لیے کافی ہو۔ باقی سارا لشکر ہمارے ساتھ جائے گا۔"

عریب نے کہا۔ "اس صورت میں آپ کو بغداد پہنچنے میں خاصا وقت لگے گا۔"

"وہ ہمارے لیے کچھ تشویش کی بات نہیں۔ یہ بندوبست تو ہم یہیں کر دیں گے کہ بغداد میں خوں ریزی نہ ہونے پائے۔ ہمارے احکام کی تعمیل ہر صورت میں ہوگی۔ ذوالریاستین ہم سے بغاوت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی ہوس اقتدار بڑھ گئی ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے، صرف اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے کیا ہے۔"

عریب کو طاؤس کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے بھی انھی خیالات کا اظہار کیا تھا، لیکن عریب کو یہ پریشانی بہرحال لاحق رہی کہ ذوالریاستین اب طاؤس کا دشمن بن جائے گا۔

عریب بولی۔ "آپ ذوالریاستین کے بارے میں یقیناً مجھ سے بہتر جانتے ہیں لیکن میں کچھ اور عرض کرنا چاہتی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ طاؤس آج رات ہی محل سے چلی جائے؟ دراصل میں اسے بغداد بھیجنا چاہتی ہوں۔ آپ کچھ لوگوں کو اس کے ساتھ کر دیں۔ وہ ایک سوداگر کی حیثیت سے وہاں جائے۔ آپ کچھ نایاب قسم کا سامان بھی اس کے ساتھ کر دیں تاکہ وہ سوداگر کا کردار بہ خوبی نباہ سکے۔"

"تم یہ کیوں چاہتی ہو عریب؟" مامون نے کچھ تعجب سے پوچھا۔

"آپ کو بغداد پہنچنے میں دیر لگے گی۔ طاؤس وہاں پہلے سے پہنچ جائے گی۔ پھر جب آپ وہاں پہنچیں گے تو طاؤس آپ کو وہاں کے تازہ ترین حالات سے آگاہ کر دے گی۔"

"اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے عریب! ہمیں یقین ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو ہمیں کسی بھی قسم کی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہم یہاں سے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ بغداد پہنچیں گے کہ ہمارے چچا ابراہیم المہدی کو ہمارے مقابل آنے کی ذرا بھی ہمت نہیں ہوگی۔ ہم ان کے مزاج سے واقف ہیں۔ کچھ

Marfat.com

تعجب نہیں کہ وہ خوف زدہ ہو کر بغداد سے بھاگ کھڑے ہوں۔''

عریب بولی۔''احتیاط کے طور پر طاؤس کو وہاں بھیجنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہوگا۔''

''ہم سمجھ گئے عریب!'' مامون پریشانی کے باوجود خفیف سا مسکرایا۔''تم ذوالریاستین کی طرف سے خوف میں مبتلا ہوگئی ہو اور طاؤس کو یہاں سے دور بھیج دینا چاہتی ہو۔ غالباً تم یہ بھی چاہو گی کہ محل سے طاؤس کی روانگی کو ذوالریاستین سے پوشیدہ بھی رکھا جائے۔''

''میں آپ سے اختلاف نہیں کروں گی امیر المومنین!'' عریب نے کہا۔''میں بس اتنا عرض کروں گی کہ ڈر اگر عورت کے دل میں بیٹھ جائے تو بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔''

''ٹھیک ہے عریب!'' مامون نے کہا۔''ہم تمھاری یہ خواہش بھی پوری کردیں گے۔''

عریب خوشی سے مسکرادی۔ مامون نے اس دوران میں ایک جام ختم کردیا تھا۔ اس نے عریب سے دوسرا جام بھروایا اور ٹہلتے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ پھر جلد ہی اسے فضل بن سہل کے آنے کی اطلاع ملی۔

''اسے کمرے میں بٹھایا جائے۔'' مامون نے داروغۂ محل کے لیے حکم صادر کیا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو فضل بن سہل احتراماً کھڑا ہوگیا۔ اس اچانک طلبی سے وہ کچھ پریشان نظر آرہا تھا۔

مامون نے اس سے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا اور ٹہلتے ہوئے بولا۔''ہمیں آج اپنی سلطنت کے بارے میں ایسی اطلاعات ملی ہیں ذوالریاستین کہ ہم ہل کر رہ گئے ہیں۔ ہمیں ہرگز توقع نہیں تھی کہ تم ہمیں اس حد تک بے خبر رکھو گے۔''

فضل بن سہل کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔

''تم۔'' مامون نے اس کے سامنے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔''بے شک تم نے سرکشی کرنے والوں کے سر سلامت نہیں رہنے دیے ہیں اور سلطنتِ عباسیہ کے خلاف ہونے والی بغاوتوں کو کچلوا دیا ہے لیکن ہمیں ان حالات سے بے خبر رکھنا کیوں ضروری سمجھا گیا؟''

''امیر المومنین!'' فضل بن سہل نظریں جھکائے ہوئے بولا۔''آپ نے اپنا

Marfat.com

سارا زمانہ ولی عہدی کشمکش اور پریشانی میں گزارا تھا اس لیے میری خواہش تھی کہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ چند سال تو سکون و آسودگی سے گزار لیں اور سلطنتِ عباسیہ کو پیش آنے والی مشکلات سے میں ہی نبرد آزما ہوتا رہوں۔''

''تمھارا یہ جذبہ قابل ستائش ہے ذوالریاستین، لیکن یہ تو بڑی نازک گھڑی آگئی ہے کہ سارا بغداد ہم سے متنفر ہوگیا ہے اور ان لوگوں نے مسندِ خلافت پر ہماری جگہ کسی اور کو بٹھا دیا ہے۔ حالات اس حد تک بگڑ جانے کے بعد تو تم ہمیں بے خبر نہ رکھتے لیکن تم نے حسن بن سہل کو حکم دے دیا ہے کہ وہ بغداد پر زبردست یلغار کرے۔ اس طرح تم بغداد میں ایک اور ہولناک خوں ریزی کا میدان ہموار کر رہے ہو، جبکہ ہم کسی خوں ریزی کے بغیر ہی ان بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کر سکتے ہیں۔''

فضل بن سہل نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گیا اور نظریں جھکائے اس طرح کھڑا رہا جیسے بہت نادم ہو۔

مامون بولا۔''ان حالات سے واقفیت کے باعث ہمیں فوری طور سے تم پر بہت غصہ آیا تھا ذوالریاستین، لیکن دو جام پی کر ہم نے خود پر قابو پالیا ہے ورنہ اس وقت تم پر بہت بری طرح برس پڑتے!''

''میں معافی کا خواست گار ہوں امیر المومنین!''

''سلطنتِ عباسیہ کے لیے تمھاری جو خدمات ہیں، ان کے پیشِ نظر ہم تمھاری ان فروگزاشتوں سے صرفِ نظر کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکے ہیں۔''

''میں آپ کے عفوو درگزر کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں۔''

''ہمارا خیال ہے کہ تم طاہر کو بھی خط لکھ چکے ہوگے۔ اب فوری طور پر اس کے اور حسن بن سہل کے لیے ہماری طرف سے حکم نامے جاری کرو کہ وہ بغداد کی طرف ہرگز رخ نہ کریں۔ طاہر بن الحسین رقہ میں اور حسن بن سہل واسط ہی میں رک کر ہمارے دوسرے حکم کا انتظار کرے۔''

''بہت بہتر۔''

''دوسرے یہ کہ سارے لشکر کے ساتھ بغداد کی طرف ہماری روانگی کا بندوبست

Marfat.com

کیا جائے۔ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دارالخلافہ اب بغداد ہی میں رہے گا۔ اہلِ بغداد اِس سے بہت ناراض ہوئے ہیں کہ ہم نے خراسان کو دارالخلافہ بنا لیا ہے۔ ان کا اشتعال ختم کرنے کے لیے ہم نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ عباسیوں کا قومی رنگ پہلے ہی کی طرح سیاہ رہے گا۔''

یہ دوسرا فیصلہ مامون نے بادل ناخواستہ کیا تھا لیکن حالات کی نزاکت کے باعث یہ سیاسی اقدام بہت ضروری ہو چکا تھا۔

اس کے علاوہ اُس نے یہ سیاسی مصلحت بھی ضروری سمجھی تھی کہ فی الحال ہرثمہ بن اعین کے معاملے میں بھی فضل بن سہل کو معتوب قرار نہ دے۔

فضل بن سہل جب مامون سے رخصت ہوا تھا تو اس کے دماغ میں یہ بات گردش کرتی رہی تھی کہ مامون کے کانوں میں یہ سب باتیں پہنچانے والی ہستی عریب کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتی تھی لیکن عریب کو اس کا علم طاؤس ہی سے ہوا ہوگا۔ کوئی اور ایسا شخص تو مامون تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا جو اسے ان حالات سے آگاہ کر سکتا۔ فضل بن سہل نے محل میں جن لوگوں کے پہرے بٹھا رکھے تھے، وہ اس کے نہایت معتمد کارندے تھے اور انھیں تاکید کی جا چکی تھی کہ مامون تک صرف اس شخص کو جانے دیا جائے جس کے پاس فضل بن سہل کی وزارتی مہر کا اجازت نامہ ہو۔

اب فضل بن سہل یہ بھی سوچ رہا تھا کہ طاؤس آخر ہے کون؟

بہ ظاہر تو وہ عریب کی سہیلی تھی جسے اپنے پاس محل میں بلوانے کے لیے وہ مامون سے فرمائش کر سکتی تھی اور مامون اس کی ہر فرمائش پوری کیا کرتا تھا، لیکن اب فضل بن سہل کے لیے اس معاملے کا غور طلب پہلو یہ تھا کہ عریب نے اپنی ایک ایسی سہیلی کو اپنے پاس کیوں بلوایا جو سلطنت کے تمام حالات سے واقف تھی!

مامون کے لیے فضل بن سہل کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ اس نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو بغداد پر ایک بھرپور حملے کی تیاری کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس مرتبہ متعصب عرب اُمرا کو پوری طاقت سے کچل دیا جائے اور آئندہ وہ ایرانیوں کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔

Marfat.com

جب سے عباسی سلطنت قائم ہوئی تھی، عربوں کی اکثریت کے دل کبھی بھی ایرانیوں کے خلاف کدورت سے خالی نہیں رہے تھے۔ فضل بن سہل کی دانست میں یہ ان کی احسان فراموشی تھی کیونکہ عباسی سلطنت کے قیام میں بنیادی کردار ایک ایرانی ہی شخص ابومسلم خراسانی کا تھا۔ اس کے باوجود عربوں نے ہمیشہ سلطنتِ عباسیہ کے ایرانی زعما کے خلاف سازشیں کی تھیں۔ اگرچہ وہ سلطنت سے ایرانی عنصر کا خاتمہ نہیں کر سکے تھے مگر ان کی وجہ سے ایرانی زعما کے چھوٹے یا بڑے نقصانات اکثر ہوتے رہے تھے۔ فضل بن سہل یہی چاہتا تھا کہ مستقبل میں ایسا نہ ہو۔ وہ ان متعصب اور تنگ دل عرب زعما پر ایک نہایت ہی کاری ضرب لگانا چاہتا تھا لیکن اب ساری بات کھل جانے کے باعث اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ اس کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ مامون کے احکام کی خلاف ورزی کرتا۔ طاؤس نے اس کا سارا کھیل بگاڑ دیا تھا۔

بہت سوچ بچار کے باوجود فضل بن سہل طاؤس کا کردار سمجھنے سے قاصر رہا لیکن اس نے یہ تہیہ ضرور کرلیا کہ اس کنیز سے اپنی اس ناکامی کا انتقام ضرور لے گا۔ اسے بس کوئی ایسی تدبیر سوچنا تھی کہ طاؤس سے انتقام کے معاملے میں اس کا نام ملوث نہ ہو۔

اس رات وہ بے حد مصروف رہا۔ جلد از جلد لشکر کی بغداد کی طرف روانگی کے سلسلے میں وہ لشکر کے سالاروں سے ملتا رہا اور صبح دم اس نے اپنے بھائی اور طاہر ذوالیمنین کے نام وہ حکم نامے تیار کیے جن کی ہدایت اسے مامون سے ملی تھی۔ اس کے بعد ہی اسے ایک ایسی اطلاع ملی جس نے اسے چونکا دیا۔

محل کے کارندوں کے باعث اسے معلوم ہوسکا تھا کہ صبح کی روشنی پھیلنے سے ایک ساعت پہلے ہی طاؤس اندھیرے میں کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ کافی ساز و سامان اور خاصے مسلح افراد بھی تھے۔ اس کا سارا بندوبست مامون کے حکم پر اس کے خادمِ خاص نے کیا تھا۔

☆☆☆

وہ اطلاع مکمل وضاحت کے ساتھ سفیان مشہدی کو بھی مل چکی تھی۔ اطلاع پہنچانے والا وہی خواجہ سرا تھا جس کے ذریعے طاؤس کا خط عریب کو پہنچایا گیا تھا۔ اب اسے

Marfat.com

دس ہزار درہم عریب سے اس کام کے ملے تھے کہ وہ طاؤس کا خط سفیان مشہدی کو پہنچا دے۔

سفیان مشہدی بنیادی طور پر کنیزوں کا سوداگر نہیں تھا۔ وہ روپ اس نے صرف اس لیے دھارا تھا کہ عریب کو مامون کے محل میں پہنچا سکے اور محل میں عریب اتنی چوکنا رہے کہ اگر مامون کے خلاف کوئی محلاتی سازش ہو تو وہ اس سے بے خبر نہ رہے۔

اسی طرح سفیان نے یہ کوشش بھی کی تھی کہ طاؤس کو طرخان خرید لے۔ اس کے بارے میں سفیان کو شبہ تھا کہ اس کا تعلق فرقہ خرمیہ سے ہوسکتا ہے۔ وہ اس فرقے، اس فرقے کے قائد اور اس بارے میں ساری تفصیلات سے اس لیے آگاہ ہونا چاہتا تھا کہ مستقبل میں اس فرقے کی وجہ سے مامون کو پریشانیاں لاحق ہوسکتی تھیں۔ وہ مامون کو ان پریشانیوں سے بچانا چاہتا تھا۔ یہ اس نے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا کہ اس کی زندگی کی آخری سانس تک مامون کو کسی قسم کی گزند نہ پہنچے۔

سفیان کے اس مقصد کے پیچھے جو کہانی تھی، اس کا تعلق خلیفہ ہارون الرشید کی زندگی کے آخری زمانے سے تھا۔

سفیان کا تعلق ایک غریب لیکن شریف گھر سے تھا۔ جب اس کے باپ پر فالج کا حملہ ہوا، اس وقت سفیان کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ تھی۔ باپ مفلوج ہوکر صاحبِ فراش ہوگیا۔ گھر کے اخراجات اسی کی محنت سے پورے ہوتے تھے۔ وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہا تو سفیان نے مدرسہ چھوڑ کر محنت مزدوری کرنا چاہی لیکن اس کی ماں نے اسے یہ قدم نہیں اٹھانے دیا۔ وہ اپنے بیٹے کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرے گا۔ اس کی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے ماں نے خود کچھ کرنے کی ٹھان لی۔ وہ نہ صرف خوب صورت بلکہ تعلیم یافتہ بھی تھی۔ اسے کچھ ہم درد خواتین کی کوششوں سے خلیفہ ہارون الرشید کے ایک درباری امیر کی حویلی میں ملازمت مل گئی۔ اس کو امیر نے اپنے دو کم عمر بچوں کی اتالیقہ کی حیثیت سے ملازم رکھا تھا۔ ان بچوں کی ماں مرچکی تھی۔ حویلی میں کنیزوں اور خادموں کی کمی نہیں تھی لیکن سفیان کی ماں نے تن من سے ان بچوں کی تربیت میں دل چسپی لی۔ اب یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ درباری امیر ایک بدنظر شخص تھا۔ اس نے ایک روز سفیان کی ماں کا بازو پکڑ لیا اور

Marfat.com

درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی اس کے دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اسے اپنے درباری امیر ہونے کے زعم کے ساتھ یہ گمان بھی تھا کہ غریب عورتوں کی عزت سے کھیلنا اُمرا کا حق ہوتا ہے لیکن اسے غالباً یہ تجربہ نہیں تھا کہ ہر غریب عورت عزت نفس سے عاری نہیں ہوتی۔ سفیان کی ماں نے اس کے منہ پر تماچا رسید کر دیا اور اس حویلی سے نکل آئی۔ جب وہ کمرے سے نکل رہی تھی، اس وقت امیر نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اپنی اس بے عزتی کا بڑا خوف ناک انتقام لے گا۔

اپنے گھر آکر سفیان کی ماں بہت روئی۔ اس نے اپنے شوہر کو بھی سارا قصہ سنا دیا۔ وہ اس سے بے خبر تھی کہ کمرے کے ایک گوشے میں سفیان بھی سمٹا سمٹایا بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ اس کی عمر اس وقت زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے بڑی حد تک سمجھ لیا کہ قصہ کیا تھا۔

پھر اسی رات کچھ تن درست و توانا مرد گھر میں گھس آئے اور سفیان کی ماں کو اٹھا لے گئے۔ بیوی کو اغوا ہوتے دیکھ کر بے بس شوہر کی صدمے سے حرکتِ قلب بند ہوگئی۔ سفیان چیختا چلّاتا ان لوگوں کے پیچھے گھر سے نکلا لیکن وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے فرار ہونے میں کام یاب ہو گئے۔

شور وغل سن کر آس پاس رہنے والے باہر نکل آئے۔ سفیان نے چیخ چیخ کر انھیں بتایا کہ کچھ لوگ اس کی ماں کو اٹھا لے گئے ہیں۔ سفیان کو یقین تھا کہ یہ حرکت اسی امیر نے کروائی ہوگی جس کے گھر میں اس کی ماں اتالیقہ کی حیثیت سے ملازم تھی۔ اس نے چیخ چیخ کر لوگوں کو اس امیر کا نام بھی بتایا۔ لوگ وہ نام سن کر کسی نہ کسی حد تک سہم گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ انھیں علم تھا کہ جس امیر کا نام لیا جا رہا ہے، وہ خلیفہ وقت کا سب سے منہ چڑھا درباری امیر ہے۔ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا تصور کرنا بھی ان غریب لوگوں کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ بس اتنا ہی کر سکے کہ سفیان کے باپ کو کفنا، دفنا دیا۔ جو چند افراد اس قابل تھے کہ چودہ سال کے ایک بچے کو کھلا پلا سکیں اور اس کی پرورش کر سکیں، انھوں نے سفیان کو اپنے گھر لے جانا چاہا لیکن سفیان کسی کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اس کے شب و روز اپنے ہی گھر میں اپنے ماں باپ کے بستروں سے لپٹ لپٹ کر روتے دھوتے گزرنے لگے۔ محلے والوں میں

Marfat.com

سے کوئی اسے کچھ کھلا جاتا تو کھالیتا، کوئی پانی پلا جاتا تو پی لیتا۔

تین ہی دن بعد جب وہ سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا، کسی نے اس کے گھر کے دروازے پر دستک دی اور یہی وہ وقت تھا جب سفیان کی دادرسی ہوئی۔

خلیفہ ہارون الرشید کا یہ معمول تو نہیں تھا لیکن جب بھی اسے کچھ فرصت ملتی تھی، وہ رات کے وقت بھیس بدل کر شہر میں، اور خصوصاً غریبوں کی آبادیوں میں گھوم کر اپنی رعایا کی حالت سے باخبر رہنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اس رات اسی نے سفیان کی سسکیاں سنی تھیں اور کچھ دیر تک گھر کے قریب کھڑا رہنے کے بعد اس نے دروازے پر دستک دی تھی۔

سفیان بدلے ہوئے بھیس میں ہارون الرشید کو پہچان تو نہیں سکا لیکن استفسار پر اس نے بتا ضرور دیا کہ اس کے گھر پر کیا قیامت ٹوٹی تھی۔

ہارون الرشید نہایت اشتعال کے عالم میں محل واپس آیا۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ چودہ سال کا ایک بچہ اتنا بڑا جھوٹ ہرگز نہیں بول سکتا، تاہم اس نے دیوانِ شرطہ کے لوگوں کے ذریعے سفیان کے پڑوس میں پوچھ گچھ کروائی۔ سفیان کا بیان درست ثابت ہوا اور یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ سفیان کی ماں ایک درباری امیر کے گھر میں اتالیقہ کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔

اس رات ہارون الرشید ایک پل کے لیے نہیں سو سکا۔ سفیان کے بیان کی تصدیق کے بعد اس نے سپاہیوں کے ذریعے اس امیر کو اس کے گھر سے اٹھوا لیا۔ امیر خوف سے کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اس نے جو گھناؤنا کھیل کھیلا تھا، وہ ہارون الرشید کے علم میں آچکا ہے۔

ہارون الرشید نہایت نرم خو اور رحم دل تھا لیکن اس کا رعب و دبدبہ بھی اتنا تھا کہ اسے غصے میں دیکھ کر لوگوں کی کپکپی چھوٹ جاتی تھی۔ امیر کی کاسہ لیسی اور چرب زبانی کافور ہوگئی۔ وہ ہارون الرشید کے قدموں میں گر پڑا لیکن اسے ہارون الرشید کی ٹھوکر کھانا پڑی۔ وہ جھوٹ بولنے کی بھی ہمت نہیں کر سکا۔ اس نے ہر بات کا اعتراف کر لیا۔ اس کی نشان دہی پر ایک گھر سے سفیان کی ماں کو بازیاب کرنے کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کرلیا گیا جو تین دن سے سفیان کی ماں کے ساتھ مسلسل زیادتی کرتے ہوئے اتنے درندے بن گئے تھے کہ سفیان کی ماں لبِ گور پہنچ چکی تھی۔

شاہی اطبّا نے اس پر فوراً توجہ دی لیکن وہ جاں بر نہ ہوسکی۔ ہارون الرشید خود موقع پر موجود رہا تھا اور اس نے سفیان کو بھی وہیں بلوالیا تھا۔ رو رو کر سفیان پر بھی غشی طاری ہونے لگی تھی اس لیے اطبّا کو اس کی طرف بھی متوجہ ہونا پڑا تھا۔

مرتے وقت سفیان کی ماں کے آخری الفاظ اور اس کی آخری خواہش یہ تھی کہ اس کے بیٹے کو خلیفہ ہارون الرشید سے انصاف مل جائے۔

وہ بدنصیب اپنی ذہنی ابتری کے باعث اس سے بے خبر ہی رہی تھی کہ اس کی خبر گیری کرنے والوں میں خلیفہ ہارون الرشید بھی موجود تھا۔ اس بدنصیب کی تدفین کے بعد زنداں میں جب اس امیر پر کوڑے برسائے جا رہے تھے تو بھی خلیفہ ہارون الرشید سفیان کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اس نے سفیان سے کہا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اس ظالم پر کوڑے برسائے جو اس کی ماں کا ایک اعتبار سے قاتل ہی تھا۔

امیر پر اس وقت تک کوڑے برسائے جاتے رہے جب تک اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز نہیں کرگئی۔

جن لوگوں نے امیر کے اشارے پر سفیان کی ماں سے وحشیانہ بدسلوکی کی تھی، انھیں بھی ایک خوف ناک انجام سے دو چار ہونا پڑا۔

امیر کے دونوں بچوں کو سرکاری سرپرستی میں لے لیا گیا۔ اس کی ساری دولت اور جائداد سفیان کے نام کردی گئی۔ اس کا سرپرست ایک نہایت متقی اور زاہد شخص کو مقرر کیا گیا۔

سفیان کی عمر اکیس سال ہوچکی تھی جب وہ اپنے ماں باپ کی موت کے بعد ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن ہارون الرشید ہمیشہ اس مظلوم بچے کے حالات سے باخبر رہا تھا۔ سفیان کی ذہانت وفطانت اور اس کی بعض غیر معمولی صلاحتیں اس کے علم میں آچکی تھیں۔ اس نے سفیان سے بڑی شفقت برتی اور حاضر ہونے کا سبب پوچھا۔

سفیان نے اپنی خواہش بیان کردی۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے ہارون الرشید کے محافظ دستے میں شامل کرلیا جائے۔ وہ عسکری تربیت حاصل کرچکا تھا۔ اس کی شدید ترین خواہش تھی

Marfat.com

کہ اگر خدانہ خواستہ کوئی براوقت آئے تو وہ ہارون الرشید پر اپنی جان قربان کر دے۔

اس وقت ہارون الرشید کے دل میں ایک عجیب خیال آیا۔ اس نے سفیان کو ہدایت کی کہ وہ خود کو پس پردہ رکھ کر تمام حالات پر نظر رکھے اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں، ان سے پوری طرح باخبر رہے۔ اس طرح ہارون الرشید نے اسے گویا اپنا ''خفیہ محافظ'' مقرر کر لیا۔

سفیان نے عہد کیا اور حلف اٹھایا کہ وہ اپنے اس فرض سے کبھی کوتاہی نہیں برتے گا۔ اسے کوئی فکرِ معاش اس لیے نہیں تھی کہ اس کے ماں باپ کے ''قاتل'' کی ساری دولت و جائداد اسے مل چکی تھی۔ اس کے سرپرست کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب اسے فکر رکھنا تھی تو صرف ہارون الرشید کی۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر کی کہ ''کنیزوں کا سوداگر'' بن گیا۔ ان کنیزوں کے ساتھ اس نے اتنا اچھا برتاؤ کیا کہ وہ اس کی عزت کرنے لگیں۔ اس نے ان کی تربیت ان کی صلاحیتوں کے مطابق کی اور ان میں سے بہت سی کنیزوں کو اُمرائے دربار اور منصب دارانِ سلطنت کی حویلیوں اور محلوں تک پہنچا دیا اور وہ ''مخبر'' کی حیثیت سے سفیان کے لیے کام کرنے لگیں۔

پھر جلد ہی ایک ایسا وقت آیا کہ ہارون الرشید بیماری ہی کے عالم میں ایک بغاوت کی سرکوبی کے لیے بغداد سے ایران کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اس کی بیماری بڑھتی چلی گئی۔ سفیان کو اس کا علم ہو گیا کہ شاہی طبیب جبریل شہزادہ امین کا آلہ کار بن کر ہارون الرشید کو ایسی دوائیں دے رہا تھا جو اس کے مرض کے لیے زہر کا کام کر رہی تھیں۔

سفیان کو ہارون الرشید نے تاکید کی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ بہت خفیہ رکھے گا۔ اسی لیے سفیان کو ہارون الرشید سے ملاقات کرنے میں بہت دشواری پیش آئی، تاہم وہ کسی نہ کسی طرح ہارون الرشید کو اس سازش سے آگاہ کرنے میں کام یاب ہو گیا لیکن اس وقت تک خاصی دیر ہو چکی تھی۔

ہارون الرشید اس خیال سے مضمحل و پژمردہ بھی تھا کہ اس کی موت کا خواہاں اس کا وہ بیٹا تھا جس کو اس نے اپنا ولی عہد اوّل نام زد کیا تھا۔

''اب میرا وقت قریب آچکا ہے سفیان!'' اس نے آخری ملاقات میں سفیان

Marfat.com

سے کہا تھا۔ ''اب میری خواہش ہے کہ میرے بعد تم میرے بیٹے مامون کا خیال رکھنا۔ مجھے یقین ہے کہ امین زیادہ عرصے تک مسندِ خلافت نہیں سنبھال سکے گا۔ یہ صلاحیت میرے بیٹوں میں سے صرف مامون میں ہے۔ وہ وقت آنے میں دیر نہیں لگے گی جب مامون مسندِ خلافت سنبھالے گا، اور سازشیں اس کے خلاف بھی ہوں گی۔ یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ تم اس وقت خود کو مامون سے بھی پوشیدہ رکھتے ہوئے اس کا خیال رکھنا۔''

ہارون الرشید نے مامون کے نام چند سطریں بھی لکھ کر دی تھیں اور کہا تھا۔ ''ہاں اگر کبھی بہت مجبوری ہو جائے تو مامون کو اپنے بارے میں بتا دینا۔ میرا یہ مختصر سا خط تمھارا گواہ ہوگا، لیکن یہ بھی مامون کے علاوہ کسی کے علم میں نہ آئے۔''

اس سارے واقعے کے چند دن بعد ہی ہارون الرشید دنیا سے رخصت ہو گیا تھا اور سفیان اس روز اسی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا جس طرح اپنی ماں کی موت پر رویا تھا۔ اس کے دل میں شہزادہ امین کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اس کی سمجھ میں یہ کبھی نہ آسکا کہ وہ کیا سیاسی مصلحت تھی جو سازش کے بارے میں جان لینے کے باوجود ہارون الرشید نے شہزادہ امین کی ولی عہدی منسوخ نہیں کی تھی۔

بعد میں وہ سارے حالات بھی سفیان کی نظر میں رہے تھے جن میں شہزادہ امین نے شہزادہ مامون سے متصادم ہونا ضروری سمجھا تھا اور اس تصادم کے نتیجے میں اسے مسندِ خلافت سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔

خلیفہ بننے کے بعد مامون نے خراسان میں ڈیرے ڈال دیے تھے اس لیے سفیان بھی مرو میں رہنے لگا تھا۔ کنیزوں کی تجارت اس نے برابر جاری رکھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مامون کے محل میں بھی ایک ایسی کنیز پہنچا دے جو اپنی صلاحیتوں کے بل پر مامون کا قرب حاصل کر لے۔

مامون کی خلافت کو سال بھر گزر چکا تھا جب سفیان نے دو کنیزیں اپنے لیے مخصوص کر لی تھیں۔ اس سے پہلے وہ صرف خادموں اور غلاموں پر انحصار کرتا رہا تھا۔ دو کنیزوں کی موجودگی معاشرے کا ایک لازمی جزو بن گئی تھی۔ غریب لوگ بھی اپنے گھر

Marfat.com

میں ایک آدھ سستی سی کنیز رکھتے ہی تھے۔

سفیان نے اپنے گھر میں جو دو کنیزیں رکھیں، ان سے اس نے کسب لذت کا کبھی تصور بھی نہیں کیا۔ وہ ان سے صرف خادمہ کی حیثیت سے کام لیتا تھا۔ عریب اور طاؤس ہی وہ دو کنیزیں تھیں جن کو اس نے اپنے گھر کے لیے وقف کیا تھا۔ یکا یک سفیان کو محسوس ہوا کہ عریب میں ایسی صلاحیتیں تھیں جنھیں اگر اجاگر کیا جاتا تو وہ مامون کی کنیز خاص بن سکتی تھی۔ یہ خیال آتے ہی اس نے عریب پر خصوصی توجہ دینا شروع کی اور دھیرے دھیرے اسے ذہنی طور پر اس کے لیے بھی آمادہ کیا کہ وہ اسے مامون کی کنیزوں میں شامل کرنا چاہتا ہے اور اس کی یہ خواہش کیوں ہے۔

انھی دنوں میں اسے بابک خرمی کے فرقے کے بارے میں بھی کچھ معلومات ہوئیں۔ اس فرقے کو مامون کے مستقبل کے لیے ایک خطرہ سمجھ کر اس نے ان لوگوں کے بارے میں مکمل معلومات کر لینا ضروری سمجھا۔

آخر کار اس نے اپنا مقصد حاصل بھی کر لیا۔ عریب مامون کے پاس اور طاؤس طرخان کے پاس پہنچ گئی۔

سفیان نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کے لیے ان دونوں کی پسندیدگی بڑھتی رہی تھی اور ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ عریب اسے شدّت سے چاہنے لگی تھی لیکن سفیان تغافل سے کام لیتا رہا تھا۔ عریب کی محبت بے اثر تو نہیں رہی تھی کیونکہ محبت بے اثر رہتی ہی نہیں لیکن سفیان کو اپنا مقصد زیادہ عزیز تھا۔ وہ دونوں اس کے لیے اتنی بااعتماد بھی ہوگئی تھیں کہ انھیں ان کی ''منزلوں'' تک پہنچانے سے پہلے سفیان نے انھیں اپنا راز دار بھی بنالیا تھا۔ وہ دونوں اس کی خاطر دنیا کی ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوگئی تھیں۔

اور اب طاؤس ایک کارنامہ سرانجام دے کر بغداد کی طرف روانہ ہو چکی تھی۔ پیغام میں اس نے اپنی روانگی کی وجہ بھی بنادی تھی اس لیے سفیان نے ضروری سمجھا کہ وہ طاؤس کے پیچھے پیچھے جائے اور اسے ہر متوقع خطرے سے بچانے کے لیے خود بھی مستعد اور چوکنا رہے۔ اس نے کرائے کے سپاہیوں کی ایک مناسب تعداد جمع کی، ان کی اور اپنے لیے سانڈنیاں خریدیں اور تیز رفتاری سے بغداد جانے والے راستے پر گام زن

Marfat.com

ہو گیا۔ اسے توقع تھی کہ وہ جلد ہی طاؤس کے قافلے سے جا ملے گا۔

لیکن جب سفر کرتے ہوئے سارا دن گزر گیا اور طاؤس کا قافلہ نہیں ملا تو سفیان کو پریشانی لاحق ہوئی۔ اسے سپاہی جمع کرنے اور سانڈنیاں خریدنے میں دن کا ایک پہر سے کچھ زیادہ وقت گزر گیا تھا لیکن طاؤس کا قافلہ مل جانے کی توقع اسے یوں تھی کہ بار بردار اونٹوں کے ساتھ طاؤس زیادہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتی تھی۔ شام ہونے سے پہلے پہلے اس کا قافلہ سفیان کو مل جانا چاہیے تھا۔

بغداد اور خراسان کے درمیان دو راستے تھے جن پر سفر کیا جا سکتا تھا۔ اگرچہ دونوں ہی راستے دشوار گزار تھے لیکن قافلوں کا سفر عموماً اس راستے پر ہوتا تھا جو نسبتاً کم دشوار گزار تھا، اور سفیان نے بھی وہی اختیار کیا تھا۔

☆☆☆

طاؤس نے جو خط سفیان کو بھیجا تھا، اس میں وہ اپنے راستے کا ذکر کرنا بھول گئی تھی یا وہ اس نے ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ مامون ہی کے مشورے کے مطابق اس راہ پر گام زن ہوئی تھی جو زیادہ دشوار گزار تھا۔ مامون کے خیال کے مطابق وہ راستہ زیادہ دشوار گزار تو تھا لیکن بڑی حد تک محفوظ تھا۔ اس کے برخلاف کم دشوار گزار راستے پر رہ زنوں، قزاقوں وغیرہ کا خطرہ رہتا تھا۔ جو قافلے اس راہ پر حفاظت کے کم بندوبست کے ساتھ سفر کرتے تھے، وہ اکثر لٹ جاتے تھے۔

طاؤس زیادہ دشوار گزار راستے پر گام زن ہوئی تھی مگر اس کے باوجود حفاظت کے معقول انتظامات تھے۔ خیمے اکھاڑنے اور گاڑنے والے مزدوروں اور باورچیوں کے علاوہ جو خدمت گار تھے، وہ سب سپاہی تھے۔ ان کے علاوہ ظاہری سپاہیوں کی تعداد بھی پچاس کے لگ بھگ تھی۔ ایک جراح اور دو طبیب بھی قافلے کے ساتھ تھے۔ طاؤس خود بھی پُر اعتماد تھی کیونکہ طرخان کی رفاقت میں اس نے خرمیہ فرقے کے دستور کے مطابق گھڑسواری کے علاوہ شمشیر زنی بھی سیکھی تھی۔ وہ ان معاملات میں طاق تو نہیں ہو سکی تھی لیکن اناڑی بھی نہیں تھی۔

قافلے میں گھوڑے صرف باقاعدہ سپاہیوں کے پاس تھے۔ خدمت گاروں اور

Marfat.com

مزدوروں کے لیے خچر اور گورخر تھے۔ ضروریات کا سامان بھی خچروں پر بار کیا گیا تھا تا کہ آسانی سے اتارا اور بار کیا جا سکے۔ اونٹوں پر صرف سامان تجارت لا دا گیا تھا اور طاؤس خود ایک اونٹ پر محمل میں بیٹھی تھی۔ قافلے میں ایک پالکی اس نے اس لیے رکھی تھی کہ اگر کسی وقت اونٹ کی سواری سے اکتاہٹ ہو تو وہ پالکی میں بیٹھ کر سفر جاری رکھ سکے۔

رات کے صرف ایک پہر میں یہ سارا بندوبست کوئی عام شخص کسی صورت میں نہیں کر سکتا تھا لیکن جب حکم کسی فرماں روائے وقت کا ہو تو کارندوں کی کمی نہیں ہوتی اور کارندے کام بھی برقی سرعت سے کرتے ہیں۔ طاؤس کو اس پر قطعی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ وہ سارا بندوبست اتنی جلدی ہو گیا تھا اور وہ اس خیال سے خوش بھی ہوئی تھی کہ مامون کے دل میں عریب نے اپنی بہت جگہ بنالی تھی۔ اس کی خواہش پر مامون نے طاؤس کے لیے وہ سارا بندوبست کروایا تھا۔ تجارت کا سارا سامان شاہی مال خانے اور خزانے سے نکلوایا گیا تھا جو ایک لاکھ دینار سے زیادہ کا تھا۔

دن بھر کے سفر کے بعد جب قافلے نے ایک مناسب جگہ پڑاؤ ڈالا تو قافلے کے رہ بَر و نگراں یعسوب فخری نے سب سے پہلے وہ خیمہ لگوایا جو طاؤس کی استراحت کے لیے تھا۔ وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ طاؤس ایک کنیز تھی۔

خود طاؤس کو ایسا محسوس ہوتا رہا تھا جیسے وہ کوئی شہزادی ہو۔ یہ اس کی زندگی کا بڑا انوکھا تجربہ تھا کہ اسے اپنے اردگرد نظر آنے والے تمام افراد اپنے خدمت گار محسوس ہو رہے تھے۔

رات کو اس نے خواب بھی ایسے ہی دیکھے جیسے وہ سچ مچ شہزادی ہو۔ صبح اٹھی تو اپنے خوابوں کو یاد کر کے اکیلے میں ہنستی رہی۔

کچھ دیر بعد قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ راستے میں طاؤس سوچتی رہی کہ بغداد پہنچنے کے بعد وہ لوگوں کی مرکزِ نگاہ تو بن ہی جائے گی۔ اس زمانے میں بھی عورتیں سوداگر ہوا کرتی تھیں لیکن ایسا بہت کم کم دیکھنے میں آتا تھا اور وہ عورتیں خاصی عمر دراز بھی ہوا کرتی تھیں جبکہ طاؤس کی عمر بائیس تئیس سال کے لگ بھگ تھی۔

دوپہر کو قافلہ کچھ وقت کے لیے ایک جگہ رکا اور پھر روانہ ہو گیا۔

رات کو پھر باقاعدہ پڑاؤ ڈالا گیا۔ آگ دہکی، کھانا پکا۔ کھایا بھی گیا۔ مزدوروں

Marfat.com

نے کچھ دیر گپ شپ کی اور سو گئے۔

طاؤس اپنے خیمے میں لیٹی جاگتی رہی۔ بہت سے خیالات اس کے دماغ میں چکراتے رہے۔ ایک سوال نے اسے تھوڑا سا پریشان کیا۔ کیا بابک خرمی کو اس کا علم ہو گیا ہوگا کہ وہ محل سے نہایت کروفر کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہوئی تھی؟

کچھ دیر بعد طاؤس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ وہ نیند سے پہلے کی غنودگی تھی جو نیند سے ہم آغوش نہیں ہو سکی۔ گھوڑوں کی زوردار ٹاپوں اور ان کے ہنہنانے کی آوازوں نے اسے چونکا دیا۔

''رہ زن آ گئے ہیں۔'' ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی شور بڑھا۔ ہتھیاروں کی جھنکار بھی سنائی دینے لگی۔ طاؤس نے جلدی سے اپنی تلوار سنبھالی جو اس نے کسی خاص خیال کے بغیر ہی اپنے ساتھ رکھ لی تھی۔ اسے یہ خیال نہیں تھا کہ وہ کسی وقت اپنی حفاظت کے لیے تلوار سنبھالنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں خاصی تیز ہو گئی تھیں۔ اس نے شمشیر زنی سیکھی تو تھی لیکن اس کی زندگی میں ایسا موقع پہلے کبھی نہیں آیا تھا کہ وہ خود کو ایسے کسی خطرے میں گھرا ہوا پاتی۔

باہر سے اب ایسی آوازیں آ رہی تھیں جو کم از کم طاؤس کے لیے خوف ناک ہی تھیں۔ گھوڑے اِدھر سے اُدھر دوڑ رہے تھے۔ سنگلاخ زمین پر ان کی ٹاپوں کا جیسے طوفان آ گیا تھا۔ مارنے والوں کے نعرے اور مرنے والوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہتھیاروں کے ٹکراؤ کی آوازیں بھی بہت زیادہ بڑھ چکی تھیں۔

دفعتاً کوئی دوڑتا ہوا خیمے میں آیا۔ پریشان اور خائف ہونے کے باوجود طاؤس نے تلوار کے قبضے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی لیکن آنے والے کو پہچاننے کے بعد اس کی جان میں جان آئی۔

وہ سالارِ قافلہ یعسوب فخری تھا۔

''رہ زن آ گئے ہیں؟'' طاؤس نے ہذیانی انداز میں پوچھا۔

''بہ ظاہر تو رہ زن ہی لگتے ہیں۔ انھوں نے اپنے عماموں سے چہرے ڈھک لیے ہیں لیکن میں نے کبھی نہیں سنا کہ رہ زنوں کا کوئی اتنا بڑا گروہ ہو۔ ان کی تعداد بہت

Marfat.com

زیادہ ہے۔ آپ میرے ساتھ نکل چلیے! آپ کو بچانا میرا فرض ہے۔'' یعسوب فخری بہت تیزی سے بولتا ہی چلا گیا اور اس کے بعد بول ہی نہیں سکا۔ خیمے میں سوراخ کرتا ہوا ایک تیر اندر آیا تھا اور اس کی نوک یعسوب کی گدی میں پیوست ہوگئی تھی۔ وہ چکرا کر گرا۔ اس کے ہاتھ سے تلوار بھی چھوٹ کر ایک طرف جا گری تھی۔

خوف سے طاؤس کی چیخ نکل گئی۔

''عورت کی آواز اس خیمے سے آئی ہے۔'' باہر کوئی بلند آواز سے بولا۔ ''وہ ہرگز زندہ نہ بچے!'' دوسرا جملہ ایک حکم یا ہدایت تھی۔

یعسوب فخری ساکت پڑا ہوا تھا۔ وہ شاید صرف بے ہوش ہی ہوا ہو۔ اس کی گدی میں تیر اتنی زیادہ گہرائی تک نہیں اترا تھا کہ اس کی موت واقع ہوسکتی۔

خیمے کے در کی طرف جانا خطرناک سمجھتے ہوئے طاؤس ایک عالمِ وحشت میں تیزی سے مڑی۔ اسے علم تھا کہ اس کے خیمے کے عقب میں کچھ فاصلے پر گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وہ کسی گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے دور نکل جانے کی کوشش کرسکتی تھی۔ اس نے تلوار کے وار سے قنات چیر دی اور اس طرف سے باہر نکلی۔

باہر کے مناظر بھی طاؤس کے لیے خوف ناک ہی تھے۔ کئی خیموں میں آگ لگائی جا چکی تھی۔ جگہ جگہ لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور خون بہہ رہا تھا۔ گھوڑے اب بھی اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ عمامے سے چہرے ڈھکے ہوئے لوگوں اور طاؤس کے قافلے کے سپاہیوں میں مقابلہ جاری تھا۔

طاؤس بے تحاشا اس طرف دوڑی جہاں گھوڑے بندھے نظر آرہے تھے۔ شور شرابے نے انھیں بھی ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ہنہنا رہے تھے اور اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے ٹاپیں مار رہے تھے۔ اگر وہ بندھے ہوئے نہ ہوتے تو جس طرف منہ اٹھتا، بھاگ نکلتے۔

طاؤس کو خوف ہوا کہ وہ ان بدکے ہوئے گھوڑوں میں سے کسی کو بھی نہیں سنبھال سکے گی۔ گھڑ سواری میں اسے مہارت حاصل نہیں تھی لیکن اپنے اردگرد برپا قیامت سے بچ نکلنے کے لیے اسے کوئی دوسرا راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

Marfat.com

''وہ بھاگ رہی ہے۔'' شور وشغب میں ایک چیختی ہوئی آواز ابھری۔

طاؤس نے پلٹ کر دیکھے بغیر اپنی رفتار تیز کر دی اور ایک گھوڑے کے قریب پہنچ بھی گئی لیکن اس کے بعد کچھ نہیں کر سکی۔ کسی جانب سے پھینکا جانے والا نیزہ اس کی کمر کی کوئی ہڈی توڑتا ہوا اس کے جسم میں پیوست ہو گیا تھا۔ طاؤس نے ایک جھٹکا کھایا اور تیورا کر پہلو کے بل گری۔ اس کے دماغ پر اندھیرا چھایا اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ وہ اپنے ہوش وحواس بحال نہیں رکھ سکی تھی۔

☆☆☆

دارالخلافہ، خراسان سے بغداد منتقل کرنا کوئی اتنا آسان کام نہیں تھا کہ دو تین دن کی تیاری کے بعد روانگی عمل میں آسکتی اس لیے مامون نے حکم دیا تھا کہ دفاتر کی منتقلی بہ تدریج کی جائے لیکن وہ خود لشکر اور سامانِ حرب کے ساتھ جلد از جلد روانہ ہو جائے چنانچہ تیسری صبح روانگی عمل میں آسکی، اور وہ بھی اس طرح کہ ایک چوتھائی سے کچھ زیادہ سامان حرب خراسان ہی میں رہ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے لشکر کا بھی ایک معتد بہ حصہ خراسان ہی میں چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ لشکر ہی باقی سامان حرب لے کر اور ایک دن بعد بغداد آتا۔

خراسان کا حاکم مامون نے عبداللہ بن طاہر کو بنایا تھا اور صوبے کے لیے جو فوج ضروری تھی، اسے بھی وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔

تیسرے دن کے سفر کے بعد جب پڑاؤ ڈالا گیا تو لشکر گاہ کئی میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ لشکر گاہ کے قلب میں وہ بہت بڑا خیمہ لگایا گیا تھا جس میں مامون کا حرم بھی تھا اور غلام وخدام کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی! وہ خیمہ لگانے میں چار سو مزدوروں کو بڑی تن دہی سے کام کرنا پڑا تھا۔ اس خیمے میں قناتوں سے بے شمار کمرے بنائے گئے تھے جس میں سے ایک عریب کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ قندیلوں کی روشنی سے منور اس کمرے میں لیٹی ہوئی عریب کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ امیرالمومنین آج ماحضر اپنے حرم کے ساتھ تناول فرمائیں گے کیونکہ یہ ان کے چار سالہ لاڈلے بیٹے شہزادہ عباس کی فرمائش تھی۔

عریب بستر پر لیٹی خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے طاؤس کے بارے میں

Marfat.com

اطمینان تھا کہ وہ بغداد کی طرف رواں دواں ہوگی۔ سفیان کے بارے میں وہ سوچ رہی تھی کہ ان بدلے ہوئے حالات میں وہ بھی خراسان میں نہیں رکا ہوگا اور لشکرِ خلافت کے پیچھے پیچھے وہاں سے روانہ ہوگیا ہوگا۔

بابک خرمی کے بارے میں عریب نے ابھی تک مامون کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ بات مناسب ہی تھی کہ مامون جب تک سلطنت کے بگڑے ہوئے انتظام وانصرام کو نہ سنبھال لے، اس کا دماغ بابک خرمی کی طرف نہ الجھایا جائے۔

الوہیت کے دعوے دار اور فرقے کے قائد بابک نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت دے رکھی تھی کہ جب تک اعلانِ بغاوت نہ کیا جائے، وہ عام لوگوں میں گھلے ملے رہیں اور فرقے سے اپنے تعلق کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔ طرخان جہاں مقیم تھا، وہاں کے لوگ تو اس بات تک سے ناواقف تھے کہ طرخان نے طاؤس سے شادی کرلی تھی۔ ان لوگوں کے خیال کے مطابق تو وہ بہ دستور طرخان کی کنیز تھی جسے خلیفہ وقت نے اپنے محل کے لیے خرید لیا تھا۔

طاؤس نے اس فرقے کے بارے میں جو معلومات جمع کی تھیں، ان میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ بابک خرمی نے اپنا مستقر جن پہاڑوں میں بنایا تھا، وہاں تک عباسی لشکر کی رسائی کو قریب قریب ناممکن کہا جاسکتا تھا۔ وہ راستے حد درجہ دشوار گزار اور پے چیدہ تھے۔ طاؤس نے ان راستوں کا نقشہ اپنے ذہن میں بہت اچھی طرح محفوظ کر لیا تھا۔ جب بھی وہاں حملہ کیا جاتا، طاؤس ہی عباسی لشکر کی رہ نمائی کرسکتی تھی۔

عریب کا خیال تھا کہ وہ وقت آنے میں سال بھر ضرور لگ جاتا۔ ابھی تو بغداد ہی پہنچنے میں کافی دن لگتے۔ پھر بگڑے ہوئے حالات کو سنبھالنے میں بھی کچھ نہ کچھ وقت گزرتا۔ اس کے بعد ہی مامون کو بتایا جاتا کہ مستقبل میں بابک خرمی کتنا بڑا فتنہ بن کر ابھرنے والا تھا۔

مامون نصف رات کے قریب عریب کے پاس آیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر اطمینان تھا۔

''میں نے ان تین دنوں میں آپ کو بالکل پریشان نہیں دیکھا'' عریب بولی۔

Marfat.com

''جن معاملات کو سنبھالا جا سکتا ہے، ان کے لیے پریشان کیوں ہوا جائے عریب!'' مامون نے کہا۔

''ذوالریاستین کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں ہے آپ کو؟''

''ہم نے تم سے کہا تھا کہ ہمارے خلاف اس کے دل میں معاندانہ جذبات نہیں ہیں لیکن اس کی ہوسِ اقتدار بہرحال دوبارہ بھی کوئی گل کھلاسکتی ہے جس کا حل ہم نے سوچ لیا ہے۔ ابھی تو بغداد پہنچ کر حالات کو روبہ اصلاح کرنا ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی اقدام کریں گے۔ سیاسی معاملات میں بڑے تحمل سے کام لینا پڑتا ہے۔ ابن سہل تو اس واقعے سے پہلے بھی ہمارے دل میں ایک گرہ ڈال چکا ہے۔ وہی نہیں بلکہ ہمیں طاہر کی وجہ سے بھی ایک دکھ پہنچ چکا ہے حالانکہ ہم اسے ذوالیمنین کے خطاب سے سرفراز کر چکے ہیں۔''

عریب متجسس ہوگئی۔ وہ اس بارے میں کچھ سوالات کرنا ہی چاہتی تھی کہ باہر پہرا دینے والوں میں سے کسی نے اندر آنے کی اجازت لی اور آنے کے بعد اطلاع دی کہ ذوالریاستین فوراً باریاب ہونا چاہتے ہیں۔ مامون نے اس کی بھی اجازت دے دی اور پھر عریب سے کہا۔

''معاملہ کسی خاص نوعیت کا حامل ہوسکتا ہے ورنہ ذوالریاستین کو اس وقت ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔''

مامون کا خیال درست ثابت ہوا۔ فضل بن سہل نے آکر اطلاع دی کہ سفیان مشہدی ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ لشکر کے مشرقی بازو سے آملا ہے اور جلد از جلد مامون تک پہنچنا چاہتا ہے۔

عریب کو ذہنی جھٹکا اس اطلاع سے لگا کہ سفیان کے ساتھ طاؤس بھی تھی جس کی پیٹھ میں کسی نیزے کا بہت گہرا چرکا لگا تھا اور اسی لیے اسے پالکی میں لٹا کر لایا جا رہا تھا۔

فضل بن سہل نے کہا۔ ''میں نے قاصد کو اس اجازت کے ساتھ واپس بھیج دیا ہے کہ صرف طاؤس اور سفیان کو خیمۂ خلافت کی طرف آنے دیا جائے، باقی لوگ وہیں روک لیے جائیں۔''

''تم نے ٹھیک کیا ذوالریاستین!'' مامون نے بے چینی سے کہا۔ ''جاؤ، تم خود

Marfat.com

جا کر انھیں جلد از جلد یہاں لاؤ۔ طبیبوں اور جراحوں سے کہہ جاؤ کہ وہ تیار رہیں۔''

اس دوران میں عریب کے چہرے کا رنگ بار بار بدلتا رہا تھا۔ وہ فضل بن سہل کے جاتے ہی بولی۔ ''یہ کیسے ہوگیا امیرالمومنین؟ طاؤس کو اتنا زخمی کس نے کر دیا؟''

''ایک الجھن یہ بھی ہے کہ طاؤس کو سفیان ہی اکیلا کیوں لایا ہے۔'' مامون نے کہا۔ ''طاؤس کے ساتھ جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا، وہ کہاں رہ گئے۔''

''طاؤس زخمی کیسے ہوگئی!'' عریب کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

مامون نے چند الفاظ میں عریب کی ڈھارس بندھائی، پھر کہا۔ ''ہم نہیں چاہتے تھے کہ جب وہ آئے تو جراح اور طبیب سو رہے ہوں۔ ہم تمھارے سامنے حکم دے چکے ہیں کہ انھیں اس وقت تیار ہونا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ طاؤس زخمی کیسے ہوگئی تو اس کا علم اسی وقت ہو سکے گا جب طاؤس یہاں پہنچ جائے گی۔''

لیکن جب طاؤس وہاں پہنچی تو خود کچھ بتانے کے قابل ہی نہیں تھی۔ وہ پالکی میں ساکت لیٹی ہوئی تھی۔ بستر خون میں تربتر تھا۔ خود وہ اتنی سفید پڑ گئی تھی جیسے اس کے جسم سے سارا خون نکل چکا ہو۔ اس کی سانسیں اکھڑی اکھڑی سی تھیں۔

عریب نے اس کی یہ حالت دیکھی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جراح و طبیب فوراً آ گئے تھے۔ ان کی ساری توجہ طاؤس پر مرکوز ہوگئی۔ عریب اسی کے پاس بیٹھی رہی۔

مامون کو حالات کا علم سفیان سے ہوا۔

''میں کنیزوں کی خریداری کے سلسلے میں انطاکیہ جا رہا تھا امیرالمومنین!'' سفیان نے بتانا شروع کیا۔ ''خریداری کے لیے میں ایک بہت بڑی رقم لے کر چلا تھا اس لیے رہ زنی کے خطرے سے بچنے کے لیے میں نے دشوار گزار راستہ اختیار کیا تھا۔ کل رات میں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تھا تو خاصے فاصلے پر جگنو سے ٹمٹماتے نظر آ رہے تھے۔ مجھے خیال آیا تھا کہ وہ میری ہی طرح کے کسی محتاط شخص کے قافلے کا پڑاؤ ہوگا۔ میں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پڑاؤ میں طاؤس بھی ہوگی جسے میں نے کافی عرصے پہلے آذربائیجان کے ایک عطر فروش کو بیچا تھا۔''

''صرف رات کا ماجرا بیان کرو سفیان!'' مامون بے چینی سے بول پڑا۔

Marfat.com

''میں اب وہی عرض کرتا ہوں امیرالمومنین!'' سفیان نے کہا۔''آدھی رات کے قریب قافلے کے کچھ لوگوں نے مجھے جگایا۔ اس وقت میں نے بھی ہلکے سے شور کی آواز سنی جو طاؤس کے پڑاؤ کی طرف سے آرہی تھی۔ غور سے دیکھنے پر اندازہ ہوا کہ وہاں جگہ جگہ آگ بھی بھڑک رہی تھی۔ میں فوراً اپنے سپاہیوں کے ساتھ سانڈنیوں پر سوار ہوکر اس طرف بڑھا کہ دیکھوں تو آخر ماجرا کیا ہے۔ میرے قافلے میں جو لوگ ہیں، وہ تقریباً سبھی کرائے کے سپاہی ہیں۔ ہم جب اس پڑاؤ کے قریب پہنچے تو وہاں سب کچھ برباد ہو چکا تھا۔ خیموں میں آگ لگائی جا چکی تھی۔ زخمیوں کے علاوہ ہر طرف لاشیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ بہت سی لاشوں کے چہرے عماموں سے ڈھکے ہوئے تھے اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ وہ رہ زن تھے۔ جو مارے نہیں گئے تھے، وہ لوٹ مار کر کے فرار ہو چکے تھے۔ ایک جگہ مجھے زخمی حالت میں طاؤس بھی نظر آئی۔ اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ وہ آذربائیجان سے وہاں کیسے پہنچ گئی۔''

سفیان کو یہ ظاہر رنا مقصود تھا کہ طاؤس کی محل تک رسائی اس کے علم میں نہیں تھی۔

''امیرالمومنین!'' سفیان نے اپنی بات جاری رکھی۔''اس قسم کے سفر میں ایک آدھ طبیب اور ایک آدھ جراح ہر قافلے میں ہوتا ہے چنانچہ میں بھی اس کا بندوبست کر کے چلا تھا لیکن وہ آدمی دس بارہ زخمیوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تھے۔ ان زخمیوں کو میں نے کچھ سپاہیوں کے ساتھ اصطخر روانہ کر دیا کیونکہ وہاں سے قریب ترین شہر وہی تھا۔''

''طاؤس کے بارے میں بتاؤ سفیان!'' مامون بول پڑا۔''طاؤس کے بارے میں بتاؤ۔''

سفیان بولا۔''طاؤس کی پیٹھ میں کمر کے قریب ایک نیزہ پیوست تھا۔ جراح نے میری مدد سے کسی نہ کسی طرح وہ نیزہ بڑی احتیاط سے نکالا اور جو دوا میسّر تھی، وہ بھر کر پٹی باندھی لیکن خون کا بہاؤ اطمینان بخش حد تک نہیں رکا۔ اسی دوران میں طاؤس کو ہوش بھی آگیا۔ وہ بہت تکلیف میں بڑی مشکل سے بول پا رہی تھی۔ میں اسے بھی دوسرے زخمیوں کے ساتھ اصطخر بھیج دینا چاہتا تھا لیکن اس نے یہ کہہ کر مجھے حیران کر دیا کہ اسے ہر صورت میں آپ تک پہنچایا جائے۔ اسی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ اپنے

Marfat.com

لشکر کے ساتھ خراسان سے بغداد کی طرف روانہ ہو چکے ہوں گے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد مجھے خیال آیا کہ آپ تک پہنچنے میں دیر لگے گی جبکہ اصطخر بہت قریب تھا لیکن طاؤس کی ضد تھی کہ اسے آپ تک پہنچایا جائے۔ میں بہت حیران تھا کہ آپ سے اس کا کیا تعلق لیکن میں نے فوری طور پر استفسارات کرنے میں وقت ضائع نہیں کیا اور کچھ لوگوں کے ساتھ اسے لے کر اس راستے پر چل پڑا۔ راستے میں اس کا یہ حال رہا کہ اس پر کبھی کبھی غشی طاری ہونے لگتی تھی۔ جب جب وہ ہوش میں رہی، مجھے بتاتی رہی کہ وہ آپ کے محل تک کیونکر پہنچی تھی لیکن یہ اس نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ اس دشت بیاباں میں کیوں سفر کر رہی تھی۔''

وہ راستہ دشت کبیر سے گزرتا تھا۔

مامون نے جھنجلا کر پوچھا۔ ''تمھارے ساتھ وہ کیسا طبیب تھا جس نے طاؤس کا اتنا خون بہہ جانے دیا؟''

''وہ کوئی بہت اچھا طبیب بہرحال نہیں تھا امیر المومنین!'' سفیان نے جواب دیا۔ ''اپنی سی کوششوں میں وہ کسی حد تک کام یاب ضرور رہا تھا لیکن بدنصیبی یہ ہوئی کہ آج سہ پہر کے قریب اسے کسی بہت ہی زہریلے سانپ نے ڈس لیا۔ وہ فوراً ہی مر گیا تھا۔ میں نے اس کے بعد سفر تو جاری رکھا لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں تھی کہ خون کا بہاؤ روکنے یا کم کرنے کے لیے کوئی طبی تدبیر کر سکتا۔ مجھ سے بس اتنا ہی ہو سکا کہ میں نے اس کی کمر پر ایک دبیز پٹی باندھ کر زخم کا منہ بند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سہ پہر سے اب تک طاؤس کا خون بہت زیادہ مقدار میں بہہ چکا ہے۔''

مامون نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''رہ زن آخر کتنی بڑی تعداد میں تھے کہ طاؤس کے ساتھ جتنے لوگ تھے، وہ سب مارے گئے۔''

''امیر المومنین!'' سفیان بولا۔ ''طاؤس نے اپنے سالار لشکر یعسوب فخری کے حوالے سے بتایا ہے کہ وہ رہ زن کیا تھے، ایک اچھا خاصا لشکر تھا جن میں سے بعض لوگوں کی یا کم از کم کسی ایک کی یہ خواہش ضرور تھی کہ لوٹ کھسوٹ کے ساتھ ساتھ طاؤس کو ضرور ہلاک کر دیا جائے۔''

Marfat.com

''کیا مطلب!'' مامون چونکا۔ ''یہ اندازہ کس بات سے لگایا گیا؟''

سفیان نے وہ جملے دہرا دیے جو طاؤس نے اسے بتائے تھے اور جو خود اس نے کسی رہ زن کو کہتے سنے تھے۔

مامون کے چہرے پر گہری سوچ بچار کا تاثر ابھر آیا۔ سفیان مؤدبانہ انداز میں سر جھکائے کھڑا رہا۔

''سفیان مشہدی!'' کچھ رک کر مامون بولا۔ ''عریب تمھاری شکر گزار ہوگی کہ تم نے اس کی سہیلی کو یہاں پہنچا دیا۔ اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ تم چاہو تو آج کی رات ہمارے لشکر کے ساتھ گزار سکتے ہو۔ کل صبح اپنے سفر پر روانہ ہو جانا۔ تم انطاکیہ جا رہے ہو نا؟''

''امیر المومنین!'' سفیان نے کچھ تذبذب سے کہا۔ ''میرا ایک طبیب مر چکا ہے اور دوسرا زخمیوں کو لے کر اصطخر چلا گیا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ میں نے اپنے نصف کے قریب سپاہی بھی بھیج دیے ہیں۔ اب میرے ساتھ سپاہیوں کی اتنی تعداد نہیں کہ اس سفر میں انھیں اطمینان بخش سمجھا جا سکے۔ میرے ساتھ اب کوئی طبیب بھی نہیں ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں بغداد تک آپ کے لشکر کے ساتھ ہی چلوں۔ بغداد سے میں نئے بندوبست کے ساتھ انطاکیہ کی طرف بڑھ جاؤں گا۔''

''کوئی حرج نہیں۔ تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔'' مامون نے کہا اور پھر فضل بن سہل سے مخاطب ہوا جو وہیں موجود تھا۔ ''ایک چھوٹا خیمہ سفیان مشہدی کو دلوا دو ذوالریاستین!''

''بہتر ہے۔'' فضل بن سہل نے کہا، پھر بولا۔ ''کیا میں انھیں لے جاؤں؟'' اس کا اشارہ سفیان کی طرف تھا۔

''ہاں۔'' مامون نے کہا، پھر سفیان سے بولا۔ ''تم ان کے ساتھ جاؤ۔ ایسا بندوبست کر دیا جائے گا کہ تم ہمارے شریکِ سفر رہ سکو۔''

اس وقت سفیان کی خواہش یہی ہوگی کہ عریب اور طاؤس، اور خصوصاً طاؤس کی نازک حالت کے پیشِ نظر وہاں رکے لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ ان دونوں سے اپنے ''تعلقِ خاص'' کو اب بھی راز رکھنا چاہتا تھا۔ اسے فضل بن سہل کے ساتھ جانا پڑا۔

Marfat.com

اس وقت بھی تین طبیب اور ایک جراح طاؤس کے بستر کو گھیرے ہوئے تھے اور ایک دوسرے کے مشورے سے طاؤس کی حالت سنبھالنے کے لیے کوششیں کر رہے تھے۔ عریب، طاؤس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی اور طاؤس کے لیے مغموم و فکر مند نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

صبح ہونے تک طاؤس کی حالت اس حد تک سنبھل گئی کہ اس کی اکھڑی ہوئی سانسیں ہم وار ہو گئیں۔ اطبّا نے اظہار بھی کر دیا کہ اب طاؤس کی زندگی خطرے سے باہر تھی لیکن اس کا مکمل علاج اور اس کے تن دُرست ہونے میں کئی ماہ لگ سکتے تھے۔

مامون اپنے سفر میں تاخیر بالکل نہیں چاہتا تھا اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ اونٹ پر ایک کشادہ ہودج لگایا جائے جس میں طاؤس کو آرام سے لٹایا جا سکے اور اس ہودج میں دو طبیب کم از کم اس وقت تک طاؤس کے قریب رہیں جب تک اسے ہوش نہ آ جائے۔

عریب شدید خواہش مند تھی کہ طاؤس کے قریب رہے اس لیے طریقہ کار میں تھوڑی سی ترمیم کی گئی۔ ایک طبیب کم کر کے اس کی جگہ عریب کو دی گئی۔ اس کے ساتھ یہ بندوبست بھی کیا گیا کہ ایک طبیب اور ایک جراح بھی اونٹوں پر طاؤس کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلیں اور ان کے ساتھ وہ اونٹ بھی ہو جس پر بے شمار ادویات کے ساتھ عملِ جراحی کا سامان بھی موجود ہو۔

مامون کے دل میں طاؤس کے لیے گنجائش پیدا ہونے کا بنیادی سبب تو وہی تھا کہ اسی کی وجہ سے مامون کو سلطنت کی ابتری کا علم ہوا تھا لیکن دوسری بات یہ بھی تھی کہ عریب اور طاؤس کا قلبی تعلق تھا۔ باقی باتیں ابھی مامون کے لیے پسِ پردہ ہی تھیں۔

سفر شروع ہوئے ایک گھنٹا گزرا تھا کہ طاؤس کے پپوٹوں میں حرکت نظر آئی۔

"اسے ہوش آ رہا ہے نا حکیم صاحب!" عریب کی آواز خوشی سے کانپ گئی۔

"جی ہاں۔" طبیب نے کہا۔ "یہ آنکھیں کھولنے ہی والی ہیں۔ کسی طبّی سبب سے ضروری تھا کہ انھیں خود ہی ہوش آئے۔ اب ہوش آ رہا ہے انھیں!"

طاؤس نے آنکھیں کھول دیں اور پلکیں جھپکانے لگی۔ اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے اسے یہ احساس بھی نہ ہو کہ وہ کون ہے۔

Marfat.com

''طاؤس!'' عریب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''یہ میں ہوں، عریب۔ مجھے پہچان رہی ہونا؟''

طاؤس کی آنکھوں میں خفیف سی چمک آئی، جیسے اس نے عریب کو پہچان لیا ہو۔ اس کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی آئی لیکن ایسی جیسے ہوا کا ایک نرم سا جھونکا!

''میں ...... میں ......تم ......'' طاؤس کی آواز میں ایسی لکنت تھی جیسے وہ شدید نقاہت کا شکار ہو، اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اس کے جسم سے اتنا خون بہہ چکا تھا کہ وہ مُردوں کی طرح سفید پڑ گئی تھی۔

''بہتر ہوگا کہ ابھی آپ خاموش رہیں۔'' طبیب نے طاؤس سے کہا۔ ''آپ بہت کم زور ہوگئی ہیں۔''

''ہاں طاؤس!'' عریب جلدی سے بولی۔ ''تم خاموش لیٹی رہو۔ میں تمھیں سب کچھ تفصیل سے بتادوں گی۔''

پھر عریب نے ہودج سے سر باہر نکال کر اس سپاہی کی طرف دیکھا جو اونٹ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اسے اسی لیے مامور کیا گیا تھا کہ وہ مامون کو طاؤس کے ہودج کی صورتِ حال سے آگاہ کرتا رہے۔

اس سپاہی نے عریب کے کہنے کے مطابق آگے جا کر مامون کو طاؤس کے ہوش میں آنے کی اطلاع دے دی۔

اگرچہ اطبّا نے صبح ہی اپنے اطمینان کا اظہار کر دیا تھا لیکن مامون کو اب اطمینان ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ طاؤس زندہ رہے اور کوئی ایسی بات بتا سکے جس سے حملہ آوروں کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم ہو سکے۔

عریب کا یہ خیال مامون کے دماغ کو پریشان رکھے ہوئے تھا کہ فضل بن سہل طاؤس کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔

کیا وہ حملہ فضل بن سہل نے کروایا تھا؟

مامون اس سوال کا حتمی جواب جاننا چاہتا تھا۔

سفر جاری رہا۔ طاؤس کی حالت بہت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ تیسرے دن

Marfat.com

وہ اس قابل ہو سکی کہ نقاہت کے باوجود تھوڑا بہت بول سکے لیکن اس نے جو کچھ بتایا مامون کو اس سے کوئی خاص اشارہ نہیں مل سکا۔ اس نے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا جو مامون کو سفیان سے معلوم ہو چکا تھا۔

طاؤس کے معاملے میں مامون کی دل چسپی لشکر کے بہت سے لوگوں کے علم میں بھی آ چکی تھی اس لیے سفیان بھی طاؤس کی بہ تدریج سنبھلتی ہوئی حالت سے بے خبر نہیں تھا۔ یہ خلش اس کے دل و دماغ میں بھی موجود تھی کہ رہ زنوں میں سے کون تھا جسے طاؤس کی زندگی ختم کرنے کی خواہش تھی؟ رہ زن تو صرف لوٹ مار کرتے ہیں۔ کسی قافلے کے کسی خاص شخص کو ہلاک کرنا ان کا مقصد نہیں ہوتا۔

مامون کے دماغ میں جو شبہ کلبلا رہا تھا، اس میں صرف فضل بن سہل کا نام تھا لیکن سفیان کو بابک خرمی کا بھی خیال آ رہا تھا۔ اسے کوئی ایسی بات معلوم ہو سکتی تھی کہ وہ طاؤس کا دشمن بن جاتا۔

وہ سفر کا بارہواں دن تھا جب طاؤس نے طبیب سے شکایت کی۔ ''جب میں ایک پہلو سے لیٹے لیٹے تھک جاتی ہوں تو مجھے دوسری کروٹ دلا دی جاتی ہے۔ اب مجھے اس سے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔ مجھے آخر سیدھا کیوں نہیں لیٹنے دیا جا رہا ہے؟ اگر میری کمر کے زخم کے نیچے کوئی گدیلی چیز رکھ دی جائے، تو بھی کیا مجھے زیادہ تکلیف ہوگی؟''

''جی ہاں۔'' طبیب نے جواب دیا۔ ''ابھی آپ کو خاصا عرصہ کروٹ ہی سے لیٹنا ہوگا۔''

''خاصا عرصہ؟'' طاؤس روہانسی ہوگئی۔

طبیب نے سر جھکا لیا۔ طاؤس نے بڑی بے بسی سے عریب کی طرف دیکھا۔

عریب نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔ ''ہمت سے کام لو طاؤس! بہت گہرا زخم لگا ہے تمھیں! اس کی تکلیف تم اسی صورت میں برداشت کر سکتی تھیں جب تم میں کچھ طاقت ہوتی۔ جب سفیان تمھیں بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائے تھے، اس وقت تو تم بالکل سفید پڑی ہوئی تھیں۔ اب تمھارے چہرہ پر وہ مُردنی نہیں ہے۔ ہمت سے کچھ وقت اور گزار لو۔ صحت اور بہتر ہو جائے تو تم سیدھی بھی لیٹ سکو گی۔''

Marfat.com

طاؤس نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ بہت اداس نظر آنے لگی تھی۔

چودھویں رات کو جب لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا تو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کئی قاصد وہاں پہنچے۔ انھیں ایران کے مختلف صوبوں کے والیوں نے اس اطلاع کے ساتھ بھیجا تھا کہ بابک خرمی نے سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کردی تھی۔ اس کا مستقر ''بذّ ان'' میں کسی جگہ تھا۔ وہاں سے اس نے مسلم آبادیوں پر حملے کیے تھے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد تہِ تیغ کردی گئی تھی اور املاک لوٹ لی گئی تھیں۔ بچوں کے سر اڑا کر انھیں ٹھوکریں ماری گئی تھیں۔ جوان عورتوں کو وہ اٹھالے گئے تھے۔ ان کی بربریت سے بچ نکلنے والوں نے مراغہ جا کر پناہ لی تھی اور قلعہ بند ہوگئے تھے۔

آرمینیا کے والی نے بابک خرمی کے دعوۂ الوہیت اور اس فرقے کے اعتقادات کی تفصیل بھی لکھی تھی۔

عریب کو وہ ساری باتیں مامون سے معلوم ہوئیں اور اس نے وہ سب کچھ طاؤس کو بتایا اور کہا۔ ''امیر المومنین نے نہ جانے کیوں آرمینیا ہی کا والی تبدیل کردیا ہے۔ اس کی جگہ یحییٰ بن معاذ لذہلی کو دی گئی ہے اور اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ جلد از جلد اس بغاوت کا قلع قمع کردے۔''

طاؤس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''وہ کچھ بھی نہیں کرسکے گا۔ بابک خرمی کے مستقر تک پہنچنے کا راستہ صرف میں ہی کسی سالارِ لشکر کو بتا سکتی ہوں لیکن میں فی الحال تو کھڑی ہونے کے قابل بھی نہیں رہی ہوں۔''

اس وقت خیمۂ خلافت کے ''قناتی'' کمرے میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ طاؤس کی حالت اب اس حد تک سنبھل گئی تھی کہ طبیب کی ہمہ وقت موجودگی ضروری نہیں رہی تھی۔ اس روز کے سفر میں طبیب طاؤس کے ہودج میں بھی نہیں رہا تھا۔

عریب نے متفکر لہجے میں کہا۔ ''اب امیر المومنین کو یہ بتانے کا وقت آگیا تھا کہ تم بابک خرمی کے بارے میں کیا کیا معلومات حاصل کرچکی ہو اور تم سے یہ کام لینے کی منصوبہ بندی سفیان نے کی تھی۔''

''میری حالت ایسی ہے عریب کہ امیر المومنین کو یہ سب کچھ بتانے کا کوئی فائدہ تو

Marfat.com

ہو نہیں سکتا۔" طاؤس نے کہا، پھر بولی۔ "اس دوران میں تم سفیان سے بھی نہیں مل سکی ہو!"

"کیسے ملتی!" عریب نے کہا۔ "مجھے اتنا تو علم ہے کہ وہ لشکر کے ساتھ ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ جب پڑاؤ ڈالا جاتا ہے تو ان کا خیمہ کس جگہ ہوتا ہے، اور اگر خیمے کا پتا بھی لگ جائے تو کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اگر ان سے ملنے جاؤں گی تو امیرالمومنین کو اس کا علم ہو جائے گا۔ معلوم نہیں سفیان یہ سارا معاملہ کب تک راز میں رکھنا چاہتے ہیں!"

"کسی طرح ان سے ملو عریب!" طاؤس نے کہا۔ "ان سے کہو کہ اب یہ راز افشا کر دیں۔"

"وہ ہرگز نہیں مانیں گے۔" عریب نے کہا۔ "خلیفہ ہارون الرشید نے ان سے عہد لیا تھا، ان سے حلف اٹھوایا تھا کہ جب تک بہت ہی ناگزیر نہ ہو جائے، وہ امیرالمومنین کو اپنے بارے میں کچھ نہ بتائیں!"

طاؤس نے ٹھنڈی سانس لی۔ "سمجھ میں نہیں آتا خلیفہ ہارون الرشید نے یہ راز داری کیوں ضروری سمجھی تھی!"

"اس کا ایک ہی سبب ہو سکتا ہے۔" عریب نے کہا۔ "شاید انھوں نے سوچا ہو کہ جب امیرالمومنین ہی اپنے خفیہ محافظ سے بے خبر رہیں گے تو ان کے دشمن یا مخالف ان سے زیادہ بے خبر رہیں گے۔"

"یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سفیان سے یہ عہد لیتے وقت خلیفہ ہارون الرشید کے ذہن میں کیا خیال تھا۔" عریب نے کہا۔ "لیکن سفیان تو اپنے عہد اور اپنے حلف کا پاس رکھیں گے۔"

ان دونوں میں یہ گفت گو مختلف پہلوؤں سے جاری رہتی لیکن اسی وقت ایک کنیز نے آ کر عریب سے کہا۔ "امیرالمومنین آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ مجھے ہدایت کی ہے کہ میں یہیں رک کر ان کا خیال رکھوں۔" دوسرے جملے میں اس کا اشارہ طاؤس کی طرف تھا۔

"ابھی تو آئی ہوں میں ان کے پاس سے!" عریب الجھ کر بولی۔

"ضرور کوئی خاص بات ہوگی جو تمھیں دوبارہ بلایا ہے۔" طاؤس نے کہا۔ "تم جاؤ۔"

Marfat.com

اس وقت کنیز پھر بولی۔ ''امیر المومنین آپ سے تخلیے میں ملنا چاہتے ہیں۔''

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ عریب خیمہ خلافت کے اس حصے میں جائے جہاں مامون ہر ایک سے تخلیے میں ملاقات کیا کرتا تھا لیکن وہ جگہ اس کی ''عیش کدہ'' نہیں تھی۔

اسی لیے عریب کو خیال نہیں آیا کہ مامون اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوگا۔ وہ منتشر سے ذہن کے ساتھ اس کے پاس پہنچی اور پھر یہ دیکھ کر پریشان بھی ہوئی کہ مامون فکرمندی کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔

''خیریت تو ہے نا امیر المومنین؟'' اس نے پوچھا۔

''خیریت ہی تو نہیں ہے۔''

''کیا خراسان یا ایران کے کسی صوبے سے بابک خرمی کے بارے میں کوئی تشویش ناک خبر آئی ہے۔''

''نہیں عریب، نہیں۔'' مامون نے کہہ کر ٹھنڈی سانس لی، پھر کہا۔ ''ہم تم سے طاؤس کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''طاؤس کے بارے میں!'' عریب چونکی۔

''ہاں۔''

عریب نے مامون کے چہرے پر کچھ افسردگی دیکھی تو اس کا دل دھڑک اٹھا۔

''کیا بات ہے امیر المومنین؟'' عریب کو اپنی آواز ڈوبتی ہوئی سی لگی۔

''عریب!'' مامون نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سفیان مشہدی جب طاؤس کو لے کر یہاں پہنچا تھا تو راستے میں کسی جگہ کوئی کیڑا طاؤس کے زخم میں گھس گیا تھا۔''

عریب کا دھڑکتا ہوا دل ایک مرتبہ بہت زور سے دھڑکا۔ اس نے کچھ بولنا چاہا لیکن اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔

''اسی لیے۔'' مامون پھر ٹہلنے لگا۔ ''اطبّا نے زخم مندمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے پہلے وہ کیڑے کو باہر نکالنا چاہتے تھے۔ یہ ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے زخم مندمل کیے بغیر خون کا بہاؤ کیسے روکا۔ یہ سب کچھ ہمیں دوسرے ہی دن بتادیا گیا تھا

Marfat.com

مگر کیونکہ وہ کیڑے کو باہر نکالنے کے سلسلے میں پُر امید تھے اس لیے ہم نے تمھیں کچھ بتا کر پریشان کرنا ضروری نہیں سمجھا لیکن......'' وہ چپ ہو گیا۔

''لیکن؟'' عریب کا اضطراب بڑھا۔

مامون نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اطبّا کے خیال کے مطابق آج صبح سے پہلے وہ کیڑا زخم کے اندر کسی جگہ مر چکا ہے۔''

عریب کا چہرہ فق پڑ گیا۔

مامون نے ٹہلنا موقوف کیا اور پھر عریب کے سامنے رک کر بولا۔ ''صبح ہمیں پیغام مل گیا تھا کہ جب پڑاؤ ڈالا جائے تو ہم انھیں بلا لیں لیکن اس کے بعد ایران سے بابک خرمی کے بارے میں خبریں آنا شروع ہو گئیں۔ ابھی جب تم ہمارے پاس سے گئی ہو تو ہم نے انھیں بلایا تھا۔ اسی وقت انھوں نے ہمیں کیڑے کے مر جانے کے بارے میں بتایا۔ وہ کیڑا زخم میں داخل ہونے کے بعد گوشت کاٹتا ہوا کچھ آڑ میں ہو گیا تھا اس لیے اسے نکالنے میں جراح کو بھی کامیابی نہیں ہو سکی۔''

''امیر المومنین!'' عریب نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''آپ مجھے یہ بتانے میں دیر لگا رہے ہیں کہ اس کیڑے کے مر جانے کا کیا نتیجہ نکلے گا۔''

''اطبّا کا خیال ہے کہ اس کیڑے کے مر جانے کا نتیجہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر سامنے آنا شروع ہو جائے گا۔ اطبّا کو شبہ ہے کہ جب کیڑے کا جسم پھٹے گا یا تحلیل ہو گا تو اس کا زہر طاؤس کے جسم میں پھیلنے لگے گا۔''

عریب کو اپنے جسم کی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

مامون کہتا رہا۔ ''اطبّا نہیں جانتے کہ وہ زہر کس قسم کا ہو گا اور اس زہر کا توڑ کرنے کی کوئی دوا ان کے پاس ہے یا نہیں!''

''کیا طاؤس مر جائے گی امیر المومنین؟'' عریب کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''جب تک زہر کی علامات سامنے نہ آجائیں اور زہر کی نوعیت سمجھ میں نہ آجائے، اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' مامون نے کہا۔ ''اطبّا اس

Marfat.com

امکان کو بھی نظر انداز نہیں کر رہے ہیں کہ شاید وہ کیڑا زہریلا نہ ہو۔''

عریب کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ وہ جھرجھراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھے شبہ ہے کہ آپ مجھے ایک سنگین حقیقت بتانے کے بجائے یہ سب کچھ ایسے الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ میری ڈھارس بندھا سکیں۔''

''ہمت رکھو عریب!'' مامون نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے۔ ''خدا سے ہمیشہ بہتری کی توقع رکھنا چاہیے!''

لیکن اس تلقین سے عریب خود کو سنبھال نہیں سکی۔

جب وہ واپس طاؤس کے پاس گئی تو اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر طاؤس بولی۔ ''کیا بات ہے عریب؟ تمھارے چہرے سے ایسا لگ رہا ہے کہ تم کوئی بہت بری خبر سن کر آئی ہو!''

عریب نے اپنی آنکھوں میں اڈتے ہوئے آنسوؤں کو بہ مشکل قابو میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''دراصل بغداد سے کچھ اچھی خبریں نہیں آ رہی ہیں۔ امیرالمومنین بہت پریشان ہیں۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو عریب!'' طاؤس نے کہا۔ ''امیرالمومنین اپنی اس قسم کی پریشانیوں میں تمھیں اس حد تک شریک نہیں کر سکتے کہ تمھارے چہرے پر ویرانیاں چھانے لگیں۔ بات کچھ اور ہے، اور وہ بات تم مجھ سے چھپا رہی ہو، اس لیے میں یہی نتیجہ اخذ کر سکتی ہوں کہ وہ بات میرے بارے میں ہے۔ سچ سچ بتاؤ عریب! کیا اطبا میری زندگی کی طرف سے مایوس ہو چکے ہیں؟''

''نہیں نہیں۔'' عریب نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ ''تم ٹھیک ہو جاؤ گی میری جان!''

طاؤس نے پژمردہ مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے کوئی اور سوال نہیں کیا لیکن اس کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات تھے۔

دوسری صبح طاؤس کی حالت اچانک بگڑی۔

''آگ......آگ ......'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''میرے جسم میں ایسی گرمی پھیل رہی ہے عریب جیسے میرے اندر کہیں آگ بھڑک اٹھی ہو۔''

Marfat.com

اسی وقت دو طبیب اندر آئے۔ غالباً ان کی آمد کا مقصد ہی یہ تھا کہ طاؤس کی حالت سے باخبر ہوں۔ انھوں نے فوراً طاؤس کو ایک محلول کی قلیل مقدار پلائی اور کچھ توقف سے کوئی خمیرہ کھلایا۔

طاؤس کے چہرے پر پسینا چمکنے لگا تھا۔ وہ اپنے جسم کے اندر اتنی ہی حدّت محسوس کر رہی تھی۔

عریب نے منہ پھیر کر طاؤس سے اپنی آب دیدگی چھپانے کی کوشش کی۔

طبیب نے طاؤس سے کہا۔ ''آپ جلد ہی خود کو بہتر محسوس کرنے لگیں گی۔''

یہ خیال درست بھی ثابت ہوا۔ آہستہ آہستہ طاؤس کی وہ گھبراہٹ کم ہونے لگی، جو اندرونی تپش کی وجہ سے تھی۔ اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ عریب کی طرف دیکھا اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

اس دن سفر شروع ہوا تو طبیب پھر اسی اونٹ کے ہودج میں تھا جہاں عریب اور طاؤس تھیں۔ اس کے ساتھ خمیرے اور محلول کے علاوہ دو تین دوائیں اور تھیں۔ محلول اور خمیرہ طاؤس کو اتنے توقف سے دیا جاتا رہا کہ دن میں کم از کم چھ مرتبہ ایسا ہوا۔ کچھ اور دوائیں بھی دی جاتی رہیں لیکن شام کو جب پڑاؤ ڈالا گیا تو عریب نے طاؤس کے چہرے پر ہلکی سی نیلاہٹ دیکھی۔

پڑاؤ ڈالا گیا تو دو طبیب بھی موجود رہے۔

عریب مامون کے پاس جا کر رونے لگی۔ ''وہ جا رہی ہے امیر المومنین!''

''ہمت رکھو عریب! ہمت رکھو!'' مامون نے پھر اس کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کی۔ ''طبیب مختلف دوائیں استعمال کر رہے ہیں کہ ان میں سے شاید کوئی اس زہر کا توڑ ثابت ہو سکے۔ خمیرہ اور محلول تو اسے صرف اس لیے دیا جا رہا ہے کہ اس کے جسم کی حدّت میں تکلیف دہ حد تک اضافہ نہ ہو۔ باقی دوائیں اس زہر کا توڑ کرنے کے لیے ہیں۔ کوئی بھی دوا کارگر ہوگئی اور اس زہر کا اثر ختم ہوگیا تو پھر طاؤس کا زخم مندمل کر دیا جائے گا۔ پھر وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔''

عریب کے لیے اب ناممکن ہوتا جا رہا تھا کہ طاؤس کے سامنے اپنے آنسوؤں کو

Marfat.com

قابو میں رکھے۔ جب اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹنے لگتے تھے تو وہ مامون کے پاس جا کر رو لیتی تھی۔ سفر کے دوران میں ایسا ہوتا تھا تو وہ اس طرح لیٹ جاتی تھی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ اس طرح وہ چپکے چپکے آنسو بہا لیتی۔ اسے شدید صدمہ تھا کہ طاؤس اس سے بچھڑنے والی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے اس غم میں سفیان کو بھی شریک کرے لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔

چار دن اور گزر گئے۔ رات کو پڑاؤ ڈالا گیا۔ طاؤس کا چہرہ اب خاصا نیلا پڑ چکا تھا۔ اچانک اس کے چہرے سے شدید گھبراہٹ ظاہر ہونے لگی۔ ہونٹوں میں شدید لرزش نظر آئی اور آنکھیں پھیلنے لگیں۔

''طاؤس!'' عریب چیخ پڑی۔

دونوں طبیب موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے خمیرہ اور دوسرے نے محلول نکالا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں چیزیں طاؤس کو دی جاتیں، اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا اور پھر وہ ساکت ہو گئی۔

''یہ بے ہوش ہو گئی ہے طبیب صاحب!'' عریب چیخ پڑی۔

ایک طبیب طاؤس کی نبض دیکھنے لگا۔ دوسرے نے طاؤس کی بند آنکھوں کو زبردستی کھول کر ان کا جائزہ لیا۔ عریب کی حالت اچانک بدل گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی ایک طبیب کو کبھی دوسرے طبیب کو دیکھ رہی تھی۔

ایک طبیب نے طاؤس کو چادر اڑھا دی۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون!'' اس کی آواز میں رنج و ملال تھا۔

''نہیں!...... نہیں!'' عریب وحشت زدہ سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''صبر کیجیے!'' دوسرے طبیب نے عریب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ غالباً وہ مامون کو اطلاع دینے کے لیے جانا چاہتا ہوگا۔

''سفیان!'' عریب یکا یک بڑے زور سے چیخی اور دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ پھر وہ دوڑتی ہی چلی گئی۔ ''طاؤس مر گئی سفیان!'' وہ چیختی ہوئی خیمہ خلافت سے نکلی اور وحشت زدگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دوڑتی ہوئی سفیان کو پکارنے لگی۔

Marfat.com

لشکریوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ عریب کے بال بکھر گئے تھے اور وہ ننگے پیر تھی۔ اسے علم نہیں تھا کہ سفیان کا خیمہ کہاں تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھی، سفیان کو پکار رہی تھی اور طاؤس کی موت کا اعلان کر رہی تھی۔

ایک سپاہی نے اسے اشارے سے سفیان کے خیمے کے بارے میں بتایا تو وہ چیختی ہوئی اسی خیمے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ہوش وحواس اس کے قابو میں نہیں رہے تھے۔ اسے بالکل خیال نہیں رہا تھا کہ مامون کسی بات سے بے خبر نہیں رہے گا۔

شور سن کر سفیان اپنے خیمے سے نکلا ہی تھا کہ عریب اس سے ٹکرا گئی۔

''طاؤس مرگئی سفیان!'' عریب نے کہا اور سفیان کا ہاتھ پکڑ کر خیمے میں لے گئی اور پھر اس کے سینے سے لپٹ کر رونے لگی۔

کسی کے سینے سے لپٹ کر اسی وقت رویا جاتا ہے جب اس سے کوئی تعلق خاطر ہو۔ وہ تو سفیان کو چاہتی تھی۔ خود سفیان نے ہمیشہ اس کی محبت سے تغافل برتا تھا لیکن اس وقت وہ اسے اپنے سینے سے الگ نہیں کر سکا اور اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

''صبر کرو عریب!'' سفیان نے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ ہم سے بچھڑ جائے۔''

عریب اس کے سینے سے لگی روتی رہی۔ اس نے سفیان کو اپنے دونوں بازوؤں میں لے رکھا تھا۔

''تم نے میرے پاس آکر اچھا نہیں کیا عریب!'' سفیان پھر بولا۔ ''میں ابھی......'' وہ یکا یک چپ ہو گیا۔

خیمے کے در پر کھڑا ہوا مامون ان دونوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

''عریب!'' سفیان نے دھیمی آواز میں کہتے ہوئے عریب کو خود سے الگ کرنے کی کوشش کی۔ ''دیکھو امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔''

بے گانۂ ہوش وحواس عریب کے دماغ کو جھٹکا سا لگا۔ اس نے سر گھما کر خیمے کے در کی طرف دیکھا اور پھر سفیان کے گرد کسے ہوئے اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑتے چلے گئے۔

Marfat.com

''امیر المومنین!'' عریب کے آنسو بہتے رہے۔ ''طاؤس مرگئی امیر المومنین!''

''اور تو اپنے محبوب کے پاس چلی آئی!'' مامون نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''تجھے اب مجھ سے آنکھ ملاتے ہوئے شرم آنا چاہیے۔ تیرا محبوب یہ ہے اور تو مجھ سے محبت کا کھیل کھیلتی رہی!''

سفیان جلدی سے بولا۔ ''ایسا نہیں امیر المومنین! دراصل......''

''چپ رہ!'' مامون گرجا۔ ''اپنی زبان بند رکھ پست انسان! یہ لڑکی تجھ سے محبت کرتی ہے اور تو نے اسے درہم و دینار میں تول کر ہمارے ہاتھوں فروخت کر دیا! خودغرض! لالچی!''

عریب سفیان سے الگ ہو کر سکتے کی سی حالت میں مامون کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

مامون نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''تو ہمارے جذبات سے کھیلتی رہی۔ ہم تیری گردن اڑا دیتے عریب، لیکن تیری سہیلی ہم پر ایک احسان کر چکی ہے۔ ہم پر اس کا وہ احسان تیری وجہ سے ہوا تھا اس لیے ہم تجھے معاف کرتے ہیں۔ اب تو یہیں رہ، اپنے محبوب کے پاس!''

مامون کا انداز ایسا نظر آیا جیسے وہ پلٹ کر چلا جانا چاہتا ہو۔

سفیان جلدی سے بولا۔ ''امیر المومنین......''

مامون نے اس کی بات بڑی تیزی سے کاٹی۔ ''تیرے لیے بھی ہم موت تجویز نہیں کر رہے ہیں لالچی انسان! یہ لڑکی جو تجھ سے محبت کرتی ہے، اس نے سال بھر سے زیادہ عرصے تک ہمارا قرب حاصل کیے رکھا ہے۔ اس کے عوض ہم تیری بھی جاں بخشی کر رہے ہیں۔ بس آج کی رات اس خیمے میں گزار لے، اور وہ بھی اس لیے کہ۔'' مامون نے عریب کی طرف دیکھا۔ ''کل صبح تو اپنی سہیلی کی تدفین میں شامل ہو جائے۔ اس کے بعد تو اور تیرا محبوب یہاں سے چلے جائیں۔ اس کے بعد ہم کبھی یہ نہ سنیں کہ تجھے یا تیرے محبوب کو بغداد میں دیکھا گیا ہے۔ پھر ہم بھول جائیں گے کہ تجھے اور اسے معاف کر چکے ہیں۔''

سفیان نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن مامون تیزی سے مڑ کر چلا گیا۔

عریب ابھی تک سکتے کی حالت میں کھڑی ہوئی تھی۔ مامون نے اسے ایک

Marfat.com

مرتبہ بولنے سے روکا تھا۔ اس کے بعد وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا بھی بند ہو چکے تھے۔ گالوں پر آنسوؤں کی صرف لکیریں نظر آ رہی تھیں۔

''سب کچھ ختم ہو گیا سفیان!'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔ ''طاؤس بھی چلی گئی اور ......'' وہ اپنی بات کیے بغیر چپ ہو گئی۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر ڈبڈبانے لگی تھیں۔

سفیان بڑبڑایا۔ ''آخر وہ وقت آ ہی گیا کہ مجھے اب راز فاش کرنا پڑے گا۔ تم گواہ ہو عریب کہ میں نے خلیفہ ہارون الرشید سے کیے ہوئے عہد کا اس وقت تک خیال رکھا جب تک یہ ممکن رہا۔''

''طاؤس چلی گئی سفیان!'' عریب اب بھی اپنی سہیلی کے غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور وہ ڈوبی ہی رہی۔ اس نے خیمہ خلافت میں جانا چاہا لیکن پہرے داروں سے اجازت نہیں ملی۔ سفیان اب مامون کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا لیکن اسے بھی موقع نہیں مل سکا۔ صبح انھیں خیمے سے اُس جگہ لے جایا گیا جہاں طاؤس کی تدفین کا سارا انتظام کیا جا چکا تھا۔

اسی دوران میں خیمے اکھاڑنے کا کام شروع کیا جا چکا تھا۔

پھر وہ وقت بھی آیا جب لشکرِ خلافت کی روانگی شروع ہوئی۔ عریب طاؤس کی قبر پر بیٹھی روتی رہی۔ اس کے قریب ہی سفیان بھی بیٹھا ہوا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا، اور اب وہ کیا کرے؟

جب آنسو خشک ہو گئے تو بھی عریب قبر کے پاس ساکت بیٹھی رہی۔ لشکر اب ان سے کچھ دور نکل چکا تھا۔ فضل بن سہل نے بڑی مہربانی فرمائی تھی کہ اس کا خیمہ وہیں لگا ہوا چھوڑ گیا تھا۔ اس کے علاوہ دو اونٹ بھی چھوڑے گئے تھے جن پر خورونوش اور ضروریات کا دیگر سامان تھا۔ ممکن تھا کہ اس بارے میں ہدایات فضل بن سہل کو مامون ہی سے ملی ہوں۔ کرائے کے دو سپاہی بھی وہیں موجود تھے جنھیں سفیان طاؤس کے ساتھ یہاں لے آیا تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

جب سفر شروع ہوا تو عریب نے اداس لہجے میں پوچھا۔ ''ہم کہاں جا رہے ہیں سفیان!''

''مرو۔'' سفیان نے جواب دیا۔ ''اس کے بعد سوچوں گا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

عریب نے پلٹ کر دیکھا اور بولی۔ ''میری سہیلی اسی بیاباں میں رہ جائے گی!''

''ہاں۔'' سفیان نے ٹھنڈی سانس لی۔

واپسی کا سفر کرائے کے سپاہیوں کے لیے زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا کیونکہ انھیں رات کے وقت کھلے آسمان کے نیچے سونا پڑا۔

سفیان نے ان سے کہا تھا۔ ''راستے میں جو شہر بھی پڑے گا، وہاں سے تم لوگوں کے لیے خیمے خرید لیے جائیں گے۔''

رات کو جب پڑاؤ ڈالا گیا تو سفیان کھانا کھانے کے بعد بہت جلد سو گیا۔ وہ جب سے طاؤس کو لے کر لشکر گاہ خلافت میں پہنچا تھا، اس کی راتیں ایسی گزرتی رہی تھیں کہ وہ برائے نام سو سکا تھا۔ اس کا دماغ شدید خلفشار میں مبتلا رہا تھا اور اسے طاؤس کی بھی فکر رہی تھی جس کی حالت کے بارے میں وہ ہر وقت باخبر نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے لشکر ہی کے لوگوں سے تھوڑی بہت معلومات حاصل ہوتی رہی تھیں لیکن اب کیونکہ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا اس لیے اس کی دماغی کیفیت زیادہ بوجھل نہیں رہی تھی۔

رات کو کسی وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلی تو آنکھ کھلنے کا سبب بھی سمجھ میں آ گیا تھا۔ خیمے میں اس کے اور عریب کے دو الگ الگ بستر تھے لیکن اس وقت عریب اس کے بازو پر سر رکھے کروٹ سے اس طرح لیٹی ہوئی تھی کہ اس کی نظریں سفیان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پوری طرح جاگ رہی تھی۔ چہرے پر سوگواری اور سوچ بچار کے تاثرات تھے۔ سفیان نے اپنا بازو اس کے سر کے نیچے سے نکالنے کی کوشش نہیں کی اور اس کا منہ تکنے لگا۔

''مجھے اکیلے سوتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا سفیان!'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔ ''بار بار خیال آ رہا تھا کہ کوئی اندر آئے گا اور مجھے مار ڈالے گا۔''

''وہم میں پڑ گئی ہو تم!'' سفیان نے کہا۔

Marfat.com

''کیا وہ وہم تھا کہ رہ زنوں میں سے کوئی چاہتا تھا کہ طاؤس کو مار ڈالا جائے؟''

''لیکن تم طاؤس نہیں ہو عریب! طاؤس دنیا سے جا چکی ہے۔''

''لیکن میں اس کی سہیلی ہوں۔ کیا یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ میں اس کی شریک راز ہو سکتی ہوں؟''

''شریک راز؟ تم کس طرح سوچ رہی ہو عریب؟''

''عین ممکن ہے کہ وہ سب رہ زن ہی ہوں مگر ان سے کہا گیا تھا کہ وہ طاؤس کو ضرور مار ڈالیں۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھ سکا ہوں کہ تم کس طرح سوچ رہی ہو۔''

''طاؤس کی موت کی خواہش کرنے والا بابک خرمی بھی ہو سکتا ہے؟'' عریب نے کہا۔

سفیان نے ایک طویل سانس لی۔ ''میں اس معاملے میں بابک خرمی کے علاوہ فضل بن سہل پر بھی شک کرتا رہا ہوں۔''

''اگر مان لیا جائے کہ اس میں بابک خرمی ہی کا ہاتھ تھا تو کیا میری زندگی خطرے میں نہیں پڑ سکتی؟ طاؤس اس کے مستقر کے دشوار گزار اور پے چیدہ راستوں سے واقف تھی۔''

''لیکن اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے عریب، اور اس کا دماغ تمھارے دماغ میں نہیں آ سکتا۔''

''آ چکا ہے۔''

''کیا!'' سفیان چونکا۔ ''کیا مطلب ہے تمھارا عریب؟''

عریب کچھ سوچتی ہوئی رک کر بولی۔ ''طاؤس کو کبھی نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے موت کی طرف بڑھ رہی ہے لیکن اسے خود یہ احساس ضرور ہو چکا تھا کہ اس کی زندگی ختم ہونے والی ہے اور یہ بات اس سے چھپائی جا رہی ہے۔ میں اس سے اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے کی بہت کوشش کرتی تھی لیکن اس نے کچھ تو بھانپ ہی لیا ہوگا۔ اس کی اپنی جو حالت تھی، وہ بھی اس سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ اس نے اپنی موت ہی کے خیال سے مجھے ان دشوار گزار راستوں کے بارے میں بڑی

Marfat.com

وضاحت سے بتایا تھا جن کے ذریعے بابک خرمی کے مستقر تک پہنچا جا سکتا ہے۔ نہ صرف بتایا تھا بلکہ مجھے ان راستوں کا نقشہ بھی بنا کر دیا تھا۔''

سفیان بے چین ہو گیا۔ ایک پل کو ایسا لگا جیسے وہ اپنا بازو عریب کے سر کے نیچے سے نکال لینا چاہتا ہو لیکن پھر کسی خیال سے وہ رُکا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''اُٹھ جاؤ عریب! بیٹھ کر بتاؤ مجھے اِس بارے میں!''

عریب اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کہاں ہے وہ نقشہ؟'' سفیان نے اس کے قریب بیٹھے بیٹھے بے تابی سے پوچھا۔

''میرے پاس ہے۔''

''مجھے دکھاؤ۔''

عریب نے اپنے لباس میں پوشیدہ نقشہ نکال کر اسے دیا۔

''یہ تو بہت اچھا کام کر گئی طاؤس!'' سفیان نے نقشے پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''کیا فائدہ اب اس سے سفیان!'' عریب بولی۔ ''امیر المومنین مجھے ہی نہیں، تمھیں بھی دھتکار چکے ہیں۔ اب تم اپنے فرض سے سبک دوش ہو چکے ہو۔ اب تمھیں امیر المومنین کے لیے کچھ نہیں کرنا، کچھ نہیں سوچنا۔''

''تم جذباتی ہو گئی ہو!'' سفیان نے کہا۔ ''امیر المومنین نے تو وہی کیا جو انھیں کرنا چاہیے تھا۔ انھوں نے تمھیں میرے ساتھ جس حالت میں دیکھا تھا، اس سے وہ اس کے علاوہ کیا سمجھ سکتے تھے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ وہ تمھیں بہت چاہنے لگے تھے عریب! انھیں صدمہ تو ہوا ہو گا۔ ان کا رَدِّ عمل فطری تھا۔''

''وہ جو کچھ بھی تھا۔'' عریب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''سارا معاملہ تو انھوں نے ختم کر ہی دیا!''

''نہیں عریب!'' سفیان نے کہا۔ ''مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں ہے اور میں اب بھی اس عہد پر قائم رہوں گا جو میں نے خلیفہ ہارون الرشید سے کیا تھا۔''

عریب اس کا منہ تکتی رہ گئی۔

''یہ کسی وقت کام آسکتا ہے۔'' سفیان نے نقشے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''طاؤس مجھ پر بہت بڑا احسان کرگئی ہے۔''

''تم اس سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہو سفیان جبکہ امیر المومنین اب تمھیں اپنے قریب تو کیا، بغداد میں بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔''

''اس کے باوجود کوئی طریقہ سوچا جا سکتا ہے۔'' سفیان نے کہا۔''ان سے دور رہ کر میں ان کے دشمنوں کا پتا تو نہیں لگا سکتا لیکن بابک خرمی کا معاملہ صرف امیر المومنین کا معاملہ نہیں ہے۔ اگر بابک خرمی کا فرقہ اور اس کی تحریک جڑ پکڑ گئی تو وہ سارے عالم اسلام کے لیے ایک خطرہ ہوگا۔ ہم مسلمان ہیں عریب! اس فتنے کو کچلنے میں ہمارا بھی کوئی کردار ہونا چاہیے۔''

عریب خاموش رہی۔ اس نے نظریں جھکالی تھیں۔

سفیان نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔''سمجھ رہی ہونا عریب؟ اس معاملے میں تمھیں اب بھی میرا ساتھ دینا ہوگا!''

عریب چپ رہی، نظریں جھکی رہیں۔

سفیان پھر بولا۔''ساتھ دو گی نا؟''

عریب نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی پلکیں کچھ بھیگ گئی تھیں۔

''پہلے بھی آپ کا حکم مانا تھا'' وہ لرزاں آواز میں بولی۔''اب بھی مانوں گی۔ ہمیشہ مانتی رہوں گی۔ کنیز کو حکم تو ماننا پڑتا ہے۔ آقا ہیں آپ میرے!''

''عریب!'' سفیان نے تڑپ کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور سینے سے لگا کر بولا۔''ایسی تکلیف پہنچانے والی باتیں نہ کرو مجھ سے!''

عریب اس کے سینے سے لگی خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

''عریب!'' سفیان نے جذباتی لہجے میں کہا۔''تمھارے جذبات میرے لیے کیا ہیں، میں کبھی بے خبر نہیں رہا لیکن وہ عہد بھی تو نہیں بھلایا جا سکتا تھا جو میں نے خلیفہ ہارون الرشید سے کیا تھا۔ میرے لیے اہمیت اس کی نہیں ہے کہ وہ خلیفہ تھے۔ اہمیت اس کی ہے کہ اس انسان نے میری ماں کو بے عزت کرنے والوں کی بوٹیاں اڑوا دی تھیں۔''

''میں وہی کرتی رہوں گی سفیان جو تم کہو گے!'' عریب نے سسکی لے کر کہا۔

Marfat.com

''طاؤس کے غم میں ڈوبے ہوئے میرے دل کو آج یہ خوشی ملی ہے کہ تم نے خود مجھے اپنے سینے سے لگا لیا ہے۔''

''تم ہمیشہ میرے سینے سے لگی رہو گی۔'' سفیان نے کہا۔ ''خواہ مجھ سے کوسوں دور ہی کیوں نہ ہو۔''

عریب بولی۔ ''اگر میں اتنی جلدی طاؤس کی موت کے صدمے سے نکل آئی ہوتی تو اس وقت خوشی سے پاگل ہو جاتی۔''

''طاؤس کو میں بھی آسانی سے نہیں بھول سکوں گا۔ وہ مرتے مرتے بھی ایک بہت بڑا کام کر گئی ہے۔''

عریب کی آنکھوں سے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔ وہ اسی عالم میں باتیں کرتی رہی تھی۔ سفیان نے اس کے آنسو پونچھے اور اپنے دامن سے اس کی آنکھیں خشک کر کے بڑی محبت سے کہا۔ ''اب سو جاؤ۔ بہت رات ہو گئی ہے۔''

''تمھارے بازو ہی پر سر رکھ کر سوؤں گی۔'' عریب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بچگانہ سے انداز میں کہا۔

سفیان مسکرایا اور اسے خود سے لپٹا کر اس طرح لیٹا کہ عریب کی خواہش پوری ہو گئی۔

دوسری صبح دوبارہ سفر شروع ہوا تو عریب کے چہرے کے تاثرات گزشتہ روز کے تاثرات سے مختلف تھے۔ طاؤس کا غم کچھ ہلکا ہوا تھا تو اس کی وجہ صرف سفیان کا اظہارِ محبت تھی۔

مرو تک کا طویل اور تھکا دینے والا سفر ختم ہوا تو عریب خاصی حد تک معمول پر آ چکی تھی۔

صرف ایک دن آرام کرنے کے بعد سفیان خاصا مصروف ہو گیا۔

''کیا کرتے پھر رہے ہو؟'' عریب اس سے پوچھ بیٹھی۔

''میں نے مرو چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے عریب!'' سفیان نے جواب دیا۔ ''یہاں میری جو غیر منقولہ جائداد ہے، وہ سب فروخت کر رہا ہوں۔ پہلے تو میں نے سوچا تھا کہ آشروسند چلا جاؤں گا لیکن اب خیال بدل دیا ہے۔''

''اشروسند'' عریب نے زیرِ لب دہرایا۔ ''وہ تو شاید غیر اسلامی ریاست ہے!''

Marfat.com

''ہاں۔'' سفیان نے تائید کی۔ ''وہاں کا فرماں روا افشیں کاؤس ہے۔ چند سال پہلے میں نے اسے کچھ کنیزیں فروخت کی تھیں۔ کاؤس کا بیٹا حیذار میرا دوست بن گیا تھا۔ مجھے اس نے اتنا پسند کیا تھا کہ مجھے کئی ماہ تک اشروسند میں رو کے رہا تھا۔ اس کے جیسی دلیری اور ذہانت کم کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ کسی حد تک اسلام کی طرف بھی راغب تھا۔''

''تو مسلمان کیوں نہیں ہو گیا؟''

''میں نے کہا نا کہ اسلام کی طرف وہ کسی حد تک راغب تھا۔ مجھ سے اس بارے میں بہت سے سوالات کیا کرتا تھا۔ وہ باتیں شاید اس نے میرے علاوہ کسی سے نہیں کی ہوں گی ورنہ باپ کی نظروں میں معتوب قرار پا جاتا۔ میں نے اسی کی وجہ سے اشروسند جانے کے بارے میں سوچا تھا۔ اس وقت میری خواہش تھی کہ کچھ عرصہ سلطنتِ عباسیہ سے دور رہ کر گزاروں لیکن اب میرا ارادہ بدل گیا ہے۔''

''کیوں؟''

''اب یہ نقشہ جو مل گیا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے خیال آیا ہے کہ ہمیں آرمینا جانا چاہیے۔''

عرب چونکی۔ ''بابک خرمی کی وجہ سے؟''

''ہاں۔''

''کیسی باتیں سوچ رہے ہو سفیان!'' عریب پریشان ہو کر بولی۔ ''کیا ہم اس شخص کی طاقت سے ٹکرا سکتے ہیں؟''

''صرف ہم دونوں تو یہ کام نہیں کر سکتے لیکن اس مہم میں یحییٰ بن معاذ الذہلی کی مدد تو کر سکتے ہیں۔'' سفیان نے کہا۔ ''تمھیں یہ نام یاد ہے؟''

''یاد تو ہے۔'' عریب نے کہا۔ ''سفر کے دوران میں ہی جب امیرالمومنین کو بابک کی بغاوت کا علم ہوا تھا تو انھوں نے اسی شخص کو آرمینیا کا ولی مقرر کیا تھا اور اسے بابک کے خلاف مہم کی قیادت سونپی تھی۔ یہ سب کچھ جب میں نے طاؤس کو بتایا تھا تو وہ بڑی مایوسی سے بولی تھی کہ یحییٰ بن معاذ الذہلی بابک کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔''

Marfat.com

''اب یہ تو آرمینیا پہنچنے کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا کہ طاؤس کی پیش گوئی کس حد تک درست ثابت ہوتی ہے۔'' سفیان نے کہا۔ ''اگر وہ ناکام نظر آتا ہے تو ہم اسے اپنے تعاون کی پیشکش کر سکتے ہیں۔''

''کیا وہ ہم پر اعتماد کر لے گا؟''

''یہ سوال میرے دماغ میں بھی آ چکا ہے لیکن کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں نا کہ ہمیں ایک مسلمان کی حیثیت سے بابک کے خلاف ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی اگر اس فتنے کو کچلنے کی مہم میں ہم کوئی کردار ادا کر سکے۔''

''اگر تم اس طرح سوچ رہے ہو تو ٹھیک ہے۔ میں ہر حال میں تمھارے ساتھ ہوں۔ صرف یہ نقشہ کوئی خاص اہمیت بھی نہیں رکھتا۔ یہ ان باتوں کی روشنی میں کام آ سکتا ہے جو طاؤس نے مجھے زبانی بتائی تھیں اور جو مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔''

''جب ہم آرمینیا روانہ ہوں گے تو راستے میں تم وہ باتیں مجھے بھی بتا دینا۔''

عریب نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلانے پر اکتفا کی۔

سفیان نے غور سے اس کی طرف دیکھا، پھر بولا۔ ''کیا کچھ پریشان ہوگئی ہو؟''

''کیوں؟'' عریب اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''پریشان کیوں ہوتی!''

''آرمینیا جانے کی بات سے شاید بابک کا خیال آ گیا ہو! تمھیں اس کی طرف سے اندیشہ ہے نا!''

''وہ بس ایک رات کی بات تھی کہ میں خوف زدہ ہو کر تم سے جا لپٹی تھی۔'' عریب نے کہا۔ ''اب میں خود کو پوری طرح سنبھال چکی ہوں اور اب تم نے ایک ارادہ باندھ ہی لیا ہے تو میں کسی خطرے کی پروا کیے بغیر تمھارے ساتھ ہوں۔''

''میرا خیال ہے عریب کہ اگر بابک تمھارا دشمن بن ہی گیا ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے آدمی تمھیں پہچانتے بھی ہوں۔''

''پہچانتے ہوں لیکن خطرات تو مجھے مول لینا ہی پڑیں گے۔ ابن معاذ اگر ہم پر بھروسا کر لیتا ہے تو اس کے لشکر کی رہ نمائی کرتے ہوئے مجھے خطرات سے تو دو چار ہونا ہی پڑے گا جس کی اب مجھے کوئی پروا نہیں۔ میں اسے امیرالمومنین یا ابن معاذ کی نہیں،

Marfat.com

تمھاری مہم سمجھوں گی اور تمھارے لیے میں کوئی بھی خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہوں۔''

سفیان نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ عریب کو نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ اسے کوئی خطرہ مول نہیں لینے دے گا۔

☆☆☆

آرمینیا پہنچ کر سفیان نے ایک حویلی خرید لی۔ وہاں پہنچتے ہی انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ بابک خرمی سے ابن معاذ کی دو تین جھڑپیں ہو چکی تھیں لیکن ابنِ معاذ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔

سفیان بہ مشکل ہی ابنِ معاذ سے رابطہ کر سکا۔ اس میں دو تین دن لگ گئے تھے۔ جب وہ ملاقات کر کے لوٹا تو عریب نے اس کے چہرے پر مایوسی دیکھی۔

''وہ مجھ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''بلکہ......'' اس نے منہ بنایا۔ ''وہ شاید یہ شبہ کرنے لگا کہ میرا تعلق بابک خرمی سے ہو سکتا ہے اور میں اسے کسی خاص راستے سے لے جا کر اس کے سارے لشکر کو بابک خرمی کے جال میں پھنسوا سکتا ہوں۔''

''یہ خیال تو میں پہلے ہی ظاہر کر چکی ہوں کہ شاید وہ ہم پر اعتماد نہ کرے۔''

سفیان چپ رہا۔ وہ مایوس اور الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''سفیان!'' عریب اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اگر تم امیرالمومنین کے معاملات سے خود کو الگ کرنے پر آمادہ نہیں ہو تو ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تھی۔ ان کی وجہ سے ابن معاذ ہم پر اعتماد کرنے کے لیے مجبور ہو جائے گا۔''

''ان سے رابطہ ہی تو ممکن نہیں رہا۔'' سفیان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''تم نے دیکھا ہی تھا کہ وہ میری کوئی بات سننے پر ہی آمادہ نہیں ہوئے تھے۔''

''اگر تم ان سے بس اتنا کہہ دیتے کہ تمھارے پاس خلیفہ ہارون الرشید کا خط ہے تو وہ تم سے بات کرنے پر مجبور ہو جاتے، اور پھر انھیں سب کچھ بتایا جا سکتا تھا۔''

''وہ خط میں انھیں فوراً نہیں دکھا سکتا تھا۔ وہ میں حفاظت کے خیال سے مرو ہی میں چھوڑ گیا تھا۔ انھیں وہ خط فوری طور پر نہ دکھایا جاتا تو انھیں یہ سوچ کر اور زیادہ غصہ

Marfat.com

آجاتا کہ میں انھیں بے وقوف بنانے کی کوشش کررہا ہوں۔''

عریب سوچنے لگی، پھر بولی۔''اب اگر وہ خط انھیں کسی اور ذریعے سے پہنچایا جائے تو؟''

''میرے سامنے کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس پر میں مکمل اعتماد کرسکوں۔ اگر کوئی وہ خط امیرالمومنین تک پہنچانے سے پہلے خود بھی پڑھ لے تو میں کیا کرسکوں گا عریب! خلیفہ ہارون الرشید نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں یہ راز ان کے بیٹے کے علاوہ کسی پر آشکار نہ ہونے دوں۔''

''عہد۔'' عریب نے ٹھنڈی سانس لی۔''خلیفہ ہارون الرشید نے تو تمھیں ایک شکنجے میں جکڑ کر بے بس کردیا ہے۔''

سفیان نے سر ہلایا اور بولا۔''شاید اس وقت انھیں اندازہ نہیں ہوگا کہ اس طرح وہ مجھے کتنی مشکلات میں چھوڑ جائیں گے۔''

''اب تم کیا کرو گے؟'' عریب نے کچھ توقف سے پوچھا۔

''انتظار'' سفیان نے مایوسی سے کہا۔''کسی ایسے وقت کا انتظار جب کچھ کیا جاسکے!''

عریب کسی سوچ میں پڑ گئی۔

پھر انتظار میں وقت گزرتا ہی رہا۔ حالات بہرحال کسی نہ کسی طرح ان کے علم میں آتے رہے۔ مامون بغداد پہنچنے سے قبل اس کے قریب کے ایک شہر نہروان میں رکا رہا تھا۔ وہیں اس نے طاہر بن الحسین کو بھی بلالیا تھا۔ وہاں اسے بغداد کے حالات کا پتا چلتا رہا تھا۔ اہلِ بغداد کی برافروختگی میں کسی حد تک کمی اس لیے آگئی تھی کہ ان کا قومی رنگ دوبارہ سیاہ کردیا گیا تھا۔

نہروان میں مامون اپنے سارے لاؤلشکر کے ساتھ بڑی شان وشکوہ سے بغداد میں داخل ہوا تھا۔ اس کے چچا ابراہیم المہدی کو اس کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ خوف زدہ ہوکر بغداد سے نکل بھاگا تھا۔

اہلِ بغداد نے بڑے جوش وخروش سے مامون کا استقبال کیا۔ وہ مامون کے اس فیصلے سے بھی خوش ہوگئے تھے کہ اب بغداد ہی سلطنتِ عباسیہ کا دارالخلافہ ہوگا۔ اسے انھوں نے عجمیوں کے مقابلے پر اپنی فتح سمجھا تھا۔

Marfat.com

بغداد میں مامون کو عیسیٰ بن محمد کی بدترین شکست کا علم ہوا تو اس نے نئے سپہ سالار ذریق بن علی الازدی کو بھیجا لیکن وہ بھی بابک خرمی کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

سلطنتِ عباسیہ کی ان ناکامیوں کی وجہ سے بابک مغرور بھی ہوگیا اور اس کے اعتماد میں بھی اضافہ ہوا۔ اس کی فتوحات سے متاثر ہوکر لوگ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے تھے۔ اس طرح اس کی افرادی قوت بھی بڑھتی چلی جارہی تھی۔

سفیان وہ سب کچھ بڑے بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں کڑھ رہا تھا۔ اس نے عیسیٰ بن محمد اور ذریق بن علی سے بھی رابطے کیے تھے مگر ان دونوں کی طرف سے بھی پزیرائی نہیں مل سکی تھی۔

اچانک بغداد سے ایک ایسی اطلاع آئی جس نے سفیان اور عریب کو چونکا دیا۔ شہر ''سرخس'' کے ایک حمام میں کچھ لوگوں نے فضل بن سہل کو قتل کر دیا تھا۔

''یہ کوئی بہت گہری سازش معلوم ہوتی ہے۔'' سفیان نے عریب سے کہا۔ ''یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ وزیرِ سلطنت کو اس طرح قتل کر دیا جائے!''

عریب بولی۔ ''اگر اس بات کا یقین ہوتا کہ طاؤس پر حملہ کروانے والا ذوالریاستین ہی تھا تو اس کا قتل میرے لیے ایک خوش خبری ہوتی۔''

پھر کچھ ہی دن بعد دو تین اطلاعات ایک ساتھ ملیں۔ ایک اطلاع یہ تھی کہ مامون نے فضل بن سہل کے قاتلوں کی گرفتاری پر ایک بھاری رقم کا اعلان کیا تھا اور فضل بن سہل کی جگہ اس کے بھائی حسن بن سہل کو وزیرِ سلطنت کے عہدے پر فائز کیا جا چکا ہے۔ دوسری اطلاع یہ تھی کہ ابن سہل کے قاتل گرفتار ہوگئے تھے۔ اس اطلاع کا ایک عجیب وغریب پہلو بھی تھا۔ قاتلوں نے الزام لگایا تھا کہ ابن سہل کو ان کے ہاتھوں مامون نے قتل کروایا تھا۔ ان کے اس الزام سے مامون نے مشتعل ہوکر ان سب کو قتل کروا دیا تھا لیکن بغداد میں یہ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں کہ الزام غلط تھا یا واقعی ابن سہل کو مامون نے قتل کروایا تھا۔

''الزام غلط نہیں ہوگا۔'' سفیان نے عریب سے کہا۔ ''میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وزیرِ سلطنت کا قتل کسی بڑی سازش کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ کام امیرالمومنین

Marfat.com

ہی کا ہوسکتا ہے۔ ذوالریاستین کے سیاسی اثر ورسوخ کے باعث وہ خود اپنے وزیر کے قتل کا حکم نہیں دے سکتے تھے۔ ضروری تھا کہ اسے کسی اور طرح قتل کروایا جائے۔ ذوالریاستین کی ہوسِ اقتدار ان کے لیے خطرہ تو بہر حال تھی۔''

عُریب جلدی سے بولی۔ ''ہوسکتا ہے، انھوں نے کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا ہو کہ طاؤس کے معاملے میں بھی ذوالریاستین ہی کا ہاتھ تھا۔''

''اس امکان کو مسترد تو بہر حال نہیں کیا جا سکتا۔'' سفیان نے کہا، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ امیر المومنین ایک ٹھوکر کھانے کے بعد پوری طرح سنبھل گئے ہیں۔ اب وہ سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہی چلے جائیں گے۔ اب کوئی ان کے خلاف سازش نہیں کر سکے گا۔ اب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی کہ میں ان کا خیال رکھوں لیکن مجھے یہ خواہش بہر حال ہے کہ میری طرف سے ان کی بدگمانی دور ہو جائے۔''

''اور اس کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا ہے۔''

سفیان نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔ ''ایک خبر یہ بھی ملی ہے کہ امیر المومنین نے ایک لشکرِ جرار اشروسند بھیجا ہے۔''

''وہ......'' عریب چونکی۔ ''جہاں کا شہزادہ تمھارا دوست ہے؟''

''ہاں۔'' سفیان نے جواب دیا۔ ''مجھے بہت دن سے خیال تھا کہ امیر المومنین کی طرف سے ایسا کوئی اقدام ہوسکتا ہے۔ دراصل خلیفہ ہارون الرشید ہی کے زمانے میں اشروسند کے غیر مسلم فرماں روا افشیں کاؤس کے خلاف ایک مہم بھیجی گئی تھی۔ وہ مہم پوری طرح کام یاب نہیں ہوسکی تھی لیکن وہاں خراسان کے کچھ عرب سرداروں کو بھیج دیا گیا تھا۔ تبھی سے وہ عرب سردار آپس کی کشمکش میں الجھے رہے تھے جس سے افشیں کاؤس فائدہ اٹھاتا رہتا تھا۔ اب وہاں کے انتشار ہی کو ختم کرنے کے لیے امیر المومنین نے یہ قدم اٹھایا ہے اور ایک بڑا لشکر بھیجنے کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ اب اشروسند کے معاملات کو پوری طرح سدھار ہی دیا جائے۔''

سفیان کا یہ خیال بالکل درست ثابت ہوا۔ خاصا عرصہ گزر جانے کے بعد اطلاع ملی کہ اشروسند پر سلطنتِ عباسیہ کا مستقل قبضہ ہوگیا تھا۔ افشیں کاؤس اور اس

Marfat.com

کے بیٹے خیذار نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سلطنتِ عباسیہ نے وہاں کی حکومت خیذار کو سونپ دی تھی۔ خیذار نے اپنا اسلامی نام حیدر رکھ لیا تھا۔

''اب ہمیں اشروسند ہی جانا چاہیے۔'' سفیان نے پُر جوش انداز میں عریب سے کہا۔ ''یہاں پڑے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں۔''

''وہاں جا کر کوئی فائدہ بھی ہوگا؟'' عریب نے پوچھا۔

''یقیناً'' سفیان نے جواب دیا۔ ''خیذار...... بلکہ اب اسے حیدر ہی کہنا چاہیے۔ وہ اب وہاں سلطنتِ عباسیہ کی طرف سے حاکم ہے۔ میں اس کے ذریعے خلیفہ ہارون الرشید کا خط امیرالمومنین کو بھجوا سکتا ہوں۔ وہ اب مسلمان ہوا ہے تو یقیناً ایک سچا مسلمان ہوا ہوگا۔ وہ خود وہ خط ہرگز نہیں پڑھے گا۔''

''پھر ایک طویل سفر!'' عریب نے ٹھنڈی سانس لی۔

''یقیناً ایک بہت تھکا دینے والا سفر۔'' سفیان نے اتفاق کیا۔ ''لیکن اس کے بعد ہم اپنی منزل کے قریب ہوں گے۔''

سفیان نے فوراً اشروسند جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور دو ہی دن میں وہ آرمینیا سے روانہ ہو گئے۔

اس طویل سفر میں وہ متعدد شہروں سے گزرے۔ اردبیل اور جیلان کے بعد انھوں نے طبرستان کے علاقے میں داخل ہو کر چند دن آرام کیا۔ اس کے بعد پورا صوبۂ خراسان عبور کر کے ضلع طخارستان کی حدود طے کیں۔ دریائے آمو کی بالائی گزرگاہ کے بعد ماوراء النہر کی حدود میں داخل ہوئے اور آخر کار اشروسند پہنچے۔ عریب نے اب سکون کی سانس لی ہی تھی کہ معلوم ہوا، افشیں حیدر دو دن قبل ہی وہاں سے برقہ جا چکا ہے جو جنوبی افریقا کا ایک وسیع و عریض جزیرہ نما ہے۔

''وہ واپس تو آئے گا نا!'' عریب وحشت میں بولی۔ ''ہم یہیں اس کا انتظار کر لیں گے۔''

سفیان نے اس کی کیفیت محسوس کر لی اور نظریں جھکا کر دھیمی آواز میں بولا۔ ''اس کا امکان نہیں ہے۔''

Marfat.com

''کیوں؟'' عریب کی پریشانی بڑھی۔

''برقہ میں پچھلے دنوں کافی انتشار پھیل گیا تھا'' سفیان نے حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں بتایا۔ ''اسے امیر المومنین کا حکم ملا ہے کہ وہ برقہ جا کر وہاں کا نظم و نسق سنبھالے۔''

''تو اب برقہ جاؤ گے؟''

سفیان نے نظریں جھکالیں۔ عریب کے ہونٹوں پر مضمحل سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''میں تمھارے ساتھ دنیا کے دوسرے سرے تک جانے کے لیے تیار ہوں سفیان! بس کچھ عرصے یہاں آرام کرلو۔''

سفیان نے محبت سے مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ کچھ دن آرام کرنے کے بعد وہ اشروسند سے برقہ روانہ ہوئے۔ مصر کے اس شہر تک پہنچتے پہنچتے عریب تو بالکل ہی نڈھال ہوگئی۔

''یہاں سے وہ کہیں اور نہ چلا گیا ہو'' اس نے سفیان سے کہا۔ ''مجھے اب یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے یہ ساری زندگی دور دراز کے سفر کرتے ہوئے ہی گزر جائے گی۔''

لیکن اس کے دل میں جو ڈر پیدا ہوا تھا، وہ جلد ہی دور ہوگیا۔ افشیں حیدر برقہ ہی میں تھا اور دریائے نیل کے ڈیلٹا میں عربوں اور قبطیوں کی بغاوتیں کچلنے میں پوری طرح مصروف!

سفیان اور افشیں حیدر کی ملاقات ایک ماہ بعد ہوسکی۔ افشیں حیدر کے لیے وہ ایک غیر متوقع ملاقات تھی۔ وہ بہت خوش ہوا۔

''الحمدللہ اب میں مسلمان ہو چکا ہوں سفیان!'' اس نے کہا۔

''مجھے علم ہے۔'' سفیان نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تم سے ملنے اشروسند گیا تھا۔ وہاں معلوم ہوا کہ امیر المومنین نے تمھیں یہاں بھیج دیا ہے چنانچہ اب یہاں پہنچا ہوں۔''

''تم اس طویل عرصے میں رہے کہاں؟''

''خراسان میں تھا۔''

''وہاں سے آ رہے ہو؟ یا خدا! اتنا طویل سفر کیا ہے تم نے مجھ سے ملنے کے لیے؟ خیریت تو ہے؟''

Marfat.com

''مجھے امیر المومنین کا قرب حاصل ہو گیا تھا حیدر!'' سفیان نے کہا۔ ''وہ ایک غلط فہمی کی وجہ سے ناراض ہو گئے تو میں مرو، اور مرو سے آرمینیا چلا گیا تھا۔ میری خواہش ہے کہ امیر المومنین کی وہ غلط فہمی دور ہو جائے۔ میں انھیں دستی طور پر ایک خط بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے کسی ایسے ہم درد کی ضرورت ہے جس پر میں مکمل اعتماد کر سکوں۔ میرے ذہن میں تمھارا خیال آیا تھا۔''

''یہ تمھاری محبت ہے سفیان کہ تم نے مجھے اپنا دوست سمجھا لیکن ابھی تو میں یہیں بہت الجھا ہوا ہوں۔ جب تک حالات ٹھیک نہ ہو جائیں، میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا، اور اس کے بعد بھی میں بغداد اسی صورت میں جا سکتا ہوں جب امیر المومنین مجھے طلب فرمائیں۔''

''تم اگر خود ہی بغداد پہنچ جاؤ گے تو امیر المومنین یقیناً برہم ہوں گے لیکن جب وہ میرا خط پڑھ لیں گے تو ان کی برہمی دور ہو جائے گی۔ یہ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو میں تمھاری خاطر یہ طویل سفر کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن پہلے یہاں کے حالات درست کرنا ہوں گے۔''

''میں انتظار کر لوں گا حیدر!''

''تب پھر سمجھ لو کہ میں تمھارا کام ضرور کر دوں گا۔''

افشیں حیدر نے نہ تو اس خط کے بارے میں کریدنے کی کوشش کی، نہ یہ پوچھا کہ مامون کو کیا غلط فہمی ہوئی تھی کہ وہ سفیان سے ناراض ہو گیا تھا۔ حیدر کی بہت سی اچھی عادتوں میں سے ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے قریب ترین دوستوں کے نجی معاملات کریدنے کی کوشش کبھی نہیں کرتا تھا۔ اسی لیے اس کے ذریعے خلیفہ ہارون الرشید کا خط مامون تک پہنچانے میں سفیان نے قطعی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی تھی۔

سفیان اور عریب کے قیام کے لیے اس نے ایک خوب صورت مکان کا بندوبست کر دیا۔ عریب کو اس نے سفیان کی بیوی سمجھ لیا تھا اس لیے اس سے بڑے احترام سے پیش آیا تھا۔

دوسرے دن حیدر نے اس سے پوچھا۔ ''تم جب آرمینیا۔ ۔ چلے تھے تو وہاں

Marfat.com

کے کیا حالات تھے؟ دراصل میں بابک خرمی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ وہ بہت بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔''

سفیان نے وہ سب کچھ بتا دیا جو آرمینیا اور سارے خراسان کے عام لوگ جانتے تھے۔

افشیں حیدر بولا۔ ''مجھ تک اس سے زیادہ باتیں پہنچ چکی ہیں سفیان! بابک تو اب بہت زیادہ طاقت حاصل کر چکا ہے۔ ذریق بن علی کے بعد وہاں اور بھی دو ایک سالار بھیجے جا چکے ہیں لیکن بابک کو قابو میں نہیں کیا جا سکا ہے۔ اس کا فرقہ تو اب فارس اور اصفہان تک پھیل گیا ہے۔''

سفیان کے چہرے پر تشویش کے تاثرات ابھر آئے۔ طاؤس کا خیال بالکل درست ثابت ہو رہا تھا کہ اس فرقے کی بیخ کنی اسی صورت میں ممکن تھی کہ اس کا پہاڑی مستقر تباہ کر دیا جاتا اور اس کی تباہی کے لیے وہ نقشہ ضروری تھا جو طاؤس نے بنایا تھا۔ طاؤس نے زبانی جو معلومات عریب کو فراہم کی تھیں، وہ سفیان نے عریب سے اشروسند کے سفر کے دوران میں معلوم کر لی تھیں۔

سفیان کو عریب کے ساتھ برقہ میں بہت طویل عرصے تک ٹھہرنا پڑا کیونکہ وہاں کے حالات سنبھالنے میں افشیں حیدر کا وقت گزرتا ہی چلا گیا تھا۔

اور پھر دفعتاً ایک خبر سن کر سفیان کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ گزرے ہوئے عرصے میں بغداد کی خبریں برقہ پہنچتی تو رہی تھیں لیکن وضاحت سے کچھ معلوم نہیں ہو پاتا تھا۔ مامون نے اس دور میں خود کئی جنگیں کی تھیں اور فتوحات حاصل کرتا رہا تھا۔ کئی چھوٹی موٹی فتوحات کے علاوہ اس نے ''کریٹ'' اور ''صقلیہ'' بھی فتح کر لیے تھے۔

اسی دوران میں اسے معلوم ہوا تھا کہ بازنطینی سلطنت کے فرماں روا تھیوفیلوس نے حربی سامان بھیج کر بابک خرمی کی مدد کی تھی۔ مامون کو اس پر بہت غصہ آیا تھا۔ اس نے بازنطینی سلطنت پر لشکر کشی کی تھی۔ فتوحات حاصل کر کے وہ بغداد لوٹا تو بیمار پڑ گیا اور اس بیماری نے اس کی جان لے لی۔

مامون کی موت سفیان کے لیے تو افسوس ناک تھی ہی لیکن عریب بھی آب دیدہ

Marfat.com

ہوگئی تھی۔ اس نے خاصا وقت مامون کے ساتھ گزارا تھا اور اسے ایک اچھا انسان پایا تھا۔

''یہ تو گویا سب کچھ ختم ہو گیا سفیان!'' عریب نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

''وہ شخص اب دنیا میں نہیں رہا جسے تم خلیفہ ہارون الرشید کا خط بھیجنا چاہتے تھے۔ اب اپنے وطن لوٹ چلو۔ یہاں رک کر اب کیا کرنا ہے!''

''واپس جا کر بھی کیا کریں گے۔'' سفیان نے کہا۔ ''یہاں ہمیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے، البتہ خراسان میں اب خطرات ہیں۔ بابک خرمی نہ جانے کہاں تک اپنے پاؤں پھیلا لے!''

''وہ سارے خراسان کو تو نہیں کچل دے گا۔ خلیفہ معتصم اس کا کچھ تو سدِ باب کریں گے۔''

مامون کی موت کے ساتھ ہی یہ اطلاع بھی برقہ پہنچ گئی تھی کہ اب سلطنتِ عباسیہ کا فرماں روا مامون کا بھائی معتصم تھا۔ مامون نے مرنے سے پہلے اس کے حق میں وصیت کر دی تھی۔ افشیں حیدر نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ مامون نے اپنے بھائی کو اپنے بیٹے پر ترجیح کیوں دی؟

معتصم بالکل ان پڑھ لیکن بہت ہی باہمت اور شجاع تھا۔

برقہ میں افشیں حیدر نے مکمل امن دامان قائم کر دیا۔ اب وہ بڑی دل جمعی سے اپنے دوست اور اس کی ''بیوی'' کی خاطر مدارات میں مصروف ہوا ہی تھا کہ اسے خلیفہ معتصم کا ایک حکم نامہ ملا۔

جب سفیان کو اس کا علم ہوا تو اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

حکم نامے میں لکھا تھا۔ ''تم نے برقہ میں امن و امان قائم کر کے ہمیں اپنی شجاعت اور ذہانت کا یقین دلا دیا۔ سلطنتِ عباسیہ کو تم جیسے سپہ سالار پر ناز ہے۔ جب ہم تمھیں بغداد بلائیں گے تو تم پر ہماری نوازشات لوگوں کے لیے قابلِ رشک ہوں گی لیکن اس سے پہلے ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم آذربائیجان کی مہم کیسے سر کرتے ہو۔ تمھیں علم ہوگا کہ وہاں ایک باغی نے قیامت برپا کر رکھی ہے۔ فوراً آذربائیجان روانہ ہو جاؤ۔ کچل دو بابک خرمی اور اس کے پیروکاروں کو! کچل دو اس سفاک عاصی کو جواب تک

Marfat.com

چار لاکھ مسلمانوں کو قتل کر چکا ہے اور ''خدا'' ہونے کا دعوےٰ دار ہے۔''

''تم فاتح بنو گے افشیں حیدر!'' سفیان نے بڑے پُر جوش انداز میں اپنے دوست کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''اب میرے دل کی مراد بر آئے گی۔ میں اور عریب اس مہم میں تمھارے ساتھ رہیں گے۔ بابک خرمی کا مستقر ایک طلسم ہے لیکن ہمارے پاس طلسم کشا ہے۔''

افشیں حیدر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ سفیان نے اس کی حیرت رفع کرنے کے لیے بہت کچھ بتا دیا لیکن ان باتوں سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس نے طاؤس کے ذریعے وہ سب کچھ دراصل مامون کے لیے کروایا تھا۔

☆☆☆

پھر ایک بار ایک طویل سفر! لیکن اس مرتبہ عریب کلفت کا شکار نہیں ہوئی۔ اس مرتبہ ایک اہم مقصد سامنے تھا، بابک خرمی کی سرکوبی جس نے اپنے مستقر کے ارد گرد دور دور تک تباہی و بربادی پھیلا دی تھی۔

آرمینیا پہنچ کر افشیں حیدر نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک قصبے ''برزند'' کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ سب سے پہلے اس نے گزرے ہوئے وقت کی ساری اطلاعات حاصل کیں۔

افشیں حیدر سے پہلے خلیفہ معتصم نے ایک سپہ سالار اسحاق بن ابراہیم کو بھیجا تھا جس نے خرمی جنگ جوؤں کو کئی مقامات پر شکست فاش دی تھی لیکن وہ بھی بابک کے مستقر تک پہنچنے میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا۔ بیمار پڑ جانے کے باعث وہ اپنے نائب ابو سعید کو وہاں چھوڑ کر بغداد واپس چلا گیا تھا۔

ابو سعید نے وہاں رک کر بابک کے ویران کردہ مسمار قلعوں کی تعمیر کروائی۔ اس نے ایک مہم میں بابک کے ایک اہم سالار معاویہ کو بھی مغلوب کر لیا تھا لیکن خرمیوں کی توسیع کا انسداد نہیں کر سکا تھا۔

''وہ ہو بھی نہیں سکتا۔'' سفیان نے افشیں حیدر سے کہا۔ ''بابک خرمی کے مستقر کی تباہی اور بابک کی موت ہی سے اس کا انسداد ہو سکے گا۔''

اس مشاورت میں افشیں حیدر کے ساتھ اس کا ایک سالار بغا الکبیر بھی تھا اور

Marfat.com

عریب بھی موجود تھی۔

افشیں حیدر نے کہا۔ ''مستقر تک پہنچنے سے پہلے خرمی جنگ جوؤں کے ان لشکروں کا خاتمہ ضروری ہے جو اس کے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں۔''

بغاالکبیر بولا۔ ''ان لشکروں کا صحیح محلِ وقوع جاننے کے لیے مخبروں کو بھیجا جا چکا ہے ان کی اطلاعات ملنے تک ہم اپنی سپاہ کو آس پاس کے پہاڑی علاقوں میں بھیج کر ان سے پہاڑوں پر جنگ کی مشقیں شروع کروا دیتے ہیں۔''

''ساری سپاہ کو ان مشقوں پر لگانے کی ضرورت نہیں۔'' افشیں حیدر نے اس سے کہا۔ ''جس لشکر کے ساتھ ہمیں بابک کے پہاڑی قلعے پر حملہ کرنا ہے، صرف اسی کو وہ مشقیں کرواؤ۔ باقی سپاہ کو میدانی جنگوں کے لیے رہنے دو۔''

بغاالکبیر نے پوچھا۔ ''اس لشکر میں کتنی سپاہ ہوگی جو بابک کے پہاڑی علاقے پر حملہ کرے گا؟''

افشیں حیدر نے مشورہ طلب نگاہوں سے سفیان کی طرف دیکھا۔ اب سفیان نے عریب کی طرف دیکھا۔ ان دونوں نے نقشہ اپنے سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے گفت گو کی اور ایک مخصوص تعداد پر متفق ہو گئے جو افشیں حیدر کو بتا دی گئی۔

بغاالکبیر فوراً اٹھا اور خیمے سے چلا گیا۔ وہ خیمہ افشیں حیدر کا تھا۔ سفیان اور عریب بھی وہاں سے اٹھ کر اس خیمے میں آ گئے جو ان کے لیے مخصوص کیا گیا تھا اور افشیں حیدر کے خیمے کے قریب ہی تھا۔

''افشیں بہت پُراعتماد سپہ سالار نظر آ رہا ہے۔'' عریب بولی۔

''تم اپنی تصحیح کر لو۔'' سفیان نے مسکرا کر کہا۔ ''غالباً تم یہ سمجھ رہی ہو کہ افشیں اس کے نام کا ایک حصّہ ہے جبکہ ایسا نہیں ہے۔ افشیں ایک لقب ہے جو اشروسند کے فرماں رواؤں نے اختیار کیے رکھا تھا۔ اسے صرف افشیں اس صورت میں کہا جا سکتا ہے جب اس کا احترام مقصود ہو ورنہ اسے صرف حیدر یا افشیں حیدر کہنا چاہیے۔''

''یہ بات تم نے پہلے کبھی نہیں بتائی۔ خیر، اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑا ہے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ افشیں حیدر بہت پُراعتماد نظر آ رہا ہے اور ہم دونوں کو بھی یقین ہے

Marfat.com

کہ بابک کے خلاف یہ مہم کام یاب رہے گی لیکن مجھے تھوڑی سی الجھن ہے۔"

"وہ کیا؟"

"طاؤس نے ہمیں نقشہ تو بنا کر دے دیا تھا اور بہت کچھ زبانی بھی بتایا تھا جو تم بھی مجھ سے جان چکے ہو لیکن طاؤس نے وہ نقشہ اپنی یاد داشت سے بنایا تھا اور جو باتیں زبانی بتائی تھیں، ان میں بھی وہ شاید کوئی بات بتانا بھول گئی ہو اس لیے حملہ کرتے وقت کہیں کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو عریب!"

"حملے سے پہلے ہمیں وہاں جا کر دیکھنا ہوگا کہ سب کچھ بالکل ویسا ہی ہے جیسا طاؤس کے نقشے اور اس کی باتوں سے ہم نے جانا ہے یا اس میں کوئی تبدیلی ہے، یا اس دوران میں آ چکی ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" سفیان نے اتفاق کیا۔ "چھپتے چھپاتے وہاں کا جائزہ لے کر آنا ہوگا۔ اس کام کے لیے میں کل روانہ ہو جاتا ہوں۔"

"صرف تم نہیں...... تمھارے ساتھ میں بھی چلوں گی۔"

"نہیں عریب!" سفیان نے کہا۔ "یہ ایک خطرناک مہم ہوگی۔"

"اور میں تمھیں اس خطرے میں تنِ تنہا نہیں جانے دوں گی۔"

سفیان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "اس مخبری کے لیے جتنے زیادہ افراد جائیں گے، خطرہ اتنا ہی بڑھ جائے گا۔"

عریب اپنی بات پر اڑی رہی۔ "ایک سے دو ہوں گے تو خطرے کی صورت میں ایک دوسرے کے کام آسکیں گے۔"

"اگر میں کیلا جاؤں گا تو شاید کوئی خطرہ پیش ہی نہ آئے۔"

"تو میں اکیلی چلی جاتی ہوں۔"

سفیان اس سے زیادہ بحث نہیں کر سکا۔

رات کو ان دونوں نے افشیں حیدر کو اپنے ارادے سے باخبر کیا تو اس کے چہرے پر تشویش کے تاثرات ابھر آئے۔

Marfat.com

''سفیان!'' اس نے تشویش کا اظہار کیا۔ ''خدانخواستہ تم دونوں کو کچھ ہو گیا تو مجھے زندگی بھر اس کا افسوس ہوگا۔ اس کے علاوہ تم دونوں کی عدم موجودگی میں وہاں حملہ کرنے میں بہت زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔''

''ہم نقشہ تمھیں دے کر جائیں گے حیدر!'' سفیان نے کہا۔ ''جو باتیں یا معلومات زبانی ہیں، وہ میں تمھیں ابھی بتا دیتا ہوں۔ اس کے بعد ہماری موجودگی یا عدم موجودگی سے تمھارے لیے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن مجھے یقین ہے کہ ہم ضرور واپس لوٹیں گے۔ انشاء اللہ!''

افشیں حیدر نے وہ باتیں بڑی توجہ سے سنیں جو سفیان نے اسے بتائیں۔ اسے سفیان سے بابک کے پہاڑی قلعے کا نقشہ بھی مل گیا۔ اس نقشے کی ایک نقل سفیان نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔

دوسری صبح سفیان اور عریب، برزند سے اس طرح روانہ ہوئے کہ وہ دو گورخروں پر سوار تھے۔ ان کے جسموں پر وہ لباس تھا جو آذربائیجان کے دیہی علاقوں کے لوگ استعمال کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ دو گورخر اور تھے۔ ان میں سے ایک پر سفر کی ضروریات کے سامان کے علاوہ خورونوش کی اشیا لدی ہوئی تھیں۔ دوسرے گورخر پر گھریلو استعمال کا سامان تھا۔ اس طرح انھیں سفر کرتے ہوئے دیکھ کر سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی دیہاتی میاں بیوی تھے جو کسی بستی سے دوسری بستی میں منتقل ہونے کے لیے سفر کر رہے تھے۔

ان کی روانگی کے دو دن بعد افشیں حیدر کو اطلاعات مل گئیں کہ بابک خرمی کے جنگ جو کہاں کہاں اپنا ڈیرا جمائے ہوئے تھے چنانچہ اس نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے خرمی جنگ جوؤں سے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا۔ لشکر کا ایک حصہ پہلے ہی الگ کیا جا چکا تھا اور اس کی سپاہ کو پہاڑوں پر جنگ کرنے کی مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔

افشیں حیدر کو اندازہ تھا کہ سفیان اور عریب کی واپسی کتنے دن میں ہو سکتی ہے لیکن جب اس سے کہیں زیادہ دن گزر گئے تو وہ اس کے علاوہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکا کہ وہ دونوں بابک خرمی کے جنگ جوؤں کے ہتھے چڑھ گئے ہوں گے جس کے بعد ان کا ایک ہی انجام ہو سکتا تھا۔

Marfat.com

اس دوران میں افشیں حیدر کو اطلاعات ملتی رہی تھیں کہ اس نے جو لشکر بھیجے تھے، ان کی بابک خرمی کے جنگ جوؤں سے بڑی خوں ریز جنگیں ہو رہی تھیں اور حالات سے ایسا کوئی اشارہ نہیں مل رہا تھا کہ کامیابی کس فریق کو حاصل ہوگی۔ افشیں حیدر سوچنے لگا کہ اب اسے بھی پیش قدمی شروع کر دینا چاہیے۔ اسے سفیان سے جو نقشہ مل گیا تھا اور زبانی جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، وہ انھی کی روشنی میں اقدامات کر سکتا تھا۔ اگر نقشے یا زبانی معلومات میں کہیں کوئی کمی بیشی ہوتی تو اسے زیادہ نقصانات اٹھانا پڑتے لیکن وہ اس کے لیے تیار تھا۔

اچانک اسے اطلاع ملی کہ ایک قلعے کے والی محمد البعیث نے کسی جگہ خرمیوں کے ایک چھوٹے سے لشکر کو گھیرے میں لے کر انھیں تہِ تیغ کر دیا تھا۔ خرمیوں کے اس لشکر کے سالار عصمتہ الکردی کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

محمد البعیث خرمیوں کے سالار کو لے کر برزند آیا اور اسے پابہ جولاں حالت میں افشیں حیدر کے سامنے پیش کیا۔

افشیں حیدر کو یہ دیکھ کر تھوڑا سا تعجب ہوا کہ عصمتہ الکردی پابہ جوالاں حالت میں بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ اس کا سر تنا ہوا اور آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو شکست خوردہ لوگوں کی آنکھوں میں نہیں ہوتی۔

"بہت مغرور ہو گئے ہو تم لوگ!" افشیں حیدر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ غرور ہمارے ایمان کی طاقت کا ہے عباسی سالار!" عصمتہ الکردی نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "ظلِ یزداں کی قسم، تم لوگ ہمیں شکست نہیں دے سکتے۔"

افشیں حیدر کے علم میں آچکا تھا کہ وہ لوگ بابک خرمی کو "ظلِ یزداں" کہتے تھے۔

"ظلِ یزداں" افشیں حیدر نے حقارت سے کہا۔ "میں اس پنجرے کی تیلیاں ہوا میں بکھیر دوں گا جہاں وہ خود کو بہت محفوظ سمجھتا ہے۔"

"عباسی سالار!" عصمتہ الکردی نے بے خوفی سے کہا۔ "جسے تم پنجرہ کہہ رہے ہو، وہ ظلِ یزداں کی نہیں، ان کے ماننے والوں کی پناہ گاہ ہے۔ ظلِ یزداں تو جہاں بھی رہیں گے، محفوظ رہیں گے۔ تم جسے پنجرہ کہہ رہے ہو، وہ ایک آہنی حصار ہے۔ تم اس

Marfat.com

تک پہنچ بھی نہیں سکو گے۔ راہ کے پتھروں ہی سے ٹکرا ٹکرا کر فنا ہو جاؤ گے۔''

''مجھے اس پنجرے تک پہنچنے کا ایک آسان راستہ معلوم ہو چکا ہے خرمی سالار!'' افشیں حیدر نے کہا اور نقشہ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا۔ ''یہ دیکھو!''

عصمتہ الکردی نے نقشے پر نظر ڈالی۔ افشیں حیدر نے اسے ایک خاص سوچ کے تحت وہ نقشہ دکھایا تھا۔ وہ غور سے عصمتہ الکردی کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ عصمتہ الکردی کا چہرہ پل بھر کے لیے مرجھا سا گیا تھا لیکن اس نے خود کو سنبھالنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' عصمتہ الکردی نے حقارت سے کہا۔ ''ظلِ یزداں کی ایک آواز ہی تم لوگوں کے کانوں میں صور اسرافیل پھونک دے گی۔''

افشیں حیدر کو یقین ہو گیا کہ سفیان کا دیا ہوا نقشہ بالکل درست تھا۔ شاید اس میں کوئی چھوٹی موٹی خامی بھی نہیں تھی۔ حیدر کو اتنا یقین تو تھا کہ اسے فتح حاصل ہو گی۔ اب یہ یقین بھی ہو گیا کہ آسانی سے ہو جائے گی۔

لیکن اس کا سہرا، افشیں حیدر نے رنجیدگی سے سوچا، وہ اس کے دوست کے سر رہے گا جو شاید اب اس دنیا میں نہ ہو۔

☆☆☆

افشیں حیدر کی رنجیدگی بر بنائے قیاس تھی۔ سفیان اور عریب زندہ تھے۔ انھیں تاخیر اس لیے ہو گئی تھی کہ نصف سے زیادہ سفر طے کرنے کے بعد عریب بخار میں مبتلا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے سفیان کو ایک بستی کی سرائے میں کافی دن تک قیام کرنا پڑ گیا تھا۔ عریب کا بخار اتر جانے کے بعد اس کی نقاہت بھی سفر کرنے میں مانع ہوئی تھی۔ اس کے صحت مند ہو جانے کے بعد ہی سفر دوبارہ شروع کیا جا سکا تھا۔

آخر وہ ایک روز سرِ شام اس پہاڑ سے بہ مشکل ایک فرسخ کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ وہ قلعہ اتنا بڑا تھا کہ انھیں اتنی دور سے بھی صاف نظر آ گیا تھا۔ پہاڑ کی بلندی بھی اتنی تھی کہ وہ نیچے سے چلائے جانے والے تیر و پیکاں کی زد پر نہیں آ سکتا تھا۔

اس کے آگے کا سفر اس لیے خطرناک تھا کہ خرمی جنگ جوؤں کے دستے

Marfat.com

تھوڑے تھوڑے سے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ یہ طاؤس بتا چکی تھی کہ اس طرح پہاڑ کے قلعے کی حفاظت کی جاتی تھی اور اگر وہاں حملہ کیا جاتا تو ایک بڑی فوج بھی ان دستوں کی مدد کے لیے آجاتی جو قلعے کے اندر رہتی تھی۔ اسی قلعے میں بابک خرمی کا محل تھا جس میں وہ اپنے حرم کے ساتھ رہتا تھا۔ اس محل کے علاوہ اس کی نشست گاہیں آس پاس کے دوسرے پہاڑوں کے غاروں میں تھیں۔

عریب اور سفیان کو اندھیرا پھیلنے تک ایک ٹیلے کی آڑ میں رکا رہنا پڑا۔ اس کے بعد انھوں نے زمین پر رینگتے ہوئے آگے بڑھنا شروع کیا۔ اس طرح خود کو سنگلاخ زمین پر گھسیٹنا، خصوصاً عریب کے لیے بہت مشکل تھا لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ دونوں شمال کی جانب سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کا رخ جنوب کی طرف تھا۔

قلعے کے محافظ دستوں کے پڑاؤ میں مشعلیں جل چکی تھیں اس لیے یہ اندیشہ نہیں رہا تھا کہ وہ بھٹک کر کسی اور پڑاؤ کے قریب پہنچ جاتے۔ وہ پڑاؤ ایک دوسرے سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھے لیکن کم فاصلہ ہونے کے باوجود ان کے درمیان میں سے دو افراد کا رینگتے ہوئے گزر جانا مخدوش نہیں تھا۔

وہ پہاڑ کے قریب پہنچے تو پسینے پسینے ہو چکے تھے۔ اب انھیں وہ جگہ تلاش کرنا تھی جہاں سے پہاڑ پر چڑھنا مشکل نہیں ہوتا۔ سفیان کو اس کے لیے نقشہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے سب کچھ بہت اچھی طرح ذہن نشیں کر لیا تھا۔

جلد ہی وہ مقام تلاش کر لیا گیا۔ پہاڑ کی طرف وہ بڑھے ہی اس سمت سے تھے کہ اس مقام کے قریب پہنچ سکیں۔

قلعے میں داخل ہونا بھی ان کے لیے پُر خطر ثابت نہیں ہوا۔ وہاں نہ تو کوئی پہرے دار تھا، نہ دروازہ بند رکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی تھی۔ اس اطمینان کا سبب یہ تھا کہ ان کے جنگ جُو اس علاقے سے بہت دور تھے۔ قلعے کے احاطے میں خرمی جنگ جوؤں کی کثیر تعداد پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی لیکن وہ سب بھی مطمئن تھے۔ ہر طرف سے قہقہوں اور گانے بجانے کی آوازیں آرہی تھیں کیونکہ سال کی اس رات کو وہ تہوار کی طرح مناتے تھے۔

وہ رات ہر سال تہوار کی طرح اس لیے منائی جاتی تھی کیونکہ بیس سال پہلے اسی

Marfat.com

رات کو بابک خرمی ان لوگوں کے قائد کی حیثیت سے جاوداں کا مسند نشیں ہوا تھا۔مسند نشینی کی رسم بالکل اسی طرح ہر سال ادا کی جاتی اور اس کا وقت رات کا آخری پہر ہوتا تھا۔

محل کے ایک وسیع و عریض حصے میں ایک گائے کی قربانی دی گئی۔اس وقت بابک ایک پُر شکوہ مسند پر بیٹھا رسم کی ادائی دیکھ رہا تھا۔سفیان اور عریب محل کے اس حصے تک اس وقت پہنچے تھے جب قربان کی گئی گائے کی کھال فرش پر بچھائی جا رہی تھی۔

چاروں طرف کی دیواروں میں چھت سے ملے ہوئے گول گول سوراخ ہوا کی آمد ورفت کے لیے بنے ہوئے تھے۔سفیان اور عریب انھی میں سے ایک سوراخ سے قریب چھت پر اوندھے لیٹے ہوئے اس سوارخ سے اندر دیکھ رہے تھے۔

کھال پر شراب سے بھرا ہوا ایک بڑا سا تشت رکھا گیا۔اس میں گندم یا جو کی روٹیوں کے ٹکڑے ڈالے گئے۔ ہر شخص نے کھال کو اپنے پیروں سے روندا، پھر شراب میں بھیگا ہوا روٹی کا ٹکڑا نکال کر کھایا۔اس کے بعد بابک خرمی کے قریب جا کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کچھ کہا۔

''اس طرح اطاعت کا حلف اٹھایا جاتا ہے۔'' عریب نے سرگوشی کرتے ہوئے سفیان کو بتایا۔''طاؤس نے طرخان کے ساتھ ایک مرتبہ اس رسم میں شرکت کی تھی۔''

''میں سوچ رہا ہوں عریب کہ ہمیں یہاں تک آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔'' سفیان نے بھی سرگوشی کی۔''کوئی رکاوٹ نہیں پڑی تو ہم جوش میں یہاں تک آ گئے۔ ہمیں قلعے کے دروازے ہی سے لوٹ جانا چاہیے تھا۔طاؤس کے بنائے ہوئے نقشے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔''

عریب اس وقت دیکھ رہی تھی کہ حلف اٹھانے کے بعد ہر شخص شراب کا ایک پیالہ بھر کر وہاں سے نکل جاتا تھا اور باہر سے کوئی دوسرا اندر آ جاتا تھا۔طاؤس بتا چکی تھی کہ وہ رسم دوسری رات کو اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک قلعے میں موجود ایک ایک جنگ جُو وہاں آکر بابک خرمی کے سامنے حلف نہیں اٹھا لیتا تھا۔گویا وہ رسم مسلسل شب و روز جاری رہتی تھی اور بابک خرمی ایک پل کے لیے بھی اپنی مسند سے نہیں ہٹتا تھا۔

لیکن اس رات وہ رسم ساری رات جاری نہیں رہی۔وہ اچانک روک دی گئی۔

Marfat.com

اس سے پہلے باہر سے آنے والے ایک شخص نے بڑی تشویش کے تاثرات کے ساتھ بابک خرمی کو کچھ بتایا تھا۔ سفیان اور عریب اس کی آواز نہیں سن سکے تھے۔ انھیں ناقوسوں کی آوازوں نے چونکایا تھا جو محل میں چاروں طرف گونجنے لگی تھیں۔ پھر دو آوازیں سارے قلعے میں پھیل گئیں۔ ہر طرف ہلچل مچ گئی تھی۔ اِدھر سے دوڑ بھاگ کا وہ آغاز ایسا تھا کہ عریب اور سفیان کسی وقت بھی کسی کی نظر میں آسکتے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو چھپنے کے لیے ایک گوشہ تلاش کر سکے۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ افشیں حیدر نے حملہ کر دیا ہو!'' عریب نے سفیان کے کان میں کہا۔

عریب کا خیال سو فی صد درست تھا۔ افشیں حیدر نے ابتدا میں جو لشکر بھیجے تھے، وہ پہاڑ کے مشرق میں خرمی جنگ جوؤں سے نبرد آزما تھے لیکن خود افشیں حیدر کے لشکر نے مغرب کی جانب سے دھاوا بولا تھا۔

قلعے کے دروازوں سے نکل کر خرمی جنگ جوؤں نے پہاڑ پر چٹانوں اور پتھروں کی آڑ میں مورچے سنبھال لیے۔ جنگ ابھی پہاڑ تک نہیں پہنچی تھی۔ ایک میل سے زیادہ فاصلے پر پھیلے ہوئے محافظ دستے ہی عباسی لشکر کے سامنے دیوار بن گئے تھے۔ وہ ''دیوار'' آہستہ آہستہ مضبوط بھی ہونے لگی۔ شمال اور جنوب میں پھیلے ہوئے دستے مغربی دستوں کی مدد کے لیے پہنچنے لگے۔ شمال اور جنوب کا حصّہ خالی تو نہیں چھوڑا گیا لیکن وہاں ''خرمی طاقت'' کم ضرور ہوگئی۔

''بس احتیاط ضروری ہے۔'' پہاڑ کے ایک مورچے میں موجود طرخان نے اپنے نائب سے کہا۔ ''وہ بدبخت قلعے تک تو کیا، پہاڑ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے اور اگر پہنچ بھی گئے تو پہاڑ پر چڑھتے ہوئے ان میں سے ایک ایک کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اوپر چڑھنا ان کے لیے ممکن ہی نہیں ہوگا۔ وہ خود ہی کہیں نہ کہیں سے پھسل کر نیچے جا گریں گے۔''

غالباً وہ قلعے کی سپاہ میں شامل ہونے والا کوئی نیا جنگ جُو تھا۔ پرانے تو سبھی جانتے تھے کہ اس پہاڑ پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ قسمت کے دھنی کچھ لوگ اوپر پہنچنے میں کام یاب بھی ہو جاتے تو قلعے کی سپاہ انھیں تیروں سے چھلنی کر دیتی اور جو بہت ہی

Marfat.com

قریب آجاتے تو انھیں آسانی سے تہ تیغ کر دیا جاتا۔

مشرق میں عباسی فوج کے جو لشکر خرمیوں سے جنگ آزما تھے، ان کے سالاروں کو افشیں حیدر کی ہدایت مل چکی تھی کہ رات کے تیسرے پہر میں وہ دھیرے دھیرے پسپائی اختیار کریں اور ان کے عقب میں موجود سپاہ تیزی سے گھوم کر، مغرب کی طرف سے دھاوا بولنے والے لشکر سے آملے۔

مشرق میں لڑتے ہوئے خرمی جنگ جوؤں نے جب اپنے فریق کی پسپائی دیکھی تو نہایت جوش میں آگے بڑھتے ہوئے قلعے سے دور ہوتے چلے گئے۔ صبح کا سورج طلوع ہوا تو اس کی کرنیں جگہ جگہ بکھری ہوئی لاشوں اور بہتے ہوئے خون پر پڑنے لگیں۔

مغرب سے عباسی لشکر کا حملہ اتنا شدید تھا کہ خرمی جنگ جوؤں کی مضبوط بن جانے والی دیوار میں شگاف پڑنے لگے۔ عباسی لشکر کو ان شگافوں سے گزر کر پہاڑ کی طرف پیش قدمی کا موقع مل گیا۔

دوپہر کو وہ لوگ پہاڑ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ اب حالت یہ تھی کہ ان کی نصف تعداد پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی اور باقی نصف کو مڑ کر خرمی جنگ جوؤں سے مقابلہ کرنا تھا۔

''مر جائیں گے یہ سب مارے جائیں گے۔'' طرخان نے بڑی نفرت سے کہا۔ ان دنوں قلعے کی سپاہ کا سالارِ اعلیٰ طرخان ہی تھا۔

لیکن طرخان کی وہ سوچ اس کی بہت بڑی بھول تھی۔ وہ افشیں حیدر کی جنگی چال سمجھ ہی نہیں سکا۔ خرمی جنگ جوؤں کی طاقت کا ایک بڑا حصہ جب مشرق کی جانب سمٹ آیا تو قلعے کے شمال میں ایک فرسخ کے فاصلے پر خود کو پوشیدہ رکھے ہوئے لشکر نے برق رفتاری سے پیش قدمی شروع کی۔ دس ہزار کے اس لشکر کی قیادت خود افشیں حیدر کر رہا تھا۔

مغرب کی جانب پہاڑ کے قریب پہنچ جانے والی سپاہ نے پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش تھوڑی دیر بعد کی۔

طرخان نے قہقہہ لگایا۔ ''ہو گئے بے بس! اندازہ ہو گیا بدبختوں کو کہ وہ اوپر نہیں چڑھ سکتے۔''

ایک ہانپتا ہوا جنگ جو طرخان کے قریب پہنچا اور بولا۔ ''سالار! شمال کی طرف

Marfat.com

سے دشمن کا ایک تازہ دم لشکر آ رہا ہے۔''

طرخان بوکھلا سا گیا۔ اسی جانب وہ راستہ تھا جس پر آسانی سے چڑھا جا سکتا تھا۔

''خفیہ راستہ تو انھیں مل نہیں سکتا۔'' طرخان بڑبڑایا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ افشیں حیدر کو اس راستے کے بارے میں ہر بات معلوم تھی۔

اسی لیے اس نے خرمی جنگ جوؤں کو مغرب میں الجھا لینے کے بعد اس طرف پیش قدمی کی تھی جہاں سے پہاڑ پر چڑھنا مشکل نہیں تھا۔ طرخان نے اپنے جنگ جوؤں کا ایک بڑا حصہ خفیہ راستے کی سمت میں بھیجا لیکن اس وقت افشیں حیدر کی سپاہ نے خفیہ راستے سے پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا تھا۔ مغرب کی جانب جو سپاہ تھی، اسے قاصد کے ذریعے افشیں حیدر کا حکم مل چکا تھا کہ وہ تیزی سے قلعے کے شمال کی طرف آئیں۔

اب پہاڑ پر ایک خوں ریز جنگ شروع ہوئی۔ افشیں حیدر کی سپاہ تیزی سے قلعے کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے پیچھے اس سپاہ کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا جو رات کے آخری پہر میں مغرب کی جانب سے حملہ آور ہوئی تھی۔ اس کے برخلاف خرمی جنگ جوؤں کی کثیر تعداد مشرق میں افشیں حیدر کے پسپا ہوتے ہوئے سپاہیوں کے تعاقب میں بہت دور نکل چکی تھی۔

ایک خرمی قاصد نے انھیں طرخان کا پیغام پہنچایا کہ وہ قلعے کی طرف واپس آئیں لیکن ان کے واپس آتے آتے دن کا تیسرا پہر ہو گیا۔ اس وقت تک افشیں حیدر کے سپاہی قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ ان کے کئی دستوں کو حکم مل چکا تھا کہ وہ جلد از جلد محل کا محاصرہ کر لیں۔

عریب اور سفیان محل کے ایک گوشے میں بھوکے پیاسے چھپے ہوئے تھے۔ ان کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ وہاں سے باہر نکلتے۔ خرمی جنگ جوؤں کی کچھ تعداد محل کے اندر بھی موجود تھی۔

پھر اس وقت بھوک پیاس کی طرف عریب اور سفیان کا دھیان ہی نہیں رہا جب انھیں محل ہی میں ہتھیاروں کی جھنکار کے ساتھ انسانی چیخیں سنائی دینا شروع ہوئیں۔

''وہ آ گیا۔'' سفیان نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ''وہ محل میں گھس آیا۔''

Marfat.com

''وہ'' سے اس کی مراد افشین حیدر ہی سے تھی۔

بابک کو اس جنگ کے ایک ایک پل کی خبر ملتی رہی تھی۔ جنگ جب محل کے اندر آ گئی تو اس کو اپنی شکست کا چہرہ نظر آ گیا۔ وہ اپنا مخصوص سبز جبہ پہن کر اس مسند پر جا بیٹھا جہاں بیٹھ کر وہ اپنے لوگوں سے اطاعت و وفاداری کا حلف لیا کرتا تھا۔

''ہتھیار ڈال دیے جائیں۔'' محل کی سپاہ کے سالار کو اپنے ''ظلِ یزداں'' کا حکم ملا۔

ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دینا بند ہوئی اور پھر افشین حیدر کی سپاہ کے فاتحانہ نعرے سنائی دینے لگے تو سفیان اور عریب کے لیے قطعی غیر ضروری ہو گیا کہ وہ اب بھی بھوکے پیاسے محل کے ایک گوشے میں چھپے رہتے۔

افشین حیدر اپنے سپاہیوں کے ساتھ بابک کے سامنے اس طرح پہنچا کہ طرخان کا کٹا ہوا سر اس کی ٹھوکروں میں تھا۔ جب بابک خرمی کو بیڑیاں پہنائی جا رہی تھیں تو اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''فتح مبارک ہو!'' سفیان کی آواز نے افشین حیدر کو چونکا دیا۔

اس کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑ گئیں جب اس نے سفیان اور عریب کو اپنے سامنے زندہ سلامت دیکھا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر سفیان کو اپنے گلے لگا لیا اور بولا۔ ''اس فتح کا سہرا تمھارے سر ہے۔''

''نہیں۔'' سفیان کا لہجہ افسردہ ہو گیا۔ ''اس کا سہرا کسی اور ہی کے نام ہے۔''

اس وقت عریب کے چہرے پر بھی رنجیدگی کی لہر دوڑ گئی۔ اسے بھی طاؤس یاد آ گئی تھی۔

☆☆☆

اس خوں ریز معرکے میں خرمیوں کی کثیر تعداد ماری گئی تھی۔ گرفتار شدگان میں اس کی کئی بیویاں اور بچے بھی شامل تھے۔

افشین حیدر ان سب کے ساتھ ایک طویل سفر طے کر کے ''سامرا'' کی طرف بڑھا۔

سامرا، بغداد کے شمال میں تیس فرسخ کے فاصلے پر دجلہ کے کنارے سلطنتِ عباسیہ کی ایک نئی فوجی چھاؤنی تھی۔ خلیفہ معتصم نے وہاں اپنے لیے ایک محل بنوالیا تھا۔ لشکر خلافت میں کچھ ایسے عناصر شامل ہو گئے تھے جن کی طرف سے معتصم کو اپنی زندگی کے

Marfat.com

لیے کچھ خطرہ محسوس ہوا تھا۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر اس نے کچھ عرصے کے لیے بغداد سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

جب اسے پیغام ملا کہ بابک خرمی کو گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے تو اس نے افشین حیدر کو ایک ہاتھی بھیجا اور حکم دیا کہ بابک کو اس پر سوار کرا کے سارے شہر میں اس کی تشہیر کی جائے۔

ہارون الرشید کے زمانے میں ہند کے ایک راجا نے تحفے کے طور پر دو ہاتھی بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک ہاتھی ہارون الرشید نے بازنطینی فرماں روا شارلیمان کو دے دیا تھا لیکن دوسرے ہاتھی کو بغداد ہی میں رکھا گیا تھا۔

افشین حیدر ایک فاتحانہ جلوس کے ساتھ اس شان سے سامرا میں داخل ہوا کہ زنجیروں میں جکڑا ہوا بابک خرمی ہاتھی پر تھا۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے ہر طرف سے اُمڈ پڑے تھے۔ ان میں بغداد اور آس پاس کے کئی شہروں کے لوگ تھے۔

کسی نے ہجوم میں سے بہ آوازِ بلند کہا۔ ''یہ ہے عالم اسلام کا وہ مہیب دشمن جس کی گردن پر لاکھوں انسانوں کا خون ہے۔''

بابک خرمی ویران آنکھوں سے سامنے دیکھتا رہا۔

جب سارے شہر میں اس کی تشہیر کرادی گئی تو اسے پیادہ اور سوار فوج کی قطاروں کے بیچ سے گزار کر خلیفہ معتصم کے حضور میں لایا گیا۔

معتصم نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور بڑی حقارت سے کہا۔ ''ظلِ یزداں'' لہجے میں طنز بھی تھا۔ ''آخر تم اپنے انجام کو پہنچ ہی گئے!''

بابک خالی خالی نظروں سے معتصم کی طرف دیکھتا رہا۔

معتصم نے گرج کر حکم صادر کیا۔ ''اس بدبخت کو سر بازار اس طرح ختم کیا جائے کہ پہلے اس کے جسم کا ایک ایک عضو کٹے۔ اس کے بعد اس کی گردن اڑائی جائے۔ اس کا کٹا ہوا سر بغداد کے لوگ بھی دیکھیں۔ اس کے بعد اس کی تشہیر خراسان و آذربائیجان میں بھی ہو۔ اس کے بہت سے پیرو کار اب پسِ پردہ چلے گئے ہوں گے۔ بہتر ہوگا کہ وہ بھی اپنے ظلِ یزداں کا کٹا ہوا سر دیکھ لیں اور انھیں عبرت حاصل ہو۔''

افشین حیدر نے اسی دن سارے شہر میں منادی کرائی کہ دوسرے دن زوال آفتاب

Marfat.com

کے وقت سامرا کے بڑے چوک میں معتصم کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔

اس منادی کی وجہ سے دوسرے دن سامرا کے بڑے چوک کے پاس لوگوں کا اتنا ازدحام (نوٹ: اس لفظ کا املا غلط نہ سمجھا جائے) تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔

بابک خرمی کو چوک میں اس طرح کھڑا کیا گیا کہ اس کے دونوں ہاتھوں کی کلائیوں میں زنجیریں تھیں۔ ان زنجیروں کے دوسرے سرے دو قوی ہیکل جلاّدوں نے کھینچ کر اس طرح پکڑے ہوئے تھے کہ وہ سفاک آدمی اپنی جگہ سے بہت زیادہ آگے پیچھے نہ ہو سکے، اور نہ دائیں بائیں ہٹ سکے۔ اس کے پیروں میں بیڑیاں بھی تھیں۔

تیسرا جلاّد ایک بڑا سا کلہاڑا ہاتھ میں لیے بابک کے سامنے کھڑا کیا گیا تاکہ وہ اپنی ''موت'' کو ''دیکھ'' بھی سکے۔ بابک کے چہرے پر اس وقت بھی کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے لیکن وہ دانت بھینچے ہوئے تھا۔ دانت بھینچ کر ہی وہ اپنے اندر کی کیفیت کا تاثر اپنے چہرے پر آنے سے روکے ہوئے تھا۔

اشارہ ملتے ہی کلہاڑا فضا میں اٹھا اور بابک کا دایاں بازو شانے کے پاس سے کٹ کر الگ جا گرا۔ وہ منظر دیکھ کر بہت سے لوگوں نے شاید اپنی آنکھیں بند کر لی ہوں۔

اذیت سے بابک کے بھینچے ہوئے دانت ڈھیلے پڑ گئے۔ اب اس کے چہرے کی سرخی موت کے خوف سے زردی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ بابک نے اسی کو چھپانے کے لیے اپنا چہرہ اپنے کٹے ہوئے شانے سے رگڑ دیا۔ بہتے ہوئے خون نے اس کا سارا چہرہ سرخ کر دیا اور وہ اتنا بھیانک نظر آنے لگا کہ دیکھنے والے بہت سے لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔

کلہاڑا دوسری بار چلا۔ بابک کا بایاں بازو بھی کٹ کر کچھ دور جا گرا۔ خود بابک بھی تڑپ کر گر پڑا۔ اس کے زمین پر تڑپتے ہوئے جسم پر کلہاڑا پھر چلا، پھر چلا اور پھر چلا۔

بابک کی ایک ٹانگ، دوسری ٹانگ اور پھر سر بھی اس کے دھڑ سے الگ ہو گیا۔

کچھ لوگ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے وہاں سے بھاگے۔ وہ بڑے شوق سے سب کچھ دیکھنے آئے تھے مگر دیکھ نہیں سکے تھے۔

اس ہجوم میں سفیان کے ساتھ عریب بھی تھی جو سارے جسم سے لرزنے لگی تھی۔

Marfat.com

سفیان اسے سہارا دے کر ہجوم سے نکال لایا۔

بابک کا سر اسی چوک میں کسی جگہ رسّی سے باندھ کر لٹکا دیا گیا۔ جب اس کا سر خراسان لے جایا جا رہا تھا تو سپاہیوں کے دستے کے ساتھ سفیان اور عریب بھی تھے مگر جب بابک کا سر بغداد لے جایا گیا تھا تو وہ دونوں سامرا ہی میں رکے رہے تھے۔

''بغداد ہم نہیں جائیں گے سفیان!'' عریب نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''خلیفہ مامون کا حکم تھا کہ اب ہمارا سایہ بھی سرزمین بغداد پر نہ پڑے۔ وہ اب زندہ نہیں لیکن ہم تو ہیں۔ ہمیں ان کے حکم کا خیال رکھنا ہوگا۔''

سفیان اس کا منہ تکتا رہ گیا تھا۔

اب وہ سامرا سے دور ہوتے چلے جا رہے تھے۔

ایک صدی بعد سامرا اجڑ گیا لیکن جہاں بابک خرمی کا دھڑ لٹکایا گیا تھا، وہ جگہ اس ''خشبۃ البابک'' کے نام سے مشہور رہی۔

☆☆☆

Marfat.com

عجیب المعتصم

آدھی رات گزر چکی تھی۔ شہر بغداد پر چھائے ہوئے سناٹے میں کہیں، دُلکی چلتے ہوئے ان گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دے جاتی تھیں جن پر طلایہ گرد سوار تھے۔ آٹھویں صدی کے ساتویں عشرے میں جب عباسی خلیفہ منصور نے یہ خوب صورت شہر تعمیر کرایا تھا، اسی وقت وہاں طلایہ گردی کا مضبوط نظام بھی قائم کیا تھا۔ اب ستر سال گزر جانے کے بعد بھی اس نظام میں کوئی خرابی نہیں آئی تھی۔ منصور کے بعد آنے والے خلفا اور خلیفۂ وقت معتصم باللہ نے بھی اس نظام میں کسی قسم کی تبدیلی لانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔

بغداد پر چھایا ہوا وہ سناٹا روشنیوں سے محروم نہیں تھا۔ خلیفہ منصور نے روشنی کے بڑے اچھے انتظامات کرائے تھے۔ اسی لیے بغداد اس عہد کا نہایت خوب صورت اور روشن شہر تھا۔ رہ گزاروں پر روشن بڑی بڑی قندیلوں کے علاوہ حویلیوں، کوشکوں اور اُمرائے سلطنت کے محلوں کی روشنیاں بھی دریچوں اور جھروکوں سے نظر آتی رہتی تھیں۔

جواہرات کی سوداگر افشاں کی حویلی کے بھی کئی دریچے روشن تھے۔ اُن میں سے ایک دریچہ افشاں کی نوخیز بیٹی زریں کا تھا جو اس وقت جاگ رہی تھی اور بہت دیر سے اپنے محبوب حسن بن افشیں کو خط لکھنے کی کوشش کر رہی تھی جو چند دن پہلے تک بغداد ہی میں تھا۔

حسن کا باپ افشیں حیدر دربارِ خلافت کے چند نہایت نمایاں اُمرا میں سے ایک ہونے کے ساتھ ساتھ خلیفہ کے ''عسکرِ فراغنہ'' کا سپہ سالار بھی تھا۔ اسی لیے اس نے اپنے کسی کام سے اپنے بیٹے کو بخارا بھیجا تھا جہاں سے اُس کی واپسی میں کچھ عرصہ لگتا۔ زریں کے لیے ہجر کے وہ شب و روز کسی قیامت سے کم نہ تھے۔ اس رات وہ حسن

Marfat.com

کو ایک طویل خط لکھنا چاہتی تھی لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ خط کا آغاز کس طرح کرے۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا تھا کہ وہ کسی کو خط لکھتی۔

مور کے ایک خوب صورت پَر کا قلم ہاتھ میں لیے، وہ بیٹھی خط کے مضمون اور الفاظ کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ سرپٹ دوڑتے ہوئے کسی گھوڑے کی ٹاپوں نے اُسے چونکا دیا۔ چونکنے کے ساتھ ہی نہ جانے کیوں اُسے ''عجیب'' ہی کا خیال آیا اور اُس کا سارا جسم خوف سے لرز اُٹھا۔

''عجیب'' خلیفہ معتصم کے نوجوانوں اور خوب رو ترک غلاموں میں سے ایک تھا جو خلیفہ کو اپنے ان ترک غلاموں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔

گھوڑے کی ٹاپیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ مور کے پَر کا قلم زرین کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ اُٹھ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی۔ جب اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ماں افشاں کی خواب گاہ کا دروازہ پیٹا تو وہ ساری جان سے کانپ رہی تھی۔

''کون بدتمیز ہے؟'' اندر سے افشاں کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ یقیناً سوتے سے جاگی ہوگی۔

''میں ہوں مادر!'' زریں نے زور سے بولنے کی کوشش کی تھی لیکن خوف کے باعث اُس کی آواز زیادہ بلند نہیں ہوسکی۔

افشاں نے اندر سے دروازہ کھولا اور زریں بے تحاشا اس سے لپٹ گئی۔

''کیا بات ہے جانِ مادر!'' افشاں نے اُس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بڑی شفقت و محبت سے پوچھا۔ ''تم اس بری طرح کیوں کانپ رہی ہو؟ کیا کوئی بھیانک خواب دیکھ لیا ہے؟''

''نہیں مادر!'' زریں نے لرزاں آواز میں کہا۔ ''وہ...... وہ...... عجیب......''

''عجیب؟'' افشاں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں۔ میں نے اُس کے گھوڑے کی ٹاپیں سنی ہیں۔ وہ حویلی کی طرف آ رہا ہے۔''

افشاں نے دھیان دیا لیکن کچھ نہ سن سکی۔ زریں نے جس گھوڑے کی ٹاپیں سنی تھیں، وہ گھوڑا کہیں دور جا چکا تھا۔ اُس کی ٹاپیں معدوم ہوگئی تھیں۔

''معلوم ہوتا ہے، کوئی خواب دیکھا ہے تم نے!'' افشاں نے ہنس کر کہا۔

Marfat.com

''تم عجیب سے اتنی ڈر گئی ہو کہ اب وہ تمھیں خواب میں بھی نظر آنے لگا ہے۔''

زریں ماں سے الگ ہو کر سننے کی کوشش کرنے لگی مگر اُسے بھی کچھ سنائی نہیں دیا۔

''خواب دیکھا ہوگا تم نے!'' افشاں پھر ہنسی۔

''نہیں مادر! میں تو ابھی بستر پر لیٹی بھی نہیں تھی۔ میں اہورا مزدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دی تھیں۔''

وہ دونوں ماں بیٹی زرتشتی مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اسی لیے زریں نے ''اہورا مزدا'' کی قسم کھائی تھی۔

''زرتشتی مذہب میں خیر کی طاقت کو ''یزداں یا اہورا مزدا کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بدی کی طاقت، یعنی شیطان کو ''اہرمن'' کہا جاتا ہے۔''

افشاں بولی۔ ''کوئی طلایہ گرد ہوگا میری جان!''

''نہیں مادر!'' زریں نے کہا۔ ''طلایہ گرد اپنا گھوڑا اس طرح سرپٹ نہیں دوڑاتے!''

''تو کوئی قاصد ہوگا۔'' افشاں نے کہا۔ ''قصرالذہب میں موجود کسی امیر کے لیے امیر المومنین کا کوئی پیغام لایا ہوگا۔ عجیب اب یہاں کہاں ہے!'' پھر اُس کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ ''خلیفۂ ذیشان بغداد چھوڑ کر اپنے نئے شہر سامرا میں جا بسے ہیں۔''

''وہ یہاں سے دور ہی کتنا ہے مادر! چار پانچ فرسخ کا تو فاصلہ ہے!'' زریں نے کہا۔

افشاں نشتر لہجے میں بولی۔ ''اگر عجیب وہاں سے بغداد آئے گا تو کیا ہماری حویلی میں گھس پڑے گا؟ اُس کی اتنی ہمت ہو سکتی ہے؟ تمھاری ماں یہاں کی کوئی معمولی عورت تو نہیں!''

''وہ مجھے دھمکی دے چکا ہے کہ گھر میں گھس کر مجھے اُٹھا لے جائے گا۔''

''افشاں کی بیٹی کو اس غلام کی دھمکیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' افشاں بڑے دبدبے سے کہا۔ ''یہ کسی غریب شخص کا گھر نہیں ہے، افشین کی بیٹی کا گھر ہے۔''

زریں نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔ ''افشین کی بیٹی!''

پل بھر کے لیے افشاں کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئی اور ہنس کر بولی۔ ''افشاں کے بجائے افشین نکل گیا منہ سے۔''

Marfat.com

زریں اس کی متغیر کیفیت نہیں بھانپ سکی۔

''جاؤ اب جا کے آرام کرو۔'' افشاں نے بیٹی کی پیشانی چوم کر کہا پھر زریں نے بھی ماں کو پیار کیا اور اپنے کمرے کی طرف واپس جانے لگی۔

افشاں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی، پھر دروازہ بند کر کے اپنے بستر کی طرف بڑھی۔ ایک طرف کی دیوار میں جڑے ہوئے قد آدم اور زرکار آئینے میں اُس نے اپنا عکس دیکھا۔ وہ سوتے سے اُٹھی تھی اس لیے اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ آئینے کے سامنے رک کر اپنے بال درست کرنے لگی۔

پینتیس سال کی عمر اور پندرہ سالہ بیٹی کی ماں ہونے کے باوجود اُس کا جسم نہایت سڈول اور نقش و نگار قیامت خیز تھے۔ اُس کی صبیح جلد جسم میں دوڑتے ہوئے خون کی وجہ سے اتنی سرخی مائل تھی کہ اُس نے اُبٹن کا استعمال کبھی نہیں کیا تھا جو بغداد کی عورتوں میں اور خصوصاً عرب عورتوں کو بے حد مرغوب تھا۔

بغداد کے آزاد معاشرے میں اتنی خوب صورت عورت کا تن تنہا رہنا آسان نہیں تھا۔ کئی اُمرا اُس سے شادی کی خواہش کا اظہار کر چکے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے ہی میں بغداد کا معاشرہ اتنا آزاد خیال ہو گیا تھا کہ صرف دو ڈھائی عشرے بعد اُس میں کوئی نمایاں تبدیلی ممکن ہی نہیں تھی۔

خلیفہ معتصم کے پہلے عیسائی وزیر فضل بن مروان نے تو اس سے بے دھڑک کہہ ڈالا تھا۔ ''تم خطرناک حد تک حسین ہو۔ اگر مرد کا تحفظ حاصل نہ ہو تو ایسا حُسن کسی بھی عورت کے لیے کسی بھی وقت کوئی خطرہ کھڑا کر سکتا ہے۔''

شادی کی پیشکش کسی نے بھی اتنے بے دھڑک انداز میں نہیں کی تھی اور افشاں کو خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا پڑا تھا۔ وہ خلیفۂ وقت کے بااختیار اور مغرور وزیر سے کوئی دشمنی مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس نے ہنس کر فضل بن مروان کو ٹال دیا تھا۔

فضل بن مروان کو اتنی ہمت شاید اس لیے ہو سکی تھی کہ خلیفۂ وقت ہی کو بغداد کے لوگوں کی زندگی کے نشیب و فراز سے دل چسپی نہیں رہی تھی کیوں کہ بغداد کے لوگ خود بھی اسے ناپسند کرنے لگے تھے۔ بغداد میں تو اسی دن ہلچل مچ گئی تھی جب خلیفہ

Marfat.com

مامون الرشید نے اپنی موت سے پہلے عالمِ نزاع ہی میں یہ وصیت کر دی تھی کہ اُس کا جانشیں اُس کا بھائی ابواسحاق معتصم باللہ ہوگا۔

اپنے بیٹے شہزادہ عباس کو مامون الرشید نے اس لیے نظر انداز کیا تھا کہ ''معتزلہ تحریک'' کے بارے میں باپ بیٹے کو ایک دوسرے سے اختلاف تھا جب کہ معتصم کے خیالات مامون الرشید کے خیالات سے ہم آہنگ تھے۔

معتزلہ تحریک نے اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کو ''مخلوق'' کا درجہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اُن کے کچھ عقائد مسلمانوں کے عقائد سے متصادم تھے۔ اسی لیے اکثریت ان لوگوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی لیکن مامون الرشید کی حمایت حاصل ہو جانے کے باعث یہ مکتبۂ فکر خاصا پنپ گیا تھا۔

علمائے دین نے اس مکتب کی شدید مخالفت کی تھی۔ ان میں سب سے نمایاں نام امام احمد بن جنبلؒ کا تھا جنھیں مامون نے قید خانے میں ڈلوا دیا تھا اور جہاں قیدی سے محنت مشقت کروائی جاتی تھی۔

مامون کی طرح اس کا بھائی معتصم بھی امام احمد بن جنبلؒ اور اُن جیسے دیگر اکابرینِ دین کا مخالف تھا لیکن بغداد کے لوگوں کا اس سے متنفر ہونے کا سبب کچھ اور تھا۔

اُمویوں کے خاتمے اور عباسی سلطنت کے قیام میں بنیادی کردار کیوں کہ ایرانیوں نے ادا کیا تھا، اس لیے حکومت میں اُن کا اثر و رسوخ بڑھتا ہی رہا تھا۔ معتصم نے اُسے حکومت کے لیے مناسب نہ سمجھتے ہوئے ترکوں کو بلا بلا کر اُن کی ایک فوج بھی بنالی۔ اُس کے ساتھ ہی اُس نے سمرقند، فرغانہ اور دوسرے شہروں سے حسین و جمیل غلام بھی خریدے۔ وہ فطری طور پر عورتوں سے زیادہ مغ بچوں کی طرف مائل تھا۔ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوئے وہ خوب رو ترک غلام خلیفہ کی خواہش کے مطابق نہایت اعلیٰ درجے کے ریشمی کپڑے پہنتے تھے۔ اُن کے گلوں میں سونے کا گلوبند ہوتا تھا۔ آرائش و زیبائش میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی تھی کیوں کہ وہ خلیفۂ وقت کے منظورِ نظر تھے اس لیے بغداد میں اپنے گھوڑوں پر سوار اِدھر سے اُدھر زناٹے بھرتے گھومتے رہتے تھے۔ خوب صورت لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ اُن کا خاص مشغلہ تھا۔ کبھی وہ اس سے تجاوز

Marfat.com

بھی کر بیٹھتے اور کسی غریب لڑکی کے گھر میں گھس جاتے۔

جب شرفا کی پگڑیاں زیادہ اُچھلنے لگیں تو بغداد عوامی شورشوں کی آماج گاہ بننے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ ترک اور ایرانی سپاہ کے جھگڑے بھی بڑھنے لگے۔ جب معتصم نے محسوس کیا کہ وہ ان شورشوں پر قابو نہیں پا سکے گا تو اس نے دارالحکومت تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس کی دو فوجیں تھیں۔ ایک فوج کا نام اُس نے ''مغاربہ'' رکھا تھا جس کا سپہ سالار ایک عرب عجیف بن غبسہ تھا۔ دوسری فوج ترکوں کی تھی جسے ''فراغنہ'' کا نام دیا گیا تھا۔ اُس کی سپہ سالاری افشیں حیدر کو سونپی گئی تھی حالانکہ وہ ایرانی الاصل تھا۔

بغداد سے چند فرسخ کے فاصلے پر اُس نے دجلہ کے کنارے اس جگہ فراغنہ کی چھاؤنی بنوائی جہاں نہر قاطون کا مخرج تھا۔ وہیں اس نے ایک نیا شہر بنایا اور وہیں اپنے لیے ایک قصر کی تعمیر کرائی۔ اِس شہر کا نام اُس نے ''سُرمن الرائے'' رکھا تھا جو کثرتِ استعمال سے ''سامرا'' مشہور ہو گیا تھا۔

اُس کے ترک غلاموں میں ''عجیب'' لوگوں کے لیے اپنے نام ہی کی طرح عجیب تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی طرح غریبوں کی دل آزاری کبھی نہیں کرتا تھا۔ اُس کی چھیڑ چھاڑ کا ہدف اُمرا کی لڑکیاں بنتی تھیں۔

بغداد کی ایک مشہور سیر گاہ ''برکت زلزل'' کے قریب زریں کو عجیب نے اس وقت چھیڑا تھا جب وہ اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ سیر گاہ سے باہر آ رہی تھی۔ شاید وہ چھیڑ چھاڑ کچھ حدود سے تجاوز کر جاتی لیکن اسی وقت وہاں سے مازیار بن قارن کا گزر ہوا جو مامون کے عہد سے طبرستان، رویان اور دنباوند کا حاکم تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کے محافظ بھی تھے جنھوں نے مازیار کا اشارہ ملتے ہی عجیب پر حملہ کرنا چاہا تھا لیکن عجیب اُن کے عزائم محسوس کرتے ہی وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ اُس نے بھاگتے بھاگتے زریں کو دھمکی دے دی تھی کہ وہ کسی رات اُسے اُس کے گھر سے اُٹھا لے جائے گا۔

عجیب کے بھاگ جانے کے بعد مازیار نے چند سپاہی زریں کے ساتھ بھیج دیے تھے جنھوں نے اُسے ہی نہیں بلکہ اس کی سہیلیوں کو بھی اُن کے گھروں تک بہ حفاظت پہنچا دیا تھا۔

Marfat.com

زریں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی تھی کہ مازیار نے اُس سے اتنی ہم دردی کیوں کی تھی۔ اُس نے اپنی ماں سے بھی اس بارے میں بات کی لیکن اُسے کوئی تشفی بخش جواب نہیں ملا تھا۔ افشاں کا انداز ایسا تھا جیسے وہ زریں سے کوئی بات چھپانا چاہتی ہو۔

زریں نے اس واقعے کا ذکر حسن سے نہیں کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ غصہ ور حسن عجیب کو کسی جگہ پکڑ کر زدوکوب کر ڈالے گا جس سے بات بہت بڑھ جائے گی۔ اگرچہ حسن کا باپ افشیں حیدر خلیفہ معتصم کے عسکرِ فراعنہ کا سپہ سالار تھا لیکن عجیب کی حیثیت بھی کم نہیں تھی۔ ترک غلاموں میں وہ خلیفہ کا سب سے زیادہ منظورِ نظر تھا۔

اگرچہ اُمرا کو اپنی حفاظت کے لیے ذاتی سپاہ رکھنے کی اجازت تھی اور افشاں نے بھی اپنی حویلی اور جواہرات کی دکان کی حفاظت کے لیے سپاہی ملازم رکھے تھے لیکن اس واقعے کے بعد چند سپاہی زریں کی حفاظت کے لیے بھی ملازم رکھے گئے تھے۔ زریں جب حویلی سے کہیں جاتی تو چار سپاہی اُس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ اُن کی وجہ سے زریں اپنی آزادی کو ''مجروح'' محسوس کرنے لگی تھی۔ اسی لیے جب خلیفہ نے دارالحکومت تبدیل کیا اور تمام ترک سامرا چلے گئے تو زریں نے ان سپاہیوں کو اپنے ساتھ رکھنا چھوڑ دیا۔

ترک غلام ایسی ایسی حرکتیں کر گئے تھے کہ بغداد کے شہریوں پر اُن کا خوف اب تک بیٹھا ہوا تھا۔ اسی طرح زریں بھی اس خوف کا شکار تھی۔ اس نے شام کے بعد گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ عجیب کی دھمکی کو اب بھی نہیں بھلا سکی تھی۔ اسی لیے آدھی رات کے وقت سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی ٹاپیں سن کر اُسے عجیب ہی کا خیال آیا تھا۔

ماں سے مل کر اپنے کمرے میں جانے کے بعد بھی اُس کی ذہنی حالت ایسی تھی کہ اب خط لکھنا اُس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گئی۔ اس وقت یک بہ یک اُسے خیال آیا کہ اُس کی ماں کے منہ سے اُس کے باپ کا نام افشیں ادا ہوا تھا۔ بعد میں اس نے یہ بات بھی کہی تھی کہ اُس کے منہ سے افشاں کے بجائے افشیں نکل گیا تھا۔ زریں فوری طور پر اس لمحے کو اپنی ذہنی گرفت میں نہیں لے سکی تھی لیکن اب اُسے خیال آ رہا تھا کہ اس وقت اُس کی ماں کے چہرے کی رنگت کیوں بدل گئی تھی؟ ایسا تو اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی بے اختیار ایسی بات کہہ جائے جو اُسے نہیں کہنا چاہیے تھی۔

Marfat.com

تو کیا بعد میں اُس کی ماں نے بات بنانے کی کوشش کی تھی؟ زریں کے دماغ میں سوال اُبھرا۔

وہ لیٹے لیٹے بے چین ہو کر اُٹھ بیٹھی۔ اُسے خیال آیا کہ آج غلطی سے اُس کی ماں کے منہ سے اُس کے باپ ہی کا نام نکلا تھا۔

افشیں!

زریں اس نام کے صرف ایک ہی آدمی کو جانتی تھی۔ اُس کے محبوب حسن کے باپ نام افشیں حیدر تھا۔

یہ خیال ذہن میں آجانے کے باوجود وہ باور نہیں کرسکی کہ اُس کا باپ افشیں حیدر ہوگا۔ اُس کے خیال کے مطابق یہ نام کسی اور شخص کا بھی ہوسکتا تھا۔

زریں یہ بات کبھی نہیں جان سکی تھی کہ اُس کا باپ کون تھا اور زندہ بھی تھا یا نہیں! وہ اپنے اور اپنی ماں کے بارے میں بھی بس اتنا جانتی تھی کہ افشاں کی پیدائش ایران کے کسی قصبے کی تھی۔ بعد میں وہ بھی اشروسنہ چلی گئی تھی۔ زریں اشروسنہ ہی میں پیدا ہوئی تھی۔ ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک اُس نے اپنے باپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ اپنی ماں سے اس بارے میں کچھ جان سکی تھی۔ ایک مرتبہ اُس کے شدید اصرار پر افشاں نے صرف اتنا کہا تھا۔

''مناسب وقت آنے پر تم سب کچھ جان لوگی۔''

لیکن وہ مناسب وقت ابھی تک نہیں آیا تھا۔

ابتدا میں افشاں کے مالی حالات زیادہ اچھے نہیں تھے لیکن چند سال پہلے نہ جانے کیا ہوا کہ دولت اُس کی گود میں جیسے چھپر پھاڑ کر گرنے لگی۔ اُس کے کچھ ہی دن بعد وہ زریں کو لے کر بغداد آگئی۔ یہاں اُس نے ایک خوب صورت حویلی خرید لی اور ''کرخ'' کے صرافہ بازار میں جواہرات کی دکان کھول لی جو اس بازار کی سب سے نمایاں دکان تھی۔

بغداد میں رہنے والے زرتشت کے پیروکار شیشوں پر نقش ونگار یا اسلحہ سازی کرتے تھے۔ افشاں وہ پہلی اور شاید آخری مجوسی عورت تھی جس نے جوہرات کا کاروبار شروع کیا۔ دکان کا کرتا دھرتا اس نے رفیقی کو بنایا تھا جو بلخ کا رہنے والا مجوسی تھا۔ اس کی

Marfat.com

عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اُسے زریں نے ہوش سنبھالنے سے اب تک اپنی ماں کے ملازم کی حیثیت سے دیکھا تھا اور ہمیشہ حیران و متجسس رہی تھی کہ رفیق کو ایسا کیا اندرونی دکھ تھا کہ مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں بھی اداسیاں رچی بسی ہوئی تھیں۔ اس پر افشاں کو اتنا اعتماد تھا کہ دکان کا حساب دیکھنے کی ضرورت اُس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ رفیق جو کچھ زبانی بتا دیتا، وہ اس پر اعتبار کر لیتی تھی۔ وہ رہتا بھی حویلی ہی میں تھا۔ زریں سے اُسے اتنی محبت تھی جیسے وہ اُس کی اپنی ہی بیٹی ہو۔

زریں اُسے ''رفیق بابا'' کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ اُس کی عزت کرنا زریں کو افشاں ہی نے سکھایا تھا۔ وہ دو ایک مرتبہ رفیق سے بھی اپنے باپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کر چکی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ رفیق سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی لیکن وہ بھی اُسے اسی طرح ٹال گیا جیسے افشاں ٹال جاتی تھی۔

دوسری صبح زریں بھی رفیق کے ساتھ دکان پر پہنچی۔ اُسے ایک انگوٹھی لینا تھی جو وہ دو دن بعد اپنی ایک سہیلی کی سالگرہ کے موقع پر اُسے بہ طور تحفہ دیتی۔ آٹھ ملازم وہاں پہلے ہی سے موجود تھے لیکن دکان اسی وقت کھلتی تھی جب رفیق وہاں پہنچتا تھا۔ دکان کی چابیاں اسی کے پاس رہتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد زریں انگوٹھی لے کر دکان سے نکلی تو وہاں سے ڈیڑھ دو سو سپاہیوں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ زریں نے کسی کو کہتے سنا کہ وہ افشیں حیدر اور اُس کے محافظ سپاہی تھے۔

افشیں حیدر کا محل سامرا ہی میں تھا مگر کبھی کبھی کسی کام سے اُسے بغداد آنا پڑتا تھا۔ اگر اُسے ایک آدھ دن رکنا ہوتا تو وہ وہاں اپنے محل ہی میں قیام کرتا جو اُس نے اپنے بیٹے حسن کو دے دیا تھا۔

☆☆☆

اسی صبح افشیں حیدر سامرا سے بغداد آیا تھا۔ یہ بات اُس کے علم میں تھی کہ ''عسکر مغاربہ'' کا سپہ سالار عجیف بن غبسہ اس دن بغداد میں نہیں تھا۔ اُسے خلیفہ معتصم نے گزشتہ روز سامرا طلب کیا تھا جہاں سے اُس کی بغداد واپسی اسی دن متوقع تھی۔

Marfat.com

افشین حیدر کو اپنے کام کی وجہ سے وہ دن بغداد میں ہی گزارنا تھا لیکن اُسے وہاں پہنچے ایک گھڑی بھی نہ گزری تھی کہ اُسے ایک قاصد کے ذریعے خلیفہ معتصم کا پیغام ملا۔ اُسے فوری طور پر سامرا طلب کیا گیا تھا۔ افشین حیدر مجبور ہوگیا کہ اپنا کام چھوڑ کر فوری طور پر سامرا کا رخ کرے۔ جب وہ سامرا کی حدود میں داخل ہونے کے بعد وہاں کی سب سے بڑی شاہ راہ ''سریجہ'' سے گزر رہا تھا تو اُسے معلوم ہوا کہ سامنے سے عجیب اپنے محافظ دستے کے ساتھ آرہا تھا۔

''سریجہ'' سامرا کے قید خانے اور ''دیوان الشرطہ'' کے قریب سے گزرتی تھی۔ افشین حیدر نے فوراً اپنا رُخ دیوان الشرطہ سے بائیں جانب مڑنے والے راستے کی طرف کردیا۔ اسی راستے سے قصرِ خلافت پہنچنے میں تھوڑی سی تاخیر ہوجاتی لیکن افشین حیدر نے یہ تاخیر گوارہ کرلی۔ وہ عجیف کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

عساکر فراغنہ و مغاربہ کے یہ دونوں سالار ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس ناپسندیدگی کے پس پردہ محرکات میں بنیادی بات شاید یہ تھی کہ عجیب عرب اور افشین حیدر ایرانی تھا۔ عربوں کو سلطنت میں ایرانیوں کا نفوذ بہت گراں گزرتا تھا۔ افشین حیدر پر ڈھکے چھپے انداز میں طنز کرنا عجیب کی عادت تھی جو بڑھتی رہی تو افشین کے دل میں بھی اُس کے خلاف جذبات فراواں ہوتے چلے گئے۔ ہم منصب ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی ان دونوں کو ملنا تو پڑتا تھا مگر ان کے دل صاف نہیں تھے۔ عجیب کو یہ بات بھی گراں گزرتی تھی کہ خلیفۂ وقت اس پر افشین حیدر کو ترجیح دیتا تھا۔

افشین حیدر کو اس پر فوقیت حاصل تھی تو اس کا سبب بھی تھا۔ اُس نے سپہ سالار کی حیثیت سے عباسی سلطنت کی گراں قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ خصوصاً آذربائیجان میں ''فرقہ خرمیہ'' کی بغاوت کچلنا اس کا ایک اتنا بڑا کارنامہ تھا جس کی وجہ سے اُس کی شہرت ساری سلطنت میں ہوگئی تھی۔

افشین حیدر کے بہی خواہ اُس سے کہا کرتے تھے کہ عجیب کو جب بھی موقع ملا، وہ اُس کے خلاف کوئی سازش ضرور کرے گا لیکن افشین حیدر کو خود پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ عجیب کو خاطر میں لانے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ قصرِ خلافت پہنچنے پر اُس کی ملاقات

Marfat.com

سب سے پہلے وزیرِ سلطنت فضل بن مروان سے ہوئی۔

"تمھیں ابھی کچھ انتظار کرنا ہوگا" اُس نے افشین حیدر سے کہا۔ "امیر المومنین کچھ ضروری کاغذات ملاحظہ فرمارہے ہیں۔"

وہ افشین حیدر سے اُس کا جواب یا کوئی بات سنے بغیر بڑے پُروقار انداز میں چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

یہ اُس کی کوئی مناسب حرکت نہیں تھی۔ افشین حیدر سلطنت کا کوئی معمولی کارپرداز نہیں تھا جس سے اتنے سرسری انداز میں پیش آیا جاتا۔ فضل بن مروان وزیرِ سلطنت سہی لیکن افشین حیدر بھی ایک عسکر کا سپہ سالار تھا۔

دراصل یہ فضل بن مروان کی عادت تھی۔ وہ اپنے دبدبے کے اظہار اور دوسروں کو کم تری کا احساس دلانے کے لیے بعض اوقات تو نہایت گھٹیا درجے کا رویہ اختیار کرلیتا تھا۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود ہی احساسِ کم تری کا شکار تھا۔ اس میں وہ قابلیت نہیں تھی کہ وہ وزارتِ علیا کے منصب پر فائز ہوتا۔ وہ ایک نہایت عام سا آدمی تھا جس نے محض چاپلوسی سے معتصم کی بارگاہ میں رسوخ حاصل کیا تھا اور اب اپنے منصب سے ناجائز فائدے بھی حاصل کرتا رہتا تھا۔

اس جیسے شخص کے وزیرِ سلطنت بننے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ خلیفہ معتصم خود بھی ایک اَن پڑھ شخص تھا۔ اُسے تعلیم سے کبھی دل چسپی نہیں رہی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے تو بہت چاہا تھا کہ اُس کا یہ منجھلا بیٹا بھی علم سے بہرہ ور ہوجائے لیکن اُس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکی تھی۔ معتصم بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے سے بھاگنے لگا تھا۔ ہارون الرشید نے ایک عالم کو یہ فرض سونپا تھا کہ وہ ہروقت معتصم کے ساتھ رہے اور جب بھی موقع ملے، اُسے پڑھائے۔ اتفاق سے اس عالم کا جلد ہی انتقال ہوگیا تو معتصم نے اس پر اس طرح تبصرہ کیا کہ اُس نے زندگی سے، اور میں نے اُس سے نجات پائی۔

افشین حیدر نے کسی سے یہ بھی سنا تھا کہ بچپن ہی میں معتصم کا ایک ہم مکتب مرگیا تھا۔ اس پر ہارون الرشید نے اظہار افسوس کیا تو معتصم نے جواب میں کہا۔

"خوش قسمت تھا وہ کہ اُس نے کتاب کی زحمت سے نجات پائی۔"

Marfat.com

ان سب باتوں کی وجہ سے ہارون الرشید نے اُس کی تعلیم کی طرف سے توجہ ہٹالی تھی، اس لیے وہ معمولی نوشت وخواند سے زائد تعلیم حاصل نہیں کرسکا تھا لیکن چونکہ اُس نے شاہی خاندان میں پرورش پائی تھی اور مامون وامین کی عملی مجالس دیکھ چکا تھا اس لیے اس کی قابلیت بھی اچھی خاصی تھی۔ سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد اُس نے عالموں کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی لیکن شعرا کا وہ بہت زیادہ قدرداں شاید اس لیے تھا کہ خود بھی شعر کہنے لگا تھا۔

جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں افشیں حیدر اُس کا منتظر تھا تو اُس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ افشیں حیدر نے فوراً کھڑے ہوکر اُسے تعظیم پیش کی اور کہا۔ ''امیرالمومنین! خاصی دیر ہوگئی کہ میں حاضر ہوگیا تھا۔''

''ہمیں علم ہے۔'' خلیفہ معتصم نے کھڑے کھڑے بڑی نخوت سے کہا۔ ''کچھ کاغذات ہمارے ملاحظے میں تھے۔ انھیں دیکھ کر کچھ ضروری فیصلے بھی کرنا تھے۔''

کاغذات دیکھنے والی بات افشیں حیدر کے دل کو اس قت بھی نہیں لگی تھی جب اس بارے میں اُسے فضل بن مروان نے بتایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ معتصم کسی وقت سرکاری دستاویزات دیکھتا بھی ہوگا تو صرف دکھاوے اور یہ جتانے کے لیے کہ اُس کی اہلیت رکھتا ہے ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اس قسم کے سارے کام فضل بن مروان کے ذمے تھے لیکن افشیں حیدر یہ جرأت نہیں کرسکتا تھا کہ خلیفہ کے منہ پر یہ ساری باتیں اپنی زبان پر لاتا۔ اُس نے ادب سے کہا۔ ''میں بھی سمجھ گیا تھا کہ آپ کسی ضروری کام میں مصروف ہوں گے۔''

معتصم بولا۔ ''ہمیں تمھارے بارے میں ایک ایسی اطلاع ملی ہے کہ اب تمھیں سپہ سالار کے منصب پر برقرار رکھنا سلطنت عباسیہ کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔''

افشیں حیدر نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

معتصم نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''لیکن ہم چاہتے تھے کہ تمھیں صفائی کا موقع ضرور دیا جائے۔ ہم نے اسی لیے تمھیں طلب فرمایا ہے۔''

افشیں حیدر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''غلام سے ایسی کیا خطا ہوگئی ہے امیرالمومنین؟''

معتصم نے اُسے خشم ناک نگاہوں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بغداد کی ایک مجوسی عورت

Marfat.com

سے تمھارے ناجائز تعلقات ہیں اور تم چھپ چھپ کر اُس سے ملنے جاتے ہو۔"

اس وقت افشیں حیدر نے خود کو بہ مشکل سنبھالا اور اپنے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں اُبھرنے دیے۔

خلیفہ معتصم نے اپنی بات جاری رکھی۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ ایک مسلمان سالار کا ایک مجوسی عورت سے تعلق سلطنت کے لیے ایک مخدوش بات ہے۔"

فوری طور پر افشیں حیدر کے دماغ میں عجیب کا نام ابھرا جو اس کا شدید مخالف تھا اور کچھ ہی دیر پہلے قصرِ خلافت سے رخصت ہوا تھا۔

"امیر المومنین......" افشیں حیدر نے کچھ کہنا چاہا۔

"ٹھہرو!" معتصم نے اُسے ہاتھ اُٹھا کر بولنے سے روک دیا، پھر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے بلند آواز میں بولا۔ "کوئی ہے؟"

فوراً ایک غلام دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔

"ہمارے قریب آ!" معتصم نے مودب کھڑے ہوئے غلام سے کہا۔

غلام اس کے قریب چلا گیا۔

معتصم نے بہت دھیمی آواز میں کچھ کہا۔ غلام نے سن کر مودبانہ سر ہلایا اور رخصت ہو گیا۔ معتصم اس طرح ٹہلنے لگا جیسے اُس کے غصے میں کوئی کمی نہ آئی ہو۔

"امیر المومنین......" افشیں حیدر نے پھر بولنا چاہا۔

معتصم نے بگڑ کر کہا۔ "ابھی خاموش رہو۔ ہم نے اُس شخص کو طلب کیا ہے جس نے ہمیں یہ بات بتائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ تمھارے منہ پر بھی یہ سب کچھ کہے۔"

افشیں حیدر پریشان ہو گیا۔ اُس نے عجیب کو بغداد کی طرف واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا لیکن معتصم نے اُس اس طرح طلب کیا تھا جیسے وہ کہیں قریب ہی ہو۔

معتصم نے اب بھی اپنا ٹہلنا موقوف نہیں کیا تھا۔

اس وقت معتصم کی عمر پینتالیس سال سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہو سکتی تھی۔ اس کا رنگ گورا اور سرخی مائل تھا۔ بال لمبے تھے۔ وہ میانہ قد، تنومند اور خوش رو تھا۔ غصے میں اس کا رعب اور ہیبت دوچند ہو جاتی تھی۔ اُس کی ذہنی استعداد سے قطع نظر اُس کی

Marfat.com

شجاعت اور عسکری صلاحیتوں سے انکار ممکن نہیں تھا۔ لڑائی جھگڑے کی عادت اُسے بچپن ہی سے تھی اس لیے اُس نے اعلیٰ عسکری تربیت حاصل کی تھی۔ وہ کئی جنگوں میں عجیب بن غبسہ اور افشیں حیدر کے ساتھ سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے شریک ہو چکا تھا اور وہ جنگیں اسی کی ذہنی صلاحیتوں سے جیتی گئی تھیں۔ اُس میں صرف دو نمایاں عیب تھے۔ علم کا فقدان اور کانوں کا کچا ہونا۔ کسی کی کہی ہوئی بات پر وہ بلا تامل یقین کر لیتا تھا۔

اب افشیں حیدر کو دیکھنا تھا کہ اُس نے اس بارے میں کس کی بات پر یقین کیا تھا۔

جلدی ہی جب عجیب کے بجائے وزیرِ سلطنت فضل بن مروان وہاں آیا تو افشیں حیدر کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اگرچہ وہ فضل بن مروان کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن اُس کی دانست میں ان دونوں کے مابین عناد کی کوئی فضا کبھی نہیں بنی تھی۔

''ہاں فضل!'' معتصم نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اب افشیں حیدر کے سامنے بھی تم وہ سب کچھ کہو جو ہمیں بتا چکے ہو''

افشیں حیدر نے محسوس کیا کہ فضل بن مروان کچھ گڑ بڑا گیا تھا۔ غالباً اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ خلیفہ اس معاملے میں اُسے افشیں حیدر کے سامنے طلب کر لے گا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اس کی غلط کاریوں سے واقف تھے اور ان واقف کاروں میں ایک نام افشیں حیدر کا بھی تھا۔

غلط کام کرنے والے بزدل ہوتے ہیں لٰہذا فضل بن مروان بھی بزدل تھا۔ لوگوں سے دشمنی مول لینے سے وہ گریز کرتا تھا لیکن اب یہ اس کی مجبوری تھی۔ خلیفہ سے وہ افشیں حیدر کی جو غیبت کر چکا تھا، اس سے اب پھر نہیں سکتا تھا۔ ''امیر المومنین!'' وہ ادب سے بولا۔ ''میں نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے، وہ غلط نہیں ہے۔''

معتصم نے حاکمانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے جو کچھ ہمیں بتایا ہے، وہ افشیں حیدر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہو۔''

فضل بن مروان حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھا۔ اُس نے افشیں حیدر کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سب کچھ دہرا دیا جو معتصم افشیں حیدر سے کہہ چکا تھا۔

''ہاں!'' فضل بن مروان کے خاموش ہونے کے بعد معتصم نے افشیں حیدر کی

Marfat.com

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب اگر تم اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکتے ہو تو ضرور کہو!''

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے کہا۔ ''میں اپنی صفائی پیش کرنے سے پہلے کچھ اور عرض کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ اجازت دیں!''

''اجازت ہے، کہو!''

افشیں حیدر بولا۔ ''کرخ کے باغات کے پاس کچھ سرائیں ہیں جہاں مخنثوں کا ایک گروہ غیر شریفانہ طریقے سے روزی کماتا ہے۔ ان سرایوں میں ایک دو منزلہ مکان بھی ہے جہاں شراب اور عیاشی کے لیے سب کچھ مہیا کیا جاتا ہے۔ وہاں جوا بھی کھیلا جاتا ہے۔ کیا عباسی سلطنت کے وزیرِ اعلیٰ کو یہ زیب دے گا کہ وہ بھیس بدل کر کبھی کبھی وہاں تشریف لے جائیں!''

فضل بن مروان کے چہرے کا رنگ اُڑنے لگا۔

''افشیں حیدر!'' معتصم نے سخت لہجے میں کہا۔ ''بے شک سلطنتِ عباسیہ کے وزیرِ اعلیٰ کو یہ زیب نہیں دے گا، مگر ان باتوں سے تمھارا مطلب کیا ہے؟''

''یہ وہاں تشریف لے جاتے ہیں۔'' افشیں حیدر نے فضل بن مروان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ جھوٹ ہے۔'' فضل بن مروان نے چیخ اُٹھا۔ ''کیا ثبوت ہے تمھارے پاس اس کا؟''

''فضل!'' معتصم نے گرج کر کہا۔ ''حدِ ادب پیش نظر رہے! تم کو ہمارے سامنے اتنی بلند آواز میں نہیں بولنا چاہیے۔''

''میں...... میں...... معافی چاہتا ہوں...... امیر المومنین!'' فضل بن مروان کچھ ہکلا گیا۔

معتصم نے افشیں حیدر کی طرف دیکھا۔ ''بتاؤ! ہمارے وزیر سلطنت پر اتنے سنگین الزام کا کیا ثبوت ہے تمھارے پاس؟''

''ثبوت تو کوئی نہیں ہے امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے ادب سے کہا۔

''بغیر ثبوت کے اتنا بڑا الزام؟'' معتصم شدید برہم ہو گیا۔

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر بہ دستور مودب رہا۔ ''آپ کے سپہ سالار پر جو

Marfat.com

الزام لگایا گیا ہے، کیا محترم وزیر اُس کا ثبوت دے سکیں گے؟''

''کیوں نہیں؟ انسان پر کوئی بھی الزام ثبوت کے بغیر نہیں لگایا جاتا۔'' معتصم نے افشیں حیدر کو جواب دینے کے بعد فضل بن مروان کی طرف دیکھا۔ ''کیوں فضل؟''

اس وقت فضل بن مروان کی حالت ایسی ہوگئی کہ اگر کاٹو تو بدن میں لہو!

''بتاؤ فضل!'' معتصم پھر بولا۔ ''ثبوت پیش کرو۔''

''ثبوت تو نہیں ہے امیر المومنین!'' فضل بن مروان کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''میں نے بھی انھیں وہاں جاتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے امیر المومنین!'' افشیں حیدر بول پڑا۔

معتصم باللہ اس وقت فضل بن مروان کو قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فضل بن مروان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ افشیں حیدر دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اُس نے بڑی آسانی سے پاسا پلٹ دیا۔

''فضل بن مروان!'' معتصم نے غضب آلود لہجے میں کہا۔ ''تمھیں ہمارے عزیز سپہ سالار پر یہ الزام لگاتے ہوئے شرم آنا چاہیے تھی۔ بس اب دور ہو جاؤ ہماری نظروں سے!''

فضل بن مروان کانپتا ہوا رخصت ہوگیا۔ معتصم کے غصے سے سب ہی ڈرتے تھے۔ یہ فضل بن مروان کی خوش قسمتی تھی کہ اُس کے لیے اسی وقت کسی بھیانک سزا کا حکم صادر نہیں کیا گیا۔ معتصم فطری طور پر بہت ظالم تھا۔ اُسے غصے میں دیکھ کر اُس کے ظلم کا تصور بھی لوگوں کے رونگٹے کھڑے کر دیتا تھا۔ لوگ مثال دیا کرتے تھے کہ اُس نے امام احمد بن حنبلؒ کو قید خانے سے نکلوا کر بہت بری طرح زدوکوب کروایا تھا کیوں کہ قید کی صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود اُن کے اس موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ قرآن ''مخلوق'' نہیں ہے۔

فضل کے جانے کے بعد معتصم نے افشیں حیدر سے پوچھا۔ ''کیا تم نے واقعی فضل کو مخنثوں کے بازار میں جاتے دیکھا ہے؟''

''جی نہیں امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے جواب دیا۔

Marfat.com

''کیا؟'' معتصم نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''امیر المومنین!'' افشیں نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''میں آپ سے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا لیکن اس وقت میرے پاس اپنے بچاؤ کا صرف یہی ایک راستہ تھا کہ جواباً میں بھی ان پر ایک جھوٹا الزام لگادوں۔''

معتصم چند لمحے اُس کی طرف دیکھتا رہا، پھر مسکرادیا۔ ''خوب!...... ہم تمھاری اس ذہانت سے خوش ہوئے افشیں حیدر!''

''عزت افزائی کا شکریہ۔''

''لیکن......'' معتصم سنجیدہ ہوگیا۔ ''فضل کو تم سے کیا دشمنی ہوگئی ہے کہ وہ تم پر یہ الزام لگا بیٹھا۔''

''اس کی ایک وجہ ہے۔'' افشیں حیدر نے کہا۔

''وہ کیا ہے؟ ہم جاننا چاہتے ہیں افشیں حیدر!''

''ابھی میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے کہا۔ ''جب ثبوت مل جائے گا تو میں آپ کے گوش گزار کردوں گا۔ ثبوت کے بغیر کسی کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہوتا۔ ذرا ہی دیر پہلے آپ مجھ پر برہم ہوچکے ہیں کہ میں نے کسی ثبوت کے بغیر وزیرِ محترم پر اتنا بڑا الزام لگادیا تھا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے افشیں حیدر!'' معتصم نے پہلو بدلا۔ ''لیکن اب ہم متجسس ہوگئے ہیں۔ تمھارے پاس ثبوت نہں ہے تو بھی تم ہمیں وہ بات بتادو۔ یہ ہماری صوابدید پر ہے کہ ہم اس پر یقین کریں یا نہ کریں۔''

افشیں حیدر نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کیے جیسے تذبذب میں پڑ گیا ہو لیکن درحقیقت وہ فیصلہ کرچکا تھا کہ فضل بن مروان پر جوابی حملہ ضرور کرے گا۔ وہ جو حملہ کرنا چاہتا تھا وہ مبنی بر حقیقت بھی تھا۔

''بولو افشیں!'' معتصم نے بے چینی سے کہا۔ ''ہمیں بتاؤ، کیا بات ہے؟''

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے ہچکچانے کے سے انداز میں کہا۔ ''دراصل محترم وزیر اس بات سے خائف تھے کہ میں آپ کو وہ بات نہ بتادوں جو میرے علم میں

Marfat.com

آ چکی ہے۔ اسی لیے انھوں نے ایسا قدم اُٹھایا کہ میں ہی معتوب قرار پا جاؤں اور اُن کے بارے میں آپ سے کچھ نہ کہہ سکوں۔''

''وہ بات بتاؤ افشیں حیدر! وہ بات بتاؤ! معتصم کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

افشیں نے اب بھی اپنا وہ انداز برقرار رکھا کہ بات زبان پر لانے میں اُسے ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی ہے لیکن وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس کی زبان بندی سے معتصم پر جھنجھلاہٹ طاری ہو اور وہ جھنجھلاہٹ غصے پر منتج ہو۔

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے بہ دستور ہچکچائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میرے علم میں یہ بات آئی ہے ک محکمۂ مال میں کچھ خرد برد کی جا رہی ہے جس کا علم محترم وزیر کو بھی ہو گیا ہے۔ یہ بات آپ سے چھپانے کے لیے وہ محکمۂ مال کے افسر سے رشوت لیتے رہتے ہیں۔''

معتصم باللہ کے چہرے سے فکر و تردد کا اظہار ہونے لگا۔ وہ کچھ توقف سے بولا۔ ''ہم اس کی تحقیق کروائیں گے۔ اس میں کچھ وقت تو لگ سکتا ہے لیکن جو بھی حقیقت ہو گی وہ سامنے تو بہر حال آ جائے گی۔''

افشیں تحقیق کی بات سے ذرا بھی پریشان نہیں ہوا۔ اُس نے معتصم سے کوئی غلط بات نہیں کہی تھی۔ فضل بن مروان واقعی یہ حرکت کر رہا تھا۔

''اب تم جا سکتے ہو۔'' معتصم باللہ نے کچھ توقف سے کہا۔

''بلاد روم سے کچھ اچھی خبریں نہیں آ رہی ہیں امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے کہا۔ ''میں اس بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔''

''وہ باتیں کل کر لینا۔ اب اس وقت تو جاؤ۔''

معتصم کے اس تکدر کے باعث افشیں حیدر کو یقین ہو گیا کہ اُس نے جو کچھ کہا تھا، وہ ہوا میں نہیں اڑ گیا تھا۔ معتصم نے اُس کی باتیں سچی سمجھی تھیں۔ تحقیق کے بعد ثبوت بھی مل جاتا لیکن اس میں کچھ دیر لگتی۔

قصرِ خلافت سے واپسی پر افشیں حیدر سوچ رہا تھا کہ وہ تحقیقات کے نتائج کا انتظار نہ کرے اور جلد ہی فضل بن مروان کے خلاف کوئی اور قدم بھی اُٹھائے۔ زیادہ

Marfat.com

وقت گزر جانے کی صورت میں فضل بن مروان اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔
افشیں اپنے محل پہنچا۔ کھانا کھا کر اُسے دوبارہ بغداد روانہ ہونا تھا۔ وہ اپنے جس ذاتی معاملے میں بغداد گیا تھا، اُس کی تکمیل نہیں ہوسکی تھی کیوں کہ اُسے اچانک قصرِ خلافت میں طلب کرلیا گیا تھا۔

☆☆☆

رات ہوچکی تھی جب زریں اپنی ماں سے کچھ کہنے کے لیے اُس کی خواب گاہ میں پہنچی۔ اُس نے دیکھا کہ افشاں کہیں جانے کے لیے تیار ہورہی تھی۔ زریں کے استفسار پر اُس نے کہا۔ ''ہاں، ایک ضروری کام ہے۔ واپسی جلدی تو نہیں ہوگی لیکن بہرحال آدھی رات سے پہلے واپس آجاؤں گی۔'' پھر اُس نے پوچھا۔ ''تم اس وقت کیسے آئیں؟''

''پرسوں میں اپنی چند سہیلیوں کی دعوت کرنا چاہتی ہوں اس لیے بلاوا تو انھیں کل ہی دینا ہوگا۔ آپ سے اجازت لینے آئی تھی۔''

''بلالو۔'' افشاں کی حرکات وسکنات سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ خاصی عجلت میں تھی۔

''دعوت کے انتظامات......''

''رفیق سے کہہ دو۔'' افشاں نے اُس کی بات کاٹی۔ ''وہ مطبخ کے داروغہ کو ہدایت دے دیں گے۔''

رفیق کی بات کرتے ہوئے افشاں کا لہجہ کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا کسی ملازم کی بات کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ دکان کا ہی نہیں، گھر کا بھی نگراں تھا۔ ملازمین اُس کی ہدایات کو افشاں کی ہدایات سمجھتے تھے۔ حویلی میں وہ رہتا بھی اسی طرح تھا جیسے گھر کا ایک فرد ہو۔ صرف افشاں سے بات کرتے ہوئے اُس کی نظریں جھکی رہتی تھیں اور ایسے ہی موقعوں پر کوئی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ افشاں کا ملازم ہے۔

زریں بولی۔ ''رفیق بابا کو تو میں بتا چکی ہوں۔ انھوں نے ہی کہا تھا کہ آپ سے اجازت لے لوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

افشاں اس وقت حجاب پہن رہی تھی۔ زریں کو اس پر تعجب ہوا۔

Marfat.com

ہارون الرشید کے زمانے سے آزادی کی جو لہر بغداد میں دوڑی تھی، اُس کے تاثرات ابھی ختم نہیں ہوئے تھے۔ حجاب کا استعمال پس ماندہ طبقے تک محدود رہ گیا تھا۔ اُمرا کے گھروں کی خواتین چہرے پر صرف ایک حریری سے نقاب پر اکتفا کرتی تھیں۔ زریں بھی حجاب کے بغیر گھر سے نکلتی تھی۔ افشاں کو بھی اُس نے حجاب کا استعمال کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''حجاب میں جائیں گی آپ؟'' زریں حیرت سے بولی۔

''ہاں۔'' افشاں نے حجاب پہننے کے بعد دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''رات کا وقت ہے۔ مناسب نہیں ہے کہ میرے قیمتی لباس یا زیورات پر کسی کی نظر پڑے۔ دن کی بہ نسبت رات کو عیاروں کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔''

حجاب کا یہ جواز نہایت مضبوط تھا۔ بغداد کے اُچکوں کے ایک خاص گروہ کو ''عیاروں کا گروہ'' کہا جاتا تھا۔

تلاشِ رزق و روزگار میں جو نادار لوگ بازاروں کے چکر لگایا کرتے تھے، اُن کے ساتھ وہ لوگ بھی گھل مل جاتے تھے جو گرہ کٹ اور اُچکے ہوتے تھے۔ اُن میں سب سے زیادہ تیز وطرار گروہ ''عیاروں'' کا تھا جو نہ جانے کیوں اپنا حلیہ ایسا بنائے رکھتے تھے کہ انھیں شناخت کرنا بہت آسان تھا۔ سارے بدن سے ننگے، وہ صرف ایک لنگوٹی باندھے رہتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے چکنے پتھروں کی ایک تھیلی ان کے شانے پر رہتی تھی۔ ایک گوپھن کمرے سے باندھ لیتے تھے۔ اُن کی کوشش ہوتی تھی کہ شُرطوں سے دور رہیں۔ اگر کبھی خطرے میں پڑ جاتے تھے تو بھاگتے بھاگتے گوپھن سے پتھر بھی برسائے جاتے تھے۔ دبلے پتلے اور پھرتیلے ان عیاروں کو اکادکا لوگوں کی تلاش رہتی تھی جنھیں لوٹ لینا اُن کے لیے آسان ہوتا تھا۔

اِن عیاروں سے بچنے کے لیے حجاب کا استعمال ایک مناسب بات تھی لیکن اس جواب سے زریں مطمئن نہیں ہوئی کیوں کہ افشاں جب کہیں جاتی تھی تو ملازم سپاہی اُس کے ساتھ ہوتے تھے۔

''آپ کے ساتھ محافظ تو ہوں گے مادر!'' زریں نے افشاں کے ساتھ کمرے

Marfat.com

سے نکلتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' افشاں نے جواب دیا۔ ''کام کچھ ایسا ہے جس میں راز داری کی ضرورت ہے۔ میں تنہا جاؤں گی۔''

''ایسا کیا کام ہے؟'' زریں نے تعجب سے کہا۔

''غیر ضروری سوالات نہ کرو۔'' افشاں کے لہجے میں سختی آ گئی۔

زریں کو چپ ہو جانا پڑا۔ وہ سمجھ گئی کہ افشاں اس وقت صرف عجلت میں ہی نہیں، پریشان بھی تھی۔ زریں اس وقت پھر بول پڑی جب اُس نے افشاں کو دروازے کی طرف جانے کے بجائے دوسری طرف قدم بڑھاتے دیکھا۔ ''ادھر کہاں جا رہی ہیں مادر!'' زریں کا خیال تھا کہ افشاں بے خیالی میں دوسری طرف چل پڑی تھی۔

افشاں نے جواب دیا۔ ''مجھے عقبی دروازے سے جانا ہے۔''

''اتنی راز داری؟'' زریں کی حیرت میں اضافہ ہوا۔ ''کیا کوئی خطرناک......''

''نہیں۔'' افشاں نے اُس کی بات کاٹ دی۔ ''تم خوامخواہ پریشان نہ ہو۔ مجھے بس راز داری سے کام لینا ہے لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔''

زریں کو پھر خاموش ہو جانا پڑا۔ اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ افشاں اس وقت اگر زیادہ نہیں، تو تھوڑی بہت ضرور منتشر تھی۔ اگر اس وقت اس سے زیادہ سوال و جواب کیے جاتے تو زریں کو ڈانٹ ڈپٹ کا ہدف بننا پڑتا۔

افشاں حویلی کے عقبی دروازے سے چلی گئی۔

زریں تیزی سے قدم اُٹھاتے ہوئے رفیق کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اگرچہ افشاں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ خوامخواہ پریشان نہ ہو لیکن وہ پریشان ہو گئی تھی۔ رفیق اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا بات ہے بیٹا؟ کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟''

''ہاں رفیق بابا!'' زریں نے کہا۔ ''ابھی مادر کہیں گئی ہیں اور......'' اُس نے ساری بات بتا دی۔

رفیق کے چہرے پر کوئی ردعمل نظر نہیں آیا۔ اس نے سر ہلا کر کہا۔ ''یہ سب کچھ مجھے معلوم ہے۔''

Marfat.com

''تو پھر یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ کہاں گئی ہیں؟''

رفیق کچھ توقف سے بولا۔''تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ وہ کہاں گئی ہیں؟''

''ہاں رفیق بابا!''

''تمھیں اس بارے میں اتنا متجس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جہاں گئی ہیں، اس کے لیے رازداری برتنا ضروری ہے۔''

''لیکن مجھ سے رازداری برتنا کیوں ضروری ہے؟ آپ تو مجھے بتا دیجیے!''

''جب وہ بات تمھاری ماں تم سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں تو میں کیسے بتا دوں بیٹی! وہ مجھ پر بہت ناراض ہوں گی۔''

زریں جلدی سے بولی۔''میں اُن سے ہرگز نہیں کہوں گی کہ آپ نے مجھے کچھ بتایا ہے!''

''میں تمھاری ماں سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔تم مجھے مجبور نہ کرو بیٹی! میں تمھیں بس اتنا اطمینان دلا سکتا ہوں کہ وہ جہاں گئی ہیں، وہاں اُن کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

زریں کا ذہن اُلجھا رہ گیا۔

رفیق نے جو کچھ کہا تھا، وہ بہرحال غلط نہیں تھا۔ افشاں اس محل میں کسی بھی خطرے سے دوچار نہیں ہو سکتی تھی جہاں اُسے اپنے شوہر افشیں سے ملاقات کرنا تھی۔

افشیں حیدر سے اُس کی شادی اس وقت ہوئی تھی جب افشیں ایک چھوٹی سی حکومت اشروسنہ کا شہزادہ تھا۔ یہ حکومت سمرقند اور خجند کے دمیانی پہاڑی علاقے میں تھی جس کا مجوسی بادشاہ کاؤس، حیدر کا باپ تھا۔اُس نے اپنے ایک اور بیٹے فضل کی شادی اپنے ایک مقربِ خاص قہرمان کی بیٹی سے کر دی تھی۔ حیدر اس شادی کا مخالف تھا کیوں کہ وہ کسی وجہ سے قہرمان کو سخت ناپسند کرتا تھا۔اس معاملے میں حیدر کی اپنے باپ سے مخالفت بہت بڑھ گئی۔ حیدر ناراض ہو کر طبرستان چلا گیا تھا۔اس وقت تک اُس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور اُس کا نام ''خنیدار'' تھا۔

افشاں طبرستان ہی میں رہتی تھی۔ اس کا تعلق ''قارن خاندان'' سے تھا۔ طبرستان پر اسی خاندان کی حکومت تھی۔اس زمانے میں طبرستان کی حکومت افشاں کے

Marfat.com

بھائی کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھی لیکن اس کے ایک رشتے دار نے کسی طرح حکومت پر قبضہ کرلیا تھا۔ افشاں کے بھائی کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی اس لیے وہ روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ حیدر سے اُس کے دوستانہ تعلقات تھے۔

حیدر جب طبرستان پہنچا تو افشاں اُسے پسند آگئی۔ خود افشاں نے بھی اُسے بے حد پسند کیا، لیکن ایک وجہ سے اس کا بھائی اُس کی شادی اپنے دوست حیدر سے نہیں کرنا چاہتا تھا کیوں کہ اشروسنہ میں حیدر کی ایک بیوی پہلے ہی موجود تھی۔ افشاں حیدر کو بہت زیادہ چاہنے لگی تھی۔ اُس نے حیدر کو اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ دونوں چھپ کر شادی کرلیں اور حیدر اُسے اپنے ساتھ اشروسنہ لے جائے چنانچہ انھوں نے بڑی رازداری سے شادی کرلی۔ شادی کے بعد وہ دونوں اشروسنہ آگئے۔ حیدر اور کاؤس یعنی باپ بیٹے کے تعلقات چونکہ بہتر نہیں تھے اس لیے حیدر کو اندیشہ تھا کہ اُس کا باپ اس شادی کو پسند نہیں کرے گا۔ اُس نے اشروسنہ میں اپنی شادی خفیہ رکھی اور افشاں کو اپنے باپ کے محل میں نہیں لے گیا۔

''مناسب وقت آنے تک اس شادی کو راز میں ہی رکھنا ضروری ہے افشاں!''

حیدر نے اُس سے کہا تھا۔

لیکن وہ ''مناسب وقت'' اب تک نہیں آسکا تھا۔

قہرمان اور افشیں حیدر کی کشیدگی بڑھتی رہی کیوں کہ قہرمان زیادہ شدت کے ساتھ اپنے داماد فضل کی حمایت اور حیدر کی مذمت کرنے لگا تھا۔ اُس کی کوشش رہتی تھی کہ بادشاہ اشروسنہ کی نظر میں حیدر کی وقعت کم سے کم ہوتی چلی جائے۔ اس کشیدگی کے باعث ایک موقعِ پر حیدر کو اتنا غصہ آیا کہ اُس نے قہرمان کو قتل کردیا لیکن پھر باپ کے خوف سے اتنا گھبرایا کہ افشاں کو اشروسنہ میں چھوڑ کر بغداد چلا گیا۔ اب وہ بھی اپنے باپ کا بہت شدید مخالف ہوگیا تھا لہٰذا اُس نے مامون الرشد کی خدمت میں حاضری دی اور اُسے بتایا کہ اشروسنہ بڑی آسانی سے فتح کیا جاسکتا ہے کیوں کہ وہ اُس پہاڑی علاقے کے تمام راستوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

مامون پہلے ہی کاؤس سے بہت برہم تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کاؤس ہارون الرشید ہی کے زمانے سے اپنی حکومت بچانے کے لیے سلطنتِ عباسیہ کا باج گزار بن گیا تھا لیکن

Marfat.com

اب کچھ عرصے سے اُس نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ افشیں حیدر نے مامون کو یہ بھی بتایا کہ اُس کے باپ کو خراج بند کرنے کے لیے اُکسانے والا اُس کا مقربِ خاص قہرمان تھا۔

کاؤس ان دنوں اشروسنہ سے کہیں دور تھا جب اس نے عباسی لشکر کی اشروسنہ کی طرف پیش قدمی کے بارے میں سنا، جہاں اس وقت اُس کا بیٹا فضل اُس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وہ بھی عباسی لشکر کی آمد کی خبر سن کر خوف زدہ ہو گیا اور اشروسنہ سے بھاگ نکلا۔ اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح اپنے باپ تک پہنچ جائے لیکن وہ پہنچ نہیں سکا۔ بہت عرصے بعد معلوم ہوا تھا کہ وہ کسی ویرانے میں پانی کی قلت کے باعث ہلاک ہو گیا تھا۔

اس کے بعد اشروسنہ عباسی سلطنت میں شامل کر لیا گیا...... خنیدار نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد ہی اُس کا اصل نام ''حیدر'' میں تبدیل ہو گیا تھا۔

''افشیں'' کوئی نام نہیں بلکہ لقب تھا جو اشروسنہ کے حکم راں خاندان نے اختیار کیا تھا لیکن سلطنتِ عباسیہ میں وہ حیدر کے نام کا ایک لازمی جزو بن گیا۔ اُس کی شہرت افشیں حیدر ہی کے نام سے ہوئی۔

بابک خرمی کا فتنہ مامون ہی کے زمانے میں زور پکڑ چکا تھا۔ اُس کی سرکوبی کے لیے یکے بعد دیگرے کئی لشکر بھیجے جا چکے تھے جنھیں کام یابی نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے بعد ایک لشکر افشیں حیدر کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا۔ اس نے خرمی فتنے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا جس کے بعد اُس کے نام کی شہرت سلطنت کے گوشے گوشے میں ہوگئی۔ اس کے بعد ہی مامون نے افشیں حیدر کو آذربائیجان کی ولایت سونپی تھی جس میں ارمینیا اور ہمدان وغیرہ شامل تھے۔ افشیں حیدر نے اپنے ایک عزیز منکجور کو وہاں اپنا نائب مقرر کیا اور خود بغداد میں ہی رہا۔ جب افشیں حیدر نے بابک خرمی سے جنگ کر کے فتح حاصل کی تھی تو اُسے وہاں سے بہت دولت ملی تھی۔ اسی دولت میں ایک بڑا حصّہ اُس نے خاموشی کے ساتھ اشروسنہ میں افشاں کو بھیج دیا تھا۔ اسی دوران میں افشیں حیدر کی پہلی بیوی انتقال کر چکی تھی۔

بعد ازاں افشیں حیدر نے افشاں کو بھی اشروسنہ سے بلوا لیا۔ اس وقت اس کی بیٹی زریں کافی بڑی ہو چکی تھی۔ افشاں نے بغداد آ کر ایک حویلی خرید لی اور جواہرات کا کاروبار شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ افشیں حیدر کی بھیجی ہوئی اتنی دولت تھی کہ یہ سب

Marfat.com

کچھ کرنا اُس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

جواہرات کے کاروبار کی کیا ضرورت تھی؟

افشیں حیدر کے استفسار پر افشاں نے بتایا تھا کہ اس طرح کچھ آمدنی تو بہر حال ہو گی لیکن اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ رفیقی کی وقت گزاری کا کچھ سامان ہو جائے۔

رفیقی کو وہ اپنا معتمد خاص کہتی تھی لیکن افشیں حیدر کو علم تھا کہ رفیقی سے افشاں کا تعلق صرف اسی حد تک نہیں تھا۔

افشیں حیدر کی خواہش تھی کہ افشاں بھی مسلمان ہو جائے لیکن افشاں سختی سے اپنے مذہب پر قائم رہی تھی۔ یہی سبب تھا کہ افشیں حیدر کو اب بھی افشاں سے ملنے کے لیے چوری چھپے اُس کی حویلی میں جانا پڑتا تھا۔

اُن کا یہ رازدارانہ میل جول فضل بن مروان کے علم میں کیسے آیا؟ اس بارے میں افشیں حیدر ابھی کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکا تھا لیکن راز افشا ہو جانے کے باعث ہی اس نے خود افشاں کے پاس جانے سے گریز کیا تھا اور رفیقی کے ذریعے پیغام بھجوا کر افشاں کو اپنے اس محل میں بلوا لیا تھا جو وہ اپنے بیٹے حسن کو دے چکا تھا۔

حسن کو اس نے ان دنوں کسی کام سے بخارا بھیجا ہوا تھا لہٰذا اس محل میں افشاں سے ملاقات کرنا اس کے لیے آسان تھا۔

ملاقات ہونے پر اُس نے افشاں کو بتایا کہ اس مرتبہ وہ خود اس کی حویلی آنے سے کیوں گریزاں ہوا۔

''فضل بن مروان کو اس کا علم کیسے ہو گیا؟'' افشاں متعجب تھی۔ ''وہ تو سامرا سے بغداد اب آتا ہی نہیں ہے۔''

افشیں حیدر نے جواب دیا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ اُسے یہ بات بتانے والا عجیب ہو سکتا ہے۔ وہ میرے مخالفین میں سے ایک ہے اور بغداد ہی میں رہتا ہے۔ میں کیوں کہ آدھی رات کے وقت تمھارے پاس آیا کرتا تھا اس لیے شاید کسی طلایہ گرد نے دیکھ لیا ہو اور اُس سے عجیب کو معلوم ہو گیا ہو۔''

افشاں نے نفی میں سر ہلایا۔

Marfat.com

''کیا مطلب؟'' افشین حیدر بولا۔

افشاں نے جواب دیا۔ ''لوگ سمجھتے ہیں کہ میں بیوہ ہوں لیکن اپنی بیوگی کی بات کبھی اپنی زبان پر نہیں لاتی۔ میں نے تمھیں بتایا تھا کہ ایک مرتبہ فضل بن مروان نے مجھ سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ فضل بن مروان کو ضرور علم ہوگا کہ میں اس سے پہلے بھی لوگوں کی یہ خواہش نظر انداز کرتی رہی ہوں۔ شاید فضل کو اسی لیے شبہ ہوا ہو کہ میرے تعلقات کسی اور مرد سے ہوں گے لہٰذا میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اسی شبہے کے باعث وہ میری حویلی کی نگرانی کا کچھ بندوبست کر سکتا ہے۔''

''تمھیں یقین ہے؟''

''یقین تو نہیں، تم اسے اغلب گمان کہہ سکتے ہو!''

''مجھے تو عجیب پر شبہ ہے۔'' افشین حیدر نے کہا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ مجھے حقیقت کا علم ہو جائے!''

''افشیں!'' افشاں بڑے دکھی لہجے میں بولی۔ ''ہماری زندگی تو چھپ چھپ کر ملتے ہوئے ہی گزر گئی!''

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ افشیں کے سینے سے لگ گئی۔

افشیں حیدر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ ''اب تو یہ تمھاری ضد کی وجہ سے ہے۔ اگر اشروسنہ کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد میری طرح تم بھی مسلمان ہو جاتیں تو اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں ایک مجوسی عورت کو اپنی بیوی کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے نہیں لا سکتا افشاں! وہ تو کہو کہ فضل بن مروان نے جو تیر مجھ پر چلایا تھا، وہ میں نے اُسی پر لوٹا دیا ورنہ اگر کہیں امیر المومنین کو یقین آ جاتا، میں اسی بات پر معتوب قرار پا جاتا کہ میں چوری چھپے کسی مجوسی عورت سے ملتا ہوں۔''

''تو باقی زندگی بھی اسی طرح کٹ جائے گی؟'' افشاں بولی۔

افشیں حیدر نے اپنے ہاتھوں سے اُس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنی ضد چھوڑ دو تو اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔''

''میں کیسے مسلمان ہو جاؤں افشیں؟'' افشاں نے افسردگی سے کہا۔ ''میرے

Marfat.com

دل و دماغ نے یہ مذہب کبھی قبول نہیں کیا۔"

"دکھاوے کے لیے مسلمان ہو جاؤ۔"

"میں یہ بھی نہیں کر سکتی۔" افشاں نے جواب دیا۔"اپنے مذہب پر میرا عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ مجھے اہورامزدا سے ڈر لگتا ہے۔ اگر میں نے دکھاوے کے لیے ایسا کیا تو اس طرح میں اہرمن کی پیروکار بن جاؤں گی۔"

افشین حیدر نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔"تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں! تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ میرے مخالفین کی تعداد کتنی بڑھ چکی ہے۔"

"بابک خرمی کے واقعے کے بعد تو تمھاری مقبولیت بہت بڑھی ہے۔"

"صرف عوامی سطح پر۔" افشین حیدر نے جواب دیا۔"جو لوگ بڑے منصبوں پر فائز ہیں، اُن میں زیادہ تر میرے مخالف ہیں۔ فضل بن مروان کی مثال تو تمھارے سامنے آگئی ہے۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو مجھے میرے منصب سے گرانے کے لیے کسی وقت بھی کوئی سازش کر سکتے ہیں۔"

"تم تو عباسی خلیفہ کے بہت چہیتے ہو!"

"وہ چاہت کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ایک بار تو ایسا ہو ہی جاتا۔ نہ جانے کیوں امیر المومنین نے درگزر سے کام لیا۔"

"ایسا کوئی موقع بھی آچکا ہے؟"

"ہاں۔" افشین حیدر نے جواب دیا۔"بابک خرمی پر فتح حاصل کرنے کے بعد مجھے وہاں سے جو خزانہ ملا تھا، اس کا ایک خاصا حصّہ میں نے تمھیں بھیج دیا تھا اور یہ بات عبداللہ بن طاہر کے علم میں آگئی تھی جو خراسان کا حاکم ہے۔ بات اس لیے کھل گئی کہ میں تمھیں جو کچھ بھیجتا تھا، وہ خراسان ہی کے راستے سے تم تک پہنچتا تھا۔ کسی طرح میرے علم میں آیا ہے کہ عبداللہ بن طاہر نے یہ بات امیر المومنین تک بھی پہنچادی تھی۔ معلوم نہیں کیوں، انھوں نے درگزر سے کام لیا اور مجھ سے اس بارے میں پوچھ گچھ بھی نہیں کی۔ اس سے عبداللہ بن طاہر چیں بہ جبیں ہوا اور میرے خلاف اس کے جذبات زیادہ شدید ہو گئے۔ عجیب بن غبسہ سے اس کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ وہ دونوں ہی

Marfat.com

دوسرے عرب اُمرا اور عسکری لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں۔''

''مجھے رفیقی نے بتایا تھا کہ یہاں کی سیاسی فضا خاصی گرم ہوگئی ہے۔ عرب اُمرا ایرانیوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر رہے ہیں۔''

افشیں حیدر نے افشاں کے خیال کی تائید کی۔ اس نے کہا۔ ''ایرانیوں کے بڑھتے ہوئے اختیارات کو ان عربوں نے ہمیشہ حسد سے دیکھا ہے اور ایرانیوں کے خلاف سازشیں کی ہیں۔ ان کی کئی سازشیں کام یاب بھی ہوئی ہیں۔''

افشاں تشویش سے بولی۔ ''تمھارے خلاف بھی ان کی کوئی سازش کام یاب ہوسکتی ہے!''

''ہاں۔ اسی لیے مجھے بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ تمھارا مسلمان نہ ہونا بھی میرے لیے ایک خطرہ ہے۔ اس بارے میں سوچو افشاں! اب تو تمھارا بھائی بھی مسلمان ہو چکا ہے۔''

افشاں نے کوئی جواب دیے بغیر نظریں جھکا لیں۔ اس کے علم میں تھا کہ اُس کے بھائی کو مسلمان ہونے کے بعد ہی مامون الرشید کی طرف سے طبرستان اور اس سے ملحقہ علاقوں کی حاکمیت دی گئی تھی۔ مازیار قارن اس کا بھائی ہی تھا جس نے زریں کو عجیب کی دست درازی سے بچایا تھا۔

''اب تو اس سے تمھارے تعلقات ٹھیک ہوگئے ہیں۔'' وہ بولی۔

''رسمی حد تک۔'' افشیں حیدر نے جواب دیا۔ ''تم سے تو وہ اب بھی ناراض ہے۔ تمھارا نام اُس کی زبان پر کبھی نہیں آتا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے ہمیشہ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہماری شادی کو بھول ہی گیا ہو۔''

''خیر، ایسا تو نہیں ہے۔'' افشاں نے کہا۔ ''برادر مازیار مجھ سے خفا ہونے کے باوجود مجھ سے بے خبر کبھی نہیں رہے۔ اس کا ثبوت زریں اور عجیب کا واقعہ ہے۔ میں تمھیں بتا چکی ہوں۔''

''خون کا رشتہ ہے۔'' افشیں حیدر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''رنگ تو لائے گا۔''

''اس واقعے کے بعد سے زریں بہت خوف زدہ رہنے لگی ہے۔''

''یہ تم مجھ سے پہلے بھی کہہ چکی ہو۔ اب تو زریں کو خوف زدہ نہیں رہنا چاہیے۔

Marfat.com

وہ ترک لڑکے اب بغداد کا رخ تو نہیں کرتے!''

افشاں کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''وہ اپنے باپ کے بارے میں بھی سوچتی رہتی ہے۔ اُسے خیال ہے کہ وہ یتیم نہیں، اس کا باپ زندہ ہے لیکن میں اسے بتاتی نہیں ہوں۔''

''تم کیا سمجھتی ہو افشاں؟ کیا میرا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ میں اپنی بیٹی کو سینے سے لگاؤں؟ بس تڑپ کر رہ جاتا ہوں۔ اگر تم مسلمان ہو جاتیں تو میں تم سے اسلامی شرع کے مطابق شادی کر کے اُسے اپنی سوتیلی بیٹی ہی مشہور کر دیتا۔''

افشاں پھر چپ رہ گئی۔ مذہب کا مسئلہ سامنے آتا تھا تو وہ بہت کم بولتی تھی۔ بحث کرنے سے عموماً گریز کر جاتی تھی۔

''خیر!'' افشیں حیدر کچھ مسکرایا۔ ''تمھیں واپس بھی جانا ہے۔ ان باتوں میں خاصا وقت گزر گیا۔ اب کچھ وقت محبت کی باتوں میں گزار لیں۔''

اس نے افشاں کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

آدھی رات سے پہلے جب افشاں کو واپس جانا تھا تو ان میں کچھ گفت گو اور ہوگئی۔ بس اتفاق سے ہی افشیں حیدر کے منہ سے نکل گیا تھا۔

''عبداللہ بن طاہر سے آج کل مازیار کے تعلقات بھی کشیدہ ہو گئے ہیں۔''

''کیوں؟'' افشاں نے پوچھا۔

''وہ اپنے علاقے کی آمدنی کا جو مخصوص حصّہ امیر المومنین کو بھجوایا کرتا تھا، اس میں درمیانی کڑی عبداللہ بن طاہر تھا۔ کچھ عرصے سے وہ عبداللہ بن طاہر کو نظر انداز کر کے براہِ راست بیت المال میں بھجوا رہا ہے۔''

''کیوں؟''

''غالباً وہ اس طرح اپنے مخالفوں کی طاقت کا اندازہ لگا رہا ہے۔''

''اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''مجھے شبہ ہے کہ وہ طبرستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرنا چاہتا ہے۔''

افشاں چونکی۔ ''بغاوت؟ کیا عباسی لشکروں سے ٹکراؤ مناسب ہوگا؟''

''قطعی نامناسب ہوگا لیکن وہ بہت جذباتی ہے۔ ایرانیوں کے خلاف جو محاذ بن

Marfat.com

رہا ہے، وہ اس سے بہت منغض ہوگیا ہے۔ ایسی کچھ کیفیت میری بھی ہوگئی ہے کیوں کہ مجھے بھی اپنا مستقبل غیر یقینی نظر آنے لگا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ عباسی سلطنت میں کوئی تبدیلی آئے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ تبدیلی کیونکر آسکتی ہے۔''

افشاں نے پریشانی سے کہا۔ ''برادر مازیار کو اس اقدام سے گریز کرنا چاہیے۔''

''میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ باز نہیں آئے گا، تاہم میں نے اُسے ایک اشارہ دیا ہے۔''

''کیسا اشارہ؟''

''بغاوت کے لیے وہ وقت مناسب ہوگا جب یہاں خانہ جنگی کی فضا پیدا ہوجائے۔''

افشاں چونکی۔ ''کیا اس کا بھی کوئی امکان ہے؟''

''ہاں۔'' افشیں حیدر نے جواب دیا۔ ''مجھے اپنے کچھ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ عجیف بن عنبسہ شہزادہ عباس کو ورغلا رہا ہے کہ خلیفہ مامون الرشید کے بیٹے کی حیثیت سے مسندِ خلافت پر حق اُس کا بنتا ہے۔''

''کیا شہزادہ عباسی خلیفہ سے ٹکر لے سکے گا؟''

''اگر خانہ جنگی ہوئی تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ دراصل شہزادہ کو عباسی لشکر میں خاصی مقبولیت حاصل ہے۔''

''اگر ایسا ہوا تو تم کس کا ساتھ دو گے؟''

''میں متذبذب ہوں۔ کوئی فیصلہ نہیں کرسکا ہوں کہ ایسے حالات میں مجھے کیا کردار ادا کرنا ہوگا۔''

افشاں کو گزرتے ہوئے وقت کا خیال آیا تو جلدی سے بولی۔ ''اب مجھے جانا چاہیے۔ تم مستقبل کے بارے میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا اور برادر مازیار کو بھی سمجھانا۔''

افشیں حیدر نے سر ہلانے پر اکتفا کی۔

☆☆☆

ایک شام فضل بن مروان محل کے باغ میں ٹہل رہا تھا تو اس نے عجیب کو دیکھا جو ایک کنج میں بیٹھا کسی سوچ میں غرق تھا۔

Marfat.com

فضل بن مروان کو عجیب اور زریں کے واقعے کی اطلاع بہت پہلے عجیف بن عنبسہ سے مل چکی تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے فضل بن مروان عجیب کے قریب گیا۔

''کہاں گم ہو عجیب؟'' اُس نے پوچھا۔

ترک غلام خلیفہ کو اتنے عزیز تھے کہ سلطنت کا وزیر بھی اُن سے اس طرح بات کرتا تھا جیسے وہ قصرِ خلافت کی اہم ہستیاں ہوں اور پھر عجیب تو خلیفہ معتصم کو بہت زیادہ محبوب تھا۔

عجیب احتراماً کھڑا ہو گیا اور مسکرا کر بولا۔ ''کوئی یاد آرہا تھا۔''

''بغداد کی وہ حسینہ تو نہیں جو غالباً مجوسی ہے؟'' فضل بن مروان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

عجیب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔'' فضل بن مروان نے سر ہلایا۔ ''مجھے علم ہے اس واقعے کا۔ وہ نوخیز بلبل تمھارے ہاتھ نہیں لگ سکی تھی۔''

عجیب کی مٹھیاں بھنچ گئیں، جیسے اُسے غصہ آ گیا ہو۔ وہ بولا۔ ''میں اس وقت اکیلا تھا اور کم بخت مازیار نہ جانے کہاں سے اُدھر نکل آیا تھا۔ اُس کے ساتھ کافی سپاہی تھے ورنہ......'' عجیب نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

پھر وہ کچھ رک کر بولا۔ ''پھر وقت ہی نہیں ملا۔ ہم لوگ سامرا آ گئے تھے۔''

''تو کیا ہوا؟'' بغداد یہاں سے زیادہ دور تو نہیں!''

''میں اُس کی حویلی میں تو نہیں گھس سکتا وزیرِ محترم! اُس کی ماں کے سپاہی بھی ہوتے ہیں وہاں!''

''تمھیں کیا ضرورت ہے وہاں جانے کی۔ امیر المومنین سے کہہ دیتے!...... میرا خیال ہے کہ وہ تمھاری کوئی خواہش کبھی رد نہیں کرتے! وہ حکم صادر کریں گے کہ اس مجوسی لڑکی کو یہیں محل میں حاضر کیا جائے! وہ یہ حکم کسی کے لیے بھی صادر کر سکتے ہیں۔''

''اس معاملے کی نوعیت ذرا مختلف ہے۔'' عجیب نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بغداد میں پہلے ہی بہت ہنگامے ہو چکے ہیں۔ امیر المومنین مجبور ہو گئے تھے کہ

Marfat.com

دارالحکومت ہی تبدیل کردیں۔ وہ نہیں چاہیں گے کہ وہاں پھر کوئی شورش برپا ہو۔ میں نے اگر اُن سے کہا تو شاید وہ ٹال جائیں۔''

''تم کہہ کر تو دیکھو!''

فضل بن مروان انتقام لینے کے لیے بہت بے چین تھا۔ پہلا داغ تو اُس کے دل پر یہی تھا کہ افشاں اُس کی شادی کی پیشکش مسترد کرچکی تھی۔ پھر اُس کے بعد افشیں حیدر کا واقعہ بھی پیش آ گیا تھا۔ اُسے خلیفہ معتصم کے سامنے اس لیے سبکی اُٹھانا پڑی تھی کہ اُس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن اس کے خیال کے مطابق اُسے عجیف بن غبسہ سے غلط اطلاع نہیں ملی تھی۔ اسی لیے اُسے یقین تھا کہ افشیں حیدر سے افشاں کے تعلقات تھے جنھیں وہ ''ناجائز'' بھی سمجھتا تھا۔

اب اگر افشیں حیدر یا افشاں کے بجائے اُس کی بیٹی زریں کو بھی کسی قسم کا نقصان پہنچتا تو اُسے کچھ تسکین مل سکتی تھی۔

لیکن عجیب خلیفہ معتصم سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرنے سے گریزاں ہی رہا۔ اُس نے کہا۔ ''اگر وہ میری بات ٹال گئے تو مجھے دکھ ہوگا۔''

فضل بن مروان بہت گھٹیا ذہنیت کا مالک تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اپنی خواہش کا اظہار کسی خاص لمحے میں کرنا! وہ لمحات ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اپنے محبوب کی ہر بات مان لیتا ہے۔''

عجیب اُس کا اشارہ سمجھ کر بھڑک گیا۔ ''مطلب کیا ہے آپ کا!'' اُس نے تیز لہجے میں کہا۔

فضل بن مروان نے بات بگڑتے دیکھی تو جلدی سے بولا۔ ''میرا مطلب ہے کہ یہ بات تم اس وقت کرنا جب وہ تمھارے ہاتھوں سے نبیذ کے جام پی رہے ہوں۔ وہ شراب نہ سہی لیکن کچھ خمار تو ہوتا ہے اس سے! اِس وقت امیرالمومنین کوئی حکم صادر کرتے وقت اُس کے نتائج و عواقب پر غور نہیں کرسکیں گے۔''

''نہیں۔'' عجیب نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا کہ وہ اپنے صادر کیے ہوئے کسی حکم پر بعد میں پشیمان ہوں۔''

Marfat.com

فضل بن مروان اس موقع کو اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''اچھا تو پھر...... دراصل بات یہ ہے عجیب کہ جو امیر المومنین کو عزیز ہو، میں اُسے اداس نہیں دیکھ سکتا۔''

''میں ابھی اداس تو نہیں تھا۔ بس کبھی کبھی خیال آجاتا ہے کہ وہ کم بخت مازیار......'' غصے سے عجیب کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔

''ماریاز کا براوقت بھی اب شاید زیادہ دور نہیں ہے لیکن اس وقت میں صرف تمھاری اور اس پری وش کی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں اس کی محبت کو تڑپتا نہیں ہوں محترم وزیر سلطنت!'' عجیب قدرے غضب ناک لہجے میں بولا۔ ''میں بس اس پھول کو مسل ڈالنا چاہتا ہوں جو اپنے حُسن پر بہت نازاں ہے۔''

''تو اُسے اُٹھالاؤ بغداد سے!'' فضل بن مروان نے کہا۔ ''ضروری نہیں کہ تم اس کی حویلی میں گھسو۔ یہ کام سرِ راہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنی حویلی سے کہیں آتی جاتی تو ہوگی!''

''مجھے نہیں معلوم کہ وہ کب کہاں جاتی ہے اور میں اُس کا انتظار نہیں کرسکتا۔ بغداد میں زیادہ وقت گزارنا میرے لیے کسی پریشانی کا سبب بن سکتا ہے۔''

''اچھا میں اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

عجیب نے کچھ نہیں کہا، کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فضل بن مروان نے اس معاملے میں عجیف بن عنبسہ سے رابطہ کیا اور تین دن بعد عجیب سے پھر ملا۔

''خوش خبری لایا ہوں تمھارے لیے!'' اُس نے عیارانہ مسکراہٹ کے ساتھ عجیب سے کہا۔ ''میں نے اس خوش جمال کے معمولات کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن سہ پہرے بعد برکتِ زلزل کی سیر کرنے ضرور جاتی ہے۔''

''وہیں تو میں نے اُسے دیکھا تھا جب وہاں ماریاز آگیا تھا۔''

''ماریاز کا یہ معمول نہیں ہوگا لیکن اس پری وش کا یہ معمول ہے۔ اُس کے ساتھ

Marfat.com

اُس کی دو تین سہیلیاں ہوتی ہیں، لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ سب ہی دہشت زدہ ہو جائیں گی۔ تم بس اس پھول کو اُٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈالنا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے بغداد سے نکل آنا۔ تمھیں اپنی وضع قطع میں تھوڑی سی تبدیلی لانا ہوگی تا کہ تمھیں فوری طور پر کوئی نہ پہچان سکے۔''

عجیب مضطرب ہو کر بولا۔ ''مجھے یاد نہیں کہ میں نے اُسے وہاں کس دن دیکھا تھا!''

''میں نے تو سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔'' فضل بن مروان نے کہا۔ ''تمھیں اس دن کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ دن کل ہی پڑ رہا ہے۔ میں نے ایک بات کا بندوبست اور بھی کر دیا ہے عجیب! وہاں تمھارے آس پاس اگر کوئی شرطہ ہوا تو وہ تمھارے کام میں مخل نہیں ہوگا، خاموش تماشائی بنا رہے گا۔ اس خوش جمال کو اُٹھا لانے میں تمھیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔''

عجیب کا چہرہ مسرت سے سرخ ہو گیا۔ اُس نے پر جوش انداز مین فضل بن مروان کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے تو بہت بڑا کام کر ڈالا۔''

''میں تمھارے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں عجیب!'' فضل بن مروان نے عیارانہ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

دو چار جملوں کا تبادلہ شاید اور ہوتا لیکن اسی وقت ایک غلام نے آ کر فضل بن مروان کو بتایا کہ اُسے امیر المومنین نے یاد فرمایا ہے۔

فضل بن مروان عجیب کا شانہ تھپک کر تیزی سے ایک طرف چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت خلیفہ معتصم محل میں کس جگہ ہوگا۔

جب وہ خلیفہ کے حضور پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ وہاں افشیں حیدر بھی موجود تھا۔ فضل بن مروان چوکنا ہو گیا۔

''فضل بن مروان!'' خلیفہ معتصم نے کہا۔ ''تمھیں ہم نے اس لیے بلایا ہے کہ تم سے ایک لفظ کا مطلب پوچھنا ہے۔ افشیں حیدر نے ابھی ایک بڑی اچھی بات کہی کہ جو دشمن سلطنتِ عباسیہ میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہو، اُسے تو عربی زبان کا عالم ہونا چاہیے لہٰذا تم اس لفظ کا مطلب ضرور جانتے ہو گے۔''

Marfat.com

فضل بن مروان کا دل دھڑک اُٹھا۔ وہ اپنی علمی بے بضاعتی سے خوب واقف تھا۔ اُس کی کم علمی اب تک کوئی گل اس لیے نہیں کھلا سکی تھی کہ خود معتصم بھی علم سے بے بہرہ تھا۔

معتصم نے ایک مکتوب نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہمیں سلطنت کے ایک عامل نے بھیجا ہے۔''

افشیں حیدر سپاٹ چہرے کے ساتھ خاموش بیٹھا رہا۔

معتصم بولا۔ ''اس تحریر میں ایک لفظ ''کلا'' کا استعمال کیا گیا ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکا۔ تم اس کا مطلب ضرور جانتے ہو گے۔''

فضل بن مروان کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔ اُس نے وہ لفظ پہلی مرتبہ سنا تھا۔ اُسے افشیں حیدر پر غصہ بھی آیا جس نے اُسے اس امتحان میں ڈلوایا تھا۔

''بتاؤ!'' معتصم نے کہا۔ ''کیا مطلب ہے اس لفظ کا؟''

''میں اس کا مطلب بتانے سے قاصر ہوں امیر المومنین!'' فضل بن مروان نظریں جھکا کر بولا۔ ''میں نے یہ لفظ سنا ہی پہلی مرتبہ ہے۔''

معتصم کے چہرے پر ایسا تاثر اُبھرا جیسے اُسے شدید مایوسی ہوئی ہو۔

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر بولا۔ ''اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں؟''

''کہو افشیں!''

افشیں حیدر نے کہا۔ ''دراصل میں نہیں چاہتا کہ آپ اس لفظ کے بارے میں اُلجھن کا شکار رہیں۔ آپ اس لفظ کا مطلب ایک اور شخص سے معلوم کریں۔ میں نے سنا ہے کہ ابن عبدالملک کو عربی زبان پر خاصی دست رس ہے۔''

ابن عبدالملک خلیفہ کے مصاحبین میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ اُسے بھی فوراً طلب کر لیا گیا اور طلبی کی وجہ بتائی گئی۔

ابن عبدالملک نے کہا۔ ''میں اُس کی خاص وضاحت کر دیتا ہوں امیر المومنین! جب سبزہ اُگتا ہے تو اُسے ''بقل'' کہتے ہیں۔ جب گھاس ذرا بڑی ہو جاتی ہے تو ''کلا'' کہا جاتا ہے اور جب وہ خشک ہو جاتی ہے تو اُسے ''حشیش'' کہتے ہیں۔''

معتصم اس وضاحت سے بہت خوش ہوا اور بولا۔ ''ہمیں آج معلوم ہوا ابن

Marfat.com

عبدالملک کہ تم تو عالم آدمی ہو۔"

ابن عبدالملک نے انکسار سے جواب دیا۔ "میں ایک ذرہ ناچیز ہوں امیرالمومنین!"

"فضل!" معتصم فضل بن مروان کی طرف متوجہ ہوا جس کی نظریں ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔

"جی امیرالمومنین!" فضل بن مروان کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

معتصم نے نرگس کے ایک گل دستے کی طرف اشارہ کیا۔ "اس میں سے ایک پھول نکال کر ہمیں دو۔"

یہ حکم فضل بن مروان کو بڑا عجیب محسوس ہوا۔ گل دستہ معتصم کے اتنا قریب تھا کہ وہ خود بھی ہاتھ بڑھا کر پھول لے سکتا تھا لیکن فضل بن مروان کو حکم کی تعمیل تو کرنا ہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر خلیفہ کے قریب پہنچا پھر جب اُس نے پھول نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو معتصم نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُس کی اُنگلی سے بہ آہستگی وہ انگشتری نکال لی جو خلیفہ کی طرف سے وزیراعظم کو دی جاتی تھی۔

فضل بن مروان سکتے میں رہ گیا۔ ابتدائی لمحوں میں وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔

"ہمارے قریب آؤ ابن عبدالملک!" معتصم نے کہا۔

ابن عبدالملک اُس کے قریب گیا۔

"یہ تمھیں ہی زیب دے گی۔" معتصم نے اُسے انگشتری پہناتے ہوئے کہا۔ "سلطنتِ عباسیہ کے وزیراعظم کو اتنا ہی قابل ہونا چاہیے جتنے تم ہو۔"

اس وقت فضل بن مروان نے سمجھا کہ اُس سے وزارت عظمیٰ کا منصب چھین لیا گیا تھا۔ اُس کے چہرے کی رنگت پیلی پڑ گئی۔

ابنِ عبدالملک نے جھک کر خلیفۂ وقت کو تعظیم پیش کی اور کہا۔ "یہ غلام بھرپور سعی کرے گا کہ خود کو اس منصبِ جلیلہ کے لائق ثابت کرے۔"

"اب یہ مختصر مجلس برخاست کی جاتی ہے۔" معتصم کھڑا ہو گیا۔ اُس نے فضل بن مروان سے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

Marfat.com

فضل بن مروان پیچ وتاب کھاتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا تو اُس کے دل میں یہی تھا کہ وہ سارا کیا دھرا افشیں حیدر کا تھا۔

اور حقیقت بھی یہی تھی۔ افشیں حیدر نے اس پر دوسرا وار کر دیا تھا۔ اسی نے سلطنت کے ایک عامل سے مکتوب میں ایک ایسا لفظ لکھوایا تھا جو عرب اپنی روزمرہ کی زبان میں استعمال نہیں کرتے تھے۔ اُس کے ساتھ ہی افشیں حیدر نے کچھ ایسی منصوبہ بندی بھی کی تھی کہ وہ بھی اس وقت وہاں موجود ہو جب خلیفہ کی خدمت میں وہ مکتوب براہِ راست پہنچایا جائے۔

اپنی اس کوشش پر افشیں حیدر کو اتنی بڑی کام یابی ہوئی تھی جس کی اُسے توقع نہیں تھی۔ اُسے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ اس کی اس منصوبہ بندی کے نتیجے میں فضل بن مروان سے وزارت کا منصب ہی چھن جائے گا۔ وہ تو فضل بن مروان کو بس ذلیل کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے پہلے وار کے نتائج ابھی تک سامنے نہیں آسکے تھے اور وزارت مال میں خرد برد کی تحقیقات ابھی تک نہیں ہوئی تھیں۔

”یہ تم نے اچھا نہیں کیا ہے افشیں حیدر!“ فضل بن مروان نے اس وقت کہا جب افشیں حیدر محل سے نکل رہا تھا۔ اس کے انتظار ہی میں فضل بن مروان وہاں رک گیا تھا۔

”میں نے کیا کر دیا فضل!“ افشیں حیدر نے معصومیت سے کہا۔

”جو کچھ کیا ہے، وہ تمھارا دل جانتا ہوگا۔ افسوس کہ میں اس مرتبہ بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتا، لیکن خیر! میں تم سے صرف یہ کہنے کے لیے رک گیا تھا کہ تم نے جو کچھ کیا ہے، میں اُسے بھول نہیں سکتا۔ تمھیں اُس کا خمیازہ تو بھگتنا پڑے گا۔ اگر آنے والے دنوں میں تمھیں کوئی چرکا لگے تو سمجھ لینا کہ وہ تمھیں میری وجہ سے لگا ہے۔“

اُس نے افشیں حیدر کے جواب کا انتظار نہیں کیا اور نہایت مغلوب الغضب حالت میں دوسری طرف مڑ گیا۔

افشیں حیدر سنجیدگی سے سوچتا رہ گیا کہ فضل بن مروان اسے کس قسم کا چرکا لگوا سکتا ہے! یہ اُس کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ فضل بن مروان پہلے ہی کوئی قدم اُٹھا چکا تھا۔

اس اقدام کے نتیجے میں زریں دوسرے ہی دن اپنی زندگی کی ایک

Marfat.com

بدترین صورتِ حال سے دوچار ہوئی۔ وہ اور اُس کی دو سہلیاں اپنی اپنی پالکیوں میں برکتِ زلزل کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ زریں نے ایک گھوڑے کی ٹاپیں سنیں۔

شہر میں اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے لوگوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دینا ایک معمول تھا جنھیں سن کر چونکنا ایک بے محل سی بات تھی لیکن زریں اس لیے چونک پڑی کہ جس گھوڑے کی ٹاپیں اُسے سنائی دی تھیں، وہ اُس کی پالکی کے برابر برابر چل رہا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی جس نے زریں کو چونکایا بھی اور پریشان بھی کر دیا۔ ایسے کسی بھی موقع پر اُسے عجیب ہی کا خیال آسکتا تھا جو اُسے اس وقت بھی آیا اور اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اُس نے لرزتے ہاتھ سے پالکی کے پردے میں ہلکی سی جھری بنائی تا کہ اس گھڑسوار کو دیکھ سکے۔

گھڑسوار کی نظریں بھی اسی طرف تھیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی زریں کا دل بڑی زور سے اُچھلا لیکن اس مرتبہ اُس کے دل کی وہ دھڑکن کسی خوف کے باعث نہیں تھی۔ اُس کا دل خوشی سے اُچھل پڑا تھا اور اس کے رگ وپے میں انبساط کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔

وہ گھڑسوار حسن بن افشیں تھا۔

زریں نے بے قراری سے پالکی کا پردہ اتنا کھول دیا کہ حسن اُسے دیکھ سکے۔

حسن مسکرا دیا۔

''تم کب واپس آئے؟'' زریں نے بے تابی سے پوچھا۔

''آج ہی آیا ہوں۔'' حسن نے جواب دیا۔ ''بلکہ ابھی آیا ہوں۔ مجھے یاد تھا کہ تم اس وقت اِدھر آؤ گی۔''

''اب کیا کروں!'' زریں نے پریشانی سے کہا۔ ''میرے ساتھ دو سہیلیاں بھی ہیں۔''

''انھیں ٹالو کسی طرح! میں تو تم سے ملنے کے لیے اتنا بے تاب تھا کہ سیدھا اِدھر چلا آیا۔ میں ابھی محل بھی نہیں گیا ہوں۔''

ان دونوں کی ملاقاتیں ایک اور سیرگاہ میں ہوا کرتی تھیں جو برکت زلزل کے آگے ایک چوراہے کے بعد دوسرے چوراہے پر تھا۔ بغداد کی زیادہ تر تفریح گاہیں چوراہوں کے قریب بنائی گئی تھیں۔

Marfat.com

زریں نے جھانک کر دیکھا۔ اُس کی دونوں سہیلیوں کی پالکیاں کافی آگے نکل گئی تھیں۔

''میں کچھ کرتی ہوں۔'' زریں نے حسن سے کہا اور پھر پالکی، شانوں پر اُٹھا کر چلنے والے غلاموں سے کہا۔ ''ذرا تیز چلو۔''

غلاموں نے خاموشی سے اپنی رفتار کچھ بڑھا دی۔ انھوں نے زریں اور حسن کی باتوں پر ذرا بھی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ کسی ایسے علاقے کے تھے کہ انھیں عربی کے علاوہ کوئی زبان نہیں آتی تھی۔ زریں اور حسن نے فارسی میں باتیں کی تھیں۔ اُس کے علاوہ ان غلاموں کو یہ جسارت ہو بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اپنی آقازادی اور اُس کے مخاطب کی باتوں پر یا اس کے مخاطب کی طرف توجہ دیتے۔

اپنی رفتار بڑھانے کے باوجود برکتِ زلزل کے مشرقی دروازے ''بابِ نسترن'' تک اس وقت پہنچے جب زریں کی دونوں سہیلیاں اپنی پالکیوں سے اتر کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ان کے پالکی بردار، پالکیاں لیے ہوئے تیزی سے سڑک کے پار اس طرف جا رہے تھے جہاں ایک قطعہ زمین صرف پالکیاں رکھنے ہی کے لیے مخصوص تھا۔

جب پالکی باب نسترن کے سامنے رکھی گئی تو زریں اس سے نہیں اُتری۔ اُس کی دونوں سہیلیاں فوراً قریب آ گئی تھیں۔

''بہت ہی سست رفتار ہیں تمھارے غلام۔'' ایک سہیلی نے زریں کے پالکی برداروں کی طرف اشارہ کیا۔

زریں نے بات نظر انداز کر دی اور جلدی سے کہا۔ ''ایک گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ آج تم دونوں میرے بغیر ہی تفریح کر لو۔''

''کیوں...... کیوں؟'' دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

''اگلے چوراہے پر ہماری ایک عزیزہ رہتی ہیں۔ ان کی طبیعت اچانک ہی کچھ زیادہ ناساز ہو گئی ہے۔ مادر کسی وجہ سے خود انھیں دیکھنے نہیں جا سکتیں اس لیے انھوں نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ انھیں دیکھ آؤں۔''

''کب بھیجا ہے پیغام؟'' ایک سہیلی نے تعجب سے پوچھا۔

''ابھی راستے میں۔'' زریں نے جواب دیا۔ ''ایک غلام ایک تیز رفتار گھوڑے

Marfat.com

پر آیا تھا۔ اسی نے پیغام دیا ہے، تم دونوں بہت آگے نکل گئی تھیں۔"

اسی وقت ایک باوردی عصا بردار اُن کے قریب آیا۔ برکت زلزل کے تمام معاملات کی دیکھ بھال کرنے والے "عصا بردارانِ زلزل" کہلاتے تھے۔ اُس نے بڑے ادب سے زرین کو مخاطب کیا اور کہا کہ پالکی زیادہ دیر تک داخلی دروازے کے سامنے نہیں رکھی جاسکتی۔

زریں کی پالکی کے پیچھے دو پالکیاں رکی ہوئی تھیں۔ وہ اسی وقت آگے آتیں جب زریں کی پالکی وہاں سے اُٹھ جاتی۔

"ہمیں معلوم ہے۔" زریں نے بڑی تمکنت سے عصا بردار کو جواب دیا۔ "بس دو باتیں کہنا تھیں اپنی سہیلیوں سے۔" پھر اُس نے پالکی بردار غلاموں سے پالکی اُٹھانے کے لیے کہا۔

"تم نے تو آج مزہ کرکرا کر دیا۔" ایک سہیلی بولی۔

"میری مجبوری کو سمجھ کر مجھے معاف کر دو۔" زریں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

چاروں غلاموں نے پالکی اُٹھالی تھی۔

زریں نے پالکی کا پردہ برابر کرنے سے پہلے اپنی سہیلیوں سے کہا۔ "اگر موقع مل گیا تو جلد ہی واپس آکر تم دونوں کو یہاں تلاش کرلوں گی۔"

پھر اُس نے الوداعی انداز میں ہاتھ بھی ہلایا تھا۔

پالکی جلد ہی شاہ راہ پہنچ گئی۔ زریں کو یاد آیا کہ اسی جگہ عجیب نے اُس سے دست درازی کی تھی جب وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ چوراہے کے قریب سے شاہ راہ عبور کر کے اس قطعۂ زمین کی طرف جارہی تھی جہاں پالکیاں رکھی جاتی تھیں۔

پالکی شاہ راہ پر آگے بڑھنے لگی تو زریں نے گھوڑے کی ٹاپیں اپنے عقب میں سنیں۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ اُس کے پیچھے آنے والا حسن ہی تھا۔

زریں کا دل مچلنے لگا کہ حسن اپنا گھوڑا پالکی کے برابر میں لے آئے اور وہ اس سے باتیں کرتی رہے لیکن اس عام گزرگاہ پر یہ مناسب نہیں تھا کہ کوئی گھڑسوار کسی پالکی کے برابر مسلسل چلتا رہے۔

ایک خاندان کے لوگ بھی ایسا نہیں کرتے تھے۔ ان کے گھوڑے پالکیوں کے

Marfat.com

آگے یا پیچھے رہا کرتے تھے لیکن یہ کوئی طے شدہ رواج نہیں تھا۔ جن خواتین کو گھڑ سواری آتی تھی، وہ گھوڑوں پر نظر آتی تھیں۔ افشاں تو ہمیشہ گھوڑے ہی پر کہیں آتی جاتی تھی، لیکن زریں نے گھڑ سواری سیکھ لینے کے باوجود گھڑ سواری کرنا کبھی پسند نہیں کی تھی۔ وہ پالکی ہی پر کہیں آتی جاتی تھی۔

ایک چوراہا عبور کرنے کے بعد دوسرے چوراہے پر پالکی زمین پر رکھ دی گئی۔ زریں پالکی سے اتر آئی۔ اُس نے دیکھا کہ حسن سڑک پار سے اُس کی طرف آرہا تھا۔ برکتِ زلزل کی طرح یہاں بھی پالکیاں رکھنے اور گھوڑے کھڑے کرنے کے لیے سڑک پار دو قطعاتِ زمین وقف کیے گئے تھے۔

حسن اور زریں نے داخلے کی پرچیاں خریدیں۔ وہ بغداد کی واحد تفریح گاہ تھی جہاں چار افراد کے داخلے کے لیے ایک درہم کی پرچی لینا پڑتی تھی اور اگر افراد کم ہوں تو بھی ایک درہم دینا پڑتا تھا۔

وہ تفریح گاہ نجی ملکیت تھی، سرکاری طور پر نہیں بنائی گئی تھی۔ وہ برکتِ زلزل سے زیادہ خوب صورت نہیں تھی لیکن اس کا انوکھا پہلو یہ تھا کہ وہاں دنیا بھر سے کثیر تعداد میں ایسے انواع واقسام کے رنگا رنگ پرندے منگوائے گئے تھے جن کی چہکاریں بھی اس قدر دل نشیں تھیں کہ ساری فضا میں موسیقی سی گونجتی محسوس ہوا کرتی تھی۔

اسی لیے اس تفریح گاہ کا نام ''باغِ طیوراں'' رکھا گیا تھا۔ اس کی وسعت اتنی تھی کہ سہ پہر سے شام تک ساری تفریح گاہ گھومنا ممکن نہیں تھا۔ اسی وسعت کی وجہ سے وہ پرندے خود کو قفس میں محسوس نہیں کرتے ہوں گے۔ باغِ طیور سے باہر نکلنا بہرحال اُن کے لیے ممکن نہیں تھا۔ چاروں طرف اتنے اونچے جال لگائے گئے تھے کہ اُس سے زیادہ اونچی پرواز وہ پرندے کر ہی نہیں سکتے تھے یا اگر کر سکتے تھے تو بھی وہاں سے نکلنا اُن کے لیے یوں ممکن نہیں تھا کہ چھت بھی جال کی بنائی گئی تھی۔

پرندوں کے علاوہ وہاں غیر ضرر رساں چوپائے بھی تھے۔ خرگوش، گلہریاں، گرگٹ یہاں تک کہ کچھ تعداد ہرنوں کی بھی تھی جو ختن سے منگوائے گئے تھے۔

زریں اور حسن وہاں گھومتے ہوئے باتیں بھی کرتے رہے۔ حسن نے اُسے

Marfat.com

بخارا کے بارے میں بھی بتایا کہ وہاں آخری حکم راں خاندان ''بخار خدات'' کہلاتا تھا۔ بخارا کے ایک حاکم نے خلیفہ المنصور کے عہد میں بغاوت کی تھی تو اُسے ابومسلم خراسانی کے حکم سے قتل کروادیا گیا تھا۔

''میں نے کسی سکان کا نام بھی سُنا ہے جو المقنع جیسے ملحد کا پیرو تھا۔'' زریں نے کہا۔

''ہاں۔'' حسن نے جواب دیا۔ ''اُسے خلیفہ المہدی نے قتل کروادیا تھا۔''

المہدی اپنے باپ المنصور کے بعد سلطنتِ عباسیہ کا تیسرا خلیفہ تھا۔

یکایک حسن منہ بنا کر بولا۔ ''کیا ہم یہ باتیں کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں!''

زریں ہنس پڑی۔ ''تم ہی بخارا سے آئے ہو تو وہاں کی تاریخ بتانے لگے۔ یہ باتیں میں نے تو نہیں چھیڑی تھیں!''

''خیر چھوڑو۔ اب ہم بس اپنی باتیں کریں گے۔ آؤ اس طرف بیٹھتے ہیں۔''

وہ دونوں ایک فوارے کے قریب سرسبز گھاس پر جا بیٹھے۔

زریں نے فوارے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہاں رنگا رنگ فواروں کی تعداد بڑھادی جائے اور ہر قسم کے پھولوں کے پودے بھی ہوں تو یہ باغ برکتِ زلزل کو ماند کردے گا۔''

حسن نے اسے گھورا۔ ''میں نے کہا تھا کہ اب ہم صرف اپنی باتیں کریں گے۔''

''تو سنیے محترم!'' زریں نے شوخی سے کہا۔ ''میں اپنی بات سے شروع کرتی ہوں۔ میرا نام زریں بنت افشاں ہے۔'' کسی خیال نے اُسے یکایک سنجیدہ کردیا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''میں اپنے نام کے ساتھ باپ کا نام نہیں لگا سکتی۔''

حسن بھی سنجیدہ ہوگیا۔ ''تمھاری یہ اُلجھن نہ جانے کب ختم ہوگی؟''

''جب تک میری والدہ نہیں بتائیں گی۔'' زریں نے کہا۔ ''مجھے شبہ ہے کہ رفیقی بابا بھی یہ بات جانتے ہیں مگر زبان وہ بھی نہیں کھولتے۔ مجھے اتنا یقین تو ہے کہ میں یتیم نہیں ہوں۔''

حسن کچھ سوچتا رہا، پھر بولا۔ ''تم نے میرے بارے میں کچھ بتایا اپنی والدہ کو؟''

''میں ابھی تک ہمت نہیں کرسکی ہوں حسن!'' زریں نے جواب دیا، پھر بولی۔ ''تم نے بتایا اپنے والدہ کو؟''

Marfat.com

''میں ابھی تک ہمت نہیں کر سکی ہوں حسن!'' زریں نے جواب دیا، پھر بولی۔ ''تم نے بتایا اپنے والد کو؟''

''میں نے بھی نہیں بتایا لیکن میرا خیال ہے کہ انھیں کچھ شبہ ہو گیا ہے۔''

''یعنی ہم دونوں کے بارے میں؟''

''نہیں۔'' حسن نے جواب دیا۔ ''انھیں صرف یہ شبہ ہوا ہے کہ میں کسی سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

''تمھیں یہ خیال کیوں ہے کہ انھیں یہ شبہ ہو گیا ہے۔''

''جیسے برسبیل تذکرہ، کچھ کہا جاتا ہے، اسی طرح ایک بار انھوں نے کہا تھا کہ محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن فریقین میں سے ہر ایک کو یہ ضرور جان لینا چاہیے کہ دوسرے فریق کا خاندان کیسا ہے اور یہ کہ اس ضمن میں لاعلمی بعض اوقات بہت سی پے چیدگیوں کا سبب بن جاتی ہے۔''

''یہ ایک عام سی بات ہے۔'' زریں نے کہا۔ ''اس سے تم نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ انھیں کسی سے تمھاری محبت کا شبہ ہو گیا ہے؟''

''دراصل برسبیل تذکرہ بھی کوئی بات اسی وقت کہی جاتی ہے جب اسی قسم کے کسی موضوع پر بات ہو رہی ہو۔ ان کی یہ بات بڑی بے محل تھی۔ جب میں بخارا گیا تھا تو انھوں نے مجھے رخصت کرتے وقت یہ بات کہی تھی۔ اس بات کا وہ کوئی موقع ہی نہیں تھا۔''

زریں نے سر ہلایا۔ ''تم نے اندازہ تو صحیح لگایا۔ گویا وہ میرے بارے میں نہیں جانتے۔''

''ظاہر ہے۔'' حسن نے جواب دیا۔ ''اسی لیے انھوں نے کہا ہوگا کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں، اس کے بارے میں سب کچھ جان لوں۔'' وہ ہنسا۔ ''انھیں کیا معلوم کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں۔''

''کہاں جانتے ہو سب کچھ!'' زریں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں ہی اپنے باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''اس سے میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا زریں!'' حسن نے کہا۔ ''میں تمھاری ماں کو تو جانتا ہوں۔ وہ ایک نہایت معزز اور شریف خاتون ہیں۔ انھوں نے جب شادی

Marfat.com

کی ہوگی تو شادی سے پہلے اچھی طرح جانچ پرکھ بھی لیا ہوگا۔ وہ بھی تمھاری والدہ کی طرح ایک اچھے انسان ہوں گے۔''

''آخر مجھ سے ان کو کیوں چھپایا جا رہا ہے!''

''ہاں، یہ تو بے شک ایک چیستان ہے۔'' حسن نے متفکرانہ انداز میں سر ہلایا۔ ''اچھا ایک کام کرو۔ یہ تو تم مجھے بتا چکی ہو کہ یہاں سے پہلے تم اشروسنہ میں رہتی تھیں لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں تمھارا گھر کہاں تھا۔ مجھے اس بارے میں بتاؤ۔ میں وہاں چھان بین کروں گا۔ وہاں سے کچھ سراغ لگنا چاہیے۔''

''میں تمھیں بتا چکی ہوں کہ میری والدہ کی شادی طبرستان میں ہوئی تھی۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' حسن نے کہا۔ ''رہی تو تم اشروسنہ میں ہو۔ سراغ وہیں سے ملے گا، اگر ملے گا۔''

زریں نے اُسے اپنے اشروسنہ کے گھر کے بارے میں بتا دیا۔

پھر کچھ وقت انھوں نے باغِ طیور کی سیر کرتے ہوئے گزارا، اس کے بعد واپسی کا ارادہ کیا، سورج غروب ہونے میں اب بس اتنا ہی وقت رہ گیا تھا کہ زریں اندھیرا پھیلنے تک اپنی حویلی پہنچ جاتی۔

باہر نکل کر انھوں نے چند الوادعی فقرے کہے، پھر سڑک پار کرتے ہوئے حسن نے اس طرف رخ کیا جہاں گھوڑے باندھے جاتے تھے اور زرین نے اس طرف قدم بڑھائے جہاں پالکیاں رکھی جاتی تھیں۔

پالکی میں بیٹھنے کے بعد زریں نے پردہ سرکا کر دیکھا کہ حسن اپنے گھوڑے پر بیٹھا ہوا اس جگہ سے نکل آیا تھا جہاں گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ غلاموں نے پالکی اُٹھا لی تھی اور چل پڑے تھے۔ زریں نے دیکھا کہ حسن نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

پالکی چوراہے سے گزری، اسے سیدھا جانا تھا۔ اس راستے کو قطع کرتی ہوئی جو شاہ راہ تھی، حسن کا گھوڑا اسی پر سرپٹ دوڑا چلا جا رہا تھا۔ زریں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ جب اُس کی پالکی نے چوراہا عبور کیا تو حسن کا گھوڑا اُس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

زریں نے پالکی کا پردہ برابر کیا اور سوچنے لگی، کیا یہ ممکن ہوگا ک حسن اشروسنہ

Marfat.com

جا کر کوئی سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائے؟

زریں کو اس بارے میں سوچنے کا زیادہ موقع نہیں مل سکا۔ اس کی پالکی کو بہت زور کا جھٹکا لگا تھا۔

اس جھٹکے کا سبب ایک گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں کی رانیں تھی جو پالکی اُٹھائے ہوئے ایک غلام سے ٹکرائی تھیں۔ اس دھکے سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور جب وہ گرا تو باقی تینوں غلام بھی پالکی کو نہ سنبھال سکے۔

پالکی اس طرح لڑھکی کہ زریں اس کے باہر جا گری۔ پھر اُسے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ کسی نے اُسے اُٹھا کر ایک گھوڑے کی پیٹھ پر اوندھا ڈال دیا تھا۔

ذرا دیر کے لیے زریں کے ہوش و حواس پراگندہ ہو گئے تھے۔ جب وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئی تو اس نے محسوس کیا کہ گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ وہ گھوڑے پر گھڑ سوار کے آگے اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اُس کے زمین کی طرف لٹکے ہوئے ہاتھ گھوڑے کی اگلی ٹانگوں سے ٹکرا رہے تھے۔

زریں کے دماغ میں یہ خیال چکرا گیا کہ اُسے اغوا کیا جا رہا تھا۔

''بچاؤ۔'' وہ زور سے چیخی۔

لیکن دوسری مرتبہ نہیں چیخ سکی۔ گھڑ سوار نے ذرا سا آگے جھک کر اُس کی گردن اتنی زور سے دبائی تھی کہ چیخنا تو درکنار، اس کے منہ سے کراہ نکلنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ گردن پر اتنے شدید دباؤ کی وجہ سے اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ سر میں ناقابل برداشت دکھن ہوئی۔ اس کیفیت کی وجہ سے اُس کے ہوش و حواس ایک بار پھر پراگندہ ہونے لگے۔

دوبارہ ہوش و حواس بحال ہونے پر اُس کی آنکھوں کے آگے تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی ٹاپیں اُس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ اس کی گردن پر اب کسی ہاتھ کا دباؤ نہیں تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اس کے ہوش و حواس بھی دوبارہ بحال ہو سکے تھے۔ وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل بھی ہو گئی تھی۔ اس خیال کی دہشت نے اُس کا سارا جسم سرد کر دیا کہ اُسے اغوا کرنے والا عجیب ہی ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

گھوڑا اب کسی ویرانے میں دوڑ رہا تھا۔ ٹاپوں کے علاوہ کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ روشنی کا بھی دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔

زریں کو خیال آیا کہ اُسے یقیناً سامرا لے جایا جا رہا تھا۔

''کون ہو تم؟'' وہ پاگلوں کی طرح چیخ پڑی۔

''اور زور سے چیخو۔ اس ویرانے میں کوئی تمھاری آواز سننے والا نہیں ہے۔'' گھڑسوار نے جواب دیا اور ہنسنے لگا۔

زریں کے سرد پڑتے ہوئے جسم میں دہشت کی ایک اور سرد لہر دوڑ گئی۔ اُسے یقین تو آ چکا تھا کہ اُسے اغوا کرنے والا عجیب ہوگا لیکن اُس کی آواز سننے کے بعد اُس کی حالت اور خراب ہوگئی۔ اگرچہ اُس نے پہلے صرف ایک ہی مرتبہ عجیب کی آواز سنی تھی لیکن اس آواز سے ایک ایسا واقعہ وابستہ تھا کہ وہ اُس کے ذہن میں جم کر رہ گئی تھی۔ اسی لیے وہ آواز پہچاننے میں اُسے پل بھر بھی نہیں لگا۔

وہ مچل کر گھوڑے سے گرنے کی کوشش کرتی لیکن یہ اب اُس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ جب وہ ہوش وحواس سے بے گانہ ہوئی تھی، اسی دورانیے میں عجیب نے اُس کا جسم گھوڑے کی گردن سے باندھ دیا تھا۔ باندھنے کے لیے اس نے شاید چرمی ڈوری استعمال کی ہو لیکن زریں کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکا۔

عجیب ایک ہاتھ سے اس کا جسم ٹٹولنے لگا۔ زریں کسمسائی۔ اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

''بہت گداز ہو۔'' عجیب ہنسا۔

زریں کو اندازہ ہوگیا کہ اب وہ کچھ نہیں کر سکے گی اور عجیب اپنے مقصد میں کام یاب ہو جائے گا۔ اس خیال سے اس کا رواں رواں لرز اُٹھا اور شدید بے بسی کے احساس سے آنکھوں سے آنسو بھی آ گئے۔

☆☆☆

فضل بن مروان نے اسی دن صبح عجیب کو مشورہ دیا تھا کہ وہ لڑکی کو اغوا کر کے اگر محل میں لایا تو اُس کی چیخ پکار سے بات محل کے ایک ایک فرد کو معلوم ہو جائے گی لہٰذا

Marfat.com

وہ لڑکی کو سامرا کی کسی نواحی بستی میں لے جائے۔ وہ بستی کے کسی بھی گھر کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ اس گھر کے لوگ ہرگز مزاحم نہیں ہوتے کیوں کہ بغداد کی طرح سامرا کے گردونوح کی بستیوں میں بھی ان ترک لڑکوں نے خوف وہراس پھیلا دیا تھا جو خلیفہ معتصم کو محبوب تھے۔ عجیب نے یہ بات گویا گرہ میں باندھ لی تھی۔ وہ زریں کو اس وقت اغوا کرتا جب وہ برکتِ زلزل سے نکل کر پالکی کی طرف جانے کے لیے سڑک پار کرتی لیکن وہ ایسا نہیں کر سکا۔ اس نے حسن بن افشیں کو گھوڑے پر پالکی کے برابر چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے بعد زریں برکتِ زلزل پہنچ کر پالکی سے بھی نہیں اُتری تھی۔

جب پالکی وہاں سے آگے روانہ ہوئی تو بھی حسن بن افشیں کا گھوڑا پالکی کے پیچھے پیچھے رہا تھا۔

اس وقت عجیب کی غصے سے بری حالت ہوگئی تھی۔ حسن کی موجودگی میں زریں کو اغوا کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ حسن اُسے اس کے مقصد میں کام یاب نہیں ہونے دیتا۔

حسن کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن وہ خاصا تن درست وتوانا تھا۔ اس کے علاوہ اُس نے عسکری تربیت بھی حاصل کی تھی۔ وہ جب عجیب کو دکھائی دیا تھا، اس وقت اُس کی کمر سے تلوار بھی بندھی ہوئی تھی۔ تلوار کے علاوہ پیش قبض بھی تھا۔

خود عجیب کے پاس ہتھیار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اُسے اور اس کے ساتھی لڑکوں کو عسکری تربیت دلوانا، خلیفہ معتصم نے قطعی غیر ضروری سمجھا تھا۔ وہ لڑکے کسی ہتھیار کے بغیر ہی لوگوں کے لیے ایک آفت بنے رہتے تھے۔

عجیب نے حسن اور زریں کو باغِ طیور میں جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب کچھ ایسا تھا کہ عجیب تو کیا، کوئی بھی سمجھ لیتا کہ زریں اور حسن میں کس قسم کے تعلقات ہوں گے۔

عجیب نے باغِ طیور کے اردگرد منڈلاتے ہوئے سارا وقت گزارا تھا۔ یہ جاننا اس کی خواہش تھی کہ باغِ طیور سے نکلنے کے بعد زریں اور حسن کہاں جاتے۔ اُسے گمان تھا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد حسن زریں کو اپنے محل میں لے جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

عجیب کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ باغِ طیور سے نکلنے کے بعد حسن اپنا گھوڑا

Marfat.com

دوڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا اور زریں وہاں سے اپنی پالکی میں روانہ ہوئی تھی۔ عجیب نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا تھا اور گھوڑے کی ٹکر سے پالکی گرادی تھی۔ اس وقت اُس کے ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ زریں شاید تھوڑی بہت زخمی ہو جائے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ زریں کے جسم پر کچھ خراشیں تو آئی تھیں لیکن عجیب کو اس کا علم نہیں ہو سکا تھا۔

اُس نے اپنا گھوڑا سامرا کی ایک نواحی بستی کے ایک ایسے مکان کے سامنے روکا جو بستی کے بالکل سرے پر تھا۔

گھوڑے کی ٹاپیں سن کر ادھیڑ عمر کا ایک آدمی گھر سے باہر نکلا۔ اس دوران میں عجیب نے زریں کو گھوڑے سے اتار لیا تھا اور اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا مکان کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

گھر کے کھلے ہوئے دروازے سے جو روشنی باہر آرہی تھی، اس میں عجیب کو پہچانتے ہی گھر والے کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

''مجھے تمھارے گھر کا ایک کمرا چاہیے۔'' عجیب نے حکم دینے والے انداز میں گھر والے سے کہا۔ ''مجھے تمھارے گھر کی ایک لڑکی پسند ہے لیکن اس وقت تم میری جو خدمت انجام دو گے، اُس کی وجہ سے تمھاری لڑکی کو معاف کردوں گا۔''

''جو حکم!'' گھر کے مالک نے بوکھلا کر کہا۔ ''میں ایک کمرا خالی کرا دیتا ہوں۔''

زریں گڑگڑائی۔ ''مجھے بچا لو بابا''

لیکن گھر والے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے ایک کمرا اپنے گھر کے لوگوں سے خالی کروا دیا۔

''بستی میں کسی اور کو کچھ نہ معلوم ہو۔'' عجیب نے زریں کو اس کمرے میں لے جانے سے پہلے گھر والے کو حکم دیا۔ ''ورنہ......'' اُس نے دھمکی آمیز انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''بابا!'' زریں پھر گڑگڑائی۔ ''تم ایک جوان لڑکی کے باپ ہو۔ کیا تمھیں خیال نہیں کہ میں بھی کسی کی بیٹی ہوں!''

اُس کی یہ گڑگڑاہٹ بھی رائگاں گئی۔ اس شخص کو صرف اپنی بیٹی کا خیال تھا جو

Marfat.com

اُس کی اس ''خدمت'' کے عوض عجیب سے محفوظ رہ جاتی۔

عجیب نے زریں کو کمرے میں لے جا کر دھکا دیتے ہوئے ایک بستر پر دھکیل دیا۔ وہ ہنس کر بولا۔ ''یہ بستر تمھارے مہکتے ہوئے جسم کے شایانِ شان تو نہیں لیکن اس وقت میں تمھارے لیے کوئی اور بستر مہیا نہیں کر سکتا۔''

زریں بستر پر پڑی بے بسی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''خوف زدگی کے عالم میں تم اور زیادہ حسین نظر آنے لگی ہو۔'' عجیب نے اپنا اوپر لباس اتارتے ہوئے کہا۔

''خدا کے لیے!'' زریں گھگیائی۔ ''تم مسلمان ہو اس لیے میں تمھیں خدا ہی کا واسطہ دے سکتی ہوں۔''

''اس وقت مجھے کچھ سنائی نہیں دے گا کہ تم کیا کہہ رہی ہو۔'' عجیب نے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تمھاری اُبلتی ہوئی جوانی میں ایسی گونج ہے جو میرے دماغ تک پھیلی ہوئی ہے۔'' وہ بستر کے قریب آ گیا اور اُسے سر سے پیر تک للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا ہنس کر بولا۔ ''کیا تم مجھ سے پہلے ہی یہ جسم حسن کو دے چکی ہو؟''

زریں سمجھ گئی کہ عجیب نے اُسے حسن کے ساتھ اس وقت دیکھ لیا ہوگا جب وہ دونوں باغِ طیور سے نکل رہے تھے۔

عجیب ہنستا رہا۔ اُس نے کہا۔ ''یہ بڑی دل چسپ بات ہے کہ تم حسن سے عشق لڑا رہی ہو اور اُس کا باپ تمھاری ماں سے۔''

یہ بات عجیب کو اسی دن فضل بن مروان نے بتائی تھی۔

زرین اس وقت ہیجانی کیفیت میں ہونے کے باوجود سوچ چکی تھی کہ عجیب کی زد سے نکل کر وہاں سے بھاگنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ اُسے کام یابی کا امکان اس لیے نظر آ رہا تھا کہ عجیب نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا لیکن عجیب نے اُس سے ایک ایسی بات کہی تھی کہ اُس کا دماغ جھنجھنا گیا۔ اپنے دماغ کی اس حالت کے باعث وہ شل سی ہو کر رہ گئی تھی۔ جب عجیب نے اُسے دبوچا تو وہ چونکی لیکن اب

Marfat.com

اُس کی حالت اس چڑیا کی سی تھی جو باز کے پنجے میں پھنس کر دہشت سے اپنی آنکھیں بند کر چکی ہو یا پنجے سے نکلنے کے لیے پھڑ پھڑا رہی ہو۔

''میرے صبر کا زیادہ امتحان نہ لو۔'' عجیب نے بڑے غصے سے اس لیے کہا کہ زریں شدید مزاحمت کر رہی تھی۔ ''میں تمھارے لباس کی دھجیاں بکھیر دوں گا تو تمھیں یہاں سے برہنہ واپس جانا پڑے گا۔''

زریں نے اُس کی بات سنی ہی نہیں۔ شدید ہیجان کے عالم میں وہ اس کی گرفت سے نکلنے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہی تھی۔

''او، خرس زادے!'' ایک دھاڑتی ہوئی سی آواز کمرے میں گونجی۔ (فارسی میں ریچھ کو خرس کہتے ہیں)

ہیجان آمیز مسرت تھی کہ زریں کا دل بہت زور سے اُچھلا۔ اُس نے آواز پہچان لی تھی۔ وہ حسن تھا، حسن بن افشیں!

چونکا عجیب بھی تھا لیکن اُسے سنبھلنے کی مہلت نہیں ملی۔ حسن نے اُسے اُس کی گردن سے پکڑ کر کھینچا اور پھر اُسے بہت سے زور سے دھکا دے کر دیوار سے ٹکرایا۔ عجیب کو اس کے بعد بھی سنبھلنے کی مہلت نہیں ملی۔ حسن نے اس پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی تھی۔

''میں تو تجھے قتل بھی کر سکتا ہوں خرس کی اولاد!'' حسن نے تابڑ توڑ گھونسے مارتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میں اتنا سنگین جرم نہیں کرنا چاہتا۔ جو سبق دے رہا ہوں، یہ بھی تجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔''

زریں عجیب سی کیفیت میں بستر پر بیٹھی وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور اُس کی سانسیں بہت تیزی سے چل رہی تھیں۔ ایک بار اُس کی نظر دروازے کی طرف بھی گئی تھی اُس نے گھر والے کو دیکھ لیا تھا۔ کے عالم میں جھانک کر وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

عجیب کے چہرے پر نیل پڑ چکے تھے۔ باچھوں سے خون بھی بہہ رہا تھا۔ اُس کی اندرونی چوٹیں کسی کو بھی نہیں دکھائی دے سکتی تھیں لیکن یہ طے تھا کہ اُسے بہت چوٹیں آئی ہوں گی کیوں کہ حسن نے جب اُسے چھوڑا تو وہ فرش پر بے سدھ پڑا تھا۔

Marfat.com

''آؤ!'' حسن نے زریں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔''اتفاق ہی ہے کہ مجھے بروقت معلوم ہو گیا تھا لیکن تلاش کرنے میں کچھ دیر لگ گئی۔''

زریں کچھ بولنا چاہتی تھی لیکن اُس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے تھے۔ حسن اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکلا۔ گھر والے کو اس نے بڑی حقارت سے دیکھا لیکن اس سے کچھ کہا نہیں۔

گھر کے باہر عجیب کے گھوڑے کے قریب ہی حسن کا گھوڑا بھی تھا۔ حسن نے زریں کو اس پر بٹھایا، خود اس کے پیچھے بیٹھا اور گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ گھوڑا دوڑ پڑا۔ اُس کا رخ بغداد کی طرف تھا۔

حسن نے بتایا۔''دو گھڑ سوار باتیں کرتے ہوئے میرے قریب سے گزرے تھے۔ ان کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا کہ باغِ طیوراں کے سامنے سے کسی لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے اور اغوا کرنے والا غالباً امیر المومنین کے ترک غلاموں میں سے کوئی تھا۔'' وہ رک کر بولا۔''اب کیوں روئے جا رہی ہو؟''

''حسن!'' زریں نے گلوگرفتہ آواز میں کہا۔''یہ خوشی کے آنسو ہیں حسن! مجھے یقین نہیں رہا تھا کہ بچ جاؤں گی۔ اگر تم نہ آجاتے تو بعد میں میرے لیے خودکشی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ جاتا۔''

''بغداد کے لوگ پھر بزدل ہو گئے ہیں۔'' حسن نے کہا۔''ایک زمانے میں یہاں اتنی شورش ہوئی تھی کہ امیر المومنین پایہ تخت بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ آج کسی نے اتنی جرأت نہیں کی کہ تمھیں بچانے کی کوشش کرتا۔ وہ تو بس قسمت اچھی تھی کہ مجھے معلوم ہو گیا۔''

زریں خاموش رہی۔

حسن نے بتایا کہ اُس نے گھڑ سواروں سے، اغوا ہونے والی لڑکی کا حلیہ پوچھا تھا۔ حلیہ معلوم کر کے اُس کی جان نکل گئی تھی۔ اس قسم کے لباس پہننے کا شوق اب صرف زریں ہی کو تھا جو پچاس سال پہلے خلیفہ ہارون الرشید کی بہن عالیہ نے اختراع کیے تھے۔ اس زمانے میں اُن ملبوسات کا رواج بہت بڑھ گیا تھا لیکن دھیرے دھیرے ترک کیا جاتا رہا تھا۔

گھڑ سواروں سے یہ جانتے ہی حسن پلٹ پڑا تھا۔ باغِ طیوراں کے سامنے اس

Marfat.com

وقت بھی کچھ لوگ کھڑے ہوئے اس واقعے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ اُن سے حسن کو معلوم ہوا تھا کہ زریں کو اُٹھا لے جانے والا گھڑ سوار کدھر گیا تھا۔ حسن نے اپنا گھوڑا اسی طرف دوڑایا۔ راستے میں پوچھ گچھ بھی کرتا رہا۔ اُسے خود بھی اندازہ تھا کہ وہ گھوڑا سامرا ہی کی طرف گیا ہوگا۔ وہ اپنے گھوڑے کو بے تحاشا دوڑاتا رہا۔ اس پر جنون طاری تھا۔

''میں نے اپنے گھوڑے کو اتنی قمچیاں کبھی نہیں ماریں۔'' اُس نے کہا۔

زریں خاموش رہی۔ سب کچھ جانتے ہوئے اُس کے ہونٹ لرزتے رہے تھے۔ حسن نے بتایا کہ جب وہ اس بستی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اُسے آٹھ نو سال کا ایک لڑکا مل گیا۔ حسن نے اُس سے پوچھا کہ تھوڑی دیر پہلے اِدھر سے کوئی گھوڑا گزرا ہے؟ اس پر اُس لڑکے نے جواب دیا کہ ایک گھڑ سوار بستی کی طرف گیا ہے۔ جواب دے کر لڑکا پھر قریب کے جوہڑ سے مینڈک پکڑنے لگا۔

حسن نے کہا۔ ''اُس کا مینڈک پکڑنے کا شوق ہی کام آ گیا ورنہ اتنی رات کو بستی کے باہر کوئی لڑکا کہاں نظر آتا۔''

حسن کو یقین تو تھا کہ اغوا کنندہ سامرا گیا ہوگا لیکن اُسے یہ سوجھی کہ بستی سے گزرتا ہوا آگے نکلے۔ اُس کے ذہن میں یہ سوال بھی کلبلایا تھا کہ کسی بھی گھڑ سوار کو غریبوں کی اس بستی میں جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔

حسن کا اس بستی سے گزرنے کا خیال زریں کی خوش قسمتی تھی۔ حسن کو وہاں ایک مکان کے باہر ایک ابلق گھوڑا نظر آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی حسن رک گیا۔ اُس نے بغداد کے شہریوں سے پوچھ گچھ کی تھی تو اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ اغوا کنندہ کا گھوڑا ''ابلق'' تھا۔

''میری دستک پر مکان مالک نے جب دروازہ کھولا تو میں اُس سے کوئی بات کیے بغیر اندر گھستا چلا آیا۔'' حسن نے کہا۔ ''اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ تم دیکھ ہی چکی ہو، البتہ یہ بات میری سمجھ میں اب تک نہیں آ سکی ہے کہ اس شخص نے اس خرس زادے کو اپنے گھر کا کمرا کیوں دے دیا تھا۔''

''ڈر کر۔'' زریں نے جواب دیا۔ وہ بہت دیر بعد بولی تھی۔ ''خلیفہ کے ان غلاموں سے سب ہی ڈرتے ہیں۔''

Marfat.com

زریں نے یہ بھی بتایا کہ مالک مکان کو کیا دھمکی دی گئی تھی۔

''لعنت ہے ان لوگوں پر'' حسن نے غصے سے کہا۔ ''ایک مرتبہ تو یہ ان ترک غلاموں کے خلاف بہت بڑی شورش برپا کر بیٹھے تھے، اب پھر بھیڑ بن گئے ہیں۔''

''لیکن تم نے اس بھیڑیے کو زندہ چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔''

''وہ کیا کرسکتا ہے!''

''خلیفہ کو خبر مل جائے گی۔ اس بری طرح پیٹا ہے تم نے اُسے کہ بات اگر وہ خود بھی چھپانا چاہے تو بھی نہیں چھپ سکتی۔''

''نہ چھپے!'' حسن نے بے پروائی سے کہا۔ ''امیر المومنین کو معلوم تو ہو جائے گا کہ اُن کے ترک غلاموں کے خلاف نفرت، عوام میں اب بھی موجود ہے۔ لوگ بھول نہیں سکے ہیں اور اس قسم کی حرکتوں پر چراغ پا بھی ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن اُسے لوگوں نے نہیں، تم نے مارا ہے۔ وہ تمھارا نام بتائے گا۔ وہ تمھیں جانتا ہے۔''

حسن چونکا۔ ''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''اُس نے مجھ سے تمھارے بارے میں باتیں کی تھیں۔ مجھ پر طنز کیا تھا۔''

''اوہ!'' حسن سنجیدہ ہو گیا۔ پھر بولا۔ ''خیر! میں سوچ لوں گا کہ اپنے بچاؤ کے لیے کیا کرسکتا ہوں۔ فی الحال میرے دماغ میں اِس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تمھیں جلد از جلد تمھارے گھر پہنچا دوں۔ تمھاری والدہ تمھارے لیے پریشان ہوں گی۔''

''پریشان تو یقیناً ہوں گی۔''

افشاں واقعی بہت پریشان تھی۔ اُس نے زریں کی تلاش میں کئی غلاموں کو دوڑا دیا تھا۔ وہ غلام اُن لڑکیوں کے گھر بھی گئے تھے جن کے ساتھ زریں سیر کے لیے گئی تھی۔ زریں نے باغِ طیوراں جانے کے لیے اُن لڑکیوں سے جو بہانہ کیا تھا، وہ لڑکیوں نے اُن غلاموں کو بھی بتا دیا۔ اس کے بعد اُن غلاموں کو زریں کے اغوا کا علم بھی ہو گیا۔ سارے بغداد میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ ترک غلام عجیب سامرا سے بغداد آ کر ایک لڑکی کو اُٹھا لے گیا ہے۔

Marfat.com

یہ معلومات افشاں تک پہنچیں تو وہ ذرا دیر کے لیے شل ہو کر رہ گئی۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ سرِ بازار لُٹ گئی ہو۔ بیٹی کا اغوا ماں کے لُٹ جانے ہی کے مترادف تھا۔ اُس نے فوراً رفیق کو سامرا روانہ کر دیا تاکہ وہ افشیں حیدر کو اس صورتِ حال سے آگاہ کرے۔ فوری طور پر افشاں کو اس کے علاوہ کچھ نہیں سوجھ سکا تھا۔

☆☆☆

معتصم باللہ اس وقت سونے کے لیے اپنی خواب گاہ میں نہیں گیا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ عجیب اس حالت میں محل آیا ہے جیسے کسی نے اُسے بری طرح زدوکوب کیا ہو۔ اطلاع دینے والے نے یہ بھی بتایا کہ دو طبیب عجیب کی چوٹوں کے علاج میں مصروف ہو گئے تھے۔

معتصم شدید بے چین ہو گیا۔ عجیب اُسے اتنا ہی محبوب تھا۔ اُس نے عربی میں عجیب کے لیے اشعار بھی کہے تھے۔ ان میں ایک شعر میں اُس نے کہا تھا کہ ''میں نے عجیب کو دیکھا، وہ ایک آراستہ پیراستہ ہرن ہے۔''

معتصم نہایت بے چینی کے عالم میں محل کے اس حصے میں پہنچا جہاں اُس کے ترک غلام رہتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس نے بہ نفسِ نفیس محل کے اس حصے کا رخ کیا ہو، اس لیے وہاں ہلچل مچ گئی۔ یہ بات بڑی تیزی سے ہر طرف پھیلی کہ ''امیر المومنین عجیب کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔''

معتصم، عجیب کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت وہاں ایک ہی طبیب تھا۔ عجیب کی مرہم پٹی کی جا چکی تھی اور جہاں پٹی باندھنا ممکن نہیں تھا، وہاں صرف دو لگانے پر اکتفا کی گئی تھی۔ اُس کا چہرہ اتنا سوجا ہوا تھا کہ اگر کسی نے اُسے ایک آدھ بار دیکھا ہوتا تو اس وقت اُسے پہچان نہیں پاتا۔

جو طبیب اس وقت کمرے میں تھا، وہ عجیب کو سمجھا رہا تھا کہ اندرونی چوٹوں میں افاقے کے لیے اُسے جو دوائیں دی گئی تھیں، وہ کن اوقات میں کھانا ہیں۔

معتصم کو دیکھ کر طبیب جلدی سے کھڑا ہو کر مودب ہو گیا۔ خود عجیب نے بھی بستر سے اُٹھنے کی کوشش کی تھی مگر تکلیف کی وجہ سے اُٹھ نہیں سکا تھا۔ اُس کے منہ سے کراہ نکل گئی تھی۔

Marfat.com

''خلوت!'' معتصم نے طبیب کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ طبیب فوراً وہاں سے رخصت ہو گیا۔

معتصم بے تابانہ عجیب کے بستر پر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''یہ تیری کیا حالت ہے عجیب! ان چوٹوں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کہیں تو گرا نہیں ہے بلکہ تجھے کئی لوگوں نے مل کر زدوکوب کیا ہے۔ ہمیں اطلاع بھی یہی ملی ہے۔''

عجیب کی نظریں جھک گئیں۔

''بتا عجیب!'' معتصم باللہ نے آہستگی سے عجیب کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''ہمیں بتا، وہ کون ہیں جنھوں نے اپنی موت کو دعوت دی ہے!''

''وہ ایک ہی تھا امیر المومنین!'' عجیب نے دھیمی آواز میں کہا۔ جبڑوں میں لگی ہوئی چوٹوں کے باعث وہ بولنے میں دقت محسوس کر رہا تھا۔

''ایک تھا!'' معتصم نے حیرت سے کہا۔ ''اور ایک سے تو اتنا پٹ گیا؟''

''اس کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔'' عجیب نے خفت سے بچنے کے لیے کہا۔ ''اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس پر ہاتھ اُٹھایا تو وہ میری گردن اُڑا دے گا۔''

''وہ تھا کون جس نے اپنی موت کو دعوت دی ہے؟'' معتصم باللہ نے مشتعل لہجے میں پوچھا۔ ''اور اُس نے تجھے مارا کیوں؟''

''امیر المومنین!'' عجیب نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ''ایک بار آپ مجھے اجازت دے چکے ہیں کہ اگر کوئی لڑکی مجھے پسند آئے تو اُسے اپنی خواب گاہ کی زینت بنا لوں۔''

''ہاں۔'' بے شک ہم نے تجھے اجازت دی تھی، تو سلطنتِ عباسیہ کی کوئی معمولی ہستی نہیں ہے، تو خلیفۂ وقت کا محبوب ہے عجیب! ہم سلطنت کی ہر لڑکی کو تیرے لیے جائز سمجھتے ہیں۔''

''میں اسی کو اُٹھا کر سامرا لا رہا تھا کہ......''

معتصم نے چونک کر بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ''کہاں سے لا رہا تھا؟''

عجیب نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ ''بغداد سے۔''

''بے وقوف!'' معتصم تھوڑا سا جھنجھلا گیا۔ ''ہم نے ہدایت کی تھی کہ تو اور

Marfat.com

تیرے ساتھی اب بغداد کا رخ نہیں کریں گے۔''

''وہ لڑکی مجھے اس وقت پسند آ گئی تھی جب ہم لوگ بغداد سے سامرا نہیں آئے تھے۔'' عجیب نے جواب دیا۔''اس وقت لڑکی نے مجھے للکارا تھا کہ میں اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ بات میرے دل کو لگی ہوئی تھی۔ آج میں اس لڑکی کو بغداد سے اُٹھا لایا تھا لیکن وہ راستے ہی میں مجھ سے چھین لی گئی اور اس بدبخت نے مجھے اس بری طرح مارا بھی۔''

''وہ بغداد ہی کا کوئی شخص تھا؟''

''جی ہاں امیر المومنین! میں اُسے پہچانتا ہوں۔ وہ حسن تھا، افشین حیدر کا بیٹا۔''

''افشین حیدر کا بیٹا؟'' معتصم چونکا بھی اور اُس کے اشتعال میں بھی اضافہ ہوا۔ ''لیکن افشین نے تو ہمیں بتایا تھا کہ اُس نے اپنے بیٹے کو کسی کام سے بخارا بھیجا ہوا ہے!''

''میں یہ سب کچھ تو نہیں جانتا امیر المومنین! لیکن جس نے مجھے مارا ہے، وہ حسن ہی تھا۔''

معتصم نہایت غصے کے عالم میں کھڑا ہوا۔ اُس نے اسی وقت اپنے وزیر ابن عبدالملک کو طلب کیا اور اُس سے کہا۔

''دیکھ رہے ہو عجیب کی حالت؟''

ابن عبدالملک نے عجیب پر ایک نظر ڈالنے کے بعد پوچھا۔''یہ کیسے ہوا امیر المومنین؟''

''اسے افشین حیدر کے بیٹے نے مارا ہے۔''

''حسن نے؟'' ابن عبدالملک چونکا۔''لیکن وہ تو بخارا گیا ہوا تھا!''

''ہمیں بھی افشین نے یہی بتایا تھا لیکن عجیب ہم سے غلط بیانی نہیں کر سکتا۔''

''لیکن اگر وہ حسن بھی تھا تو اُس نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟''

معتصم اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔''بغداد کے لوگوں کی نفرت میں اب بھی کمی نہیں آئی ہے۔ تم فوراً یہاں کی خاص سپاہ کو بغداد بھیجو۔ حسن کو فوراً گرفتار کر کے یہاں لایا جائے۔ افشین حیدر کو بھی پیغام بھیجو کہ وہ فوراً ہماری خدمت میں حاضر ہو۔''

''بہت بہتر۔''

Marfat.com

ابن عبدالملک کے انداز سے ظاہر ہوا کہ وہ فوراً رخصت ہو جانا چاہتا تھا لیکن معتصم نے اُسے روکا۔ ''ذرا ٹھہرو!'' پھر اُس نے عجیب سے پوچھا۔ ''اس لڑکی کا نام کیا ہے؟ اور وہ رہتی کہاں ہے؟''

عجیب نے اس محلے کا نام بتایا جہاں افشاں اور اس کی بیٹی زریں رہتی تھیں پھر کہا۔ ''لڑکی کا نام زریں ہے، وہ ایک مجوسی ہے۔ وہ اس حویلی میں صرف اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے۔''

''مجوسی!'' معتصم چونکا۔ ''ابھی کچھ ہی عرصے پہلے فضل بن مروان نے افشیں حیدر پر ایک مجوسی عورت سے تعلقات کا الزام لگایا تھا لیکن ثابت نہیں کر سکا تھا۔'' وہ سوالیہ نظروں سے عجیب کی طرف دیکھنے لگا۔

عجیب خاموش رہا۔ فضل بن مروان نے اُسے یہ بات بتائی تھی لیکن وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ اس کا ذکر امیر المومنین کے سامنے نہیں کرے گا۔ عجیب خاموش رہا تو معتصم نے سوال کیا۔ ''تو اس بارے میں کچھ جانتا ہے؟'' عجیب نے نفی میں جواب دیا۔

''خیر!'' معتصم نے پھر ابن عبدالملک کی طرف توجہ دی۔ ''حسن کے علاوہ ان دونوں ماں بیٹی کو بھی گرفتار کر کے لایا جائے!''

''بہت بہتر امیر المومنین!'' ابن عبدالملک نے ادب سے کہا۔ ''افشیں حیدر تو سامرا ہی میں ہوگا۔ اسے میں ابھی پیغام بھجواؤں گا تو وہ فوراً حاضر ہو جائے گا۔ رہی ان گرفتاریوں کی بات تو صبح تک اِن تینوں کو آپ کے حضور پہنچا دیا جائے گا۔''

''بس اب تم جا سکتے ہو!'' معتصم نے ابن عبدالملک سے کہا اور پھر عجیب کے بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب تم دیکھنا کہ حسن کا کیا حشر ہوگا۔ ہم اس کی پروا نہیں کریں گے کہ وہ افشیں حیدر کا بیٹا ہے اور وہ لڑکی! وہ اب تمھاری کنیز بن کر رہے گی۔ اس کی ماں کے بارے میں ابھی ہم نے کچھ نہیں سوچا۔''

ابن عبدالملک نے کمرے سے نکلتے نکلتے خلیفہ کے یہ جملے سنے۔ اُس کے چہرے سے فکرمندی ظاہر ہونے لگی تھی۔ وہ افشیں حیدر کا احسان مند تھا۔ اس کی وجہ سے اُسے وزارت کی کرسی ملی تھی۔ اُسے علم تھا کہ افشیں حیدر نے فضل بن مروان کو ذلیل

Marfat.com

کرنے کے لیے کیا تدبیر کی تھی۔

افشین حیدر کو پیغام بھجوانے کے لیے ابن عبدالملک نے ایک ایسے آدمی کا انتخاب کیا جس پر وہ مکمل بھروسا کرسکتا تھا۔

''افشین حیدر کو یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ اُسے کیوں طلب کیا گیا ہے۔'' اس نے اپنے اس آدمی سے کہا۔

''میں سمجھ گیا، آپ کیا چاہتے ہیں۔''

لیکن ابن عبدالملک نے افشین حیدر کو جن حالات سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا، ان حالات کا خاصا حصّہ افشین حیدر کو پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کیوں کہ ذرا دیر پہلے رفیقی اور اس کا بیٹا حسن وہاں پہنچ چکے تھے۔ حسن نے اپنے باپ کو صرف اتنی بات بتائی تھی کہ اُس نے ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لیے عجیب کو مارا تھا۔ یہ بات اُس نے چھپائی تھی کہ وہ اسی لڑکی سے محبت کرتا تھا۔

''میں اُسے اس کی حویلی کے سامنے چھوڑ کر سیدھا آپ کے پاس آ گیا ہوں۔'' حسن نے سب کچھ بتانے کے بعد اپنے باپ سے کہا تھا۔ ''میں اپنے محل اس لیے نہیں گیا کہ امیر المومنین اُسے طلب کیے بغیر نہیں رہ سکتے جس نے اُن کے ترک غلام کو اس بری طرح پیٹا ہو۔''

حسن نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس نے جس لڑکی کی عزت بچائی تھی، وہ کون تھی؟ لیکن اُس کا علم افشین کو رفیقی سے ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی اُس کی اپنی بیٹی زریں تھی۔

''شاباش بیٹے!'' افشین حیدر نے حسن کو اپنے سینے سے لگالیا۔ ''تم نے اس طرح اُس لڑکی ہی کی نہیں، اپنی اور میری عزت بھی بچائی ہے لیکن......''

'جی!'' حسن چونکا۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''شاید اب وہ وقت قریب آ رہا ہے جب تم بہت کچھ جان لوگے لیکن جو کچھ ہوا ہے، اس کے نتیجے میں جو مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں، مجھے اُن کے بارے میں بھی سوچنا ہے۔ اُس لڑکی کی ماں نے ایک خاص شخص کو میرے پاس بھیج کر مجھے اطلاع کروائی تھی کہ زریں کو اس طرح اغوا کر لیا گیا ہے۔''

Marfat.com

حسن پھر چونکا۔

''ہاں۔'' افشیں حیدر نے سر ہلا کر کہا۔ میں اس لڑکی کے نام سے واقف ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اُس کی ماں کا نام افشاں ہے۔ افشاں نے اپنے ایک معتمد شخص کو میرے پاس بھیجا تھا۔''

حسن کا دماغ بری طرح چکرا گیا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اُس کا باپ زریں اور اُس کی ماں افشاں کو کیسے جانتا ہے!

اسی وقت ایک خادم نے آ کر افشیں کو اطلاع دی کہ وزیرِ سلطنت ابن عبدالملک کا کوئی آدمی اس کے لیے کوئی خاص پیغام لے کر آیا ہے۔

افشیں حیدر نے طویل سانس لیا۔ ''غالباً مشکلات کا وقت سر پر آ چکا ہے۔'' اُس نے حسن سے کہا۔ ''یقیناً ابن عبدالملک نے مجھے اسی بارے میں کوئی اطلاع بھجوائی ہوگی۔ وہ میرے بہی خواہوں میں سے ہے۔ میں اس سے مل کر آتا ہوں۔ چلو میں تمھیں رفیقی سے ملا دوں۔ میری واپسی تک اس سے باتیں کرو۔''

رفیقی کے نام نے حسن کو پھر چونکا دیا۔

افشیں حیدر اُسے برابر کے کمرے میں لے گیا۔ حسن نے رفیقی کو پہچان لیا۔ وہ اُسے افشیں کی دکان پر دیکھتا رہا تھا اور زریں بھی اُسے رفیقی کے بارے میں بتاتی رہی تھی۔

''آپ کو مبارک ہو رفیقی!'' افشیں حیدر نے اُس سے کہا۔ ''ہماری عزت محفوظ ہے۔ زریں اپنے گھر پہنچ چکی ہے۔ یہ میرا بیٹا حسن ہے۔ اُس نے سامرا اور بغداد کے درمیانی راستے میں اس ترک غلام کو پکڑ لیا تھا۔ اس سے زریں کو چھڑا کر اس نطفۂ ناتحقیق کی اچھی طرح مرمت بھی کر دی ہے۔ اگرچہ اس کے نتیجے میں بہت کچھ ایسا ہو سکتا ہے جو ہمارے لیے خوش گوار نہ ہو لیکن وہ اس سے بدتر بہر حال نہیں ہوگا کہ افشاں اب اپنی بیٹی کے ساتھ خودکشی پر مجبور نہیں ہوگی۔ آپ میرے بیٹے سے باتیں کیجیے! میں ذرا ایک قاصد سے مل لوں جو قصرِ خلافت سے میرے لیے کوئی خاص اطلاع لے کر آیا ہے۔''

افشیں کو بہت عجلت تھی۔ اُس نے مزید کچھ کہا، نہ سنا اور ان دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔

''آپ بہت بہادر ہیں افشیں حیدر کے بیٹے!'' رفیقی بولا۔ ''آپ نا ازہ بھی

Marfat.com

نہیں لگا سکتے کہ آپ نے کتنا بڑا کام کیا ہے!''

حسن اپنے باپ کی ایک بات سے شدید اُلجھن کا شکار پہلے ہی ہو چکا تھا۔ رفیقی نے اس الجھن میں اور اضافہ کر دیا۔ افشیں حیدر نے اُس سے کہا تھا ''تم نے اس طرح اس لڑکی ہی کی نہیں، اپنی اور میری عزت بھی بچائی ہے۔'' اور اب رفیقی نے کہا تھا۔ ''آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ آپ نے کتنا بڑا کام کیا ہے۔''

حسن کو دونوں کی کہی ہوئی باتوں میں ایک نوع کی ''قربت'' محسوس ہوئی تھی۔ دونوں باتوں کا پس منظر ایک ہی معلوم ہو رہا تھا۔ اس احساس کو تقویت اس سے مل رہی تھی کہ اُس کے باپ کو زریں کے اغوا کی اطلاع دینے کے لیے رفیقی آیا تھا جو افشاں کا بہت قریبی تھا۔ یہ بات بھی حسن کو یقینی نظر آ رہی تھی کہ وہ خود نہیں آیا ہوگا، اُسے افشاں نے بھیجا ہوگا۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ افشیں حیدر اور افشاں ایک دوسرے کو نہ صرف یہ کہ جانتے تھے بلکہ اُن کی واقفیت محض واقفیت نہیں تھی۔ ان میں کوئی ایسا گہرا تعلق تھا کہ افشاں نے اپنی پریشانی کے عالم میں افشیں حیدر سے ہی رابطہ کیا تھا۔

رفیقی کی آمد ظاہر کرتی تھی کہ وہ افشاں اور افشیں حیدر کے اس تعلق سے بہ خوبی واقف تھا۔

حسن کے دماغ میں ایک ایسا خیال آیا کہ وہ سر سے پیر تک کانپ گیا۔ ''نہیں!'' اُس نے فوراً ہی خود کو باور کرانے کی کوشش کی کہ اُس کے دماغ میں آنے والا خیال غلط تھا۔

ان الجھنوں میں پڑا ہوا اُس کا ذہن ان باتوں کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکا جو اس دوران رفیقی کہتا رہا تھا۔ کچھ الفاظ یا کچھ فقرے اُس کے دماغ میں رہ بھی گئے تو وہ اتنے غیر مربوط تھے کہ حسن اُن کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔

افشیں حیدر جلد ہی واپس لوٹ آیا۔ اُس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔

''رفیقی!'' وہ فوراً بولا۔ ''آپ فوراً بغداد روانہ ہو جائیں، پھر وہاں سے بھی افشاں اور زریں کو لے کر بلاتاخیر آذربائیجان روانہ ہو جائیں۔ ان دونوں کے لیے اس

Marfat.com

وقت آذربائیجان ہی جائے پناہ بن سکتا ہے۔ منگور سے کہیے گا کہ اُن دونوں کو میں نے ہی اُس کے پاس بھیجا ہے۔ بلکہ۔'' وہ ذرا سا رک کر بولا۔ ''میں اُس کے نام ایک مختصر خط لکھ دیتا ہوں۔''

''آخر ہوا کیا ہے؟'' رفیقی سے پوچھا۔ ''آپ بہت پریشان نظر آرہے ہیں۔''

افشیں حیدر فوراً ہی خط لکھنے بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اُس نے رفیقی کو جواب بھی دیا اور مختصراً ساری بات بتانے کے بعد مختصر خط رفیقی کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

''خوش قسمتی سے امیر المومنین نے یہ احکام ابن عبدالملک کے ذریعے دیے ہیں جو ایک معاملے میں میرا احسان مند ہے۔ وہ افشاں اور زریں کی گرفتاری کے لیے سپاہ ذرا تاخیر سے بھیجے گا۔ آپ کو اتنا موقع مل جائے گا کہ آپ زریں اور افشاں کو آذربائیجان پہنچادیں۔ آپ انھیں پہنچا کر فوراً واپس آجایئے گا کیوں کہ دکان تو آپ ہی کو دیکھنا ہوگی۔''

رفیقی جانے کے فوراً کھڑا ہو گیا۔

''ذرا ٹھہرو!، یکا یک افشیں حیدر نے اُسے روکا اور کچھ سوچتا ہوا حسن کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ میری وجہ سے بھی پریشان ہیں؟'' حسن نے پوچھا۔

''ہاں۔'' افشیں حیدر نے کہا۔ ''ابھی بتا چکا ہوں نا! حکم تو تمھاری گرفتاری کا بھی جاری کیا گیا ہے۔ میں امیر المومنین سے کہوں گا کہ عجیب کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے کیوں کہ تم تو ابھی بخارا سے واپس ہی نہیں آئے۔ اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ تم بھی بغداد اور سامرا سے دور ہو جاؤ۔ ابھی مجھے خیال آیا تھا کہ تم بھی رفیقی اور افشاں وغیرہ کے ساتھ آذربائیجان چلے جاؤ لیکن اب تم سے بات کرتے ہوئے میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ جانا تو تمھیں بھی آذربائیجان ہی ہوگا لیکن تم ان لوگوں ے ساتھ نہ جاؤ۔'' پھر اُس نے رفیقی سے کہا۔ ''آپ تو روانہ ہوں۔''

رفیقی چلا گیا۔

افشیں حیدر پھر خط لکھنے بیٹھ گیا۔

''کیا یہ خط آپ میرے لیے لکھ رہے ہیں؟'' حسن نے پوچھا۔

Marfat.com

''ہاں۔''

''لیکن جب مجھے بھی آذر بائیجان جانا ہے تو خط کی کیا ضرورت ہے۔ منگجور تو مجھے جانتے ہیں۔''

افشیں حیدر نے ایک طویل سانس لی۔ ''ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میرا دماغ اس وقت اتنا اُلجھا ہوا ہے کہ مجھے اُس کا خیال ہی نہیں رہا۔ ٹھیک ہے۔ تم بھی فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔ منگجور سے تم خود ہی کہہ دینا کہ وہاں تمھاری موجودگی راز میں رکھی جائے۔ میں اب چلتا ہوں۔ دیکھتا ہوں قصر خلافت میں کیا صورتِ حال پیش آتی ہے۔''

''میں آپ سے اتنا دور رہوں گا تو مجھے پریشانی رہے گی۔''

''میری وجہ سے؟''

''جی۔''

''نہیں۔'' افشیں حیدر نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''میں اپنے معاملات کو دیکھنا اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں یہاں کسی خطرے میں نہیں پڑوں گا۔''

اس کے بعد افشیں حیدر فوراً قصر خلافت روانہ ہو گیا۔

قصر خلافت میں معتصم باللہ بے چینی سے اُس کا منتظر تھا۔ اُس نے افشیں حیدر کو دیکھتے ہی فوراً کہا۔ جانتے ہو، تمھارے بیٹے نے کیا حرکت کی ہے؟''

افشیں حیدر نے چہرے سے حیرت کا اظہار کیا۔ ''اس نے کیا کر دیا امیر المومنین؟ وہ تو بخارا گیا ہوا ہے!''

''وہ تم سے ابھی نہیں ملا ہو گا لیکن وہ واپس آچکا ہے۔ اُس نے عجیب کو بہت بری طرح مارا ہے۔ خود عجیب نے ہمیں بتایا ہے۔ تمھارا بیٹا تم سے ملنے سامرا نہیں آتا اس لیے وہ بغداد ہی میں ہو گا۔ تم نے اپنا وہاں کا محل اُسے دے دیا ہے۔ ہم نے اُس کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ تم اس پر کوئی احتجاج نہیں کرو گے کیوں کہ غلطی تمھارے بیٹے کی ہے۔''

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے ادب سے کہا۔ ''اگر وہ واپس آچکا ہے تو بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اُس نے عجیب کو مارا ہو گا۔ اُسے عجیب سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے!''

Marfat.com

''رقابت۔''معتصم باللہ نے تلخی سے کہا۔''وہ ایک مجوسی لڑکی ہے جو اس جھگڑے کا سبب بنی ہے۔ یہ بڑی دل چسپ بات ہے کہ تم پر بھی ایک مجوسی عورت سے تعلقات کا الزام لگا تھا جو ثابت نہیں کیا جا سکا لیکن تمھارے بیٹے کے بارے میں یہ بات ثابت ہے۔ عجیب ہم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بہرحال ہم نے اس لڑکی اور اُس لڑکی کی ماں کی گرفتاری کا حکم بھی جاری کر دیا ہے۔ وہ لڑکی اب اس محل میں عجیب کی لونڈی بن کر رہے گی۔''

اگرچہ افشین حیدر نے زرّیں کی حفاظت کا بندوبست کر دیا تھا لیکن معتصم باللہ کی بات سن کر اُس کے خون میں چنگاریاں چٹخنے لگیں۔ معتصم باللہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

''اگر اس لڑکی کی ماں بھی خوب صورت ہوئی تو وہ ہم اپنے کسی امیر کو عطا کر دیں گے اور اگر معمولی شکل صورت کی ہوئی تو اُسے محل کی خادماؤں میں شامل کر لیا جائے گا۔''

افشین حیدر کا خون اور گرم ہو گیا۔ اپنی بیوی اور بیٹی کے لیے اس قسم کے الفاظ سننا اُس کے لیے آسان نہیں تھا، تاہم اُس نے چہرے سے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔

''حسن کیوں کہ تمھارا بیٹا ہے اس لیے ہم اُسے کچھ رعایت ضرور دیں گے۔ اُسے کوئی سخت سزا دینے کا خیال ہمیں نہیں آیا ہے۔ اُسے بس عجیب سے معافی مانگنا ہوگی۔''

افشین حیدر کو اطمینان تھا کہ حسن کو اب گرفتار نہیں کیا جا سکے گا لہٰذا اُس نے کہا۔

''اگر واقعی وہ بخارا سے واپس آ گیا ہے اور اُس نے یہ غلطی کی ہے تو اُسے آپ کے حکم کی تعمیل کرنا ہی ہوگی، عجیب سے معافی مانگنا ہی ہوگی۔''

معتصم باللہ اب خاموشی سے ٹہلنے لگا۔ اُس نے عجیب سے تو یہی کہا تھا کہ وہ حسن کو کڑی سزا دے گا لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اُس نے اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا تھا۔

☆☆☆

جب زریں کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوئی تھی تو افشاں نے پریشان ہو کر رفیق کو اُس کی تلاش میں بھیجا تھا اور جب اُسے رفیق ہی کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ زریں کو غالباً عجیب اُٹھا لے گیا تھا، تو وہ کچھ لمحوں کے لیے بالکل شل ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر جب کچھ اوسان بحال ہوئے تھے تو اُس نے رفیق کو سامرا کی طرف دوڑا دیا

Marfat.com

تھا۔ وہ اس صورتِ حال سے افشیں حیدر کے علاوہ اور کسے خبر کرتی!

لیکن رفیقی کی واپسی سے پہلے زریں گھر آ گئی جو حواس باختہ سی تھی۔ اُسے دیکھ کر افشاں کی جان میں جان تو آ گئی تھی لیکن زریں کی حواس باختگی نے اُسے ہیجان میں بھی مبتلا کر دیا تھا کہ اُس کی بیٹی نہ جانے کن حالات سے گزر کر واپس آئی تھی۔ اُسے سکون اس وقت ملا جب زریں نے اُسے ساری کہانی سنائی لیکن حسن کا نام نہیں لیا، صرف یہ بتایا کہ اُسے ایک شریف نوجوان نے عجیب سے نجات دلائی تھی اور اُسے حویلی تک پہنچا کر واپس چلا گیا تھا۔

اس پر افشاں نے خفگی ظاہر کی تھی کہ زریں نے اپنے محسن نوجوان کو روکا کیوں نہیں!

''میں خود اُس کا شکریہ ادا کرتی۔'' افشاں نے کہا تھا۔

زریں کے دل میں ایک چور تھا۔ وہ حسن کو اپنی ماں کے سامنے نہیں لانا چاہتی تھی۔ اُس نے بہانہ بنا دیا کہ اوسان خطا ہونے کے باعث اُسے اپنے محسن نوجوان کو روکنے کا خیال نہیں آیا تھا۔

''میں رفیقی کو تمھاری تلاش میں سامرا بھیج چکی ہوں۔'' افشاں نے اُسے بتایا تھا۔

''وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔''

''میں نے اُسے ایک اہم شخصیت کے پاس بھیجا ہے۔'' افشاں کا جواب تھا۔ ''اس شخصیت کے ذریعے خلیفہ تک رسائی حاصل کی جا سکتی تھی۔ خیر! چلو اب کھانا کھا لو۔ تمھاری وجہ سے میری بھوک بھی اُڑ گئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم محفوظ رہیں۔''

کھانے کے دوران میں اور اُس کے بعد بھی ماں بیٹی میں عجیب ہی کے بارے میں گفت گو ہوتی رہی۔ عجیب کا نام لیتے وقت افشاں غصے سے دانت پیسنے لگتی تھی۔ افشاں کی آنکھوں سے اب نیند اڑی ہوئی تھی کیوں کہ اُسے رفیقی کی واپسی کا انتظار تھا۔ ماں کی وجہ سے زریں بھی جاگتی رہی۔ وہ خود بھی یہ جاننے کی خواہش مند تھی کہ رفیقی سامرا سے واپس آ کر کیا بتائے گا۔

صبح ہونے والی تھی جب رفیقی واپس لوٹا۔ افشاں کو حیرت ہوئی کہ وہ زریں کو وہاں موجود پا کر ذرا بھی نہیں چونکا تھا، البتہ اُس کے چہرے کے تاثرات بڑے گمبھیر

Marfat.com

تھے۔ اُس نے شفقت سے زریں کے سر پر ہاتھ پھیرا، اُس کے بعد اشارے سے افشاں کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"وقت کم ہے۔ ہمیں یہاں سے جلد از اجلد نکلنا ہے۔" رفیقی نے چھوٹتے ہی کہا۔ "سامرا میں جو کچھ ہوا، میں تمھیں مختصراً بتائے دے دیتا ہوں۔"

رفیقی نے اختصار سے تو کام لیا تھا لیکن ساری بات افشاں کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "گویا بہن کی عزت بھائی نے بچائی!"

اُس کے بعد فوری طور پر روانگی کی تیاری کے سلسلے میں بڑی عجلت سے کام لیا گیا۔

آخر زریں پوچھ بیٹھی۔ "یہ کہاں کی تیاری ہے مادر؟"

"ہمیں جلد از جلد بغداد چھوڑ دینا ہے۔ خلیفہ نے ہماری گرفتاری کا حکم دے دیا ہے۔ کسی وقت بھی سپاہی یہاں پہنچ سکتے ہیں۔"

"ہم نے آخر ایسا کیا جرم......" زریں نے بے چینی سے پوچھنا چاہا۔

"اس وقت بحث نہیں۔" افشاں نے اُس کی بات کاٹی۔ "راستے میں بتاؤں گی۔"

"اچھا ہم جائیں گے کہاں؟" زریں ایک اور سوال کر بیٹھی۔

"آذر بائیجان۔"

زریں کے دماغ میں کئی سوال چکرا رہے تھے لیکن ماں کا مزاج دیکھ کر وہ کوئی اور سوال زبان پر نہیں لائی۔ بہت کم وقت میں ان تینوں نے حویلی چھوڑ دی۔ زریں نے رفیقی کو اپنی ماں سے کہتے سنا کہ آج دکان نہیں کھل سکے گی۔

افشاں نے جواب میں کیا کہا، وہ زریں نہیں سن سکی۔

جلد ہی وہ بغداد سے روانہ ہو گئے۔ وہ کچھ ہی دور چلے تھے کہ انھیں ایک قافلہ مل گیا۔ وہ بصرہ سے آ رہا تھا اور اُس کی منزل آذر بائیجان ہی تھی۔

"یہ بڑا اچھا موقع مل رہا ہے۔" رفیقی نے اتنی دھیمی آواز میں افشاں سے کہا کہ زریں نہ سن سکے۔ "تم اس قافلے میں شامل ہو جاؤ۔ میں یہاں سے واپس جا کر دکان کھلواتا ہوں۔ میرے غائب ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ نہ صرف دکان بلکہ حویلی بھی بہ حق سرکار ضبط کر لی جائے گی۔"

Marfat.com

''بات تو تم نے ٹھیک سوچی ہے۔'' افشاں نے متفکر لہجے میں کہا۔ ''لیکن اب بھی تم واپس جاؤ گے تو دکان کھلنے میں تاخیر تو ہو چکی ہوگی! ممکن ہے کہ حویلی میں ہمارے نہ ملنے کے باعث سپاہی دکان پر پہنچ چکے ہوں یا پہنچنے والے ہوں۔''

''میں اُن سے کہہ سکتا ہوں کہ تم دونوں کے غائب ہو جانے کی وجہ سے میں پریشان ہو کر تمھاری تلاش میں نکل گیا تھا۔ پھر جب تم دونوں نہیں ملیں تو میں نے سوچا کہ پہلے دکان کھلوا دوں، پھر صاحب الشرطہ کے دفتر میں جا کر تم دونوں کی گم شدگی کے بارے میں اطلاع درج کرواؤں۔''

افشاں کی فکر مندی میں کمی نہیں آئی۔ اس نے کہا ''گویا مجھے اور زریں کو یہ سفر تمھارے بغیر کرنا ہوگا!''

''یہ ضروری نہیں ہے۔ وہاں کے معاملات سے نمٹنے کے بعد میں اس بہانے سے دکان بند کر دوں گا کہ جب تک مالکہ نہ مل جائیں، دکان بند رکھی جائے گی۔ اس کے بعد میں موقع ملتے ہی قافلے سے آملوں گا۔ قافلہ مسلسل تو سفر کرے گا نہیں، راہ میں قیام کرتا ہوا جائے گا۔ میں گھوڑے پر تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا اور کسی جگہ رکے بغیر قافلے سے آملوں گا۔ اس وقت تک قافلہ آذربائیجان نہیں پہنچا ہوگا۔''

''تم وہاں کسی مشکل میں نہ پھنس جاؤ!'' افشاں نے تشویش ظاہر کی۔

''مجھے خود پر اعتماد ہے۔ میں معاملات سنبھال لوں گا''

افشاں نے بادلِ نخواستہ اُسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ زریں کے ساتھ قافلے میں شامل ہوگئی۔

رفیق کے واپس جانے سے زریں پریشان ہوگئی تھی۔ اُس نے افشاں پر استفسارات کی بھر مار کر دی۔ اُسے وہ بہت پُر اسرار اور معنی خیز لگا تھا کہ افشاں اور رفیق بہت دھیمی آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔

افشاں نے اُسے وہ باتیں بتا دیں جو رفیق سے ہوئی تھیں۔ زریں سے وہ باتیں چھپانا قطعی غیر ضروری تھا۔ دھیمی آواز میں باتیں صرف اس لیے کی گئی تھیں کہ زریں پر رفیق کا بے تکلفانہ اندازِ گفت گو عیاں نہ ہو۔ اُس کے سامنے تو افشاں سے بات کرتے

Marfat.com

ہوئے رفیق کا اندازِ گفت گو مود بانہ رہتا تھا۔

''امید ہے کہ سب ٹھیک رہے گا۔'' افشاں نے زریں کی تسلی کے لیے کہا لیکن خود متفکر ہی رہی۔ اُسے ڈر تھا کہ رفیق کسی گمبھیر صورتِ حال سے دوچار نہ ہو جائے!

دوسری طرف رفیق بھی دکان کی طرف جاتے ہوئے ذہنی انتشار میں مبتلا تھا۔ اس نے افشاں سے جس انداز میں باتیں کی تھیں، وہ اسی کو مطمئن کرنے کے لیے کی تھیں، وہ خود اُلجھا ہی رہا تھا کہ معاملہ نہ جانے کہاں تک جائے!

جب وہ دکان پہنچا تو سپاہی وہاں پہنچ چکے تھے اور دکان کے باہر کھڑے ہوئے ملازمین سے پوچھ گچھ جاری تھی۔ پوچھ گچھ خود کوتوال کر رہا تھا۔ رفیق وہاں پہنچا تو سوالات کی وہ بوچھاڑ اس پر ہوگئی۔ جواب میں رفیق نے وہی سب کچھ کہا جو اُس نے سوچ لیا تھا اور افشاں کو بھی بتا چکا تھا۔

''تم ہمارے ساتھ چلو'' کوتوال نے درشت لہجے میں کہا۔ ''تم سے مزید پوچھ گچھ کی جائے گی جس کے لیے یہ بازار کوئی مناسب جگہ نہیں ہے۔''

''چلیے جناب، میں تیار ہوں۔'' رفیق نے کہا۔ ''لیکن کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں دکان کھلوا دوں؟''

''اس میں دیر لگے گی۔''

''نہیں جناب! بالکل دیر نہیں لگے گی۔ میں چابیاں ایک ملازم کو دے کر آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''

رفیق اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ایک ادھیڑ عمر ملازم کی طرف بڑھ گیا اور اُسے چابیاں دیتا ہوا بولا۔ ''تم دکان کھلواؤ۔'' پھر اُس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ''اگر میں نہ آسکوں تو بھی دکان وقت پر کھلواتے رہنا۔'' اس نے دکان بند رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

دکان کے اس ملازم پر رفیق کو ذاتی طور پر بہت اعتماد تھا لیکن وہ صرف افشاں کی وجہ سے دکان کی ذمے داری کسی کو نہیں دیتا تھا۔

کوتوال نے اُسے اپنے دفتر میں لے جا کر اس پر پھر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ سوالات بڑے آڑے ترچھے انداز میں کیے۔ رفیق بھی نہایت محتاط انداز میں جواب دیتا

Marfat.com

رہا۔ اس کی زبان پر آئے ہوئے کسی لفظ سے یہ ظاہر نہیں ہوسکا کہ اُس نے افشاں اور زریں کے معاملے میں جو کچھ کہا تھا، وہ اس کی غلط بیانی تھی۔

''آخر کوتوال کا انداز دھیما پڑ گیا۔ اس نے باور کرلیا تھا کہ رفیق نے غلط بیانی نہیں کی تھی۔

رفیق اُسے دھیما پڑتے دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔ ''میری سمجھ میں اب تک یہ نہیں آیا جناب کہ آپ کو مالکہ کی تلاش کیوں ہے؟''

کوتوال نے جواب دیا۔ ''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اُن کی گرفتاری کا حکم قصرِ خلافت سے آیا ہے۔''

اس جواب پر رفیق نے حیرت کا اظہار کیا۔

کوتوال نے پوچھا۔ ''اب تم کیا کرو گے؟''

''جناب!'' رفیق نے کہا۔ ''اب اس کی ضرورت تو باقی نہیں رہی کہ میں ان کی گم شدگی کی اطلاع درج کراؤں۔ میں اس کے علاوہ کیا کرسکتا ہوں کہ اُن کی واپسی اور اُن کی واپسی کے نتیجے میں جو حالات سامنے آئیں، ان کا انتظار کروں، یا پھر طبرستان جا کر اُن کی حویلی اور دکان اُن کے کسی عزیز کے حوالے کردوں۔''

اس جواب سے رفیق نے اپنی عدم موجودگی کا جواز پیش کردیا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد آذربائیجان جانے والے قافلے سے جا ملے۔

''شاید وہ طبرستان چلی گئی ہوں۔'' رفیق نے کہا۔

''طبرستان؟'' کوتوال نے غور سے رفیق کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں۔'' رفیق نے کہا۔ ''وہ وہیں کی رہنے والی ہیں۔ اُن کی شادی وہیں کسی سے ہوئی تھی۔ میں بس اتنا ہی جانتا ہوں۔ کوئی اپنی مالکہ سے اُس کے بارے میں زیادہ پوچھ گچھ تو نہیں کرسکتا نا جناب!''

''اس عورت کا شوہر......'' کوتوال کا جملہ یا سوال ادھورا رہ گیا۔

وہاں موجود ایک سپاہی نے کوتوال سے کہا تھا۔ ''آج صبح ایک قافلہ بغداد سے طبرستان کی طرف روانہ ہوا ہے۔ کہیں وہ ماں بیٹی اسی قافلے میں نہ ہوں!''

Marfat.com

''یہ بالکل ممکن ہے۔'' کوتوال جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ ''ہمیں بہت تیزی سے اس قافلے کے پیچھے جانا چاہیے۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے جناب!'' رفیق نے پوچھا۔

''تم جا سکتے ہو۔'' کوتوال کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

رفیق نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کی گلوخلاصی آسانی سے ہو گئی تھی۔ دوسری اطمینان بخش بات اُس کے لیے یہ تھی کہ سپاہی کو آذربائیجان جانے والے قافلے کا علم نہیں تھا یا اُس کے لیے اہمیت طبرستان جانے والے قافلے کی تھی کیوں کہ رفیق کی زبان پر طبرستان کا نام آیا تھا۔

☆☆☆

آذربائیجان میں افشیں حیدر کا نائب منگجور کیوں کہ اشروسنہ ہی کا رہنے والا تھا اس لیے وہاں کے لوگ اُسے منگجور الاشروسنی کہتے تھے۔

افشاں اور زرین جب اُس کے پاس پہنچی تھیں تو رفیق بھی اُن کے ساتھ تھا۔

وہ ان دونوں سے اس وقت آملا تھا جب اُن کا قافلہ قزوین سے گزر رہا تھا۔

منگجور نے افشیں حیدر کا خط پڑھنے کے بعد اُن کے قیام کا بندوبست محل ہی میں کر دیا۔

زریں بہت اداس تھی کیونکہ حسن سے رابطے کی کوئی صورت اُسے نظر نہیں آ رہی تھی۔

دوسرے دن رفیق اور افشاں کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا تو رفیق نے کہا۔ ''زریں اس بات سے بے خبر ہے کہ جس نوجوان نے اُسے عجیب سے بچایا، وہ افشیں حیدر کا بیٹا حسن تھا؟''

''ہاں۔'' افشاں نے جواب دیا۔ ''وہ نہیں جانتی۔''

رفیق نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ ''افشیں حیدر یہ بات آخر کب تک چھپائیں گے؟''

''یہ ذکر تم کئی مرتبہ کر چکے ہو اور میں تمھیں جواب دے چکی ہوں کہ جب تک میں مسلمان نہیں ہو جاتی یا کوئی اور بہتر صورتِ حال نہیں نکلتی۔''

Marfat.com

''بہتر صورت نکلنے کا مجھے کوئی امکان نظر نہیں آتا۔'' رفیق نے کہا۔ ''عرب اُمرا میں ایرانیوں کے خلاف جذبات کبھی سرد نہیں پڑیں گے۔''

''اندازہ ہے مجھے!'' افشاں اداس نظر آنے لگی۔ ''میں اُن کی مجبوری سمجھتی ہوں۔ اسی لیے میں نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ اُن سے الگ رہتے ہوئے گزار دیا لیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائی۔''

''محبت میں یہ تو ہوتا ہے۔'' رفیق بھی اداس نظر آیا۔ ''میں نے بھی تو......'' اُس نے جان بوجھ کر اپنی بات پوری نہیں کی اور اُٹھ کر چلا گیا۔

دوسرے دن منگجور نے بھی افشاں سے تنہائی میں ملاقات کی۔

''آپ حسن کو جانتی ہیں؟'' اُس نے پوچھا۔

''افشیں حیدر کے بیٹے کو؟''

''جی۔''

''میں اُس کا صرف نام جانتی ہوں۔ اُسے دیکھا کبھی نہیں اور اگر کبھی کہیں دیکھا ہوگا تو جانتی نہیں ہوں گی کہ وہ حسن بن افشیں ہے۔'' افشاں نے وضاحت سے جواب دیا، پھر بولی۔ ''جن حالات کی وجہ سے افشیں حیدر نے ہمیں یہاں بھیجا ہے، انھی حالات کی وجہ سے وہ حسن کو بھی یہیں بھیجنا چاہتے تھے۔''

''وہ آپ سے ایک دن پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔'' منگجور نے بتایا۔ ''میں تو انھیں بھی اپنے محل میں ٹھہراتا لیکن وہ چاہتے تھے کہ اُن کا قیام کہیں اور ہو۔ اُن کی خواہش کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ تاہم میں نے اُن کے قیام کا بندوبست کہیں اور کیا ہے۔ میں اس وقت آپ سے یہ کہنے کے لیے آیا تھا کہ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

افشاں سوچ میں پڑ گئی، پھر اُس نے پوچھا۔ ''وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟''

''یہ انھوں نے مجھے نہیں بتایا۔ اُن کے قیام کا بندوبست تو میں نے قریب ہی کیا ہے۔ وہ شمالی شاہ راہ کی سرخ حویلی میں قیام پذیر ہیں لیکن انھوں نے اس خواہش کا اظہار نہیں کیا کہ وہ آپ کو وہاں بلانا چاہتے ہیں۔ میں نے اُن کے لب و لہجے سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ آپ کا بہت احترام کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ خود آپ کی خدمت میں حاضر

Marfat.com

ہوں گے۔ اُن کی خواہش صرف یہ ہے کہ ملاقات بہت رازداری سے ہو۔ آپ کی بیٹی اور آپ کے ساتھ جو صاحب ہیں، انھیں بھی اس ملاقات کا علم نہ ہو۔"

یہ گفت گو محل کے چمن میں ہو رہی تھی اور وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ اُن کے قریب ہی پھولوں کے ایک کنج میں بیٹھی ہوئی زریں اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

یہ جان کر اُس کا دل خوشی سے اُچھل پڑا کہ حسن بھی وہیں موجود تھا اور وہ حویلی بھی قریب ہی تھی جہاں اُس کا قیام تھا۔ زریں کے دماغ میں فوراً یہ بات آئی کہ وہ چہل قدمی کے بہانے محل سے نکل کر سرخ حویلی تک آسانی سے پہنچ جائے گی۔ منگجور نے افشاں سے کہا تھا کہ وہ حویلی قریب ہی تھی۔

زریں کے لیے خوشی کی ایک بات یہ بھی تھی کہ حسن خود اُس کی ماں سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ زریں کی دانست میں اس ملاقات کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ حسن اُس سے اپنی شادی کی بات اپنے باپ سے پہلے اُس کی ماں سے کرنا چاہتا ہو یا باپ سے کر چکا ہو اور باپ نے اُس سے کہا ہو کہ وہ اس معاملے میں اُس کی ماں کا عندیہ لے لے۔

زریں نے افشاں اور منگجور کی باقی باتیں بھی سنیں اور اُسے معلوم ہو گیا کہ آدھی رات کے وقت حسن وہاں آئے گا اور منگجور اُسے بہت خاموشی سے افشاں کی خواب گاہ کے دروازے تک پہنچا دے گا۔

زریں نے سوچا کہ وہ اپنی ماں کی خواب گاہ کے کمرے سے کان لگا کر اُن دونوں کی باتیں سن سکتی ہے۔

افشاں اور منگجور آخر تک اپنے قریب زریں کی موجودگی سے بے خبر رہے۔

افشاں اس گفت گو کے بعد چمن سے محل میں آ گئی۔ اُس کا ذہن بہت بری طرح اُلجھ گیا تھا۔ رہ رہ کر اُسے ایک ہی خیال آتا رہا۔ کیا افشین حیدر نے اُس کے بارے میں اپنے بیٹے کو سب کچھ بتا دیا ہے؟

رات تک وہ اُدھیڑ بن میں مبتلا رہی۔

آدھی رات کے وقت اُس کی خواب گاہ کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ وہ اُس کی منتظر تھی اور کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ اُس نے فوراً دروازہ کھولا۔

Marfat.com

اس کے سامنے منگجور کے ساتھ کھڑے ہوئے خوب رُو نوجوان کی عمر کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ افشاں کے اندازے کے مطابق وہ زریں سے بہ مشکل تین سال بڑا ہو سکتا تھا۔

''یہ حسن ہیں۔'' منگجور نے افشاں سے کہا۔

افشاں نے سنجیدگی سے بہ آہستگی سر ہلایا۔ حسن نے اُسے شائستگی سے سلام کیا۔ افشاں نے اُس کا جواب بھی سر ہلا کر دیا۔

''میں اب اجازت چاہتا ہوں۔'' منگجور بولا۔

افشاں نے اشارے ہی سے حسن کو کمرے میں بلا کر دروازہ بند کر لیا۔ منگجور اس سے پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا۔

''بیٹھو!'' افشاں نے حسن کو اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ حسن بیٹھ گیا لیکن وہ کچھ کہتے ہوئے تذبذب کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

''کہو!'' افشاں نے کچھ توقف سے کہا۔ ''تم مجھ سے کیوں...... میرا مطلب ہے، تمھارے یہاں آنے کا سبب؟''

''میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔'' حسن نے نظریں جھکا لیں۔

''پوچھو!''

''میں بہت اُمید لے کر آیا ہوں۔''

''کس بات کی اُمید؟''

''کہ آپ میرے سوال کا سچ سچ جواب دیں گی، یا شاید میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے جواب ضرور دیں گی۔''

''ایسا کیا سوال ہے کہ تم نے اتنی تمہید باندھ دی!''

''سوال واقعی ایسا ہے کہ اسے زبان پر لانے میں مجھے دقّت ہو رہی ہے۔''

''تو پھر تم اس وقت میرے پاس آتے جب دقّت ختم ہو جاتی۔''

''دراصل میں جاننا چاہتا ہوں کہ......'' وہ چپ ہو گیا نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔ افشاں مستفسرانہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

حسن ہچکچاتا ہوا بولا۔ ''میں آپ کے...... میرا مطلب ہے...... میں زریں کے

Marfat.com

والد کا نام جاننا چاہتا ہوں۔''

افشاں نے ایک طویل سانس لی۔ وہ کچھ سمجھ گئی تھی کہ حسن کو افشیں حیدر نے کچھ نہیں بتایا تھا، حسن خود ہی کسی وجہ سے یہ بات جاننا چاہتا تھا۔

وہ بولی۔ ''میری بیٹی نے تمھیں اپنا نام اس وقت بتایا ہوگا جب تم نے اُسے عجیب سے بچایا تھا۔''

حسن خاموش رہا۔

''یہی بات ہو سکتی ہے۔'' افشاں بولی۔ ''مگر تمھیں اس کے باپ کے نام سے کیا دل چسپی ہو گئی ہے؟''

''کسی وجہ سے میرے لیے یہ جاننا ضروری ہو گیا ہے۔''

''اور میں کسی وجہ سے یہ بتا نہیں سکتی۔'' افشاں ایک لخت کھڑی ہو گئی۔ ''اب تم جا سکتے ہو۔''

''دیکھیے!'' حسن بھی کھڑا ہو گیا۔ ''یہ بہت ضروری ہے۔ اگر میں نے یہ سمجھ لیا کہ میرا شبہ غلط تھا تو قیامت آ جائے گی۔''

افشاں نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ ''قیامت؟ کیوں؟ کیا مطلب؟''

''وضاحت کرنا میرے لیے بہت مشکل ہوگا۔''

''تو پھر میں تمھارے سوال کا جواب دینے کے بارے میں غور بھی نہیں کرنا چاہتی۔'' افشاں نے سرد مہری سے کہا۔ ''اور یہ دہراتے ہوئے مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے کہ اب تم جا سکتے ہو۔''

حسن کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ ہیجانی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ اُس کے دل میں جو بات آئی تھی، وہ ہر قیمت پر اُس کی تصدیق یا تردید چاہتا تھا اور کیونکہ اُسے تصدیق کا امکان زیادہ نظر آ رہا تھا اس لیے وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھا۔

حسن خاموش کھڑا رہا تو افشاں اُکتا گئی، تاہم اُلجھن کا شکار وہ بھی ہو گئی تھی۔ حسن آخر کیوں ایک ایسی بات جاننے پر مصر ہو گیا تھا جو نہ تو وہ کسی کو بتانا چاہتی تھی، نہ افشیں حیدر بتانا چاہتا تھا۔ پے چیدگی یہ بھی تھی کہ حسن کچھ بولے تاکہ اُس کی اُلجھن رفع

Marfat.com

ہو۔ اُسے حسن کے تاثرات سے یہ اندازہ بھی ہوگیا تھا کہ اُسے اپنے سوال کا جواب حاصل کرنے کی شدید خواہش تھی۔

افشاں کو حسن کی زبان کھلوانے کی ایک تدبیر سوجھی۔ اُس نے بائیں جانب کے اندرونی دراز ے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کچھ ضروری کام کرنا ہے۔ جب تم جانا چاہو، تو دروازہ کھول کر چلے جانا۔''

حسن بے چین ہوگیا۔

افشاں دروازے کی طرف قدم بڑھاتی رہی۔ ہر قدم پر اُس کی بے چینی بھی بڑھ رہی تھی کہ حسن کچھ بولے۔ وہ دروازے تک پہنچ گئی۔

''اچھا تو سن لیجیے!'' حسن کی آواز میں لرزش تھی۔

افشاں نے خود کو بے پروا ظاہر کرنے کے لیے صرف سر گھما کر اُس کی طرف دیکھا۔

حسن اب اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھا، تاہم جب وہ بولا تو اُس کی آواز دھیمی ہی تھی۔ ''زریں نے ابھی آپ کو کچھ نہیں بتایا ہے لہٰذا اب میں ہی ہمت کر رہا ہوں۔ میں اور زریں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

افشاں کو اس وقت ایسا لگا جیسے اُسے کسی زہریلے کیڑے نے ڈنک مارا ہو۔ وہ بہت تیزی سے مڑ کر حسن کے قریب پہنچ گئی۔

''کیا؟ کیا کہا تم نے؟ کیا میں نے کچھ غلط سن لیا ہے؟'' اس کی آواز میں ہیجان تھا۔

''آپ نے ٹھیک ہی سنا ہوگا۔'' حسن کی نظریں پھر جھک گئیں۔ ''میں اور زریں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔''

افشاں اُس کا منہ تکنے لگی۔ اُس کی سانسیں بہت تیزی سے چلنے لگی تھیں۔

حسن سر جھکائے کھڑا تھا۔

ان دونوں میں جو گفت گو ہوئی، اُسے سننے میں زریں کام یاب نہیں ہوسکی تھی۔ اُسے حسن کی آمد کا علم تو ہوگیا تھا لیکن وہ اپنی ماں کے کمرے کے دروازے تک تو کیا، اس کمرے کے قریب بھی نہیں جاسکی تھی۔ اس کمرے تک جانے کے لیے محل میں دو

Marfat.com

راستے تھے لیکن دونوں جگہ منگجور نے پہرا لگوادیا تھا۔ کسی کو بھی افشاں کے کمرے تک جانے کی اجازت نہیں تھی۔

''یہ پہرا آپ کی والدہ ہی کے کہنے سے لگایا گیا ہے۔'' پہرے داروں نے زریں کو بتایا تھا۔ ''خود اُن کی ہدایت ہے کہ اس وقت اُن کے کمرے کی طرف کوئی نہ آئے، خواہ وہ اُن کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔''

اس جواب کے بعد زریں کے لیے اُس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر لیٹ رہے اور انتظار کرے۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ بعد میں اُسے اپنی ماں سے اس ملاقات کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔

لیکن جو کچھ ہوا، وہ اس کی توقع کے یکسر خلاف تھی۔

افشاں جب اُس کے کمرے میں آئی تو بہت غصے میں تھی۔ وہ آتے ہی زریں پر برس پڑی۔ ''تم افشیں حیدر کے بیٹے سے ملتی رہی ہو لیکن تم نے مجھے کبھی نہیں بتایا!''

زریں نے نظریں جھکالیں۔ ''ہمت نہیں ہو رہی تھی مادر، لیکن مجھے معلوم ہے کہ حسن آپ سے ملنے آیا تھا۔ اس نے ضرور آپ کو بتادیا ہوگا۔''

''اور میں اُسے ڈانٹ کر رخصت کر چکی ہوں کہ وہ آئندہ کبھی تم سے نہ ملے۔ میں نے اُسے جتادیا ہے کہ وہ ہوگا کسی بڑے باپ کا بیٹا لیکن میں بھی کوئی ایسی کم حیثیت نہیں ہوں کہ وہ میری بیٹی کے بارے میں کچھ سوچے۔''

''یہ تو آپ نے اچھا نہیں کیا مادر!'' زریں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔''

''بکواس مت کرو!'' افشاں گرجی۔ ''وہ ایک مسلمان ہے اور تم مجوسی ہو۔''

''میں اُس کی خاطر مسلمان ہو جاؤں گی۔''

جواب میں افشاں کے دائیں ہاتھ کا تھپڑ زریں کے گال پر پڑا اور وہ سکتے کی سی حالت میں رہ گئی۔ ساری زندگی میں افشان نے اُسے کبھی پھول بھی نہیں مارا تھا۔ اُس کے دماغ میں ایسا سناٹا چھا گیا جہاں صرف اس احساس کی گونج تھی کہ آج اُس کی ماں نے اُسے مارا تھا۔ گال پر جو چوٹ لگی تھی، اُس کا احساس اُسے شعوری طور پر بالکل نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

''اب تم کبھی اس سے نہیں ملو گی۔'' افشاں کی آواز سے ایسا لگا جیسے کہیں دور، بہت دور سے آ رہی ہو۔

جب زریں کے حواس بحال ہوئے تو اُس نے جانا کہ وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔ افشاں وہاں سے جا چکی تھی۔

''ناممکن۔'' وہ بڑے مستحکم انداز میں بڑبڑائی۔ ''میں اس سے ملنے ضرور جاؤں گی، اور ہم دونوں شادی بھی کریں گے۔''

زریں نے یہ بات فراموش نہیں کی تھی کہ حسن شمالی شاہ راہ کی سرخ حویلی میں مقیم تھا۔

اس وقت افشاں اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس احساس سے وہ بہت دکھی تھی کہ اُس نے زریں کے منہ پر تماچا مارا تھا۔

زریں نے آئندہ دو دن بڑے کرب میں گزرے۔ وہ حسن سے ملنے کے لیے بے چین تھی لیکن چہل قدمی کے بہانے محل سے نکلنے میں عجلت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

سامرا میں افشیں حیدر کو یہ اطمینان بخش اطلاع تو مل گئی تھی کہ افشاں، زریں اور حسن آذربائیجان پہنچ گئے تھے لیکن دوسرے معاملات نے اُسے خاصا الجھا رکھا تھا۔ اسے برابر اطلاعات مل رہی تھیں کہ عرب اُمرا اس کے خلاف بڑی منظم مہم شروع کر چکے تھے اور خلیفہ معتصم باللہ کو اُس کے خلاف زبردست طریقے سے ورغلایا جا رہا تھا۔ افشیں حیدر کو افسوس اس بات کا تھا کہ خلیفہ اب ان باتوں پر کچھ کچھ یقین بھی کرنے لگا تھا۔

یہ افشیں حیدر کے لیے افسوس کی بات اس لیے تھی کہ اُس نے خلافتِ عباسیہ کے لیے بیش بہا خدمات سرانجام دی تھیں۔ اُس کا سب سے بڑا کارنامہ تو خرمی فتنے کی سرکوبی تھی جس نے اُسے عوام الناس میں مقبول کر دیا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ معتصم باللہ عرب اُمرا کے ورغلانے کے باوجود اُس کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے سے گریزاں رہا تھا۔

حسن کے بارے میں جو اس نے نرم رویے کا اظہار کیا تھا، تو اُس کی ایک وجہ سلطنت کے حالات بھی تھے۔ اس کے بھتیجے شہزادہ عباس نے کچھ لوگوں کے ورغلانے پر

Marfat.com

معتصم کے خلاف بغاوت کردی تھی۔افشین حیدر کے علم میں تھا کہ اُسے بغاوت پر اُکسانے والا عجیف غبسہ تھا مگر کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اُس نے یہ بات خلیفہ کو بتانا فضول سمجھا تھا۔ بہر حال وہ بغاوت فرو کی جا چکی تھی۔شہزادہ عباس کو قید خانے میں ڈلوایا گیا تھا۔

افشین حیدر کے دماغ میں مسلسل یہ سوال چکراتا رہا کہ ان حالات میں اسے کیا کرنا چاہیے۔وہ اس بات پر بھی شدید مشتعل تھا کہ ترک غلام عجیب نے اُس کی بیٹی کی عزت پر حملہ کرنا چاہا تھا لیکن خلیفہ نے عجیب کی طرف داری کی تھی اور حسن کی گرفتاری کا حکم جاری کردیا تھا۔

افشین حیدر نے اپنے بیٹے کے علاوہ اپنی بیوی اور بیٹی کو بھی گرفتار ہونے سے بچالیا تھا لیکن اُس کی بے قراری ختم نہیں ہوسکی تھی۔وہ مستقبل میں خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگا تھا۔ایسی صورت میں اس کا یہ سوچنا ایک فطری بات تھی کہ وہ اپنا مستقبل کس طرح محفوظ رکھے۔اسی لیے وہ سلطنت کے سیاسی حالات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔اُس کی نظریں خصوصاً طبرستان اور خراسان کے حالات پر تھیں۔خراسان کے حاکم عبداللہ بن طاہر اور طبرستان کے حاکم مازیار میں بہت پہلے سے ٹھنی ہوئی تھی۔

عبداللہ بن طاہر افشین حیدر کا بھی دشمن تھا۔اُس نے ایک مرتبہ خلیفہ سے افشین کی شکایت بھی کی تھی لیکن معتصم باللہ نے بہ وجوہ درگزر سے کام لیا تھا۔اس وقت سے افشین کے دل میں عبداللہ بن طاہر کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا تھا اور ویسے بھی اُسے یہ بات پسند نہیں تھی کہ ایران کے کسی حصے پر طاہریوں کی حکومت ہو۔

افشین حیدر کو یہ اطلاعات بھی مل رہی تھیں کہ مازیار ان دنوں خود کو ہر اعتبار سے مضبوط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔اپنی عسکری طاقت بڑھانے کے لیے اُس نے لگان کی وصولی میں بھی بہت سختی کردی تھی۔اس معاملے میں اُس کے عامل دہقانوں پر بہت زیادہ سختیاں کررہے تھے۔خود مازیار نے بھی ایک جابر وظالم حکمراں کا روپ دھار لیا تھا۔ ان باتوں سے افشین حیدر کے ان خیالات کو تقویت مل رہی تھی کہ مازیار خلافتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا اور اُس کا پہلا وار شاید عبداللہ بن طاہر پر ہی ہوتا۔

Marfat.com

افشین حیدر کے لیے مازیار کی یہ تیاریاں خوش آئند تھیں کہ وہ بغاوت کر کے پہلا وار عبداللہ بن طاہر پر کرنا چاہتا تھا۔

افشین حیدر نے خفیہ طور پر مازیار کو ایک خط بھیجا اور اُسے اشاروں کنایوں میں لکھا کہ وہ اپنے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے جو کچھ کر رہا ہے، اُس میں محتاط عجلت سے کام لے۔

سلطنت میں اور خصوصاً سامرا میں افشین حیدر نے اپنے خاصے مخبر پھیلا رکھے تھے جن سے اُسے کبھی کبھی غیر معمولی اطلاعات بھی مل جاتی تھیں۔ ایسی ہی ایک اطلاع اُسے عین وقت پر ملی کہ فضل بن مروان، خلیفہ معتصم سے ملنے قصرِ خلافت پہنچ چکا تھا۔ ملاقات اس درجہ رازداری سے کی گئی کہ افشین حیدر کے کسی مخبر کو ان باتوں کا علم نہیں ہو سکا۔

فضل بن مران اس وقت معتصم باللہ سے کہہ رہا تھا۔ ''امیر المومنین میں پہلے بھی آپ کا نمک خوار تھا اور آج بھی آپ کا ہی خواہ ہوں۔ مجھے آپ سے ہرگز شکایت نہیں کہ آپ نے مجھے معزول کر دیا۔ میں اب بھی سلطنت کی بھلائی ہی چاہتا ہوں۔ میں افشین حیدر کے بارے میں آپ سے جو کچھ عرض کر چکا ہوں، اُس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکا تھا لیکن اب میں آپ کو جو اطلاع دینے آیا ہوں، اُس کی روشنی میں اگر آپ نے مناسب قدم نہ اُٹھایا تو معاملہ بڑی حد تک صاف ہو جائے گا۔

خلیفہ نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر تم تمہید ختم کر چکے ہو تو اصل بات کی طرف آ جاؤ۔''

''میں اب وہی کروں گا امیر المومنین!'' فضل بن مروان نے کہا۔ ''عجیب کو جو لڑکی پسند آئی تھی، اُسی کی ماں سے افشین حیدر کے تعلقات ہیں۔''

خلیفہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا، پھر بولا۔ ''کیا اس کا کوئی ثبوت ہے تمھارے پاس؟''

''کیا عجیب نے آپ کو نہیں بتایا کہ اُسے جو لڑکی پسند آئی تی، وہ مجوسی ہے؟''

''تم اُس کی ماں کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہو۔''

Marfat.com

''جی ہاں، کرخ کے صرافہ بازار میں اُس کی جواہرات کی دکان ہے جسے اُس کا ایک معتمد ملازم رفیقی چلاتا ہے۔ آپ عجیب سے اُس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی گرفتار نہیں ہوسکیں اور اُس کے بعد رفیقی بھی غائب ہوگیا۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں چلا گیا لیکن مجھے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ افشیں حیدر نے اُن دونوں ماں بیٹی کو آذربائیجان بھیج دیا ہے جہاں کی ولایت آپ نے افشیں کو عطا کی تھی اور افشیں نے وہاں اپنے عزیز منکجور الاشروسنی کو اپنا نائب مقرر کردیا ہے۔ ان ماں بیٹی کا آذربائیجان جانے کا مطلب ہے کہ افشیں نے ان دونوں کو منکجور ہی کے پاس بھیجا ہوگا۔''

خلیفہ نے تیزی سے پوچھا۔ ''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ دونوں آذربائیجان ہی گئی ہیں؟''

وہ ایک قافلے میں تھیں جو آذربائیجان جارہا تھا۔ اس قافلے میں ایک شخص ایسا بھی تھا جسے راہ میں پڑنے والے ایک چھوٹے سے قصبے میں کوئی کام تھا۔ وہ کام کر کے وہ بغداد واپس آچکا ہے۔ وہ کسی کو بتارہا تھا کہ وہ مجوسی عورت افشاں اور اُس کی بیٹی زریں بھی اس قافلے میں شامل تھیں اور آذربائیجان ہی جارہی تھیں۔''

خلیفہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اُس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اُس شخص نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ دونوں آذربائیجان ہی گئی ہوں گی؟''

''میر کارواں کو افشاں نے یہی بتایا تھا۔''

''یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ اب میرے کسی مناسب اقدام سے سارا معاملہ صاف ہوجائے گا۔''

''آپ ان دونوں ماں بیٹی کی گرفتاری کا حکم افشیں حیدر ہی کو دیجیے اور پھر دیکھیے کہ وہ اس معاملے میں کیا کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح اُس نے یہاں سے ان دونوں کو وہاں بھیجا ہے، اسی طرح اب بھی انھیں بچانے کی کوشش کرے گا۔''

''وہ شخص کہاں ہے جس نے ان ماں بیٹی کو اس قافلے میں دیکھا تھا؟''

''اُسے کسی وقت بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا جاسکتا ہے، آپ حکم دیجیے!''

معتصم نے محسوس کیا کہ فضل بن مروان بہت پُر اعتماد تھا۔

Marfat.com

''اب تم جا سکتے ہو۔'' معتصم نے کہا۔

''اُس آدمی کو اب کب پیش کروں؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

فضل بن مروان کو رخصت کرنے کے بعد معتصم کچھ سوچتا ہو ٹہلنے لگا۔ اُسے چند دن قبل اطلاع ملی تھی کہ خرمی فتنے کے بعد افشیں حیدر نے منگجور کو وہاں اپنا نائب مقرر کر دیا تھا تو منگجور کو کسی خفیہ مقام سے بابک خرمی کا ایک خزانہ ہاتھ لگا تھا۔ منگجور کا فرض تھا کہ خزانہ بیت المال میں جمع کرا دیتا لیکن وہ اُسے خود ہی ہضم کر گیا تھا۔ اُس کے عزائم بھی کچھ کم خطرناک تھے لیکن معتصم نے شہزادہ عباس کی بغاوت کے معاملے سے نمٹنے کے باعث منگجور کا معاملہ التوا میں ڈال دیا تھا لیکن اب اُس کے خلاف اقدام کرنے کا ایک اور جواز بھی بن چکا تھا۔ کچھ سوچنے کے بعد اُس نے فوری طور پر افشیں حیدر کو طلب کر لیا۔

''تم سے تمھارے نائب منگجور کے بارے میں بات کرنا ہے افشیں حیدر!''

''فرمایئے امیر المومنین!''

معتصم نے اُسے خزانے کی بات بتائی اور کہا۔ ''منگجور نے اپنے کسی معتمد سے کہا تھا کہ اگر کبھی اس خزانے کے بارے میں خلافت کو کچھ معلوم ہو گیا تو بھی وہ خزانہ واپس نہیں کرے گا اور ضرورت پڑی تو وہ بغاوت کر دے گا۔''

افشیں حیدر نے غصے کا اظہار کیا۔ ''اگر اُس نے یہ حرکت کی ہے تو میں جا کر اُس سے بات کرتا ہوں۔ وہ میرا نائب ہے۔ اُسے خزانہ تو دینا ہی پڑے گا۔''

''بات کرنے کی ضرورت نہیں۔'' معتصم نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اس پر لشکر کشی کی ضرورت ہے۔ اُس کی سرکوبی ضروری ہے کیونکہ اُس نے ایک جرم اور بھی کیا ہے۔ اُس نے ان دونوں ماں بیٹی کو پناہ دی ہے جن کی گرفتاری کا ہم نے حکم صادر کیا تھا۔''

اس وقت خلیفہ بڑی تیز نظروں سے افشیں حیدر کی طرف دیکھ رہا تھا، لیکن افشیں حیدر نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات نہیں آنے دیے جو خلیفہ کے شبہے کو تقویت پہنچاتے۔ اُس کے برخلاف اُس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ان دونوں کو اُس نے کیوں پناہ دی؟''

Marfat.com

''یہ تو وہی بتا سکتا ہے یا پھر وہ شخص جس نے ان دونوں کو وہاں بھیجا ہو!'' معتصم نے کہا۔ ''بہرحال! ہم چاہتے ہیں کہ وہ ماں بیٹی بھی گرفتار کر کے لائی جائیں اور منگجور کو بھی ہمارے حضور پابہ جولاں لایا جائے۔''

''آپ نے کچھ معاملات میرے سپرد کر رکھے ہیں میں فوری طور پر سامرا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تم اپنے کسی اچھے سالار کو لشکر کے ساتھ آذربائیجان روانہ کر دو۔''

''جی ہاں، یہ تو کیا جا سکتا ہے۔''

''بس تو پھر یہ اقدام فوری طور پر کرو۔'' معتصم نے کہا۔ ''اب تک تمھارا بیٹا بھی غائب ہے!''

''اسے بخارا سے واپس آنے میں ابھی کچھ دن اور لگیں گے۔''

''ممکن ہے کہ اُس نے منگجور کے پاس پناہ لی ہو!''

''امیر المومنین!'' افشیں حیدر نے کہا۔ ''میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس معاملے میں عجیب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حسن ابھی بخارا سے نہیں لوٹا ہے۔''

معتصم نے اُسے مزید کوئی گفت گو کیے بغیر رخصت کر دیا۔

قصرِ خلافت سے واپسی پر افشیں حیدر کی فکر مندی بڑھ چکی تھی۔ اُس نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ اب خلیفہ کے دل میں اس کی کوئی جگہ نہیں رہی ہے اور وہ اُسے کسی مجبوری کے تحت کسی ''مناسب وقت'' تک ڈھیل دیے رکھنا چاہتا ہے۔

ایک دن بعد ہی افشیں حیدر نے ایک لشکر آذربائیجان روانہ کر دیا۔ اس لشکر کا سالار اُس نے اپنے ایک بہی خواہ کو مقرر کیا تھا۔

''تمھیں اپنا ہاتھ ہلکا رکھنا ہوگا۔'' افشیں حیدر نے اُس سے کہا تھا۔ ''زیادہ خوں ریزی کے بغیر پسپائی اختیار کر لینا۔ واپسی پر تم کہہ سکتے ہو کہ منگجور نے اپنی طاقت بہت بڑھا لی ہے۔ اُس کی سرکوبی کے لیے ایک بڑا لشکر روانہ کیا جانا چاہیے۔''

اس لشکر کی روانگی سے پہلے افشیں حیدر نے ایک قاصد بھی آذربائیجان روانہ کر دیا تھا۔ قاصد کے ذریعے اُس نے تین خط بھجوائے تھے۔ منگجور کو اُس نے ساری

Marfat.com

صورت حال سمجھا دی تھی۔ اگرچہ خزانے کے معاملے میں اُسے بھی منگجور پر غصہ آیا تھا مگر اُس نے خط میں اپنی خفگی ظاہر نہیں کی تھی۔ مصلحت کا تقاضا ہی یہ تھا کیونکہ اس وقت اُس کے بیوی بچے آذر بائیجان ہی میں تھا۔

افشاں کو خط لکھتے ہوئے بھی اس نے ساری صورت حال لکھ دی تھی اور اس پر واضح کیا تھا کہ اس لشکر کی ''ناکامی'' کے بعد خلیفہ معتصم باللہ یقیناً کوئی بڑا لشکر جرار بھیجے گا۔

''اور اس صورت میں۔'' افشیں حیدر نے لکھا تھا۔ ''تمھارے لیے بہتر یہی ہوگا کہ جب منگجور کی شکست کے آثار نظر آنے لگیں تو تم لوگ فوری طور پر آذر بائیجان سے نکل جانا اور طبرستان کا رخ کرنا۔ یہ درست ہے کہ مازیار تم سے اب بھی خوش نہیں لیکن بہر حال تمھارا بھائی ہے۔ وہ ان حالات میں تمھیں ہرگز نہیں دھتکارے گا۔ تم لوگوں کی بچت کا اب وہی ایک راستہ ہے۔'' پھر افشیں نے جذباتی ہو کر لکھا تھا۔ ''جان سے عزیز افشاں! اگر تم مسلمان ہوگئی ہوتیں تو شاید میں کسی طرح حالات کو سنبھال لیتا لیکن خیر!...... میں اس خط میں تمھیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس وقت بری طرح پھنس گیا ہوں ورنہ خود کسی طرح تم تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔ امیر المومنین نے مجھے کچھ ایسے کام سونپ دیے ہیں کہ سامرا سے نکلنا میرے لیے بہت مشکل ہوگیا ہے۔ وہ کام کچھ دن میں ختم ہو جائیں گے لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ امیر المومنین مجھے پھر کسی مسئلے میں پھنسا دیں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ میرے خلاف کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے سے پہلے مجھے سامرا میں روکے رکھنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اُن کا فیصلہ کن اقدام کیا ہوگا تاہم میں مسلسل سوچ رہا ہوں کہ میں یہاں سے کس طرح بچ کر نکل سکتا ہوں۔ سلطنتِ عباسیہ میں اب مجھے اپنا مستقبل کچھ تاریک ہی نظر آرہا ہے۔ اسی لیے میں مازیار سے بھی خط و کتابت جاری رکھے ہوئے ہوں۔ مجھے بڑی حد تک یقین ہے کہ وہ بغاوت پر کمر بستہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ سلطنتِ عباسیہ سے تصادم شاید اُسے راس نہ آسکے لیکن اس ہنگامی صورتِ حال میں مجھے یہاں سے بچ نکلنے کا موقع مل سکتا ہے۔ تمھاری محبت کی طاقت میرے ساتھ ہے اس لیے مجھے اُمید ہے ہم ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ میں کسی نہ کسی طرح تم سے آہی ملوں گا۔ میری ان باتوں سے تم جذباتی یا افسردہ ہونے کے

Marfat.com

بجائے اپنے اہوار امزدا سے دعا کرنا کہ ہم جلد ایک دوسرے کو اپنے سامنے پائیں......
آخر میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔ اگر تمھیں طبرستان جانا پڑ ہی جائے تو زریں کو بتا دینا کہ اُس کا باپ کون ہے۔ اس طرح تمھیں حسن کو اپنے ساتھ رکھنے کا جواز مل جائے گا۔ اگرچہ طبرستان میں تمھارا بھائی مازیار موجود ہے لیکن وہ اپنے معاملات میں بہت زیادہ الجھا رہے گا جب کہ عورتوں کو ایک مرد کے سہارے کی ضرورت رہتی ہے۔
حسن اگرچہ ابھی زیادہ عمر کا نہیں تاہم مرد ہے۔ اُس کی موجودگی میں تمھیں اور زریں کو بے آسرا پن محسوس نہیں ہوگا۔ تمھیں یہ خط لکھنے کے بعد میں حسن کو بھی خط لکھوں گا۔
اُسے میں خود ہی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا لیکن اس تاکید کے ساتھ کہ وہ یہ راز اپنے سینے میں اس وقت تک دفن رکھے جب تک تم اس سے بات نہ کرو۔ خط خاصا طویل ہو گیا ہے۔ اب مجھے اجازت دو۔ امید رکھو کہ ہم جلد ہی ملیں گے۔ تمھارا، افشیں حیدر۔"

تیسرا خط حسن کے نام تھا جس میں افشیں حیدر نے وہی سب کچھ لکھا جو افشاں کو تحریر کر چکا تھا۔

پھر دن پر دن گزرتے رہے۔ افشیں حیدر کو جو کام سونپے گئے تھے، وہ اُس نے جلد از جلد مکمل کر لیے لیکن ہوا وہی جس کا اُسے ڈر تھا۔ اُسے کچھ اور معاملات میں پھنسا دیا گیا تاکہ وہ سامرا سے نہ نکل سکے۔

جو لشکر آذربائیجان بھیجا گیا تھا، وہ ناکام واپس آ گیا۔ افشیں حیدر کے لیے وہ کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی اور یہ بھی اُس کے لیے متوقع ہی تھا کہ معتصم نے جو دوسرا لشکر آذربائیجان روانہ کیا، اُس کے بارے میں افشیں حیدر سے کوئی بات ہی نہیں کی۔
اُس نے افشیں حیدر کو یہ بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا کہ اُس کا بھیجا ہوا لشکر "شکست" کھا کر آذربائیجان سے واپس آ گیا تھا۔

ان باتوں نے افشیں حیدر کو یقین دلایا کہ اب معتصم کسی وقت بھی اُس کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکتا ہے۔

اس دوران افشیں حیدر نے سامرا سے فرار ہونے کے کئی منصوبے سوچے تھے لیکن ہر منصوبے میں اُسے کئی رکاوٹیں نظر آئی تھیں۔ اب افشیں حیدر نے اپنی کوششیں

Marfat.com

بہت تیز کر دیں لیکن کچھ دن گزر جانے کے باوجود وہ اپنے کسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کام یاب نہیں ہو سکا۔ ایک رات جب وہ سو رہا تھا، اُسے ایک غلام نے جگایا اور وحشت ناک اطلاع دی کہ خلیفہ کے ایک خاص دستے نے محل کو گھیر لیا ہے۔

افشیں حیدر تیزی سے حرکت میں آیا۔ اس محاصرے کا مطلب یہی تھا کہ اُس کی گرفتاری کا حکم جاری کیا جا چکا تھا۔

افشیں حیدر نے فیصلہ کیا کہ اب اُس کی زندگی بچے یا نہ بچے، وہ فرار ہونے کی کوشش ضرور کرے گا۔

☆☆☆

زریں اس سارے دورانیے میں بہت اُداس رہی تھی۔ حسن سے ملنے کے لیے جانا اس کے لیے ممکن نہیں ہوا تھا۔ افشاں نے منگجور سے کہہ کر ایسے انتظامات کروا دیے تھے کہ زریں محل سے باہر قدم نہ رکھ سکے۔ پھر افشیں حیدر کا خط ملنے کے بعد افشاں بھی اُداس رہنے لگی تھی۔ اُس کی اداسی کی وجہ زریں کی سمجھ میں نہیں آ سکی۔ افشاں نے اُسے افشیں حیدر کے خط کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

کچھ دن بعد زریں کو معلوم ہوا تھا کہ منگجور الاشروسنی عباسی لشکر سے جنگ کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کیونکہ اس لشکر نے آذربائیجان پر یلغار کی تھی۔ منگجور نے بانگِ دہل خلافت عباسیہ سے بغاوت کا اعلان کر دیا تھا۔

”ہم نے فتح حاصل کر لی ہے۔“ ایک دن منگجور نے افشاں کو بتایا تھا۔

افشاں نے سرسری انداز میں اُسے مبارک باد دی۔ افشیں حیدر کے خط سے اُس کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ لشکر جان بوجھ کر شکست کھائے گا اور واپس چلا جائے گا جس کے بعد خلافت کی طرف سے آذربائیجان پر جو یلغار ہو گی، وہ بہت خوف ناک ہو گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ وہ لشکر، جرار خلافتِ عباسیہ کے ایک نام ور سالار بغاالکبیر کی سرکردگی میں بھیجا گیا تھا۔

جنگ جاری رہی۔ منگجور کو اس کی صورتِ حال کے بارے میں خبریں ملتی رہیں۔ ایک دن افشاں نے اُس کا چہرہ بہت اترا ہوا دیکھا۔

Marfat.com

''ہماری شکست یقینی ہوگئی ہے۔'' افشاں کے استفسار پر منگجور نے کہا۔ ''اب بہتر یہ ہی ہوگا کہ میں اپنے خزانے کے ساتھ بازنطینی سلطنت کی طرف فرار ہو جاؤں۔ آپ یہاں سے طبرستان کا رخ کرسکتی ہیں۔ امیر نے اپنے خط میں مجھے یہی لکھا تھا۔''

افشین حیدر کو منگجور ''امیر'' ہی کہا کرتا تھا۔

افشاں نے پوچھا۔ ''ہمیں یہاں سے کب نکل جانا چاہیے؟''

''میں آج ہی رات یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ آپ بھی آج ہی نکل جائیں۔ میں آپ لوگوں کو روانہ کرنے کے بعد ہی یہاں سے نکلوں گا۔''

غم واندوہ سے دوچار افشاں پریشان ہوگئی۔ اب پھر ایک لمبا سفر درپیش تھا۔ اس مرتبہ اُن کا راستہ بھی دشوار گزار ہوتا۔ طبرستان کے نشیب وفراز سے افشاں خوب واقف تھی۔ ان کی راہ میں جنگلات بھی آتے اور پہاڑی سلسلے بھی! ہاں اگر کشتی کے ذریعے بحیرۂ جرجان عبور کرلیا جاتا تو اُن کے سفر کی مشکلات کم ہوتیں لیکن منگجور نے بتایا کہ اس طرف عباسی لشکر سے بڑے گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے اس لیے ان لوگوں کو مشرق کی طرف سے نکلنا ہوگا۔

گویا پہاڑی راستوں سے گزرنا لازمی تھا۔ افشاں جانتی تھی کہ طبرستان کوہِ البرز کے شمال میں تھا۔

اس سفر کے بارے میں افشاں نے رفیقی سے بھی گفت گو کی۔ زریں کے کان میں کچھ باتیں پڑیں تو اس نے ابھی جان لیا کہ اب کیا مہم درپیش تھی لیکن اُس نے رفیقی اور افشاں کی باتوں میں کوئی دل چسپی نہیں لی، وہ ان سے بہت الگ تھلگ رہنے لگی تھی۔ اس کا علم رفیقی کو بھی ہو چکا تھا کہ ماں بیٹی میں اس کشیدگی کی وجہ کیا تھی۔

آدھی رات کے وقت منگجور کچھ سپاہیوں کے ساتھ انھیں لے کر محل سے نکلا۔ مشرق کی طرف کوئی ایسا راستہ تھا کہ وہ عباسی لشکر کی نظر میں آئے بغیر وہاں سے نکل سکتے تھے۔ منگجور نے انھیں اس راستے کے ایک مقام تک پہنچادیا۔

''اب میں واپس جاؤں گا۔'' اُس نے کہا۔ ''چار سپاہی آپ کے ساتھ کر رہا ہوں۔ یہ آپ کے ساتھ جائیں گے لیکن سفر میں آپ کو صرف خود پر بھروسا کرنا ہوگا۔

Marfat.com

میں نے راستے کا نقشہ بنا کر آپ کو دے دیا ہے۔ "رے" سے آگے نکلنے کے بعد آپ کو شاید کوئی قافلہ مل جائے۔ یہ سپاہی آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار رہیں گے۔"
منگجور سپاہیوں کو اُن کے ساتھ چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ اُسے بھی فرار ہونے کے لیے وقت کی ضرورت تھی۔

اندھیرے میں وہ خچروں پر آگے بڑھتے رہے۔ تین خچروں پر اُن کا سامان بار تھا۔ کھانے کی خشک اشیا خاصی مقدار میں تھیں۔ پانی زیادہ نہیں تھا لیکن وہ انھیں راہ میں پڑنے والے کنوؤں سے مل جاتا۔ نقشے میں منگجور نے ان کنوؤں کی نشان دہی کر دی تھی۔
"ہمیں کل سہ پہر تک مسلسل سفر کرنا ہے۔" ایک سپاہی نے افشاں سے کہا۔ "اس کے بعد ہم عباسی فوج کے خطرے سے نکل جائیں گے۔"
"کل سہ پہر تک!" افشاں پریشان ہوگئی۔ "یہ تھکن تو ہمیں ادھ مرا کر دے گی۔"
"جب زیادہ تکان محسوس ہو تو ذرا دیر کے لیے کہیں رک کر ستا لیا جائے گا لیکن اتنا وقت نہیں ہوگا کہ نیند بھی لی جا سکے۔" سپاہی نے جواب دیا۔
افشاں چپ ہوگئی۔ وہ اس معاملے میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ کافی دن کا سفر تھا اور اتنا دشوار گزار کہ اُس کے لیے بڑی قوت برداشت کی ضرورت تھی۔ رفیق اور افشاں اسے برداشت کرتے رہے لیکن زریں بہت نڈھال نظر آنے لگی۔
جب وہ ہرمرز آباد کے پہاڑی سلسلے سے گزر رہے تھے تو شام ہونے کے بعد آرام کرنے کے لیے دو چھولداریاں گاڑ دی گئیں۔ چھولداریاں اُن کے پاس تھیں ہی دو۔ ایک میں رفیق آرام کرتا تھا۔ دوسری میں افشاں اور زریں سوتی تھیں۔ سپاہی بے چارے کھلے آسمان کے نیچے سوتے تھے۔
اس رات زریں کو اس شدت سے حسن کی یادوں نے ستایا کہ اُس کی آنکھوں سے نیند اُڑ گئی۔ اُس کی وہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں اور کروٹیں بدلتے ہوئے گزری۔ اس طرح جاگ کر ساری رات گزارنا آسان نہیں ہوتا۔ بعض لوگ تو بہت جلد گھبراہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ زریں نے پھر بھی خاصا وقت گزارا لیکن آخر کار وہ بھی گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔
چھولداری میں چھوٹی سی قندیل روشن تھی۔ زریں نے دیکھا کہ اُس کی ماں

Marfat.com

بہت بے خبر سو رہی تھی۔ زریں آہستگی سے اُٹھ کر چھولداری سے نکل آئی۔ ایک مشعل چٹانی زمین کی ایک دراڑ میں پھنسا کر جلائی گئی تھی۔ اُس کی روشنی میں چاورن سپاہی بھی سوتے نظر آئے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

زریں نے لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے سر اُٹھا کر دیکھا۔ آسمان کی تاریکی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن زریں سمجھ رہی تھی کہ اب صبح ہونے میں کچھ زیادہ وقت نہیں رہا ہوگا۔

آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہلکی سی چاندنی بھی تھی۔ اردگرد پھیلے ہوئے اونچے ٹیلے دیکھے جا سکتے تھے۔ زریں بلا ارادہ ایک ٹیلے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ غالباً اُس کے لاشعور میں یہ خیال تھا کہ ٹیلے پر چڑھ کر اردگرد کے سارے ماحول کا جائزہ لے گی۔

ٹیلے پر چڑھنے میں زریں نے احتیاط سے کام لیا۔ اگر کہیں پیر پھسل جاتا تو وہ زخمی بھی ہو سکتی تھی۔ ٹیلے پر چڑھ کر وہ اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔ اُسے دور تک کسی بستی کے آثار نہیں دکھائی دیے۔ تاریکی تو تھی لیکن اگر کوئی بستی ہوتی تو روشنیاں کم از کم جگنوؤں ہی کی طرح چمکتی نظر آتیں۔

شام کو اس نے افشاں اور سپاہیوں کی باتیں سنی تھیں اور اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ''رے'' سے آگے نکل آئے تھے۔

ٹھنڈی ہوا میں کچھ دیر تک لمبی لمبی سانسیں لینے کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ اب اُس کی گھبراہٹ ختم ہو چکی تھی۔ اُس نے مڑ کر ٹیلے سے نیچے اترنا چاہا لیکن اسی وقت کسی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ چونکی۔ خوف سے اُس کی چیخ نکل جاتی لیکن ایک اور ہاتھ نے اُس کا منہ دبا دیا۔ پھر اُسے جھٹکے سے ایک طرف گھسیٹ کر گرا دیا گیا۔ اس چٹان پر گرنے سے اُسے چوٹ تو لگی لیکن منہ دبا ہوا ہونے کی وجہ سے اُس کی کراہ اُس کے گلے ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔

''اب آواز مت نکالنا ورنہ میں تمھیں ذبح کر دوں گا۔'' اس آواز کے ساتھ ہی زریں کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا گیا۔ زریں نے اپنی گردن پر کسی دھار دار چیز کی خفیف سی چبھن محسوس کی۔ وہ دھار دار چیز کوئی خنجر ہی ہو سکتی تھی۔

اندھیرے میں زریں کو اپنے دشمن کا چہرہ تو نہیں دکھائی دیا لیکن اُس کی آواز

Marfat.com

اُس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اُسے پہچان کر زریں کی دہشت دو چند ہوگئی۔ وہ عجیب تھا۔ زریں اُس کے وزن تلے دبی ہوئی تھی۔ وہ اُس کا سارا جسم دبوچے ہوئے تھا۔

''آج تک میری کوئی خواہش تشنہ نہیں رہی۔'' وہ ہنسا۔ ''میرے ایک بہی خواہ نے مجھ سے کہا تھا کہ تم اپنی ماں کے ساتھ آذر بائیجان سے ضرور فرار ہوگی اور تمھارا رخ طبرستان کی طرف ہوگا۔''

یہ باتیں عجیب سے فضل بن مروان نے کہی تھیں۔ اس کے خیال کے مطابق بغا الکبیر کے لشکرِ جرار کے سامنے منگجور ثابت قدم نہیں رہ سکے گا اور جب اُس کی شکست یقینی نظر آنے لگے گی تو وہ نہ صرف خود فرار ہونے کی کوشش کرے گا بلکہ اُن ماں بیٹی کو بھی یہی مشورہ دے گا کہ وہ وہاں سے نکل جائیں۔ فضل بن مروان کا اندازہ تھا کہ وہ دونوں طبرستان کا رخ کرسکتی ہیں کیونکہ وہاں کا حاکم مازیار اگرچہ ظاہری طور پر مسلمان ہو چکا تھا لیکن دراصل وہ اب بھی مجوسی ہی تھا۔

عجیب کہتا رہا۔ ''میرے بہی خواہ کا خیال بالکل درست ثابت ہوا۔ میں آذر بائیجان پہنچ کر اُن راستوں پر گھومتا رہا جدھر سے طبرستان کا رخ کیا جاسکتا تھا۔''

''مجھے چھوڑ دے!'' زریں گڑگڑائی۔

''اتنی مشکل سے تمھیں پانے کے بعد یہ میری بے وقوفی ہی ہوگی کہ میں تمھیں چھوڑ دوں۔'' عجیب نے ہلکی سے وحشیانہ ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''تمھاری جوانی کا رس پینے کے لیے میں نے بہت صبر کیا ہے اور بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ میں تمھارے انتظار میں پیدل گھومتا رہا ہوں تاکہ میرے گھوڑے یا خچر کی ٹاپیں تم لوگوں کو ہوشیار نہ کرسکیں۔ ان پہاڑی راستوں پر چلتے ہوئے تو میرے پیروں میں چھالے پڑ چکے ہیں جو اسی صورت ٹھیک ہوں گے جب میں تمھارے ہونٹوں سے اُن کا عرق پیوں گا۔ وہ ان چھالوں کا بہترین تریاق ثابت ہوں گے۔''

عجیب نے اپنا سر اُس کے چہرے پر جھکا دیا۔ زریں نے جلدی سے اپنا سر دوسری طرف کر لیا۔

''یہ کیا کر رہی ہو۔'' عجیب نے اُس کی گردن سے خنجر ہٹاتے ہوئے تیزی سے

Marfat.com

کہا۔ ''اس طرح تو تمھارا گلا کٹ جائے گا۔''

زریں نے چاہا کہ اب زور سے چیخ پڑے۔ عجیب کا خنجر اب اُس کی گردن پر نہیں تھا۔ اُس کی چیخ چھولداریوں تک یقیناً پہنچ جاتی لیکن اُس کے بعد کیا ہوتا؟ خنجر عجیب کے ہاتھ میں تو اب بھی تھا۔ وہ خود کو خطرے میں پاتا تو شاید ہلاک کیے بغیر وہاں سے نہ بھاگتا۔

''اپنا چہرہ میری طرف کرو۔'' اس مرتبہ عجیب کے لہجے میں سختی تھی۔ اب اُس کے خنجر کی نوک زریں کے پہلو میں چبھ رہی تھی۔

زریں نے آہستہ آہستہ اپنا چہرہ اُس کی طرف کیا۔ اب اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ اب عجیب اپنی خواہش پوری کرنے میں کام یاب ہوگیا۔ اُس کام یابی سے اُس کی وحشت بڑھنے لگی۔ پہلے وہ ایک ہی ہاتھ سے زریں کے جسم کا عضو عضو ٹٹول رہا تھا، اُس کی وحشت بڑھی تو وہ اپنا دوسرا ہاتھ بھی استعمال کرنے لگا۔ یہی اُس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ چٹان پر پڑا ہوا اُس کا خنجر زریں کے ہاتھ میں آگیا۔ اُس نے ہچکچا کر عجیب کے پہلو پر وار کیا۔ خنجر عجیب کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ اُس کے منہ سے ایک کریہہ چیخ نکلی۔ وہ اُلٹ کر ایک طرف گر پڑا۔ خنجر اُس کے جسم سے نکل گیا۔ زریں اُس کے بوجھ سے آزاد ہوتے ہی اس طرح اُٹھی جیسے بجلی تڑپ گئی ہو۔ خنجر اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح عجیب پر ٹوٹ پڑی۔ خنجر عجیب کے جسم میں پیوست ہوتا اور باہر آتا رہا۔ اُس کی چیخیں نکلتی رہیں۔ خود زریں بھی اُس کا جسم چھلنی کرتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخے جا رہی تھی۔

ان آوازوں نے افشاں اور رفیق کو ہی نہیں بلکہ سپاہیوں کو بھی جگا دیا۔ وہ سب اس ٹیلے کی طرف دوڑے کیونکہ آوازیں اسی طرف سے آ رہی تھیں۔ ایک سپاہی نے زمین پر گری ہوئی مشعل بھی نکال لی تھی۔

جب وہ لوگ ٹیلے پر چڑھ کر زریں اور عجیب کے قریب پہنچے تو وہ منظر ان کے لیے انتہائی غیر متوقع تھا۔

عجیب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی مگر جنون میں مبتلا زریں اُس کی لاش اب بھی خنجر سے چھلنی کیے ڈال رہی تھی۔ عجیب کے جسم سے نکلنے والے خون نے

Marfat.com

اُس کا لباس بھی رنگین کر دیا تھا۔ خون کے چھینٹے اُس کے چہرے پر بھی آئے تھے جس کی وجہ سے اُس کا چہرہ خوف ناک ہو گیا تھا۔

''عجیب۔'' رفیقی بڑبڑایا۔ اُس کی نظریں عجیب کی لاش پر تھیں۔

افشاں نے چونک کر ایک مرتبہ اُس کی طرف دیکھا، پھر زریں کی طرف جھپٹی۔ اُس نے زریں کی وہ کلائی پکڑ لی جس ہاتھ میں خنجر تھا۔

''کیا کر رہی ہو اب!'' افشاں تقریباً چیخ کر بولی۔ ''یہ مر چکا ہے۔''

زریں پھٹی پھٹی آنکھوں سے افشاں کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے دماغ میں ایسی سائیں سائیں ہو رہی تھی جیسے آندھی چل رہی ہو۔ افشاں نے اُس کے ہاتھ سے خون آلود خنجر لے کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔ خون سے زریں کے ہاتھ بھی سرخ ہو رہے تھے۔

''ہوش میں آؤ زریں!'' افشاں نے نرمی سے کہا۔

استفسارات تو کئی تھے لیکن زریں کی حالت کو سمجھتے ہوئے افشاں کوئی بھی سوال اپنی زبان پر نہیں لائی۔

ماں کو پہچان لینے کے بعد زریں کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور پھر وہ ماں کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

سامرا میں افشیں حیدر نے فرار ہونے کی کوشش تو کی تھی مگر کام یاب نہیں ہو سکا تھا۔ اُسے قصرِ خلافت تو لے جایا گیا لیکن اُسے خلیفہ کے حضور پیش کرنے یا مخصوص قید خانے میں ڈالنے کی بجائے ایک ایسی جگہ قید کیا گیا جو کسی منارے سے مشابہ تھی۔ اس میں وہ بیٹھ سکتا تھا یا کھڑا رہ سکتا تھا، لیٹنے کی گنجائش نہیں تھی۔ افشیں حیدر سمجھ گیا کہ اُسے گرفتار کرنے کا فیصلہ کچھ دن پہلے ہو چکا تھا اور اسی دوران میں صرف اُسے قید کرنے کے لیے اس منارے کی تعمیر ہوئی تھی۔

اس قید میں افشیں حیدر کو یہ دکھ تو تھا کہ سلطنت عباسیہ کے لیے اُس کی بیش بہا خدمات سرانجام نظر انداز کر دی گئی تھیں، لیکن اُس کا دل افشاں اور زریں کے لیے بہت تڑپتا رہا۔ اس خیال سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے کہ وہ اپنی بیٹی کو کبھی اپنے

Marfat.com

سینے سے بھی نہیں لگا سکا تھا اور اب اُس کی امید بھی باقی نہیں رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اُسے کچھ دن تک اذیتیں دینے کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اُس کے مخالفین اور دشمنوں کی تعداد کافی بڑھ چکی تھی اور قاضی القضاۃ ابوداؤد تو ایک مرتبہ اس سے صاف صاف کہہ چکا تھا کہ موقع ملنے پر وہ اُسے معاف ہرگز نہیں کرے گا۔

ابوداؤد سے افشیں حیدر کی ایک بہت سخت جھڑپ اس وقت ہوئی تھی جب اس شخص نے امام احمد بن حنبلؒ کی رہائی میں رکاوٹ ڈالی تھی۔ وہ معتزلی عقائد کا سرکردہ علم بردار تھا۔

اگرچہ امام احمد بن حنبلؒ کو مامون الرشید کے زمانے میں قید کیا گیا تھا لیکن معتصم نے برسراقتدار آنے کے بعد ایک مرتبہ انھیں رہا کر دینے کے بارے میں سوچا تھا۔ اس وقت ابوداؤد نے خلیفہ کو سمجھایا تھا کہ جو سرکاری موقف اختیار کیا جا چکا ہے، اسے ترک کرنا حکومت کے لیے خطرے کا سبب بن جائے گا لہٰذا خلیفہ نے امام احمد بن حنبلؒ کو پھر قید خانے میں ڈلوا دیا تھا جہاں ان سے مشقت بھی لی جاتی تھی۔ انھیں دوبارہ قید کروانے سے پہلے ابوداؤد نے انھیں بہت بری طرح زدوکوب بھی کروایا تھا۔

چند دن کی اذیت ناک قید کے بعد افشیں حیدر کو جس عدالت میں پیش کیا گیا، وہ قصرِ خلافت ہی میں لگائی گئی تھی اور قاضی القضاۃ کی مسند پر ابوداؤد ہی براجمان تھا۔

مقدمے کے آغاز میں افشیں حیدر پر الزام لگایا گیا کہ اُس نے سلطنتِ عباسیہ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے مازیار کو اُکسایا اور اُسے خطوط لکھے۔

افشیں حیدر سچے دل سے مسلمان ہو چکا تھا اس لیے اُس نے بے خوف و خطر اعتراف کر لیا۔ اس کے بعد دو آدمی لائے گئے جن کی پشت پر روئی کے موٹے موٹے لبادے پڑے ہوئے تھے۔ افشیں حیدر نے انھیں پہچان لیا مگر خاموش رہا۔

ان دونوں نے لبادے اُتار کر ان کی پیٹھ ان سب لوگوں کو دکھائی گئی جو اس وقت عدالت میں موجود تھے۔ ان کی پیٹھ پر گوشت مطلق نہ تھا۔

افشیں حیدر سے سوال ہوا۔ ''ان دونوں کو جانتے ہو؟''

''بے شک!'' افشیں حیدر نے بے خوفی سے جواب دیا۔ ''انھوں نے اشروسنہ میں ایک مسجد بنائی تھی۔ ان میں سے ایک موذن اور ایک امام تھا۔ میں نے انھیں ہزار ہزار

Marfat.com

کوڑے لگوائے تھے لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں مجوسی تھا، مسلمان نہیں ہوا تھا۔''

''تم مسلمان اب بھی نہیں ہوا!''

''یہ جھوٹ ہے۔'' افشیں حیدر نے سکون سے کہا۔ ''سراسر بہتان ہے۔ ایک سنگین بہتان۔''

''تو پھر تم اس کتاب کے بارے میں کیا کہو گے جو تم نے ایک ریشمی چوغے میں اپنے گھر پر بڑی احتیاط سے رکھی ہوئی ہے اور اُسے اکثر پڑھتے ہو جس میں اللہ کے وجود سے انکار ہے۔''

افشیں حیدر کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس نے کہا۔ ''وہ کتاب مجھے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس میں عجم کے ادب پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ میں صرف اس ادب سے مستفید ہوتا ہوں۔ اس میں کفر و الحاد کے بارے میں جو کچھ درج ہے، وہ میں اب نہیں پڑھتا۔ وہ ایک بیش قیمت کتاب ہے جسے فروخت کرنے کی مجھے کبھی حاجت نہیں ہوئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کتاب کو اپنے پاس رکھنے سے کوئی شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگ کلیلہ و دمنہ اور مزوک کی کتاب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ کیا انھیں اسلام سے خارج کیا جا سکتا ہے؟''

''بحث مت کرو!'' ابو داؤد نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم صرف سوالوں کا جواب دو۔ تم ثابت کرو کہ تم مسلمان ہو۔ کیا مسلمان ہونے کے بعد تم مختون ہوئے؟''

افشیں حیدر فوری طور پر جواب نہیں دے سکا۔ وہ مختون تھا لیکن اگر وہ اس سوال کا جواب اثبات میں دیتا تو خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے اُسے بے ستر ہونا پڑتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بھری عدالت میں برہنہ ہو اور وہاں موجود اپنے دشمنوں کے سامنے ذلیل ہو۔ وہ اس ذلت سے بچنے کے لیے بدترین سزا کے لیے تیار تھا۔

''میں مختون نہیں ہوں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

عدالت میں موجود اُس کے دشمن مسکرانے لگے۔

اب افشیں حیدر سے کہا گیا۔ ''حالانکہ اس سے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے اور انسان نجاست سے کامل طہارت حاصل کرتا ہے۔''

Marfat.com

''اسلام میں تقیہ بھی ہے لہٰذا میں نے اُس سے گریز کیا۔ میری دل میں یہ ڈر جاگزیں ہے کہ اگر میں اپنے جسم کے اس عضو کو قطع کرواؤں گا تو مر جاؤں گا۔''

''لیکن جنگ میں تم شمشیر زنی یا نیزہ زنی سے نہیں ڈرتے! تم نے جنگ سے کبھی گریز نہیں کیا جس میں تمھاری جان جاسکتی تھی لیکن محض ایک زائد کھال کٹوانے سے تم اس قدر خائف ہو؟''

''جنگ ایک قطعی الگ معاملہ ہے لیکن مختون ہونا ایسا ہے جیسے انسان خود اپنے آپ کو تکلیف پہنچائے جب کہ وہ اس سے بچ بھی سکتا ہے۔ البتہ اس بات سے میں بے خبر ہوں کہ غیر مختون رہنا اسلام سے خارج ہو جانے کے مترداف ہے۔''

ابو داؤد چند لمحے اُسے گھورتا رہا، پھر اسی کے حکم سے افشیں حیدر کو دوبارہ منارے جیسے قید خانے میں لے جا کر ڈال دیا گیا۔

افشیں حیدر کو اب بھی یقین رہا کہ اُسے کچھ عرصہ اس تنگ محبس کی اذیتوں میں مبتلا رکھنے کے بعد آخر کار اُس کی گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کر دیا جائے گا۔

وہ اس قید سے کسی طرح بھی فرار نہیں ہو سکتا تھا، اس کے باوجود کئی سپاہی اس منارے کے گرد رات دن پہرا دیا کرتے تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ ان کی باتوں سے افشیں حیدر کو باہر کے حالات کا علم ہوتا رہتا تھا۔ انھی باتوں سے وہ جان سکا کہ شہزادہ عباس کو کچھ عرصہ قید میں رکھنے کے بعد اُسے بیڑیوں کے ساتھ ایک خچر پر بٹھا کے شہر میں گھمایا گیا تھا۔ اس تذلیل کے بعد اُس کی موت اس طرح واقع ہوئی تھی کہ اُسے کئی کمبلوں میں لپیٹ دیا گیا تھا جس میں اُس کی سانس گھٹ گئی تھی۔

عجیف بن غبسہ نے کیونکہ شہزادہ عباس کا ساتھ دیا تھا لہٰذا اُس کی گردن بھی اُڑا دی گئی تھی۔ آذر بائیجان میں منکجور کو شکست ہو چکی تھی اور وہ فرار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا تھا۔

ان باتوں کا افشیں حیدر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس قسم کی باتیں اب اُس کے لیے کسی اہمیت کی حامل نہیں رہی تھیں۔ وہ تو ہر وقت افشاں، زریں اور حسن کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ ایک دن جب اُسے گمان ہوا کہ اب وہ لوگ طبرستان پہنچ گئے ہوں گے، اسی

Marfat.com

دن اُسے سپاہیوں کی باتوں سے معلوم ہوا کہ مازیار علم بغاوت بلند کرنے سے پہلے ہی گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اُس کے کچھ قریبی لوگوں نے اُسے دھوکا دیا تھا اور گرفتار کروا دیا تھا۔ اب اُس کے بارے میں آخری اطلاع یہ تھی کہ اُسے بیڑیاں ڈال کر سامرا لایا جا رہا تھا۔

طبرستان میں آنے والی اس تبدیلی کا علم افشاں کو اس دن ہوا جب وہ زریں اور رفیق کے ساتھ طبرستان پہنچی تھی۔

افشاں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اب اُسے اپنے لیے کوئی جائے پناہ نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ معتصم نے وہاں کی ولایت بھی عبداللہ بن طاہر کو سونپ دی تھی جو مازیار کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

اس موقع پر رفیق نے افشاں کی ڈھارس بندھائی۔

''یہاں میرا گھر تو ہے نا!'' اُس نے کہا تھا۔ ''دو عشرے قبل میں اُسے جس حالت میں چھوڑ کر گیا تھا، وہ اسی حالت میں ہوگا۔''

افشاں کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ رفیق کی پیشکش قبول کرلیتی۔

رفیق کا گھر باہر سے تو بے شک اسی حالت میں تھا جیسا اُسے چھوڑا گیا تھا لیکن اندر ایسی بو رچی ہوئی تھی جو عرصہ دراز تک بند رہنے والے گھروں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر شے پر گرد تھی۔ کہیں مکڑیوں نے جالے تان لیے تھے۔

سب سے پہلے تو گھر کے روزن و دریچے کھول دیے گئے تاکہ گھر میں پھیلی ہوئی بُو ختم ہو۔ اُس کے بعد گھر کی صفائی ضروری تھی۔ رفیق وہ سب کچھ خود کرلینا چاہتا تھا لیکن افشاں نے بہ اصرار اُس کا ساتھ دیا۔

ایک بستر صاف کر کے زریں کو وہاں لٹا دیا گیا۔ اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ عجیب کے واقعے کے بعد سے اُسے چپ سی لگ گئی تھی۔ رفیق یا افشاں اُس سے کچھ کہتے تھے تو بہت مختصر جواب دیتی تھی۔ خود اُس کی طرف سے کسی بات کا آغاز نہیں ہوتا تھا۔

شام تک گھر کی صفائی کرلی گئی۔ اُس کے بعد رفیق سودا وغیرہ خریدنے کے لیے باہر چلا گیا۔ کوئی معاشی مسئلہ اس لیے نہیں تھا کہ بغداد سے چلتے وقت ہی افشاں نے دینار و درہم کے علاوہ نہایت قیمتی جواہرات بھی ساتھ لے لیے تھے۔ آذر بائیجان میں

Marfat.com

کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ اب وہ سب کچھ اُس کے ساتھ تھا۔ قیمتی جواہرات فروخت کر کے گھر بیٹھ کر بھی ساری زندگی گزاری جاسکتی تھی۔

جب رفیق بازار سے لوٹا تو افشاں اُس کے ساتھ حسن کو دیکھ کر چونک گئی۔ وہ اس وقت بھی حسن کے ساتھ سختی سے پیش آتی اگر آذر بائیجان میں اُسے افشیں حیدر کا خط نہ مل چکا ہوتا۔

حسن کے چہرے پر سنجیدگی کا گہرا تاثر تھا۔

رفیق نے افشاں کو بتایا۔ ''یہ گھر کے آس پاس ہی منڈلا رہے تھے۔'' اس کا اشارہ حسن کی طرف تھا۔ ''دروازے پر دستک دیتے ہوئے بھی تذبذب کا شکار تھے۔ میں خود انھیں اپنے ساتھ اندر لے آیا ہوں۔''

''اچھا کیا۔'' افشاں آہستہ سے بولی۔ پھر اُس نے حسن سے کہا۔ ''جب میں نے تمھیں ڈانٹا تھا، اس وقت صورتِ حال کچھ اور تھی۔ اس وقت تم پر ایک راز کا افشا کرنا مناسب نہیں تھا۔ یہ خود تمھارے والد کی خواہش تھی۔ آذر بائیجان میں اُن کا خط میرے پاس آیا تھا۔ انھوں نے لکھا تھا کہ ایک خط وہ تمھیں بھی بھیج رہے ہیں۔''

''جی۔'' حسن نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''مجھے بھی اُن کا خط مل گیا تھا۔''

''لہٰذا۔'' افشاں نے اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اب میں تمھیں بتاسکتی ہوں کہ میں تمھاری دوسری ماں ہوں۔ میرے شوہر کا نام افشیں حیدر ہے۔''

حسن کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں ابھرا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ اس انکشاف پر چونکا ہے۔

افشاں نے غور سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''افشیں نے تمھیں بھی خط میں سب کچھ بتادیا ہوگا۔ اب تم خود بھی سمجھ لو کہ زریں کے لیے تمھارے ان جذبات نے مجھے غصہ کیوں دلایا تھا۔ وہ تمھاری بہن ہے بیٹا! بڑا اچھا ہوا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب نہیں ہوئے۔ یہ اہورا مزدا کی مہربانی ہے۔''

''زریں کہاں ہے؟'' حسن نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

''وہ دوسرے کمرے میں ہے۔ ابھی وہ ذہنی طور پر سنبھل نہیں سکی ہے۔ سفر کے

Marfat.com

دوران میں ایک ناخوش گوار حادثے سے دوچار ہوگئی تھی۔"

اب حسن نے چونک کر افشاں کی طرف دیکھا اور مضطرب نظر آیا۔ رفیقی قریب ہی نظریں جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

افشاں نے حسن کو اس واقعے سے آگاہ کیا جس سے زریں دوچار ہوئی تھی۔ سب کچھ سن کر حسن نے دانت پیسے۔

"غلطی ہوگئی مجھ سے!" وہ بولا۔ "اس کی پہلی ہی حرکت پر مجھے چاہیے تھا کہ اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"جو ہوگیا، وہ ہوگیا۔ اب وہ سب کچھ بھول جانے کی ضرورت ہے۔ اب تمھیں سب سے پہلے......"

حسن نے اُس کی بات کاٹی۔ "کیا میں اندر جا کے زریں سے مل لوں؟"

ابھی نہیں۔ پہلے میں اُسے بتادوں کہ تم اُس کے بھائی ہو۔"

"آپ سے پوری بات نہیں بتاسکیں گی۔"

"پوری بات؟ کیا مطلب؟"

"مناسب ہوگا کہ آپ والدِ محترم کا وہ خط پڑھ لیں جو انھوں نے مجھے لکھا تھا۔" حسن نے کہتے ہوئے وہ خط نکالا اور افشاں کی طرف بڑھا دیا۔

افشاں نے وہ خط پڑھا۔ اس خط کا ایک حصّہ پڑھتے ہوئے وہ نہ صرف چونکی، بلکہ اُس کے چہرے کی رنگت بھی بدل گئی۔

خط کے اس حصے میں لکھا تھا۔ "حسن بیٹے! اب ان سب باتوں کے بعد میں تمھیں ایک راز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے جب تمھاری ماں کا انتقال ہوا تھا۔ تمھیں اُس وقت کی کوئی بات بھی یاد نہیں ہوگی۔ تمھاری ماں نے مرنے سے پہلے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ تمھیں اس راز سے اس وقت تک آگاہ نہ کروں جب تک یہ ضروری نہ ہوجائے اور اب یہ ضروری ہوچکا ہے۔ ضروری اس لیے کہ اب میں جو کچھ چاہتا ہوں، اُس کی تکمیل اسی صورت ممکن ہے، جب تم اس راز سے واقف ہوجاؤ۔ وہ راز یہ ہے بیٹا کہ جب میں نے تمھاری ماں سے شادی کی تھی، وہ اس وقت

Marfat.com

بیوہ ہو چکی تھیں اور تم اُن کی گود میں تھے۔ اس وقت تمھاری عمر چھ ماہ کے لگ بھگ تھی۔ اب تم سمجھ ہی گئے ہوگے کہ میں نے کیا کہا ہے۔ ہاں بیٹا! میں تمھارا سگا باپ نہیں ہوں، لیکن تمھارا دل خوب جانتا ہوگا کہ میں نے تمھاری پرورش اسی طرح کی جس طرح کوئی سگا باپ کر سکتا ہے۔ تمھاری ماں کے مرنے کے بعد میں نے تمھیں اپنے سگے بیٹے کی طرح چاہا، اب بھی چاہتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا، چاہتا رہوں گا۔

یہ راز میں نے تم پر اپنی ایک خواہش کی وجہ سے افشا کیا ہے۔ زریں سے تمھارا خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے اس لیے اگر وہ میری پیاری بیٹی تمھیں ناپسند نہ ہو تو اُس سے شادی کر لینا۔ اس طرح تم اُن ماں بیٹی کے لیے ایک مضبوط سہارا بن جاؤ گے۔ میری یہ خواہش اس لیے ہے کہ میں بہت غیر یقینی حالات میں گھر گیا ہوں۔ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں سامرا سے زندہ بچ کر نکل سکوں گا یا نہیں۔ تم مرد ہو۔ میری اس بات سے دل شکستہ مت ہونا۔ افشاں کو میں نے یہ بات نہیں لکھی ہے۔ وہ برداشت نہیں کر پاتی لیکن اگر تم زریں سے شادی کے لیے خود کو آمادہ پاؤ تو افشاں کو میری یہ تحریر دکھانا تمھاری مجبوری ہوگی ورنہ یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ افشاں تم کو میرا سگا بیٹا سمجھتی ہے۔"

اس بارے میں آگے بھی کچھ لکھا تھا جو افشاں پڑھ نہیں سکی۔ اُس کے ہاتھوں میں لرزش پہلے ہی آ چکی تھی۔ خط اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ افشاں اُسے اُٹھانے کے لیے نہیں جھکی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ اُس نے حسن کو اپنے گلے لگا لیا۔ اس وقت حسن بھی کچھ افسردہ نظر آنے لگا تھا۔

رفیق بے چینی سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔ بات اُس کی سمجھ میں آ بھی نہیں سکتی تھی۔ کئی مرتبہ اُس کی نظر فرش پر پڑے ہوئے خط پر بھی گئی لیکن وہ ہمت نہیں کر سکا کہ خود ہی خط اُٹھا کر پڑھ لیتا۔

کچھ دیر بعد افشاں نے اپنی آنکھیں خشک کیں، پھر خط اُٹھا کر رفیق کو دیا۔ "تم بھی پڑھ لو۔" پھر اُس نے حسن سے کہا۔ "اب بھی میں تم سے یہی کہوں گی کہ فوری طور پر تم خود زریں سے مت ملو۔ ابھی اُسے یہ سب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد میں کسی وقت بتا دیا جائے گا۔ ابھی تو میں ہی جا کر اُس سے بات کرتی ہوں۔ میں اُس

Marfat.com

سے کہوں گی کہ اب مجھے حسن سے اُس کی محبت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ شادی بھی کردوں گی لیکن سامرا سے افشیں حیدر کے آنے کا انتظار تو کرنا ہوگا نا!'' آخری فقرہ کہتے ہوئے اُس کی آواز کانپ گئی۔

وہ کپکپاہٹ قدرت نے پیدا کی تھی۔ قدرت کو منظور نہیں تھا کہ افشیں حیدر دوبارہ اپنے پیاروں سے مل سکے۔

چند ہی دن بعد یہ بات شہر کے ہر فرد کی زبان پر تھی کہ خلیفہ وقت نے افشیں حیدر کو گرفتار کر کے قید خانے میں ڈلوادیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی افشاں نے اپنا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ اُس کے سر سے خون بہہ نکلا۔ اگر زریں، حسن اور رفیق اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ دیوار سے ٹکریں مار مار کر خود کو ہلاکت میں ڈال دیتی۔

اس دن کے بعد رفیق، حسن یا زریں نے اُسے مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔

زریں نے تو حسن سے ملنے کے بعد خود کو سنبھال لیا تھا لیکن اب صورتِ حال یہ تھی کہ افشاں کو سنبھالے رکھنا ضروری ہوگیا تھا۔

پھر اس دن افشاں کو سنبھالنا ناممکن سا ہوگیا جب اطلاع ملی کہ افشیں حیدر کو بھوکا رکھ کر مار ڈالا گیا تھا اور بعد میں اُس کی لاش قصرِ خلافت کے ''باب العامہ'' کے سامنے لکڑی کی سولی پر لٹکادی گئی تھی۔

تین افراد بھی افشاں کو سنبھالنے میں پوری طرح کام یاب اس لیے نہیں ہو رہے تھے کہ خود اُن میں سے دو کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ حسن اور زریں کی آنکھیں بھی آنسو بہا رہی تھیں۔

''میں بہت بدقسمت ہوں بابا!'' زریں رو رو کر رفیق سے کہہ رہی تھی۔ ''میری اتنی زندگی تو یہ جانے بغیر گزر گئی کہ میرا باپ کون ہے اور جب مجھے اپنے باپ کا علم ہوا تو وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے۔''

رفیق ان سب کو صبر کی تلقین کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ صبر، انسان کو آہی جاتا ہے۔

Marfat.com

چھ ماہ بعد افشاں نے رفیق سے کہا۔ ''ان بچوں کی شادی کی تیاری کرڈالو اب! میری زندگی میں تو اب غم کے علاوہ کچھ رہا نہیں ہے۔ میں زندگی کی آخری سانس بھی افشیں کی یادوں کے ساتھ لوں گی مگر ان بچوں کو تو ابھی زندگی کا ایک طویل سفر طے کرنا ہے۔ میری وجہ سے ان کی خوشیاں کیوں غارت ہو جائیں!''

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' رفیق نے کہا۔ ''لیکن چھ ماہ اور گزر جانے دو۔ تم شاید بھول رہی ہو کہ افشیں مسلمان ہو گئے تھے اور حسن بھی مسلمان ہے۔ یہ شادی افشیں حیدر کی برسی کے بعد ہونا چاہیے۔''

افشاں نے کچھ سوچتے ہوئے رفیق کی طرف دیکھا اور پھر آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

رفیق نے کچھ توقف سے کہا۔ ''میں نے مذہب کے معاملے میں حسن سے بات کی تھی۔ حسن نے چپ سادھ لی۔ میرا خیال ہے، اُس کی خواہش ہے کہ زریں مسلمان ہو جائے۔''

''اور زریں؟''

''وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔''

''تمھیں اس پر کوئی اعتراض نہیں؟''

''نہیں۔'' افشاں نے بلا توقف جواب دیا۔ ''کوئی مذہب چھوڑنا یا کوئی مذہب اختیار کرنا، ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہے، ذاتی فعل ہے۔ مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں زریں کے معاملے میں اس پر کوئی قدغن لگاؤں۔''

رفیق نے سر ہلایا۔ ''اچھی سوچ ہے تمھاری۔''

افشاں خاموش رہی۔ کچھ رک کر رفیق نے پوچھا۔ ''اپنے بارے مں بھی کچھ سوچ رہی ہو تم؟''

''میں نے اپنے بارے میں جو کچھ سوچا ہے، وہ ابھی بتا چکی ہوں۔ میری باقی زندگی افشیں حیدر کی یادوں کے سہارے ہی گزرے گی۔''

رفیق کچھ جذباتی نظر آیا۔ وہ بولا تو اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''افشیں اب

Marfat.com

اس دنیا میں نہیں رہے۔''

''میرے دل میں تو ہیں۔'' افشاں نے بے ساختہ کہا۔

''میری کوئی جگہ اب بھی نہیں بن سکے گی تمھارے دل میں؟''

افشاں نے غور سے اُس کی طرف دیکھا، پھر بولی۔ ''تمھاری جگہ تو میرے دل میں ہمیشہ سے ہے رفیق، لیکن جو مقام افشیں حیدر کا ہے، وہ مقام تو میں کسی کو نہ پہلے دے سکی ہوں، نہ اب دے سکتی ہوں۔ میرے دل میں تمھارا مقام وہی ہے جو کسی کے دل میں اپنے چاہنے والے کا ہوسکتا ہے۔ میں افشیں کو اپنانے سے پہلے ہی جان چکی تھی کہ تم کو مجھ سے بے پناہ محبت ہے، لیکن کیا کروں کہ میرا دل تو افشیں کے لیے تڑپ چکا تھا۔ ایسی کوئی صورت ممکن نہیں تھی کہ میں افشیں کو بھلا کر تم سے شادی کر لیتی...... ہاں یہ ضرور ہے کہ میں تمھاری محبت کا احترام ہمیشہ کرتی رہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ اسی لیے میں نے تمھاری اس خواہش کو نظر انداز نہیں کیا تھا کہ تم اپنی باقی زندگی میرے قریب رہ کر گزار دینا چاہتے ہو۔ میں نے تمھاری بات افشیں سے بھی نہیں چھپائی تھی اور انھیں میری محبت پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے میرے ساتھ تمھارے رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یقین کرو رفیق! مجھے اس پر فخر محسوس ہوتا ہے کہ تم نے مجھے اتنی شدت سے چاہا کہ ایک طویل عرصہ میرے ساتھ رہتے ہوئے بالکل خاموشی سے گزار دیا۔ کبھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لائے، جس سے ظاہر ہو کہ تم مجھے چاہتے ہو۔''

رفیق نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں مرتے دم تک کچھ نہ کہتا اگر افشیں زندہ ہوتے۔''

''وہ زندہ ہیں۔'' فشاں نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا اور پھر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''یہاں زندہ ہیں وہ، میرے دل میں! مجھے ہر وقت محسوس ہوتا ہے کہ میرے سینے میں دھڑکنے والی شے، دل نہیں ہے، میرے افشیں ہیں۔'' افشاں کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

رفیق افسردہ اور دم بہ خود بیٹھا افشاں کا چہرہ تکتا رہ گیا۔

☆☆☆

Marfat.com

سعیِ رائگاں

قصرِ خلافت میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بے شمار سپاہی قصر میں رہنے والوں کے کمروں کی تلاشی لیتے پھر رہے تھے۔ صرف خلیفۂ وقت کے خاندان کے لوگوں کو اس تلاشی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ صرف خدام، غلام اور کنیزیں تلاشی کی اس مہم کا ہدف تھے۔ ان میں سے ہر ایک لرزہ براندام تھا کیونکہ اگر کسی باعث کسی پر شبہ بھی ہو جاتا تو اس کی خیر نہیں رہتی۔ سب جانتے تھے کہ خلیفۂ وقت المتوکل علی اللہ جعفر اس معاملے کے باعث بہت غضب ناک تھا۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ خلیفہ متوکل کی چہیتی کنیز فضل کا ہار اس کے کمرے سے چوری کر لیا گیا تھا۔

متوکل شراب نوشی اور عیش و طرب کا دل دادہ تھا۔ اس وقت اس کے محل میں چار ہزار کنیزیں تھیں۔ عوام میں مشہور تھا کہ ان میں سے ایک کنیز بھی ایسی نہیں جس سے خلیفۂ وقت متمتع نہ ہوا ہو۔ اس کی سب سے چہیتی کنیز کا نام محبوبہ تھا۔ فضل دوسرے درجے پر آتی تھی۔ باقی کنیزوں میں سے کچھ ہی ایسی خوش قسمت ہوں گی جنھیں متوکل نے دو ایک بار سے زیادہ اپنے شبانہ تخلیے کی زینت بنایا ہو۔ یہ اعزاز صرف محبوبہ کو حاصل تھا۔ متوکل اسے دیوانہ وار چاہتا تھا۔ فضل کی اہمیت محبوبہ سے بہت کم لیکن دیگر کنیزوں سے بہت زیادہ تھی۔ اس کا جو ہار چوری ہوا تھا، اس کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ تھی کہ وہ کسی وقت خلیفہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا اور فضل ہر ایک سے فخریہ کہا کرتی تھی کہ وہ ہار اسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔

Marfat.com

اس ہار کی تلاشی یا بازیابی کی مہم سے جو افراد لرزہ براندام تھے، ان میں محبوبہ شامل نہیں تھی۔ وہ بڑے سکون سے اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی دانست میں یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ اس پر شبہ کیا جاتا۔ اسے گمان تھا کہ تلاشی کے سلسلے میں اسے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہوگا لیکن اس وقت وہ چونک پڑی جب اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی گئی۔ محبوبہ کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔ خلیفہ وقت کی بے پناہ چاہت نے اسے بہت مغرور کر دیا تھا۔ وہ اتنی غضب ناک ہو کر دروازہ کھولنے کے لیے بڑھی جیسے تلاشی لینے کے لیے آنے والے سپاہیوں پر تماچوں کی بارش کر دے گی۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور پھر اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھتا چلا گیا۔

دروازے پر دستک دینے والی طاؤس تھی۔ خلافت کی چار ہزار کنیزوں میں سے ایک!

''کیا بات ہے؟'' محبوبہ نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

طاؤس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمھیں ایک مصیبت سے بچانا چاہتی ہوں محبوبہ! مجھے اندر بلا لو۔ کسی نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو نہ جانے کیا سمجھے!''

محبوبہ نے منہ بنایا۔ وہ سمجھتی تھی کہ قصرِ خلافت میں رہتے ہوئے اس پر کوئی مصیبت نہیں آسکتی، تاہم اس نے ذرا سا ایک طرف ہٹ کر طاؤس کو اندر آنے کے لیے راستہ دے دیا۔

طاؤس جلدی سے اندر آئی۔

''جو کچھ کہنا ہے، فوراً کہہ ڈالو۔'' محبوبہ نے بڑے طنطنے سے کہا۔

''تمھارے خلاف سازش ہوئی ہے محبوبہ!'' طاؤس نے کہا۔

''سازش؟ کیسی سازش؟ تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ قصرِ خلافت میں کس کی مجال ہے کہ میرے خلاف سازش کرے؟'' محبوبہ نے تیز لہجے میں کہا۔

طاؤس جلدی سے بولی۔ ''میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمھارے خلاف سازش ہوئی ہے۔ میں تمھیں سب کچھ بتا دوں گی لیکن خدا کے لیے دروازے سے آگے آجاؤ۔ باہر سے کوئی ہماری باتیں نہ سن لے۔ دروازہ بند ہی کر دو تو اچھا ہے۔''

Marfat.com

''کوئی ضرورت نہیں ہے دروازہ بند کرنے کی!'' محبوبہ نے تمکنت سے کہا اور اپنے بستر کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ''جو کچھ کہنا ہے، جلدی کہو۔''

طاؤس اس کے پیچھے پیچھے بستر کی طرف چلی آئی۔

''اب کچھ بولو گی بھی یا نہیں!'' اس مرتبہ محبوبہ نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا اور بستر پر بیٹھ گئی۔

وہ دونوں ہی کنیزیں تھیں لیکن طاؤس بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکی۔ اسے خوب اندازہ تھا کہ محبوبہ کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

''محبوبہ!'' طاؤس نے ایک مرتبہ پریشانی سے دروازے کی طرف دیکھنے کے بعد کہا۔ ''یقین کرو۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ کیا مجھے یہ ڈر نہیں ہوگا کہ اگر تم نے امیرالمومنین سے شکایت کر دی تو میری شامت آجائے گی؟''

''تم اِدھر اُدھر کی بکواس کیے جا رہی ہو!'' محبوبہ نے کھردرے لہجے میں کہا۔

''یہ باتیں میں نے اس لیے کی ہیں کہ تم اس بات پر یقین کر سکو جو میں تمھیں بتانے آئی ہوں۔'' طاؤس نے کہا۔ ''تم شاید ہنس پڑتیں اگر میں صرف یہ بتا دیتی کہ جو ہار چوری ہوا ہے، وہ تمھارے کمرے سے برآمد ہوگا۔''

''کیا بک رہی ہو؟'' محبوبہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

''میں قسم کھا کر کہہ چکی ہوں محبوبہ! تمھارے خلاف سازش ہوئی ہے۔ تم مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی ہو لیکن میں تمھیں پسند کرتی ہوں۔ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس وقت تمھارے کمرے میں آنے کا خطرہ مول نہیں لیتی۔''

اب محبوبہ کچھ سنجیدہ نظر آئی۔ اس کے دماغ میں بھی یہ خیال آ گیا تھا کہ طاؤس اس سے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

''یہ تم کیسے کہہ رہی ہو کہ وہ ہار میرے کمرے سے برآمد ہو جائے گا؟'' اس نے پوچھا۔

''میں نے دو آدمیوں کو سرگوشیوں میں باتیں کرتے سنا ہے۔ وہ بہت خوش تھے کہ وہ اپنے آقا کی نظروں میں سرخ رو ہو جائیں گے جب وہ ہار تمھارے کمرے سے برآمد ہوگا اور تم خلیفہ کی نظروں سے گر جاؤ گی۔''

Marfat.com

''کون تھے وہ دونوں آدمی؟ کون ہے ان کا آقا؟'' محبوبہ کا لہجہ پھر تیز ہوگیا۔

''اُمرائے دربار میں کئی ایسے ہیں جن کی خواہش ہے کہ قصرِ خلافت کے حالات سے باخبر رہیں۔ قصر کے بہت سے لوگ ان اُمرا کے ہاتھوں بکے ہوئے ہیں۔ ان دونوں آدمیوں کا تعلق ایسے ہی کسی امیر سے ہوگا جسے وہ اپنا آقا کہہ رہے تھے۔ مجھے تھوڑا سا شبہ ہے کہ وہ بغاالکبیر کے آدمی ہیں۔''

بغاالکبیر کا نام سنتے ہی محبوبہ کا سارا جسم سنسنا گیا اور دو دن پہلے کی کچھ باتیں اس کے دماغ میں گونج اٹھیں۔

''میں اب جاتی ہوں۔'' طاؤس اب بھی گھبرائی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ''تم وہ ہار تلاش کرو۔ سازش کرنے والوں نے وہ کسی خاص جگہ چھپایا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اسے تلاش کرنے میں تمھیں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ تلاشی لینے والوں کو یہاں تک آنے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔ تم اس سے پہلے ہار تلاش کرلو تو اچھا ہے۔ میں ذرا دیر بعد پھر آؤں گی۔ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے دے دینا۔ وہ میں کسی دریچے سے چمن میں یا کسی اور جگہ پھینک دوں گی۔ ٹھیک ہے؟''

طاؤس کے آخری دو لفظ سوالیہ انداز کے تھے لیکن اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت محبوبہ یہ نہیں دیکھ سکی کہ اس کی طرف پشت ہوتے ہی طاؤس کے چہرے پر گھبراہٹ یا پریشانی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے برخلاف وہ اس طرح مسکرا رہی تھی جیسے اس نے کوئی بڑی کام یابی حاصل کرلی ہو۔ طاؤس کے جاتے ہی محبوبہ اپنے کمرے کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگئی۔ اگر اس کے کانوں میں بغاالکبیر کا نام نہ آجاتا تو وہ طاؤس کی اطلاع کو شاید کچھ اہمیت نہیں دیتی۔

بغاالکبیر سلطنت عباسیہ کا بہت بڑا سپہ سالار تھا۔ اس ترک سردار نے خلیفہ معتصم باللہ ہی کے زمانے میں اپنا مقام بنالیا تھا۔ معتصم کے بعد خلیفہ الواثق کے دور میں بھی اس نے نمایاں کارنامے سرانجام دیے تھے اور اب الواثق کے بھائی متوکل کے دورِ خلافت میں بھی وہ ایک مستحکم حیثیت رکھتا تھا۔ سلطنتِ عباسیہ کے سارے پرآشوب دور میں وہ

Marfat.com

چٹان کی طرح ڈٹا رہا تھا۔ اس قسم کے حالات میں ان خلفاً نے ہمیشہ بغاالکبیر کی ضرورت محسوس کی تھی اور ان دنوں بھی ایک ایسا ہی گمبھیر واقعہ پیش آ چکا تھا۔

مصر کے زیریں شہر دمیاط پر رومیوں نے ایک زبردست یلغار کی تھی اور اپنے مقصد میں بہت کام یاب رہے تھے کیونکہ عید کی تقریبات کے سلسلے میں والی مصر نے وہاں سے ساری فوج بلالی تھی۔ رومیوں کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ انھوں نے سارا شہر لوٹ لیا اور جامع مسجد جلا ڈالی۔ جاتے جاتے وہ چھ سو مسلمانوں اور ذمی عورتوں کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔

دریائے نیل کی مشرقی شاخ کے دہانے پر واقع ہونے کی وجہ سے یہ شہر بازنطینیوں اور صلیبیوں کے بحری بیڑوں کا ہدف بنا رہتا تھا، لہٰذا اس موقع پر متوکل نے وہاں ایک قلعہ بنانے کا فیصلہ کیا اور اس شہر کے دفاع کو مضبوط و مستحکم بنانے کی مہم بغاالکبیر کو سونپی تھی۔

دو دن بعد جب بغاالکبیر ہدایات لے کر قصرِ خلافت سے رخصت ہو رہا تھا تو کسی جگہ اس کا سامنا محبوبہ سے ہو گیا تھا۔

''کیسی ہو محبوبہ؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''مجھے کیا ہو سکتا ہے!'' محبوبہ کے انداز میں نخوت تھی۔

''اپنے عشووں کی ایک شام ہمارے نام بھی کر دو کبھی!''

''بغا!'' محبوبہ بھڑک گئی۔ ''تم جانتے ہو، یہ بات تم نے کس سے کہی ہے؟''

''امیر المومنین کی محبوبہ خاص سے!''

''تو پھر کیا تمھیں یہ ڈر نہیں کہ میری شکایت پر امیر المومنین تمھارا سر قلم کروادیں گے!''

بغاالکبیر ہنسا۔ ''میں سلطنتِ عباسیہ کا کوئی ایسا معمولی آدمی نہیں ہوں جو کسی ثبوت کے بغیر امیر المومنین کے عتاب کا نشانہ بن سکے۔''

محبوبہ نے دانت پیسے۔ ''چلے جاؤ بغا ورنہ میں تمھارے منہ پر تھوک دوں گی۔'' اس وقت بغا کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

''تم کو اپنی حیثیت نہیں بھولنا چاہیے محبوبہ!'' بغاالکبیر کے لہجے میں حقارت تھی۔

Marfat.com

''مجھ سے کبھی کسی نے اتنی بدتمیزی سے بات نہیں کی۔ تمھیں کبھی نہ کبھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میری شکایت کرکے تم کچھ حاصل نہیں کرسکو گی لیکن میں......''

بغاالکبیر نے اپنی بات مکمل نہیں کی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس کے ادھورے جملے میں دھمکی پوشیدہ تھی۔

وہ ساری باتیں محبوبہ کے دماغ میں گونج رہی تھیں اور وہ جلدی جلدی اپنے کمرے کی تلاشی لے رہی تھی۔ طاؤس کے منہ سے بغاالکبیر کا نام سن کو اسے یقین آگیا تھا کہ بغاالکبیر ہی نے کسی ذریعے سے فضل کا ہار چوری کروا کے اس کے کمرے میں پہنچوایا ہوگا۔

جلد ہی وہ ہار اسے مل گیا۔

''بغا'' وہ دانت پیستی ہوئی بڑبڑائی۔

پھر وہ ہار اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے اپنے بستر پر جابیٹھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ طاؤس نے اس سے کہا تھا کہ وہ کچھ دیر میں آکر اس سے ہار لے لے گی اور کہیں پھینک دے گی لیکن محبوبہ کے دماغ میں اس وقت یہ خیال بھی تھا کہ وہ خود ہار لے کر خلیفہ کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ یہ اس کے خلاف ایک سازش ہے اور کسی نے ہار چوری کروا کے اس کے کمرے میں پہنچوایا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ لیتی، دروازے پر دستک ہوئی۔

محبوبہ سمجھ گئی کہ وہ طاؤس ہوگی۔ دستک دینے کا انداز وہی تھا۔ محبوبہ ہار ہاتھ میں لیے دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازے کے باہر طاؤس ہی کھڑی تھی۔ اس نے ہار محبوبہ کے ہاتھ میں دیکھا تو جلدی سے بولی۔ ''مل گیا نا؟ میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی محبوبہ! اب اگر تم چاہو تو میں یہ ہار کہیں لے جا کر پھینک دوں!''

محبوبہ نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ خلیفہ کے پاس خود جانے کے بجائے طاؤس ہی پر اعتماد کرلے۔ اس نے ہار طاؤس کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ تلاشی کی مہم میں سرگرداں کچھ سپاہی کسی جانب سے اچانک سامنے آگئے اور پھر ان کے چہروں سے ایسا لگا جیسے وہ چونک پڑے ہوں۔ ان کی نظریں ہار پر تھیں۔

Marfat.com

طاؤس وہاں سے اس طرح بھاگی جیسے دہشت زدہ ہوگئی ہو!

محبوبہ اپنی جگہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ طاؤس کے بھاگ جانے کی وجہ سے ہار اس کے ہاتھ ہی میں رہ گیا تھا۔

سپاہی تیزی سے قریب آ گئے۔

''یہ تو وہی ہار معلوم ہوتا ہے۔'' ایک سپاہی بولا۔

محبوبہ کسی حد تک ہیجان کا شکار ہوگئی تھی، تاہم اس نے کوشش کر کے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''ہاں یہ وہی ہار ہے۔ یہ کسی نے لا کر میرے کمرے میں رکھ دیا تھا۔ یہ مجھے ابھی ملا ہے۔ یہ لے کر میں امیر المومنین ہی کے پاس جانے کے لیے کمرے سے نکلی تھی۔''

سپاہیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ محبوبہ کی طرف پھیلایا۔ گویا بہ زبان خاموشی کہا گیا کہ محبوبہ ہار ان لوگوں کے حوالے کر دے۔

سپاہی ہار لے کر تیزی سے واپس چلے گئے۔ وہ محبوبہ کو گرفتار کرنے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔

محبوبہ نے دروازہ بند کیا اور بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ وہ پریشان تو یقیناً تھی لیکن دہشت زدہ نہیں تھی۔ متوکل اس سے ناراض تو ہوسکتا تھا لیکن وہ کسی عتاب کا نشانہ بہر حال نہیں بنتی۔ وہ خوب جانتی تھی کہ متوکل اسے بہت چاہتا تھا اور وہ خود بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسی لیے اس نے بغا الکبیر کی شکایت نہیں کی تھی اور اب بھی اپنے اس شبہے کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اس کے خلاف یہ سازش بغا الکبیر کی ہے۔

بغا الکبیر سلطنتِ عباسیہ کا ایک اہم مہرہ تھا۔ اگر وہ متوکل کے عتاب کا شکار ہو جاتا تو سلطنتِ عباسیہ ایک بہت کام کے آدمی سے محروم ہو جاتی اور خلیفہ وقت کی حیثیت سے اس کا نقصان متوکل کو بھی ہوتا۔ محبوبہ اس سے اپنی محبت کی وجہ سے اس کا نقصان گوارا نہیں کر سکتی تھی لیکن اس نے یہ تہیہ ضرور کر لیا تھا کہ اگر کبھی اسے موقع ملا تو وہ بغا الکبیر کو اس کی بدتمیزی کا مزہ ضرور چکھائے گی۔

وہ اپنے دماغ میں گردش کرتے ہوئے خیالات کے حصار سے باہر نکلی اور جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ وہ اس وقت شب خوابی کے لباس میں تھی۔ خلیفہ کے حضور میں

Marfat.com

جانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ پوری طرح تیار ہو کر جاتی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی طلبی اسی وقت ہو گی۔ اس کا یہ خیال غلط ثابت نہیں ہوا۔ وہ تیار ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ خلیفہ کی طرف سے طلبی کا پیغام آ گیا۔ وہ فوراً اٹھ کر خلیفہ کی اس خواب گاہ کی طرف چل پڑی جو صرف محبوبہ ہی کے لیے مخصوص تھی۔

حرم سرا کے باہر متوکل کی تین خواب گاہیں تھیں۔ ان میں سے ایک محبوبہ کے لیے اور دوسری فضل کے لیے مخصوص تھی۔ تیسری خواب گاہ دیگر تمام کنیزوں کے لیے تھی۔

ہمیشہ تو یہ ہوتا تھا کہ محبوبہ جب وہاں قدم رکھتی تھی تو دوسرے ہی پل متوکل کی آغوش میں ہوتی تھی لیکن اس شب ایسا نہیں ہوا۔ متوکل وہاں ٹہلتے ہوئے کچھ غصے میں تھا۔

''تم سے ہمیں یہ توقع نہیں تھی!'' وہ محبوبہ کو دیکھتے ہی بھڑک کر بولا۔

''اور میں نے ایسا کیا بھی نہیں ہے۔'' محبوبہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کو بتایا جا چکا ہو گا کہ میں ہار لیے ہوئے دروازے سے باہر نکل رہی تھی اور آپ کے پاس آنا چاہتی تھی۔ یہ ہار مجھے اسی وقت اپنی خواب گاہ میں ایک جگہ نظر آیا تھا۔ یہ میرے خلاف سازش ہے امیر المومنین!''

''کس کی ہمت ہے کہ تمھارے خلاف سازش کرے؟''

''مجھ سے حسد رکھنے والوں کی کمی نہیں ہے قصرِ خلافت میں!'' محبوبہ نے تلخی سے کہا۔ ''میں سبھی کنیزوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہوں۔'' محبوبہ نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ وہ خلیفہ کی بیگمات کے نام بھی لے! اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''آپ سوچیے کہ میں آخر وہ ہار لیے دروازے سے کیوں نکل رہی تھی؟''

''ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم ہمارے پاس آتیں۔ جب تم نے سمجھ لیا کہ تلاشی میں وہ ہار برآمد کر لیا جائے گا تو تمھیں یہی تدبیر سوجھی ہو گی کہ ہمارے پاس آ کر سازش کی کہانی سناؤ۔ تم ڈر گئی تھیں محبوبہ ورنہ یہ بات کبھی نہ کھلتی۔ ہم حکم دے چکے تھے کہ تمھارے کمرے کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔''

یہ سن کر محبوبہ کو ذہنی دھچکا لگا۔ وہ خود بھی مطمئن تھی کہ اس کے کمرے کی تلاشی نہیں لی جائے گی لیکن طاؤس کی باتوں نے اور خصوصاً بغا الکبیر کا نام سامنے آ جانے کی وجہ سے

Marfat.com

وہ خلفشار میں مبتلا ہوگئی تھی اور اسی عالم میں وہ سب کچھ کر گزری جو اسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''اب بتاؤ کہ ہم تمھارے لیے کیا سزا تجویز کریں؟'' متوکل اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

محبوبہ نے کہا۔ ''اگر آپ کو سازش کی بات پر یقین نہیں تو جو چاہیں، سزا دیں۔ میرا یہ منصب کہاں کہ اپنے لیے خود ہی سزا تجویز کروں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ ''مجھے آپ سے محبت ہے اس لیے آپ کی دی ہوئی کوئی سزا بھی میرے لیے نامحبوب نہیں ہوگی۔''

خلیفہ نے اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔ وہ محبوبہ کے لہجے سے مغلوب ہو گیا تھا اور محبوبہ سے اپنی اس کیفیت کو چھپانا چاہتا تھا۔

محبوبہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر تعظیماً جھکی اور کمرے سے نکل آئی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا جب وہ اس خواب گاہ میں قدم رکھنے کے بعد متوکل کا قرب حاصل کیے بغیر واپس جا رہی تھی۔

☆☆☆

اسی رات کا چوتھا پہر تھا جب طاؤس نے اپنا لباس درست کیا اور اجازت طلب نظروں سے شہزادہ منتصر کی طرف دیکھا۔

''آج رات تم ہمارے ساتھ بہت کم وقت گزار سکیں۔'' شہزادہ منتصر نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''آدھی رات کے بعد تک تو صورتِ حال ہی بہت ہنگامی رہی۔'' طاؤس نے جواب دیا۔ ''مجھے بہت تاخیر سے آپ کے پاس آنے کا موقع ملا تھا۔''

''درست۔'' شہزادہ منتصر نے کہا۔ ''لیکن آج تم نے جو عظیم کام کیا ہے، اس کا تمھیں کچھ انعام تو ملنا چاہیے!''

طاؤس نے ایک ادا سے کہا۔ ''اس سے بڑا انعام میرے لیے کیا ہو سکتا ہے کہ مجھے آپ کا قرب حاصل ہے۔''

''نہیں۔'' شہزادہ منتصر نے کہا۔ ''ہمارے قریب آؤ طاؤس!''

طاؤس مسکراتی ہوئی اس کے بالکل قریب ہوگئی۔ اس وقت منتصر دونوں ہاتھ اپنی کمر پر باندھے کھڑا تھا۔ جیسے ہی طاؤس اس کے قریب ہوئی، منتصر کے دونوں ہاتھ

Marfat.com

سامنے آئے اور ان ہاتھوں نے طاؤس کے گلے میں ایک ہار ڈال دیا۔ ہار میں صرف یاقوت جھلملا رہے تھے۔ اس وقت طاؤس کا چہرہ بھی خوشی سے جھلملا اٹھا۔

منتصر بولا۔ ''طاؤس! یہ اس ہار سے زیادہ قیمتی ہے جو امیرالمومنین نے فضل کو دیا تھا۔''

''میرے لیے تو۔'' طاؤس خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''یہ ہار انمول اس لیے ہے کہ یہ آپ نے میرے گلے میں ڈالا ہے۔''

''اب جاؤ۔'' منتصر نے پیار سے اس کا گال تھپکا۔ ''اب رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی، وصال کے لیے ایک دوسرے کے خاصے قریب ہو چکے ہیں۔ اس سے پہلے کہ سورج کی کوئی کرن کسی دریچے سے محل میں داخل ہو، تمھیں ہماری خواب گاہ سے دور اپنے کمرے میں ہونا چاہیے۔''

ان دونوں کی ملاقاتیں اتنی ہی راز داری سے ہوتی تھیں۔

اگر خلیفہ متوکل کو ان ملاقاتوں کے بارے میں علم ہو جاتا تو ایک قیامت آ جاتی۔ منتصر پر باپ کا عتاب کس صورت میں ہوتا، یہ اندازہ تو طاؤس قطعی نہیں لگا سکتی تھی لیکن یہ یقین اسے تھا کہ اس کی گردن اڑا دی جاتی۔ اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا رکھی تھی جس کا ابتدا میں کوئی بڑا مقصد بھی نہیں تھا۔ صرف جوانی کی پیاس نے اسے منتصر کی آغوش تک پہنچایا تھا۔

عوام میں غلط مشہور ہو گیا تھا کہ متوکل کی چار ہزار کنیزوں میں سے کوئی ایسی نہیں تھی جو خلیفہ کی خواب گاہ کی زینت نہ بنی ہو۔ ریاضی کی رو سے بھی یہ ممکن نہیں تھا۔ اگر وہ ہر رات ایک نئی کنیز کے ساتھ گزارتا تو اس میں گیارہ سال گزر جاتے لیکن ایک تو اسے اقتدار میں آئے اتنا زیادہ عرصہ نہیں گزارا تھا، دوسرے اسے حرم سرا میں اپنی بیویوں کے ساتھ بھی راتیں گزارنا ہوتی تھیں۔ تیسرے یہ کہ وہ بعض کنیزوں سے ایک سے زائد مرتبہ بھی متمتع ہوا تھا۔ خصوصاً محبوبہ اور اس کے بعد فضل اسے اپنی کنیزوں میں زیادہ مرغوب تھیں۔ اس لیے ایسی کنیزوں کی تعداد اچھی خاصی تھی جنھیں خلیفہ وقت کا قرب کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ انھی میں سے ایک طاؤس بھی تھی۔

پانچ سال پہلے جب طاؤس محل میں آئی تھی تو اسے بالغ ہوئے چند مہینے ہی

Marfat.com

گزرے تھے۔ پھر جیسے جیسے وقت گزرتا رہا، اس کی جوانی بپھرتی رہی۔ جوانی کے تقاضے شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے۔ گزرے ہوئے برسوں میں وہ راتوں کی تنہائی میں وحشت زدہ سی ہو جاتی تھی۔ انھی حالات میں جب اسے منتصر کی طرف سے کچھ اشارہ ملا تو وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی گود میں جا گری۔

''تم ابھی تک دوشیزہ ہو!'' منتصر نے پہلی ہی رات کو بڑی حیرت سے کہا تھا۔

''جی۔'' طاؤس کے لہجے میں تلخی تھی۔ ''امیر المومنین نے مجھے کبھی کسی قابل نہیں سمجھا۔''

''حالانکہ تم فضل سے زیادہ دل کش نقش و نگار اور اس سے زیادہ متناسب جسم کی مالک ہو۔''

''یہ شاید آپ کا حسنِ نظر ہے۔''

''ہم لفاظی نہیں کر رہے ہیں طاؤس! اب تو ہماری خواہش ہے کہ تم ہمیشہ امیر المومنین کی نظر سے بچی رہو۔ جب ہم اقتدار میں آئیں گے تو تمھیں اپنے نکاح میں لے لیں گے۔''

اس وقت منتصر خلیفہ وقت کا ولی عہد اوّل قرار دیا جا چکا تھا۔ ولی عہد نام زد ہونے سے پہلے اس کا نام محمد تھا۔ ولی عہد مقرر ہونے کے بعد وہ منتصر باللہ کے لقب سے نوازا گیا۔ ولی عہد دوم طلحہ کو اور ولی عہد سوم ابراہیم کو نام زد کیا گیا تھا۔ ان دونوں کو علی الترتیب معتز باللہ ارو مدید باللہ کے القابات دیے گئے تھے۔ ان تینوں کو سلطنت کے تین بڑے حصوں کا حاکم بھی بنا دیا گیا تھا۔

طاؤس جب پہلی بار منتصر سے ملی تھی تو اس کا سبب اس کی جوانی کے تقاضے کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن جب منتصر نے اسے اپنے نکاح میں لانے کا وعدہ کر لیا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ یہ اس کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہوتا کہ متوکل کے بعد وہ خلیفہ وقت منتصر باللہ کے حرم میں قدم رکھتی۔

مگر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ منتصر کے بجائے معتز کو ولی عہد اوّل مقرر کر دیا گیا۔

اچانک بدلنے والی اس صورتِ حال سے طاؤس کا دل ڈوب گیا۔ اب متوکل

Marfat.com

کے بعد منتصر سلطنتِ عباسیہ کا گیارہواں خلیفہ نہ بنتا۔ اس تبدیلی پر لوگوں نے دو قسم کی قیاس آرائیاں کیں۔ ایک قیاس تو یہ تھا کہ معتز کی ماں نے متوکل پر دباؤ ڈالا ہوگا۔ وہ متوکل کی سب سے عزیز بیوی تھی۔ دوسرا قیاس یہ تھا کہ منتصر معتزلہ عقائد رکھتا تھا۔

خلق قرآن کی حامی معتزلہ تحریک خلیفہ معتصم کے زمانے میں بہت زیادہ پھلی پھولی تھی۔ معتصم کے بعد اس کے بیٹے واثق نے بھی اپنے باپ کی پیروی کی تھی۔ وہ دونوں ہی باپ بیٹے معتزلہ تحریک کے زبردست حامی تھے۔ معتصم نے واثق کو اپنا ولی عہد بنایا ہی اس لیے تھا کہ معتزلہ تحریک پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

لیکن جب متوکل نے اقتدار سنبھالا تو اس نے معتزلہ تحریک کے حامیوں اور پیروکاروں پر قدغن لگا دی۔ ان لوگوں کے برسرِ عام مناظرے بند کر دیے گئے۔ معتزلی مجبور ہو گئے کہ دوسروں کو اپنے عقائد سے بے خبر رکھیں۔

خود طاؤس بھی معتزلی عقائد رکھتی تھی جس کا علم قصرِ خلافت میں کسی کو نہیں تھا۔ اس نے اپنے بارے میں یہ بات صرف منتصر کو بتائی تھی کیونکہ منتصر معتزلہ عقائد کا حامی تھا۔

''اب کیا ہوگا!'' طاؤس نے اس تبدیلی پر اپنی تشویش کا اظہار منتصر سے بھی کیا تھا۔

''تمھارا کیا خیال ہے؟'' منتصر خلافِ توقع مطمئن نظر آیا تھا۔

''ظاہر ہے کہ اب آپ تو خلیفہ نہیں بن سکیں گے۔''

''عباسی سلطنت کا گیارہواں خلیفہ تو میں ہی بنوں گا طاؤس!'' منتصر نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

''یہ اب کیسے ہو سکتا ہے؟''

''تم بس دیکھتی جاؤ۔''

پھر اس گفت گو کے بعد بھی طاؤس نے جب بھی یہ ذکر چھیڑا، منتصر نے اسے مبہم ہی جواب دیے لیکن اس رات سے ایک دن پہلے اس نے طاؤس سے یہ بات خود چھیڑی۔

''تم مجھے خلیفہ دیکھنا چاہتی ہو طاؤس؟''

''بے شک۔'' طاؤس نے کہا۔ ''کیونکہ مجھے اب آپ سے محبت ہو گئی ہے۔''

''تو پھر تمھیں ایک کام بڑی راز داری سے کرنا ہوگا۔''

Marfat.com

"آپ حکم دیجیے۔ میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گی۔"

"امیرالمومنین نے فضل کو ایک ہار دیا تھا۔"

"جی ہاں۔" طاؤس نے کہا۔ "وہ بڑے فخر سے یہ اظہار کرتی رہتی ہے کہ وہ ہار اسے امیرالمومنین نے اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔"

منتصر نے کہا۔ "تمھیں وہ ہار اس طرح محبوبہ کے کمرے میں پہنچانا ہے کہ محبوبہ کو اس کا علم نہ ہو سکے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" طاؤس متعجب ہوئی تھی۔

"فضل شور مچا دے گی کہ اس کا ہار چوری ہو گیا ہے۔" منتصر نے جواب دیا۔ "اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ امیرالمومنین اسے قصرِ خلافت ہی کی کسی کنیز یا خادم کی حرکت سمجھیں گے۔ وہ یقیناً اس ہار کی تلاشی کا حکم صادر کریں گے اور جب وہ ہار محبوبہ کے کمرے سے برآمد ہوگا، وہ چور ثابت ہو جائے گی۔ امیرالمومنین چوری کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ ہار اس کے کمرے سے برآمد ہوگا تو وہ امیرالمومنین کی نظر سے گر جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ فضل اس کی جگہ لے لے گی۔"

طاؤس چونکی۔ "آپ فضل کی اہمیت بڑھانا چاہتے ہیں؟"

"اہمیت تو اس کی یقیناً بڑھے گی لیکن مطمحِ نظر کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا ہے؟"

"دیکھو طاؤس! ابھی میں تمھیں کچھ زیادہ نہیں بتا سکتا۔ دراصل ابھی تو میں خود بھی کچھ زیادہ نہیں جانتا۔"

طاؤس حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔" منتصر نے سر ہلا کر کہا۔ "میں واقعی ابھی کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ بس ان لوگوں کو جانتا ہوں جو میرے بہی خواہ ہیں، جو امیرالمومنین کے بعد مجھے خلیفہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اس کے لیے کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ محبوبہ کو امیرالمومنین کی نظروں سے گرانا اس منصوبے کا پہلا مرحلہ ہے۔"

"گویا آپ کے بہی خواہوں میں فضل بھی ہے؟" طاؤس کا دل بجھ گیا۔

Marfat.com

"تم غلط سمجھیں۔" منتصر نے اس کے تاثرات دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ "تمھاری جگہ فضل تو کیا، کوئی لڑکی بھی نہیں لے سکتی ہے۔ فضل سے تو میری کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ میرے جو بہی خواہ ہیں، انھی میں سے ایک فضل کا ہم درد بن گیا ہے۔ اسی نے فضل کو باور کرایا ہے کہ اس طرح وہ محبوبہ کی جگہ لے لے گی۔ بات فضل کی سمجھ میں آ گئی ہے۔ وہ خود ہی وہ ہار اس آدمی کو دے دے گی۔ اس آدمی سے وہ ہار مجھے ملے گا اور میں تمھیں دوں گا۔ اس کے بعد تمھیں جو کچھ کرنا ہے، یہ میں ابتدا ہی میں کہہ چکا ہوں۔"

"جو لوگ آپ کے لیے منصوبہ بندی کر رہے ہیں، وہ فضل سے کیا کام لیں گے؟"

"یہ مجھے ابھی نہیں بتایا گیا۔ میرے بہی خواہوں کا خیال ہے کہ میں اس منصوبے کے بارے میں جتنا کم جانوں، اتنا ہی بہتر ہے۔ ابھی تو خود فضل بھی نہیں جانتی کہ اس سے آئندہ کیا کام لیا جائے گا۔ فی الحال تو وہ یہی سمجھ رہی ہوگی کہ یہ اسی کی خاطر کیا جا رہا ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس کا ہم درد بننے والا کسی وجہ سے شاید محبوبہ کا مخالف ہو گیا ہے اور محبوبہ کو زک پہنچانا چاہتا ہے۔"

انھی باتوں کے دوسرے دن منتصر نے وہ ہار طاؤس کو دیا تھا۔

"اب آج شام سے پہلے پہلے تمھیں یہ کام کر گزرنا ہے۔" منتصر نے کہا تھا۔ "لیکن اس کام کے بعد بھی اس کھیل میں تمھارا کردار ختم نہیں ہوگا۔ دراصل میرے بہی خواہوں کا خیال ہے کہ امیر المومنین تلاشی کے سلسلے میں محبوبہ کو مستثنیٰ قرار دے دیں گے لہٰذا جب تلاشی شروع ہو جائے تو تم خود محبوبہ کے کمرے میں جا کر اسے بتا دینا کہ اس کے خلاف سازش کی گئی ہے اور کسی نے ہار اس کے کمرے میں رکھا ہے۔"

منتصر نے وہ سب کچھ بتایا جو طاؤس نے بعد میں کیا تھا۔

"دراصل۔" منتصر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا تھا۔ "تلاشی لینے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جن کو میرے بہی خواہوں نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ جس وقت تم محبوبہ کے دروازے پر کھڑی اس سے ہار لے رہی ہوگی، اسی وقت وہ لوگ وہاں پہنچ جائیں گے اور محبوبہ کے ہاتھ میں وہ ہار دیکھ لیں گے۔ تم اس وقت وہاں سے اس طرح بھاگ لینا جیسے تلاشی لینے والے سپاہیوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی ہو۔"

Marfat.com

منتصر نے طاؤس کو جو کچھ سمجھایا تھا، سب کچھ اسی طرح ہوتا چلا گیا اور رات جب اپنے تیسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی تو طاؤس نے منتصر کے پاس جا کر اسے اپنی کارگزاری سے آگاہ کیا۔ اسی کارگزاری کا انعام اسے یاقوت کے ایک قیمتی ہار کی صورت میں ملا تھا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ ہار کے یاقوت اس کے گلے میں اس طرح دکھائی دے رہے تھے جیسے انگاروں سے آنچ نکل رہی ہو۔ اس نے بستر پر لیٹنے سے پہلے وہ ہار اتار کر ایک محفوظ جگہ رکھ دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ فی الحال یہ ہار دوسروں کی نظر میں نہیں آنا چاہیے۔

دوسری صبح قصرِ خلافت میں ہر ایک کو معلوم ہو چکا تھا کہ محبوبہ کو اس ''چوری'' کی کیا سزا دی گئی تھی۔ خلیفہ متوکل کا یہ فیصلہ محبوبہ کو بھی سنا دیا گیا تھا کہ اب وہ محل میں کسی سے کوئی بات نہیں کرے گی، اور دوسرے لوگ بھی اس سے مخاطب نہیں ہوں گے۔

یہ سننے کے بعد محبوبہ بہت اداس ہو گئی۔ اس نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ باہر نکلے اور دوسروں کا سامنا ہونے پر اسے اہانت کا احساس ہو۔ اسے ان کنیزوں کی مسکراہٹ کا سامنا بھی کرنا پڑتا جو اس سے حسد کرتی تھیں۔

فضل اس دن بے حد خوش تھی۔ اسے بڑی حد تک یقین تھا کہ اب وہ محبوبہ کی جگہ لینے میں کامیاب ہو جائے گی۔ وہ اس سارے کھیل میں منصور کی ممنون تھی جو قصرِ خلافت کے دفترِ برید میں کام کرتا تھا۔ سلطنت کے تمام عاملوں کے مکتوبات کا سارا انتظام وانصرام وہیں ہوتا تھا اور عاملوں کے نام خلیفہ کے جو خطوط جاتے تھے، ان کی نقول بھی وہیں رکھی جاتی تھیں۔

محل کے اس حصے میں کنیزوں کی آمد و رفت نہیں تھی لیکن مکتوبات ہی کے سلسلے میں اس دفتر کے جن دو ایک افراد کو خلیفہ سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا، ان میں ایک منصور بھی تھا۔

دوسری کنیزوں یا محل کے لوگوں کی طرح منصور سے کبھی کبھی فضل کی مڈبھیڑ بھی ہو جاتی تھی۔ رسمی سے دو ایک کلمات کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا۔ غیر ارادی طور پر ان کی بات چیت میں کچھ اضافہ ہوا تو فضل نے محسوس کیا کہ منصور اسے دوسری کنیزوں سے زیادہ

Marfat.com

اچھا سمجھتا ہے۔ اس احساس کے بعد فضل بھی منصور کو اچھا انسان سمجھنے لگی۔ مڈبھیڑ ہوتی تو ان میں پہلے سے زیادہ باتیں ہو جاتیں۔

''مجھے بڑی حیرت ہے فضل!'' ایک دن منصور نے اس سے کہا تھا۔ ''تم محبوبہ سے زیادہ پرکشش ہو لیکن محبوبہ کو امیر المومنین زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔''

منصور کی بات میں مبالغہ تھا لیکن صنف نازک کو اس قسم کی باتوں پر فوراً یقین آجاتا ہے۔ فطری طور پر فضل کو بھی اس کا یقین آ گیا۔ اکثر تنہائی میں اسے منصور کی بات یاد آتی اور وہ سوچتی رہتی کہ اسے امیر المومنین کا زیادہ قرب کیوں حاصل نہیں۔

قصرِ خلافت کی ہر کنیز ہی یہ چاہتی تھی کہ اسے خلیفہ متوکل کا زیادہ قرب حاصل ہو لیکن فضل کو منصور کی وجہ سے انگیخت بھی مل گئی تھی اس لیے وہ اس بارے میں زیادہ سوچنے لگی۔

کچھ ہی دن بعد منصور نے ایک بار پھر اس کے جذبات کو جھنجوڑا۔ ''امیر المومنین کی کنیزوں میں تم سب سے اچھی ہو فضل!'' اس نے کہا تھا۔ ''اور محبوبہ تو مجھے بہت ہی بری لگتی ہے۔ ایک مرتبہ سامنا ہوا تو میں اخلاقاً مسکرایا لیکن اس نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔''

''وہ ایسی ہی نک چڑھی ہے۔'' فضل نے اپنے دل کا غبار نکالا۔ ''امیر المومنین کے زیادہ التفات نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔'' وہ محبوبہ کے خلاف اور بھی کئی باتیں کہہ گئی۔

منصور بولا۔ ''تم اس سے کہیں زیادہ اچھی ہو۔ تمھارا اخلاق اور رویہ باقی سب کنیزوں سے بھی اچھا ہے۔ مجھے اس دن بہت خوشی ہوگی جب محبوبہ کی جگہ تمھیں مل جائے گی۔''

فضل نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ ''یہ خوشی تمھیں کبھی نہیں ملے گی منصور! کوئی محبوبہ کو قتل تو کر نہیں دے گا۔''

''یہ بھی تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' منصور نے سوچتے ہوئے سر ہلایا تھا۔

اس وقت بات آئی گئی ہوگئی تھی لیکن چند ہی روز بعد ایک بار پھر مڈبھیڑ ہوئی تو منصور نے مسکرا کر کہا۔ ''حالات کچھ تمھارے حق میں ہوتے جا رہے ہیں فضل!''

''کیا مطلب؟''

''شہزادہ منتصر بھی کسی وجہ سے محبوبہ کے خلاف ہو گئے ہیں۔''

Marfat.com

''تمھیں کیسے معلوم؟''

''شہزادہ صاحب مجھے پسند کرتے ہیں۔ مجھے ان کا قرب حاصل ہے۔ وہ محبوبہ کے خلاف کوئی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے کسی کنیز کی مدد درکار ہے۔ میں نے تمھاری اجازت کے بغیر اس سلسلے میں تمھارا نام تجویز کر دیا ہے۔''

فضل گھبرا گئی۔ ''میں کیا کر سکتی ہوں منصور؟''

''پریشان نہ ہو۔ تمھیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا پڑے گا جو تمھیں کسی خطرے میں ڈال دے۔''

فضل کے اضطراب میں کوئی کمی نہیں آسکی تھی۔ اس کے لیے منصور کا جواب تسلی بخش نہیں تھا۔

''یقین کرو!'' منصور نے دوبارہ کہا تھا۔ ''تمھارے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور تمھیں امیر المومنین کی قربت بھی حاصل ہو جائے گی۔''

''منصور!'' فضل نے کہا۔ ''مجھے اپنی زندگی، امیر المومنین کے قرب سے زیادہ عزیز ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری گردن اڑا دی جائے۔''

''میں نے کہا نا فضل! تمھیں ایسا کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔'' منصور نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ ''میں تمھیں تفصیل بتاؤں گا تو تم مطمئن ہو جاؤ گی لیکن اب ہمیں زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہئیں۔ کسی کو ہم پر شک نہیں ہونا چاہیے۔ اب اس طرف پرسوں آنا ہوگا میرا۔ پرسوں ہی بتاؤں گا میں تمھیں۔''

منصور کے جانے کے بعد فضل نے اپنے کمرے کا رخ کیا اور بہت پریشان رہی۔ اس نے محلاتی سازشوں کی بہت سی کہانیاں سنی تھیں اور اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ان سازشوں کے نتیجے میں بے شمار لوگوں کی گردنیں ماری جا چکی تھیں۔ اسی لیے فضل نہیں چاہتی تھی کہ محل کی کسی بھی سازش میں شریک ہو۔ منصور کی باتوں نے اسے بہت ڈرا دیا تھا۔ فوری طور پر تو اس نے یہ فیصلہ کر ڈالا کہ اب منصور سے ملے گی ہی نہیں لیکن جب وقت آیا تو اس نے سوچا کہ اس سازش کے بارے میں کچھ جاننا تو چاہیے۔

فضل کے فیصلے میں اس تبدیلی کا سبب صرف ایک تھا۔ محبوبہ سے حسد! اس نے

Marfat.com

سوچا تھا کہ اگر اس کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ محبوبہ کی جگہ لے لے تو اس سے اچھی کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ منصور نے اسے باور کرانے کی حد درجہ کوشش کی تھی کہ اس کے لیے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

بدلے ہوئے خیالات کے تحت فضل نے منصور سے ملنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

''محبوبہ پر چوری کا الزام لگانا ہے۔'' منصور نے اس سے کہا تھا۔''اور چوری اس ہار کی ہوگی جو امیر المومنین نے تمھیں دیا تھا۔''

''وہ کیسے؟'' فضل کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اگر تم چپکے سے وہ ہار مجھے دے دو تو میں شہزادہ صاحب کو پہنچا دوں گا۔ انھوں نے کوئی ایسا بندوبست کیا ہے کہ وہ ہار بہت راز داری کے ساتھ محبوبہ کے کمرے میں پہنچا دیا جائے گا۔ اس کے بعد تمھیں بس اتنا کرنا ہوگا کہ امیر المومنین کو اس ہار کی چوری کے بارے میں بتانا ہوگا۔''

''اس سے کیا ہوگا؟''

''امیر المومنین غضب ناک ہو جائیں گے۔ کیا تمھیں اندازہ نہیں ہے ان کے غصے کا؟ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتے کہ تمھارا وہ ہار چوری ہو جائے جو انھوں نے خود تمھیں دیا ہے۔ وہ اس ہار کی تلاش کا حکم ضرور صادر کریں گے اور جب وہ ہار محبوبہ کے کمرے سے برآمد ہوگا تو وہ امیر المومنین کی نظروں سے گر جائے گی۔ وہ چوری کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اس طرح جب محبوبہ ان کی نظروں سے گر جائے گی تو قدرتی طور پر ان کا التفات تم پر بڑھ جائے گا۔''

فضل کا جسم سنسنانے لگا۔ بہ ظاہر اس سارے معاملے میں اس کے لیے خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کی سمجھ میں بس یہ نہیں آسکا تھا کہ شہزادہ منتصر آخر یہ سب کچھ کیوں کرنا چاہتا تھا۔

''وہ محبوبہ کو مجھ سے بھی زیادہ ناپسند کرنے لگے ہیں۔'' منصور نے فضل کے استفسار پر کہا تھا۔''وہ اسے ہر قیمت پر امیر المومنین سے دور کر دینا چاہتے ہیں۔ تمھارے لیے اس میں کوئی خطرہ بھی نہیں ہے اور فائدہ یہ ہے کہ پھر تمھیں امیر المومنین کا

Marfat.com

قرب حاصل ہو جائے گا۔''

فضل سوچ میں پڑ گئی۔ بہ ظاہر کوئی خطرہ نظر نہ آنے کے باوجود وہ خوف زدہ تھی۔

''فضل!'' منصور نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ ''میں اصرار نہیں کروں گا کہ تم یہ سب کچھ کرو۔ شہزادہ صاحب کوئی اور تدبیر سوچ لیں گے۔ تمھارا نام تو میں نے اس لیے تجویز کر دیا تھا کہ میں تمھارا بہی خواہ ہوں۔ تم اس بارے میں غور کر لو۔ جواب مجھے کل دے دینا۔ کل مجھے ایسا کوئی کام نہیں ہے کہ اس طرف آؤں لیکن تمھارا جواب لینے کے لیے ادھر آنے کا کوئی جواز نکال ہی لوں گا۔ اچھا اب چلتا ہوں۔ اگر کل تم مجھے اسی جگہ نہ ملیں تو میں سمجھ لوں گا کہ تم یہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔''

اس ملاقات کی رات فضل بہت پریشان رہی تھی۔ اس کی پریشانی کا بنیادی سبب یہ خیال تھا کہ وہ ہونے والی ایک سازش سے آگاہ ہو چکی تھی۔ اب اگر وہ اس سازش میں شریک نہیں ہوتی تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ شہزادہ منتصر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ اس کے راز سے آگاہ ہو جانے والا کوئی فرد زندہ رہے۔ فضل کو اپنی زندگی اس سے مشروط نظر آئی کہ وہ اس سازش کا ایک حصّہ بن جائے۔ کاش اس نے منصور سے یہ سب کچھ نہ جانا ہوتا! وہ سوچتی رہی اور کفِ افسوس ملتی رہی۔ اب اسے اپنی عافیت اسی میں نظر آ رہی تھی کہ منصور کی بات مان لے۔ بات ماننے میں کوئی خطرہ ہوتا یا نہ ہوتا لیکن نہ ماننے میں اس کی زندگی یقیناً خطرے میں پڑ جاتی۔ اس سے مفر ممکن ہی نہیں تھا۔ البتہ بات مان لینے میں یہ امکان تھا کہ وہ کسی خطرے میں نہ پڑتی اور اسے متوکل کا قرب بھی حاصل ہو جاتا۔

وہ دوسرے دن تک پریشان ہی رہی لیکن منصور سے ملاقات کے وقت ہار اس کے ساتھ تھا جو اس نے منصور کے حوالے کر دیا۔

''مرحبا فضل! مرحبا!'' منصور نے خوش ہو کر کہا تھا۔ ''اب تمھیں صرف اتنا اور کرنا ہے کہ کل شام کو ہار کی چوری کی بات امیر المومنین کے علم میں لے آؤ۔ کل شام سے پہلے پہلے یہ ہار محبوبہ کے کمرے میں ہوگا اور کل کے بعد قسمت کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔ امیر المومنین کا قرب حاصل ہونے کے بعد تم قصر میں اتنی ہی تمکنت

Marfat.com

سے رہ سکو گی جس طرح محبوبہ رہتی ہے۔''

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے منصور!'' فضل کی آواز کانپ گئی تھی۔

''کس بات سے ڈر لگ رہا ہے؟''

''یہ میں بھی نہیں جانتی۔''

''ہر قسم کا ڈر اپنے دل سے نکال دو۔ میں تمھارا برا کبھی نہیں چاہ سکتا فضل! بہت سوچ سمجھ کر تمھارا نام تجویز کیا تھا میں نے! تم دیکھنا، کل رات کے بعد تمھارے گرد خوشیاں ہی خوشیاں رقص کر رہی ہوں گی۔''

فضل اس کے بعد بھی خائف رہی لیکن دوسرے دن اس نے خلیفہ متوکل کو ہار کی ''چوری'' سے آگاہ کر ہی دیا۔

نتیجے میں جو کچھ سامنے آیا، وہ فضل کے لیے خوش کن ہی تھا۔ اس پر کوئی آنچ نہیں آئی تھی اور محبوبہ سزاوار ٹھہری تھی۔

☆☆☆

اس دن منصور بھی بہت خوش تھا۔ اسی خوشی میں شام کو وہ ''قلقل سرا'' میں شراب کے کئی جام چڑھا گیا۔

قلقل سرا کے علاوہ بھی ''کرخ'' کے علاقے میں کئی ایسی سرائیں تھیں جہاں شراب اور عیاشی کے تمام وسائل موجود تھے۔

پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے بغداد کی شہری آبادی سے ہٹ کر ''کرخ'' میں صرف بازار بنوائے تھے تاکہ شہری آبادی بازار کی ہلچل اور ہاؤ ہو سے متاثر نہ ہو لیکن بعدازاں بغداد کی آبادی اتنی بڑھی کہ کرخ بھی اس کے احاطے میں آ گیا۔ اب وہ بغداد سے الگ کوئی علاقہ نہیں تھا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی تھی کہ وہاں باغات کے پاس کئی ایسی سرائیں بن گئی تھیں جہاں طعام و قیام کے ساتھ ساتھ شراب نوشی اور قمار بازی بھی کی جا سکتی تھی۔ طوائفوں کے علاوہ ''مخنثوں'' کا بھی ایک اچھا خاصا گروہ ان سرایوں میں پھیل گیا تھا۔ وہ مخنث، عورتوں کی طرح زرکار لباس پہنتے اور خود کو عطر میں بسائے رکھتے۔ سستے قسم کا ہنسی مذاق اور فقرے بازی انھیں خوب آتی تھی۔ اپنی انھی

Marfat.com

حرکتوں کی وجہ سے وہ اس طبقے میں بہت مقبول تھے جنھیں لواطت کا شوق تھا۔

منصور کو بھی عورتوں سے دل چسپی نہیں تھی۔ وہ صرف مخنثوں ہی کی رفاقت میں آسودگی حاصل کرتا تھا۔ قلقل سرا اسے دیگر سرایوں سے زیادہ پسند تھی کیونکہ اس سرائے کا مالک ابواسحاق اس کا دوست بن گیا تھا۔ جسمانی آسودگی کے حوالے سے وہ دونوں ہم مشرب بھی تھے۔ ابواسحاق نے بہت چنیدہ مخنثوں کو اپنی سرائے کے لیے وقف کر لیا تھا۔ انھی مخنثوں کے ہاتھوں سے شراب پی کر منصور کو زیادہ سرور حاصل ہوتا تھا اور انھی میں سے کسی کے ساتھ سرائے کے کسی کمرے میں کچھ وقت بھی گزارتا تھا۔

آدھی رات ہو چکی تھی جب وہ وہاں سے روانہ ہوا۔ شراب کے چار جام اس نے قلقل سرا پہنچتے ہی پی لیے تھے اس لیے اب اس کے رگ و پے میں صرف سرور کی کیفیت تھی اور اس سرور میں یہ خوشی بھی شامل تھی کہ اب فضل کو آلۂ کار بنا کر خلیفہ متوکل کو قتل کروایا جا سکتا تھا۔ منصور کے دل میں انتقام کی آگ اس وقت سے بھڑک رہی تھی جب متوکل نے ابن زیات کو نہایت اذیتیں دے دے کر ہلاک کروایا تھا۔

ابن زیات معتصم باللہ کا آخری وزیر تھا جسے واثق باللہ نے وزارت کے منصب پر برقرار رکھا تھا۔ واثق کے بعد جب متوکل نے خلافت سنبھالی تو ابن زیات ڈیڑھ ماہ سے زیادہ عرصے تک اس منصب پر نہیں رہ سکا۔ متوکل نے اس کی موت کا حکم صادر کر دیا تھا۔

منصور نے لوگوں سے سنا تھا کہ ابن زیات خود بھی بڑا ظالم شخص تھا۔ اس کی کنیزیں تک اس سے خوش نہیں تھیں۔ ان کے کمروں میں بستر تو تھے لیکن وہ ابن زیات کے حکم کی تعمیل میں بستر کے بجائے ننگے فرش پر سوتی تھیں۔ اس کے علاوہ کیونکہ ابن زیات کو واثق باللہ کی طرف سے بے پناہ اختیارات مل گئے تھے اس لیے وہ چھوٹی موٹی غلطیوں پر بھی لوگوں کو بڑی سفاکی سے سزائیں دیتا تھا۔ جن سے ان کی زندگی چھین لینے کی خواہش ہوتی تھی، انھیں وہ ایک تنور جیسی جگہ پر کھڑا کروا دیا کرتا تھا۔ وہ تنور اس نے اس طرح بنوایا تھا کہ اس میں چاروں طرف مضبوط نوکیلی کیلیں گاڑی گئی تھیں۔ ان کیلوں کی وجہ سے سزا پانے والا بیٹھ نہیں پاتا تھا۔ کھڑے کھڑے جب اس کی حالت غیر ہو جاتی تھی اور وہ کسی طرف ڈھلکنے لگتا تھا تو کیلیں اس کے جسم میں گھس جاتی تھیں اور وہ

Marfat.com

تڑپ کر پھر سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح لہولہان ہوتے ہوتے آخر اس کی موت واقع ہو جاتی تھی۔ تنور کے باہر دو سپاہی موجود رہتے تھے جو قیدی کو موت کے اس تنور سے باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔

ایک روایت کے مطابق متوکل چار سال سے ابن زیات کا دشمن تھا۔ اس وقت خلافت اس کے بھائی واثق باللہ کے پاس تھی۔ اس نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر متوکل سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ متوکل نے برسر اقتدار بھائی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ابن زیات سے سفارش کروانا چاہی تھی لیکن ابن زیات نہ صرف ٹال گیا تھا بلکہ اس نے واثق باللہ کو بتا بھی دیا تھا کہ متوکل نے اس سے اپنی سفارش کروانا چاہی تھی۔

واثق باللہ پہلے ہی غصے میں تھا۔ اس نے ابن زیات کو حکم دے دیا کہ وہ متوکل کے بڑے بڑے بال کٹوا دے اور پھر اسی کے منہ پر دے مارے۔

ابن زیات نے اس حکم کی تعمیل میں ذرا بھی دیر نہیں کی تھی۔ اس نے متوکل کو بلوا کر حجام سے اس کے بال کٹوائے اور کٹے ہوئے بال جمع کر کے متوکل کے منہ پر مار دیے گئے۔

منصور کو ان باتوں میں سے کسی پر بھی یقین نہیں تھا۔ اس کے خیال کے مطابق خلیفہ نے ابن زیات کو بدنام کرنے کے لیے یہ ساری باتیں مشہور کروائی تھیں۔ ابن زیات سے منصور کی عقیدت کا سبب یہ تھا کہ اس کی دانست میں اس کی زندگی ہی ابن زیات کی ممنون تھی۔ اس کے والدین اس کے بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ اس کی پرورش اس کی ایک خالہ نے کی تھی جو جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھی۔ اسی نے مرنے سے پہلے منصور کو بتایا تھا کہ ابن زیات نے کسی کی سفارش پر ان دونوں خالہ بھانجے کے لیے ایک معقول وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔

منصور سوچتا تھا کہ ایسا رحم دل اور نیک انسان، سفاک اور ظالم ہرگز نہیں ہوسکتا۔ انھی دنوں میں منصور کی خالہ کا بھی انتقال ہوگیا جب متوکل نے ابن زیات کو ختم کر دینے کا حکم صادر کیا تھا۔

اس واقعے کے بعد منصور کے لیے زندگی بہت مشکل ہو جاتی اگر ایک سودخور یہودی اسے اپنے پاس ملازم نہ رکھ لیتا۔

Marfat.com

اس طرح منصور کے لیے زندگی تو مشکل نہ رہی لیکن ایک سودخور یہودی کا ملازم بنے رہنا اسے گوارا نہیں تھا۔ وہ کوئی اور ملازمت حاصل کرنے کے لیے کوششیں کرتا رہا۔ سال بھر بعد اسے کسی طرح محکمۂ برید میں ملازمت مل گئی تو اس نے بہت سکون محسوس کیا۔

خلیفہ متوکل کے لیے اس کے دل میں نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اسی لیے اسے ان لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوتی تھی جو متوکل کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ متوکل نے برسراقتدار آنے کے بعد کام ہی ایسے کیے تھے کہ عوام میں اس کی مقبولیت رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کا صرف یہ کام لوگوں نے پسند کیا تھا کہ اس نے معتزلہ تحریک پر شدید ضرب لگائی تھی لیکن اس کام کی وجہ سے لوگ اس کا یہ اقدام نظرانداز کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوسکتے تھے کہ اس نے مشہد کے مبارک مقامات کی بے حرمتی کی تھی۔ مقابر کھدوادیے تھے اور حکم دیا تھا کہ وہاں کی زمین ہموار کرکے وہاں کاشت کاری کی جائے۔

متوکل کی اس حرکت پر شدید شورش برپا ہوگئی تھی۔ سامرا اور بغداد اس شورش کے خاص مراکز تھے۔ ان شہروں میں گلی درگلی دیواروں پر متوکل کے لیے گالیاں لکھی گئی تھیں۔ شعرا اس کی ہجو لکھنے لگے تھے۔

یہ شورش بہ مشکل تمام دبائی جاسکی تھی جس میں اہم کردار تجربہ کار اور سرد گرم چشیدہ ترک سالار بغاالکبیر نے ادا کیا تھا۔

شورش تو دب گئی لیکن لوگوں کے دلوں میں متوکل کے لیے نفرت قائم رہی۔ اسے بغاالکبیر تو کیا، کوئی بھی ختم نہیں کرسکتا تھا۔

انھی لوگوں میں سے کسی نے منصور کے دلی جذبات بھانپ لیے کہ وہ متوکل سے ابن زیات کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

منصور کو اس وقت محکمۂ برید میں کام کرتے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔ جس شخص نے اس کے دلی جذبات بھانپے تھے، وہ ایک ترک تھا۔ اس نے یہ بات کسی طرح بغاالصغیر کے کانوں تک پہنچادی۔

بغاالصغیر بھی ایک ترک سالار تھا۔ کیونکہ ایک ہی سلطنت میں ''بغا'' نام کے دو سالار

Marfat.com

تھے اس لیے لوگوں نے سن رسیدہ بغا کو بغا الکبیر اور دوسرے کو بغا الصغیر کہنا شروع کر دیا تھا۔

ان دنوں فوج میں ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو متوکل بڑی تشویش سے دیکھ رہا تھا اور اس نے کچھ ایسے اقدامات شروع کر دیے تھے کہ ترکوں کی اس طاقت کو ختم یا منتشر کیا جا سکے۔

متوکل کے ان اقدامات سے ترکوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ متوکل کی جگہ کسی اور کو خلافت کے منصب پر لایا جائے۔ وہ اس سلسلے میں منصوبہ بندیاں کر ہی رہے تھے کہ بغا الصغیر کو منصور کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس نے سوچا کہ منصور کو کسی طرح قصرِ خلافت تک پہنچا دیا جائے تو کسی وقت اس سے کوئی کام لیا جا سکتا ہے۔

بغا الصغیر ایک بڑا سالار تھا اس لیے قصرِ خلافت تک اس کی رسائی بہر حال تھی۔ اس کے تعلقات ان لوگوں سے بھی تھے جو قصرِ خلافت میں بڑے بڑے منصوبوں پر فائز تھے۔ اس نے اپنے انھی تعلقات سے کام لیا۔ منصور محکمۂ برید میں تو پہلے ہی سے تھا لہٰذا قصرِ خلافت میں اس کا تبادلہ کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوا۔ اس کی کوشش سے منصور قصرِ خلافت کے دفترِ برید تک پہنچ گیا۔ اسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ کچھ لوگ خلیفہ وقت کو اس کے منصب سے ہٹانے کے لیے کوئی منصوبہ بنا رہے تھے جس پر عمل در آمد کی صورت میں اس سے بھی کوئی کام لیا جا سکتا تھا۔ منصور دل و جان سے ان کے کام آتا کیونکہ خود اس کے دل میں خلیفہ کے لیے شدید نفرت موجود تھی۔

بغا الصغیر کوئی ایسا منصوبہ بنانا چاہتا تھا جس کی ناکامی کا کوئی امکان نہ ہو۔ وہ ابھی ایسا کوئی منصوبہ نہیں بنا سکا تھا کہ حالات میں ایک تبدیلی آئی جو اس کے اور اس کے ساتھیوں کے لیے بے حد خوش گوار تھی۔

وہ تبدیلی یہ تھی کہ متوکل نے منتصر کے بجائے معتز کو ولی عہدِ اوّل نامزد کر دیا تھا۔ بغا الصغیر کو فوراً خیال آیا کہ اس موقع پر منتصر اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر سکتا ہے۔ اس نے بہت خفیہ طور پر منتصر سے ملاقات کی اور باتوں باتوں میں بھانپ لیا کہ اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اس نے دو ایک ملاقاتیں اور کیں، پھر پوری طرح منتصر پر کھل گیا۔ منتصر یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ کچھ ترک سالار متوکل کو ہٹا کر اسے خلافت کے منصب

Marfat.com

پر بٹھانا چاہتے ہیں۔

منتصر بے چینی سے منتظر رہا کہ ترک سالار اپنے کسی منصوبے کو عملی جامہ پہنائیں، لیکن جو کچھ ترک سالار چاہتے تھے، وہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ متوکل کو قتل کرنا ایک بہت دشوار مہم تھی کیونکہ خلیفہ کے نہایت وفادار وزیر ابن خاقان نے اس کی حفاظت کے بہت سخت انتظامات کیے تھے۔ خلیفہ کے محافظ دستے میں کوئی ترک یا ایرانی نہیں تھا۔ چھانٹ چھانٹ کر ایسے عرب لائے گئے تھے جو عقائد کے حوالے سے ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے جنھیں مشہد کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی گراں گزری تھی۔ ان لوگوں کے لیے خلیفہ کا وہ اقدام نہایت باعث مسرت ثابت ہوا تھا۔ علاوہ ازیں وہ معتزلہ تحریک کے بھی خلاف تھے۔

وہ محافظ دستہ ہمہ وقت خلیفہ متوکل کے بہت قریب رہتا تھا۔ قصرِ خلافت میں بھی ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی خلیفہ کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔

صورتِ حال کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد بغا الصغیر نے سمجھ لیا کہ متوکل کو قتل کرنا ممکن نہیں ہوگا لیکن اسے کسی کنیز کے ہاتھوں سے زہر دلوایا جا سکتا ہے۔

اب سوال یہ تھا کہ اسے زہر دلوانے کے لیے کس کنیز کو آلۂ کار بنایا جائے؟ کچھ طے نہیں تھا کہ متوکل کس رات کو کس کنیز کو طلب کرے گا۔ لے دے کر صرف محبوبہ اور فضل ہی دو ایسی کنیزیں تھیں جنھیں خلیفہ زیادہ تر طلب کرتا تھا۔ محبوبہ اسے زیادہ محبوب تھی لیکن اسے آلۂ کار نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ بغا الصغیر نے خاصی تحقیق کے بعد جان لیا تھا کہ محبوبہ بھی متوکل سے بہت محبت کرتی تھی۔

محبوبہ کے بعد جس پر نظریں اٹھ سکتی تھیں، وہ فضل تھی لیکن اس کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ خلیفہ کو وہ کبھی کبھی دو دو ہفتے تک یاد نہیں آتی تھی۔ بغا الصغیر چاہتا تھا کہ جسے بھی آلۂ کار بنایا جائے، وہ دو چار دن میں اپنا کام کر گزرے۔ دھڑکا یہ تھا کہ زیادہ وقت گزرنے کی صورت میں فضل کی سوچ میں تبدیلی آ گئی تو کام بہت زیادہ بگڑ جائے گا۔ کیا کوئی ایسی تدبیر ممکن نہیں کہ محبوبہ جیسی اہمیت فضل کو حاصل ہو جائے؟

اس سوال پر غور کرتے ہوئے ایک منصوبہ بن گیا۔ محبوبہ پر ہار کی چوری کا الزام!

Marfat.com

بغاالصغیر جانتا تھا کہ چوری کو متوکل سخت ناپسند کرتا تھا۔ محبوبہ اس کی نظر سے گر جاتی تو فضل اس کی جگہ لے سکتی تھی۔

یہ محض اتفاق تھا کہ ان گزرے ہوئے دنوں میں منصور اور فضل کی تھوڑی بہت بات چیت ہونے لگی تھی لہٰذا اس منصوبے میں منصور سے کام لیا جا سکتا تھا۔ بغاالصغیر سے یہ بات پوشیدہ نہیں تھی کہ قصرِ خلافت کی تمام کنیزیں محبوبہ سے بہت جلتی تھیں۔ حسد کرنے والی ان کنیزوں میں خود فضل بھی تھی، کیونکہ وہ بھی متوکل کو محبوبہ کے مقابلے میں کم مطلوب تھی۔ اسی لیے بغاالصغیر کا خیال تھا کہ اگر اسے یہ لالچ دیا جائے کہ وہ محبوبہ کی جگہ لے سکتی ہے تو وہ آلۂ کار بن سکتی تھی۔ یہ اسے بعد میں بتایا جاتا کہ اسے محبوبہ کی جگہ کیوں دلوائی گئی تھی۔ اسے ڈرا دھمکا کر متوکل کو زہر دینے پر آمادہ کیا جا سکتا تھا۔ اسے زہر فراہم کر دیا جاتا تو وہ متوکل کو شراب پلاتے ہوئے اس میں زہر ملا سکتی تھی۔

بغاالصغیر کا یہ منصوبہ اس حد تک کام یاب ہو بھی گیا کہ محبوبہ متوکل کی نظروں میں معتوب قرار پائی اور اسے قصرِ خلافت میں ''تنہائی'' کی سزا دے دی گئی۔

اس منصوبے میں ایک اور کنیز کی ضرورت بھی تھی جو اس طرح پوری کی گئی کہ منتصر نے طاؤس کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

منصوبے کی کام یابی کے بعد بغاالصغیر کے علاوہ منصور کو بھی انتظار کرنا تھا کہ فضل کب محبوبہ کی جگہ لے پاتی ہے!

یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ سازش کرنے والوں کو دوسری ہی رات معلوم ہو گیا کہ متوکل نے فضل کو اپنے اسی خلوت کدے میں بلایا تھا جہاں اس سے پہلے صرف محبوبہ جا سکتی تھی۔

بغاالصغیر نے کہا۔ ''بات تو اسی وقت بنے گی جب خلیفہ فضل کو تیسرے چوتھے روز بلانے لگے جس طرح وہ محبوبہ کے لیے بے تاب ہوا کرتا تھا۔''

لیکن توقع کے خلاف یہ بات سامنے آئی کہ خلیفہ نے فضل کو روزانہ ہی بلانا شروع کر دیا۔ سازش کرنے والوں کے لیے یہ ایک خوش کن بات تھی۔ منصور نے سوچا، خلیفہ یہ اس لیے کر رہا ہے کہ محبوبہ کو جلا سکے۔

Marfat.com

اس کا یہ خیال غلط نہیں تھا۔ جو کنیز کھانا وغیرہ دینے کے لیے محبوبہ کے کمرے میں جایا کرتی تھی، وہ محبوبہ کو روزانہ بتایا کرتی تھی کہ رات کو خلیفہ نے فضل کو بلایا تھا۔

محبوبہ بے وقوف نہیں تھی جو یہ نہ سمجھتی کہ خلیفہ کے ایما پر ہی یہ بات اس تک پہنچائی جاتی ہے ورنہ حکم تو یہ تھا کہ محبوبہ سے کسی وقت بھی کوئی بات نہ کرے۔ محبوبہ کے وہ شب و روز روتے دھوتے اور حزنیہ گیت گاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ یہ سازش کرنے والوں کے لیے ایک ایسا وقت تھا کہ انھیں دیر نہیں کرنا چاہیے تھی چنانچہ منصور کو سمجھا دیا گیا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔

فضل سے منصور کی ملاقات اسی طرح ہوئی جیسے ہوا کرتی تھی۔

''کیا احوال ہیں فضل؟'' منصور نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''تمھیں محبوبہ کی جگہ مل گئی ہے۔ اب تو بہت خوش ہوگی۔''

''مجھے محبوبہ کی جگہ نہیں مل سکتی۔'' فضل نے تلخی سے کہا۔

''کیا مطلب؟ کیسے؟ یہ بات تو سارے محل میں پھیل گئی ہے کہ آج کل امیرالمومنین تمھیں روزانہ ہی بلانے لگے ہیں۔''

''نہ جانے کیوں بلانے لگے ہیں!'' فضل کے لہجے کی تلخی برقرار رہی۔ ''میری راتیں ان کے خلوت کدے ہی میں گزر رہی ہیں لیکن وہ بس شراب پیتے رہتے ہیں۔ میرے قریب صرف ایک مرتبہ آئے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ محبوبہ کو سزا دینے کے بعد وہ پچھتا رہے ہیں۔ محبوبہ اب بھی ان کے اعصاب پر چھائی ہوئی ہے۔ مجھے تو اب ذلت محسوس ہونے لگی ہے۔ وہ مجھے جس طرح پہلے بلایا کرتے تھے، وہ زیادہ اچھا تھا۔ اب تو میں اذیت میں رہتی ہوں۔''

فضل کا یہ ردِّ عمل دیکھ کر منصور کے لیے اپنی بات کرنا آسان ہوگیا۔ اس نے کہا۔ ''پھر تو جان چھڑاؤ تم اپنی۔ زہر دے دو انھیں۔''

''کیا!'' فضل ہکا بکا رہ گئی۔

''ہاں۔'' منصور نے کہا۔ ''ختم کر دو اس برے شخص کو۔''

''نہیں۔'' فضل کی آواز کانپ گئی۔ ''یہ میں نہیں کرسکوں گی۔''

Marfat.com

''فضل!'' منصور نے مکاری سے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''دراصل میں خود بھی دھوکا کھا گیا ہوں۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کھیل کا اصل مقصد کیا ہے۔ اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو میں تم سے وہ سب کچھ نہ کرواتا جو تم کر چکی ہو۔''

''میں سمجھی نہیں، تم کیا کہنا چاہتے ہو!'' فضل آنکھیں پھاڑے منصور کی طرف دیکھنے لگی۔

منصور نے پھر ایک منصوعی ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ شہزادہ منتصر کو محبوبہ سے کوئی بیر نہیں۔ تمھیں اس کی جگہ وہ صرف اسی لیے دلوانا چاہتے تھے کہ تم سے امیرالمومنین کو زہر دلوا دیں۔''

فضل کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

منصور کہتا رہا۔ ''اب شہزادے نے مجھ سے کہلوایا ہے کہ اگر تم یہ کام کر گزریں تو وہ خلافت کے منصب پر بیٹھنے کے بعد تمھیں اتنا بڑا انعام دیں گے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ یعنی وہ تمھیں اپنے نکاح میں لے لیں گے۔''

فضل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے شروع ہی میں سوچا تھا کہ کسی بھی محلاتی سازش میں شریک ہونا اس کے لیے بہتر ثابت نہیں ہوگا لیکن محبوبہ سے حسد کرنے کے باعث وہ اس سازش میں پھنس ہی گئی تھی۔

''فضل!'' منصور نے تشویش کا اظہار کیا۔ ''تم ہی نہیں، میں بھی اس جال میں پھنس گیا ہوں۔ اگر تم نے امیرالمومنین کو زہر نہ دیا تو ہم دونوں ہی کے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔''

''کیا زہر دینے کی صورت میں مشکلات پیدا نہیں ہو سکتیں؟'' فضل نے پھٹی پھٹی سی آواز میں پوچھا۔

''شاید نہیں۔'' منصور نے جواب دیا۔ ''سازش کرنے والوں کو یقین ہوگا کہ امیرالمومنین کی موت کے بعد وہ ہر قسم کے حالات پر قابو پالیں گے۔ شہزادہ منتصر کے بارے میں بھی میرا خیال ہے کہ وہ کوئی وعدہ کرتے ہیں تو اسے ایفا بھی کرتے ہیں۔ ان کی منکوحہ بننا تمھارے لیے بہت بڑا اعزاز ہوگا۔ امیرالمومنین کی وہ توجہ تو تم حاصل کر

Marfat.com

نہیں سکیں جو چاہتی تھیں، یا جو میں نے سوچا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے فضل! امیر المومنین بہر حال اچھے انسان نہیں ہیں۔ عباسی خلفا میں انھیں شاید اچھے الفاظ میں یاد نہ رکھا جائے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ انھوں نے مشہدِ مقدس کی بے حرمتی کی تھی جس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑا تھا۔ خدا کا قہر ہر جگہ نازل ہوا تھا۔ عراق میں ایسی زہریلی ہوا چلی تھی کہ بصرہ، کوفہ اور بغداد کے تمام کھیت کھلیان جل کر خاکستر ہو گئے۔ یہ کیفیت ڈیڑھ ماہ سے زیادہ عرصے تک رہی تھی۔ اس سے بے شمار لوگ بھی مرے تھے۔ اس ہوا کی وجہ سے لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر اس بادِ سموم سے نجات ملی تو دمشق میں زلزلہ آ گیا تھا۔ بے شمار مکانات منہدم ہو گئے تھے۔ سیکڑوں ہلاکتیں ہوئی تھیں۔ اگر ہم ان سماوی وارضی آفات کو نظر انداز کر بھی دیں تو کون نہیں جانتا کہ امیر المومنین ایک سفاک انسان ہیں۔ شقاوت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ذرا ذرا سی غلط فہمی پر لوگوں کو موت کی سزائیں سنائی گئی ہیں۔ تمھیں علم ہوگا کہ ابن سکیت کو اس کی سچائی کی سزا موت کی صورت میں ملی تھی۔ اگر ان سب باتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ ایک ظالم حکمراں دنیا سے اٹھ جائے؟''

منصور کی یہ طویل تقریر فضل خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کی نظریں منصور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور منصور کے الفاظ کی سچائی اس کے دل میں اترتی رہی تھی۔

''بتاؤ!'' منصور نے کچھ رک کر پوچھا۔ ''کیا میں نے کچھ غلط کہا ہے؟''

''نہیں۔'' فضل نے آہستہ سے کہا۔

منصور کو کام بنتا نظر آیا تو اس نے گرم لوہے پر ایک اور ضرب لگائی۔ ''یہ خلیفہ خود تمھاری بھی تذلیل کرتا رہا ہے۔ تم ہی ابھی بتا چکی ہو کہ وہ تمھیں روزانہ رات کو بلاتا تو رہا ہے لیکن تم سے اس کا رویہ وہ نہیں رہا جو محبوبہ کے ساتھ ہوتا تھا۔''

کچھ سوچ کر فضل کی سانسیں پھولنے لگیں۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''لیکن میں خلیفہ کو زہر دوں گی کیسے؟''

''شراب میں ملا دینا۔''

''میرے ہاتھ کانپ جائیں گے۔''

Marfat.com

''ہمت کرو فضل! ہمت کرو۔ اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے۔ اگر فرض کرلو کہ شہزادہ منتصر تم سے نکاح کا وعدہ پورا نہیں کرے گا تو بھی ہمیں بے انتہا انعام واکرام سے نوازے گا۔ اس کے برعکس اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو ہم دونوں کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔''

یہ بات فضل نے اس وقت بھی سوچی تھی جب منصور نے اسے ہار کی چوری کے منصوبے میں شریک کرنا چاہا تھا۔ فضل خوف زدہ ہوگئی تھی کہ اسے ایک سازش کا علم ہوگیا تھا لیکن اب تو صورتِ حال اس سے بھی زیادہ سنگین ہوچکی تھی۔ اسے ایک اور زیادہ خوف ناک سازش کا علم ہوگیا تھا۔ خلیفہ وقت کے قتل کی سازش کوئی معمولی سازش نہیں تھی۔

منصور نے اسے متفکر اور سوچ میں پڑا ہوا دیکھ کر کہا۔ ''آج تو باتوں میں بہت دیر ہوگئی۔ ہمیں اب ایک دوسرے سے دور ہو جانا چاہیے۔ میں کل ہی تم سے پھر ملوں گا۔ کل تک تم اپنی ہمت مجتمع کرلو، خود کو مضبوط بنالو۔ یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہوگا فضل!''

فضل اب بھی جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی اور منصور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس سے دور ہوتا چلا گیا۔ اسے بڑی حد تک یقین تھا کہ اس نے فضل کو شیشے میں اتار لیا ہے۔ اگر اسے ناکامی کا احساس ہوتا تو پھر اسے فضل سے دوسری قسم کی باتیں کرنا پڑتیں جو اسے سمجھائی گئی تھیں۔

''خلیفہ متوکل تک یہ بات پہنچادی جائے گی فضل کہ محبوبہ کے خلاف یہ سازش تم ہی نے کی تھی۔'' منصور اس سے کہتا۔ ''کنیز طاؤس یہ بیان دے گی کہ تم ہی نے اسے محبوبہ کے پاس بھیجا تھا۔ اسی سے محبوبہ کو یہ پیشکش کروائی تھی کہ چوری کیا ہوا جو ہار اس کے کمرے میں ہے، وہ طاؤس کہیں لے جاکر پھینک دے گی۔ پھر جب طاؤس ہار لینے پہنچے گی تو اسی وقت وہ سپاہی وہاں پہنچ جائیں گے جو اس سازش میں شریک ہیں۔ خلیفہ کو یہ سب کچھ بتانے سے پہلے ان سپاہیوں کو قصرِ خلافت ہی سے نہیں، شہر سے ہی کہیں دور بھیج دیا جائے گا جو اس سازش میں تمھارے شریک اس لیے بنے تھے کہ تم نے انھیں بہت بڑا لالچ دیا تھا۔''

منصور اسی قسم کی کچھ اور باتیں بھی کہتا جس سے فضل کی روح تک لرز اٹھتی لیکن

Marfat.com

ان باتوں کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

"یہ بہتر ہوا ہے۔" شہزادہ منتصر نے سب کچھ جاننے کے بعد منصور سے کہا۔
"اگر وہ ان دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر ہمارا کام کرتی تو کسی وقت بھی اس کا حوصلہ جواب دے سکتا تھا۔ اب اس کا خدشہ نہیں ہے۔ اگر اس نے کل تک خود کو مضبوط کر لیا تو وہ یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کر ڈالے گی۔ اس نے ابھی سے اس بارے میں سوچنا اور خود کو مضبوط کرنا شروع کر دیا ہوگا۔"

اور منتصر کا یہ خیال غلط بھی نہیں تھا۔ فضل اپنے بستر پر لیٹی اسی صورتِ حال پر غور کر رہی تھی اور اس کے دل و دماغ میں یہ خیال بیٹھتا جا رہا تھا کہ سلطنتِ عباسیہ کو ایک ظالم حکم راں سے نجات دلانا واقعی ایک اچھا کام ہوگا۔

ممکن ہے کہ فضل کی اس سوچ میں اس کے لاشعور کا دخل بھی ہو۔ وہ اس بات سے بہت جھلسی ہوئی تھی کہ اسے وہ مقام نہیں مل سکا تھا جو محبوبہ کو حاصل تھا۔

دوسرے دن تک وہ خود کو اس کام کے لیے پوری طرح آمادہ اور مضبوط کر چکی تھی۔ منصور سے ملاقات ہونے پر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے منصور! لوگوں کو اس ظالم شخص سے نجات ملنا ہی چاہیے۔ میں نجات دہندہ بننے کے لیے تیار ہو چکی ہوں۔ میں نے بہت سوچا ہے، اور اب میں بہت پُر اعتماد ہو چکی ہوں۔"

منصور خوش ہو گیا۔ اس وقت اس نے فضل سے زیادہ باتیں نہیں کیں اور جو زہر وہ اپنے ساتھ لایا تھا، وہ فضل کے حوالے کر دیا۔

"یہ بہت سریع الاثر ہے۔" اس نے فضل سے کہا تھا۔ "اور تمھیں کوئی دشواری بھی نہیں ہوگی۔"

زہر اتنی چھوٹی سی ڈبیا میں تھا جسے بہ آسانی ہتھیلی میں بھی چھپایا جا سکتا تھا۔

ڈبیا دینے اور بہت مختصر سی بات چیت کے بعد منصور چلا گیا۔ فضل اپنے کمرے میں آ گئی۔ زہر کی ڈبیا لینے کے بعد اس کے دل کی دھڑکنیں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بڑی احتیاط سے بند کیا اور بستر پر بیٹھ کر ڈبیا کھول کر دیکھی۔ وہ زہر خشخاش

Marfat.com

کے دانے جیسا تھا اور اتنا کم تھا کہ اس چھوٹی سی ڈبیا کے آٹھویں حصے میں آ گیا تھا۔

منصور نے فضل کو بتایا تھا کہ وہ دانے شراب میں پڑتے ہی گھل جائیں گے۔ ان سے شراب کی تلخی میں خفیف سا اضافہ ہوگا جسے خلیفہ محسوس نہیں کر سکے گا اور دو گھونٹ پیتے ہی گر کر مر جائے گا۔

''پھر؟'' فضل نے بڑی وحشت سے پوچھا تھا۔

''تم بالکل مت گھبرانا۔'' منصور نے جواب دیا تھا۔''اندر ہی سے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹا دینا۔ جن لوگوں نے یہ ساری منصوبہ بندی کی ہے، وہ سب سنبھال لیں گے۔ ظاہر یہ کیا جائے گا کہ شراب پیتے ہوئے خلیفہ کی حرکت قلب بند ہوگئی۔''

ان دونوں میں اس معاملے پر اس سے زیادہ گفت گو نہیں ہوئی تھی۔

فضل نے زہر دیکھنے کے بعد ڈبیا بند کر کے ایک جگہ چھپا دی۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پریشانی بڑھتی ہی رہی۔ رات کا کھانا بھی وہ ٹھیک سے نہیں کھا سکی۔ ایک پہر رات گزر چکی تھی جب اس نے بناؤ سنگار کیا۔ خلیفہ اسے لگ بھگ اسی وقت اپنے خلوت کدے میں بلایا کرتا تھا۔

سنگار کرنے کے بعد اس نے زہر کی ڈبیا اپنے لباس میں چھپا لی اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ خلیفہ اسے طلب کرنے کے لیے اپنے خادمِ خاص کو بھیجا کرتا تھا۔

وقت گزرتا رہا لیکن وہ خادم نہیں آیا۔ جب آدھی رات گزر گئی تو فضل کی پریشانی میں حد درجہ اضافہ ہوگیا۔ رہ رہ کر یہ خیال اس کے دماغ میں چبھنے لگا کہ خلیفہ کو اپنے دشمنوں کی منصوبہ بندی کا علم تو نہیں ہوگیا؟

جب سے محبوبہ معتوب ہوئی تھی، کوئی رات ایسی نہیں گزری تھی جب خلیفہ نے اسے اپنے خلوت کدے میں نہ بلایا ہو۔ اتنا تو وہ محبوبہ کو بھی نہیں بلاتا تھا۔ اس سے فضل اتنا سمجھ سکی تھی کہ خلیفہ اس طرح محبوبہ کو ذہنی اذیت بھی پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ بات کسی نہ کسی طرح محبوبہ تک ضرور پہنچائی جاتی ہوگی کہ فضل اب خلیفہ کو اتنی زیادہ مرغوب و مطلوب ہوگئی ہے۔

جب رات کا تیسرا پہر گزر رہا تھا تو فضل کا دماغ نیند کے دباؤ سے بھاری ہونے لگا اور پھر کسی وقت اسے نیند آ گئی۔

Marfat.com

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ چکا تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھی۔ اس نے سب سے پہلے تو زہر کی ڈبیا کسی جگہ چھپائی جو رات بھر اس کے پاس ہی رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسے معلوم ہوسکا کہ وہ رات کو بلاوجہ پریشان رہی تھی۔ ایسا کوئی معاملہ نہ تھا جو اس کے دماغ میں چبھتا رہا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ رات کے پہلے پہر میں تو خلیفہ اپنے وزیر ابنِ خاقان سے کسی خاص معاملے میں مشاورت کرتا رہا تھا اور پھر اسے حرم سرا سے اطلاع ملی تھی کہ اس کی ایک بیوی دردزہ میں مبتلا تھی اور بچے کی ولادت کسی وقت بھی متوقع تھی۔ یہ اطلاع ملتے ہی خلیفہ نے حرم سرا کا رخ کیا تھا۔ بچے کی ولادت رات کے آخری پہر میں ہوئی تھی۔

اسی لیے خلیفہ اپنے اس خلوت کدے میں واپس نہیں آسکا تھا جہاں وہ فضل کو بلایا کرتا تھا۔

یہ سب کچھ معلوم ہونے کے بعد فضل نے سکون کی سانس لی۔

☆☆☆

اس دن متوکل بے حد خوش تھا۔ اس نے کسی خیال کے تحت علی بن جہم کو طلب کیا۔

علی بن جہم السامی ایک عرب شاعر تھا۔ اس وقت اس کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہوچکی تھی۔ جب وہ اپنے باپ کے ساتھ خراسان سے بغداد آیا تھا، اس وقت اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا باپ، خلیفہ مامون اور خلیفہ واثق کے عہد میں کئی اچھے منصبوں پر فائز رہا۔ وہ ایک ادبی گھرانا تھا۔ علی بن جہم کے بھائی ادبی حلقوں میں ممتاز و معروف تھے۔ وہ اثرات علی بن جہم پر بھی پڑے۔ وہ بھی شعر کہنے لگا۔ خلیفہ معتصم کے عہد میں اسے حلوان کے علاقے میں ایک محکمے کے عدالتی اختیارات مل گئے تھے جبکہ وہ شاعر کی حیثیت سے کسی بڑے مقام کا خواہش مند تھا۔ اس وقت اس کی خواہش غالباً اس لیے پوری نہیں ہوسکی کیونکہ وہ امام احمد بن حنبلؒ کا حامی تھا جو معتزلہ کے شدید مخالف تھے۔ پھر جب متوکل کا دور آیا اور معتزلہ تحریک پر قدغن لگا دی گئی تو علی بن جہم نے کسی نہ کسی طرح دربارِ خلافت تک رسائی حاصل کرلی۔ اب وہ دربار کے ان دو ایک شاعروں میں سے تھا جو متوکل کو بہت چہیتے تھے لیکن کبھی کبھی اس کی صاف گوئی

Marfat.com

متوکل کو گراں گزر جاتی تھی۔ وہ کوشش کرتا تھا کہ متوکل کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار سے گریز کرے لیکن کسی وقت کوئی ایسی دیسی بات اس کی زبان سے نکل ہی جاتی تھی۔

اب جو اسے خلیفہ کی طرف سے طلبی کا پروانہ ملا تو وہ پریشان ہو گیا۔ اسے دن میں کبھی طلب نہیں کیا گیا تھا۔ شعر و شاعری کی نشستیں عموماً رات کو ہوا کرتی تھیں۔ علی بن جہم کو اندیشہ لاحق ہوا کہ شاید اس کی اِدھر اُدھر کہی ہوئی کوئی بات خلیفہ کے کانوں تک پہنچ گئی ہے۔ اگرچہ خلیفہ اس کے اچھے اشعار کی وجہ سے ان باتوں کو نظر انداز ہی کر دیتا تھا جو اسے گراں گزرتی تھیں لیکن علی بن جہم خوب جانتا تھا کہ حکم راں کتنے متلوّن مزاج ہوتے ہیں۔ بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دیں گے لیکن کسی چھوٹی سی بات پر حددرجہ مغلوب الغضب ہو جائیں گے۔

ان خیالات کے ساتھ علی بن جہم ڈرتے ڈرتے متوکل کے حضور میں پہنچا لیکن اس وقت اسے اطمینان حاصل ہو گیا جب اس نے خلیفہ کو بہت خوش و خرم دیکھا۔ علی بن جہم سلام خلافت پیش کرنے کے بعد مودب کھڑا رہا۔

''بیٹھو ابن جہم!'' متوکل نے کہا۔ ''آج ہم بہت خوش ہیں۔''

علی بن جہم ادب سے بیٹھ گیا۔

متوکل پھر بولا۔ ''رات کے آخری پہر میں ہم پھر ایک بیٹے کے باپ بنے ہیں۔''

''مبارک ہو امیر المومنین!'' علی بن جہم نے کہا۔

''لیکن ہمیں اس سے بھی زیادہ ایک خوشی اور حاصل ہوئی ہے۔'' متوکل نے بات جاری رکھی۔ ''بچے کی پیدائش کے ذرا دیر بعد ہمیں نیند آ گئی تھی۔ اگرچہ تھوڑی ہی دیر سو سکے لیکن اتنی دیر تک ایک ہی خواب دیکھتے رہے۔ بتا سکتے ہو، ہم نے خواب میں کسے دیکھا ہو گا؟''

علی بن جہم نے کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''شاید...... محبوبہ۔''

''شاید نہیں، یقیناً۔'' متوکل نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ''وہی آئی تھی ہمارے خواب میں! تم خوب سمجھے ابن جہم! دراصل تمھیں اندازہ ہے کہ ہم اس سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ تم نے ہماری اس محبت پر کچھ اشعار بھی کہے تھے اور ہمیں سنائے تھے۔ بہت اچھے شعر

Marfat.com

کہے تھے تم نے۔ تم اچھے ہی شعر کہتے ہو۔ اسی لیے ہم تمھیں بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ تم بس کبھی کبھی کوئی ایسی بات کہہ جاتے ہو کہ...... خیر، چھوڑو! ہم تمھیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے خواب میں وہ بس چند ہی اشعار بار بار گاتی رہی، وہ بہت اداس تھی۔''

''یقیناً وہ اداس ہوگی امیرالمومنین!'' علی بن جہم نے کہا۔ ''وہ بھی آپ سے اتنی ہی محبت کرتی ہے، جتنی محبت آپ اس سے کرتے ہیں۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آسکا کہ آپ نے اسے سزا کیوں دے دی!''

''ہم بہت جھنجلا گئے تھے ابن جہم! تم جانتے ہو کہ چوری ہماری نظروں میں بدترین فعل ہے۔ بس جھنجلاہٹ میں ہی اسے سزا دے بیٹھے۔ پھر ہم نے چاہا تھا کہ فضل کو قریب کرکے پُرسکون ہو جائیں لیکن یہ ممکن نہیں ہوا۔ ہم اسی کے لیے بے چین رہے ہیں۔''

علی بن جہم کچھ نہیں بولا۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اس موقع پر اسے کیا کہنا چاہیے۔ وہ مستفسرانہ نظروں سے متوکل کی طرف دیکھتا رہا، جو اچانک کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ آخر اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''نہیں یاد آرہے ہیں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا امیرالمومنین!''

''ہم تمھیں وہ شعر سنانا چاہتے تھے جو وہ ہمارے خواب میں گا رہی تھی لیکن وہ ہمیں یاد نہیں آرہے ہیں۔ بس ان کا مطلب یاد رہ گیا ہے۔ وہ یہ گا رہی تھی کہ محل میں کوئی نہیں جس سے میں اپنی حالت بیان کرسکوں اور کوئی مجھ سے بھی کلام نہیں کر رہا ہے۔ مجھے ایک ایسے جرم کی سزا دی گئی ہے جو میں نے نہیں کیا۔ اسی لیے میں بہت اذیت میں ہوں۔ کاش کوئی ایسی صبح آئے کہ مجھے کوئی شخص ہجر کی اس کیفیت میں قتل کر دے یا کوئی بادشاہ سے میری سفارش کر دے کہ مجھے دوبارہ اس کا وصل حاصل ہو جائے۔''

''خوب!'' علی بن جہم نے کہا۔ ''غالباً وہ بہت تکلیف میں ہے۔''

''ہاں ابن جہم!'' متوکل نے کہا۔ ''اسی لیے ہم سوچ رہے ہیں کہ اسے معاف کردیں، اس سے صلح کرلیں۔''

''لاریب، یہ بہت مناسب سوچ ہے آپ کی! اس کے فراق میں آپ کو سکون نہیں مل سکتا۔''

Marfat.com

''تو آؤ۔'' متوکل کھڑا ہو گیا۔ ''چل کر دیکھتے ہیں، وہ کیا کر رہی ہے!''

''آپ اسے طلب کر لیں۔'' علی بن جہم نے کہا۔ ''وہ سر کے بل آئے گی، خوشی سے بے حال ہو گی۔''

''ہمیں اندازہ ہے، لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ تنہائی میں کیا کرتی رہتی ہے۔''

علی بن جہم کے لیے اب کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ وہ متوکل کے ساتھ ہو لیا۔ کمرے سے نکلتے ہی محافظ دستے کے سپاہی بھی ساتھ ہو لیے۔ ان میں سے چند پیچھے اور کچھ آگے آگے رہے۔ آگے چلنے والوں کو بتا دیا گیا تھا کہ خلیفہ کو کہاں جانا ہے۔

ذرا دیر بعد وہ محل کے اس حصے میں تھے جہاں کنیزیں رہتی تھیں۔ محل کے اندرونی حصے کے پہرے داروں نے بڑی حیرت سے متوکل کی طرف دیکھا۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ متوکل نے محل کے اس حصے کا رخ کیا ہو۔

متوکل کا انداز اس وقت بڑا بے تابانہ تھا لیکن محبوبہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے فوراً ہی اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے علی بن جہم کو بھی خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس وقت اس کی نمایاں بے قراری ایک حکم راں کے شایان شان نہیں تھی۔ وہ ایک عاشق نظر آ رہا تھا جس کی کوشش تھی کہ اندر سے اگر کوئی آواز آ رہی ہو تو اسے سن لے۔

وہ آواز علی بن جہم نے بھی سنی جو کمرے کے اندر سے آ رہی تھی۔ وہ آواز محبوبہ ہی کی تھی۔ وہ عُود پر بڑی پُرسوز آواز میں جو کچھ گا رہی تھی اس کا مطلب وہ متوکل سے سن چکا تھا۔ اس نے حیرت کا تاثر متوکل کے چہرے پر بھی دیکھا۔ حیرت کے ساتھ کچھ افسردگی بھی تھی۔ پھر شاید اسے خود پر قابو ہی نہیں رہا۔ اس نے زور سے دروازے کو دھکا دیا جو اندر سے بند نہیں تھا۔ وہ کھلتا چلا گیا اور ساتھ ہی متوکل نے بھی قدم اندر رکھ دیا۔

محبوبہ کو دروازے کی آواز ہی نے چونکا دیا تھا اور وہ عُود چھوڑ کر جلدی سے کھڑی ہو گئی تھی۔ خلیفہ کو دیکھ کر وہ دو چار پل کے لیے تو بھونچکا سی نظر آئی، پھر یکایک دوڑنے کے سے انداز میں آگے بڑھ کر خلیفہ کے قدموں میں گر پڑی۔

''میں جانتی تھی آپ آئیں گے، میں جانتی تھی آپ آئیں گے۔'' وہ ہذیانی

Marfat.com

انداز میں کہہ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگے تھے۔ ”میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔“

متوکل اس وقت بھول گیا کہ علی بن جہم بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے محبوبہ کو اس کے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

”ہاں۔“ متوکل نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ”ہم تمھیں معاف کر چکے ہیں محبوبہ! ہم نے بھی تمھیں خواب میں دیکھا تھا۔ تم خواب میں بھی یہی اشعار گا رہی تھیں جو ابھی ہم نے تمھیں گاتے ہوئے سنا ہے۔“

علی بن جہم نے اس وقت کمرے سے نکل جانا ہی ضروری سمجھا۔ وہ دبے قدموں باہر نکل گیا اور پھر اسی نے دروازہ بھی بند کر دیا۔

”میں یہی سب کچھ گا کر وقت گزارتی رہی ہوں امیر المومنین!“ محبوبہ نے سسکتے ہوئے کہا۔ ”مجھے خواب سا لگتا ہے کہ آپ نے مجھے سزاوار سمجھا۔“

”ہم بھی اتنے دن سکون سے نہیں رہے محبوبہ!“ متوکل نے کہا۔ ”کاش تم نے وہ حرکت نہیں کی ہوتی! یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ چوری کرنا ہماری نظر میں بدترین فعل ہے۔ تم نے ہم سے کہا ہوتا! ہم تمھیں اس سے کہیں زیادہ قیمتی ہار دے دیتے۔“

”میں نے ہار نہیں چرایا امیر المومنین!“ محبوبہ نے متوکل سے الگ ہو کر آنسو بھری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں نے اس دن بھی آپ سے کہا تھا کہ میرے خلاف سازش ہوئی ہے۔“

”لیکن تمھارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں......“

”بے شک! میرے پاس کوئی ثبوت نہیں لیکن......“ محبوبہ یکا یک چپ ہوئی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی لیکن زیادہ دیر نہیں سوچا، صرف دو تین پل رک کر اس نے کہا۔ ”ایک بات بتایئے امیر المومنین! دنیا میں کون سی ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہو؟“

متوکل خفیف سا مسکرایا۔ ”وہ تو ہم ہی ہو سکتے ہیں۔“

”یقین ہے آپ کو؟“

Marfat.com

''ہاں۔''

''اور مجھے بھی یقین ہے کہ آپ کو بھی میں ہی سب سے زیادہ عزیز ہوں۔''

''بے شک یہ بھی درست ہے۔''

''تو پھر میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھایئے!''

''کس بات کی قسم؟''

''یہی کہ......آپ کو یقین ہے کہ میرے لیے آپ ہی دنیا کی عزیز ترین ہستی ہیں۔''

''اس کا تو ہمیں یقین ہے محبوبہ! ہم نے ابھی کہا نا! چلو ہم تمھارے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم بھی کھا لیتے ہیں۔'' متوکل نے محبوبہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

محبوبہ کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے اپنی آنسوؤں سے بھیگی آنکھیں خشک کیں اور پھر متوکل کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تو پھر اب میں اپنی عزیز ترین ہستی کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتی ہوں کہ وہ ہار میں نے نہیں چرایا تھا۔''

متوکل فوراً بے حد سنجیدہ ہو گیا۔

محبوبہ پھر بولی۔ ''غالباً اب آپ نے یقین کر لیا ہے کہ وہ ہار میں نے نہیں چرایا۔''

''یقیناً تم ہمارے سر پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم نہیں کھا سکتیں۔'' خلیفہ متوکل غصے میں نظر آیا۔ ''جس نے بھی تمھارے خلاف یہ سازش کی ہے، ہم اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے اتنی دردناک سزا دیں گے کہ سننے والوں کی بھی روح لرز اٹھے۔''

متوکل غصے میں ٹہلنے لگا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ محبوبہ خاموش کھڑی رہی۔ متوکل ٹہلتے ٹہلتے اس کے سامنے رکا۔ محبوبہ اب بھی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ''محبوبہ!'' متوکل بولا۔ ''ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم جب ہار لے کر اپنے کمرے سے نکل رہی تھیں تو، طاؤس نامی کوئی کنیز بھی وہاں تھی۔''

''جی ہاں۔''

''کیوں؟''

''میں آپ کو اسی دن سب کچھ بتا دیتی لیکن آپ نے مجھے اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی کہ میں اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکوں اور آپ کو سارا واقعہ سنا سکوں!''

Marfat.com

''تو اب بتاؤ ہمیں!''

''مجھے طاؤس ہی نے بتایا تھا کہ وہ ہار کسی نے میرے کمرے میں کہیں چھپا دیا ہے۔'' محبوبہ نے جواب دیا۔ ''وہ......''

''ہمیں تفصیل سے بتاؤ محبوبہ!'' متوکل نے بے چینی سے کہا۔

''میں تفصیل سے ہی بتانے جارہی ہوں امیرالمومنین!''

متوکل مستفسرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ محبوبہ نے تفصیل سے بتانا شروع کیا لیکن وہ اس وقت بھی بغاالکبیر کا نام اپنی زبان پر نہیں لائی۔ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

متوکل بولا۔ ''طاؤس کو تم سے اتنی ہم دردی کیسے ہوگئی؟ ہم نے تو سنا ہے کہ ساری کنیزیں تم سے حسد کرتی ہیں۔''

''یہ تو میں نہیں جانتی امیرالمومنین کہ اسے مجھ سے اتنی ہم دردی کیوں ہوگئی!''

''خیر! ہم ابھی اس بارے میں تحقیقات شروع کرواتے ہیں۔'' متوکل نے کہا۔ ''تمھاری سزا تو سمجھ لو کہ ہم نے ابھی ختم کردی، مگر فی الحال یہ ظاہر نہ ہو۔ کم از کم آج کا دن تم اپنے کمرے ہی میں گزارنا۔''

محبوبہ خوش ہوکر مسکرائی۔ ''آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ اس خوشی میں تو میں دس دن بھی اس کمرے سے نہیں نکلوں گی!''

''نہیں، بس آج! یا زیادہ سے زیادہ کل صبح تک۔'' متوکل نے کہا۔ ''ہمیں اس سے زیادہ وقت نہیں لگے گا تحقیقات مکمل کروانے میں۔ اب تم آرام کرو۔ اگر آج نہیں، تو کل رات تم ہمارے پاس ہوگی۔''

محبوبہ کا چہرہ اب خوشی سے کھلا ہوا تھا۔

متوکل اس کے کمرے سے نکل آیا۔ علی بن جہم دروازے کے قریب ہی اس کا منتظر تھا۔ اس کی یہ مجال نہیں تھی کہ خلیفہ سے اجازت لیے بغیر قصرِ خلافت سے رخصت ہو جاتا۔

''اس کے سر پر شاید موت ناچ رہی ہے۔'' متوکل نے علی بن جہم کی طرف دیکھتے ہوئے غصیلے انداز میں کہا۔ ''ہم اس لیے آئے تھے کہ اسے معاف کر دیں گے

Marfat.com

لیکن یہ اپنی خطا پر نادم ہونے کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔"

یہ سب کچھ متوکل نے اتنی زور سے کہا تھا کہ قرب و جوار میں جو بھی ہو، وہ اس کی آواز سن لے۔ اس کا مقصد تھا کہ سازش کرنے والوں کو مطمئن رکھ سکے اور وہ لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ محبوبہ نے کسی طرح خلیفہ کی بدظنی ختم کر دی ہے۔ تحقیقات ہونے تک یہ ضروری تھا کہ سازش کرنے والوں کو مطمئن رکھا جاتا۔

متوکل نے علی بن جہم کو رخصت کرنے کے بعد اپنے وزیر ابنِ خاقان کو طلب کیا۔ وہ خلیفہ کا پرکھا ہوا معتمد تھا۔ خلیفہ نے اسے بے کم و کاست وہ ساری باتیں بتا دیں جو محبوبہ سے ہوئی تھیں۔

سب کچھ سننے کے بعد ابنِ خاقان استفہامیہ نظروں سے خلیفہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"ابنِ خاقان!" خلیفہ کچھ توقف سے کھردرے لہجے میں بولا۔ "ہم نے تمھیں مشاورت کے لیے بلایا ہے، نہ کہ خاموش رہنے کے لیے!"

"میں سوچ میں پڑ گیا تھا امیر المومنین!" ابن خاقان نے بات بنائی حالانکہ وہ سمجھ نہیں سکا تھا کہ خلیفہ نے اسے وہ ساری باتیں کیوں بتائی تھیں۔

خلیفہ نے پوچھا۔ "کس سوچ میں پڑ گئے تھے؟"

"یہی کہ محبوبہ نے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا ہے، وہ کس حد تک درست ہو سکتا ہے!" ابنِ خاقان نے کہا۔ "مگر کیونکہ وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے اور اس نے آپ کے سر کی قسم کھائی ہے اس لیے سمجھنا تو یہی چاہیے کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا ہو گا۔"

"ٹھیک کہا تم نے!" خلیفہ بولا۔ "وہ ہماری جھوٹی قسم نہیں کھا سکتی۔ اب ہم جاننا چاہتے ہیں کہ اس کے خلاف یہ سازش کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ کوئی کنیز ہی ہو سکتی ہے۔" ابن خاقان نے کہا۔ "قصر کی سبھی کنیزیں محبوبہ سے حسد کرتی ہیں۔"

"مگر کسی کنیز کو یہ حرکت کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟"

"کسی کنیز کو اس سے بھی تسکین مل سکتی ہے کہ محبوبہ آپ کے عتاب کا شکار ہو جائے۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ چوری آپ کی نظروں میں نہایت ناپسندیدہ فعل ہے۔"

Marfat.com

خلیفہ کچھ سوچنے لگا، پھر بولا۔ ”ہمیں یہ یقین کرنے میں تذبذب ہے کہ یہ سازش کسی کنیز نے صرف اپنے دل کی تسکین کے لیے کی ہو!“

”آپ اس معاملے کی مکمل چھان بین چاہتے ہیں تو اس کھیل میں جس کنیز نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے، اس سے پوچھ گچھ ضروری ہے۔ ابھی آپ مجھے بتا چکے ہیں کہ طاؤس نام کی کوئی کنیز محبوبہ کے پاس گئی تھی اور......“

”ٹھیک کہہ رہے ہو تم!“ خلیفہ نے اس کی بات کاٹی۔ ”اس بارے میں طاؤس سے پوچھ گچھ ضروری ہے۔“

”لیکن یہ ضروری نہیں ہے امیر المومنین کہ سازش اسی نے کی ہو، عین ممکن ہے کہ وہ کسی کی آلہ کار بنی ہو اور اس سارے معاملے کے پیچھے صرف حسد کارفرما نہ ہو۔ اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہو سکتی ہے۔“

”مگر ابھی تو تم نے صرف حسد کی بات کی تھی!“

”جی ہاں۔“ ابنِ خاقان نے کہا۔ ”لیکن آپ سے باتیں کرتے ہوئے میرا دماغ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتا رہا ہے۔ بہتر ہوگا کہ دیگر امکانات بھی نظر انداز نہ کیے جائیں۔“

”دیگر امکانات کیا ہو سکتے ہیں؟“

”میں نے ابھی اس پہلو پر سوچا ہے کہ محبوبہ کے معتوب ہونے سے فوری طور پر کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے مجھے فضل کا خیال آیا ہے۔ محبوبہ کے معتوب ہونے کے باعث اسے آپ کا زیادہ قرب حاصل ہو گیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ سازش فضل نے کی ہو اور طاؤس کو آلۂ کار بنایا ہو اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ اس سازش کے پس پردہ کچھ اور ہاتھ ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ یہ سازش شاید اس لیے کی گئی ہو کہ فضل کو آپ کا زیادہ قرب حاصل ہو جائے۔“

متوکل بہت زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ ”سازش کرنے والوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟“

”شاید وہ فضل کو آپ کے قریب کر کے اس سے کوئی کام لینا چاہتے ہوں۔“

Marfat.com

اب متوکل کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں "وہ اس سے کیا کام لے سکتے ہیں ابنِ خاقان؟"

"یہ اندازہ لگانا میرے لیے مشکل ہے۔ میری نظر میں صرف یہ بات ہے کہ ترک سرداروں میں سے بعض کی نیت آج کل مجھے کچھ ٹھیک نظر نہیں آ رہی ہے۔ جب سے آپ نے ترک سرداروں کا زور ختم کرنے کے لیے بعض اقدام کیے ہیں، تبھی سے میں نے بعض ترک سرداروں میں یہ تبدیلی محسوس کی ہے۔"

متوکل اب بے چین نظر آیا۔ "تمھارا مطلب ہے کہ وہ ترک سردار ہمیں فضل کے ذریعے کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں؟"

"اس سوال کا جواب اثبات میں دینے سے پہلے، میں آپ سے یہ جاننے کا خواہش مند ہوں کہ فضل کو آپ اپنا کتنا وفادار سمجھتے ہیں؟"

"ہم محبوبہ کو تو اپنا وفادار ہی نہیں بلکہ بہت کچھ سمجھتے ہیں لیکن فضل کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"تو پھر اگر میرا یہ خیال درست ثابت ہوتا ہے کہ سازش کنندگان پس پردہ ہیں تو پھر فضل ان کی آلۂ کار بن سکتی ہے۔"

"ترک سرداروں کی؟"

"ان کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہو سکتے ہیں۔"

"یعنی؟"

"آپ کے بھائی، مرحوم خلیفہ واثق باللہ کی اولادیں موجود ہیں۔ وہ بھی منصب خلافت کو اپنا حق سمجھتی ہیں۔ یہ میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں سبھی امکانات پر نظر رکھنا چاہیے ورنہ غلطی کا احتمال رہے گا۔"

"تو پھر منتصر کا نام بھی لو۔" خلیفہ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ہمیں کچھ سن گن ملی ہے کہ جب سے ہم نے منتصر کے بجائے معتز کو اپنا ولی عہد اوّل نام زد کیا ہے، منتصر بہت منغّص ہے۔"

"میں نے احتراماً ان کا نام نہیں لیا۔ وہ بہرحال آپ کے بیٹے ہیں۔"

"ناخلف ہے وہ۔" خلیفہ نے درشت لہجے میں کہا۔ "وہ اس قابل نہیں کہ اس کا

Marfat.com

احترام تم پر واجب ہو۔"

''بہر حال اب آپ طاؤس کو طلب فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں کر سکے گی۔"

''اگر اس میں ہمت ہوگی بھی تو ہم اسے توڑ دیں گے۔'' خلیفہ نے مشتعل سے لہجے میں کہا۔ ''ہم اسے ابھی طلب کرتے ہیں۔"

''یہاں؟'' ابنِ خاقان نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں! کیوں؟'' خلیفہ اسے گھورنے لگا۔

''اگر آپ نے اسے یہاں طلب کیا تو قصر میں کسی سے بھی یہ بات چھپی نہیں رہ سکے گی اور سازش کنندگان کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔"

خلیفہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''تمھارا خیال ہے کہ سازش کنندگان قصر میں ہی موجود ہیں؟"

''امیر المومنین!'' ابنِ خاقان نے کہا۔ ''وہ خود نہیں ہوں گے تو ان کے مخبر، ان کے کارندے ضرور ہوں گے۔"

خلیفہ کی پیشانی سے شکنیں ختم ہو گئیں۔ چہرے پر سوچ بچار کا تاثر ابھر آیا۔

☆☆☆

طاؤس ان دنوں بہت خوش تھی۔ اسے دو مرتبہ شہزادہ منتصر کا قرب حاصل ہو چکا تھا۔ اس کی پھٹ پڑتی اور ابلتی سی جوانی، آسودہ ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ گمان بھی اسے مسرور کیے ہوئے تھا کہ مستقبل قریب میں وہ خلیفہ منتصر کی منکوحہ بن جائے گی۔

سلطنتِ عباسیہ کے لیے یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہوتا۔ ماضی کے دو ایک خلفا کو چھوڑ کر سبھی خلیفہ کسی نہ کسی کنیز کے بطن سے تھے۔ خود خلیفہ متوکل کی ماں ایک کنیز تھی جس کا نام شجاع تھا۔ وہ بعد میں طخارستانیہ کہلانے لگی تھی۔ اسی طرح منتصر بھی ایک رومی کنیز حبشیہ کے بطن سے تھا۔

طاؤس یوں سوچنے لگی تھی کہ عباسی خلفا کی تاریخ خود کو اسی طرح دہراتی رہے گی۔ وہ عموماً اسی سوچ میں گم رہتی۔ شام کے بعد وہ اپنے کمرے کے شمع دان روشن

Marfat.com

کرتے ہوئے اس خیال سے بھی خوش تھی کہ آدھی رات کے بعد شہزادہ منتصر نے اسے اپنی خواب گاہ میں بلایا تھا۔

شمع دان روشن کرنے کے بعد وہ بیٹھی ہی تھی کہ حرم سرا سے اس کے لیے ایک پیغام آیا۔ اسے حرم سرا میں بلایا گیا تھا۔ بلانے والی خلیفہ متوکل کی بیوی اور شہزادہ معتز کی ماں قبیحہ تھی۔

"فوراً بلایا گیا ہے۔ پیغام لانے والی خادمہ نے اس سے کہا۔ "تم میرے ساتھ ہی چلو۔"

طاؤس کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ اس حکم کی تعمیل نہیں کرتی۔ وہ اٹھ کر خادمہ کے ساتھ حرم سرا کی طرف چل پڑی۔ اس کا ذہن الجھا رہا۔ وہ اندازہ لگانے سے بھی قاصر تھی کہ قبیحہ نے اسے کیوں بلایا ہوگا۔ کچھ خیالات تو اس کے دماغ میں آئے لیکن کوئی خیال بھی اس کے ذہن میں جم نہیں سکا۔ حرم سرا کی طرف جاتے ہوئے دو ایک کنیزوں سے سامنا ہوا۔ وہ جانتی تھیں کہ طاؤس کے ساتھ نظر آنے والی خادمہ صرف حرم سرا تک محدود رہتی تھی۔ اس کے ساتھ طاؤس کو جاتے دیکھ کر وہ متعجب ہوئیں۔

"کہاں جا رہی ہو؟" ایک تو سوال بھی کر بیٹھی۔

طاؤس پریشان تھی لیکن اس نے ہنس کر جواب دیا کہ اسے کسی نے بلایا ہے۔ جواب دیتے ہوئے وہ آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ خادمہ کی وجہ سے مناسب نہیں تھا کہ وہ جواب دینے کے لیے رکتی۔

حرم سرا میں قبیحہ کی خواب گاہ کے سامنے رک کر خادمہ نے طاؤس سے کہا۔ "تم یہیں رکو۔ میں اندر جا کے اطلاع دیتی ہوں۔"

وہ طاؤس کی طرف دیکھے بغیر دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ پھر اس کی واپسی بھی فوراً ہوئی تھی۔ اس نے طاؤس سے کہا۔ "اب تم اندر جا سکتی ہو۔"

طاؤس دھڑکتے دل کے ساتھ خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

قبیحہ بڑی تمکنت سے ایک مسند پر بیٹھی ہوئی تھی۔ طاؤس نے اسے نہایت احترام سے سلام کیا اور خود پر جبر کر کے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "زہے نصیب کہ آپ نے مجھے یاد کیا۔"

"تمھیں ہم نے نہیں، انھوں نے یاد کیا ہے۔" قبیحہ نے ایک جانب اشارہ کیا۔

Marfat.com

وہ کمرا اتنا وسیع وعریض تھا کہ اندر داخل ہوتے وقت طاؤس کی نظر اس طرف نہیں گئی تھی جدھر قبیہ نے اشارہ کیا تھا۔

اب جو قبیہ نے اس طرف دیکھا تو اس کا دل اچھل پڑا۔

اس طرف مسند پر خلیفہ متوکل بیٹھا ہوا تھا۔

''طاؤس!'' متوکل مسند سے کھڑا ہوتا ہوا گرج کر بولا۔ ''ہم ساری سازش سے واقف ہو چکے ہیں جس میں تم بھی شامل ہو۔ اسی لیے تم بھی قابل تعزیر ٹھہری ہو۔ اس سازش میں شریک ہر فرد کو نہایت اذیت ناک سزائیں دی جائیں گی۔''

متوکل نے وہ سب کچھ غلط کہا تھا ابھی اسے کچھ بھی معلوم نہیں ہوا تھا لیکن اس کی گرجتی ہوئی آواز نے طاؤس کو پسینے پسینے کر دیا۔ وہ یوں محسوس کرنے لگی جیسے اس کے جسم سے جان نکلتی چلی جا رہی ہو۔ متوکل کہتا رہا۔ ''صرف تم کو ہم ایسی سزا نہیں دیں گے جو اذیت ناک ہو لیکن اس کی ایک شرط ہے۔ ہم تمھیں ان باتوں کا گواہ بنانا چاہتے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہیں۔''

طاؤس کو سمجھایا جا چکا تھا کہ اگر اس سے پوچھ گچھ کا موقع آئے تو وہ محبوبہ کے بیان کی تردید کرے گی لیکن متوکل کے لہجے اور اس کے غضب ناک چہرے نے اس کے اوسان خطا کر دیے۔ وہ گڑگڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور متوکل کے قدموں میں گر پڑی۔

''مجھے معاف کر دیں امیر المومنین! مجھے معاف کر دیں۔'' وہ شکستہ سانسوں کے ساتھ بار بار کہے جا رہی تھی۔

متوکل بولا۔ ''ہم کہہ چکے ہیں کہ تمھیں کوئی اذیت ناک سزا نہیں دی جائے گی۔ تمھاری سزا صرف یہ ہوگی کہ تم اب حرم سرا سے باہر نہیں نکلو گی تاوقتیکہ ہم سازش کرنے والوں کا صفایا نہ کر دیں۔ بس اب تم بیان کرنا شروع کر دو۔ ہم تمھاری زبان سے سچ کے علاوہ کچھ بھی سننا پسند نہیں کریں گے۔''

طاؤس اب بھی متوکل کے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔ اسی حالت میں اس نے بولنا شروع کر دیا۔ جو کچھ اس کے علم میں تھا، وہ اس نے بے کم وکاست بیان کر ڈالا۔ اس کی زبان سے منتصر کا نام سنتے ہی نہ صرف متوکل بلکہ قبیہ بھی چونک پڑی تھی۔

Marfat.com

جب طاؤس خاموش ہوئی تو قبیہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ متوکل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سابق ولی عہد اوّل یہ برداشت نہیں کر سکے ہیں کہ ان سے ان کا منصب چھین لیا گیا۔“

متوکل نے اس پر ایک نظر ڈالی، پھر طاؤس کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ”کھڑی ہو جا اب!“

طاؤس کھڑی ہوگئی۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا اور وہ پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

متوکل بولا۔ ”تو نے یہ نہیں بتایا کہ فضل کو کیا کام سونپا گیا ہے!“

”میرے منہ میں خاک! اس سے آپ کو زہر دلوائے جانے کا ارادہ ہے۔“ طاؤس نے جواب دیا۔ ”ایک رات شہزادے نے بہت زیادہ پی لی تھی۔ اس وقت وہ مجھے یہ سب کچھ بتا بیٹھے۔ فضل کو اس کام کے لیے منصور نے آمادہ کیا ہے۔“

”یہ منصور کون ہے؟“

اس قسم کے سوالوں سے طاؤس کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ درحقیقت متوکل کو پہلے سے یہ سب کچھ معلوم نہیں تھا لیکن وہ اتنی سہم چکی تھی کہ اس کا دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے خلیفہ کے سوال کا فوراً جواب دیا۔ ”وہ قصر کے دفتر برید میں کام کرتا ہے۔“

اس وقت متوکل یا قبیہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جو خادمہ طاؤس کو بلا کر لائی تھی۔ وہ اس وقت دروازے سے کان لگائے سب کچھ سن رہی تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب متوکل نے سازش کنندگان کی گرفتاری کے احکام جاری کیے تو ان کی تعمیل نہیں ہوسکی۔ وہ احکام خلیفہ نے ابنِ خاقان کو سب کچھ بتانے اور اس سے مشاورت کرنے کے بعد جاری کیے تھے۔ وہی وقت سازش کنندگان کے کام آ گیا۔

قصر سے تین افراد گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔ ان سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑوں کا رخ کرخ کے علاقے کی طرف تھا۔ فرار ہونے والے یہ تین افراد منتصر، منصور اور فضل تھے۔

ترک سرداروں کو بھی علم ہو چکا تھا کہ ان کی سازش کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔

Marfat.com

اگرچہ اس خادمہ نے جو معتزلہ عقائد رکھتی تھی، ان ترک سرداروں کا نام طاؤس کی زبان سے نہیں سنا تھا لیکن جب دل میں چور ہو تو سبھی کو اپنی عافیت خطرے میں نظر آتی ہے۔ فوری طور پر ان سبھی نے روپوش ہو جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ منتصر کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن منتصر نے منصور کا مشورہ مانا تھا۔

''کرخ کی قلقل سرا آپ کے لیے بہت اچھی پناہ گاہ ثابت ہوگی۔'' منصور نے اس سے کہا تھا۔''اس کا مالک ابواسحاق میرا دوست ہے اور معتزلہ عقائد رکھتا ہے۔ اسی لیے اسے یہ بات بھی گراں گزری ہے کہ آپ سے ولی عہد اوّل کا منصب چھین لیا گیا۔ وہ آپ کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ آپ کو تلاش کرنے والے شبہ بھی نہیں کر سکیں گے کہ آپ نے اپنی روپوشی کے لیے اتنی بدنام جگہ کا انتخاب کیا ہوگا۔''

وقت بہت کم تھا اس لیے سازش کنندگان نے اس معاملے میں زیادہ بحث نہیں کی تھی۔ صرف فضل کے بارے میں ایک ترک سردار واصف اور بغا الصغیر کے ایک بیٹے عبید میں کچھ مختصر بات چیت ہوئی جس کا علم منصور اور فضل کو نہیں ہو سکا تھا۔

قلقل سرا سے کچھ فاصلے پر منصور نے منتصر اور فضل سے وہیں رکنے کے لیے کہا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان دونوں کو قلقل سرا میں لے جانے سے پہلے خود وہاں جا کر ابواسحاق سے بات کر لے۔

بات منتصر کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ اور فضل وہیں رک گئے۔ پریشان وہ دونوں ہی تھے لیکن فضل بہت زیادہ سراسیمہ تھی۔

''اب کیا ہوگا شہزادے؟'' بار بار اس کی زبان پر یہی ایک سوال آ رہا تھا۔

جواب میں منتصر اسے دلاسا دینے کے علاوہ کیا کرتا!

منصور بہت جلدی قلقل سرا سے واپس لوٹا۔ اس کے ساتھ ابواسحاق بھی تھا۔ اس نے شہزادے کو تعظیم پیش کی۔

''اب سرائے تک ہمیں پیدل چلنا ہوگا۔'' منصور نے منتصر سے کہا۔ ''ان گھوڑوں کو یہاں سے بھگا دیا جائے۔ سرائے میں انھیں چھپانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ ان کے کولھوں پر قصر کی خاص مہر لگی ہوئی ہے۔ یہاں ان کی موجودگی خطرناک ثابت ہوگی۔''

Marfat.com

بات معقول تھی۔ تینوں گھوڑوں کو چابک مار کر وہاں سے بھگا دیا گیا۔ سرائے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے منتصر نے اس تشویش کا اظہار کیا کہ اگر کسی وقت یہاں سے کہیں اور منتقل ہونے کی ضرورت پیش آئی تو کیا ہوگا۔

''اس کی آپ فکر نہ کریں۔'' ابواسحاق نے کہا۔ ''تین گھوڑوں کا بندوبست کرنا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

منتصر خاموش ہوگیا۔

ابواسحاق انھیں قدرے تاریک راستوں سے قلقل سرا کے عقب میں لے گیا۔ عقب کے دو دروازے وہاں کام کرنے والے استعمال کرتے تھے۔ ایک دروازے سے وہ سب اندر داخل ہوئے۔

''یہ آپ لوگوں کے لیے نہایت مناسب ہے۔'' ابواسحاق نے انھیں ایک کمرے میں لے جاتے ہوئے کہا۔

منتصر بولا۔ ''کیا ہم تینوں کے لیے الگ الگ بندوبست نہیں ہوسکتا؟''

''وہ بھی ہوسکتا ہے۔'' ابواسحاق نے کہا۔ ''کچھ دیر انتظار کیجیے! میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔''

ابواسحاق چلا گیا۔

''تم بہت ڈری ہوئی نظر آرہی ہو فضل!'' منتصر بولا۔

''میں ایک معمولی کنیز ہوں۔'' فضل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کیا مجھے ان حالات میں خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے؟''

''تمھیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔''

''اسی لیے تو بولنے کی سکت باقی ہے، ورنہ تو میں قصر میں ہی غش کھا کر گر چکی ہوتی۔''

منتصر پریشانی کے باوجود اس جواب پر مسکرا پڑا۔

فضل بولی۔ ''آپ ہنس بھی سکتے ہیں۔ آپ شہزادے ہیں، اور شہزادے باہمت ہوتے ہیں۔ آپ کو ان حالات کا تجربہ تو پہلی ہی بار ہوا ہوگا لیکن ایسے معاملات کی تاریخ سے آپ بے خبر نہیں ہوں گے۔ آپ کو علم ہوگا کہ اس طرح اقتدار حاصل کرنے

Marfat.com

کے لیے جان کی بازی لگانا پڑتی ہے۔"

اس مرتبہ منتصر ہنس پڑا۔ "تم باتیں اچھی کر لیتی ہو، اور غالباً اس لیے بھی ہمارے باپ کی منظورِ نظر رہی ہو۔"

فضل کچھ نہیں بولی۔ منصور اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ اس کے چہرے پر سوچ بچار کے تاثرات تھے مگر وہ خوف زدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تم کیا سوچ رہے ہو منصور؟" منتصر نے اس سے پوچھا۔

"یہی کہ اس ناکامی کا سدباب کیونکر ہو سکے گا۔" منصور نے جواب دیا۔

"بغاالصغیر اور اس کے ساتھی کچھ سوچ ہی لیں گے۔"

منصور نے ٹھنڈی سانس لی۔ "تاخیر تو بہرحال ہو گئی!"

"اس قسم کے کاموں میں کبھی کچھ ہوتا ہے۔" منتصر نے کہا۔ "شکر ادا کرو کہ ہم گرفتار نہیں ہوئے۔ ہماری گردنیں آج رات ہی کو اڑا دی جاتیں۔ ہم زندہ ہیں لہٰذا ہمیں امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

اب ان دونوں کی گفت گو میں فضل نے حصّہ نہیں لیا اور خاموش بیٹھی رہی۔

منصور بولا۔ "ہماری جان صرف اس خادمہ کی وجہ سے بچ گئی جس نے حرم سرا میں وہ ساری باتیں سن لی تھیں جو طاؤس نے امیر المومنین کو بتائی تھیں۔"

"بغاالصغیر بہت ذہین ہے۔ قصرِ خلافت میں اس نے ہر جگہ اپنا کم از کم ایک مہرہ ضرور بٹھا رکھا ہے۔" منتصر نے کہا۔ "ہمیں جلد ہی یہ اطلاع بھی مل جائے گی کہ ہمارے غائب ہو جانے سے قصرِ خلافت میں کیسی ہلچل مچی اور اب......" منتصر کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "اور اب ہمارے والدِ محترم کیا اقدامات کریں گے۔"

اس قسم کی گفت گو جاری تھی کہ ابواسحاق واپس آ گیا۔ اس نے ان تینوں کے لیے الگ الگ کمروں کا بندوبست کر دیا تھا۔

☆☆☆

خلیفہ متوکل بہت بپھرا ہوا تھا۔

"کوئی سازشی گرفتار نہیں ہو سکا۔" وہ ٹہلتے ہوئے شدید غصے میں بڑبڑا رہا تھا،

Marfat.com

پھر وہ یک بہ یک ابنِ خاقان پر برس پڑا۔ ''یہ تم نے قصر میں آخر کیسے انتظامات کیے ہیں؟''

''میں نے صرف آپ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے امیرالمومنین!''

ابنِ خاقان نے ادب سے جواب دیا۔ ''جان کی امان چاہتے ہوئے عرض کروں گا کہ قصرِ خلافت کے انتظامات آپ نے مجھے نہیں سونپے تھے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے محافظ آپ کے ساتھ حرم سرا میں داخل نہیں ہوسکتے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ آپ کی حفاظت کے لیے عورتوں کا ایک دستہ بھی تیار کیا جائے جو اس وقت آپ کی حفاظت کا ذمے دار ہو جب آپ حرم سرا میں جائیں لیکن آپ یہ کہہ کر میری بات ٹال گئے تھے کہ حرم سرا میں آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔''

''اگر وہاں ہماری حفاظت کے لیے کوئی دستہ ہوتا تو اس سے کیا فرق پڑ جاتا؟'' خلیفہ نے کہا۔ ''وہاں ہماری زندگی کو تو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوا!''

''آپ درست فرما رہے ہیں۔'' ابنِ خاقان نے کہا۔ ''لیکن محافظ دستے کی وجہ سے کوئی بھی وہ باتیں نہیں سن پاتا جو آپ کو طاؤس نے بتائی تھیں۔''

متوکل کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''ہم تمھارا مطلب نہیں سمجھے!''

''امیرالمومنین!'' ابنِ خاقان نے کہا۔ ''سازش کنندگان کا اتنی جلدی فرار ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں بروقت علم ہوگیا تھا کہ ان کی سازش کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کے کسی کارندے نے طاؤس کی باتیں سن لی ہوں۔''

''اس کمرے میں صرف قبیحہ تھی۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس نے......''

متوکل نے اپنا فقرہ مکمل نہیں کیا تو ابنِ خاقان بولا۔ ''ہرگز نہیں! اس کا تو میں تصور بھی نہیں کرسکتا امیرالمومنین کہ وہ اپنے بیٹے کے مخالف کا ساتھ دیں گی۔ اس طرح سوچنا تو بہت احمقانہ ہوگا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سازش کنندگان کا وہ کارندہ باہر دروازے سے کان لگائے کھڑا ہوگا۔''

متوکل چونکا۔ ''یہ کام تو وہی خادمہ کرسکتی ہے جس کے ذریعے طاؤس کو وہاں بلایا گیا تھا! اس کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا کہ جب طاؤس کو قبیحہ کی خواب گاہ میں بلایا گیا تو وہاں ہم بھی تھے۔''

Marfat.com

''یہ آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کون ہوگا۔ میں تو حرم سرا کے ماحول سے واقف نہیں ہوں۔''

''ہم جب حرم سرا کی کسی خواب گاہ میں ہوتے ہیں تو کسی کنیز، کسی خادمہ کو بھی خواب گاہ کے قریب رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس وقت صرف وہی خادمہ وہاں ہوسکتی ہے جو طاؤس کو لے کر آئی تھی۔''

''تب پھر وہی سازش کنندگان کی آلۂ کار ہوسکتی ہے۔ اسی نے ساری باتیں ان لوگوں تک پہنچائی ہوں گی۔''

''تمھاری بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیوں دیوان؟'' خلیفہ نے دفتر شرطہ کے دیوان کی طرف دیکھا جو اس گفت گو کے دوران میں بالکل خاموش رہا تھا حالانکہ اسے شروع ہی میں طلب کرلیا گیا تھا۔

''مجھے بھی اس خیال سے اتفاق ہے امیرالمومنین!'' دیوان نے کہا۔

''تمھارے لوگ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟'' متوکل نے پوچھا۔

''میرے آدمیوں نے بغداد سے سامرا تک اپنا جال پھیلا لیا ہے۔ باغی شہزادے اور اس کے ساتھیوں کو ہر جگہ تلاش کیا جارہا ہے۔''

''ان ترک سالاروں کا بھی سراغ ملنا چاہیے جو اس معاملے میں ضرور شہزادے کا ساتھ دے رہے ہوں گے۔'' ابنِ خاقان بول پڑا۔

''امیرالمومنین!'' دیوان نے کہا۔ ''اس خادمہ سے پوچھ گچھ کی جائے تو شاید وہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ بتاسکے۔''

متوکل نے اسی وقت اس خادمہ کی گرفتاری کا حکم صادر کردیا۔ اسے پکڑ کر متوکل کے سامنے لایا گیا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

''ملعون!'' متوکل نے گرج کر کہا۔ ''سچ سچ بتا! تو نے طاؤس کی باتیں کن لوگوں کے کانوں تک پہنچائی تھیں؟''

خادمہ گڑگڑانے لگی۔ اس نے کہا کہ اس نے طاؤس کی کوئی بات نہیں سنی۔

''کاذب!'' متوکل نے تلوار نکال لی۔ ''ہم تیرا سر اڑا دیں گے۔'' وہ غصے میں

Marfat.com

خادمہ کی طرف دو قدم بڑھا بھی بیٹھا۔

"ایسا نہ کیجیے امیر المومنین!" ابنِ خاقان جلدی سے بول پڑا۔ "یہ مرگئی تو ہمیں اس سے کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا۔"

"اسے میرے حوالے کر دیجیے!" دیوان بولا۔ "میں اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"تو لے جاؤ اس منحوس کو ہمارے سامنے سے۔" متوکل نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "اذیت کے جو پہاڑ تمھاری دست رس میں ہوں، وہ اس پر گراتے رہو، تاوقتیکہ یہ سب کچھ بتا دے۔"

شدید خوف نے خادمہ پر غشی طاری کر دی اور وہ گر پڑی۔

دیوان نے چند سپاہیوں کو بلایا۔ وہ خادمہ کو اٹھا کر لے گئے۔ انھی سب کے ساتھ دیوان بھی چلا گیا۔

"تم بھی جاؤ ابنِ خاقان!" متوکل نے کہا۔ "اب ہم اپنے دماغ کو کچھ سکون پہنچانا چاہتے ہیں۔"

ابن خاقان ادب سے جھکا اور رخصت ہو گیا۔

متوکل نے اپنی اس خواب گاہ کا رخ کیا جہاں وہ محبوبہ سے ملا کرتا تھا۔ وہیں اس نے محبوبہ کو بلوایا۔

محبوبہ اپنا منصب دوبارہ پالینے کے باعث بے حد خوش تھی۔ اس نے آتے ہی متوکل کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

"ہمیں پہلے شراب پلاؤ محبوبہ!" متوکل نے کہا۔ "ہمارا دماغ اس وقت اتنا منتشر ہے، جتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔"

"کیا......"

"کوئی سوال نہیں۔" متوکل نے اس کی بات کاٹی۔ "پہلے شراب۔"

محبوبہ اس کے لیے جام بنانے لگی۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئی تھی کہ متوکل اتنا پریشان کیوں تھا۔

Marfat.com

متوکل کے ذہنی انتشار کا یہ عالم تھا کہ پہلا جام ختم کرنے کے دوران میں اس نے صرف ایک مرتبہ سانس لی۔ دوسرا جام بھی اسی طرح ختم کیا۔ محبوبہ خاموشی اور تشویش سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ متوکل نے تیسرے جام کا ایک جرعہ لینے کے بعد کہا۔ ''اب ہم اس قابل ہیں کہ باتیں کر سکیں۔''

''آخر ہوا کیا ہے امیر المومنین؟'' محبوبہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ''میرے خلاف جو سازش کی گئی تھی، اس کی تصدیق تو آپ نے یقیناً کر لی ہو گی لیکن کیا اس سلسلے میں کوئی اور ایسی بات بھی سامنے آئی ہے جس نے آپ کو اتنا پریشان کر دیا ہے؟''

''ہاں محبوبہ! بنیادی طور پر یہ سازش تمھارے خلاف نہیں، ہمارے خلاف تھی۔ مقصود دراصل یہ تھا کہ ہم سے ہماری زندگی چھین لی جائے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ!'' محبوبہ نے اتنی تیزی سے پوچھا جیسے ہیجان میں مبتلا ہو گئی ہو۔

''ہاں جان جعفر!''

متوکل کا نام جعفر تھا۔

''مگر کیسے؟'' محبوبہ کا ہیجان کم نہیں ہوا۔

متوکل نے تیسرا جام ختم کرنے کے دوران میں اسے سب کچھ وضاحت سے بتا دیا۔ سب کچھ سننے کے بعد محبوبہ اس طرح چپ ہو گئی جیسے سُن ہو گئی ہو۔

''لیکن۔'' متوکل نے محبوبہ کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔ ''ہم تمھارے لیے زندہ ہیں اور سازش کرنے والے بہت جلد اپنے انجام کو پہنچیں گے۔''

''فضل میں اتنی ہمت کیسے پیدا ہو گئی!'' محبوبہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

''طاؤس کو تو منتصر نے یہ کہہ کر بہکایا تھا کہ خلیفہ بننے کے بعد وہ اسے اپنے نکاح میں لے لے گا۔ ممکن ہے ایسی ہی بات فضل سے بھی کی گئی ہو!''

خلیفہ نے جواب دیا، پھر بولا۔ ''خیر! وہ لوگ زیادہ دن تک ہماری گرفت سے دور نہیں رہ سکیں گے۔ فی الحال تم یہ سب باتیں بھول جاؤ۔ آج ہم بہت دن بعد تم سے ملے ہیں۔ اب یہ وقت اس طرح گزرنا چاہیے کہ ہر پریشانی ہمارے دماغ سے دور ہو جائے۔''

Marfat.com

محبوبہ مسکرا دی لیکن اس کے دماغ پر چھا جانے والی فکرمندی ختم نہیں ہو سکی۔

دوسری صبح جب متوکل اسے رخصت کر رہا تھا، وہ پوچھ بیٹھی۔ ''طاؤس اب کہاں ہے؟''

''ہم نے تمھیں بتایا تھا محبوبہ! اسے ہم نے بس اتنی سزا دی ہے کہ اب وہ حرم سرا تک محدود رہے گی، وہاں سے باہر بالکل نہیں نکلے گی۔ تمھیں اس وقت اس کا خیال کیوں آ گیا؟''

''ایک مشورہ دینا چاہتی ہوں آپ کو!''

خلیفہ مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

محبوبہ بولی۔ ''اس کا تو قوی امکان ہے نا کہ سازش کرنے والوں کے کچھ اور مخبر بھی قصرِ خلافت میں ہوں گے۔''

''ہاں! اس امکان کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔''

''تو پھر طاؤس کو حرم سرا تک محدود نہ رکھیے! ظاہر یہ کیجیے کہ آپ نے اسے قطعی معاف اس لیے کر دیا ہے کہ اس نے سازش کرنے والوں کے نام آپ سے نہیں چھپائے تھے۔''

''اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''کچھ معتبر آدمیوں کو ذمے داری سونپ دیں کہ وہ طاؤس پر نظر رکھیں اور یہ دیکھا جائے کہ سازش کرنے والوں کے کارندوں پر اس کا کیا ردِعمل ہوتا ہے۔ اگر کوئی ردِعمل ہوا تو وہ کارندے نظر میں آ جائیں گے۔''

متوکل سوچتا ہوا بولا۔ ''تمھاری تجویز تو اچھی ہے۔ ہم اس پر عمل کرنے سے پہلے ابنِ خاقان سے بات کریں گے۔ وہی ایسا بندوبست کر سکتا ہے کہ خفیہ طور پر طاؤس پر نظر رکھی جائے۔''

محبوبہ بولی۔ ''دوسری بات یہ کہ میں بھی سازش کرنے والے ان لوگوں کا سراغ لگانے کی کوشش کروں گی۔''

''تم!'' متوکل نے تعجب کا اظہار کیا اور پھر ہنس پڑا۔ ''تم کیا کرو گی محبوبہ؟''

''ابھی میں نے صرف اتنا ہی سوچا ہے کہ مجھے بھی کچھ کرنا چاہیے۔ یہ میں نے

Marfat.com

ابھی نہیں سوچا کہ میں کیا کرسکوں گی۔"

"تم اس معاملے میں اتنی بے چین کیوں ہو رہی ہو جانِ جعفر؟"

"آپ کی جانؑ کے دشمن آزاد ہیں، یہ میرے لیے نا قابل برداشت ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں۔"

"ہم جانتے ہیں اور بے شک جانتے ہیں۔ اسی لیے ہم نہیں چاہتے کہ تم خود کو کسی خطرے میں ڈالو۔ اس قسم کی سازش کرنے والے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ تمھیں کچھ ہو گیا تو ہمیں بہت دکھ ہوگا۔"

"مجھے کچھ نہیں ہوگا۔" محبوبہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ سے میرا وعدہ ہے کہ میں خود کو آپ کے لیے محفوظ رکھوں گی۔"

متوکل نہیں چاہتا تھا کہ محبوبہ اس معاملے میں پڑے لیکن محبوبہ کی ضد کے آگے اسے ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔

محبوبہ اپنے کمرے میں لوٹی تو سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اب اسے یہ یقین تو ہو گیا تھا کہ اس کے خلاف یہ کارروائی بغاالکبیر نے نہیں کی تھی۔ طاؤس کی زبان پر یہ نام صرف اس لیے آیا تھا کہ محبوبہ پریشان ہو جائے اور اس کی باتوں پر یقین کر لے۔ غالباً سازش کرنے والوں کو کسی طرح اس کا علم ہو گیا تھا کہ وہ بغاالکبیر کی کچھ باتوں پر اس سے ناراض ہو گئی تھی اور بغاالکبیر اسے دھمکی دے چکا تھا۔

محبوبہ کیونکہ قصرِ خلافت میں ہر جگہ آزادانہ نقل و حرکت کرتی تھی اس لیے کچھ ہی عرصے پہلے اسے ایک خاص بات کا علم ہو گیا تھا۔ منصور کے دو ایک ساتھی جو دفتر برید میں کام کرتے تھے، اس بات پر منصور کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ وہ لڑکیوں کے بجائے مخنثوں سے خوش رہتا ہے۔ یہ علم محبوبہ کو بہت پہلے سے تھا کہ مخنثوں کا مرکز کرخ کے علاقے میں ہے اور یہ بات اسے منصور کے ساتھیوں کی باتوں سے معلوم ہوئی تھی کہ منصور وہاں کی قلقل سرا میں جایا کرتا تھا جس کا مالک ابو اسحاق اس کا دوست بھی تھا۔

محبوبہ سوچ رہی تھی کہ منصور روپوش ہونے کے لیے قلقل سرا کا رخ بھی کرسکتا ہے۔ منصور کے حوالے سے جو باتیں محبوبہ کے علم میں تھیں، وہ سب کچھ وہ خلیفہ کو بھی

Marfat.com

بتا سکتی تھی لیکن اسے خیال آیا کہ وہ خود کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے کہ متوکل کی نظروں میں اس کی وقعت اور بڑھ جائے۔ اس نے سوچا تھا کہ منصور نے اگر قلقل سراہی میں پناہ لی ہے تو وہ خود کسی طرح اس کا سراغ لگائے گی اور اسے گرفتار کرائے گی۔ محبوبہ نے یہ نہیں سوچا کہ منتصر بھی اس سرائے میں روپوشی اختیار کر سکتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ خلیفہ وقت کا بیٹا اپنی روپوشی کے لیے اس گھٹیا جگہ کا انتخاب نہیں کر سکتا۔

اب محبوبہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس طرح قلقل سرا جائے کہ اسے وہاں کوئی شناخت نہ کر سکے! غور و فکر کے اس مرحلے میں اسے ان بہروپیوں کا خیال آیا جو بغداد کے گلی کوچوں میں اپنا روپ بدل کر دھوکا دہی کی وارداتیں کیا کرتے تھے۔ ان کی گرفتاری بھی عمل میں آتی رہتی تھی۔

محبوبہ نے فیصلہ کیا کہ وہ دیوانِ الشرطہ سے کسی بہروپیے کو قید خانے سے نکلوا کر اسے قصرِ خلافت میں بلائے گی۔ اس نے سنا تھا کہ ان جرائم پیشہ بہروپیوں میں عورتیں بھی ہوتی تھیں۔

یہ کام محبوبہ کے لیے مشکل نہیں تھا۔ متوکل اسے معاف کر چکا تھا اس لیے محکمۂ شرطہ کا دیوان اس کے حکم کی تعمیل سے گریز نہیں کرتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اتنی احتیاط برت سکتا تھا کہ محبوبہ کی یہ بات متوکل کے علم میں بھی لے آتا۔ محبوبہ کے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا تھا۔

اب محبوبہ کو فیصلہ یہ کرنا تھا کہ وہ قید خانے سے کسی بہروپیے مرد کو بلائے یا عورت کو!

☆☆☆

جو رات گزر چکی تھی، وہ فضل پر بہت بھاری گزری تھی۔ آدھی رات گزر چکنے کے بعد اچانک ترک سالار بغاالصغیر کا بیٹا عبید اس کے کمرے میں آ گیا۔ فضل فوری طور پر سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ عبید اس کے کمرے میں کیوں آیا تھا۔

''حیران ہو رہی ہو مجھے دیکھ کر!'' عبید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

فضل مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''فضل!'' عبید نے بڑی بے تکلفی سے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے

Marfat.com

دیکھا تو ہوگا! جب ہم لوگ قصرِ خلافت سے فرار ہو جانے کا فیصلہ کر چکے تھے تو واصف نے شہزادے سے کچھ باتیں کی تھیں اور میں نے بھی ان باتوں میں دخل اندازی کی تھی۔"

"ہاں۔ یہ تو میں نے دیکھا تھا۔"

"تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ اس وقت کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"نہیں۔"

"واصف کا خیال تھا کہ تم ہمارے منصوبے سے آگاہ ہو چکی ہو۔ یعنی ہمارے ایک اہم راز سے واقف ہو اور کیونکہ اب اس سارے معاملے میں تمھارا کردار اپنے کام کی تکمیل سے پہلے ہی ناکارہ ہو چکا ہے لہٰذا......"

وہ معنی خیز انداز میں چپ ہو گیا۔

فضل نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ "لہٰذا؟"

"اس کا خیال تھا کہ اب تم ہمارے لیے صرف ایک بوجھ ہو۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"خیر! نہ سمجھو۔ بہرحال میں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ میں تمھارے حق میں بولا تھا اور شہزادے نے واصف کے بجائے میری بات مان لی تھی۔"

فضل کے دماغ میں کچھ شبہات سرسرانے لگے تھے اور وہ سوال کر بیٹھی تھی۔

"تمھاری کیا بات مان لی تھی؟"

عبید بے ہنگم انداز میں ہنسا۔ "وہی جو میں نے تمھارے حق میں اور واصف کے خلاف کی تھی۔"

"میں وہی بات، تو جاننا چاہتی ہوں۔"

"وہ بات جاننے کے بجائے یہ پوچھو کہ میں نے تمھارے حق میں بات کیوں کی تھی!"

"یہی بتا دو۔"

"اس لیے کہ تم مجھے بہت پسند ہو، بہت اچھی لگتی ہو۔" عبید نے اسے ہوس ناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "مگر کیونکہ تم خلیفہ متوکل کی منظور نظر تھیں اس لیے میں تم سے اپنے دل کی بات کہنے کی ہمت نہیں کر سکا۔"

Marfat.com

''یہ سب کچھ کہنے سے مقصد کیا ہے تمھارا؟'' فضل نے کھردرے لہجے میں کہا۔
''اتنی بھولی تو نہ بنو فضل!'' عبید نے اس کے سراپا پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ اب تم اپنی محبت میرے نام کر دو۔''

فضل واقعی بھولی نہیں تھی۔ اس نے عبید کی باتوں اور اس کی نظروں سے اس کا مقصد سمجھ لیا تھا لیکن اس کے دل و دماغ آمادہ نہیں تھے کہ خود کو عبید کے سپرد کر دے۔

عبید اپنے چہرے مہرے اور نقش و نگار کے اعتبار سے ایک کریہہ نوجوان تھا۔ کوئی بھی لڑکی اس کی طرف پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ فضل کو بھی وہ سب کچھ گوارا نہیں تھا جس کی خواہش عبید کی آنکھوں میں کسی شیطانی الاؤ کی طرح دہک رہی تھی، لیکن عبید نے ترک سالار واصف کے حوالے سے جو باتیں کی تھیں وہ اگرچہ مبہم تھیں لیکن فضل کے دماغ میں کچھ شبہات کلبلانے لگے تھے۔ وہ اپنے ان شبہات کی تصدیق چاہتی تھی لہٰذا اس نے عیاری سے کام لینا ضروری سمجھا۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''کنیزوں کی محبت تو کسی کے نام بھی ہو سکتی ہے عبید! لیکن دل و دماغ تو ٹھکانے سے رہیں۔ تمھاری باتوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے وہ ساری بات وضاحت سے بتاؤ جو واصف نے شہزادے سے کی تھی۔''

فضل کے مسکرانے سے عبید کو ایک طرح سے اثباتی اشارہ مل گیا۔ اس نے فوراً فضل کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا اور بولا۔ ''اس کا خیال تھا کہ اب تم ایک ناکارہ مہرہ ہو اور کیونکہ ایک اہم راز سے واقف ہو لہٰذا تمھیں موت کی نیند سلا دیا جائے!''

فضل کے دماغ میں کچھ اسی قسم کے شبہات چکرائے تھے لیکن عبید سے واضح طور پر سننے کے بعد اس کا سارا جسم سنسنا گیا۔

''لیکن میں نے واصف کی مخالفت کی تھی۔'' عبید نے اپنے ہاتھوں کو فضل کے جسم پر متحرک کرتے ہوئے کہا۔ ''اور شہزادے نے بھی میرے اس خیال سے اتفاق کیا تھا کہ وفادار مہرہ اگر ناکارہ بھی ہو جائے تو اس کے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں کیا جانا چاہیے، اور پھر یہ کہ بعض اوقات ناکارہ دکھائی دینے والے مہرے بھی کام آ جاتے ہیں۔''

Marfat.com

فضل نے عبید کی اس بات کو جھوٹ نہیں سمجھا۔ یہ بالکل قرین از قیاس تھا۔ اب وہ ایسی ہی حیثیت میں تھی کہ سازش کرنے والے ترک سالار اسے ختم کر دینے کے بارے میں یقیناً سوچ سکتے تھے۔

فضل کے جسمانی لمس نے عبید کے تنفس کی رفتار بڑھا دی تھی۔ وہ خود ہی بے قابو ہوتا چلا گیا۔ اسی عالم میں اس نے کہا۔ ''اب تم میری ہو فضل! میں تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا اور جب ہم لوگ شہزادے کو خلافت کے منصب پر بٹھانے میں کام یاب ہو جائیں گے تو میں ان سے تمھیں مانگ لوں گا۔ تم ہمیشہ کے لیے میری ہو جاؤ گی۔''

فضل کو عبید سے کراہیت محسوس ہو رہی تھی لیکن جو کچھ اسے معلوم ہوا تھا، اس کے بعد وہ عبید کی مخالفت مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس نے طوعاً و کرہاً سب کچھ برداشت کر لیا مگر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ خود پر جبر کر رہی تھی۔ آخر کچھ وقت گزر جانے کے بعد عبید بستر پر ایک طرف ڈھلک گیا اور ہانپتا ہوا بولا۔ ''تمھارے اندر تو آگ بھری ہوئی ہے فضل! تم مجھے پسند تو تھیں لیکن مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔''

فضل خود پر جبر کرتے ہوئے مسکرا دی۔

عبید پھر بولا۔ ''اب سمجھ میں آیا کہ خلیفہ کو تم سے اتنی رغبت کیوں تھی۔ اب یہ بھی سمجھ میں آ رہا ہے کہ محبوبہ میں تو تم سے بھی زیادہ آگ بھری ہوئی ہوگی۔''

''اب محبوبہ کی یاد آ گئی!'' فضل نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''مطلب تم غلط سمجھیں۔'' عبید نے جلدی سے کہا۔ ''اب صرف تم ہی میری زندگی بن گئی ہو۔ محبوبہ تو ویسے بھی بغاالکبیر کے حصے میں جائے گی۔''

''کیا مطلب؟''

''بغاالکبیر اسے بہت پسند کرتا ہے۔ یہ بات ہم لوگوں کے علم میں آ گئی تھی۔ ہم نے ایک موقع پر اس سے فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ جب ہم لوگ اپنے مقصد میں کام یاب ہو جائیں گے تو بغاالکبیر یقیناً محبوبہ کو لینا چاہے گا اور اس وقت حالات اتنے ہنگامی ہوں گے کہ اس کی بات ماننا پڑے گی۔ وہ بہر حال سلطنتِ عباسیہ کا ایک اہم ترین سالار ہے۔''

''تمھارے والد سے زیادہ؟'' فضل ہر بات کرید لینا چاہتی تھی۔ اس وقت اس

Marfat.com

کے دماغ میں اور بہت سے خیالات بھی گردش کر رہے تھے۔

عبید نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہاں فضل! سلطنت میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میرے والد اس کی مخالفت مول لینے سے گریز کریں گے۔''

''تمھیں یقین ہے کہ ہم اب بھی کام یاب ہوں گے؟''

''یقیناً۔''

''اس ناکامی کے بعد بھی؟''

''ہاں۔'' عبید نے جواب دیا۔ ''یہ ترک سرداروں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ ہم کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ جدوجہد میں ہمت نہ ہاری جائے تو کام یابی یقیناً قدم چومتی ہے۔ آج ہم ایک اور منصوبے پر مشاورت کر چکے ہیں۔''

''کیا؟'' فضل سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھی۔

عبید نے جواب دیا۔ ''ابھی تمھارے پاس آنے سے پہلے میں انھی سب کے ساتھ تھا۔ ہم بہت خفیہ طور پر یہاں آئے تھے۔ مشاورت شہزادے ہی کے کمرے میں ہوئی تھی۔ پھر سب ایک ایک کر کے رخصت ہوئے۔ میری باری آئی تو میں سرائے سے جانے کے بجائے تمھارے پاس آ گیا۔ میں بہت بے چین تھا تم سے ملنے کے لیے اور۔'' اس کی آنکھوں میں چمک لہرائی۔ ''اب بھی جی چاہ رہا ہے کہ تمھارے ساتھ کچھ وقت اور گزاروں، تمھاری آگ سے ایک بار پھر کھیلوں۔''

فضل کے لیے اس بدصورت نوجوان کی قربت ایک اذیت تھی جو اسے ایک بار پھر برداشت کرنا پڑی۔ رات کا تیسرا پہر گزر رہا تھا جب عبید رخصت ہوا۔

فضل اس کے جانے کے بعد بھی تھوڑی ہی دیر سو سکی تھی۔ ایک بھیانک خواب نے اسے جگا دیا تھا۔ خواب میں اس نے اپنی گردن کٹی ہوئی لاش دیکھی تھی۔

رات کے بعد اب دن میں بھی اس کا ذہنی انتشار ختم تو کیا، کم بھی نہیں ہو سکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ تھی۔ عبید کی بات پر اسے مکمل یقین تھا۔ وہ اب ان لوگوں کے لیے واقعی ناکارہ ہو چکی تھی اور اسے اندازہ تھا کہ ایسی سازش کرنے والے اپنے کسی بھی ناکارہ مہرے کو زندگی کی بساط پر باقی نہیں رہنے دیتے۔ انھیں یہ ڈر رہتا

Marfat.com

ہے کہ اس ناکارہ مہرے کی وجہ سے ان کا کوئی راز فاش نہ ہو جائے۔

عبید نے اپنی ہوس مٹانے کے لیے اسے بچا لیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ بچی ہی رہتی۔ دوسرے ترک سردار کسی وقت بھی متفقہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ اسے ختم کر دینا ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ عبید اس متفقہ فیصلے پر عمل درآمد میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔

دوپہر کو منصور اس کے کمرے میں آیا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

''تنہائی سے تم ضرور گھبرا رہی ہو گی۔'' منصور نے اس سے کہا۔ ''لیکن تمھیں صبر سے ان حالات کا سامنا کرنا ہو گا۔ ان حالات سے گزر جانے کے بعد تم پر انعام و اکرام کی بارش ہو جائے گی۔''

فضل اس کا منہ تکتی رہ گئی۔ جب وہ آیا تھا تو فضل کو ایسا لگا تھا جیسے وہ اسے قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہو۔

''تم کچھ خوف زدہ بھی معلوم ہو رہی ہو۔'' منصور نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ان حالات میں اعصاب پر خوف مسلط ہونا کوئی غیر فطری بات بہرحال نہیں ہے لیکن ہمت سے کام لو۔ یہاں اگر ہمارے لیے کوئی خطرہ ہوا تو ابواسحاق اس سے بے خبر نہیں رہے گا۔ وہ بہت چوکنا ہے۔ اس نے ہم لوگوں کے لیے تین گھوڑوں کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ اگر کوئی خطرہ ہمارے سر پر آیا تو ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ گزشتہ رات خاصے معاملات پر مشاورت ہو چکی ہے۔ یہ بھی طے کر لیا گیا ہے کہ اگر ہمیں یہاں سے فرار ہونا پڑا تو ہم کہاں جائیں گے۔''

''کیا منصوبہ طے ہو گیا؟'' فضل نے دھڑکتے دل سے پوچھا!

''کچھ نکات پر غور کرنا باقی ہے۔ آج رات کی مشاورت میں سب کچھ طے ہو جائے گا۔ خیر! اب تم آرام کرو۔ میں تم سے بس یہی کہنے آیا تھا کہ تنہائی سے گھبرانا نہیں۔ ان حالات سے نکلنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔''

فضل کی ڈھارس بندھا کر منصور چلا گیا لیکن اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ فضل سکون سے وقت گزار سکتی۔ اسے اپنی موت نظر آنے لگی تھی۔ دماغ میں صرف یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ نکلے، ان ترکوں سے دور چلی جائے۔

Marfat.com

مگر کہاں؟

یہ بڑا گمبھیر سوال تھا۔ اگر وہ قصرِ خلافت کا رخ کرتی تو اسے خلیفہ کے عتاب کا نشانہ بننا پڑتا۔ اس کی زندگی اب قصرِ خلافت میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس کے لیے کوئی ایسا ٹھکانا نہیں تھا جہاں وہ خود کو محفوظ سمجھ سکتی۔ قابل غور یہ بھی تھا کہ یہاں سے بھاگ نکلنے کے لیے وہ ایسا کیا طریقہ اختیار کرتی کہ ترک سرداروں کے علاوہ منتصر اور منصور کو بھی اس کا علم نہ ہو پاتا۔ فرار ہونے کے لیے اسے گھوڑے کی بھی ضرورت تھی۔ منصور اسے بتا گیا تھا کہ ابواسحاق نے ان کے لیے تین گھوڑوں کا بندوبست کر دیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ گھوڑے کہاں باندھے گئے تھے۔

ان سب باتوں پر غور کرتے کرتے فضل کا دماغ بلنے لگا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے وہ مسلسل ٹہلتی رہی تھی جس سے وہ جسمانی طور پر بھی تکان کا شکار ہوئی۔ اس نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور کوشش کرنے لگی کہ ان سب خیالات کو کچھ دیر کے لیے تو اپنے ذہن سے جھٹک دے۔ صرف اسی طرح اس کا پھوڑے کی طرح دکھ جانے والا دماغ کچھ سکون پا سکتا تھا مگر فضل کو اپنے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ اس قسم کے حالات میں ایسے خیالات کوئی ارادی عمل نہیں ہوتے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دماغ میں در آتے ہیں۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ ابواسحاق کا ایک ملازم اسے کھانا پہنچانے آیا۔ تین معتمد ملازم ابواسحاق نے ان تینوں کی خدمت پر مامور کر دیے تھے۔

کھانا رکھ کر وہ خاموشی سے جانے لگا تو فضل نے اسے روک کر پوچھا۔

''کیا شراب نہیں مل سکتی؟''

''بے شک مل سکتی ہے۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں لے کر۔''

وہ چلا گیا۔ فضل اس کے بارے میں سوچنے لگی۔ وہ ملازم ایک نہایت خوب صورت نوجوان تھا۔ اس کی رنگت سرخ وسفید تھی اس لیے وہ عرب تو ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے نقش ونگار اور گھونگریالے بالوں کی وجہ سے فضل کو شبہ ہوا تھا کہ غالباً وہ یونانی ہے۔

بغداد ان دنوں اتنا اہم مرکز بن گیا تھا کہ دور دراز کے ملکوں سے لوگ وہاں

Marfat.com

تجارت کے لیے تو آتے ہی تھے لیکن ملازمت کے لیے بھی کہیں نہ کہیں سے کوئی آ ہی جاتا تھا۔ فضل کو اس سے کوئی خاص غرض بھی نہیں تھی کہ نوجوان خادم کا تعلق یونان سے تھا یا کہیں اور سے! وہ اس ملازم کے حوالے سے کچھ اور ہی سوچ رہی تھی۔

ملازم اس کے لیے ایک طشت میں شراب کی صراحی اور ایک جام لے آیا۔

''تھوڑی دیر بعد پھر آسکتے ہو؟'' فضل نے پوچھا۔

''مجھے آقا نے صرف آپ ہی کی خدمت کے لیے وقف کیا ہے۔''

ملازم کا یہ جواب فضل کے لیے خاصا اطمینان بخش تھا۔ وہ جو کچھ سوچ رہی تھی، اس کے لیے اسے میدان ہموار نظر آیا۔ ملازم کو رخصت کرنے کے بعد اس نے ایک جام بنایا۔ شراب سے اس کا دماغ بھی بڑی حد تک پرسکون ہو جاتا اور ملازم سے اپنے مقصد کی بات کرنے میں بھی اسے آسانی ہو جاتی۔ یہ اس کا تجربہ تھا کہ جب بھی متوکل نے اسے شراب پلائی تھی، اس کے لیے متوکل سے ایسی باتیں کرنا بھی آسان ہو گیا تھا جو وہ شراب پیے بغیر اپنے لبوں پر لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

پہلا جام اس نے جلدی ختم کیا۔ دوسرا جام آدھا ختم کرتے کرتے اس نے محسوس کیا کہ اب وہ زیادہ خوف زدہ نہیں تھی اور اس میں یہ اعتماد پیدا ہونے لگا تھا کہ وہ یہاں سے فرار ہونے میں ضرور کام یاب ہو جائے گی۔ وہ دوسرے جام کا آخری گھونٹ لے رہی تھی جب ملازم آیا اور اس نے مودبانہ انداز میں پوچھا کہ اب اس کے لیے کیا حکم ہے!

فضل نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، پھر بولی۔ ''تمھیں صرف میری خدمت کے لیے وقف کیا گیا ہے تو باقی وقت میں تم کیا کرتے ہو؟''

''اپنے حجرے میں پڑا رہتا ہوں۔'' خادم نے جواب دیا۔ ''آقا کا حکم ہے کہ آپ جب تک یہاں ہیں، میں کسی سے نہ ملوں، اپنے ان ساتھیوں سے بھی نہیں جو یہاں ملازم ہیں۔''

''اگر کسی وقت ابو اسحاق کو تم سے کچھ کہنا ہو!''

''تو وہ میرے حجرے ہی کا رخ کریں گے۔''

''اگر تم اس وقت کسی کام کی وجہ سے میرے پاس ہوئے؟''

Marfat.com

حجرے میں مجھے نہ پا کر وہ یہی سمجھیں گے اور میرا انتظار کریں گے۔ اگر مجھے دیر لگی اور انھیں کوئی ضروری کام ہوا تو وہ یہاں آ سکتے ہیں۔"

"اگر تمھیں میرے کسی کام کے لیے سرائے سے باہر جانا پڑے؟"

"میں ضرور جاؤں گا۔ آقا کا حکم ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے۔"

فضل کو پھر احساس ہوا کہ حالات اس کے لیے سازگار ہیں۔

"خوب!" وہ مسکرائی۔

ملازم اس پوچھ گچھ سے الجھا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا ہوگا کہ اس سے اس قسم کے سوالات کیوں کیے گئے ہیں۔

"اچھا جاؤ! ایک خالی ساغر لے کر آؤ۔"

"اور؟" خادم نے کچھ تعجب سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

"یہاں کوئی اور نہیں ہے۔" فضل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے ہی شوق ہے، دونوں ہاتھوں میں ساغر رکھنے کا۔"

ملازم کے لیے یہ بات یقیناً تعجب خیز ہوگی لیکن اسے بہرحال حکم کی تعمیل کرنا تھی وہ سر ہلا کر چلا گیا۔

اب فضل کے ہاتھ میں تیسرا جام تھا۔ یہ جام اسے بہت تاخیر سے ختم کرنا تھا کیونکہ وہ چوتھا جام نہیں پینا چاہتی تھی۔ ضروری تھا کہ اس کا دماغ پوری طرح اس کے قابو میں رہے۔ چوتھے جام کے بعد وہ تھوڑا بہت بہکنے لگتی۔ خادم خالی ساغر لے کر آ گیا۔ فضل نے وہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ "دروازہ اندر سے بند کرلو۔"

"جی!" خادم چونک کر اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"جو کہہ رہی ہوں، وہ کرو۔" فضل نے سخت لہجے میں کہا۔ دو جام ختم کرنے کے بعد اس میں خاصا اعتماد آ گیا تھا۔

ملازم نے جلدی سے جا کر دروازہ بند کیا اور واپس آ کر مودبانہ انداز میں نظریں جھکائے کھڑا رہا۔

فضل ہنسی۔ "میرے لہجے سے ڈر گئے؟"

Marfat.com

ملازم کی نظریں جھکی رہیں۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آقا نے کہا تھا کہ میں بے چوں و چرا آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔“

”بس تو اب بے چوں و چرا میرے قریب آ کے بیٹھ جاؤ۔“

ملازم کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہونے لگی۔ اس کے قدم بڑے تذبذب کے ساتھ اٹھے۔ وہ فضل کے قریب آیا اور بہت زیادہ جھجکتے ہوئے اس کے قریب بڑی آہستگی سے بیٹھ گیا۔

فضل صراحی سے خالی ساغر بھر چکی تھی۔ وہ اس نے ملازم کی طرف بڑھایا۔

”لو! پیو!“ وہ بولی۔ ”دراصل مجھے تنہا پیتے ہوئے اچھا نہیں لگتا اور میرے ساتھی میرے ساتھ پینے سے گریز کرتے ہیں۔“

ملازم کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں لیکن حکم کی تعمیل اس نے بہر حال کی تھی۔

”تم ویسے بھی پیتے تو ہو گے؟“ فضل نے پوچھا۔

”جی۔“

”ایک وقت میں کتنی پی لیتے ہو؟“

”تنہائی میں تو پانچ چھ جام بھی پی لیتا ہوں۔ اس سے مجھے فوراً نیند آ جاتی ہے۔“

”گویا اگر صرف دو جام پیو تو تمھاری باتوں یا تمھاری حرکات و سکنات سے کسی کو اندازہ نہیں ہوتا ہو گا کہ تم پیے ہوئے ہو!“

”جی۔ دو جام پی کر تو میں پوری طرح قابو میں رہتا ہوں۔“

”سرور تو ہو جاتا ہو گا۔“

”وہ تو قدرتی بات ہے۔“

”تو پھر میں تمھیں دو ہی جام پلاؤں گی۔ یہ تو بس ایک سانس میں ختم کر دو۔ ابھی تک تم نے اسے ہونٹوں سے بھی نہیں لگایا۔“

خادم نے فوراً ایک ہی سانس میں جام اپنے حلق میں انڈیل لیا۔

”خوب!“ فضل مسکرائی اور اس نے خادم کا ساغر پھر بھر دیا۔ ”تم بہت خوب صورت ہو۔“

Marfat.com

خادم نے نظریں جھکالیں۔ اس نے پورا جام ایک ہی سانس میں پی لیا تھا مگر اس کی اثر پذیری میں کچھ لمحے تو یقیناً گزرتے!

فضل نے اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں تاکہ شراب کو خادم کے دماغ پر اثر انداز ہونے کا وقت مل جائے۔ ان باتوں میں اس کے اس خیال کی تصدیق ہوگئی کہ وہ یونانی تھا لیکن سال بھر پہلے کسی باعث یونان سے آرمینیا میں جا بسا تھا۔ وہاں اس نے ایک سال گزارا لیکن وہاں اس کا دل نہیں لگ سکا۔ اس نے وہاں خوب صورت شہر بغداد کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اس لیے یہاں آگیا اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے قلقل سرا میں جلد ہی ملازمت مل گئی۔

یہ باتیں کرتے ہوئے ملازم دوسرے جام کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھی لیتا رہا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی کچھ بڑھ گئی تھی اور آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ اب وہ قدرے بے باکی سے فضل کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تمھیں اپنا وطن یاد نہیں آتا؟'' فضل نے پوچھا۔

''بہت یاد آتا ہے۔'' خادم نے جواب دیا۔ ''لیکن میں واپس اسی وقت جاؤں گا جب خاصا کچھ جمع کرلوں گا۔''

''تمھارا یہ خواب کب تک پورا ہوسکتا ہے۔''

''دو تین سال تو لگیں گے۔''

''پیتے رہو۔ باتیں کرتے ہوئے رُکا نہ کرو۔ پیتے ہوئے تم مجھے زیادہ اچھے لگ رہے ہو۔'' فضل نے بے تکلفانہ انداز میں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اتنی دیر میں ملازم نے فضل کے رویے اور اس کی باتوں سے کچھ تو سمجھ ہی لیا ہوگا لیکن جب فضل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا تو اس نے بڑے غور سے فضل کی طرف دیکھا۔

''تم بہت خوب صورت ہو!'' فضل نے گویا کھل کر دعوت دے ڈالی۔ ''کوئی بھی لڑکی تم جیسے نوجوان کی آرزو کرسکتی ہے۔''

ملازم نے ایک مرتبہ دروازے کی طرف دیکھا، پھر فضل کے چہرے پر نظریں جما کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اگر اس وقت یہاں کوئی آگیا تو؟''

Marfat.com

''میرے ساتھیوں میں سے تو کوئی نہیں آئے گا۔'' فضل نے جواب دیا۔ ''اور آئے گا بھی تو دو چار باتوں کے لیے آئے گا۔ یہاں تمھیں ذرا دیر کے لیے کسی جگہ چھپانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہاں اگر ابواسحاق آیا تو میں اس سے کہہ دوں گی کہ تم میرے ایک کام کے سلسلے میں سرائے سے باہر گئے ہو۔''

خادم نے باقی جام ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

''میں کیسی لگتی ہوں تمھیں؟'' فضل نے اس کا ہاتھ اس طرح اٹھایا کہ وہ نشیب و فراز سے الجھتا اس کے عارض تک آ گیا۔

یہ ایسا لمس تھا کہ ملازم کو اپنے برانگیختہ جذبات پر قابو نہیں رہا۔ فضل چاہتی بھی یہی تھی۔

اس سے پہلے فضل کی زندگی میں تین مرد آ چکے تھے۔ ایک وہ درباری امیر تھا جس نے اس سے صرف ایک بار متمتع ہونے کے بعد اسے خلیفہ متوکل کی نذر کر دیا تھا۔ خلیفہ کے بعد فضل نے تیسری مرتبہ عبید کی کراہیت آمیز صحبت برداشت کی تھی۔ چوتھا مرد وہ خوب رو یونانی خادم تھا جو اپنی جواں سالی کے باعث نہایت پُر جوش تھا۔ اس نے فضل کو تکان کے مرحلے تک پہنچا دیا۔

فضل تو عورت تھی لیکن وہ یونانی خادم مرد ہوتے ہوئے بھی بعد میں جھینپا جھینپا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کا یہ احساس ایک فطری بات تھی۔ وہ ایک معمولی ملازم تھا جسے ایک ایسی عورت نے نوازا تھا جو اس کے لیے محترم تھی۔ ابواسحاق نے اسے اس کا خادم مقرر کیا تھا۔

''میں اب جاؤں!'' وہ اب گھبرایا گھبرایا سا بھی نظر آیا۔

فضل ہنس پڑی۔ ''کہیں جانے کی جلدی ہے؟''

''نہیں ...... میں ...... میں تو ...... خادم ہوں آپ کا!'' فوری طور پر اس کے لہجے میں لکنت آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''میں تو آپ کی خدمت پر مامور ہوں۔ میں کہاں جا سکتا ہوں!''

''کل سے اب تک تم اپنے حجرے سے کہیں نہیں نکلے؟''

''اب تک تو نہیں نکلا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آپ کے کمرے کے سامنے سے گزرتا رہا ہوں۔ آقا نے کہا تھا کہ جب آپ کو مجھ سے کوئی کام ہوگا تو آپ دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھیں گے۔''

Marfat.com

یہ ابواسحاق نے فضل سے بھی کہا تھا کہ جب اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول دے، ملازم خود حاضر ہو جائے گا۔

''ہاں۔'' فضل مسکرائی۔ ''لیکن مجھے ابھی تک کوئی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی، البتہ اب۔'' وہ ہنسی۔ ''مجھے تمھاری ضرورت پیش آتی رہے گی۔ تم مجھے بہت اچھے لگے ہو۔''

یونانی خادم نے کچھ تعجب سے فضل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں، اگر انھیں کچھ معلوم ہو جائے تو؟''

''کیا معلوم ہو جائے؟''

''یہی کہ......'' یونانی خادم کی نظریں جھک گئیں۔ وہ اپنی بات پوری نہیں کر سکا۔

''ہم لوگ کون ہیں؟'' فضل نے پوچھا۔ ''جانتے ہو تم؟''

''نہیں۔''

''کچھ اندازہ بھی نہیں؟''

''تھوڑا سا شبہ ہے۔ شاید خلیفہ کسی بات پر آپ سے ناراض ہو گیا ہے۔ اس کے ڈر سے آپ لوگ یہاں آچھپے ہیں لیکن یہاں سے کہیں اور بھی جا سکتے ہیں۔ جب آقا نے مجھے آپ کے لیے ہدایات دی تھیں، اسی وقت میرے ایک ساتھی سے کہا تھا کہ صبح ہونے تک تین گھوڑوں کا بندوبست ہو جائے۔ گھوڑوں کی ضرورت شاید آپ ہی لوگوں کو پڑ سکتی ہے۔''

فضل نے اب تک جو کچھ کیا تھا، اس کا مقصد گھوڑوں ہی کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ وہ کوئی ایسا ذکر چھیڑتی کہ گھوڑوں کی بات سامنے آجائے لیکن اسے کسی لمبی چوڑی گفت گو کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ یونانی خادم خود ہی گھوڑوں کا ذکر کر بیٹھا۔

''بندوبست ہو گیا گھوڑوں کا؟'' فضل نے بہ ظاہر بڑے سرسری انداز میں کہا لیکن وہ جواب کے لیے بہت بے تاب تھی۔

''یقیناً ہو گیا ہو گا؟''

''اور وہ کھڑے کہاں کیے گئے ہوں گے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم!''

فضل اس سے کہنا چاہتی تھی کہ وہ معلوم کر کے اسے بتائے لیکن اتنی عجلت

Marfat.com

مناسب نہیں ہوتی۔ یونانی خادم کا کسی الجھن یا شک شبہے میں پڑنا فضل کے لیے بہتر نہیں ہوتا۔ اگر چہ وہ جلد از جلد یہاں سے فرار ہو جانا چاہتی تھی جس کے لیے اسے گھوڑے کی ضرورت تھی لیکن تحمل سے کام لینا اس کے لیے ناگزیر تھا۔

''خیر!'' فضل نے کہا۔ ''شام کو اس سے ذرا پہلے آنا۔ ابھی بہت اچھا وقت گزرا ہے۔ میں ایسا ہی وقت شام کو بھی گزارنا چاہتی ہوں۔ کھانا اس کے بعد کھاؤں گی۔''

یونانی خادم نے پہلو بدلا۔

''کیوں؟'' فضل نے اسے بے باکی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا اس وقت تمھیں اچھا نہیں لگا؟''

وہ خاموش کھڑا رہا۔

فضل پھر بولی۔ ''جواب دو!''

یونانی خادم نے نظریں جھکائے جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس انداز میں جواب دیتے ہوئے وہ پہلے سے زیادہ جھینپا ہوا نظر آیا تھا۔

فضل نے پوچھا۔ ''کیا یہ پہلا موقع تھا؟''

یونانی خادم پھر کچھ نہیں بول سکا لیکن جب فضل نے اپنا سوال دہرایا تو اس نے اس مرتبہ صرف گردن نفی میں ہلا دی۔

''کون تھی وہ؟'' فضل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ...... وہ میرے...... میرے وطن میں......'' اس نے تذبذب کے ساتھ جواب دیا۔ پھر فضل کے پے در پے سوالوں کے جواب میں اس نے اٹک اٹک کر بتایا کہ وہ اس کے کسی رشتے دار کی بیٹی ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ اس سے چار سال بعد واپس آنے کا وعدہ کر کے اپنے وطن سے نکلا تھا۔

فضل نے پوچھا۔ ''اسی کے لیے کچھ جمع کر کے لے جانا چاہتے ہو؟''

''ہاں۔'' یونانی خادم نے جواب دیا۔ اتنی باتیں کر لینے کے بعد اس کی جھجک میں کمی آ گئی تھی۔

''انتظار کرے گی وہ تمھارا؟'' فضل نے پوچھا۔

Marfat.com

یونانی خادم نے بڑے اعتماد سے اثبات میں جواب دیا۔

''لیکن۔'' فضل بولی۔ ''تم چار سال میں ایسی ملازمتیں کر کے کچھ زیادہ تو جمع نہیں کرسکو گے؟''

''میں جتنا کرسکوں گا، وہ اسی میں خوش ہو جائے گی۔''

''یہ بڑی اچھی بات ہے۔ محبت کرنے والوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اب تم مجھے اور زیادہ اچھے لگنے لگے ہو۔ میں محبت کرنے والوں کو بہت پسند کرتی ہوں۔ تم نے اس کے بارے میں بڑے والہانہ انداز سے گفت گو کی ہے۔ میں جب یہاں سے جاؤں گی تو اس پیاری لڑکی کے لیے تمھیں بہت کچھ دوں گی۔'' فضل نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''یہ انگشتری دیکھ رہے ہو؟ یہ پچاس ہزار دینار کی ہے۔ یہ میں تمھیں دے جاؤں گی۔''

یونانی خادم ایسا دکھائی دیا جیسے ہکا بکا رہ گیا ہو۔ پچاس ہزار دینار کی چیز یقیناً اس کے لیے ایسی تھی جس کا شاید وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''اچھا اب جاؤ۔'' فضل نے کہا۔ ''شام کو ضرور آنا۔ کھانے کے وقت سے خاصا پہلے! آجاؤ گے نا؟''

یونانی خادم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فضل اس کے جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ یقیناً اس کے کام آسکتا تھا۔ وہ فطرتاً ایک اچھا نوجوان تھا، اور پھر پچاس ہزار دینار کی انگشتری کا خیال تو اس کی نیندیں اڑا سکتا تھا۔

فضل جلد از جلد ان ترک سالاروں کی دست رس سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن یہ کام عجلت میں نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ لوگ گزشتہ رات جو منصوبہ بنا چکے تھے، اس پر آج رات بھی مشاورت ہونا تھی۔ عین ممکن تھا کہ وہ اس منصوبے پر عمل درآمد کا فیصلہ کر لیتے۔ فضل اس منصوبے کے بارے میں جاننے کی خواہش مند تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ عبید کو زیادہ شراب پلا دے تو اس سے بہت کچھ معلوم کرنے میں کام یاب ہو جائے گی۔

عین ممکن تھا کہ وہ کام یابی فضل کے لیے ایک نئی زندگی کی ضمانت بن جاتی۔ وہ

Marfat.com

قلقل سرا سے فرار ہو کر سیدھی قصرِ خلافت پہنچتی اور خلیفہ کو اس منصوبے کے بارے میں بتانے کے ساتھ ساتھ یہ بیان بھی دیتی کہ سازش کنندگان اسے اس کی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ لے گئے تھے ورنہ وہ نہیں جاتی کیونکہ اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں کے خیال کے مطابق تو ان کی آلہ کار بنی تھی لیکن دراصل اس نے سوچا یہ تھا کہ وہ مناسب موقع پر خلیفہ کو ان لوگوں کے بارے میں سب کچھ بتا دے گی۔

فضل نے یہ امید باندھ لی تھی کہ وہ خلیفہ کو اپنی معصومیت باور کرانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ اسے اپنے لیے کوئی دوسرا راستہ دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ ان لوگوں کی دست رس سے نکلنے کے لیے اس نے فرار ہونے کا فیصلہ تو فوراً کر لیا تھا لیکن اس وقت تک وہ یہ نہیں سوچ سکی تھی کہ فرار ہونے کے بعد کہاں جائے گی۔

شام سے پہلے منصور نے ایک بار پھر اس کے کمرے کا چکر لگایا۔ بہ ظاہر وہ صرف یہ جاننے کے لیے آیا تھا کہ فضل کو کسی قسم کی پریشانی تو لاحق نہیں، اور فضل نے اسے جواب دیا تھا کہ ابواسحاق نے اس کے لیے جس خادم کو مقرر کیا تھا، وہ اس کا بہ حسن وخوبی خیال رکھ رہا ہے۔

منصور کے جانے کے بعد فضل نے سوچا کہ اچھا ہوا جو وہ اندھیرا پھیلنے سے اور یونانی خادم کے آنے سے پہلے چکر لگا گیا تھا۔ اب توقع نہیں تھی کہ وہ جلد ہی پھر آتا کیونکہ رات کو مشاورت کے لیے ترک سالار قلقل سرا آ جاتے۔ پھر رات گئے تک منصور اس کے کمرے کی طرف نہیں آتا اور اس وقت عبید کو تو یقیناً آنا تھا۔ مشاورت سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسی طرف رخ کرتا۔

فضل اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرتی رہی۔ یونانی خادم اس کی حد درجہ آسودگی کا سبب تو بنا تھا لیکن اہمیت اس کام کی زیادہ تھی جو فضل اس سے لینا چاہتی تھی۔

منصور کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد اندھیرا پھیل گیا۔ اس سے پہلے فضل نے قندیلیں اور شمع دان خود ہی روشن کر لیے تھے۔

یونانی خادم دستک دینے کے بعد اس کی اجازت سے اندر آیا۔ وہ اس وقت بھی فضل سے نظریں ملانے سے گریز کر رہا تھا۔

Marfat.com

''دروازہ تو بند کر لو۔'' فضل نے اس سے کہا۔

وہ خود دروازہ بند کرنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

''صراحی میں اب زیادہ شراب نہیں ہے۔'' فضل نے کہا۔ ''دو جام تم پی لو۔ میں ایک ہی پیوں گی۔''

''نہیں نہیں۔'' خادم نے جلدی سے کہا۔ ''آپ پی لیں، میں نہیں پیوں گا۔''

''میں اس وقت ایک سے زیادہ پینا ہی نہیں چاہتی۔ اگر پینا ہوتا تو تم سے کہہ دیتی کہ لیتے آنا۔ ہاں جب تم میرے لیے کھانا لاؤ تو ایک صراحی ضرور لیتے آنا۔''

پھر فضل نے اس خوب رو یونانی کو اپنے قریب کر لیا اور خرابات کا دور چلا۔ یونانی خادم نے ہونٹوں سے صرف شراب ہی نہیں، وہ سب کچھ پیا جو فضل اسے پلانا چاہتی تھی۔ ناؤ نوش کے اس مرحلے سے گزر جانے کے بعد فضل نے اس سے کہا۔

''زندگی ان لمحات میں کتنی اچھی لگتی ہے، اس کا احساس تو تمھیں بھی ہو گا!''

یونانی خادم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن میری زندگی۔'' فضل نے افسردگی ظاہر کی، پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''میری زندگی شاید اب اپنے اختتام کی طرف بڑھ رہی ہے۔''

یونانی خادم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

فضل اس کی طرف دیکھے بغیر اداس لہجے میں کہتی رہی۔ ''اسی لیے تم مجھے اچھے لگے تو میں نے سوچا کہ زندگی کے آخری دنوں میں تمھارے ساتھ کچھ وقت گزار لوں۔ پھر تو شاید ہی کوئی ایسا موقع ملے!''

یونانی خادم نے پہلو بدلا اور بے چینی سے پوچھا۔ ''آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں؟ ابھی آپ کی عمر اتنی زیادہ تو نہیں کہ......'' وہ چپ ہو گیا۔

''بات عمر کی نہیں ہے۔'' فضل نے کہا۔ ''قتل تو نوعمر بچے بھی ہو جاتے ہیں۔''

یونانی خادم پہلے سے زیادہ چونکا۔ ''آپ کا خیال ہے کہ خلیفہ کو آپ کا پتا چل جائے گا اور آپ قتل کر دی جائیں گی؟''

''نہیں۔'' فضل نے سوچتے ہوئے کہا، پھر یونانی خادم کی آنکھوں میں دیکھتی

Marfat.com

ہوئی بولی۔ ”جی چاہتا ہے کہ تم پر ہر معاملے میں اعتبار کرلوں۔“

”میں آپ کے اعتماد کو ہرگز دھوکا نہیں دوں گا۔“ یونانی خادم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”یہ بات میں اس لڑکی کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو یونان میں میرا انتظار کر رہی ہوگی۔“

”قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔“ فضل کی مسکراہٹ ایسی تھی جیسے وہ بے دلی سے مسکرائی ہو۔ وہ یونانی خادم کی ہم دردیاں سمیٹنے کے لیے بہت افسردہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کہا۔ ”میں نے تو خود کہا تھا، میرا جی چاہتا ہے کہ تم پر ہر معاملے میں اعتماد کرلوں۔“

”آپ کو کبھی اس پر افسوس نہیں ہوگا کہ آپ نے مجھ پر اعتماد کیا۔“

”یقین ہے مجھے۔“ فضل نے کہا، پھر بولی۔ ”تمھارا یہ اندازہ کسی حد تک ٹھیک تھا کہ ہم لوگ خلیفہ کے ڈر سے یہاں آچھپے ہیں۔ غلطی تم سے صرف اتنی ہوئی ہے کہ تم ہم تینوں ہی کے بارے میں یہ سمجھ بیٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف وہ دونوں خلیفہ کی نظر میں معتوب ہوئے ہیں۔ مجھے تو وہ زبردستی اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔ اس طرح انھوں نے مجھے بھی خلیفہ کی نظر میں مشتبہ بنا دیا ہے۔ یہ لوگ دو ایک دن میں ہی مجھ سے ایسا کام کروانا چاہتے ہیں جو میں نہیں کرنا چاہتی، اور جب میں صاف صاف انکار کروں گی تو یہ مجھے قتل کر دیں گے۔“

”اتنے برے لوگ ہیں میرے آقا کے یہ دوست؟“ یونانی خادم نے بے اختیارانہ انداز میں پوچھا۔

فضل نے جواب دیا۔ ”تمھارے آقا کو علم ہی نہیں ہوگا کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔“ اس نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ”کاش میں ان کی دست رس سے نکل سکتی!“

”کیا میں اس معاملے میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟“

”تم!“ فضل نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں اگر تم کوشش کرو تو یہ ناممکن نہیں۔“

”میں آپ کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ یونانی خادم نے پُر جوش انداز میں کہا۔ ”چاہے مجھے اس کے لیے قلقل سرا کی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں!“

”ملازمت جانے سے تم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، بلکہ تمھیں اس کے بعد کوئی ملازمت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ میں پہلے ہی تم سے وعدہ کر چکی ہوں

Marfat.com

کہ یہ انگشتری تمھیں دے جاؤں گی۔"

"مجھے بتائیے، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔" یونانی خادم نے اب بھی جوشیلے انداز میں اور پورے خلوص سے کہا۔

فضل نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔ "کسی طرح یہ معلوم کرو کہ گھوڑوں کا بندوبست ہو گیا ہے یا نہیں!"

"وہ تو یقیناً ہو گیا ہو گا!"

"تو پھر یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں کھڑے کیے گئے ہیں اور کیا یہ ممکن ہے کہ تم مجھے راز داری کے ساتھ یہاں سے نکال سکو اور میں کسی گھوڑے پر بیٹھ کر یہاں سے فرار ہو جاؤں؟"

"میں آج ہی معلوم کر لوں گا کہ وہ گھوڑے کہاں کھڑے کیے گئے ہیں۔" یونانی خادم نے کہا۔ "اور یہ بھی سوچوں گا، اور ضرور سوچ لوں گا کہ میں آپ کو یہاں سے کس طرح نکال سکتا ہوں۔"

"لیکن تم کیسے معلوم کر سکتے ہو کہ وہ گھوڑے کہاں کھڑے کیے گئے ہیں۔ تمھیں تو میری خدمت کے لیے ہر وقت اپنے حجرے میں رہنا پڑتا ہے!"

"مجھے آقا نے اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ جب آپ رات کو سونے لگیں تو آپ سے پوچھنے کے بعد میں حجرے میں رہنے کا پابند نہیں رہوں گا۔"

"تب تو تم یقیناً یہ کام کر سکتے ہو۔" فضل نے کہا۔ "سمجھ لو کہ آج کھانا کھانے کے بعد میں سو جاؤں گی۔ تم اس کے بعد اپنے حجرے میں رہنے کے پابند نہیں رہو گے۔"

"میں سب کچھ معلوم کرنے اور آپ کو یہاں سے نکالنے کی تدبیر سوچنے کے بعد رات کو ہی کسی وقت آؤں گا۔"

"نہیں۔" فضل نے جلدی سے کہا۔ "رات کو نہ آنا۔ رات کو ان میں سے کوئی میرے پاس آئے گا۔ وہ لوگ مجھے سمجھاتے رہتے ہیں کہ جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتے ہیں، وہ مجھے کس طرح کرنا ہو گا۔ میں ان کی منصوبہ بندی سنتی رہتی ہوں۔ کیونکہ ابھی اس کام کا وقت نہیں آیا ہے اس لیے میں نے ابھی انکار نہیں کیا۔ میں نے سوچا تھا کہ جب

Marfat.com

وقت آئے گا، تبھی انکار کروں گی۔ میں یہی سوچتی رہتی تھی کہ شاید مجھے ان لوگوں سے دور نکلنے کا موقع مل جائے اور قدرت نے اس کا بندوبست کر ہی دیا۔ اگر خدا کو میری زندگی منظور ہے تو تم ضرور میری مدد کرنے میں کام یاب ہو جاؤ گے۔"

"مجھے تو یقین ہے۔ مجھے ضرور کام یابی ہوگی۔" یونانی خادم نے کہا، پھر اس نے پوچھا۔ "یہاں سے آپ جائیں گی کہاں؟"

"ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکی ہوں۔ شاید میں قصرِ خلافت ہی کا رخ کروں۔ میں خلیفہ کو سب کچھ بتادوں گی۔ اگر میری باتوں پر یقین کرلیا گیا تو مجھے معافی بھی مل جائے گی۔"

"اور اگر یقین نہ کیا گیا؟"

فضل نے ٹھنڈی سانس لی۔ "تو پھر میری گردن کاٹ دی جائے گی یا قید خانے میں ڈلوا دیا جائے گا۔"

چند لمحوں کے لیے یونانی خادم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تو آپ یہ خطرہ کیوں مول لیتی ہیں! آپ وہاں کا رخ ہی نہ کریں۔ آقا سے یہ بات چھپی نہیں رہ سکے گی کہ آپ کو فرار کرانے میں میرا ہاتھ ہے۔ اس لیے میرے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ میں بھی یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ آپ میرے ساتھ یونان چلیے گا۔ وہاں جو میری منتظر ہے، وہ اور میں ہمیشہ آپ کی خدمت کریں گے۔"

"تم بہت اچھے ہو۔" فضل مسکرائی۔ "لیکن میں یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر ہی کر سکوں گی کہ مجھے یہاں سے فرار ہونے کے بعد کہاں کا رخ کرنا چاہیے۔"

فضل دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی تھی کہ اسے ایک متبادل راستہ بھی مل رہا تھا۔ عبید سے خلیفہ کے قتل کا منصوبہ معلوم ہونے کی صورت میں قصرِ خلافت کا رخ کرنا اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا پھر اس کے لیے یہی مناسب ہوتا کہ وہ یونان چلی جاتی۔ اس نے یونانی خادم کو انگشتری دینے کا وعدہ کرلیا تھا لیکن اس طرح وہ غریب نہیں ہو جاتی۔ اس کے ہاتھ میں دو اور انگشتریاں اتنی قیمتی تھیں کہ وہ اپنی باقی زندگی یونان میں رہ کر بہ آسانی سے گزار سکتی تھی۔

☆☆☆

Marfat.com

رات کا دوسرا پہر گزر چکا تھا جب فضل کی توقع کے مطابق عبید آیا۔ اس رات فضل نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔

''آج تو تم کچھ خوش نظر آ رہی ہو؟'' وہ بولا۔

''ہاں۔'' فضل نے کہا۔ ''کل تو تمھارے ایک انکشاف نے مجھے بہت ڈرا دیا تھا۔ آج میں اس بارے میں سوچتی رہی۔ واصف جیسے ترک سالار مجھے واقعی اب زندہ نہیں دیکھنا چاہتے ہوں گے لیکن تم بغا الصغیر جیسے سالار کے بیٹے ہو۔ تمھارے ہوتے ہوئے مجھ پر اب آنچ نہیں آ سکے گی۔ تو جب تم ہی میری زندگی کی ضمانت ہو تو میں اس زندگی کو تمھارے ہی لیے کیوں نہ وقف کر دوں!''

عبید کھل اٹھا۔ صنف نازک کی زبان سے اس قسم کی باتیں مرد کو خوش کر ہی دیتی ہیں، اور پھر عبید تو ایک بدصورت نوجوان تھا جس سے اس قسم کی باتیں شاید ہی کسی لڑکی نے کی ہوں۔

''بہت ذہین بھی ہو تم!'' عبید نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔ ''تمھیں یہی فیصلہ کرنا چاہیے تھا۔''

''میں نے تمھارے لیے شراب منگالی ہے عبید! وہ دیکھو!'' فضل نے سر گھما کر اس طرف دیکھا جہاں اس نے دو جام بھر کر رکھ دیے تھے۔

''واہ!'' عبید کی خوشی میں اضافہ ہوا۔ ''پھر تو آج تمھارے ساتھ گزرنے والا وقت گزری ہوئی رات سے زیادہ لطف دے گا۔'' وہ فضل کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے لیے ہوئے شراب کی طرف بڑھا۔

''آج تم کچھ تھکے تھکے سے نظر آ رہے ہو!'' فضل نے جام اٹھا کر خود ہی عبید کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

عبید نے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر جام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا۔ ''ہاں! تھکا ہوا تو ہوں۔ رات تمھارے پاس سے جانے کے بعد نیند پوری کرنے کا موقع نہیں ملا۔ دن بھر مصروفیت رہی۔ پھر ابھی کافی دیر تک مشاورت میں بھی شامل رہا ہوں۔ تھکن تو واقعی ہو گئی ہے لیکن یہ شراب اور تمھاری آنکھوں سے چھلکتی ہوئی مئے ارغواں میری

Marfat.com

ساری تھکن دور کر دے گی۔''

فضل نے دوسرا جام اٹھا کر ایک گھونٹ لینے کے بعد سرسری انداز میں پوچھا۔ ''آج کی مشاورت کچھ فیصلہ کن رہی یا ابھی مشاورت ہی کا سلسلہ جاری رہے گا؟''

''نہیں، آج تو فیصلہ ہو گیا ہے۔'' عبید نے کہا۔ ''دراصل آج اشروسنی مشاورت میں شامل نہیں تھا۔ وہ بہت زیادہ مین میخ نکالتا ہے اور بات بڑھتی رہتی ہے۔ اس کے برخلاف اوتامش اور بغلو ہر معاملے کو جلد از جلد نمٹانے کے قائل ہیں۔''

فضل سمجھ گئی کہ جو تین نام عبید کی زبان پر آئے تھے، وہ سازش کرنے والوں میں سرکردہ افراد ہوں گے۔

عبید نے پہلا جام بہت تیزی سے ختم کر دیا۔ فضل چاہتی بھی یہی تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ پلا کر اس کی زبان سے سب کچھ اگلوا لے لیکن اب اسے محسوس ہوا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے زیادہ پلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ عبید کے انداز سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ فضل کو سب کچھ بتا دے گا۔

دوسرا جام پیتے ہوئے عبید کا ایک ہاتھ فضل کے جسمانی خطوط سے آشنا ہوتا رہا۔ اسی دوران میں اس نے کہا۔ ''منصوبہ ایسا تھا کہ آج فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے ایک ہفتے تک انتظار کرنا پڑتا یا پھر کوئی دوسرا منصوبہ بنایا جاتا۔''

''جلد از جلد کچھ ہو جائے تو اچھا ہے۔'' فضل نے ایک بڑا گھونٹ لے کر کہا۔ ''یہ انتظار میرے لیے تو بڑا اعصاب شکن ہے۔''

''اب انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ کل رات ہی متوکل کی زندگی کا فیصلہ ہو جائے گا۔'' عبید نے جواب دیا۔ ''اور اب تم میں سما جانے کے لیے بھی مجھ سے انتظار نہیں ہو رہا ہے۔'' اس نے ایک ہی سانس میں دوسرا جام بھی ختم کر کے فضل کو اپنی بانہوں میں سمیٹا۔

فضل یہ جاننے کے بعد کہ متوکل کے قتل کا کوئی منصوبہ طے پا چکا تھا، اس کی تفصیل جاننے کے لیے بے چین ہو گئی تھی لیکن اس نے صبر و ضبط ضروری سمجھا۔ وہ جو کچھ جاننا چاہتی تھی، اس کے لیے عبید کی ہوس ناک حرکات کو روکنا قطعی نامناسب ہوتا۔ اس کے برعکس یہ ضروری تھا کہ وہ عبید کی حرکات و سکنات کا بھرپور جواب دے کر اسے

Marfat.com

زیادہ سے زیادہ آسودہ کرتی۔

جذبات کا جھکڑ جتنی تیزی سے آیا تھا، اتنی ہی تیزی سے چلا بھی گیا۔ غالباً عبید پہلے ہی سے اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اس کے تصورات اس کے جذبات کو پہلے ہی بہت زیادہ بھڑکا چکے تھے۔ اس رات وہ ایک ہارا ہوا شخص بن گیا جو فضل کا ساتھ نہیں دے سکا تھا۔

''سچ مچ آگ ہو۔'' اس نے ہانپتے ہوئے گزشتہ رات کا جملہ دہرایا۔

''یہ تو بتاؤ کہ منصوبہ کیا طے پایا ہے؟'' فضل زیادہ صبر نہیں کر سکی۔

''سانس تو لینے دو۔'' عبید نے کہا۔ ''ایک اور جام تو بناؤ۔''

فضل نے صراحی سے اس کے لیے شراب انڈیلی۔

''واثق ربیعہ کو تو جانتی ہو گی تم!'' عبید نے جام ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا اور فوراً ہی اس کا ایک گھونٹ لیا۔

''میں ایک ہی واثق ربیعہ کو جانتی ہوں۔'' فضل نے کہا۔ ''وہ خلیفہ کے محافظ دستے کا سالار ہے۔''

''میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔'' عبید نے جواب دے کر پھر ایک گھونٹ لیا۔

''جب تم اسے جانتی ہو تو اس کے خاص ماتحت عدیل نجدی کو بھی جانتی ہو گی۔''

''عرصے سے قصرِ خلافت میں رہ رہی ہوں۔'' فضل نے جواب دیا۔

''کیسے ممکن ہے کہ وہاں کے خاص خاص لوگوں سے واقف نہ ہوں۔''

عبید بولا۔ ''عدیل نجدی ہی ہمارا کام آسان کرے گا۔''

''یہ تو شاید ناممکن سی بات سوچی گئی ہے۔'' فضل نے کہا۔ ''عدیل نجدی اور واثق ربیعہ ہی کیا، محافظ دستے کا ایک ایک سپاہی خلیفہ کے پسینے کی جگہ اپنا خون بہا سکتا ہے۔''

عبید ہنسا۔ ''یہ تم اس لیے کہہ رہی ہو کہ تمھیں ابھی منصوبے کا علم نہیں ہے۔ عدیل نجدی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ وہ ہمارا کام کر رہا ہے۔''

فضل استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس نے اپنا جام اٹھا لیا تھا جو وہ عبید کی دست درازی کی وجہ سے ختم نہیں کر سکی تھی۔

Marfat.com

''ہفتے میں ایک دن واثق ربیعہ چھٹی کرتا ہے اور وہ دن کل ہے۔'' عبید بولا۔
''جس دن اس کی چھٹی ہوتی ہے، اس کی ذمے داریاں عدیل نجدی کو سنبھالنا ہوتی ہیں۔ کل واثق ربیعہ محل میں نہیں، اپنے گھر پر ہوگا۔ اسی لیے اگر اس منصوبے پر کل ہی عمل نہیں کیا گیا تو پھر ایک ہفتے انتظار کرنا پڑے گا۔''

فضل کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ عبید یقیناً اسے سارا منصوبہ بتا دیتا جس سے وہ پوری طرح فائدہ اٹھاتی۔ اگر اسے قلقل سرا سے فرار ہونے کا موقع مل جاتا تو وہ سیدھی قصرِ خلافت ہی جاتی اور خلیفہ کو نہ صرف اس منصوبے سے بلکہ منصوبہ سازوں کے ناموں سے بھی آگاہ کر دیتی۔ ترک سالاروں میں اسے عبید اور اس کے باپ بغا الصغیر کے علاوہ صرف واصف ترکی کا علم تھا لیکن اس وقت عبید نے اسے تین نام اور بتا دیے تھے۔ اشروسنی، بغلو اور اوتامش!

فضل نے اسے منصوبے کی تفصیلات بتاتے ہوئے جام ختم کر کے اپنے لیے ایک اور جام بنوایا۔ وہ بولتا رہا اور فضل سنتی رہی۔ سارا منصوبہ سننے کے بعد اس کا خیال یہ تھا کہ اگر وہ بروقت جا کر خلیفہ کو آگاہ نہ کر سکی تو وہ یقیناً قتل کر دیا جائے گا۔

اس منصوبے کے مطابق اگلی شام کو واثق ربیعہ کی نوجوان لڑکی اغوا کر لی جاتی جو فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایک معلّمہ کے گھر جایا کرتی تھی۔ لڑکی کو کسی خاص جگہ قید میں رکھا جاتا اور پھر وہ لوگ کسی طرح واثق ربیعہ کو وہاں بلاتے۔ بیٹی کو بے دست و پا دیکھ کر واثق ربیعہ کے پیروں تلے سے زمین نکل جاتی۔ وہ لوگ اس سے کہتے کہ اگر اس نے ان کی مرضی کے مطابق اپنے ماتحت عدیل نجدی کو خط نہ لکھا تو اس کی نظروں کے سامنے اس کی نوجوان لڑکی کو برہنہ کیا جائے گا۔ اگر واثق ربیعہ اس صورت میں بھی ان کی بات نہیں مانے گا تو پھر اس کے سامنے اس کی بیٹی کی عصمت دری کی جائے گی۔

کوئی باپ یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا اس لیے ان لوگوں کو یقین تھا کہ وہ عدیل نجدی کو خط لکھ دیتا۔ اس خط کی تحریر یہ ہوتی کہ عدیل نجدی رات کا دوسرا پہر شروع ہونے سے پہلے اپنے تمام سپاہیوں کے ساتھ اس جگہ سے دور چلا جائے جہاں اس وقت خلیفہ موجود ہو، اور رات کا تیسرا پہر شروع ہونے تک وہ لوگ خلیفہ سے دور ہی رہیں۔

Marfat.com

خط میں اس غیر معمولی ہدایت کی وجہ یہ لکھی جاتی کہ اس کا حکم اسے خلیفہ سے براہِ راست ملا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دورانیے میں خلیفہ کی کوئی خاص مصروفیت تھی جو وہ اپنے محافظوں سے بھی پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ عدیل نجدی اپنے سالار کی ہدایت پر عمل کرنے کا پابند تھا۔ جب وہ اور اس کے سپاہی خلیفہ سے دور چلے جاتے، اس وقت ترک سالار اور قصرِ خلافت میں موجود ان کے کارندے تیزی سے حرکت میں آجاتے۔ خلیفہ متوکل اس وقت جہاں کہیں بھی ہوتا، اسے بہ آسانی قتل کر دیا جاتا۔ اس واردات سے ذرا پہلے ابنِ خاقان کو کسی طرح اطلاع دی جاتی کہ اسے خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ خلیفہ کے ساتھ اس کے جاں نثار وزیر ابنِ خاقان کو بھی قتل کر دیا جائے اور قصرِ خلافت میں ترک سرداروں کے کارندے شور یہ مچائیں کہ ابنِ خاقان نے خلیفہ کو قتل کیا تھا اس لیے خلیفہ کے جاں نثار ترک سالاروں نے ابنِ خاقان کو ختم کر دیا۔

اس کے علاوہ منصوبے میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اس دورانیے میں ترک سالاروں کے کارندے شہزادہ معتز کے علاوہ دیگر تمام شہزادوں کی خواب گاہوں کے دروازوں پر جم جائیں اور انھیں اس وقت تک باہر نہ نکلنے دیں جب تک منتصر، خلافت کا منصب نہ سنبھال لے۔

فضل سوچنے لگی کہ اگر حالات اور قسمت نے اس کا ساتھ دیا تو وہ اس منصوبے پر ہرگز عمل درآمد نہیں ہونے دے گی اور اس طرح نہ صرف متوکل کو بچالے گی بلکہ اپنا مستقبل بھی محفوظ کر لے گی۔

''کیا خیال ہے؟'' عبید مسکراتا ہوا بولا۔ ''کیسا منصوبہ ہے؟''

''شان دار۔'' فضل نے خوش دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس وقت اس کے دل کی دھڑکنیں خاصی تیز تھیں۔ اب وہ بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔ یونانی خادم صبح ہی اس کے پاس آکر بتاتا کہ اس نے گھوڑوں کے بارے میں معلوم کر لیا ہے۔ اس نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ فضل کو وہاں سے فرار کرانے کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور سوچ لے گا۔

عبید گزشتہ رات کی طرح فضل کے ساتھ کچھ اور وقت گزارنے کے بعد ہی

Marfat.com

رخصت ہوا۔ فضل نے باقی رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹی۔ وہ کوشش کے باوجود سونے میں کام یاب نہیں ہوسکی تھی۔

صبح یونانی خادم اس کے لیے ناشتا لے کر آیا تو بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ ''میں جان چکا ہوں کہ گھوڑے کہاں باندھے گئے ہیں۔''

''مرحبا!'' فضل نے خوش ہوکر کہا۔ ''مجھے فرار کرانے کے لیے بھی تم نے کچھ سوچا؟''

''سوچ چکا ہوں۔'' یونانی خادم نے جواب دیا۔ ''لیکن صرف آپ ہی کو نہیں، مجھے بھی یہاں سے فرار ہونا ہے۔ اگر میں یہاں رک گیا تو میرا نہ جانے کیا حشر ہو۔ آقا کو یہ تو معلوم ہو ہی جائے گا کہ آپ کو میں نے فرار کرایا ہے۔''

فضل نے بے تابی سے پوچھا۔ ''تو ہم یہاں سے کب نکل سکیں گے؟''

''آدھی رات کے وقت۔''

''نہیں۔'' فضل کے منہ سے ہیجانی انداز میں نکلا۔ ''اس وقت تک تو کھیل ختم ہو چکا ہوگا۔''

''میں سمجھا نہیں!'' یونانی خادم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

فضل اسے نہیں بتا سکتی تھی کہ اس وقت تک خلیفہ کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ بولی۔ ''مجھے کچھ کچھ اندازہ ہوا ہے۔ یہ لوگ مجھے آج رات کسی وقت ختم کر دینا چاہتے ہیں۔''

یونانی خادم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

فضل نے پریشان سے لہجے میں کہا۔ ''اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو آدھی رات سے پہلے کرو۔''

خادم سوچ میں پڑ گیا۔ پریشان وہ بھی نظر آنے لگا تھا۔ فضل پریشانی کا اظہار تو کر رہی تھی لیکن پریشان وہ تھی بھی! اس کا خیال تھا کہ اب چونکہ متوکل کو ختم کرنے کے لیے ایک اور منصوبہ بن چکا ہے جس میں اس کا کوئی کردار بھی نہیں رکھا گیا اس لیے سازش کنندگان اب کسی وقت بھی اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں جس میں عبید حارج نہیں ہو سکے گا۔

خادم کچھ سوچنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آدھی رات نہ سہی لیکن

Marfat.com

اندھیرا پھیلنے کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا۔ دن کی روشنی میں اس جگہ نہیں پہنچا جا سکتا جہاں گھوڑے کھڑے ہیں۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر ہمیں کسی خاص آدمی نے دیکھ لیا تو پھر شاید فرار ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اندھیرے میں اس کا امکان بہت کم ہے کہ کوئی ہمیں دیکھ لے۔ گھوڑوں کے نگراں سے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں سے لے جانے کا حکم مجھے آقا نے دیا ہے اور میں آپ کو کرخ کی حدود سے باہر پہنچانے کے بعد واپس آ جاؤں گا۔ گھوڑوں کا نگراں یہ خیال ہرگز نہیں کرے گا کہ میں آقا کا نام لے کر کوئی جھوٹ بول سکتا ہوں۔''

''اگر یہ مجبوری ہے تو اب میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' فضل بولی۔ ''ہوسکتا ہے، ابھی میری زندگی باقی ہو اور وہ لوگ آدھی رات سے پہلے مجھے قتل کرنے کا فیصلہ نہ کریں!''

''کیا وہ یہ فیصلہ دن میں بھی کر سکتے ہیں؟''

''یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''دن میں آپ کو میں کہیں نہیں چھپا سکتا۔ ہاں! اندھیرا پھیلتے ہی میں آپ کو کچھ دیر کے لیے کہیں چھپا سکتا ہوں، اور پھر ذرا دیر بعد اندھیرا گہرا ہوتے ہی آپ کو سرائے سے نکال لے جاؤں گا۔''

''نہیں۔'' فضل نے کہا۔ ''تم مجھے ذرا دیر کے لیے بھی کہیں نہیں چھپا سکو گے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کیسے لوگ ہیں۔ ابواسحاق ان سے مکمل تعاون کرے گا۔ ذرا سی دیر میں ساری سرائے تلپٹ کر دی جائے گی۔ وہ مجھے تلاش کر لیں گے۔ اس طرح تمھاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں نہیں چاہتی کہ یونان میں وہ لڑکی ساری زندگی تمھارا انتظار کرتی رہ جائے۔'' فضل نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مجھے میری قسمت پر چھوڑ دو۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گی جب تم مجھے یہاں سے نکال کر لے جا سکو۔''

یونانی خادم متفکر ہونے کے ساتھ ساتھ مغموم بھی نظر آیا، مگر کچھ بولا نہیں۔

''اب تم جاؤ۔'' فضل نے کہا۔ ''میں اب چاہوں گی کہ سو جاؤں۔ سوچتے سوچتے میرا دماغ پھوڑے کی طرح دکھنے لگا ہے۔''

خادم کے انداز سے ایسا لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ

Marfat.com

بدل دیا اور کمرے سے چلا گیا۔

فضل واقعی شب خوابی کی وجہ سے بے حال تھی مگر عبید کے جانے کے بعد بھی اسے نیند نہیں آسکی تھی۔ صبح تک وہ اسی ادھیڑ بن میں رہی کہ کسی طرح متوکل کو قتل ہونے سے بچالے تو شاید اس کی زندگی بھی بچ جائے۔ اس سوچ بچار میں اتنی دیر ہوگئی تھی کہ یونانی خادم ناشتے کے ساتھ اس کے لیے ایک اچھی اطلاع بھی لایا تھا۔

نیند کی وجہ سے فضل ٹھیک سے ناشتا کیے بغیر بستر پر ڈھیر ہوگئی۔ نیند کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ اسے جلد ہی نیند آگئی۔

دو پہر کو وہ اس وقت جاگی جب یونانی خادم اس کے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ کھانا دے کر وہ خاموشی سے چلا گیا۔ فکر و تردد کے آثار اس کے چہرے پر اس وقت بھی تھے۔

سہ پہر کو منصور آیا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس کے دماغ میں کوئی پریشان کن سوچ بلکورے لے رہی ہو۔

''تمھیں آج ایک اہم کام کرنا ہے فضل!'' وہ آتے ہی بولا۔

فضل سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

منصور ٹہلتا ہوا بولا۔ ''کل شام ایک عجیب صورتِ حال سامنے آئی ہے۔ ایک مسافر کہیں سے آکر سرائے میں ٹھہرا ہے۔ اپنا نام اس نے عبداللہ قشہری بتایا ہے۔ نہایت نوجوان ہے۔ ڈاڑھی مونچھیں ابھی نکلی ہی ہیں۔ خوب صورت بھی ہے۔ اپنے ساتھ وہ ایک مخنث بھی لایا ہے۔ مخنث کا نام اختر ہے۔ وہ کوئی ایرانی ہے۔ اس کا قد کاٹھ عبداللہ قشہری سے نکلتا ہوا ہے۔''

منصور سانس لینے کے لیے رکا ہی تھا کہ فضل بول پڑی۔ ''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ سرائے میں مسافر آتے ہی رہتے ہیں۔''

''پریشانی کی بات یہ ہے کہ عبداللہ قشہری کے روپ میں محبوبہ بھی ہوسکتی ہے۔'' منصور نے چونکا دینے والا انکشاف کیا۔

''کیا!'' فضل کے منہ سے نکلا۔

''ہاں۔'' منصور نے کہا۔ ''اگر وہ محبوبہ ہی ہے تو اس نے بڑے کمال کا بہروپ

Marfat.com

بھرا ہے۔ صرف اس مخنث کی وجہ سے میں نے اسے غور سے دیکھ لیا تھا ورنہ شاید مجھے شبہ بھی نہ ہوتا۔ قصرِ خلافت سے معلومات کروائی گئیں تو معلوم ہوا کہ محبوبہ کو وہاں کل شام سے کسی نے نہیں دیکھا۔ ان لوگوں نے سنا یہ ہے کہ وہ علیل ہونے کے باعث اپنے کمرے تک محدود ہوگئی ہے لیکن اس بات کی تصدیق کسی طرح نہیں ہوسکی ہے۔ اسی لیے میرے شبہے کو تقویت مل رہی ہے کہ عبداللہ قشیری دراصل محبوبہ ہی ہے۔''

''وہ یہ بہروپ بھر کر یہاں کیوں آئے گی؟''

''یہی تو معلوم کرنا ہے!'' منصور نے کہا۔

''کیا عبداللہ قشیری نے، یا جسے تم محبوبہ سمجھ رہے ہو، تمھیں بھی دیکھ لیا ہے؟''

''نہیں۔'' منصور نے کہا۔ ''میں مخنثوں کی رقص گاہ میں داخل ہوا ہی تھا کہ میری نظر اس پر پڑگئی۔ اس نے میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ میں وہاں سے فوراً ہی پلٹ آیا۔ میں نے شہزادہ منتصر کو بھی اپنے شبہے سے آگاہ کردیا ہے۔''

فضل سوچتی ہوئی بولی۔ ''مجھے اس معاملے میں کیا اہم کام کرنا ہے؟''

''اس کی تصدیق کہ وہ محبوبہ ہی ہے۔'' منصور نے کہا۔ ''پھر ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ ہم کیا قدم اٹھائیں۔''

''کیا اسے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہم لوگ یہاں ہیں؟''

''اگر اسے معلوم ہوگیا ہوتا تو اب تک یہاں چھاپا مارا جاچکا ہوتا۔''

''تو کیا اسے شبہ ہوگا کہ ہم یہاں ہیں؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اس قسم کے کام محکمۂ شرطہ کرتا ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ ہماری تلاش میں نکل پڑے!''

فضل سوچتی ہوئی بولی۔ ''میں اس کی تصدیق کس طرح کرسکتی ہوں کہ وہ محبوبہ ہے یا نہیں؟''

''شام ہوتے ہی مخنثوں کی رقص گاہ کی رونق بڑھنا شروع ہوتی ہے۔ شراب کا دور چلتا ہے۔ کھانا کھایا جاتا ہے۔ اس وقت عبداللہ قشیری کو وہاں آنا چاہیے۔ تمھیں بھی اس وقت وہاں جانا ہوگا۔ اگر عبداللہ قشیری تمھیں دیکھ کر چونکا تو پھر یقین کرلیا جائے گا

Marfat.com

کہ وہ محبوبہ ہی ہے۔ یہاں تمھیں کوئی اور تو پہچان نہیں سکتا۔"

"اور اگر آج شام وہ وہاں نہ آیا؟"

"تو سوچنا پڑے گا۔"

"اسے کہاں ٹھہرایا گیا ہے؟"

"اسی منزل پر زینے سے اوپر آتے ہی بائیں ہاتھ کو پہلا کمرا ہے۔" منصور شاید جھونک میں جواب دے گیا، پھر بولا۔ "یہ سوال تم نے کیوں کیا؟"

"ایسے ہی۔" فضل نے جواب دیا۔ "کسی وقت کوئی خیال بے اختیار بھی زبان پر آجاتا ہے۔"

منصور اتنا پریشان تھا کہ اس نے فضل کے سوال اور اپنے جواب پر شاید غور نہیں کیا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ سوال کرتے وقت فضل کے دماغ میں ایک خاص بات چکرانے لگی تھی۔

"تو سمجھ گئیں نا تم میری بات؟" منصور نے قدرے توقف سے پوچھا۔

"ہاں۔" فضل نے کہا۔ "لیکن جب وہ مجھے پہچان لے گی تو کیا ہمارے لیے خطرہ نہیں ہوگا۔"

"یقیناً ہوگا، لیکن اس خطرے کا سامنا کرنے سے پہلے ہم یہاں سے فرار ہو چکے ہوں گے یا محبوبہ کو ختم کر دیا جائے گا۔" منصور نے جواب دیا، پھر بولا۔ "میں شام کو تمھیں لینے آؤں گا اور وہاں پہنچادوں گا جہاں عبداللہ قشیری کو آنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ دیر سے آئے لیکن آئے گا ضرور۔ تمھیں اس کا انتظار کرنا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ بات اب تم نے اچھی طرح سمجھ لی ہوگی!"

فضل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرا دل اصرار کر رہا ہے کہ وہ محبوبہ ہی ہوگی۔" منصور بڑبڑاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

☆☆☆

محبوبہ کے ساتھ قلقل سرائے آنے والا اختر کوئی ایرانی نہیں بلکہ ایک جاٹ تھا، اسی لیے اس کا قد خاصا نکلتا ہوا تھا۔

Marfat.com

آٹھویں صدی میں اموی خلیفہ ولید اوّل نے کسی وجہ سے جاٹوں کو ہندوستان سے بلوا کر دجلہ کے کناروں پر آباد کر دیا تھا۔ عرب انھیں ''زاط'' کہتے تھے۔ ان لوگوں نے وہاں قدم جماتے ہی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ ان کی روک تھام میں مامون الرشید کے سالار بھی ناکام رہے تھے۔ جب معتصم باللہ نے منصبِ خلافت سنبھالا تو اپنے ایک معتمد جرنیل عجیف بن غبسہ کو ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس جرنیل نے جاٹوں کے رسل و رسائل کے وسائل ختم کیے تو وہ اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔ خلیفہ نے انھیں دجلہ کے کناروں سے اٹھوا کر ترکی اور شام کی سرحدوں پر آباد کرا دیا تھا جہاں وہ لوٹ مار کا بازار گرم نہ کر سکے اور ان کی زندگی پریشانی میں گزرنے لگی۔ ان میں سے بعض چھپ چھپا کر تلاش روزگار میں بغداد کا رخ کرتے تھے۔ ان کی گرفتاری بھی عمل میں آتی رہتی تھی۔ ان میں سے ایک جاٹ بہروپیا بن گیا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے گرفتار کیا جا سکا۔ ان دنوں بھی وہ قید میں تھا جب محبوبہ نے ایک بہروپیے کی ضرورت محسوس کی۔ اب اس نے قید خانے کے نگراں سے اس بارے میں بات کی تو اس نے بتایا کہ اس وقت ایک ایسا ''زاط'' قید خانے میں تھا جو بہروپ بھرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ محبوبہ نے اسے طلب کر لیا۔ جب متوکل کو اس کی اطلاع ملی تو وہ بہت حیران ہوا۔ اس کے استفسار پر محبوبہ نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

''آپ کے آدمی تو اب تک سازش کرنے والوں کا پتا لگانے میں سراسر ناکام رہے ہیں۔'' محبوبہ نے کہا تھا۔ ''وہ خادمہ بھی اذیتیں برداشت کرتے کرتے اپنی جان سے گئی جس نے طاؤس کی باتیں سنی تھیں۔ اس کی زبان سے ایک بات بھی نہیں اگلوائی جا سکی۔ تو اب میں اس میدان میں قدم رکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے ان پر شدید غصہ ہے کہ انھوں نے سازش کر کے مجھے آپ سے دور کیا۔ پھر رہی سہی کسر تو اس طرح پوری ہو گئی کہ وہ آپ کے قتل کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ میں ان لوگوں کو کسی طرح بھی معاف نہیں کر سکتی جو آپ کی جان کے درپے آزار ہو گئے ہوں۔''

''لیکن تم کیا کر سکو گی محبوبہ؟''

''میں بہروپ بھر کر ان کی تلاش میں محل سے نکلوں گی اور ان کا سراغ لگا کر

Marfat.com

رہوں گی جو چوہوں کی طرح نامعلوم بلوں میں جا چھپے ہیں۔''

خلیفہ نے ہنس کر کہا تھا۔ ''تم نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اس کی تم اہل نہیں ہو۔''

''میں اپنی سی کر گزرنا چاہتی ہوں۔ ہاں اگر آپ اجازت نہ دیں تو دوسری بات ہے۔'' محبوبہ اداس نظر آنے لگی تھی۔

خلیفہ نے کہا تھا۔ ''ہمیں ڈر ہے کہ تمھیں کوئی ضرر نہ پہنچ جائے!''

''میرا بہروپ ایسا ہوگا کہ مجھے کوئی پہچان ہی نہیں سکے گا۔''

خلیفہ محبوبہ کو اداس نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اسے اجازت دینا پڑی تھی۔ پھر جب محبوبہ نے اس جاٹ کو دیکھا تھا تو اس کے ذہن میں ایک نئی بات آئی تھی۔ اس لمبے قد کاٹھ کا شخص مخنث کا روپ دھار لے تو شبہے سے بالاتر ہوگا لہٰذا اسے بھی ساتھ رکھا جائے تو لڑائی بھڑائی کا عادی یہ شخص کسی آڑے ترچھے وقت میں اس کے کام آسکتا ہے۔ کچھ نامعلوم لوگوں کی تلاش کا ذکر کرکے اس نے جاٹ کو بتایا تھا کہ وہ بہروپ بھر کر کہاں جانا چاہتی ہے۔ اس نے جاٹ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہوگئی تو جاٹ کو قید سے بھی نجات دلوا دے گی اور اسے انعام واکرام سے بھی نوازا جائے گا۔

''لیکن اس کے بعد تم واپس ترکی چلے جاؤ گے!'' محبوبہ نے اس سے کہا تھا۔

انعام واکرام اور آزادی کے لالچ میں جاٹ خوش ہوکر وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوگیا جو محبوبہ اس سے چاہتی تھی۔

اس طرح بھیس بدل کر وہ دونوں قلقل سرا پہنچ گئے تھے۔ محبوبہ رات گئے تک مخنثوں کا رقص دیکھتی اور ناؤ نوش کرتی رہی تھی لیکن اسے ان لوگوں میں سے کسی کی جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی جنھیں تلاش کرنے کے لیے اس نے قلقل سرا کا رخ کیا تھا۔

منصور کو تو یہاں ہونا ہی چاہیے، وہ مسلسل سوچتی رہی تھی۔

رات اس نے زاط کے ساتھ ایک ہی کمرے میں گزاری۔ اس کے خیال کے مطابق وہ جاٹ کسی طرح بھی اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں بن سکتا تھا۔ وہ کسی ایسی عورت کو بری نیت سے دیکھنے کی جرات نہیں کرسکتا تھا جو قصرِ خلافت سے تعلق رکھتی ہو۔

رات گئے سونے کے باعث وہ دن چڑھے تک سوتی رہی۔ دوپہر کا کھانا ان

Marfat.com

کے کمرے میں آ گیا۔

''معزز خاتون!'' جاٹ نے کھانے کے بعد اس سے پوچھا۔ ''کل رات کوئی نظر آیا آپ کو؟''

وہ عربی میں بولا تھا۔ ان جاٹوں کو وہاں رہتے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ عربی وہ کسی اہلِ زبان کی طرح بولنے پر قادر ہو گئے تھے۔

''نہیں۔'' محبوبہ نے متفکر لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں اتنی جلدی مایوس نہیں ہوئی ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جس کمرے میں روپوش ہوں، وہاں سے نکلتے ہی نہ ہوں۔''

''پھر تو کچھ معلوم نہیں ہوسکتا!''

''فی الحال تم ایسا کرو کہ نیچے چلے جاؤ۔'' محبوبہ نے کہا۔ ''یہاں جو مخنث ہیں، ان سے میل جول بڑھاؤ۔ باتوں باتوں میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ میرے بارے میں سب سے یہی کہنا کہ میں ایک بگڑا ہوا امیر زادہ ہوں جو شہروں شہروں گھومتا رہتا ہے۔ میرا باپ ایک کاروباری ہے جو پہلے دمشق میں رہتا تھا لیکن جب وہاں شورشیں اور بغاوتیں بڑھیں تو کاروبار بھی متاثر ہوا۔ کچھ عرصے پہلے موجودہ خلیفہ بھی وہاں گیا تھا لیکن وہاں سکون سے نہیں رہ سکا اور شاید ایک ڈیڑھ ماہ بعد واپس آ گیا۔ انھی دنوں میں میرے باپ نے بھی اپنا کاروبار وہاں سے بصرہ منتقل کر دیا۔''

جاٹ حیرت سے بولا۔ ''اتنی لمبی چوڑی باتیں کرنے کی کوئی خاص وجہ؟''

''یقیناً'' محبوبہ نے جواب دیا۔ ''سرسری جواب کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ تفصیل سے بتایا جائے تو لوگ یقین کر لیتے ہیں۔''

محبوبہ نے اسے چند اور باتیں بتا کر رخصت کر دیا۔ وہ خود سوچتی اور ٹہلتی رہی۔ کبھی بستر پر لیٹ جاتی۔

سہ پہر کو جاٹ واپس آ گیا۔ اس نے وہاں کے مخنثوں سے تعلقات تو استوار کر لیے تھے لیکن کوئی خاص بات معلوم کرنے میں کام یاب نہیں ہوسکا تھا۔

''کچھ دیر بعد پھر نکل جانا۔ جن لوگوں سے جان پہچان ہوئی ہے، ان سے کہہ دینا کہ میں سو رہی ہوں۔'' محبوبہ ہنسی۔ ''بلکہ سو رہا ہوں۔''

Marfat.com

جاٹ نے جواباً ہنسا سوئے ادب جانا اور سر ہلا کر رہ گیا۔

دراصل محبوبہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ اگر وہ لوگ کسی کمرے میں یا سرائے کی کسی جگہ روپوش ہیں تو ان کا پتا کیسے لگایا جائے؟ دو ایک تدابیر اس کے ذہن میں آئی تو تھیں مگر ان میں خطرہ بہت تھا۔ خطرہ مول لینے سے پہلے وہ اچھی طرح سوچ لینا چاہتی تھی۔

کچھ وقت گزار کر جاٹ پھر چلا گیا۔

فی الحال محبوبہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا کہ وہ اپنے دماغ میں آنے والی تدابیر یا ان کے باعث پیش آنے والے خطرات کے بارے میں سوچتی۔ اسی سوچ بچار میں کتنا وقت گزر گیا؟ اسے احساس تک نہیں ہو سکا۔ وہ دروازے پر ہونے والی دستک سے چونکی۔

دروازہ اندر سے بند تھا۔ جاٹ کے جانے کے بعد وہ دروازہ بند کر لیا کرتی تھی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا اور شدّت سے چونک پڑی۔ اس کے سامنے گھبرائی ہوئی فضل کھڑی تھی۔

محبوبہ نے چونکنے کے بعد فوراً خود کو سنبھالا اور کڑے لہجے میں بولی۔ ''کون ہو؟ کیا چاہتی ہو؟''

''تم مجھے دیکھ کر چونک گئیں اس لیے مجھے بھی تمھیں پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔'' فضل نے تیزی سے کہا۔ ''میں تمھیں خطرے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔ مجھے اندر آنے دو، ورنہ میں بھی ماری جاؤں گی۔''

محبوبہ نے اس کے لیے راستہ نہیں چھوڑا تھا لیکن وہ خود ہی تیزی سے اندر آ گئی۔

محبوبہ نے تیزی سے دروازہ بند کرتے ہوئے اپنے لباس میں پوشیدہ پیش قبض نکال لیا اور فضل کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''تم کوئی لٹیری معلوم ہوتی ہو!''

''میں لٹیری نہیں ہوں۔ تم اچھی طرح جانتی ہو محبوبہ کہ میں کون ہوں۔ یہ درست ہے کہ قصرِ خلافت سے فرار ہونے والوں میں میرا نام بھی شامل ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں فرار نہیں ہوئی تھی۔ یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔'' فضل اب جو کچھ کرنا چاہتی تھی، اس کے لیے یہ جھوٹ بولنا ضروری تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

Marfat.com

''تم امیر المومنین سے سب کچھ جان چکی ہوگی اس لیے میں تمھیں حقیقت بتانا چاہتی ہوں۔ میں اس پر نادم ہوں کہ میں تمھارے خلاف سازش میں شریک ہوئی لیکن دراصل میں جاننا چاہتی تھی کہ یہ لوگ مجھ سے آخر کیا کام لینا چاہتے ہیں۔ بات قبل از وقت کھل گئی۔ اب تو خیر میں جان چکی ہوں کہ یہ لوگ مجھ سے امیر المومنین کو زہر دلوانا چاہتے تھے۔ ان کی سازش ناکام ہوگئی۔ اب یہ لوگ ایک اور منصوبے پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں تم کیا سوچ کر آئی ہو، یہ تو میں نہیں سمجھ سکی لیکن میں تمھیں یہ ضرور بتانا چاہتی ہوں کہ ان لوگوں نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ یا یہ کہہ لو کہ انھیں قوی شبہ ہوگیا ہے۔ اس شبہے کی تصدیق ہوتے ہی یہ لوگ تمھیں قتل کردینا چاہتے ہیں۔'' فضل اتنی تیزی سے بولتی چلی گئی تھی کہ محبوبہ کو کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔

محبوبہ کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ پیش قبض اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ فضل جتنی تیزی سے بولتی رہی تھی، اتنی ہی تیزی سے محبوبہ کا دماغ بھی کام کررہا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اب اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ وہ محبوبہ ہونے سے انکار کرتی۔ فضل نے اسے یقیناً پہچان لیا تھا لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ وہ اس کے پاس براہِ راست کیوں آگئی؟

''تم مجھے گھورے جارہی ہو!'' فضل نے سانس لے کر پھر بولنا شروع کیا۔ ''شاید تم فیصلہ نہیں کرپارہی ہو کہ مجھ پر اعتبار کرو یا نہ کرو، لیکن اب میں تمھیں جو کچھ بتاؤں گی، اس کے بعد تم مجھ پر یقیناً اعتماد کرلوگی۔ ان لوگوں نے آج رات امیر المومنین کو قتل کرنے کا ایک اور منصوبہ بنالیا ہے۔''

محبوبہ چونکی اور اس کے منہ سے نکلا۔ ''کیا؟''

''ہاں محبوبہ! شکر ہے کہ تم بولیں۔ میں تمھیں بتانا چاہتی ہوں کہ منصور اور شہزادہ منتصر اسی سرائے میں روپوش ہیں۔ کل منصور نے تمھیں یہاں دیکھ لیا ہے اور اسے شبہ ہوگیا ہے کہ تم محبوبہ ہوسکتی ہو۔ وہ میرے ذریعے اس کی تصدیق چاہتا تھا۔''

فضل نے وہ ساری باتیں دہرادیں جو منصور نے اس سے کی تھیں۔ محبوبہ بے چین ہوگئی۔

Marfat.com

فضل نے اب بھی بولنا جاری رکھا۔ ''کچھ دیر میں اندھیرا پھیلنے والا ہے۔ تم مخنثوں کا رقص دیکھنے چلی جاؤ۔ جلد ہی منصور بھی مجھے وہاں پہنچائے گا۔ تم پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ اگر تم مجھے دیکھ کر چونکیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ تم واقعی محبوبہ ہو لہٰذا تم مجھے دیکھنا تو اِس طرح جیسے کوئی کسی اجنبی پر نظر ڈالتا ہے۔ اس طرح تم محفوظ ہو جاؤ گی۔ منصور سمجھ لے گا کہ محبوبہ سے تمھاری مشابہت محض اتفاقیہ ہے۔''

محبوبہ نے بے تابی سے پوچھا۔ ''امیر المومنین کے خلاف اب ان لوگوں نے کیا منصوبہ بنایا ہے؟''

فضل نے کہا۔ ''میں تم سے ملنے آئی ہی اس لیے ہوں کہ تمھیں اس منصوبے سے آگاہ کر دوں۔ میں نے تو انتظام کر لیا تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے ذرا دیر بعد ہی یہاں سے فرار ہو کر قصرِ خلافت پہنچوں گی اور امیر المومنین کو اس منصوبے سے آگاہ کر دوں گی لیکن اب ایک یہ امکان پیدا ہو گیا ہے کہ اگر میں کسی وجہ سے قصرِ خلافت نہ پہنچ سکوں تو تم یہاں سے جا کر انھیں باخبر کر دو۔''

''مجھے ابھی یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیے۔'' محبوبہ تیزی سے بولی۔

''یہ غلطی نہ کرنا محبوبہ!'' فضل نے کہا۔ ''تم ابو اسحاق سے کہہ چکی ہو کہ یہاں کئی دن رکو گی۔ اب اگر تم اچانک یہاں سے روانہ ہوئیں تو ان کا شبہ قوی ہو جائے گا۔ شاید وہ سمجھ لیں کہ تم محبوبہ ہی ہو اور یہاں تم نے کچھ جان لیا ہے۔ وہ تم پر کڑی نظر رکھیں گے اور جب تمھیں قصرِ خلافت کی طرف جاتے دیکھیں گے تو تم قصرِ خلافت میں قدم نہیں رکھنے پاؤ گی۔ وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔ انھوں نے ہر طرف اپنے کارندوں کا جال پھیلا رکھا ہے۔''

''لیکن......'' محبوبہ بہت بے چین ہو گئی تھی۔

فضل نے اس کی بات کاٹی۔ ''تمھیں فی الحال وہی کرنا چاہیے کہ مخنثون کا رقص دیکھنے جاؤ۔ وہاں میں آؤں تو مجھ پر ایک سرسری سی نظر ڈالنے پر اکتفا کرنا۔ تم مجھے دیکھ کر چونکو گی نہیں تو وہ لوگ تمھاری طرف سے مطمئن ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تمھاری نگرانی نہیں ہو گی۔ یہاں سے نکلنا تمھارے لیے آسان ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہی میں بھی یہاں سے فرار ہو جاؤں گی جس کا بندوبست میں نے کر لیا ہے۔''

Marfat.com

محبوبہ اب بہت متفکر نظر آ رہی تھی۔ اس نے سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''تم نے کیا بندوبست کیا ہے؟''

''یہاں کا ایک ملازم مجھے یہاں سے فرار کرائے گا اور خود بھی یہاں سے بھاگ نکلے گا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے حفاظت سے قصرِ خلافت تک پہنچانے کی کوشش کرے گا اور مجھے وہاں پہنچانے کے بعد ہی اپنے وطن کا رخ کرے گا۔ وہ یونان کا رہنے والا ہے اور......''

فضل نے حد درجہ اختصار سے کام لیتے ہوئے یونانی خادم کے بارے میں بھی بتا دیا تاکہ محبوبہ کو زیادہ سے زیادہ مطمئن کر سکے۔

''اب میں جاؤں گی۔'' فضل نے کہا۔ ''میں نے یہاں آتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ جانے میں بھی احتیاط برتوں گی۔ منصور مجھے لینے کے لیے آنے والا ہوگا۔ تم ذرا دیر میں وہاں پہنچ جانا۔ یقیناً منصور بھی مجھے جلد ہی وہاں پہنچائے گا۔ تم نے میری بات سمجھ لی ہے نا محبوبہ؟ تمھاری فوری روانگی مناسب نہیں ہے۔''

محبوبہ نے سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فضل کے رخصت ہو جانے کے بعد وہ بے چینی سے ٹہلنے لگی۔ اب اسے خلیفہ متوکل کی بات یاد آ رہی تھی کہ اس نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، وہ اس کی اہل نہیں ہے۔ اس کے لیے واقعی فیصلہ کرنا دشوار ہو رہا تھا کہ اسے فوری طور پر کیا کرنا چاہیے۔ اس کی شدید خواہش تو یہی تھی کہ وہ اڑتی ہوئی قصرِ خلافت پہنچے اور متوکل کے قتل کی سازش ناکام بنا دے لیکن فضل جو احتیاط پیشِ نظر رکھنا چاہتی تھی، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جلدی ہی محبوبہ کمرے سے نکلی اور چوبی فرش پر چند قدم بڑھا کر زینے تک پہنچ گئی۔

دوسری طرف اس وقت منصور، فضل کے کمرے میں تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم تیار ہو!'' وہ بولا۔

''ہاں۔'' فضل نے کہا۔ ''تیاری کیا کرنا ہے مجھے؟''

''تو آؤ۔''

فضل اس کے ساتھ کمرے سے نکلی۔ قلقل سرا کی اوپری منزل کا چوبی فرش اس

Marfat.com

خوبی سے بنایا گیا تھا کہ اس پر چلتے ہوئے خفیف سی لچک بھی نہیں ہوتی تھی اور نہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ فرش کے نیچے خلا تھا۔

زینہ طے کر کے وہ دونوں نیچے پہنچے۔ منصور نے فضل کو ایک دروازے تک پہنچایا۔ دوسری طرف سے رباب اور نفیری کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''اب تم اندر جاؤ'' منصور نے کہا۔ ''اگر عبداللہ قشہری نظر نہ آئے تو اس کا انتظار کرنا۔''

''میں اسے پہچانوں گی کیسے؟'' فضل نے تصنع سے کام لیا۔

''وہ محبوبہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگرچہ بہت کم لیکن تم غور سے دیکھو گی تو پہچان لو گی۔ پھر یہ کہ ہمارے جو لوگ اندر ہیں، وہ عبداللہ قشہری پر نظر رکھیں گے۔ انھی کو دیکھنا ہے کہ وہ تمھیں دیکھ کر چونکتا ہے یا نہیں!''

فضل نے سر ہلایا اور دروازہ کھول کر دوسری طرف چلی گئی۔ رباب اور نفیری کی آوازوں سے وہاں کی فضا گونج رہی تھی۔ دو مخنث بے ڈھنگا رقص کر رہے تھے۔ ابھی لوگوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن جتنے بھی تھے، ان میں سے بیشتر کے ساتھ ایک مخنث بھی بیٹھا تھا۔ بعض لوگ مخنثوں کے گلے میں باہیں ڈالے ہوئے تھے۔ کسی کے سامنے قہوے کے پیالے، کسی کے سامنے شراب کے جام سجے ہوئے تھے۔ مخنثوں کا ہنسی ٹھٹھا بھی جاری تھا۔ فضل کو پہلی مرتبہ اس قسم کا گھٹیا ماحول دیکھنے کو ملا تھا۔

ایک طائرانہ نظر ڈال کر فضل نے محبوبہ کو دیکھ لیا۔ اس کے ساتھ ایک لمبے قد کا مخنث بھی بیٹھا ہوا تھا۔ فضل ان دونوں کے سامنے سے گزرتی ہوئی ایک جگہ جا بیٹھی۔ اس نے کن انکھیوں سے دیکھا تھا کہ محبوبہ نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی تھی اور پھر مخنثوں کا رقص دیکھنے لگی تھی۔

فضل نے سکون محسوس کیا۔ محبوبہ نے بہت اچھی اداکاری کی تھی۔ بیٹھنے کے بعد اس نے ایک خادم سے قہوے کے لیے کہا۔ وہ بہت بے چین تھی۔ اسے یہاں سے جلد از جلد اٹھنا تھا۔ وہ یونانی خادم سے کہہ چکی تھی کہ وہ جلد از جلد لوٹنے کی کوشش کرے گی تاکہ قلقل سرا سے نکلنے میں تاخیر نہ ہو۔ وہ جلد از جلد قصرِ خلافت پہنچنا چاہتی تھی لیکن

Marfat.com

یہاں سے فوراً اٹھ جانا مناسب نہیں تھا۔

وہاں موجود بہت سے لوگ اسے گھورنے لگے تھے۔ کرخ کی ان سرایوں میں عورتیں نہیں آتی تھیں اور اگر کبھی کوئی آتی تھی تو وہ، جس کا پیشہ جسم فروشی ہوتا تھا۔ اس قسم کی عورتوں کی وضع قطع اور چال ڈھال ظاہر کر دیتی تھی کہ وہ کیا ہیں جبکہ فضل کے انداز میں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔

وہ قہوہ پی چکی تھی جب ایک آدمی اس کے قریب سے دھیمی آواز میں یہ کہتا ہوا گزرا۔ ''بس اب اٹھ جاؤ۔ منصور تمھارے کمرے میں تمھارا انتظار ہے۔''

فضل فوراً اٹھی۔

☆☆☆

خلیفہ متوکل کے محافظ دستے کے سالار واثق ربیعہ نے اپنے گھر کے دروازے پر اس شخص کو حیرت سے دیکھا جس نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے عمرو بن خرج کا ایک تحریری پیغام لایا ہے۔ عمرو بن خرج ایک ترکی امیر تھا۔ معتصم باللہ کے زمانے میں وہ بخشی کے عہدے پر فائز تھا۔ تمام وظائف اور وثیقوں پر اسی کے دست خط ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ متوکل اپنی ولی عہدی کے زمانے میں اپنے وظیفے کے لیے اس کے پاس دست خط کرانے گیا تھا تو عمرو بن خرج نے اس سے درخواست لے کر پرزے پرزے کی اور صحن میں پھینک دی تھی۔ متوکل بہت افسردہ ہوا اور عمرو بن خرج کے لیے اس کے دل میں گرہ پڑ گئی۔ پھر جب وہ اقتدار میں آیا تو اس نے عمرو بن خرج کا سارا مال و متاع ضبط کر کے اسے قید میں ڈلوا دیا۔ اس کے دونوں لڑکوں محمد اور غلام نصر پر بھی عتاب نازل کیا۔ کچھ عرصے بعد جب متوکل خوش گوار ماحول میں تھا تو کسی کی سفارش پر اس نے عمرو بن خرج کو رہا کر دیا اور اس کی اہواز کی جاگیر بھی واگزار کر دی۔

واثق ربیعہ کو یہ ساری باتیں معلوم تھیں لیکن اسے عمرو بن خرج کو دیکھے ہوئے بھی ایک عرصہ ہو گیا تھا۔

''آپ مجھے حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔'' نووارد نے کہا۔ ''لیکن یہ وقت حیرت کا نہیں، عجلت کا ہے۔ آپ یہ پیغام پڑھ لیجیے!'' اس نے عمرو بن خرج کا مکتوب واثق ربیعہ

Marfat.com

کی طرف بڑھا دیا۔

پیغام بڑا سنسنی خیز تھا۔ ابتدائی تحریر معذرت خواہانہ تھی۔ لکھا تھا۔

''ماضی میں امیرالمومنین کے ساتھ میں نے جو سلوک کیا تھا، اس پر آج بھی نادم ہوں۔ شاید میں اس وقت نشے میں تھا جب میں نے ان کی درخواست پھاڑ کر پھینک دی تھی۔ اگرچہ مجھے اس کی بہت سخت سزائیں دی جا چکی ہیں لیکن میں آج بھی امیرالمومنین کا غلام اور بہی خواہ ہوں۔ اسی لیے آپ کو یہ پیغام بھیج رہا ہوں۔ امیرالمومنین کے خلاف ایک خطرناک منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس کا علم میرے بیٹے غلام نصر کو ہو گیا ہے۔ اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ غلام اسے یقیناً مار ڈالتے، اگر وہ روپوش نہ ہو جاتا۔ وہ لوگ اس کی تلاش میں ہیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان حالات میں کیا کرے، اس لیے اس نے خفیہ طور پر مجھے خط بھیج کر سارے حالات سے آگاہ کیا۔ وہ آپ ہی کے شہر میں رہتا ہے اور میں اہواز میں ہوں۔ آج کل بیمار بھی ہوں ورنہ خود آتا۔ ان حالات سے آپ کو اس لیے آگاہ کر رہا ہوں کہ آپ امیرالمومنین کے جاں نثار محافظ ہیں۔ آپ ہی انھیں خطرات سے بچا سکتے ہیں۔ میرا یہ قاصد آپ کو غلام نصر کی خفیہ پناہ گاہ تک پہنچا دے گا۔ امید ہے کہ آپ اس میں تساہل نہیں برتیں گے۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھ تک غلام نصر کا خط آنے میں بھی وقت لگا تھا اور اب میں جس شخص کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، یہ اس شام آپ تک پہنچ سکے گا جب آدھی رات کے بعد سازش کرنے والے اپنے منصوبے پر عمل کرنے والے ہیں۔''

اس کے آگے بھی کچھ لکھا تھا لیکن واثق ربیعہ نے جو کچھ پڑھا تھا، وہ اسی سے پریشان ہو گیا اور نووارد کی طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے بولا۔ ''غلام نصر کا خفیہ مسکن کہاں ہے؟''

''ہمیں وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔'' نووارد نے جواب دیا۔ ''بشرطیکہ آپ نے دیر نہیں کی۔''

واثق ربیعہ کچھ دن پہلے ہونے والی ناکام سازش سے واقف تھا اس لیے اسے عمرو بن خرج کے پیغام پر ذرا بھی شبہ نہیں ہوا۔ وہ بڑی عجلت میں اپنے گھر سے روانہ ہوا۔ گھر والوں سے اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ وہ ایک ضروری کام سے جا رہا ہے اور

Marfat.com

اس کی واپسی میں دیر لگ سکتی ہے۔

دو گھوڑے بغداد کے راستوں پر سرپٹ دوڑنے لگے۔ نووارد اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ جلد ہی دونوں گھوڑے ایک ایسی بستی میں داخل ہوئے جہاں لوہار خاندان رہتے تھے۔ ایک مکان کے دروازے پر غلام نصر نے واثق ربیعہ کا استقبال کیا۔ اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

''شکر ہے کہ آپ نے آنے میں دیر نہیں لگائی۔'' وہ بولا۔ ''اندر آجایئے۔''

واثق ربیعہ اندر داخل ہوا۔ غلام نصر نے دروازہ بند کر لیا۔ واثق ربیعہ کو وہاں لانے والا باہر ہی رہ گیا تھا۔ واثق ربیعہ کو اس کا خیال آیا لیکن اس نے غلام نصر سے اس بارے میں استفسار نہیں کیا اور بولا۔ ''میں وہ منصوبہ جاننے کے لیے بے چین ہوں ابنِ خرج کے بیٹے!''

''دوسرے کمرے میں چلیے۔'' غلام نصر نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

واثق ربیعہ پر جھنجلاہٹ طاری ہوئی۔ وہ جلد از جلد سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا لیکن اسے غلام نصر کی بات ماننا پڑی۔ پھر جیسے ہی اس نے دوسرے کمرے میں قدم رکھا، اسے اپنے پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ سامنے ہی اس کی جوان بیٹی سامعہ چرمی تسموں سے بندھی پڑی تھی اور بہت خوف زدہ نظر آ رہی تھی۔ خطرے کے احساس کے ساتھ واثق ربیعہ کا ہاتھ نیام میں موجود تلوار کے قبضے پر پہنچ گیا لیکن اسی وقت کوئی نوکیلی چیز اس کی کمر سے چبھنے لگی۔

''یہ تلوار ہے۔'' پیچھے سے آواز آئی۔ ''اگر تمھاری تلوار نیام سے ذرا بھی باہر نکلی تو میری تلوار تمھارے جسم میں داخل ہو کر تمھارا پیٹ چیر ڈالے گی۔ تمھاری آنتیں پیٹ سے باہر آ گریں گی۔''

واثق ربیعہ پتھرا سا گیا۔ وہ سب کچھ اس کے لیے حد درجہ غیر متوقع تھا۔

اس نے وہاں کئی شمشیر بہ دست افراد کو دیکھا جو اِدھر اُدھر سے نکل کر سامنے آ گئے تھے۔ واثق ربیعہ ان میں سے ایک آدھ کے علاوہ سب کو جانتا تھا۔ وہ سب ترک تھے۔ ان میں نمایاں شخصیت ادتامش باغر کی تھی۔

Marfat.com

واثق ربیعہ کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ اس کی خوب صورت جوان بیٹی وہ سب کچھ بڑی خوف زدگی کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی زبان سے اب تک ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی قوتِ گویائی سلب ہوگئی ہے۔

''واثق ربیعہ!'' اوتامش باغرمضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ ''امیر المومنین کا محافظِ اعلیٰ جسے ہم نے کسی چوہے کی طرح پکڑ لیا ہے۔''

''اوتامش!'' واثق ربیعہ نے دانت پیس کر کہا۔ ''دھوکا تو کوئی بھی کھا سکتا ہے۔ تم پانچوں میرے سامنے آ کر کھڑے ہو اور میری تلوار مجھے واپس کر دو پھر میں تمھیں بتا سکوں گا کہ میں کیسا چوہا ہوں۔''

''ہمیں اس قسم کا ناٹک کھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اوتامش نے کہا۔ ''سنا ہے کہ یہ شوق خلیفہ ہارون الرشید کو تھا۔'' پھر اس نے سامعہ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اپنی بیٹی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تم نے؟''

''اندازہ لگا چکا ہوں۔'' واثق ربیعہ نے کہا۔ ''اسے تم لوگوں نے اس وقت اغوا کیا ہوگا جب یہ پڑھ کر گھر لوٹ رہی ہوگی۔ اسے بھی شاید ایسا ہی کوئی دھوکا دیا گیا ہو جیسا مجھے دیا گیا ہے!''

''دراصل۔'' اوتامش پھر مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔ ''یہ جو غلام نصر ہے، ابنِ خرج کا بیٹا، اسے وہ دن خوب یاد ہیں جب اس کے باپ کو قید خانے میں ڈالا گیا تھا اور اسے اپنے بھائی کے ساتھ خلیفہ کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ یہ ان باتوں کا انتقام لینے کے لیے ایک منصوبہ بنا چکا ہے۔ اسی منصوبے کی وجہ سے تمھاری بیٹی کو بھی یہاں لانا پڑا۔ جب سے یہ یہاں آئی ہے غلام نصر اس کا خوب صورت جسم دیکھنے کے لیے بھی بے چین ہو گیا ہے۔''

''نہیں۔'' واثق ربیعہ پاگلوں کی طرح چیخ پڑا۔

''میں بھی چاہتا ہوں کہ ایسا نہ ہو۔'' اوتامش نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اسی لیے میں نے اسے روکے رکھا ہے اور روکے رکھوں گا، اگر تم میری ایک بات مان لو!''

اب واثق ربیعہ کی سانس پھولنے لگی تھی۔ وہ سوالیہ نظروں سے اوتامش کی

Marfat.com

طرف دیکھتا رہا۔

اوتامش بولا۔ ''آج تم چھٹی پر ہو۔ قصرِ خلافت میں تمھاری جگہ عدیل نجدی نے سنبھالی ہوئی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کے نام ایک خط لکھ دو۔ اس کے بعد کل صبح تمھیں اور تمھاری بیٹی کو یہاں سے رہا کر دیا جائے گا۔ ہمیں تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

واثق ربیعہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اوتامش نے اسے بتایا کہ عدیل نجدی کو اسے کیا تحریری ہدایت دینا ہے۔

''کیوں؟'' واثق ربیعہ نے تیزی سے پوچھا۔ ''مقصد کیا ہے تم لوگوں کا؟''

''اس سے تمھیں کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے!'' اوتامش نے درشت لہجے میں کہا۔

''مقصد جانے بغیر میں یہ خط نہیں لکھوں گا۔''

''شاید تم نے سوچے سمجھے بغیر جواب دیا ہے۔'' اوتامش نے اسے گھورتے ہوئے کہا، پھر غلام نصر کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ابنِ خرج کے بیٹے! واثق کو میری خواہش سے کوئی دل چسپی نہیں تو پھر تم ہی اپنی خواہش پوری کر لو!''

غلام نصر بھوکی نظروں سے سامعہ کی طرف دیکھتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ سامعہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ وہ اب تک کچھ نہیں بولی تھی۔

''رک جاؤ غلام نصر!'' واثق ربیعہ چیخا۔

غلام نصر نے اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔

''رک جاؤ!'' واثق ربیعہ غصے سے ہانپنے لگا۔

اوتامش بولا۔ ''اس کی ایک ہی صورت ہے کہ تم خط لکھ دو۔''

''لکھ دوں گا۔'' واثق ربیعہ کی سانس پھولتی چلی جا رہی تھی۔

غلام نصر کا ہاتھ اس وقت سامعہ کے زیرِ جامے تک پہنچ چکا تھا۔

''رک جاؤ!'' اوتامش نے غلام نصر کو حکم دیا۔

غلام نصر مڑ کر طنزیہ نگاہوں سے واثق ربیعہ کی طرف دیکھنے لگا جو اس وقت پسینے پسینے ہو چکا تھا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہوتی اگر ایک باپ کے سامنے اس کی جوان بیٹی

Marfat.com

کو برہنہ کر دیا جاتا۔

سامعہ کا چہرہ اس وقت شرم سے سرخ ہو گیا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

واثق کے لیے لکھنے کا سامان مہیا کر دیا گیا۔

''جو میں کہوں، وہ لکھتے جاؤ!'' اوتامش نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔

واثق ربیعہ اس وقت ایسی بے بسی محسوس کر رہا تھا جو اسے زندگی میں کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کا خط خلیفہ کی زندگی کے لیے خطرہ بن جائے گا۔ وہ خلیفہ کا جاں نثار تھا لیکن اس وقت اس کی جان پر نہیں، عزت پر آ بنی تھی۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ اگر اس نے ان لوگوں کی بات نہیں مانی تو اس کی بیٹی کو صرف برہنہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا جائے گا، بلکہ بات اس سے آگے بھی بڑھتی، اور پھر اگر وہ لوگ واثق کو چھوڑ بھی دیتے تو وہ زندہ نہیں رہتا، خودکشی کر لیتا لہٰذا وہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

''خدا مجھے معاف کرے۔'' وہ دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔ ''یہ خط شاید میرے آقا کے لیے کوئی بہت بڑا خطرہ بن جائے!''

اوتامش نے بولنا اور واثق ربیعہ نے لکھنا شروع کیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ وہ کپکپاہٹ اس کی تحریر پر بھی اثر انداز ہو رہی تھی۔ اوتامش نے جھک کر دیکھا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''ہاتھ قابو میں کر کے لکھو!'' وہ کڑے لہجے میں بولا۔ ''یہ ٹیڑھے میڑھے الفاظ تمھارے ماتحت کو باور کرائیں گے کہ یہ خط اسے تم نے نہیں، کسی اور نے لکھا ہے۔''

''میرے اعصاب قابو میں نہیں رہے ہیں۔'' واثق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''پانی پلاؤ اسے!'' اوتامش نے وہاں موجود آدمیوں میں سے ایک کو حکم دیا۔

واثق ربیعہ کے لیے پانی لایا گیا۔ بڑا پیالہ واثق نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

''دوسرا خط لکھو!'' اوتامش نے حکم دیا۔ ''لیکن پہلے خود کو پوری طرح سنبھال لو!''

لیکن یہ واثق کے لیے آسان نہیں تھا۔ دوسری کوشش کرتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ میں کپکپاہٹ تھی۔

Marfat.com

''نہیں۔'' اوتامش غصے سے گرجا۔ ''یہ بھی نہیں۔''

''میں کیا کروں!'' واثق ربیعہ بے بسی سے بولا۔ ''ایسی صورتِ حال میں کوئی باپ بھی اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔''

''شراب پی لو۔'' اوتامش نے کہتے ہوئے اپنے ہونٹ دانتوں سے رگڑے۔ اس کا غصہ بہت بڑھ گیا تھا۔ ''شراب پی کر تم اپنے اعصاب پر قابو پا لو گے۔''

''لیکن سالار!'' غلام نصر بولا۔ ''اس طرح تو دیر لگے گی!''

''دیر ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن عجلت میں سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔'' اوتامش نے جواب دیا۔

واثق ربیعہ کے لیے شراب مہیا کی گئی۔ شراب پینے میں خاصا وقت لگا۔ تین جام پینے کے بعد واثق ربیعہ اپنے اعصاب پر قابو پا سکا۔ اب وہ اس قابل تھا کہ خط لکھتے وقت اس کا ہاتھ نہیں کپکپاتا۔

☆☆☆

قلقل سرا میں فضل نے چوبی زینے طے کیے اور تیزی سے اپنے کمرے میں پہنچی۔ اسے جو اطلاع دی گئی تھی، اس کے مطابق منصور اس کے کمرے میں موجود تھا۔

''میں نے اسے دیکھا تھا۔'' فضل نے اس سے کہا۔ ''وہ واقعی محبوبہ سے مشابہ نظر آتا ہے لیکن وہ مجھے دیکھ کر ذرا بھی نہیں چونکا۔''

''ہاں۔'' منصور نے کہا۔ ''غلط شبہ ہوا تھا مجھے! وہ اگر محبوبہ ہوتی تو یقیناً تمھیں دیکھ کر چونک جاتی۔ وہ کوئی اور ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ کوئی بگڑا دل رئیس زادہ ہے۔ بس ٹھیک ہے۔ تمھارا کام ختم ہوا۔ اب تم آرام کرو۔''

منصور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

فضل کی پریشانی دور ہوگئی۔ اسے ڈر تھا کہ منصور اس سے باتیں کرنے کے لیے رک گیا تو اسے نکلنے میں دیر ہو جائے گی۔ وہ یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتی تھی۔ اندھیرا پھیلے ہوئے کچھ وقت گزر چکا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ آنے والا یونانی خادم ہی تھا۔

Marfat.com

”بس نکل چلیے!“ وہ فوراً بولا۔ ”جو کچھ لینا ہو، لے لیجیے!“

”میں کچھ لے کر ہی نہیں آئی تھی تو لے کر کیا جاؤں گی۔“

یونانی خادم باہر ہی کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

”آیئے!“ وہ بولا۔

فضل نے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اتفاقاً کوئی اِدھر نکل آئے تو اسے دروازہ کھلا دکھائی دے۔

یونانی خادم اسے جن راستوں سے لے کر چلا، وہ اس کے لیے اجنبی ہی تھے۔ جلد ہی اس نے خود کو سرائے کے باہر دیکھا۔ اس طرف سناٹا تھا۔ قلقل سرا کرخ کے علاقے کے ایک سرے پر تھی۔ اس طرف دور تک ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔

فضل نے کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی۔

”میں گھوڑا یہیں لے آیا ہوں۔“ یونانی خادم بولا اور ایک طرف قدم بڑھائے۔

فضل کو اندھیرے میں ایک گھوڑا سائے کے مانند دکھائی دیا۔

”یہاں کیسے لے آئے؟“ فضل کو حیرت ہوئی تھی۔

”نگراں سے میں نے کہا تھا کہ جن لوگوں کے لیے یہ گھوڑے منگائے گئے تھے، انھی میں سے ایک کو ضرورت ہے۔ یہ مجھے اس لیے کرنا پڑا کہ اصطبل کے قریب کچھ لوگ موجود تھے۔ مجھے خیال تھا کہ آپ کسی کی نظر میں آنا پسند نہیں کریں گی۔“

”لیکن......“

”مجھے یاد ہے۔“ یونانی خادم نے اس کی بات کاٹی۔ ”میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کو قصرِ خلافت تک پہنچا کر ہی اپنا راستہ لوں گا لیکن مجبوری آ پڑی۔ میں ایک ہی گھوڑا لا سکا ہوں۔ آپ نکل جایئے۔“

”تمھارا کیا ہوگا!“ فضل جلدی سے بولی۔ ”میرے غائب ہونے کے بعد نگراں بتا دے گا کہ گھوڑا تم لے گئے تھے۔ تمھاری زندگی......“

”میں کسی اور طرح یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ آپ تو نکل ہی جایئے!“

”نہیں۔“ فضل نے کہا۔ ”تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمھیں

Marfat.com

خطرے میں نہیں چھوڑوں گی۔ تم میرے ساتھ ہی چلو۔ ایک گھوڑے پر دو افراد بھی بیٹھ سکتے ہیں۔ میں بہت اچھی گھڑ سوار نہیں لیکن......"

یونانی خادم نے اس کی بات کاٹی۔ "میری بھی یہی ضرورت ہے کہ جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤں۔ میں تو بہت اچھا گھڑ سوار ہوں۔"

"تو پھر تم ہی اسے دوڑانا۔ میں آگے بیٹھ جاؤں گی۔ جلدی کرو، اور ......"
فضل نے اپنی انگلی سے انگشتری نکالی اور یونانی خادم کی چھنگلیا میں پہنا دی۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں یہ انگشتری تمھیں دے دوں گی۔"

"کون ہے اس طرف؟" کہیں دور سے کوئی چیخا۔

فضل تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوگئی۔ اس خیال سے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا کہ کسی نے انھیں دیکھ لیا تھا۔

یونانی خادم نے بھی گھوڑے پر سوار ہونے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ فضل کے پیچھے بیٹھا تھا۔ فضل نے لگامیں اسے تھما دیں۔

"کون ہے؟" دور سے وہ آواز پھر آئی۔

"جلدی کرو!" فضل کی سانس پھولنے لگی تھی۔

اس کے یہ دو لفظ زبان سے نکلتے نکلتے یونانی خادم گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔

"قصرِ خلافت کا راستہ جانتے ہونا؟" فضل نے پوچھا۔

"خوب جانتا ہوں۔" خادم نے جواب دیا۔

گھوڑے کو اس نے بہت جلدی سرپٹ دوڑا دیا تھا۔

فضل بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ کسی نے انھیں دیکھ لیا تھا۔ یہ قیاس کرنا ممکن نہیں تھا کہ انھیں کس نے دیکھا تھا لیکن فضل خوف زدہ ہوگئی تھی۔

"تیز دوڑاؤ!" فضل ہانپنے لگی تھی۔

گھوڑا اس وقت ہوا سے باتیں کر رہا تھا۔

"اس سے زیادہ تیز رفتاری ممکن نہیں۔" یونانی خادم نے جواب دیا۔

گھوڑا ویرانے میں دوڑ رہا تھا۔ یونانی خادم نے عقل مندی یہ کی تھی کہ شہری حدود

Marfat.com

کی طرف نہیں نکلا تھا۔ ابھی رات اتنی نہیں گزری تھی کہ شہر میں سناٹا ہوتا۔ جاگتے ہوئے شہر میں گھوڑے کو تیز رفتاری سے دوڑانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ ویرانوں سے گزرتا ہوا اس طرف سے بغداد میں داخل ہوتا جہاں سے قصرِ خلافت کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ برق رفتار گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے باتیں کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن یونانی خادم نے فضل کو بتا ہی دیا تھا کہ وہ کس راستے سے قصرِ خلافت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ فضل اس وقت دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ اس کے قصرِ خلافت پہنچنے تک متوکل خیریت سے رہے۔

یکایک ہوا کے دوش پر سفر کرتی ہوئی کچھ آوازیں ان دونوں کے کانوں تک پہنچیں اور ہوا کا زور ٹوٹتے ہی معدوم ہو گئیں۔

فضل نے چونک کر کہا۔ ''یہ تو ٹاپوں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' خادم کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''کیا کوئی ہمارے تعاقب میں ہے؟''

''نہیں۔ ہوا ہمارے پیچھے سے نہیں آ رہی ہے۔ آوازیں غالباً اس طرف سے آئی تھیں۔'' یونانی خادم نے ایک ہاتھ سے لگام سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے ایک جانب اشارہ کیا۔

سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے کی وجہ سے انھیں کسی حد تک چیخ کر بولنا پڑ رہا تھا۔ ہوا کے دوش پر آوازیں پھر آئیں۔ اس مرتبہ وہ بہت واضح تھیں۔

''یہ تو پندرہ بیس سوار معلوم ہوتے ہیں۔'' یونانی خادم نے خیال ظاہر کیا۔

''اِدھر سے یہ کون لوگ آ رہے ہیں!'' فضل کی پریشانی بڑھی۔

یونانی خادم کچھ نہیں بولا۔ وہ بولتا بھی کیا! اسے اس بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

خود فضل کے سان گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ ترک سپاہیوں کا دستہ ہو گا جس کی قیادت واصف ترکی کر رہا تھا۔ متوکل کے خلاف پہلی سازش کی ناکامی کے بعد وہ لوگ روپوش ہو گئے تھے لیکن اس وقت وہ اپنے نامعلوم مسکن سے نکل کر تیزی سے بغداد کی طرف بڑھ رہے تھے۔

Marfat.com

وہ قمری مہینے کی وسطی تاریخیں تھیں لیکن یونانی خادم اور فضل جس وقت قلقل سرائے سے روانہ ہوئے تھے، اس وقت مطلع ابر آلود تھا۔ زمین چاندنی سے محروم تھی۔ اب یکا یک بادل پھٹے اور چاند کی کرنیں زمین تک پہنچنے لگیں۔ اس ہلکی سی روشنی میں واصف ترکی اور اس کے ساتھ آنے والے سپاہیوں کو فضل اور یونانی خادم کا گھوڑا دکھائی دے گیا۔

''یہ کون ہے!'' واصف ترکی چونکا۔

سپاہیوں میں سے کوئی کچھ نہیں بولا۔ وہ بھی حیران تھے کہ اس ویرانے میں اس سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے پر کون ہوگا!

واصف ترکی کا دستہ اس طرح آگے بڑھ رہا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے اس گھوڑے کے قریب ہوتے جا رہے تھے جو انھیں چاندنی میں دکھائی دیا تھا۔ ''وہ دو ہیں۔'' واصف ترکی چیخا۔ ''آگے کوئی عورت بیٹھی ہوئی ہے۔''

وہ عورت جو فضل تھی، ان گھڑسواروں کو دیکھ کر بے حد خائف ہو چکی تھی۔ ''نہ جانے کون ہیں!'' وہ دہشت زدگی کے عالم میں بولی۔ ''ہمیں ان سے دور ہو جانا چاہیے۔''

فوری طور پر یہ ممکن نہیں تھا۔ ان کی بائیں جانب دلدل تھی جو بہت دور تک چلی گئی تھی۔ اس کے ختم ہونے کے بعد ہی گھوڑے کا رخ بدلا جا سکتا تھا۔

گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ اس سے زیادہ تیز رفتاری ممکن نہیں تھی اور ترک سپاہیوں کا دستہ ان کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

''یہ تو فضل معلوم ہوتی ہے۔'' واصف ترکی حیرت سے چیخا۔ ''یہ قلقل سرائے سے یہاں کیسے پہنچ گئی؟ اور یہ اس کے ساتھ کون ہے؟''

''اسے روکا جائے؟'' کسی سپاہی نے پوچھا۔

''روکا نہیں، اسے پکڑا جائے۔'' واصف ترکی نے دانت پر دانت جما لیے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ فضل قلقل سرائے سے وہاں کیسے پہنچ گئی اور اس کے ساتھ کون تھا۔

''زندگی ختم ہوگئی!'' فضل ہذیانی انداز میں چیخی۔ وہ بھی واصف ترکی کو پہچان گئی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی ساری جدوجہد رائگاں جا چکی ہے۔

یونانی خادم یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ فضل نے زندگی ختم ہو جانے کی بات کیوں کی تھی!

Marfat.com

پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتا، فضل نے گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ سے چھین لی تھی۔ گھوڑے کا رخ اس نے اپنی خواہش کے مطابق ایک طرف موڑا تھا۔

☆☆☆

خلیفہ متوکل اس رات ایک نئی کنیز کے ساتھ تھا۔ شراب اس نے خاصی پی لی تھی اور نوعمر نئی کنیز اسے اتنی پسند آئی تھی کہ وہ وحشی بنا ہوا تھا۔ ایسے میں جب اس کی خاص خواب گاہ کے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ غصے میں گرج اٹھا۔ ''کون بدتمیز اپنی موت کو پکار رہا ہے۔''

''امیر المومنین!'' باہر سے ایک کنیز کی ڈری ڈری سی آواز سنائی دی۔ ''ابنِ خاقان تشریف لائے ہیں۔''

''وہ کیوں آیا ہے ہماری خلوت برباد کرنے؟'' متوکل نے پھر گرج کر پوچھا۔

''مجھے علم نہیں امیر المومنین!'' جواب دینے والی کنیز کی آواز اب بھی ڈری ڈری سی تھی۔

متوکل جس کنیز کو اس وقت اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھا، وہ اس کے خلوت کدے میں پہلی مرتبہ آئی تھی لیکن قصرِ خلافت میں آئے اسے سال بھر سے زیادہ ہو چکا تھا۔ وہ اس ناکام سازش کے بارے میں کچھ کچھ جان چکی تھی جو متوکل کو ختم کرنے کے لیے کی جا چکی تھی۔

''امیر المومنین!'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''محترم وزیر اس وقت تشریف لائے ہیں تو ضرور کوئی خاص بات ہوگی۔ شاید انھیں اس وقت آپ کے دشمنوں کے بارے میں کوئی اہم بات معلوم ہوئی ہو!''

''لعنت ہے ہمارے دشمنوں پر۔'' متوکل نے غصے سے کہا اور کھڑا ہوگیا، پھر اطلاع دینے والی کنیز سے بلند آواز میں بولا۔ ''یہیں بھیج دو اس بدبخت کو! اگر کوئی خاص بات نہ ہوئی تو ہم نہیں جانتے کہ ہمارا غصہ اسے کل کا سورج دیکھنے دے گا یا نہیں!''

نوعمر کنیز جلدی جلدی اپنی ستر پوشی کرنے لگی۔ متوکل نے اتنی شراب پی لی تھی کہ اسے اپنے لباس کا ہوش ہی نہیں تھا۔ کنیز ہی نے اپنی ستر پوشی کرنے کے بعد اسے لبادہ پہنایا اور خود سمٹ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

Marfat.com

متوکل ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ غصے میں کچھ بڑ بڑا بھی رہا تھا۔

ذرا دیر بعد دروازے پر دستک پھر ہوئی اور اس کے ساتھ ہی کہا گیا۔

''ابنِ خاقان، آپ کا غلام حاضر ہوگیا ہے امیر المومنین!''

''اندر آجاؤ!'' متوکل نے دروازے کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہم اپنے خلوت کدے کا دروازہ کبھی بند نہیں کرتے۔ کسی کو یہاں آنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔''

''میں...... میں ...... اندر آجاؤں؟'' ابنِ خاقان کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

''ہاں۔'' متوکل نے زور سے کہا۔ ''آؤ...... اور آ کر دیکھو کہ تم نے ہماری خوب صورت رات برباد کر دی ہے۔''

دروازے کے باہر ابنِ خاقان تذبذب کا شکار رہا۔

''سنا نہیں تم نے؟'' متوکل چیخا۔ ''اندر آجاؤ۔''

ابنِ خاقان دروازہ کھول کر ہچکچاتا ہوا اندر آیا۔ اس کی نظر اتفاق سے کنیز پر پڑ گئی لیکن پھر اس نے جلدی سے نظریں چرالیں اور متوکل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''باہر آپ کے محافظ کیوں نہیں ہیں امیر المومنین؟''

''جہنم میں چلے گئے۔'' متوکل نے سر جھٹک کر کہا۔ ''یہ بتاؤ کہ تم نے ہماری یہ رات کیوں برباد کی ہے؟''

ابنِ خاقان نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''کیا آپ نے مجھے طلب نہیں فرمایا؟''

''کیا ہم پاگل ہوگئے ہیں کہ اس وقت تمھیں بلائیں گے؟'' متوکل نے شدید جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

ابنِ خاقان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''آپ کے وزیر کو ہم نے بلایا ہے امیر المومنین!'' دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

وہ ترک سالار بغا الصغیر تھا جس کے ہاتھ میں تلوار چمک رہی تھی۔

''پھر سازش ہوگئی۔'' ابنِ خاقان چیخا اور اس نے بڑی تیزی سے اپنی تلوار نکالی۔

Marfat.com

بغاالصغیر کے پیچھے شمشیر بہ دست کچھ لوگ اور بھی تھے۔

چادر میں لپٹی ہوئی کنیز دہشت سے چیخ پڑی۔

''کون ہو تم لوگ!'' متوکل غصیلی آواز میں چیخا۔ ''کیا کرنے آئے ہو؟''

بغاالصغیر جواب میں کچھ کہنے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ متوکل کی گردن اڑا دینا چاہتا تھا۔ خلیفہ کا جاں نثار وزیر ابنِ خاقان تیزی سے ان دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ بغاالصغیر کی تلوار اس نے اپنی تلوار پر روکی لیکن اسی وقت کئی اور تلواریں خود اس کے سینے اور پیٹ میں پیوست ہو گئیں۔

اس وقت قصرِ خلافت کی ان راہ داریوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی جہاں محبوبہ چیختی ہوئی دوڑ رہی تھی۔ اس نے اپنا بہروپ ختم کر دیا تھا۔

''امیرالمومنین کہاں ہیں؟ امیرالمومنین کہاں ہیں؟'' وہ چیخ رہی تھی۔

قصر کے اندرونی حصے میں پہرا دینے والے حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جو ایک سوال تو کر رہی تھی لیکن جواب کے لیے کسی کے پاس نہیں رک رہی تھی۔ اس کا سوال اس کا ہذیان تھا ورنہ وہ جانتی تھی کہ رات کے اس پہر میں متوکل کہاں ہوگا؟

وہ دوڑتی ہوئی متوکل کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک نوعمر کنیز دہشت زندگی کے عالم میں چیختی ہوئی باہر نکلی اور محبوبہ سے ٹکرا گئی۔ اسی وقت خواب گاہ کے اندر سے کسی نے خنجر پھینک کر مارا جو اس بدنصیب کنیز کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ ڈگمگا کر گری۔

محبوبہ پر ایسی وحشت طاری تھی کہ وہ فرش پر گری ہوئی کنیز کی طرف دھیان دیے بغیر تیزی سے خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔

بغاالصغیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تم دیر سے آئی ہو محبوبہ! تمھارے محبوب کو اس کے وزیر نے قتل کر دیا ہے۔''

محبوبہ سکتے کے عالم میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی پھٹی پھٹی سی نگاہیں ان دو لاشوں پر جمی ہوئی تھیں جن میں سے ایک ابنِ خاقان کی تھی اور دوسری لاش کا کٹا ہوا سر الگ پڑا تھا۔ وہ سر خلیفہ متوکل کا تھا۔

Marfat.com

''بہت برا کیا ابنِ خاقان نے!'' بغاالصغیر کی آواز محبوبہ کے کانوں میں آندھی کی طرح گونجی۔ ''لیکن اسے اپنے کیے کی سزا مل چکی ہے۔ ہم نے اسے بھی زندہ نہیں چھوڑا۔''

محبوبہ کے قدم ڈگمگائے اور پھر وہ غش کھا کے گر پڑی۔

اس وقت بہت سے ترک سپاہی محل میں یہ خبر پھیلاتے چلے جا رہے تھے کہ امیر المومنین کو ابنِ خاقان نے اور ابنِ خاقان کو بغاالصغیر نے قتل کر دیا۔

محل کے کسی حصے میں موجود عدیل نجدی نے بھی یہ خبر سنی اور بھونچکا رہ گیا۔ وہ بے وقوف نہیں تھا کہ حقیقت نہ سمجھ پاتا لیکن اب صورت حال اس کے قابو میں نہیں آسکتی تھی۔ سارے محل میں بغاالصغیر کے وفادار سپاہی دندناتے پھر رہے تھے۔

عدیل نجدی صرف حیران ہی ہوسکا کہ اس سازش میں خلیفہ کا جاں نثار واثق ربیعہ کیسے شامل ہو گیا۔ وہ اسی کی تحریری ہدایات کے مطابق خلیفہ متوکل سے دور ہوا تھا۔

☆☆☆

دوسرے دن محبوبہ بت بنی ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کمرا بغاالکبیر کے محل کا تھا۔

''مجھے دمیاط سے واپس آنے میں شاید دیر ہوگئی۔'' بغاالکبیر ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''جو کچھ ہوا ہے، وہ مجھے پسند نہیں آیا لیکن میں اب اپنے ہم وطنوں سے کوئی دشمنی مول نہیں لینا چاہتا۔ صغیر نے بھی یہی مصلحت سمجھی کہ مجھ سے کوئی پرخاش مول نہ لے۔ جب میں نے اس سے کہا کہ وہ تمھیں میرے حوالے کر دے تو اس نے ذرا بھی چوں چرا نہیں کی۔ تم جانتی ہو کہ میں تمھیں بہت عرصے سے پسند کرتا ہوں۔''

محبوبہ ساکت بیٹھی رہی۔ اس وقت اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ اسے جب سے ہوش آیا تھا، وہ ایک لفظ نہیں بولی تھی۔

''میں نے وقت سے سمجھوتا کر لیا ہے۔'' بغاالکبیر کچھ توقف سے بولا۔ ''اب تمھیں بھی یہی کرنا چاہیے۔ میں جانتا ہوں کہ تمھیں مرحوم خلیفہ سے بہت محبت تھی لیکن سمجھ لو کہ وہ بیتے ہوئے دنوں کا ایک خواب تھا۔ آج صبح خلافت کا منصب منتصر باللہ نے سنبھال لیا ہے۔ بیشتر شہزادے قید کر لیے گئے ہیں۔ دو ایک روپوش ہیں۔''

Marfat.com

اس موقع پر محبوبہ نے آہستگی سے سر اٹھا کر بغاالکبیر کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''تم یہ سب کچھ کیوں سنا رہے ہو۔ مجھے ان باتوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔''

بغاالکبیر مسکرایا۔ ''میں بس یہی چاہتا تھا کہ تم کچھ بولو۔ تمھاری مسلسل خاموشی مجھے اس اندیشے میں مبتلا کر رہی تھی کہ تمھاری قوت گویائی تو سلب نہیں ہوگئی۔''

''یہی سمجھ لو بغا!'' محبوبہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''میں اب ایک زندہ لاش ہوں اور کچھ نہیں۔''

''میں تمھیں زندگی کے قریب لاؤں گا محبوبہ!'' بغاالکبیر نے کہا۔ ''محبت کرتا ہوں میں تم سے!''

''تم شاید محبت کا مطلب بھی نہیں جانتے ہوگے!'' محبوبہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

بغاالکبیر نے اسے گھور کر دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میں تمھیں کوئی سخت جواب نہیں دوں گا۔ تم اس وقت صدمے کی حالت میں ہو۔ مجھے امید ہے کہ یہ کیفیت زیادہ عرصے برقرار نہیں رہے گی۔ سب زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ تمھارے زخم کا بھی نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔''

محبوبہ نے پھر خاموشی اختیار کرلی۔ بغاالکبیر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کچھ سوچتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ کمرے میں ایسا سکوت چھا گیا جیسے وہاں کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔

بغاالکبیر کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ محبوبہ کی وہ کیفیت زیادہ عرصے برقرار نہیں رہے گی۔

کئی ماہ گزر گئے۔ محبوبہ کے لیے آرام و آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ بغاالکبیر نے اس کے لیے بہترین ملبوسات تیار کروائے تھے۔ قیمتی زیورات خریدے گئے تھے۔ محل کی کنیزیں بغاالکبیر کے حکم پر محبوبہ کو سجاتی سنوارتی بھی رہتی تھیں۔ وہ خاموشی سے سجتی سنورتی رہتی تھی لیکن اس طرح جیسے اسے کوئی احساس ہی نہ ہو۔

''شاید اس کی حِسّیات ہی مٹ گئی ہیں۔'' بغاالکبیر کبھی کبھی سوچا کرتا تھا۔

Marfat.com

لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ محبوبہ کی حِسّیات پوری طرح کام کر رہی تھیں لیکن کسی بات کا ردعمل اس کے چہرے پر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بغا کی بہت سی کنیزیں تھیں۔ وہ اکثر محبوبہ کے سامنے بھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہتی تھیں۔ ان کی باتوں سے محبوبہ کے علم میں بہت کچھ آتا رہتا تھا۔ بغداد کے حالات، منتصر کی خلافت اور اس کے بدلے ہوئے تیور! اس نے ان ترکوں سے بھی نظریں پھیر لی تھیں جن کے باعث وہ خلافت کے منصب پر بیٹھا تھا۔ اس نے ان ترکوں پر سختی شروع کر دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ترک بھی آہستہ آہستہ اس کے خلاف ہوتے جا رہے تھے۔

چند ماہ اور گزر گئے۔ محبوبہ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بغاالکبیر اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا لیکن وہ شاید خوشی اور غم کا مطلب ہی بھول چکی تھی۔ اسے اس دن بھی کوئی خوشی نہیں ہوئی جب اس نے بغا کی کنیزوں کی باتوں سے جانا کہ منتصر کو چھ ماہ بھی حکومت کرنا نصیب نہیں ہو سکا تھا۔ ایک کنیز کے خیال کے مطابق منتصر کو خنّاق ہو گیا تھا۔ اسی مرض میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بغاالکبیر کی دو عرب کنیزیں ایسی تھیں جو نہ بغاالکبیر کو پسند کرتی تھیں، نہ دیگر ترکوں کو!

ایک مرتبہ محبوبہ نے ان دونوں کو رازدارانہ انداز میں باتیں کرتے سنا۔ وہ دونوں بھی سنی سنائی باتیں کر رہی تھیں۔ شہر میں بعض لوگ سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ترکوں نے منتصر کے ذاتی طبیب ابن طبغور کو تیس ہزار دینار دے کر منتصر کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ طبیب نے منتصر کا علاج کرتے ہوئے زہریلے نشتر سے اس کی فصد کھول دی تھی جس کی وجہ سے اس کا انتقال ہوا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ طبیب یہ حرکت کر تو گزرا تھا لیکن پھر اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی تھی کہ اس نے اپنے ہی ایک غلام کے ہاتھوں اپنی فصد بھی اسی زہریلے نشتر سے کھلوائی تھی اور مر گیا تھا۔ کسی کی زبان پر یہ بات بھی آئی تھی کہ منتصر کو زہریلا امرود کھلا دیا گیا تھا جو اس کی موت کا سبب بنا۔

محبوبہ کو ان باتوں سے بھی کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی حالانکہ منتصر ہی اس کے محبوب خلیفہ کو قتل کروا کے برسرِ اقتدار آیا تھا۔

اپنے ان ٹھس جذبات کے باوجود محبوبہ کو کبھی کبھی فضل یاد آ جاتی تھی۔ اس کے

Marfat.com

بارے میں اسے کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔

کچھ دن بعد اس پر یہ راز بھی کُھلا۔ کئی ماہ میں وہ پہلا موقع تھا جب وہ اس موت کے تصور سے کانپ گئی جو فضل کو نصیب ہوئی تھی۔

محبوبہ کو زیادہ تفصیل تو نہیں معلوم ہو سکی۔ بس اتنا سامنے آیا کہ فضل قلقل سرا کے ایک یونانی خادم کے ساتھ گھوڑے پر سوار کہیں بھاگی جا رہی تھی کہ اسے سالار واصف ترکی کے سپاہیوں نے گھیرے میں لینا چاہا۔ فضل ان سے بچ کر نہیں نکل سکتی تھی۔ ان ترکوں سے وہ اتنی دہشت زدہ تھی کہ اس نے گھوڑے کو اس طرف موڑ دیا تھا جدھر نہایت زہریلی دلدل تھی۔ اس کا ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا۔ گھوڑا، قلقل سرا کا یونانی خادم اور فضل اس دلدل میں دھنستے چلے گئے تھے۔

متوکل کی موت کے بعد محبوبہ کے لیے یہ دوسرا صدمہ تھا لیکن اس وقت بھی اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر نہیں ابھرا۔

''بہت ہو گئی اب!'' بغا نے ایک دن اس سے بڑے غصے میں کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ اب تم متوکل کو بھول چکی ہو گی لیکن صرف مجھ سے دور رہنے کے لیے تم نے خود پر یہ سوگ طاری کر رکھا ہے۔ اب تمھیں یہ ڈھونگ ختم کرنا ہو گا۔ آج رات میرے کچھ دوست آ رہے ہیں۔ اس محفل میں آج تم گانا سناؤ گی یا میں تمھیں قید خانے میں ڈلوا دوں گا۔''

''ڈلوا دو'' محبوبہ نے اسے جواب دینے کے بجائے دل میں کہا۔ ''تاریخ میں یہ تو آ ہی جائے گا کہ کنیزیں بھی عورت ہوتی ہیں۔ دل ان کے سینے میں بھی ہوتا ہے۔ محبت انھیں بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اس محبت کی خاطر مر بھی سکتی ہیں۔ میں بھی مر جاؤں گی۔ متوکل کے بعد میں کسی کے سامنے نہیں گا سکتی۔''

اور پھر یہی ہوا۔ بغا الکبیر نے اُسے اپنے ذاتی قید خانے ڈلوا دیا۔ محبوبہ نے اپنی باقی زندگی ایک اندھیری کوٹھری میں گزاری۔ مرتے وقت بھی اس کی زبان پر صرف متوکل کا نام تھا۔

☆☆☆

Marfat.com

اس مجموعے کی کہانیوں کے لئے درجِ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا

منتخب التواریخ — محمد بن یوسف
تاریخِ فرشتہ — محمد قاسم فرشتہ
تاریخ جہاں کُشا — جوینی

مراۃ الزماں — ابن جوزی
الکامل — ابن اثیر
سلجوق نامہ — عمادالدین اصفہانی

چنگیز خان — ہیرلڈلیم
تاریخ الخلفا — جلال الدین سیوطی
معجم البلدان — غلام جیلانی برق

تاریخ خوارزم شاہی — غلام ربانی عزیز
تاریخِ بغداد — خطیب بغدادی
فتوح البلدان — البلاذری

الفخری — ابن طباطبائی
تاریخِ اسلام — معین الدین احمد ندوی
فرماں روائے اسلام — لین پول

تمدّنِ عرب — گستاؤلی بان
المامون — شبلی نعمانی
تاریخِ اسلام — اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

تاریخِ ایران — مقبول بیگ بدخشانی
طبقاتِ ناصری — منہاج سراج
تاریخِ طبرستان — ظہیرالدین

تاریخ معتزلہ — زہری حسن جاراللہ
تاریخِ طبری (دو حصے) — محمد بن جنیل الطبری

Marfat.com